علوم الحدیث

مطالعہ و تعارف

مرتب
رفیق احمد رئیس سلفی

نگراں
مولانا عبدالمعید مدنی

ناشر
مقامی جمعیت اہل حدیث
سول لائنس، علی گڑھ 202002 (یوپی)

علوم الحدیث: مطالعہ و تعارف

(مجموعہ مقالات سیمینار منعقدہ ۱۸، ۱۹/ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

مرتب
رفیق احمد رئیس سلفی

نگراں
مولانا عبدالمعید مدنی

ناشر
مقامی جمعیت اہل حدیث
سول لائنس، ہمدرد نگر - بی، علی گڑھ 202002 (یوپی)

نام کتاب .... علوم الحدیث: مطالعہ وتعارف

مرتب .... رفیق احمد رئیس سلفی

تعداد اشاعت .... ایک ہزار

سال طباعت .... نومبر ۱۹۹۹ء

قیمت .... Rs 200=00

کمپوزنگ .... نیشنل کمپیوٹر سنٹر، A-71 ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵ فون: 6315287

ناشر .... مقامی جمعیت اہل حدیث، سول لائنس، سلفیہ کامپلکس ہمدرد نگر-بی، علی گڑھ (یوپی)

ملنے کا پتہ

مقامی جمعیت اہل حدیث

سول لائنس، سلفیہ کامپلکس، ہمدرد نگر-بی، علی گڑھ 202002 (یوپی)

انتساب

علم و عمل میں ممتاز اُن نوجوان علماء کے نام

جو سلفی دعوت کی آبرو اور اس کا سب سے اہم قیمتی سرمایہ ہیں

جو سود و زیاں کے احساس سے اوپر اٹھ کر کتاب و سنت پر استقامت کی

دعوت میں نئی روح پھونکنے کا عزمِ مصمم کر چکے ہیں اور اس کا علم تھامے زندگی کے ہر

میدان میں پیش قدمی کر رہے ہیں۔ جن کے ایمان و عقیدہ کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ ملت اسلامیہ

کی شیرازہ بندی اعتصام بالکتاب والسنۃ کے بغیر ممکن نہیں۔ اپنے اسی یقین کی بنیاد پر

وہ سماج و معاشرہ سے ہر اس برائی کو ختم کرنے کے لیے کمربستہ ہیں

جس نے ملت کو عقیدہ و عمل کے لحاظ سے کھوکھلا کر دیا ہے۔

بارك الله في جهودهم وجزاهم خير الجزاء.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا. (سورة النساء : ٥٩)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورة النور: ٥١)

عن أبي نجيح العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال:
”وعظنا رسول اللّٰه ﷺ موعظة بليغة وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون،
فقلنا: يا رسول اللّٰه كأنها موعظة مودع فأوصنا. قال: ”أوصيكم بتقوى اللّٰه،
والسمع والطاعة وإن تأمر عليكم عبد، وإنه من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً،
فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ،
وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل بدعة ضلالة.“

رواه أبوداؤد، والترمذي وقال: حديث حسن صحيح

آئینۂ ترتیب

اختتامی اجلاس (تاثرات و تجاویز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم بإحسان الی یوم الدین أمابعد:

مقامی جمعیت اہل حدیث سول لائنس علی گڑھ کے زیر اہتمام ۱۸/۱۹/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو منعقد ہونے والے سمینار کے مقالات کا مجموعہ حاضر خدمت ہے۔ ناظرین کرام کے ہاتھوں میں اسے پیش کرتے ہوئے ہم دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے چند کمزور اور ناتواں بندوں کو حدیث و سنت کا تعارف کرانے کا ایک موقع عطا فرمایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آئندہ بھی اس طرح کے دینی اور علمی کاموں کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

رسول اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ حدیث اسلامی شریعت کا بنیادی ماخذ ہے۔ ہر صاحب ایمان کو اپنے نبی معصوم کے ارشادات سے قلبی لگاؤ اور گہری وابستگی ہونی چاہیے۔ محبت رسول ایمان کی پہلی شرط ہے اور اس محبت کی تکمیل اتباع رسول اور پیروی سنت کے بغیر ممکن نہیں۔ سنت نبوی کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ وہ ایک انسان کو فکر و نظر کے اس اعتدال و توازن سے ہم کنار کرتی ہے جس سے زندگی میں ذہنی و قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ مسائل حیات سے نبرد آزما ہونے اور ان کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی تعلیمات نبوی سے معطر ہوتی ہے۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے فرمودات سے محبت رکھتا ہے۔ وہ دینی مجالس اس کے ایمان میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں جہاں احادیث رسول کی تعلیم و تشریح ہوتی ہو۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ احادیث مبارکہ سے روز و شب کی زندگی کو منور رکھنا ہی ایمان کی شان ہے۔ حدیث و سنت سے بے اعتنائی شرک، بدعت اور اوہام پرستی کی طرف لے جاتی ہے۔ صراط مستقیم صرف وہی ہے جس کی تعیین شارح قرآن نے فرمائی ہے۔ اس کے برعکس تمام راستے ہلاکت و تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

سمینار کا مرکزی عنوان ”علوم الحدیث: مطالعہ و تعارف“ تھا۔ اس کے ذیلی عنوانات کی تعیین میں بڑی حد تک گرد و پیش کے فکری رجحانات کو پیش نظر رکھا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ ایسے مقالات تیار ہو جائیں جن سے ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے جو حدیث و سنت کے سلسلہ میں مختلف طبقات میں پائی جاتی ہیں۔ احادیث کی استنادی حیثیت اور اس کی حجیت سے انکار کرنے کی ایک بڑی وجہ ان علوم سے عدم واقفیت ہے جن سے فن حدیث عبارت ہے۔ تدوین حدیث کے مراحل،

عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں احادیث کی کتابت، زبانی روایات میں صحت کا اہتمام، سینوں سے سفینوں میں منتقل کرتے وقت دقت نظر کا استعمال، جرح و تعدیل کے اصول اور ضابطے، اصول حدیث کی اصطلاحات اور راویان حدیث کے طبقات وغیرہ مختلف ایسے گوشے ہیں جن کے بارے میں اگر صحیح معلومات نہ ہوں تو ارشادات رسول کی نظری اہمیت تسلیم کرنے کے باوجود ایک مسلمان کی عملی زندگی ان کی روشنی اور تابناکی سے محروم رہ جاتی ہے۔

فقہی مکاتب فکر کے قیام و استحکام کے بعد صورت حال نے ایک نیا موڑ لیا ہے۔ زندگی کے معاملات و مسائل میں براہ راست کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرنے کی روایت معدوم ہوتی جارہی ہے۔ فقہائے کرام کی کاوشوں سے ایک حد تک استفادہ پسندیدہ ہی نہیں مطلوب بھی ہے۔ لیکن ان کے اجتہاد اور استنباط کو کلی اصول اور ضابطے کا نام دے لینا ایک ایسا فکری انحراف ہے جس کی موجودگی میں اس مقدس رشتہ کی کوئی معنویت باقی نہیں رہ جاتی جو دائرۂ اسلام میں آنے کے بعد ایک مسلمان کتاب و سنت سے استوار کرتا ہے۔

برصغیر میں انکار حدیث کے فتنے نے جب سر اٹھایا تو بعض حضرات کی طرف سے اس کی دلیل یہ سامنے آئی کہ قرآن چونکہ اصل ہے، اس میں اللہ نے بندوں کی رہنمائی کا تمام سامان فراہم کر دیا ہے، اس لیے اس کی موجودگی میں اسلامی شریعت کا کوئی اور ماخذ نہیں بن سکتا۔ ان غریبوں نے اپنے دعوے کو جب عملی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی تو کسی نے نماز دو وقت کی، کسی نے تین وقت کی اور کسی نے ایک وقت کی متعین کی۔ ارکان نماز اور طریقۂ نماز کا مسئلہ آیا تو اس کی کوئی ایک صورت متعین نہ ہو سکی۔ عربی زبان اور اس کے اسالیب سے عدم واقفیت کی وجہ سے ان حضرات نے قرآنی فہم و تدبر کے جو نمونے پیش کیے ہیں، وہ انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔ انہی نمونوں سے ان کے فکر و نظر کی پیمائش بھی کی جاسکتی ہے۔

بعض حلقوں میں محدثین کی تحقیقات، ان کے علمی اصولوں اور جرح و تعدیل کے ضابطوں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ یہ کہہ کر ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی کہ جہد و مساعی کے ان ثمرات کے پیچھے انسان کا ہی ذہن کارفرما ہے۔ خبر واحد کو گفتگو کا موضوع بنایا گیا اور نئی نسل کے سامنے ذخیرۂ حدیث کو اس طرح پیش کیا گیا کہ ہر شخص کے لیے اس میں اپنی عقل استعمال کر کے صحیح و غلط کے درمیان امتیاز کرنا ممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انقلابی ذہنیت کے حامل نوجوانوں کی اکثریت احترام و تقدس کی اس نعمت سے محروم ہوگئی جو فہم حدیث کے لیے اولین شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ دینی جذبہ اور محبت رسول سے سرشار ہو کر اپنی داخلی زندگی تعلیمات نبوی سے منور کرتی، درایت اور خبر واحد کی غلط تعبیر و تشریح کا شکار ہوگئی۔ فکر و نظر کے اس انحراف پر اب جب کہ نصف صدی گزر چکی ہے اس کے لازمی نتائج بہت حد تک سامنے آچکے ہیں۔ بعض دانشوروں کو اسلام کی وہ تصویر ایک آنکھ نہیں بھاتی جو دواوین حدیث و سنت سے ابھرتی ہے۔ مسلم معاشرہ کی خاتون انہیں مظلوم نظر آتی ہے کیونکہ وہ سر سے پیر تک دبیز لمبی چادر میں لپٹی ہوئی ہے۔ مسلم سماج غربت و افلاس کا شکار ہے کیونکہ اس کی دوشیزائیں سرکاری ملازمتوں میں برادران وطن کی خواتین سے پیچھے ہیں۔ ابھی ایک ملک کی دینی جماعت کے ایک بڑے قائد کی تحریر کا اردو ترجمہ دیکھنے کو ملا۔ محترم نے نصوص کتاب و سنت کی جو توجیہات پیش کی ہیں اور

عہد رسالت کے بعض واقعات کا جو محل متعین کیا ہے وہ اسلام کے معاشرتی نظام اور اس کے ضابطۂ عفت و عصمت کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ احادیث میں پردہ، محرم اور غیر محرم کے درمیان فرق، اجنبی عورتوں سے خلوت میں میل ملاپ، عورتوں کا غیر محرم مردوں سے بے تکلفی وغیرہ جو مسائل ہیں ان پر ایمان و یقین کمزور ہو چکا ہے۔ مجموعی طور پر احادیث کو حجت تسلیم کرنے کے باوجود بعض صحیح احادیث کا انکار کرنے یا ان کے حکم کو صفت دوام سے محروم کر دینے کے لیے کیا وجہ جواز ہے؟ ابھی تک یہ راز پردۂ خفا میں ہے۔

حدیث و سنت کے تعلق سے فکر و نظر کی یہ بے اعتدالیاں اپنے تمام مظاہر کے ساتھ معاشرہ میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دشمنان اسلام نے اپنی پوری صلاحیت اس رخ پر لگا رکھی ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے اصل ثقافتی ورثہ کے سلسلے میں کنفیوژن کا شکار ہو جائے۔ مستشرقین کے تیار کردہ لٹریچر میں جو زہر ہے اور وہ اسلام کے دورِ اول اور اس کے دینی، اخلاقی سماجی، معاشی اور سیاسی نظام کی جو تصویر پیش کرتا ہے، اس کے مضر اثرات ہماری دانش گاہوں میں نمایاں ہو رہے ہیں۔ تحقیقی اور معروضی مطالعہ کے نام پر اسلام کی ان تعلیمات کو ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے جن کا تجربہ اس زمین پر ایک طویل عرصہ تک کیا گیا ہے اور تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ چشم فلک نے پھر ویسا دور آج تک نہیں دیکھا۔ فن حدیث ایک زندہ اور مکمل فن ہے، اس کی تمام شاخوں کو کئی نسلوں نے اپنے خون سے سیراب کیا ہے۔ کسی بات کی استنادی حیثیت کو متعین کرنے کے لیے اس دنیا میں جتنے وسائل ممکن تھے، سب استعمال کیے گئے ہیں۔ چند بوسیدہ ہڈیوں اور ٹوٹے پھوٹے برتنوں کے سہارے تاریخ کا تاج محل کھڑا کرنے والوں سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک زندہ حقیقت کو اس طرح بھی جھٹلا سکتے ہیں۔

وقت کی یہ اہم ترین ضرورت تھی کہ حدیث و سنت کا مقام، اس کی تشریعی حیثیت اور دین میں اس کی اہمیت واضح کرنے کے لیے علوم حدیث کا تعارف کرایا جائے اور ان علوم کی تدوین میں جن اصولوں کی رعایت کی گئی ہے ان کی تشریح کی جائے۔ چنانچہ اس ضرورت کے تحت مقامی جمعیت اہل حدیث سول لائنس علی گڑھ نے ایک سمینار کا انعقاد کیا۔ دو روز تک چلنے والے اس سمینار میں جو مقالات پیش ہوئے اور جن کو اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے سنا، ان کا مجموعہ آپ کے زیر مطالعہ ہے۔

مجموعہ میں شامل مقالات میں حدیث و سنت کا تعارف بھی ہے اور اس کی حجیت اور تشریعی حیثیت پر تفصیلی گفتگو بھی۔ اسی طرح اس میں تدوین حدیث کی مرحلہ وار تاریخ بھی بیان کی گئی ہے اور ان غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا گیا ہے جو تدوین حدیث کے سلسلے میں پائی جاتی ہیں۔ خالص فنی چیزیں بھی اس کے اندر شامل ہیں جن سے فن حدیث کی باریکیوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ضعیف حدیث کی تشریعی حیثیت ایک بڑا احساس موضوع ہے۔ ایک مقالہ میں تفصیل سے فریقین کے دلائل کا جائزہ لے کر صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسی طرح فتنۂ انکار حدیث کا تفصیلی جائزہ لے کر اس کے اسباب و محرکات اور نتائج و اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ منہج محدثین اور ان کے طریقۂ استنباط کو بھی بعض مقالات میں موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔ اسی طرح بعض محدثین کی خدمات بھی پیش کی گئی ہیں۔ فقہ اہل الحدیث اور فقہ اہل الرائے کے درمیان موازنہ ایک بڑا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض محدثین اور شارحین حدیث کے درمیان تقابل پیش کرتے ہوئے اس

موضوع کو بھی ابھارا گیا ہے۔ان کے علاوہ بھی کئی پہلو ہیں جو ان مقالات میں نمایاں کیے گئے ہیں۔

مقالات کو ترتیب دیتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ مقالہ نگار نے جو کچھ تحریر کیا ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ سمینار کے مقالات میں کاٹ چھانٹ یا ردّ و بدل کوئی اچھی روایت نہیں ہے۔ اس سے علم و تحقیق کا معروضی نقطۂ نظر متاثر ہوتا ہے اور اپنے فکر و فہم کو زبردستی تھوپنے کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔ بعض مقالات کے مندرجات سے علمی اختلاف رکھنے کے باوجود ہم نے اسے من و عن شائع کیا ہے۔ توقع ہے کہ اس سے بحث و تحقیق کے نئے زاویے سامنے آئیں گے اور مخالف نقطۂ نظر کو پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔ اسی طرح بعض مقالات بہت طویل ہیں لیکن ان کی طوالت فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ بعض موضوعات پر اردو میں شاید پہلی بار اتنی سیر حاصل بحث دیکھنے کو ملے گی۔

کلیدی خطبہ کے علاوہ افتتاحی اجلاس کی تمام تقریریں کیسٹ سے نقل کی گئی ہیں اور ان کو نقل کرنے میں پوری احتیاط برتی گئی ہے کہ محترم شرکاء کے الفاظ اور ان کے جملوں کو باقی رکھا جائے۔ اسی لیے آپ کو ان میں خطابت کا پورا رنگ نظر آئے گا۔ افتتاحی اجلاس میں مولانا سلطان احمد اصلاحی کی ایک اہم تقریر کیسٹ کی خرابی کی وجہ سے نقل نہیں ہو سکی، جس کا بیحد افسوس ہے۔ البتہ اس کی تلافی کسی حد تک مولانا کی اس تقریر سے ہو گئی ہے جو آپ نے سمینار کے آخری اجلاس میں فرمائی ہے۔ اختتامی اجلاس جو تاثرات و تجاویز کے لیے مختص تھا اس میں اظہار خیال کرنے والوں کے جذبات اور احساسات کا پورا احترام کیا گیا ہے، ان کی کسی تجویز یا تنقید کو ہم نے حذف نہیں کیا ہے بلکہ اس خیال سے باقی رکھا ہے کہ ان سے انشاءاللہ ہمیں آئندہ کا پروگرام اور زیادہ بہتر طریقے پر منعقد کرنے میں مدد ملے گی۔

ناظرین کرام کو آغاز میں ”شرکائے سمینار کا تعارف“ کے زیر عنوان ان تمام مقالہ نگاران کا مختصر خاکہ ملے گا جن کے مقالات مجموعے میں شامل ہیں۔ ایک دو کو چھوڑ کر باقی تمام خاکے قابل صد احترام شرکاء نے اپنے ہاتھ کے تیار کردہ ہیں۔ میں نے تمام حضرات سے اس کے لیے بطور خاص درخواست کی تھی۔ تعارف کے اس کالم کی وجہ سے مجموعہ کو ایک دستاویزی حیثیت حاصل ہوگی اور جماعت کی تاریخ میں اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان شاءاللہ۔

اس سمینار کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اہم کردار ہمارے ان تمام مقالہ نگار حضرات کا ہے جنھوں نے ہماری دعوت قبول کی، اپنی شدید ترین مصروفیات کے باوجود دور دراز کا پرمشقت سفر طے کر کے یہاں تشریف لائے، محنت اور عرق ریزی سے تیار کردہ اپنے مقالات سے استفادے کا موقع فراہم کیا۔ ان محترم بزرگوں اور مخلص دوستوں نے جن احساسات اور جذبات کا اظہار فرمایا اور ان کے ذریعے ہمیں جو تعاون ملا اس کا تصور بھی آج کی مادّی دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اپنے ان معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کرنا ایک خوشگوار فریضہ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے علم میں برکت عطا فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔

جماعت کی صف اول کے قائدین کے ہم انتہائی شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے اس اقدام کو سراہا اور ہر طرح کا تعاون دے کر ہماری ہمت افزائی فرمائی اس فہرست میں استاد محترم، سلفی دعوت کے فکری ترجمان ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

حفظہ اللہ، مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ، مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی حفظہ اللہ، مولانا عبدالوہاب خلجی حفظہ اللہ، استاذ مکرم مولانا عبدالعلیم ماہر حفظہ اللہ اور مولانا قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ کا اسم گرامی اس سمینار سے نہ صرف وابستہ ہے بلکہ وہی اس کے محرک اول ہیں۔ محترم کے وطن موضع اونر ہوا ضلع بلرامپور یوپی میں ایک ملاقات کے موقع پر علی گڑھ میں دینی و علمی کاموں کا تذکرہ آیا تو آپ نے تاکید فرمائی کہ علی گڑھ کے علمی ماحول میں سلفی دعوت و فکر کے تعلق سے علمی و تحقیقی کاموں کا آغاز کرو۔ وسائل کی قلت اور افراد کی کمی کا جب میں نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ مولانا عبدالمعید مدنی صاحب کی قیادت میں منصوبہ سازی کر کے اقدام کرو، ہم سب مل کر اس میں تعاون کریں گے۔ آپ ہی کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے سمینار کا خاکہ بنا اور اس کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا۔ آپ نے اس کے لیے بھرپور تعاون دیا اور فاضلانہ مقالہ تحریر کر کے اس میں شرکت فرمائی۔ علی گڑھ کی جماعت اپنے اس محسن کے مخلصانہ تعاون کو انشاء اللہ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

اس سمینار سے وابستہ ایک اہم نام استاذ محترم مولانا عبدالحنّان فیضی حفظہ اللہ کے صالح اور ہونہار فرزند برادر گرامی قدر مولانا عبدالمنان سلفی مدیر ماہنامہ السراج جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کا ہے۔ میرے مخلص اور کرم فرما دوست نے مجموعہ مقالات کی طباعت و اشاعت کے لیے جس فکر مندی کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنی ذاتی کوشش سے اس مشکل مرحلہ کو جس طرح آسان بنایا ہے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں ان کا شکریہ ادا کرسکوں۔ اللہ تعالیٰ اس اخلاص اور جدوجہد کا انہیں صلہ عطا فرمائے اور مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی کے مخلص دوستوں کے ساتھ ان سلفی احباب واخوان کو بھی دین و دنیا کی بھلائیوں سے سرفراز فرمائے جن کے باہمی تعاون سے برادر مکرم نے اس کٹھن مرحلہ کو آسان بنانے میں ہماری مدد کی ہے۔

استاذ محترم مولانا عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ کا رسمی شکریہ کیا ادا کروں اور کیسے کروں، وہی تو اس سمینار کے روحِ رواں تھے۔ آپ ہی نے اس کے ہر خاکے میں رنگ بھرا تھا اور آپ ہی کی نگرانی میں یہ مقالات ترتیب پائے ہیں۔ استاذ مکرم کی خصوصی توجہ سے مجھے ذاتی طور پر فکر ونظر کے نشیب و فراز کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ یہ آپ ہی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ اس اہم علمی خدمت کو انجام دینے کی جرأت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مخلصانہ اور مشفقانہ تعلق کو سدا سرسبز رکھے۔

جماعت اہل حدیث علی گڑھ کے وہ تمام بزرگ اور احباب جنہوں نے اپنے اخلاقی اور مادی تعاون کے ذریعہ اس سمینار کو تقویت بخشی، اس کی تمام نشستوں میں شریک رہے اور باہر سے آنے والے معزز مہمانوں کی خدمت کی، جماعت و مسلک کے لیے ان کا یہ جذبہ اور سعی وجہد ہر لحاظ سے قابل مبارکباد ہے۔ علی گڑھ کی دو محترم شخصیات حاجی سمیع الدین شمسی حفظہ اللہ اور حاجی محمد رئیس سوداگر حفظہ اللہ بطور خاص شکریے کے مستحق ہیں کہ اول الذکر نے ایک خوبصورت ڈائری اور ثانی الذکر نے ایک خوبصورت بیگ تمام شرکاء کو تحفے میں دیا۔ مولانا عبدالمنان اثری امیر مقامی جمعیۃ اہل حدیث علی گڑھ، ڈاکٹر اکرام اللہ صاحب، جناب عبدالحکیم صاحب، جناب محمد اشفاق خاں صاحب، محترم عبدالسمیع صاحب، شیخ نذیر احمد امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث علی گڑھ، ڈاکٹر عبدالتواب صاحب، جناب عبدالمغنی صاحب اور مولانا عبدالواسع صاحب کا بھی

شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ ان حضرات نے از اول تا آخر اس کام میں ہاتھ بٹایا اور اپنے مشوروں سے نوازا۔

برادر عزیز مولانا محمد اسلام عمری کا تعلق اس سمینار سے نہ صرف گہرا رہا ہے بلکہ اس کی کئی ذمے داریاں انہوں نے خود انجام دی ہیں اور بڑی حد تک ہماری مشکلوں کو آسان کیا ہے۔ وہ اس طرح کے تمام علمی کاموں میں ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہے ہیں اور امید ہے کہ ان شاءاللہ وہ آئندہ بھی ہمارے ساتھ اسی طرح تعاون کرتے رہیں گے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ایک اہم شخصیت کا تذکرہ یہاں نہ کروں جس نے اپنے تمام تر ضعف اور طبیعت ناساز ہونے کے باوجود سمینار میں اس جذبہ سے شرکت کی کہ اس کا موضوع علوم الحدیث ہے۔ خالص سلفی ماحول میں جس کی پرورش ہوئی اور جو سلفِ صالحین کے عقیدہ و منہج سے عملی وابستگی رکھتی ہے۔ میری مراد خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی حفظہ اللہ کے برادر عزیز مولانا عبدالرحمٰن صاحب حفظہ اللہ سے ہے، آپ نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے تمام مقالات سنے۔ ہماری ہمت افزائی فرمائی اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔ مقالات کی اشاعت کے فنڈ میں اپنا خصوصی تعاون بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ کو شرف قبولیت بخشے۔ (آمین)

شرکائے سمینار کی خدمت اور ان کی میزبانی کا اہم فریضہ مقامی جمعیت اہل حدیث کے ناظم ہمارے بزرگ محترم نسیم الاسلام صاحب نے اپنے خانوادے کے ساتھ جس طرح انجام دیا ہے وہ جماعت اہل حدیث علی گڑھ کی تاریخ میں انشاءاللہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جناب نسیم الاسلام صاحب جماعت کے معروف شاعر مولانا شمشاد علی مست احسنی گنوریؒ کے صاحب زادے ہیں اور اپنے والد مرحوم ہی کی طرح جماعت و مسلک کا درد رکھتے اور اس کی خدمت کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد واحفاد کو دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

مقالات کی کمپیوٹر کمپوزنگ اور ان کے پروف کی تصحیح میں برادر عزیز محمد راشد و محمد شاہد سلمہما اللہ (نیشنل کمپیوٹر سنٹر) نے جس توجہ، محنت اور اخلاص سے کام کیا ہے ان کا بھی انتہائی شکر گذار ہوں۔ اللہ ان دونوں بھائیوں کو اس کا اجر عطا فرمائے۔

اخیر میں ایک بار پھر اس توفیق پر رب کائنات کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اس دینی و علمی خدمت کو شرف قبولیت بخشے اور اسے ہر خاص وعام کے لئے مفید بنائے۔ آمین

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

خادم العلم والعلماء

رفیق احمد رئیس سلفی

سلفیہ کامپلیکس، ہمدرد نگر-بی، علی گڑھ (یوپی)

۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ / ۱۳ر نومبر ۱۹۹۹ء

شرکائے سیمنار کا تعارف

مولانا عبد السّلام رحمانی بن محمد عباس خاں

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : اگست ۱۹۳۸ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ، کنڈؤ، ضلع بلرامپور (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار، ضلع بلرام پور (گونڈہ) یوپی، جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، بنارس۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

حضرت مولانا نذیر احمد رحمانیؒ ، مولانا فضل الرحمٰن عمری مئویؒ، مولانا محمد اقبال رحمانیؒ ، مولانا عبدالوحید رحمانیؒ ، مولانا مفتی عبدالعزیز عمری مئوی حفظہ اللہ و مولانا محمد خلیل رحمانی حفظہ اللہ۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

شعبان ۱۳۷۷ھ سے اب تک لگ بھگ چھبیس سال تدریسی خدمت انجام دی۔ دو سال "تحفۃ الاشراف للمزی" جلد اول ودوم پر تحقیق و تعلیق کا کام کیا۔ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے تحت چھ سال تنظیمی ودعوتی کام انجام دیا پھر لگ بھگ سات سال فیجی میں دعوتی کام کیا، مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے دورِ نظامت میں پندرہ روزہ "ترجمان" دہلی کا مدیر بھی رہا۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

مطبوعہ تصانیف کی مجموعی تعداد ایک درجن ہے، جن میں "منکرات بابت عقائد واعمال وعادات"، "ضعیف و موضوع روایات"، "محرم الحرام ومسئلۂ حضرت حسین ویزید"، "اتباع سنت کا مفہوم" اور "اسلامی کہانیاں" حصہ اول ودوم وسوم ہے جو پرائمری کے نصاب میں شامل ہے۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

تدریس و دعوت و تبلیغ اور بحیثیت وکیل الجامعہ جامعہ سراج العلوم کی اداری ذمے داریوں کی ادائیگی، تصنیف وتالیف، مضمون نگاری اور بعض اداروں کا اشراف۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری بن محمد یاسین

تاریخ پیدائش: ۸/اگست ۱۹۳۹ء

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

جامعہ عالیہ عربیہ مئو، جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو، جامعہ ازہر (قاہرہ، مصر)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا : مولانا عبدالعلیؒ صاحب، مولانا عبدالمعید صاحبؒ، مولانا عبدالرحمٰن

صاحبؒ، مولانا حبیب الرحمٰن فیضی صاحبؒ، مولانا عظیم اللہ صاحبؒ، مولانا عبداللہ شائق صاحبؒ، مولانا ابوالقاسم فیضی صاحبؒ، مولانا شمس الحق سلفی صاحبؒ، ڈاکٹر علی عبدالواحد وافی، ڈاکٹر شوقی ضیف وغیر ہم، احسن اللہ لہم الجزاء۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

مصر جانے سے پہلے دو سال تک (۱۹۶۰-۱۹۶۲ء) فیض عام مئو میں تدریس کی خدمت، پھر ۱۹۶۸ء سے جامعہ سلفیہ کی خدمت۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

تصانیف کی مجموعی تعداد پچیس، اہم تصنیفات: تاریخ ادب عربی ۵ حصے، خاتون اسلام، رحمۃ للعالمین (عربی ترجمہ)

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

تدریس، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور صحافت۔

مولانا عبد الحمید رحمانی بن عبد الجبار

تاریخ پیدائش و مقام پیدائش: ۲۱/اپریل ۱۹۴۳ء، موضع تندوا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی:

بحر العلوم انتری بازار (سدھارتھ نگر)، مدرسہ شمس العلوم سمرا (سدھارتھ نگر)، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار (بلرامپور)، جامعہ فیض عام مئو، جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا:

مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالمبین منظر، مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا محمد احمد سابق ناظم مدرسہ فیض عام مئو، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا عبدالرحمٰن رحمانی، مولانا عظیم اللہ مئوی، مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا محمد بشیر رحمانی، مولانا محمد یوسف بہرائچی، مولانا عبدالوحید رحمانی، ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، شیخ عبدالمحسن العباد، شیخ عبدالغفار حسن رحمانی، شیخ عبدالرؤف اللبدی، شیخ نورالدین عتر الشامی، شیخ ممدوح فخری، شیخ حماد الانصاری، شیخ رمضان مصری۔

تدریسی تجربات:

جامعہ رحمانیہ بنارس (چار سال)، جامعہ سلفیہ بنارس (دو سال)، معہد التعلیم الاسلامی، ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر (چند ماہ)

ریسرچ اور بحث و تحقیق کے تجربات:

(۱) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے شعبۂ تالیف و تحقیق میں تین سال تک "ہندوستان میں خدمات حدیث"

پر مقالات کی نگرانی اور رہنمائی (۲) "فتنۂ انکار حجیّت حدیث" کے موضوع پر تحقیقی مقالات کی تیاری (۳) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے "نصاب تعلیم" کی نگرانی۔

صحافتی تجربات:

(۱) ایڈیٹر، پندرہ روزہ "ترجمان" دہلی، آرگن مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (چار سال)، (۲) معاون ایڈیٹر، ماہنامہ "صوت الجامعہ" جامعہ سلفیہ بنارس (دو سال)، (۳) ممبر ایڈیٹوریل بورڈ، ماہنامہ "اوقاف" آرگن پنجاب وقف بورڈ، (۴) سرپرست ماہنامہ "التوعیہ" آرگن "مجمع البحوث الاسلامیہ" نئی دہلی۔

اہم مقالات:

(۱) مقالہ عربی بعنوان "نواب صدیق حسن خاں خدمات اور کارنامے" مطبوعہ ماہنامہ "صوت الجامعہ" بنارس، پانچ قسطوں میں، (۲) "مسلم پرسنل لاء" پر جریدہ ترجمان کا خاص نمبر، (۳) "حج" اور "عید الاضحیٰ" کے موضوع پر جریدہ "ترجمان" کے خاص نمبرات، (۴) عربی اور اردو میں مختلف مضامین جو مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔

سابقہ عہدے اور مناصب:

(۱) جنرل سیکریٹری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (۲) صدر جمعیۃ الشبان المسلمین، بنارس (۳) معاون سکریٹری مسلم مجلس مشاورت ہند (۴) رکن کل ہند مسلم پرسنل لاء بورڈ (۵) رکن کل ہند علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی (۶) رکن دینی تعلیمی کونسل، اترپردیش (۷) رکن مجلس الثقافۃ والتربیۃ الاسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی (۸) رکن مجلس عاملہ، ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن، نئی دہلی (۹) جنرل ایڈوائزر جامعہ دارالسلام، عمر آباد، تامل ناڈو (۱۰) رکن مرکزی ایڈوائزری حج کمیٹی حکومت ہند (۱۱) رکن اقلیتی کمیشن، حکومت ہند۔

موجودہ عہدے و مناصب:

(۱) صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی (۲) مدیر، جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی (۳) صدر مجمع البحوث الاسلامیہ، نئی دہلی (۴) رکن اساسی، ورلڈ اسلامک کونسل، لندن (۵) رکن مجلس تاسیسی، اسلامی کونسل برائے مسلمانان جنوبی ایشیا، سری لنکا۔

مولانا عبد العلیم ماہر القاسمی بن حافظ کتاب اللہ

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۲۵/۱/۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲/۱/۱۹۴۴ء، موضع سمرا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

جامعہ عربیہ شمس العلوم سمرا، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، بلرامپور، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، جامعہ رحمانیہ بنارس۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :
حافظ کتاب اللہ، مولانا محمد اقبال رحمانی بونڈیہار، مولانا محمد یامین سہارنپور، مولانا محمد صدیق کشمیری سہارنپور، مولانا معراج الحق دیوبند، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی دیوبند، مولانا قاری محمد طیب دیوبند، مولانا نذیر احمد رحمانی بنارس۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :
تدریسی خدمات سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں ۳ سال، سراج العلوم بونڈیہار میں ۴ سال، دارالتوحید میناں عیدگاہ میں ۷ سال، ریاض العلوم دہلی میں ۱ سال، شمس العلوم سمرا میں ۱۷ سال۔ دعوتی خدمات مرکزی جمعیۃ میں ۲ سال، ریاستی جمعیۃ مشرقی یوپی میں ۵ سال، ضلعی جمعیۃ بستی وسدھارتھ نگر میں ۲۸ سال۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :
(۱) کتاب منظوم "نغماتِ اسلام" مطبوعہ ۵ بار (۲) کتاب "گلہائے رنگ رنگ" قدیم وجدید دو سو شعراء کے منتخب کلام حروف تہجی کی ترتیب پر (غیر مطبوع) (۳) تذکرۃ المشاہیر (غیر مطبوع)۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :
جامعہ عربیہ شمس العلوم سمرا میں تدریس کے ساتھ نظامت کی بھی ذمہ داری عرصہ ۹ سال سے، علاوہ ازیں علاقہ اور قرب وجوار میں وقتاً فوقتاً دعوت و تبلیغ اور خطبۂ جمعہ۔

مولانا عبد الوھاب حجازی بن حبیب اللّٰہ

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۸/جون ۱۹۴۶ء، موضع کسی، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :
سند عالمیت اور تخصص فی الشریعۃ جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۹۶۹ء میں اور الہ آباد بورڈ سے منشی، مولوی، جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب ماہر، ادیب کامل اور جامعۃ الملک ریاض سے تدریب المعلمین کی اسناد حاصل کیں۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :
مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبداللہ شائق، مولانا عبدالوحید رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی، ڈاکٹر صالح العراقی، ڈاکٹر ابوالفتوح مصری، ڈاکٹر ادریس افریقی، ڈاکٹر طیب سویسی، ڈاکٹر خلیل خلیفہ فلسطینی وغیرہ۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :
ضلع بریلی میں سات برس تک بڑے پیمانہ پر دعوت کا کام کیا، جامعہ سلفیہ میں آمد کے بعد پورے ملک کی دعوتی کانفرنسوں اور اجلاسوں میں شرکت ہوتی رہتی ہے۔

فراغت کے بعد سے تدریس کا مشغلہ ہے فی الحال جامعہ سلفیہ میں حدیث، علوم قرآن اور اصول فقہ کی تدریس پر مامور ہوں۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

۱۹۸۸ء سے جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے والے اردو ماہنامہ "محدث" کی ادارت کا فریضہ تاحال انجام دے رہا ہوں۔ تاحال تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں شائع ہو چکی ہیں، کتاب الکبائر اردو، اسلامی تربیت، حجیت حدیث، سلفی دعوت اور ائمہ اربعہ، قیاس، ماسونیت، کمیونزم اور مذہب وغیرہ بہت پسند کی گئیں ہیں متعدد کتابیں غیر مطبوع ہیں۔

مولانا محمد مستقیم سلفی بن محمد سعید

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۲۵ر مئی ۱۹۴۶ء، موضع پھلوریا، پوسٹ رمواپور، سدھارتھ نگر (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ سلفیہ بنارس۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالحنان فیضی، مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانی، مولانا عظیم اللہ صاحب مئوی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالمعید بنارسی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا محمد عابد رحمانی۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

فراغت کے بعد سے اب تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول نیز وقتاً فوقتاً دعوت و تبلیغ کا کام۔
تدریس : دو سال (۱۹۶۹ء-۱۹۷۱ء) وڈھن ضلع سیدھی، مدھ پردیش، ۱۹۷۲-۱۹۷۷ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، نیپال، ۱۹۷۷ء-۱۹۷۹ء جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، گونڈہ، ۱۹۷۹ء تاحال جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

تصانیف کی مجموعی تعداد چار ہے: (۱) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات (۲) فارغین جامعہ سلفیہ بنارس اور ان کی حیات وخدمات (۳) گمراہ و منحرف فرقوں کی تردید میں جماعت اہل حدیث کی خدمات و مساعی (۴) پردہ کی شرعی حیثیت۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

درس و تدریس اور تصنیف و تالیف۔

مولانا رفیق احمد سلفی بن اقبال احمد

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش: ۵ر جنوری ۱۹۴۹ء، پپرا پٹھان عرف مرغہوا، سدھارتھ نگر، یوپی

اہم مدارس وجامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی:

دارالتوحید میناں عیدگاہ، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، جامعہ سلفیہ بنارس۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

مولانا سلیم الدین مرحوم، مولانا کتاب اللہ مظاہری، ماسٹر عبدالکریم، مولانا عبدالسلام رحمانی، مولانا محمد حنیف رحمانی، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا عبدالوحید رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا شمس الحق سلفی، شیخ ربیع ہادی، شیخ محمد ہادی مدخلی، شیخ علی مشرف، شیخ عبداللہ الغنیمان۔

تدریسی ودعوتی خدمات:

تدریس: جامعہ سلفیہ میوات (۴سال)، دارالتوحید میناں عید گاہ (۲سال)، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں (۷سال)، معہد التعلیم الاسلامی و جامعہ اسلامیہ سنابل (۱۰سال)، خطبۂ جمعہ: مسجد جامعہ اسلامیہ سنابل (۳سال)، جامع مسجد اہل حدیث جوگابائی (۳سال)، مدیر: پندرہ روزہ صوت الحق مالیگاؤں (۶سال)، ماہنامہ التوعیہ نئی دہلی (۹سال)، سکریٹری: مجمع البحوث الاسلامیہ نئی دہلی (۳سال)۔

تصانیف وتراجم کی مجموعی تعداد:

۱۰ کتابیں ہیں جن میں سے بعض مطبوع ہیں اور بعض غیر مطبوع بعض اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: تجدید دین، حج وعمرہ کے آداب اور زاد المعاد (توشۂ آخرت) پہلی جلد پر دیگر رفقاء کے ساتھ نظر ثانی۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

ابن قیم ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر فاؤنڈیشن کی نظامت کے ساتھ معہد ام سلمہ للبنات میں اعزازی طور پر دو پیریڈ پڑھا رہا ہوں اور دارالدعوۃ دہلی میں صحاح ستہ کے ترجمہ کا کام کر رہا ہوں، ساتھ ہی دیگر رفقاء کے ترجمے پر نظر ثانی کا کام بھی میرے ذمہ ہے اور پڑوس کی مسجد ثنار ابوالفضل II میں فجر کی نماز کے بعد درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی بن نذیر عالم

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۳؍ فروری ۱۹۴۹ء بمقام : یورینہ ضلع مغربی چمپارن (بہار)

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

ابتدائی : والد محترم مولوی نذیر عالم رحمہ اللہ، مولانا ریاض احمد جھکاوی۔ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ : مولانا عین الحق سلفی، مولانا نور عظیم ندوی، مولانا محمد رئیس ندوی۔ ندوۃ العلماء لکھنو : مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، سعید الاعظمی، مولانا رابع ندوی، عبدالماجد ندوی، ابوالعرفان ندوی۔ فیض عام مئو: مفتی حبیب الرحمٰن فیضی، قاری عبدالسبحان فیضی، (دورۂ حدیث) جامعہ سلفیہ بنارس: مولانا شمس الحق سلفی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالوحید رحمانی (فضیلت) مدینہ یونیورسٹی : شیخ حماد الانصاری، شیخ عبدالمحسن العباد، ڈاکٹر ربیع، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، ڈاکٹر محمود میرہ، ڈاکٹر سعدی الہاشمی، (ماجستر فی الحدیث)

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :
مدرسہ منظر العلوم بلرامپور (بہار) ۳؍ سال (از ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۸ء) جامعہ سلفیہ بنارس: از ۱۹۸۸ء تا حال۔
تخصص : حدیث اور علوم حدیث (ماجستر فی الحدیث از مدینہ یونیورسٹی)

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :
(۱) " ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل" للذهبی (تحقیق) مخطوط (۲) الفتح السماوی فی تخریج احادیث تفسیر البیضاوی للمناوی (تحقیق) مطبوع در ریاض (۳) التعلیقات السلفیة علی سنن النسائی للفوجیانی (تحقیق) از جامعہ سلفیہ بنارس (۴) تخریج "قرة العینین فی تفضیل الشیخین" للشاہ ولی اللہ الدهلوی (تعریب ڈاکٹر ازہری) (۵)حسن الصناعة فی صلاة التراویح بالجماعة لسیف البنارسی (تخریج) مطبوع از جامعہ (۶) آسان طریقۂ حج (تالیف) مطبوع از جامعہ (۷)نصوص مختارة فی الاقتصاد لابن تیمیه: ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی (تحقیق) زیر طبع۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل:
۱۹۶۴ء سے تا حال خطبۂ جمعہ اور عام اجلاسوں میں خطاب، جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس از ۱۹۸۸ء تا حال۔
متعدد تعلیمی و سماجی اداروں کی تاسیس و سرپرستی (ضلع مغربی چمپارن بہار)

مولانا ابو العاص وحیدی بن زین اللّٰہ

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۱۲؍جون ۱۹۵۱ء، مقام اہرا ڈیہہ، پوسٹ نرہریا، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :
جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار، بلرامپور، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :
مولانا زین اللہؒ، مولانا محمد اقبال رحمانیؒ، مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی، مولانا صغیر احمد اصلاحیؒ، مولانا محمد شفیق فیضیؒ، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ، شیخ الحدیث مولانا فخر الدینؒ، قاری محمد طیبؒ، مولانا فخر الحسنؒ، مولانا محمد یامین، مولانا عبدالقیومؒ،

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کار کردگی :
جامعہ عربیہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں (ایک سال)، جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار (۲۲ سال)، مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ جوگا بائی دہلی میں تالیف و ترجمہ (ایک سال)، رکن مجلس شوریٰ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند، نائب امیر صوبائی جمعیۃ اہل حدیث مشرقی یوپی، نائب امیر ضلعی جمعیۃ، دعوتی و علمی کانفرنسوں و سیمیناروں میں شرکت، جمعہ کے خطبات وغیرہ۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

عربی واردو میں متعدد تصانیف : مكانة التضحية في الاسلام، سیرت نبوی اور غیر اسلامی افکار، تحریک اہل حدیث : علمی و تاریخی جائزہ، اسلام کی صحیح تعبیر وغیرہ۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

ترجمہ و تالیف، کانفرنسوں و سیمناروں میں شرکت، مرکزی جمعیت، صوبائی جمعیت و ضلعی جمعیت سے مذکورہ روابط، تقریباً ایک سال سے اسلامک ریسرچ اکیڈمی جوگابائی دہلی سے وابستگی، رمضان ۱۴۱۹ھ سے تاحال صفا شریعت کالج ڈومریاگنج سے وابستگی اور تعلیم و تدریس کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ماہنامہ "الصفا" کی ادارت۔

مولانا ابوصادق عاشق علی اثری بن گل حسنؒ

تاریخ پیدائش: ۱۲/اپریل ۱۹۵۱ء

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی:

(۱) مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا، سدھارتھ نگر، یوپی (۲) جامعہ عربیہ شمس العلوم سمرا، سدھارتھ نگر، یوپی (۳) جامعہ اثریہ دارالحدیث مئوناتھ بھنجن، یوپی (۴) عربی، فارسی بورڈ الہ آباد یوپی سے عالم، فاضل دینیات، فاضل ادب، منشی اور کامل کے امتحانات پاس کئے۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

(۱) مولانا عبدالعزیز اعظمی عمری (۲) مولانا فیض الرحمٰن فیض مئوی (۳) مولانا عظیم اللہ مئوی رحمہ اللہ (۴) مولانا محمد احمد اثری بستوی (۵) مولانا مشتاق احمد شوق مئوی (۶) مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ (۷) مولانا عبدالعلیم ماہر (۸) مولانا ابوالکلام احمد (۹) مولانا امان اللہ خاں آزاد۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

(۱) ۱۹۷۲ء میں جامعہ اثریہ سے فراغت کے بعد تقریباً آٹھ سال جامعہ اثریہ میں تدریس کے ساتھ خطبات جمعہ اور مئو اور اطراف مئو میں دعوتی اور تبلیغی کام (۲) دہلی میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے قیام کے بعد ستمبر ۱۹۸۰ء سے تاہنوز تدریس، خطبات جمعہ اور کبھی کبھار تبلیغی اور دعوتی جلسوں اور سیمناروں میں شرکت اور مختلف مقالات اور مضامین کی تیاری۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

(۱) خادم حرم نبوی شیخ احمد کی "وصیت کی حقیقت" (عربی سے ترجمہ) مطبوع۔ (۲) "حقوق والدین قرآن اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں" (مطبوع) (۳) "ابوشحمہ بن عمر فاروق پر ایک بہتان اور اس کا جائزہ" (ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی میں قسط وار شائع ہوا) (۴) "مسلمانوں کے باہمی حقوق" (ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی میں قسط وار شائع ہوا)

(۵)"حقوق والدین سے متعلق ضعیف اور موضوع روایات" تین قسطیں ماہنامہ "التوعیہ" میں شائع ہو چکی ہیں، باقی زیر ترتیب ہیں (۶) "حقوق اولاد" زیر تحقیق و نظر ثانی۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

(۱) ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی سکریٹری شپ (۲) سنٹر کے تعلیمی شعبہ جامعہ اسلامیہ سنابل میں تدریس (۳) وقتاً فوقتاً خطبات جمعہ (۴) بعض مقالات وغیرہ کی تیاری۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۱۹۵۳ء، موضع بھور مئو (بڑی تکیہ)، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے متصل گاؤں بھائن پارہ کے مکتب میں، اس کے بعد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ سے فراغت۔ بعد ازاں ادارۂ تحقیق علی گڑھ سے تصنیفی تربیت کے دو سالہ کورس کی تکمیل، نیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے صرف انگریزی میں پرائیویٹ بی۔اے۔ اور جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

جناب منشی رضا صاحب اعظمی، جناب ماسٹر یوسف صاحب، مولانا عزیز الرحمٰن اصلاحیؒ برادر بزرگ خلیل الرحمٰن اعظمی مرحوم، مولانا غالب احسن اصلاحیؒ، مولانا اظہار احمد اصلاحی، مولانا احتشام الدین اصلاحی، مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ، مولانا شبلی متکلم ندویؒ، مولانا عبدالعلیم اصلاحی، مولانا مشتاق احمد اصلاحی، مولانا محمد ایوب اصلاحی، مولانا صلاح الدین اصلاحی، مولانا زین العابدین قاسمی، مولانا ابواللیث قاسمی، مولانا اکرام احمد اصلاحی، جناب ماسٹر ابوالخیر صاحب، جناب مولانا عبدالعلی صاحب، جناب ماسٹر محمد ایوب صاحب، مولانا غلام ربانی اصلاحی، جناب ماسٹر اقبال احمد صاحب، جناب منشی حمید اللہ صاحب، ماسٹر محمد مسلم صاحب۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

صرف تصنیف و تالیف، ۱۹۷۲ء سے اس کی مصروفیت: دعوتی مصروفیات میں جماعت اسلامی ہند کے اجتماعات میں درس و تقاریر۔ علی گڑھ و بیرون علی گڑھ کے عوامی اجتماعات میں دعوتی خطابات، رکن ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

پچیس سے اوپر بحمد للہ۔ ان میں سے کچھ غیر مطبوعہ۔ مذہب کا اسلامی تصور، اسلام کا تصور مساوات، اسلام کا نظریۂ جنس، وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام وغیرہ۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

صرف اور صرف تصنیف و تالیف، باقی مصروفیات حسب سابق، جن میں سیمیناری مصروفیات کا اضافہ ہو سکتا

ہے۔ ضمنی اور اعزازی مصروفیات میں مختلف اداروں اور انجمنوں سے وابستگی ہے لیکن یہ برائے نام، اصل مصروفیت حسب صلاحیت تصنیف و تالیف ہی کی ہے۔

مولانا شریف اللہ سلفی بن محمد قاسم

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۱۴/اکتوبر ۱۹۵۴ء، مقام اگیا، پوسٹ اٹوا، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

مدرسہ دارالتوحید بیناں عیدگاہ، جامعہ سلفیہ بنارس (۱۹۷۴ء)

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

میاں شوکت علی، مولانا سلیم الدین، مولانا کتاب اللہ اظہر مظاہری، ماسٹر عبدالکریم، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا عبدالحمید رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، شیخ ربیع ہادی المدخلی، شیخ عبداللہ الغنیمان، مولانا عبدالمعید بنارسی۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر (۱۹۷۶ء-۱۹۸۱ء)، جامعہ عالیہ عربیہ ۱۹۸۱ء سے تاحال۔

تدریس میں مخصوص کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، فرائض، عروض، بلاغت، منطق، فلسفہ، درس نظامی کی بیشتر کتابیں۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

مسنون نماز (مطبوع)، مولانا اقبال احمد۔حیات و خدمات (مخطوطہ)، مسنون دعائیں (مخطوطہ)، چند علمی مقالے جو بعض رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ کا منصب اور اس کی ذمہ داریاں، بسا اوقات جمعہ کے خطبات وغیرہ۔ درس قرآن وحدیث کا بھی کبھی کبھی سلسلہ رہتا ہے۔

مولانا خورشید احمد سلفی بن محمد زکریا

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : یکم اپریل ۱۹۵۵ء، مقام شاکرڈیہہ، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)۔

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

جامعہ دارالعلوم ششہنیاں، مدرسہ دارالسلام موتی پور، الجامعۃ السلفیہ بنارس (سند فراغت ۱۹۷۸ء)

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

مولانا محمد ادریس صاحب قاسمی، مولانا ڈاکٹر جلال الدین صاحب رحمانی، مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی، مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانی، مولانا محمد رئیس صاحب ندوی، شیخ انیس الرحمٰن صاحب اعظمی مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

تدریس و تربیت: جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں ۴؍ اکتوبر ۱۹۷۸ء سے مئی ۱۹۹۶ء تک بحیثیت استاذ، جون ۱۹۹۶ء سے بحیثیت شیخ الجامعہ، دعوت کے تعلق سے نیپال کے مختلف مقامات کا سفر اور پہاڑی علاقوں میں دعوت وارشاد۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

مقالات: شیخ الاسلام علامہ امرتسری اور فتنۂ انکار حدیث، علم جرح و تعدیل، وضع المسلمین فی نیبال ومواجهتهم للخطر الهندوسی (عربی)۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل:

فی الحال جامعہ سراج العلوم میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہوں۔

مولانا عبد الوہاب خلجی بن عبد الواحد

تاریخ پیدائش: ۴؍ جنوری ۱۹۵۶ء

اہم مدارس وجامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

مدرسہ سبل السلام دہلی، جامعہ رحمانیہ بنارس، مدرسہ دارالحدیث مدینہ منورہ، المعهد الثانوی کلیۃ الدعوۃ واصول الدین، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔

ممتاز اساتذہ جن سے تعلیم حاصل کی :

مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا فضل الرحمان بن رحم اللہ، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا امراللہ رحمانی، شیخ عمر محمد فلاتہ، شیخ عبدالصمد الکاتب،

تنظیمی ودعوتی خدمات:

ناظم عمومی مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند (۱۹۹۰ء تا حال)، صدر معہد الامام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مالیر کوٹلہ، رکن مجلس انتظامیہ، جامعہ سلفیہ بنارس، رکن عالمی اسلامی کونسل لندن، رکن مجلس عاملہ، اسلامی ایشین اسلامک کونسل سری لنکا، رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، رکن آل انڈیا ملی کونسل، رکن کل ہند مسلم مجلس مشاورت، نائب صدر آل انڈیا ملی پولیٹکل فورم دہلی۔

تصنیفی اور اشاعتی خدمات: البغیة فی مسئلة الرؤیة للشوکانی (تحقیق)، حدیث اکیڈمی اور الدار العلمیہ

کے ذریعے تقریباً سو عربی کتابوں کی اشاعت۔

دعوتی وتعلیمی کانفرنسوں میں شرکت:

مختلف کانفرنسوں میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ، ریاض، سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، مصر، برطانیہ، انڈونیشیا، ملیشیاء، ماسکو، اردن، جبل الطارق، کویت، تھائی لینڈ، ہالینڈ، فرانس اور جرمنی کا سفر۔

شیخ صلاح الدین مدنی بن مقبول احمد

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش: ۱۵/ جنوری ۱۹۵۶ء، موضع اونرہوا، ضلع بلرام پور (یوپی)

اهم مدارس وجامعه جهاں سے تعلیم حاصل کی:

مدرسہ نور الہدیٰ اونرہوا، مدرسہ شمس العلوم سمرا، جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا:

مولانا عبدالمبین منظر، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا محمد عابد رحمانی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا محمد رئیس ندوی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا عبدالسلام مدنی، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی، ڈاکٹر امان علی الجامی، ڈاکٹر سعدی الہاشمی۔

تدریسی اور دعوتی خدمات: نوعیت اور مدت کارکردگی:

جامعہ سلفیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ایک سال تک جامعہ کی لائبریری میں مطالعہ وتحقیق (۱۹۷۷ء)، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد شئون المساجد و وزارۃ الاوقاف سے وابستگی اور ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۰ء تک وہاں تحقیق وتصنیف، امامت وخطابت اور درس قرآن و درس حدیث وغیرہ کی مصروفیات۔ خلیجی جنگ کے دوران ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر نئی دہلی میں مختلف دعوتی اور علمی امور کی نگرانی۔ اس کے بعد سے اب تک جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کی الجہراء شاخ میں تحقیق وتصنیف، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے کاموں سے وابستگی۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اهم تصانیف:

تحقیقات: (۱) مسألة العلو والنزول لابن طاهر المقدسی (۲) مختصر المومل فی الرد الی الامر الاول لابن شامة المقدسی (۳) ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتهاد للصنعانی (٤) تحفة الانام فی العمل بحدیث النبی ﷺ للشیخ محمد حیاة السندی (۵) المتواری علی أبواب البخاری لابن المنیر (٦) الامتاع بالاربعین المتباینة بشرط السماع لابن حجر العسقلانی (۷) الزهر النضر فی حال الخضر لابن حجر العسقلانی (۸) الحمیة الاسلامیة فی الانتصار لمذهب ابن تیمیة للسرمدی (قصیدة) (۹) نقض "قواعد

في علوم الحديث" للراشدى.

(ب) تعريبات : (١) موقف الجماعة الاسلامية من الحديث النبوى للشيخ محمد اسماعيل السلفى (٢) نظرة فى مذهب أهل الحديث لأبى القاسم البنارسى.

(ج) تاليفات : (١) دعوة شيخ الاسلام ابن تيمية وأثرها فى الحركات الاسلامية المعاصرة (٢) زوابع فى وجه السنة قديما و حديثا (٣) الدفاع عن الحديث ورد شبهات المستشرقين (٤) عوامل وحدة الأمة الاسلامية (٥) مدارسنا مهددة من داخلها (٦) تاريخ أهل الحديث فى شبه القارة الهندية (٧) الأستاذ أبـو الحسن على الندوى: الوجه الآخر من كتاباتـه (٨) المرأة بين هداية الاسلام وغواية الاعلام (٩) تاريخ السنة (١٠) المستشرقون وأعمالهم (دراسة و تحقيق).

مولانا ابو القاسم مدنی بن عبدالعظیم

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : یکم جنوری ۱۹۵۶ء محلّہ اورنگ آباد، مئوناتھ بھنجن (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ اللغۃ) معهد تدريب الائمة والدعاة مكة المكرمة.

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

مولانا فضل الرحمٰن عمری، مولانا محمد اعظمی، مولانا عزیز الحق عمری، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا آزاد رحمانی املوی، شیخ انیس الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد رئیس ندوی، اساتذۂ کلیہ اللغۃ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، محمد قطب، عبدالعزیز الحمیدی۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

مدرس العلوم العربیہ والدراسات الاسلامیۃ جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں عربی اور اسلامی علوم وفنون کی تدریس، خطبہ جمعہ مستقلا جامع مسجد فیض عام مئو اور جامع اہل حدیث اورنگ آباد مئو میں، دعوتی جلسے، ندوات ومحاضرات۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

تصانیف، مقالات اور تحقیقات وترجمہ مطبوع وغیر مطبوع تقریباً (۱۶۰) مطبوعہ کی تعداد تقریباً (۱۰۰) تحقيق : ابكار المنن والتبيان و فضل علم السلف و ماذئبان الخ، فتنوں کی سرزمین عراق، ادب الازمہ، اجماعی مسائل، قتل، الدعوة السلفية النجدية، جملہ معترضہ، خال کے لغوی معنی، ادب الخلاف، رسالتان في التوحيد.

موجودہ مصروفیات کی تفصیل : درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، اسلامی وانسانی فلاح وبہبود۔

مولانا اقبال احمد بن محمد اسحاق بسکوهری

تاریخ پیدائش و مقام پیدائش: ۱۹۵۷ء، چیوٹہوا، گونڈہ، (حال بلرام پور) یوپی

اهم مدارس وجامعات جهاں سے تعلیم حاصل کی:

مدرسہ محمدیہ چیوٹہوا عربی سوم ۱۹۶۹ء، جامعہ رحمانیہ بنارس عربی سوم چہارم ۱۹۶۹ء۔۱۹۷۱ء، جامعہ سلفیہ بنارس عالمیت اول تا فضیلت ثانی ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۷ء، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بی اے، ایم اے، کلیۃ الحدیث ۱۹۷۸ء-۱۹۸۶ء۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا:

مولانا عبداللہ بسکوہری، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا شمس الحق صاحب، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا عابد حسن رحمانی، ضیاء الرحمان اعظمی، ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، دکتور سعدی ہاشمی، سلام مصری۔

تدریسی اور دعوتی خدمات : نوعیت اور مدت کار کردگی:

تدریس: نصرۃ الاسلام شنکر نگر ۱۹۷۸ء، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں ۱۹۸۶ء تا حال

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اهم تصانیف:

(۱) المخزون فی علم الحديث للحافظ ابو الفتح الازدی (۲) البدر المنير لابن الملقن (۳) اسماء من يعرف بكنيته من اصحاب رسول الله ﷺ للحافظ ابی الفتح الازدی (٤) كتاب الكنى لمن لا يعرف له اسم من اصحاب رسول ﷺ للحافظ ابی الفتح الازدی (٥) من وافق اسمه كنية ابيه للحافظ ابی الفتح الازدی (٦) تسمية من وافق اسمه اسم ابيه للحافظ ابی الفتح الازدی.

دیگر مصروفیات: جمعہ کے خطبے، مساجد میں ہفتہ وار دروس، انتظامیہ کی بعض ذمہ داریاں۔

مولانا عبد المعید مدنی بن عبد الجلیل

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۱۹۵۸ء (تقریبا)، موضع چیوٹہوا، ضلع گونڈہ (حال بلرام پور) یوپی

اهم مدارس و جامعات جهاں سے تعلیم حاصل کی :

مدرسہ محمدیہ چیوٹہوا، عربی سوم تک (۱۹۶۹ء)، جامعہ رحمانیہ بنارس، عربی چہارم (۱۹۷۱ء)، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، عالمیت اول (۱۹۷۲ء)، جامعہ سلفیہ بنارس، عالمیت دوم تا فضیلت ثانی (۱۹۷۷ء)، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ اللغۃ) بی۔اے۔(۱۹۸۲ء)

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

(۱) مولانا عبداللہ بسکوہری (۲) مولانا عبدالسمیع رحمانی (۳) مولانا عزیز احمد ندوی (۴) مولانا عبدالسلام رحمانی

(۵) مولانا محمد اقبال رحمانی (۶) مولانا عابد حسن رحمانی (۷) مولانا عبدالوحید رحمانی (۸) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (۹) مولانا محمد رئیس ندوی (۱۰) مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی (۱۱) مولانا عبدالسلام صاحب مدنی۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

تدریس : جامعہ محمدیہ مالیگاؤں ۱۹۷۷ء-۱۹۷۸ء (ایک سال)، جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۳ء-۱۹۸۵ء (تین سال)، فیجی میں دعوتی و تدریسی کام ۱۹۸۶ء-۱۹۹۶ء (دس سال)، علی گڑھ میں دعوتی و تصنیفی اور تدریسی خدمت ۱۹۹۶ء تا حال۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

چھوٹی بڑی تقریباً تین درجن (عربی،اردو) مضامین ۲۵۰ (تقریباً)

صفحات فی البطولات والجهاد (ترجمہ)، حجیة الحدیث (عربی)، اخلاق المومن (عربی)، جاوید نامہ دراسة و تعریف (عربی)، لهجات اللغة العربیة (عربی)، اسباب سقوط الخلافة (عربی)، النواب صدیق حسن خان بین المعارضة والتائید (عربی)، معانی التسبیح فی القرآن (عربی)، خصائص الدعوة النجدیة (عربی)، الدعوة السلفیة فی طورها الاول فی الهند (عربی)، الاتجاهات الدینیة فی شبه القارة (عربی)، التصوف الهندی (عربی)، جماعت اہلِ حدیث ایک جائزہ، جماعت اسلامی ایک جائزہ، تبلیغی جماعت ایک جائزہ، حدائق بخشش ایک تجزیاتی مطالعہ، دعوت دین کے آداب، عقیدة المومن (ترجمہ)، سلفی عقیدہ (ترجمہ)، تصوف: ایک جائزہ، خصائص التصور الاسلامی (ترجمہ)، مولانا ابوالقاسم کے اشتراک کے ساتھ، حیاتی لاحمد امین (ترجمہ)، العمدة لابن رشیق (ترجمہ)، دراسة فی السیرة لعماد الدین خلیل (ترجمہ) (چند ابواب)، الاسلام بین جهل ابناءه وعجز علمائه (ترجمہ)، کمیونزم، اہم اسلامی عقائد، فیجی کے مسلمان، خمینی اور خمینیت، رفعت (مزاحیہ)، پستی (مزاحیہ)، برصغیر کی مذہبی تاریخ نویسی، اسباب اختلاف، وفیات اعلام، فتح الباب لعقائد اولی الالباب (تہذیب و تنقیح) دیوان (اردو، عربی)۔

مولانا کفایت اللّٰہ مدنی بن سکندر علی

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۳؍ فروری ۱۹۶۰ء، موضع تلیا ڈیہہ، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، عالمیت اور فضیلت جامعہ سلفیہ بنارس، بی اے حدیث جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، تدریب (ماجستر) المعهد العالی لاعداد الائمة والدعاة، ڈپلوما : جامعة الملك السعود ریاض۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :
(جامعۃ الملک سعود) ڈاکٹر یٰسین الفی، ڈاکٹر راشد (المعہد العالی مکہ) ڈاکٹر عبدالعزیز حمیدی، ڈاکٹر احمد مقریٔ، ڈاکٹر علی جریشہ (جامعہ اسلامیہ) ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر عوض شہری، ڈاکٹر عبدالعزیز عبداللطیف (جامعہ سلفیہ) مولانا عبدالوحید رحمانیؒ، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا صفی الرحمٰن (مظہر العلوم) مولانا ابوالعاص وحیدی، قاری ابوالقاسم۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :
جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریاگنج کے شعبہ بنات میں چھ ماہ تک تفسیر، حدیث اور ادب کی تدریس، ۱۴۱۲ھ سے جامعہ ابن تیمیہ میں تدریسی، دعوتی اور تصنیفی خدمات۔ تدریس میں تفسیر، حدیث، علوم حدیث اور ادب عربی۔ دعوت و تبلیغ میں خطبہ جمعہ، اجتماعات میں شرکت، مساجد میں دروس، جامعہ کے شعبہ تصنیف و تالیف مرکز العلامہ ابن باز للدراسات الاسلامیہ سے بھی منسلک۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :
تصانیف کی مجموعی تعداد چھ ہے: من کلام البیهقی علی الرجال (مطبوع) کتاب الغنی بشارة الجنة لاهل السنة (نواب صدیق حسن خاں) تحقیق و تخریج، "کنت قبوریا" کا ترجمہ۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :
فی الحال تدریس اور دعوت و تبلیغ کے علاوہ شروحِ حدیث پر فقہی مذاہب کے اثرات کے موضوع پر کتاب کی تصنیف، مزید نواب صدیق حسن خاں کے فتاوی "دلیل الطالب" کی تحقیق و تخریج میں مشغول۔ جامعہ سے شائع ہونے والے ایک میگزین "بحث و تحقیق" کی مجلس ادارت میں بھی نام شامل ہے۔

مولانا عبدالمنان سلفی بن مولانا عبد الحنان فیضی

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۲۱؍دسمبر ۱۹۶۲ء، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

اهم مدارس و جامعات جهاں سے تعلیم حاصل کی :
ابتدائی تعلیم : مدرسہ بحر العلوم انتری بازار۔ متوسطہ : مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر اور المعہد الاسلامی اکرہرا۔
ثانویہ: جامعہ رحمانیہ بنارس۔ عالمیت و فضیلت: جامعہ سلفیہ بنارس

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :
مولانا محمد زماں رحمانیؒ، مولانا عبدالحمید شفیقی، مولانا محمد مستقیم سلفی، مولانا قطب اللہ ندوی رحمانی، مولانا عبدالحنان فیضی، مولانا عبدالمعید بنارسیؒ، مولانا مصلح الدین اعظمیؒ، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ، مولانا عبدالوحید رحمانیؒ، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، شیخ انیس الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا شاہد

جنید سلفی، مولانا مختار احمد سلفی، مولانا عابد حسن رحمانی وغیرہم۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی:

۱۹۸۲ء سے قرآن، حدیث، عربی زبان و قواعد و انشاء، اسلامی عقائد و نظریہ کی تدریس، مدرسہ قاسم العلوم گلہریا، ضلع بلرامپور، معہد التعلیم الاسلامی دہلی، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کرشنا نگر، نیپال اور جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں تقریباً سترہ برس سے مستقل خطبہ جمعہ، جلسوں میں خطابات اور دروس وغیرہ، اس وقت جھنڈا نگر کی جامع مسجد میں جمعہ کا مستقل خطیب، مئی ۱۹۹۰ء تا اپریل ۱۹۹۶ء ماہنامہ "نور توحید" کی ادارت۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف:

(۱) اسلامی نکاح (مخطوطہ) (۲) فتنۂ قادیانیت (مطبوعہ) (۳) بدعت (ترجمہ) مقالہ ڈاکٹر صالح الفوزان (مخطوطہ) ان کے علاوہ بیسیوں مضامین۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل:

(۱) تدریس جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر و مدرسہ عائشہ صدیقہ جھنڈا نگر، نیپال (۲) ادارت مجلّہ "السراج" جھنڈا نگر، نیپال (۳) خطیب جامع مسجد اہل حدیث جھنڈا نگر، نیپال (۴) دعوتی اجلاس میں شرکت (۵) دینی و علمی موضوعات پر مضمون نگاری و مقالہ نویسی (۶) علمی سیمناروں میں شرکت وغیرہ۔

مولانا عزیز احمد مدنی بن جمن علی

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش: یکم اپریل ۱۹۶۲ء، مقام بڑھنی، کٹھوتیا عالم (بستی) سدھارتھ نگر (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی:

مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا، مدرسہ اتحاد قوم بیناں عیدگاہ، جامعہ فیض عام مئو، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا:

مولانا محمد عباس ریاضی، مولانا سلیم الدینؒ، مولانا محمد یحییٰ فیضی، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن فیضیؒ، مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، حافظ نثار احمد مئوی، مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری، مولانا عبدالوحید بنارسی، شیخ انیس الرحمٰن اعظمی، مولانا رئیس احمد ندوی، شیخ سلیمان سوڈانی، شیخ عبدالفتاح عاشور مصری، شیخ نمر التمر مصری، شیخ عبدالرحیم القشقری، شیخ عبدالرحمٰن سعد ندا مصریؒ، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اور جناب مولانا مصلح الدین اعظمیؒ۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی:

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے ماتحت چلنے والے دینی تعلیمی ادارے معہد التعلیم الاسلامی جامعہ اسلامیہ سنابل میں ستمبر ۱۹۸۶ء سے درس و تدریس اور ادارتی خدمات اور کچھ دعوتی کام انفرادی طور پر۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

کوئی مستقل تالیف نہیں ہے البتہ بعض مقالات کے اردو ترجمے ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی کے شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی میں تدریس کے ساتھ جامعہ کی عمادت (صدارت) کی ذمہ داری۔ کچھ دعوتی کام کے ساتھ ترجمہ و تالیف کا بھی شوق۔

رفیق احمد سلفی بن رئیس احمد

تاریخ پیدائش و مقام پیدائش: یکم جنوری ۱۹۶۳ء، موضع گورا بھاری، ضلع بلرامپور، یوپی

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلم حاصل کی:

مدرسہ نظام العلوم گورابھاری، مدرسہ دارالتوحید بیناں عید گاہ، مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، جامعہ سلفیہ بنارس، منشی، عالم اور فاضل دینیات عربی فارسی بورڈ الہ آباد یوپی، ادیب ماہر اور ادیب کامل جامعہ اردو علی گڑھ۔

اساتذہ جن سے کسب فیض کیا:

مولانا اکرام الحق مرحوم، مولانا احسان اللہ صاحب، مولانا زین اللہ مرحوم، مولانا عبدالمعبود صاحب، ماسٹر محمد انیس خاں، مولانا کتاب اللہ صاحب، مولانا سلیم الدین مرحوم، مولانا محمد اقبال صاحب، مولانا محمد یحییٰ صاحب، مولانا انعام اللہ قاسمی، مولانا شریف اللہ سلفی، ماسٹر محمد عباس صاحب، مولانا شکر اللہ فیضی، مولانا اشفاق اللہ فیضی، مولانا سلامت اللہ اثری، مولانا رحمت اللہ اثری، مولانا عبدالحنان فیضی، مولانا قطب اللہ ندوی، مولانا عبدالحفیظ ندوی، مولانا خورشید احمد سلفی، مولانا محمد نعیم مدنی، مولانا عبدالمجید مدنی، مولانا عبدالرشید مدنی، مولانا صبغۃ اللہ ندوی، ماسٹر ابوذر صاحب، مولانا عبدالوحید رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا محمد رئیس ندوی، شیخ انیس الرحمٰن اعظمی، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا عزیز الرحمٰن سلفی، مولانا محمد مستقیم سلفی، مولانا جمیل احمد مدنی، مولانا عبدالمعید مدنی، مولانا عبدالسلام مدنی، ماسٹر اکبر خاں، قاری عبدالحمید صاحب۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کار کردگی:

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ میں تصنیفی تربیت (۱۹۸۴ء - ۱۹۸۶ء)، ماہنامہ دعوت سلفیہ علی گڑھ کی ادارت (مارچ ۱۹۸۶ء تا دسمبر ۱۹۸۹ء)، موتی مسجد علی گڑھ میں امامت و خطابت (۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۱ء)

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف:

عربی سے اردو ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی تعداد ۲۳ ہے، جن میں بیشتر الدار العلمیہ دہلی اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ بعض کتابوں کے نام یہ ہیں: احکام التصویر فی الشریعة الاسلامیة، تذکرة الغافلین بما شرع فی صلة الارحام وبرالوالدین من الکتاب والسنة والاجماع، تبصرة اولی الالباب فی تحریم الکبر والاسبال و ما یحرم علی النساء فی لباسهن، رسالة الحج، تلبیس مردود فی قضایا حیة ، السیاسة الشرعیة، التلازم بین العقیدة والشریعة، کیف نتعامل مع السنة النبویة، صوم أهل الأعذار، مجمل اعتقاد أئمة السلف، حسن الاسوة بما ثبت من اللّٰه ورسوله فی النسوة، شرف أصحاب الحدیث، مشکوٰۃ المصابیح کی ایک تلخیص زیر ترتیب ہے۔ شائع شدہ کتابوں میں خمیئیت: افکار و عقائد، مکاتیب رحمانی، کتاب المناقب اہم ہیں۔ ۶۰ سے زیادہ مقالات اور مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل:
علی گڑھ مسلم اسکول میں تدریس کے فرائض (۱۹۸۸ء تا حال)، جمعیۃ البر الاسلامیہ علی گڑھ میں آفس سکریٹری (۱۹۹۳ء تا حال)، مسجد اہل حدیث سرائے بیرم بیگ علی گڑھ میں خطبۂ جمعہ (۱۹۹۰ء تا حال)، مقامی جمعیت اہل حدیث سول لائنس علی گڑھ کا نائب ناظم (۱۹۹۰ء تا حال)، مساجد میں دروسِ قرآن، دینی اجتماعات اور سمیناروں میں شرکت، تصنیف و تالیف اور ترجمہ و تحقیق کی مصروفیت۔

مولانا اقبال احمد محمدی بن حاجی محمد

تاریخ پیدائش و مقام پیدائش: ۱۵/اگست ۱۹۶۴ء قاسم پورہ مئوناتھ بھنجن، ضلع مئو۔ یو۔ پی

اہم مدارس وجامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی:
(۱) الجامعۃ الاسلامیہ فیض عام مئوناتھ بھنجن (۲) الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة.

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا:
مولانا محمد احمد صاحب ناظم، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب فیضی، مفتی عبدالعزیز صاحب عمری مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فیضی، مولانا حافظ نثار احمد صاحب فیضی، مولانا سہیل احمد صاحب مدنی، مولانا محمد حنیف صاحب مدنی، مولانا عبدالحمید صاحب فیضی، دکتور عبدالرحیم۔

تدریسی اور دعوتی خدمات : نوعیت اور مدت کار کردگی:
تدریس جامعہ اسلامیہ فیض عام چار سال درس قرآن و درس حدیث، اور جمعیت اہل حدیث مئو کے ہفت روزہ اسلامی تربیتی پروگرام میں شرکت، مختلف اجلاس اور سمینار میں شرکت، ناظم جمعیت اہل حدیث مئو ۱۹۹۰ء سے تا حال

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف:
علاج القلب والعینین باحادیث اثبات رفع الیدین بجواب راحة القلب والعینین باحادیث ترک رفع

الیدین (زیر طبع)۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل:

(۱) قرآن مجید کا ہندی ترجمہ ابتدائی مرحلے میں (۲) نماز محمدی کی ترتیب (۳) حج محمدی کی ترتیب (۴) تجارت (۵) نظامت جمعیت اہل حدیث مئوناتھ بھنجن۔

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی بن محمد شفیع خاں

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۲۷؍مئی ۱۹۶۴ء، بہرائچ (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

دارالعلوم ندوۃ العلماء: عالمیت (۱۹۸۱ء)، فضیلت (۱۹۸۳ء) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اجمل خاں طبیہ کالج : بی یو ایم ایس (۱۹۸۹ء)، ایم ڈی (۱۹۹۳ء)

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

شیخ الحدیث مولانا عبدالستارؒ، شیخ الحدیث مولانا ضیاء الحسن ندویؒ، مولانا برہان الدین سنبھلی۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

تصانیف : ۴، تراجم : ۶، جمع وترتیب : ۳

تصنیف : قرآن، اہل کتاب اور مسلمان، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ، ۱۹۹۷ء

تراجم : اسلامی زندگی کتاب وسنت کی روشنی میں، ڈاکٹر محمد علی ہاشمی، ہندوستان پبلی کیشنز دہلی، ۱۹۸۵ء۔

قرآن کریم کا اعجاز بیان، ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۱ء۔

عہد نبوی کا مدنی معاشرہ، ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۴ء۔

حجیت سنت، ڈاکٹر عبدالغنی عبدالخالق، عالمی ادارۂ فکر اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، از ۱۹۹۴ء تا حال

مولانا اسعد اعظمی بن محمد انصاری

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۱۵؍ستمبر ۱۹۶۶ء، مئوناتھ بھنجن (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

(۱) جامعہ عالیہ عربیہ مئو (حفظ، مولوی، عالم، فاضل) (۲) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، کلیۃ القرآن الکریم

(بکالوریوس) (۳) المعهد العالی لأعداد الأئمة والدعاة التابع للرابطة بمكة المكرمة (ماجستیر) (۴) جامعۃ الملک سعود (ڈپلوما) (۵) ایم اے (شعبۂ عربی) لکھنؤ یونیورسٹی

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

مولانا محمد صاحب اعظمی، مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی، مولانا اقبال احمد سلفی، دکتور عبداللہ امین شنقیطی، دکتور سیبویہ البدوی، شیخ حسین المرصفی، دکتور عبدالعزیز الحمیدی، دکتور علی جریشہ، شیخ حسن ایوب، دکتور عبدالرحمٰن الفوزان، دکتور راشد الدویش وغیر ہم۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

تدریسی خدمت: ۱۹۹۴ء سے مسلسل، جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو۔ تفسیر، حدیث، عقیدہ، ادب و نحو وغیرہ۔
دعوتی خدمت: خطبہ جمعہ، قرب وجوار کے علاقوں میں دعوتی پروگراموں میں شرکت، دعوتی و تعلیمی کانفرنسوں، سمیناروں، مقابلوں اور دیگر پروگراموں سے ربط و ضبط، تعلیم، تربیت اور دعوت و اصلاح وغیرہ موضوعات پر اصلاحی مقالات و مضامین اردو و عربی میں۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

(۱) توجيه القراء ات القرآنية (مخطوط) (۲) الدعوة الى الله و تربية الاطفال (رسالة الماجستير) (۳) فقه المعاملات فی تفسير الطبری (مخطوطہ) (۴) ضعف الدارسین الهنود (۵) تصور شیخ: ایک تنقیدی جائزہ (مخطوط) (۶) تحقیق و تخریج کتاب "سراج محمدی" ملقب بہ "تاریخ اہل حدیث" (زیر تحقیق)۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

(۱) تدریس (۲) دعوتی و اصلاحی پروگراموں میں شرکت (۳) مساجد میں درس قرآن و درس حدیث وغیرہ (۴) مجلّہ آثار کی ادارت (۵) پی ایچ ڈی کے مقالہ کی تیاری (۶) سراج محمدی کی تخریج و تعلیق (۷) دعوتی و اصلاحی مضامین و مقالات وغیرہ۔

مولانا ارشد فہیم الدین سلفی

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۳؍نومبر ۱۹۶۷ء بمقام: امواؔمدینۃ الشیخ، ضلع۔ شیوہر۔ بہار

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ، مولانا عبدالوحید رحمانی رحمہ اللہ، شیخ انیس الرحمٰن اعظمی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عابد حسن رحمانی وغیر ہم۔

تدریسی اور دعوتی خدمات، نوعیت اور مدت کارکردگی :

یکم دسمبر ۱۹۹۱ء سے اب تک جامعہ ابن تیمیہ میں تدریس، اس دوران تقریباً چھ سال تک بحیثیت ناظم تعلیمات

کام کیا اور گذشتہ دو سالوں سے بحیثیت وکیل الجامعہ کام کر رہا ہوں۔

تعلیمی دور سے ہی دعوتی کاموں سے منسلک رہا، مختلف مقالات و مضامین لکھے دعوتی پروگراموں میں حصہ لیا۔ اور اب باضابطہ ایک داعی الی اللہ کی حیثیت سے خطبہ جمعہ، دروس حلقات اور علمی ودعوتی اجتماعات میں شرکت ہو رہی ہے۔

تصانیف کی مجموعی تعداد اور بعض اہم تصانیف :

مختلف موضوعات پر اب تک چھ مختصر کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں اہم یہ ہیں: (۱) شیعہ سنی مفاہمت: ایک جائزہ (۲) تعلیم نسواں اور اسلام (۳) تاریخ تدوین تفسیر (زیر طبع) ان میں سے اکثر تراجم ہیں۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

جامعہ ابن تیمیہ سے عنقریب شائع ہونے والے سہ ماہی مجلّہ "بحث و تحقیق" کے مدیر کی حیثیت سے کام شروع کر چکا ہوں۔ پہلا شمارہ جلد ہی منظر عام پر آئے گا، ان شاء اللہ۔

نواب صدیق حسن خاں کی تفسیر "فتح البیان" کی تخریج احادیث و آثار پر بھی کام شروع کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس اہم کام کو مکمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

مولانا احسان اللہ ندوی بن مطیع اللہ خاں

تاریخ پیدائش ومقام پیدائش : ۲۵/نومبر ۱۹۷۴ء، موضع تھرولی (گینسڑی) بلرام پور (یوپی)

اہم مدارس و جامعات جہاں سے تعلیم حاصل کی :

مدرسہ اسلامیہ فیض العلوم تھرولی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، لکھنو یونیورسٹی، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی۔

ممتاز اساتذہ جن سے کسب فیض کیا :

(۱) مولانا جمال احمد اثریؔ (۲) مولانا عبدالرحیم ندوی (۳) مولانا عبدالباری ندوی (۴) مولانا محمد یعقوب ندوی (۵) مولانا واضح رشید ندوی (۶) پروفیسر محمد راشد ندوی (۷) ڈاکٹر صلاح الدین عمری (۸) ڈاکٹر محمد فیضان بیگ۔

موجودہ مصروفیات کی تفصیل :

"جدید عربی ادب کے ارتقا میں اخوان المسلمون کا حصہ" کے موضوع پر پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ کی تیاری۔

افتتاحی اجلاس

زیر صدارت

فضیلة الشیخ صلاح الدین مقبول احمد المدنی حفظه اللّٰه

کلیدی خطبہ

مولانا عبد المعید مدنی، علی گڑھ

حدیث رسول: مختلف رویے

حامدا و مصلیا و بعد.

رسولِ گرامی انسان کی ہدایت کے لیے اللہ کا عطا کیا ہوا دین لے کر آئے۔ یہ دین کامل انسانوں کے لیے ہے اور قیامت تک اب دوسرا دین آنے والا نہیں۔ یہی پوری بشریت کی دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

دین کا اتمام اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ "**الیوم اکملت لکم دینکم‘ واتممت علیکم نعمتی، ورضیت لکم الاسلام دینا**" (المائدہ: ۳۔) دین کا اتمام وحی الٰہی کے ذریعہ ہوا۔ ایک وحی وہ ہے جسے روح امین حضرت جبریل لے کر آئے تھے۔ "**نزل به الروح الأمین علی قلبك لتکون من المنذرین**" (شعراء: ۹۳۔) دوسری وحی کے متعلق ارشاد ہوا "**وما ینطق عن الهوىٰ، ان هو الا وحي یوحی علمه شدید القوی**" (نجم ۳-۵) نطق رسول کے پیچھے جو تعلیم ہے وہ تعلیم کس کی ہے؟ تعلیم شدید القوی حضرت جبریل کی ہے۔ کلام الٰہی پہونچانے و پڑھانے کے ساتھ اس کی تعلیم یا وحی جلی کے سوا دیگر مسائل دین کی تعلیم حضرت جبریل کے ذریعہ ہوئی تھی۔ ان کا کام ابلاغ وحی کے ساتھ تعلیم وحی بھی تھا۔ اسی لیے رسولِ رحمت ﷺ کی تمام باتیں مبنی بر وحی ہوتی تھیں۔

ایک صحابی نے رسول گرامی کا فرمان سنا "**لیدخلن الجنة بشفاعة رجل لیس بنبي مثل الحیین او مثل أحد الحیین :ربیعة و مضر**" عرض تمنا کی : "**أما ربیعة ومضر**"؟ رسول گرامی نے فرمایا "**إنما أقول ما أقول**" (احمد)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے سب زیر تحریر لے آتے اور اسے یاد کرنے کی خواہش رکھتے۔ قریش نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ حضرت عبد اللہ نے رسول عربی سے اس کا تذکرہ کیا رسول پاک نے فرمایا "**اکتب فوالذی نفسي بیده ما خرج مني إلا الحق**". (احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کی روایت ہے، رسول پاک نے فرمایا "**لاأقول إلا حقا قال بعض اصحابه فانك تداعبنا یا رسول الله؟ قال إني لا أقول إلا حقا**" (احمد)

نزل به الروح الامین کلام اللہ ہے یعنی الفاظ و معانی سبھی لوح محفوظ سے آترے ہیں اور **علمه شدید القوی** جسکے نتیجے میں نطق رسول کا صدور وحی سے ہوتا ہے وہ وحی خفی حدیث رسول ہے۔ وحی جلی کلام اللہ ہے اور وحی خفی کلام رسول اللہ ہے۔ اس وحی خفی کی حیثیت اور مقام کی تعیین دیگر نصوص سے بھی ہوتی ہے ارشاد ربانی ہے "**لقد کان لکم في رسول**

الله اسوۃ حسنة" (احزاب:۲۱) رسولِ رحمت کی ذات مبارکہ میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ایک کامل دین پر عمل پیرائی میں اس سے زندگی کا ہر گوشہ مستنیر ہوتا ہے تصور حیات کائنات، عالمِ غیب، معیشت، معاشرت، سیاسی ذاتی و عائلی زندگی غرضیکہ زندگی ومابعد زندگی سبھی مسائل واحتیاجات میں رسول گرامی کی ذات ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ رب پاک نے ذات رسول کو اسوۂ حسنہ ٹھہرایا اور یہ بھی حکم دیا "وما اتاکم الرسول فخذوہ، وما نھاکم عنه فانتھوا" (حشر: ۵۹) اسوۂ حسنہ اتباع واطاعت کا متقاضی ہے۔ رب پاک نے اطاعت کی راہ چھوڑنے کو عمل کی بربادی کا ذریعہ بتلایا۔

"یایھا الذین آمنوا اطیعوا الله وأطیعوا الرسول ولا تبطلوا أعمالکم" (سورۂ محمد: ۳۳) اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کلام اللہ اور سنت رسول اللہ یعنی وحی جلی اور وحی خفی دونوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

رسول کی غیر مشروط سمع و طاعت اور مشاجرات میں آپ کے فیصلوں کو حرف آخر سمجھنا اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ایمان کے تقاضے میں داخل ہے۔

فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما. (النساء: ۶۵)

اطاعتِ رسول، مشاجرت میں رسول کو حکم ماننا، رسول جو دیں اسے لے لینا اور جس سے روکیں اس سے باز رہنا، یہ سب اس بات کے متقاضی ہیں کہ کلام الٰہی کے پہلو بہ پہلو اسوۂ رسول، سنت نبی، رسول اکرم کے فیصلے، احکامات، اعمال اور اقوال اور آپ کی تصدیقات سبھی کچھ دائرۂ شریعت میں داخل ہیں۔

آپ کا منصب تلاوتِ کتاب سے بڑھ کر تزکیۂ تعلیم کتاب و حکمت بھی ہے۔ "**ھو الذی بعث فی الأمیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاته، ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین.** (جمعہ: ۳)

تلاوتِ آیات کے پہلو بہ پہلو تزکیہ و تعلیم کتاب و حکمت موجود ہے۔ تلاوت آیات تو کلام الٰہی کا پڑھنا ہوا بقیہ تین کام تزکیہ، تعلیم کتاب و حکمت، تلاوت آیات الٰہی سے الگ مزید کام ہیں۔ یہ تینوں کام رسول کے قول و عمل کے نمائندے ہیں، جنہیں اصطلاح میں سنت و حدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن کلام الٰہی ہے۔اس کے منطوق، منصوص، مفہوم، تخصیص تعیم، استنباطات، مجمل و مفصل، ناسخ منسوخ، کنایات اشارات، اعجاز و بیان، فصاحت و بلاغت، احکام و عقائد تاریخ و عبر قصص، عبادات، حقوق و معاملات رسول گرامی سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ اس لیے آپ کے منصب نبوت میں یہ بات شامل تھی کہ آپ ان تمام مسائل و حقائق کی تبیین کریں۔ اللہ نے حقائق اصلیہ کو وحی جلی کی صورت میں نازل فرمایا۔ رحمت عالم کا منصب یہ ٹھہرا کہ ان حقائق کو وحی خفی کے ذریعہ واضح کریں جہاں ضرورت ہو اس کی تبیین و تشریح کریں:

وأنزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون. (نحل: ۴۴)

قال الامام الشافعی رحمه الله : فجماع ما أبان الله فخلقه فی کتابه مما تعبدھم به لمامضی من حکمه جل ثناؤہ. من وجوہ :

فمنها ما أبان الله لخلقه نصا مثل جمل فرائضه فی أن علیهم صلاة وزکاة وحجا وصوما وأنه حرم الفواحش ماظهر منها وما بطن، ونص الزنا والخمر، وأکل المیتة والدم، ولحم الخنزیر، وبین لهم کیف فرض الوضوء مع غیر ذلك مما بین نصا.

ومنها ما احکم فرضه بکتابه، وبین کیف هو علی لسان نبیه مثل عدد الصلاة والزکاة ووقتها وغیر ذلك من فرائضه التی انزل من کتابه.

ومنها: ماسن رسول الله ﷺ مما لیس لله فیه نص حکم، وقد فرض الله فی کتابه طاعة رسوله ﷺ والانتهاء إلیٰ حکمه فمن قبل عن رسوله الله فبفرض الله قبل.

ومنها: ما فرض الله علی خلقه الاجتهاد فی طلبه، وابتلی طاعتهم فی الاجتهاد کما طاعتهم فی غیرہ مما فرض علیهم" (الرسالة ۲۱-۲۲)

رسول گرامی کی تبیین دین وشریعت کی مبادیات سے لے کر فروعات تک کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔اس تبیین وتشریح کی متنوع شکلیں ہیں جیسا کہ امام شافعی کی مذکور تشریح سے واضح ہے۔اس تبیین وتشریح کے نتیجے میں شریعت اور دین کی بہت سی شقوں کا اضافہ ہوا۔اس اضافے نے تکمیل دین کا کام کیا۔

تلاوت آیات اور تلقی وحی کے ساتھ تزکیہ، فصل نزاع، تشریح وتبیین، تعلیم کتاب وحکمت، عملی تنفیذ کے بعد آپ کی ذات کا اسوہ ومثال بنا آپ کے منصب نبوت میں داخل ہیں ان ذمہ داریوں نے آپ کے کار نبوت کو ہمہ جہتی رخ عطا کر دیا ان تمام نشاطات کو رب پاک نے استناد کا درجہ عطا کیا۔انہیں قانونی حیثیت دی اور انسانوں کے لیے لازم ٹھرایا کہ انہیں بے چون وچرا تسلیم کریں۔

وماآتاکم الرسول فخذوہ، وما نهاکم عنه فانتهوا (حشر: ۵۹) رب پاک نے گواہی دی کہ وانك لتهدی الی صراط مستقیم (شوری: ۵۲) امام شافعی نے فرمایا"فاقام الله به الحجة علی خلقه بالتسلیم لحکم رسول الله، واتباع أمرہ" اس شہادت سے اللہ نے اپنی مخلوق پر حجت قائم کر دی کہ انہیں رسول گرامی کے حکم کو ماننا ہے اور ان کے حکم کی پیروی کرنی ہے۔

اگر رسول گرامی کا قول وعمل اور تصدیقات صراط مستقیم اور اسوہ حسنہ کے دائرے میں نہ آتے، ان سے راہ ہدایت نہ ملتی اور آپ کی تشریحات اور تبیین کو صراط مستقیم کا درجہ نہ ملتا تو کیوں رب پاک انہیں لینے اور اپنانے کا حکم دیتا اور کیوں آپ کے تمام کارہائے دین ونبوت کو راہ ہدایت بتلاتا۔زمانہ نبوت میں وحی جلی کے پہلو بہ پہلو وحی خفی پر پورا عمل ہوتا رہا ہے اگر وحی خفی کا پہلو صراط مستقیم، راہ ہدایت اور اسوہ حسنہ کے دائرے سے خارج ہوتا تو رب پاک فوراً رسول پاک کو تنبیہ فرمادیتے لیکن قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں تنبیہ کے بجائے رسول پاک کے فرامین اور اسوہ حسنہ کی اطاعت اور اتباع سے روگردانی کرنے پر سخت تنبیہ ہے۔ فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت (نساء: ۶۵)

منصب نبوت کی ذمہ داری نبھانے کے لیے وحی خفی کی بنیاد پر رسول گرامی نے اپنے قول و فعل اور تصدیقات پر ایک اسوۂ کامل قائم کیا۔ ان کی تشریعی حیثیت کے متعلق زبانِ مبارک سے فیصلہ صادر ہوا "**لا الفين احدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر من أمرى مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا أدرى ما وجدنا فى كتاب الله اتبعناه**" (ابن ماجہ، ابوداؤد ترمذی، احمد۔) کوئی ایسا نہ ہو جو اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اس کے پاس میرے امر و نہی کا کوئی مسئلہ آئے تو کہہ بیٹھے مجھے پتہ نہیں ہمیں جو کتاب اللہ میں ملا ہم اسی کی اتباع کریں گے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا:

ليس من عمل يقرب إلى الجنة أمرتكم به، ولا عمل يقرب إلى النار إلا قد نهيتكم عنه" (المستدرک للحاکم) کہ جو عمل بھی راہ جنت کی طرف لے جاتا ہے میں نے اس کے کرنے کا حکم دے دیا ہے اور جو عمل بھی جہنم کی راہ کی طرف لے جاتا ہے میں نے اس سے باز رہنے کا حکم دے دیا ہے۔

رب پاک نے رسول گرامی کے فیصلوں کے بعد مسلمانوں کے لیے کوئی راہ باقی نہ رہنے کا اعلان کیا ہے **وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم، ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا.** (احزاب : ۳۶)

رسول کے فیصلے سنت کی شکل میں محفوظ ہیں۔ ان کی شریعت قیامت تک کے لیے قائم ہے۔ رسول گرامی نے فرمایا

"**تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنتى.**"

دو چیزیں تمہارے لیے چھوڑ رہا ہوں جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے وہ دونوں کتاب اللہ اور میری سنت ہیں۔

رسول رحمت کے اقضیہ، اسوۂ امر و نہی اور تبیین و تشریع کی تشریعی حیثیت کو امت نے متفقہ طور پر تسلیم کیا۔ جن کے نزدیک ان کی تشریعی حیثیت مسلم نہیں، امت محمدیہ سے وہ خارج قرار دیئے گئے۔ انہیں منکر وحی، منکرِ رسالت اور منکر قرآن تصور کیا گیا اور ان کی یہی حیثیت تسلیم کی گئی۔

رسول کے ان اقضیہ، اُسوہ امر و نہی اور تبیین و تعلیم کو حدیث کا نام ملا، انہیں سنت بھی کہا گیا، محدثین نے یکساں طور پر انہیں دونوں ناموں سے یاد کیا ہے۔

حدیث کا اتمام دین میں مسلمہ مقام ہے، منصب نبوت سے اس کا رشتہ ہے۔ قرآن کے ساتھ اس کے متنوع تعلقات ہیں، تشریعی حیثیت کی بنیاد پر اطاعت و اتباع کی راہ میں وہ صراط مستقیم کی رہنمائی کرتی ہے، دینی ذمہ داریوں کے ڈالنے کے سلسلے میں وہ کلام اللہ کی طرح موثر ہے۔

زمانہ نبوت ہی سے حدیث رسول کی حفاظت، مذاکرہ، تحریر اور حفظ کی صورت میں ہونے لگا تھا، قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لی "**انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون**" (حجر:۹)

رسول اکرم کے اقوال، افعال اور تصدیقات کی تشریعی حیثیت ہے، اس لیے رب پاک نے توفیق دی کہ ان کی حفاظت

اس کے بندے کریں۔

یہ ذمہ داری نبھانی دینی فریضہ قرار پایا۔ اسے نبھانے میں عقیدہ و عمل، تقوی و تدین، اخلاق و مروت، فہم و فراست، امانت، دیانت اور صداقت، تعلیم و تعلم، زبان و بیان کی معرفت، سبھی مطلوب ہیں۔ شروع ہی سے صحابہ کو اسوۂ رسول پر عمل پیرائی کا اتنا اہتمام تھا کہ بنی نوع بشر میں ایسی مثال نہیں ملتی۔ اسی اہتمام کا نتیجہ تھا کہ احادیث کو یاد کرنے اور انہیں ضبطِ تحریر میں لانے کا اہتمام شروع ہی سے تھا۔

حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت انس، حضرت ابورافع، حضرت عبداللہ بن ابی رِوفی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے متعلق روایات آتی ہیں کہ وہ احادیث رسول لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص کے متعلق ہے کہ انہوں نے دس ہزار حدیثیں لکھ رکھی تھیں۔

رسول گرامی کا حال یہ بیان ہوا ہے کہ جس نے خواہش ظاہر کی آپ نے اسے اپنی حدیثوں کو لکھنے کی اجازت دے دی اور بسا اوقات دوسروں کو لکھنے کا حکم دیا۔ آپ کے وہ وثائق جنہیں سرکاری وثائق کہنا کرنے چاہئے وہ بھی روزِ اول سے تحریری شکل میں موجود ہیں۔

حفظ حدیث کا مسئلہ ایسا ہے کہ جو لوگ حدیثیں لکھتے تھے وہ بھی یاد رکھنے کے لیے ہی لکھتے تھے اور عرب کی فطری خصوصیت یہ تھی کہ ان کا ذہن عجمی فلسفوں سے آلودہ نہیں تھا اس لیے ان کا ذہن عام طور پر بڑا شارپ تھا یہی وجہ تھی کہ رسول گرامی کی پیاری باتیں، حقائق و حکمت کے ٹکڑے، فصاحت و بلاغت سے تر و تازہ ان کے قلوب و اذہان میں اتر جاتی تھیں اور نقش کالحجر بن جاتی تھیں پھر یہ کہ جذبہ اطاعت و محبت اور عقیدت کی فراوانی۔ توجہ شوق اور دلچسپی بھرپور۔ ایسی حالت میں کیوں نہ رسول گرامی کی عطا کردہ باتیں ان کے پروانوں کو یاد ہوں۔

رسول گرامی کی احادیث کی روایت و تدوین۔ تحریراً و حفظاً۔ اول دن سے اعلی معیار پر ہونی شروع ہو گئی تھی۔ دعائے نبوی ہے "**نضر الله امرا سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه، فرب مبلغ اوعى له من سامع**" (ترمذی، ابن ماجہ: عبداللہ بن مسعود) کون مسلمان ہوگا جس کے دل میں اس دعا کا مستحق بننے کی خواہش نہ ہو گی۔ ہمت حوصلے کی بات ہے۔

تدوین حدیث کا مسئلہ محض علم و روایت کا مسئلہ نہ تھا، دینی مسئلہ تھا۔ حدیث رسول کو لکھا بھی گیا تو دینی اور عملی زندگی کے لیے اور یاد بھی کیا گیا تو بھی اسی مقصد کے لیے۔ تحریر و حفظ میں اتنا اہتمام کہ اگر الفاظ نبوی اور تعبیر مصطفوی سے ذرا بھی فرق محسوس ہوتا تو راوی کانپ جاتا تھا کیوں کہ اس کے پیش نظر ہوتا "**من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار**" دوسری طرف اس کے اندر جذبہ خدمت دین کا ہوتا اور دعائے رسول کا مستحق بننے کا شوق بھی۔

حدیث رسول کی حفاظت کا یہ سلسلہ زمانۂ نبوت بلکہ نبوت کے پہلے دن سے شروع ہو گیا اور یہ سلسلہ آج تک متنوع شکل میں جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ حفاظت علمی و فنی شکل میں بھی ہوتی ہے اور حفظ و تحریر کی شکل میں بھی ہوتی ہے اور عملاً و عقیدۃً بھی۔

تحریری شکل میں اس کی حفاظت تقریباً تیسری صدی میں مکمل ہوگئی اور تقریباً تمام صحاح، جوامع اور مسانید لکھے جاچکے۔ ان کتابوں کے رواۃ ابن حجر کی تقسیم کے مطابق فنی اعتبار سے ۱۲ طبقات میں تقسیم ہوئے۔ اسماء الرجال کے فن کے تحت ۵ لاکھ سے زیادہ رواۃ کی مفصل حالات زندگی کو زیر تحریر لایا گیا۔ جن کا تعلق روایت حدیث سے کسی نہ کسی طرح تھا۔ ان کی زندگی تاریخ کی روشنی میں ہے۔

علوم حدیث کی عظمت اور ان کی تاریخی و علمی اہمیت کا قائل دشمن دین بھی ہے۔ جاہل مسلمان اگر ان کی اہمیت نہیں سمجھتے تو یہ ان کی بدنصیبی، بے علمی اور جھل پر غرور ہے۔ صحتِ حدیث یا اس کے استناد یا عدم استناد کا جو عمل ہے وہ اتنا کامل، دقیق اور یقین واذعان کے نتیجے تک پہونچانے والا ہے کہ اس کے مقابل آج تک کوئی انسانی علم وجود ہی نہ پا سکا۔ تلاشِ حقیقت کا یہ حال ہے کہ ایک ایک راوی کے عقیدہ و عمل، فہم و فراست اور ذہنی صلاحیت کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔ جرح و تعدیل کی کسوٹی پر ایک ایک حرف ایک ایک لفظ کو پرکھا جاتا ہے۔ زیروزبر کے فرق تک کی جانچ ہوتی ہے۔

سند و متن کی جانچ اور پرکھ کے بعد ہی حدیث کو قابل استناد یا ناقابل استناد مانا جاتا ہے حتی کہ مقبول و مردود احادیث کی تقسیم بھی ہوئی اور قوت وضعف کے معمولی فرق کا اعتبار کرتے ہوئے انہیں الگ الگ نام دیے گئے۔

سند و متن پر بحث و نظر اور تحقیق و تدقیق نے علوم الحدیث کے پھلنے پھولنے کا میدان بہت وسیع کر دیا ابن الملقن نے علوم الحدیث کے انواع واقسام کو ۲۵۰ تک گنایا ہے۔ ان تمام علوم کے انواع واقسام کے اصول و ضوابط طے کیے گئے۔

حدیث رسول کی صحت جانچنے اور انہیں مدارجِ قبول تک پہونچنے کے سلسلے میں محدثین نے اتمام حجت کر دیا ہے۔

علوم الحدیث کی روشنی میں جو حدیث پایۂ ثبوت تک پہونچ جائے اور جسے ماہرین فن مسلمہ اصولوں کی بنیاد پر صحیح قرار دے دیں اسے حدیث رسول ماننا لازم ہوتا ہے۔ حزبیت اور تعصّبات، احتمالات اور غیر علمی اصولوں کی بنیاد پر اسے رد کرنا حدیث رسول کو ٹھکرانا ہے یا ایسے اصول طے کرنا جو کسی عصبیت کی بنیاد پر ہو اسے حدیث سے کھلواڑ کرنے کے مترادف مانا جائے گا۔

ثابت شدہ حدیث کے دین میں حجت ہونے کو اور شریعت کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس کی حیثیت اور شریعت اس حدیث سے واضح ہوتی ہے: **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " إنما انا بشر وإنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض فاقضي له على نحو ما اسمع منه فمن قضيت له من حق أخيه بشيء فلا يأخذ منه شيئا فانما اقطع له قطعة من النار. "** (ابوداوٗد)

ثبوت اور شواھد اصل ہیں۔ ثبوت آجانے کے بعد اینچ پینچ اور احتمالات میں پڑنا سراسر غلط ہے۔ پایۂ ثبوت تک پہونچنے کے بعد دین وشریعت کے ہر باب میں اس کے حجت ہونے میں کلام نہیں رہتا۔ یہ ثبوت اور استناد مسلمہ اصولوں کے مطابق ہوتا ہے جنہیں شرعی و دینی ثبوت و شہادت کا اعتبار حاصل ہوتا ہے۔ اس علمی عملی اور دینی عمل کے بعد اگر کوئی حدیث پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے تو اسے بشر ہونے کے ناطے احتمال بشری کے تحت رد نہیں کر سکتے۔ احتمالات تو معصوم کے بعد کسی بھی انسان میں ہو سکتے ہیں لیکن ثبوت کے بغیر جس طرح احتمال کی بنیاد پر کسی کو زانی، شرابی اور چور نہیں کہا جا سکتا اسی طرح علمی ثبوت اور دلائل کے بغیر شکوک، اوھام اور احتمالات کے سہارے کسی ثابت شدہ حدیث کو رد نہیں کر سکتے۔ نہ غیر ثابت شدہ

حدیث کو ان کی بنیاد پر ثابت کر سکتے ہیں۔

حدیث اور علوم حدیث پر وہ شاندار لٹریچر وجود میں آیا جس کی نظیر پوری تاریخ انسانی پیش نہیں کر سکتی۔ کم و کیف ہر اعتبار سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔

حدیث کی تشریعی حیثیت کے متعلق خود قرآن ناطق ہے۔ رسول گرامی نے خود اپنے اقوال و افعال کو اپنے منصب نبوت کا حصہ قرار دیا۔ امتِ اسلامیہ نے اسے تسلیم کیا۔ لیکن جب سے فرقہ بندی کا ظہور ہوا اور نئے نئے فرقوں نے جنم لینا شروع کیا۔ ان کے سامنے قرآن و سنت معیار فکر و فہم نہیں رہا، عربی زبان کی باریکیوں اور نزاکتوں کو انہوں نے نظر انداز کر دیا۔ نصوص قرآن و سنت کو وحی الٰہی کے پس منظر میں دیکھنے اور سمجھنے کے بجائے عجم کے فکر و فلسفہ کے پیمانوں سے ناپنے لگے انہیں معیار دین سمجھ کر ان کے مفاہیم کی تعیین کی کوشش میں خلل واقع ہوا بلکہ معیار کی حیثیت سے انہیں تسلیم کرنا ترک ہونے لگا۔ کلام اللہ اور حدیث رسول کو ان کے مقام سے اتار کر کلام انسانی اور عام افکار انسانی کے مقام پر کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور فلسفہائے عجم کو ان کے اوپر حکم بنا دیا گیا۔ اصول کے بجائے اشخاص معیار حق بن گئے۔ عقل اسلامی کے بجائے عقل یونان اور روم نصوص کو جانچنے کے لیے اساس ٹھہری۔

اسلامی فرق جنہوں نے حدیث رسول کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے' یا جزئی انکار کیا یا جزئی حجیت حدیث کا انکار کیا انہیں تین گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ افکارِ عجم کو بنیاد بنا کر عالم الغیب کے حقائق کے سلسلے میں شبہات پیدا کرنے والے۔ اس گروپ میں اولاً معتزلہ آتے ہیں۔ انہوں نے کلی طور پر حجیت حدیث یا حدیث کا انکار نہیں کیا لیکن افکارِ عجم کے مطابق اپنی فکر و فہم کو ڈھالا اور تعقل پسندی کے سبب حدیث کے متعلق ان کا موقف متذبذب ہو گیا۔ صفاتِ الٰہی کو ان کی عقل تسلیم نہیں کرتی۔ برزخ کی زندگی کا ان کے نزدیک تصور نہیں۔ معجزات نبوی انہیں تسلیم نہیں۔ خبر واحد ان کے نزدیک قابل حجت نہیں۔ وہ احادیث جن کا تعلق مذکورہ موضوعات سے ہو گا معتزلہ کے نزدیک قابل تسلیم نہیں۔

یہ تو تمام فرق ہائے اعتزال کے حدیث کے متعلق مسلمہ نظریات ہیں۔ اعتزال کے مختلف فرق کے اپنے نظریات کی بات ہی اور ہے، وہاں بات ہی نرالی ہے **فحدث ولا حرج**۔

اسی گروہ میں جبریہ و قدریہ کا شمار ہونا چاہیے جو آگے چل کر فرقہائے اعتزال ہی میں ضم ہو گئے تھے یہ بھی حدیث کے ان اجزاء کا انکار کرتے ہیں جن کا تعلق غیبی حقائق سے ہے۔ دوسرے نمبر پر پورا ذخیرہ احادیث ان کے نزدیک مشکوک ہے یا خود ان کا منہج فکر و نظر حدیث کو مشکوک بنا دیتا ہے۔

۲۔ فکر میں غلو کرنے والے: خوراج فکری غلو کے شکار ہوئے اور بڑھتے بڑھتے بیس فرقوں میں بٹ گئے۔ انہوں نے بھی فضائلِ اہل بیت اور دیگر صحابہ کے متعلق آمدہ احادیثِ فضائل کا انکار کر دیا۔

فکری غلو کا شکار ہونے والوں میں شیعہ حضرات بھی آتے ہیں۔ ان کے اصول و مناہج غلو کے سبب مکمل طور پر بدل گئے۔ ان لوگوں نے قرآن و سنت کے بینات اور اصول کو معیار بنانے کے بجائے اشخاص کو معیار دین بنا ڈالا۔ سازش کی بنیاد پر

دکھاوے کے طور پر اشخاص کو آڑ بنا کر انہوں نے دین کو کھلواڑ بنالیا۔ رجال کو معیار بنانے کے بعد اہل تشیع انہیں رجال کی روایت کردہ احادیث کو تسلیم کرتے ہیں یا اپنی باتیں ان کی زبانی روایت کرتے ہیں۔ ظاہر بات ہے اس مصنوعی غیر علمی اور غیر دینی طریقے کو استنادی حیثیت ملنے کے بعد کیا حدیث اور کیا حجیت حدیث؟ ان کے لیے پوراذخیرۂ احادیث پیش پا افتادہ بات سے زیادہ کچھ نہیں۔

(۳) یہ تو مختصراً ان فرق کی کہانی ہوئی جنہیں اہل سنت سے خارج مانا جاتا ہے رہ گئے فرقہائے اہل سنت تو ان میں بھی بہت سے "حضرات" کی کہانی حدیث رسول کے متعلق الم ناک ہے۔ اہل سنت میں بھی ایسے عناصر ہمیشہ پائے جاتے رہے جنہوں نے حدیث رسول کو اپنی تعقل پسندی کی قربان گاہ میں قربان کر دیا لیکن ان کی سنیت پر ذرا آنچ نہیں آئی۔ عقائد کے مباحث ہوں یا فقہی مباحث، اصول حدیث ہوں یا اصول فقہ، ہر شعبے میں ان کی تعقل پسندی اپنا کام کرتی رہی۔ اس چھاپ کے اثرات اہلِ سنت میں شامل افراد اور مکاتبِ فکر پر تیسری صدی سے تقریباً شروع ہوئے اور آج تک اس میں کمی نہیں آئی بلکہ تصوف نے احادیث رسول کو مشکوک کرنے کا دروازہ چوپٹ کھول دیا اور اہل سنت کو وحدۃ الوجودی شرک کا رسیا بنادیا اور موضوعات اور ضعاف کو اول درجہ کا استناد عطا کر دیا۔

ان متنوع غلط اثرات کو دبیز اور پر پیچ، مسلکی تعصب، علاقائیت، ذاتی منفعت حب مشیخت اور چودھراہٹ کی طلب نے بنادیا۔ رجال میں غلو نے اصول سے بے توجہی پر مجبور کیا اور دل بھاتے اصول وضع کرنے پر مجبور کیا تاکہ شخصی غلو وعقیدت پر آنچ نہ آنے پائے۔ کرخی (م ۳۴۰ھ) کے اصول اس باب میں لائق ملاحظہ ہیں:

الأصل أن كل آية تخالف قول أصحابنا فانها تحمل على النسخ أو على الترجيح والأولى أن تحمل على التاويل من جهة التوفيق.

الأصل أن كل خبر يجيء بخلاف قول أصحابنا فانه يحمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله.

الأصل أن الحديث اذا ورد عن الصحابي مخالفا لقول أصحابنا...... يحمل على التاويل أو المعارضة.

کرخی ہی کی طرح ان کے دیگر ہم مسلک اصولی علماء ہیں جیسے ابو بکر جصاص (۳۷۰ھ) عیسیٰ بن ابان (۲۲۱ھ) و دبوسی (۳۴۰ھ)۔

اور متکلمین کی کہانی تو جدا ہی ہے انہوں نے تو نصوص کے مقابلے میں عقائد کے باب میں عقل کو حجت تسلیم کیا۔ یہ وہی متکلمین ہیں جنہیں اہل سنت میں مانا جاتا ہے اور جن کے احترام میں گردنیں جھک جاتی ہیں۔ اشعری و ماتریدی متکلمین کی اکثریت کی سوچ و فکر اسی طرح کی رہی ہے۔ جن کی تعقل پسندی کسی طرح نصوص حدیث کو درخور اعتناء نہ سمجھتی رہی یا وہ لوگ جن کے اوپر رجال پرستی کی چھاپ رہی ہے اور رہے۔ ان کے چند اصول کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ اخبار آحاد کو قرآن کے عموم و ظواہر پر تولا جائے گا اگر وہ قرآن کے کسی ظاہری مفہوم یا عام مفہوم کے مخالف ٹھہریں تو ظاہری اور عام مفہوم کے مقابلے میں اخبار آحاد کو رد کر دیا جائے گا کیوں کہ قرآن قطعی الثبوت ہے اور اس کے ظواہر و عموم بھی۔ اس کے برعکس اخبار آحاد ظنی الثبوت ہیں لہٰذا ظنی الثبوت قطعی الثبوت کے مقابلے میں مسترد ٹھہریں گے۔

اس اصل کے تحت بے شمار احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ اصل تو بنا لیا گیا اور بے شمار حدیثوں کے انکار کا دروازہ کھول دیا گیا۔ لیکن اس اصل کی علمی تاصیل و تاسیس کے متعلق سوالات اٹھتے ہیں۔ کن قرآنی آیات اور نصوص سنت متواترہ کے قرائن کے تحت یہ اصول بنا ہے؟ ظاہری اور عمومی قرآنی مفہوم سے کیا مراد ہے؟ اصل مفہوم اور ظاہری مفہوم کی تقسیم کیسے ہوئی؟ ظاہری اور عام مفہوم ہی کیوں احادیث آحاد کے جانچنے کا معیار ٹھہرا؟ وجہ ترجیح کیا ہے؟ ظاہری مفہوم کے مطابق اخبار آحاد کو تولنے کے بعد اصل مفہوم کے مقابلے میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ آیا اسے رد کر دیا جائے اور اگر رد نہ ہو تو اصل و ظاہر دونوں مفاہیم کو ساتھ لے کر کیسے چلیں گے؟ جب کہ ظاہری مفہوم قطعی الثبوت بھی ہے؟ اس کا مطلب یہ قرآن کے ظاہر و باطن دو مفہوم ہوئے اور دونوں کی حیثیت قطعی الثبوت ہے۔ اخبار آحاد کے رد کرنے کے لیے اصول بنائے گئے جو خود قرآن کے متعلق شبہات پیدا کرنے کا سبب بنتے نظر آتے ہیں۔ دراصل یہ متکلمین اور تعقل پرستوں کے گلے کی ہڈی ہے اور لطف یہ کہ تعقل پرستی انہیں ابن الوقتی سکھاتی ہے جہاں ضرورت پڑی اسے سامنے رکھ کر اخبار آحاد کو رفض کر دیا اور ضرورت ہی کے تحت انہیں اخبار آحاد کو قبول کر لیا اور اپنے اصول کی عصمت کو خود ہی لوٹ لیا۔ ایسے ہی اصول پر عمل پیرائی کا مطلب ہوتا ہے:

فرمن المطر قام تحت الميزاب.

۲۔ اخبار آحاد اگر سنت مشہورہ کے خلاف ہوں چاہے ان کے ظواہر سے ہی تو اخبار آحاد قابل قبول نہ ہوں گی۔

اس پر بھی وہی سوالات اٹھیں گے جو پہلے اصول پر اٹھائے گئے۔ یہ ظواہر کا قلادہ کیوں حدیث یا آیات کی گردن میں باندھنی پڑتی ہے۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر اسے نکالا جا سکے۔ عجیب مضطرب ذہنیت ہے ایسے اصول بنانے کے پیچھے۔ اس کے پیچھے کوئی علمی ثبوت نہیں۔ اسے وقتی ضرورت بنا کر اخبار آحاد کو رد کیا جاتا ہے۔ یہ اصول ہوئے یا ٹریفک کا سنگل۔ جب چاہا روک دیا جب چاہا چھوڑ دیا۔

۳۔ حدیث اس وقت قابل قبول نہ ہو گی جب اس کے راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو۔

قاعدہ کلیہ بنانے سے قبل تمام راویوں اور روایتوں کا استقصاء ضروری تھا کہ اس طرح کی کتنی روایتیں ہیں اور خلافِ روایت عمل کی تصدیق ہونی چاہئے۔ اسباب و وجوہِ خلاف معلوم کرنا ضروری ہے۔ ان تمام مراحل سے گزرے بغیر بظاہر کسی روایت کو راوی کے عمل کے خلاف طے کر لینا فساد اور بگاڑ پھیلانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ صحابی روایت کے خلاف کرے اس کا امکان بنیادی طور پر ممکن ہی نہیں۔ اگر بظاہر خلاف روایت عمل ہے اور اس کے وجوہ ہو سکتے ہیں اور یہ وجوہ زیادہ سے زیادہ شخصی فہم و ترجیحات یا توسع عمل کے دائرے میں ہوں گے اور روایت کا تعلق بھی استحباب کی حد تک ہو گا۔ استحباب سے آگے مسئلہ فہم و استنباط کا ہو سکتا ہے ایسی صورت میں قاعدہ کلیہ بنانا شذوذ پسندی کو ہوا دینے کے مترادف ہو گا۔

۴۔ ''اگر راوی غیر فقیہ ہو تو اس کی روایت قابل قبول نہ ہو گی۔''

حضرت ابوہریرۃ، حضرت انس، حضرت سلمان فارسی، حضرت بلال اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم غیر فقیہ ہیں۔ اس لیے ان کی روایتیں نا قابل قبول ہوں گی۔

۵۔ جس حدیث کا تعلق بلوائے عام سے ہو لیکن اس کے ناقلین بڑی تعداد میں نہ ہوں۔

۶۔ حدود و کفارات سے متعلق اخبار آحاد قابل قبول نہیں کیوں کہ اخبار آحاد ظنی ہیں اور ظن شبہات کے حدود میں داخل ہیں اور حدود کا اجراء شبہات سے ٹل جاتا ہے اس لیے کفارات اور حدود، اخبار آحاد سے ثابت نہیں ہو سکتے۔

۷۔ عقائد میں اخبار آحاد ظنی ہیں اور ظن سے عقائد کے مسائل نہیں طے ہوتے ان کے لیے علم یقینی کی ضرورت ہے۔

۸۔ جب کسی حدیث پر صحابہ و تابعین کے دور میں لوگوں نے عمل ترک کردیا ہو تو ایسی حدیث قابل قبول نہیں ہوگی۔

۹۔ درایت: درایت کا مفہوم محدثین کے یہاں یہ تھا "العلم بدراية الحديث وهو علم باحث عن المعنى المفهوم من الفاظ الحديث، وعن المراد منها مبنيًا على قواعد العربية، وضوابط الشريعة، ومطابقا لأحوال النبی ﷺ" اس کا مقصد تھا کہ روایت بالمعنی میں غلطی کے امکان سے بچا جائے لیکن اعتزال پسند اور تعقل پسند علماء نے اسے رفض حدیث کا آلہ بنالیا۔

درایت کا تعقل پسندانہ مفہوم ہمیشہ انکار حدیث کا ذریعہ بنا رہا اور علوم حدیث میں قلت اور کمی کی خفت مٹانے کا ذریعہ۔

اخبار آحاد سے یہ وحشت ہے کہ اوھام اور نفس پرستی کو اصول بنا کر صحابہ تک کو غیر فقیہ بنایا گیا اور حدیث سے جان چھڑانے کے لیے اعذار باردہ اور توھمات کو پیش کیا گیا اور انہیں قاعدہ، قانون اور ضابطہ کا نام دیا گیا۔ ان تمام اصول کا حاصل سوائے ذہنی انتشار، قلبی اضطراب، فکری پراگندگی اور نفس پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر ہر ہر اصول کا تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ تمام محض خانہ ساز باتیں ہیں، جن کے پیچھے نہ دلیل ہے نہ برہان۔ بلکہ انکا مقصد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تمام اصول، علوم حدیث اور تمام علمی کاوشیں جو محدثین نے کی ہیں اور جو صدیوں تک پھیلی ہیں انہیں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ایجاد کی گئی ہیں۔ اس مختصر مقالہ میں ان پر سیر حاصل بحث نہیں ہو سکتی۔

ٹھیک وہی عناصر جو رد حدیث کا راستہ کھولتے ہیں اور خانہ ساز اصول کے ذریعہ احادیث رسول کو نظر انداز کر کے تعقل پسندی کا سکہ رائج کرتے ہیں۔ وہی دوسرے پہلو سے اقوال این و آں کو لبادہ حدیث پہنا کر تشریعی سند فراہم کرتے ہیں۔ حدیث کے رد یا انکار کے برعکس حدیث میں تشکیک پیدا کرنے اور اس کے اندر شبہات داخل کرنے کا یہ دوسرا دروازہ ہے۔ پہلا نقص ورفض کا باب تھا۔ یہ اضافے کا باب ہے۔ ضعاف و موضوعات اور قصص واہیہ کو علی الاطلاق تربیت کا اہم ذریعہ بنانے کی سعی، سعی نامراد ہے یہ تصوف کی دین ہے جس پر جتنا بھی ماتم ہو کم ہے۔ ماہرین فن کی یہ کوشش کہ فنی حیثیت سے ضعاف کو بھی قابلِ قبول بنادیا جائے، لومِ حدیثِ سے کھلواڑ کرنے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں علماء وائمہ کے اقوال کو ان کے محمل سے ہٹا کر خود غرضی کا معنی پہنایا جاتا ہے اور رجال کے متعلق جرح و تعدیل مسلمہ ضابطوں سے ہٹ کر نفس کی طلب کے مطابق شاذ اقوال ڈھونڈے جاتے ہیں یا خود بلا قرائنِ نصوص نئے نئے ضابطے بنائے جاتے ہیں۔

ابن ھمام فرماتے ہیں:

۱۔ صحت و ضعف کا حکم ظاہری امر ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر جس پر ضعف کا حکم لگایا گیا ہے وہ نفس الامر میں صحیح ہو۔

یہی خیال ملا علی قاری اور ابن نجیم کا ہے۔

عجب اصول ہے، بالکل اسلامی تعلیمات کے خلاف۔ منافقین زمانہ نبوت میں مدینہ میں تھے ان کے ظاہر کی بنیاد پر انہیں جماعت مسلمین میں شمار کیا جاتا تھا حالاں کہ ان کا باطن مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے بدتر تھا اور سب سے اشد عذاب کی رب پاک نے انہیں دھمکی ہے۔ خود رسول پاک نے "هلا شققت قلبه" کے ساتھ بعض صحابہ کو ان کی لغزش پر زجر کی۔ رسول پاک نے فرمایا "میں انسان ہوں۔ تم مجھ سے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ چاہتے ہو ہو سکتا ہے بعض اپنی حجت ودلیل دوسرے کے مقابلے میں زیادہ قدرت کلامی سے پیش کرلے اور اس کے حق میں سنے ہوئے بیان کے مطابق ڈگری دے دوں۔ اگر اس کے بھائی کا حق قادر الکلام کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو اسے اپنے مسلم بھائی کا حق نہیں لینا چاہئے۔ ایسی حالت میں اس کے لیے جہنم کا ٹکڑا الاٹ کروں گا" رسول معصوم ظاہر پر فیصلہ فرمارہے ہیں لیکن فریقین جو متعین ہیں اور حقوق کا مسئلہ ہے، ان کے ایمان پر مسئلہ چھوڑ دیا گیا۔

حدیث کو مسترد یا اس کے قضیے کو مشکوک بنانے کے لیے علمی و دینی طریقہ چھوڑ کر شگوفے چھوڑے جاتے ہیں۔ جس کا حاصل پورے سرمایۂ علوم حدیث کو برباد کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

احتمال کی بات تو صرف ضعف تک محدود نہیں۔ صحیح حدیث پر بھی تو ضعف کا احتمال ہو سکتا ہے۔ جب احتمال کا قابوس چھوٹ ہی چکا تو پھر ضعف کے صحیح ہو سکنے پر ہی کہاں رکے گا وہ تو صحیح کیا متواتر پر بھی صحت کے حکم کو ظاہری بنا سکتا ہے اور اگر یہی عمل زندگی میں جاری ہو جائے اور احتمال کی بنیاد پر فتویٰ صادر ہونے لگے تو پھر عالم، زاہد، متقی، چور، ڈاکو، زناکار، فساق سب یکساں ہو جائیں گے۔ نیکوں کو احتمال برا بنادے گا اور بروں کو نیک۔

۲۔ ابن الہمام کہتے ہیں "جب کوئی مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو یہ اس کی تصحیح ہوتی ہے" اس خیال کا اظہار کوثری، ظفر احمد تھانوی، عبدالرشید نعمانی، مولانا زکریا سہارنپوری اور ان کے ہم خیالوں نے کیا ہے۔ مسلک اعتدال میں مودودی اور ان کے دفاع میں اصلاحی نے یہی بات کہی ہے **اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله** پر اس سے بہتر عمل پیرائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ نہ اجتہاد کی نوعیت کا پتہ، نہ مجتہد کا پتہ، نہ زمانہ اور وقت کی تعیین، عام حکم کہ ہر مدعی اجتہاد حدیث رسول سے کھلواڑ کر سکتا ہے۔

یعنی علوم الحدیث کے تمام اصول و ضابطے سب بے کار مجتہد اور فقیہ کی ایک نشاطِ فکر یا ایک حرکتِ قلم تمام علوم حدیث پر بھاری ہے وہ "مزاج شناس رسول" "جوہری" "جو ٹھہرا" "ہیرے کی جوت" جو اسے نظر آتی ہے۔ کہانت ہے یا شاعری پتہ نہیں۔

۳۔ ضعیف حدیث میں اگر صحت کا قرینہ پایا جائے تو وہ لائق احتجاج ہے۔ یعنی مصطلحات حدیث اور ضوابط علوم حدیث کا اعتبار نہیں، خارجی قرینہ کی تلاش ہے۔ وہ کیا قرینہ ہوگا جو ضوابط علوم حدیث سے باہر ہوگا اور اس کی کیا علمی حیثیت ہو سکتی ہے۔ شاید اس کی ضرورت ہی نہ محسوس ہو نہ اس کا پتہ لگے، ابن ہمام اور ظفر احمد تھانوی اس قرینے کی تلاش میں ہیں۔

۴۔ حدیث مختلف فیہ ہے۔ بعض نے تصحیح کی ہے بعض نے تحسین اور بعض نے تضعیف، ایسی صورت میں حدیث حسن کے درجے پر رکھی جائے گی۔

یعنی اختلاف کا ناجائز فائدہ اٹھالیا جائے یہ کوشش نہ ہو کہ تصحیح، تحسین او تضعیف کا جائزہ لے کر انسب نتیجے پر پہونچنے

کی کوشش کی جائے۔ ظفر احمد تھانوی کی یہی رائے ہے۔ابن ہمام بھی اسی کے قائل ہیں۔

۵۔ راوی کے بارے میں اگر اختلاف ہے کسی نے ثقہ بتایا کسی نے ضعیف تو راوی پر حسن الحدیث کا حکم لگے گا۔ ابن ہمام، زیلعی، ظفر احمد تھانوی کی یہی رائے ہے۔

یعنی تفصیل میں جانے اور جائزہ لینے اور صحیح نتیجے تک پہونچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اختلاف کا فائدہ اٹھا کر حسن الحدیث کا حکم لگا دیا جائے۔ ہو سکتا ہے ضعیف ہی کا حکم صحیح ہو یا ہو سکتا ہے ثقہ کا حکم صحیح ہو۔ تفصیل دیکھے بغیر تطبیق کی راہ ڈھونڈنے کی ضرورت پر اصرار جرح و تعدیل کو کھلواڑ بنانا ہے۔

۶۔ ضیعف سے احد المحتملات کی تعیین ہوتی ہے۔ (مولانا بدر عالم میرٹھی)

در حقیقت ضعیف روایت کے لیے مطلقاً کسی احتمال کا تحمل ضعف کے سبب نا قابل برداشت ہے۔ سند کے اعتبار سے اس پر قطعی حکم لگتا ہے اس میں احد المحتملات کی گنجائش کہاں ہے۔ دراصل یہ تمام چھ اصول احتمالات کی پراگندہ خیالی کا نتیجہ ہیں۔ ان سب اوہام سے دراصل علمی اصولوں کی جڑ کٹتی ہے۔ یہ دراصل شخصیت پرستی کے سبب اضطراب اور پریشاں خیال کی کہانی ہے۔ بنیادی طور پر مقدمہ کمزور ہے اس لیے اوہام کی بنیاد پر شخصیت پرستی کی چنائی ہوتی ہے۔

اور جب تصوف کی خانہ بربادی کا ذکر چھڑتا ہے تو اس طبقے میں ضعاف ہی نہیں موضوعات بھی قابل قبول ہوتے ہیں۔ موضوعات بھی حدیث رسول میں اضافے اور تشکیک کا ذریعہ ہیں۔ وضاعین و کذابین کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں ان کے متعلق ہے:

"إنهم ارادو أن يفسدوا على الناس دينهم"

قال حماد بن سلمه "وضعت الزنا دقة عن رسول الله اربعة عشر الف حديث"

اصحاب ہویٰ و ہوس اور اصحاب رائ جن کے پاس کتاب و سنت سے دلائل متوافر نہیں تھے انہوں نے حدیثیں گھڑیں۔

قال حماد بن سلمه :أخبرني شيخ من الرافضة انهم كانوا يجتمعون على وضع الأحاديث.

قرطبی کہتے ہیں :استجاز بعض فقهاء اهل الرائ نسبة الحكم الذى دل عليه القياس الجلي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم نسبة قولية فيقولون في ذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا."

قصہ گویوں نے کمائی کے لیے احادیث وضع کیں تاکہ کمائی کر سکیں۔

"وشر أصاف الوضاعين، واعظمهم ضررا قوم ينسبون أنفسهم إلى الزهد والتصوف."

اس گروہ نے فضائل، ترغیب اور ترھیب کو نیکی جان کر احادیث وضع کیں محدثین کے منہج، اصولوں اور ضابطوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو پورا ذخیرہ حدیث مشکوک و مسترد ہو جائے گا۔ بازیچہ اطفال سے زیادہ اس کی حیثیت نہ ہوگی۔

برصغیر میں انگریزوں کے قدم جمانے کے بعد ان کی تہذیب کو پوری طرح یہاں کے باشندوں پر مسلط ہونے کا موقع ملا۔ بہت سے مفکرین نے ان کے اثرات کو اس حد تک قبول کر لیا کہ انہوں نے حدیث رسول کے متعلق شکوک و شبہات کو مغربی تعلیم یافتہ حضرات میں عام کر دیا اور انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔ مغربی افکار کے عام علمی و عقلی اصولوں سے یہ حضرات

خاصے متاثر ہوئے بلکہ انہوں نے انہیں اصولوں کی خراد پر دین کو چڑھادیا۔ جن عام اصولوں کو پذیرائی ملی ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے:

۱۔ عقل۔ عقل ہی معیار ہے صحیح غلط، نافع، مضرت رساں اور اچھے برے کو ناپنے کا۔

۲۔ قوانین فطرت یا نیچر۔ فطرت اور نیچر سے مراد کائنات میں جاری وساری ابدی قانون ہیں جو تجربہ اور عقلی تجزئے سے دریافت ہو سکتے ہیں فطرت کے ظاہری مظاہر، انسان کی فطری طبیعت اور جبلت، اس کی سادہ، بے لوث ذہنی حالت اور طبعی حالت کو نیچر کہا جاتا تھا۔

۳۔ ارتقاو ترقی۔ اس کا مطلب تھا کہ زندگی ایک متغیر شے ہے۔ زندگی ہر لحظہ ایک نیا شکل اختیار کرتی ہے جو پہلے سے حسین ہوتی ہے۔ زمانہ آگے بڑھ رہا ہے پیچھے نہیں ہٹ سکتا ہے لہٰذا اس کا ساتھ ہر حال میں دینا چاہیے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ اور ہر وہ شے جو پیچھے کی طرف لے جائے اس سے دامن چھڑالینا چاہیے۔

۴۔ تہذیب اجتماعیت یا سولائزیشن : تہذیب کا مغربی تصور۔ جس میں دین و مذہب کا خانہ بالکل نہ تھا یا تھا تو بس نجی زندگی کے چند رسوم تک۔ زندگی پوری کی پوری مادیت میں غرقاب۔

۵۔ انتفاع پرستی یا مادیت۔ ان تصورات اور اصولوں نے ہر شے کو مادی بنادیا اور مادی منفعت کا حصول یا امید ہی ہر بھاگ دوڑ کا اہم مقصد ہے بقیہ دیگر امور ثانوی ہیں۔

سر سید نے ان افکار کو پوری طرح اختیار کیا اور انہیں کی اساس پر اپنی فکر کی تعمیر کی۔ انہیں کے گرد ان کی زندگی کی تمام علمی و عملی کاوشیں گھومتی رہیں حتی کہ انہیں اصولوں کی بنیاد پر انہوں نے تفسیر لکھی۔ یہ مذکورہ مسائل ان کی تفسیر کا روح بن گئے اور وہ مسائل جن پر مغربی دانش وروں کو اعتراض تھا سر سید نے انہیں مسترد کر دیا جیسے ناسخ منسوخ، معراج، جہاد بالنفس، سود، غلامی، تعدد ازدواج، آدم وابلیس کا واقعہ جن وملائکہ کا وجود، وفات مسیح، رویت باری تعالیٰ اور دیگر صفات رب وغیرہ۔

سر سید کے ان افکار کے اثرات بعد میں چل کر بہت دور رس نتائج کے حامل ہوئے۔ براہ راست یا بالواسطہ فکری زیغ واضلال، مادیت پرستی، انکار حدیث کا سرا انہیں سے مل جاتا ہے حتی کہ تفسیریں بھی ان کے طرز پر وجود میں آئیں۔ تذکرۂ مشرقی، بیان القرآن احمد دین، بیان القرآن لاہوری، تفسیر ایوبی، حکیم احمد شجاع پرویز کی تفسیر سر سید کے لائن کی تفسیریں ہیں۔ جس میں وحی اور غیبیات نیز فرمان رسالت سے بے اعتنائی برتی گئی ہے اور محسوسات پر زیادہ زور دیا گیا ہے یا جو ترقی تہذیب اور عقل پرستی وفطرت کی راہ میں رکاوٹ نہ ہوں۔ سر سید کے رفقاء میں چراغ علی ان کے افکار کے پوری طرح حامی تھے ان کے سوا دیگر حضرات بھی مغربی اصولوں کو اختیار کرنے میں کمی بیشی کے ساتھ ان کے ہمنوا تھے جن لوگوں کی مستقل فکر نہیں تھی ان کی بات الگ ہے۔ سر سید کے نامور رفقاء میں شبلی نعمانی تھے شبلی شبلی اسی وقت ہوئے جب علی گڈھ میں انہوں نے سانس لی۔ انہیں بعد میں سر سید سے ذہنی ہم آہنگی نہ رہی لیکن سر سید کے علی گڈھ کی فضا میں ان کا جو علمی رویہ بنا اس رویے میں مغرب کے مذکورہ اصول خمسہ مکمل نہ سہی دھیمے انداز میں شامل رہے۔

شبلی نے ان اصولوں کو الکلام، الفاروق، المامون، سیرۃ النعمان اور سیرۃ النبی میں استعمال کیا ہے۔ درایت، معیار عقل،

تہذیب و تمدنی ضرورت اور ترقی کے اصول کے شاہے ان کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ سیرۃ النعمان، الفاروق اور سیرۃ النبی کا مقدمہ پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مصنف سرمایۂ امت سے بھرپور لگاؤ رکھتا ہے دوسری طرف عقل پرستی، درایت اور اقتضائے فطرت کی دہائی بھی لگاتا رہتا ہے اور حدیث کے طے شدہ اصولوں کے برخلاف فطرت، درایت اور عقل کو فیصل مان کر حدیث کو پرکھنے کے چکر میں پڑتا ہے۔

شبلی کی ان مغربی اصول خمسہ کی لکیسی سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کی جانشینی کے سبب چل نہیں سکی نیز سرسید سے کٹ کر انہوں نے جس ماحول کو چنا وہ ماحول ان کی مغربیت زدگی کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا اس لیے ان کی خوبیاں تو ندوہ اور دارالمصنفین کی حد میں پھیلیں بلکہ وہی ان اداروں کے لیے قدوہ بن گئے۔

سرسید کے مکتبہ فکر سے مولانا حمید الدین فراہی بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے منہج تفسیر پر سرسید کے منہج تفسیر کی کئی شکلوں میں چھاپ نظر آتی ہے۔ منظّم، مربوط اور اسلوب بیان کا سرسید کا تفسیری رجحان ہی فراہی کی نظم قرآن کے لیے مہمیز ثابت ہوا۔ تفسیر آیات میں احادیث کو نظرانداز کر کے بائبل کو اولیت دینے کی ریت سرسید کی نقالی ہے ان کا تدبر بھی دراصل ماثور سے برگشتہ ہو کر تعقل پسندی کی راہ اپنانے کا نام ہے، نیچر اور اقتضائے فطرت کی بازگشت بھی فراہی کے یہاں ملتی ہے ادبیات مودودی میں اسالیب القرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی نے ان کی نیچریت پسندی پر اعتراض کیا ہے۔

ان کی راہ اپنا کر مولانا امین احسن اصلاحی نے ان کے فکر کو پروان چڑھایا اور مستقلا حدیث و علوم حدیث کے متعلق متشککین کا ایک حلقہ پیدا کر دیا انہوں نے مبادی تدبر حدیث'' لکھ کر تشکیک کی ایک بنیاد فراہم کر دی ہے۔ حدیث و سنت کے درمیان تفریق کر کے صرف سنت کو حجت مان کر بقیہ تمام سرمایہ حدیث کو ناقابل اعتبار مان کر انہوں نے پرویز کی پوری طرح تائید کی ہے۔ علوم حدیث کو نظرانداز کر کے انہوں نے عمل اہل مدینہ کو حدیث کے قبول و عدم قبول کا معیار مانا ہے۔

مولانا مودودی ملت کا عظیم سرمایہ ہیں جن کی خدمتِ اسلام تاریخ کا سنہرا باب ہے انہوں نے برصغیر کے بہت سے توھمات سے پیچھا چھڑا لیا تھا۔ تصوف کو رد کر کے انہوں نے اعتراف حقیقت کی ایک شاندار مثال قائم کی۔ فقہی مسائل میں اگرچہ حنفی تھے لیکن تحقیق کی راہ کھول رکھی تھی اور دلائل کو معیار قبول و رد تسلیم کرتے تھے پتہ نہیں کیوں انہیں کبھی کبھی منہج محدثین سے الرجی ہو جاتی تھی۔ حنفیت کا زور اور منہج محدثین کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ''مسلک اعتدال'' ہے۔ مسلک اعتدال کی بے اعتدالی پورے ''علوم الحدیث'' پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے وہی پرانا وظیفہ احادیث ظنی ہیں اور ظنی چیز قابل ثبوت نہیں اور محدثین کا اصول فقہاء کی بصیرت کے مقابلے میں درخور اعتنا نہیں۔ فقہاء کا ذوق محدثین کے علمی اصولوں کے مقابلے میں مودودی کی نگاہ میں حدیث کی شرعیت و حجیت کے بارے میں زیادہ قابل اعتبار ہے۔ طبیعت کے افتاد کی کون سی ساعت تھی جس میں ایسی افسانوی باتیں مودودی کے قلم سے نکل گئیں اور ان کے متبعین کے لیے حدیث کے متعلق تشکیک کا دروازہ کھول گئیں ایسی آئی ایم کے نوجوان ہوں یا تحریک اسلامی کے شخصیت پرست افراد یا تحریکی مزاج رکھنے والے عصری و دینی مدارس کے طلباء، راہ چلتے امام بخاری اور مولانا مودودی کے درمیان موازنہ کرتے نظر آتے ہیں اور شخصیت پرستی کی راہ سے امام بخاری اور ان کی مہارت حدیث کو بے مصرف بتاتے پھرتے ہیں اور حدیث کی بے توقیری میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ ان بے چاروں

کی طبیعت میں پرسنالٹی کلیش کا روگ لگ گیا ہے ان کا احساس زخمی ہونے لگتا ہے کہ اگر امام بخاری کی شخصیت بڑھی تو مولانا مودودی کا قد گھٹ جائے گا لہٰذا امام بخاری اور ان کی صحیح اور پورے منہج محدثین کو کم وقعت بنادو تاکہ مولانا مودودی بلند رہیں۔

سرسید کے فکر کے برگ وبار سے کئی اقسام کے لوگوں نے خوشہ چینی کی ہے۔ منکرین حدیث نے خاص طور سے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اسلم جیراج پوری اور پرویز کا ایک حلقہ بنا جنہوں نے سنت کا نام لے کر چند مخصوص احادیث کو لیا بقیہ کو مسترد کردیا اور پھر اہلِ قرآن میں ایسے بھانت بھانت کے لوگ پیدا ہوئے کہ اکثر بے لکھے پڑھے دانشور بن گئے۔ انہیں نہ علم تھا، نہ عربی زبان آتی تھی، نہ احادیث پر نظر تھی، نہ اس کے علوم وفنون میں درک رکھتے تھے لیکن رد وقدح کا حق ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اور علم کے بغیر ہمیشہ بہروپئے بنے رہتے تھے۔ ان لوگوں میں انسپکٹر مقبول احمد، عباد اللہ اختر، عطاء اللہ پالوی، تمنا عمادی تھے یہ لوگ نوکر شاہ بیوروکریٹ پرویز کے خوشہ چیں تھے۔ انہیں نوکر شاہوں کے قبیل سے ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کے کئی وظیفہ خوار بھی تھے۔ ایک صاحب ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہوا کرتے تھے جو شاید زنجبار میں سنتری تھے وقت سے پہلے رٹائرمنٹ لے کر آزادی سے قبل علی گڈھ آئے یہاں سرسید کے افکار سے متاثر ہوئے چند سال یہاں تعلیم حاصل کی پھر فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے برطانیہ گئے وہاں سے لوٹے تو تقسیم کا عمل ہو چکا تھا پاکستان سدھارا اور ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور میں اڈا جمایا اور انکار حدیث کا ڈول ڈالا۔ انہیں کے طرز پر اور بھی حکومت کے وظیفہ خوار جج اور دانشور راگ الاپتے رہے۔

ایک بگڑا مزاج مولوی تھا عبداللہ چکڑالوی اسے ایک جاگیر دار نے من پسند اسلام بنانے کے لیے ہائر کیا تھا۔ اس کے ساتھ اور چند لوگ تھے جنہوں نے برسوں ایک عجمی ماڈل نماز تیار کرنے کے لیے سر ٹکرایا لیکن دو وقت، تین وقت۔ دو رکعت، ایک رکعت کی گنتی ہی میں پھنسے رہ گئے فیصلہ نہ ہو سکا جاگیر دار کی جاگیر ٹوٹی اور چوکڑی کا اتحاد بھی ٹوٹ گیا۔

سرسید کی یہ روحانی اولاد برصغیر میں جہاں بھی رہی تعداد نماز اور وقت نماز کے بارے میں سر پھٹول کرتی رہی۔ اِس ابتدائی مرحلے میں ہی عمر بیت گئی اور فیصلہ نہ ہو سکا۔

حدیث کے متعلق تشکیک پیدا کرنے والا ایک گروہ اور تھا اس نے رجال حدیث اور اصول حدیث سے ہمیشہ کھلواڑ کیا اس کی کہانی عمر کریم پٹنوی اور نیموی سے شروع ہوتی ہے اور حبیب الرحمان کاندھلوی تک پہونچتی ہے۔ ان کی تان عام طور پر رجال حدیث پر ٹوٹتی ہے وہ ثقہ رواۃ کو مسترد قرار دینے میں اپنی من مانی کرنے کا راستہ ہموار کرتے ہیں اور ان کا من بھاتا اور پسندیدہ موضوع صحیحین کے رجال ہیں۔ اس قبیلے کا آخری سرخیل حبیب الرحمٰن کاندھلوی ہے جس نے ”مذہبی داستانیں“ کے نام سے تین جلد میں کتاب لکھی اور من مانی رجال صحیحین کو اپنی بے جا تجریح کا نشانہ بنایا۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی نے کہا تھا کہ لوگو گواہ رہو میرا نظریہ وہی ہے جو اس کتاب کے مصنف کا ہے اور میرے ماننے والو اسے پھیلانا تمہارے اوپر واجب ہے۔

اسی قبیلے سے انوار الباری کے مقدمے اور اعلاء السنن“ و قواعد فی علوم الحدث“ کا شمار بھی ہونا چاہیے۔ اس قبیلے کو پانچویں دشک میں زاہد کوثری سے کافی تقویت ملی جس کی دریدہ دہنی سے صحابہ تک نہ بچ سکے اور جس نے تین سو سے زیادہ ثقہ رواۃ کو ناقابل اعتبار بتانے کی کوشش کی۔ اس پورے گروپ کا مسئلہ محض امام ابوحنیفہ کی برتری ثابت کرنا ہے اور بس۔ انہیں

اس سے سروکار نہیں کہ علوم حدیث پامال ہو رہا ہے اور ائمہ حدیث و علمائے سلف کی توہین ہو رہی ہے اور حدیث رسول مشکوک ہوتی ہے۔ اسی قبیل سے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے حواشی و تعلیقات، عبدالرشید نعمانی کی فیما تمس الیہ الحاجۃ بھی ہے اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے مستند رجال پر تجریحی مباحث بھی ہیں۔

حدیث کے متعلق شبہات اور تشکیک کا عمل بند نہیں ہوا۔ شبہات تشکیک اور انکار عمل ہمیشہ جاری رہا۔ پرانے جراثیم ہمیشہ رہے کبھی ختم نہیں ہوئے، فکری محاذ پر پرانے شبہات پیدا کرنے والے شکست ضرور کھا گئے لیکن ان کے غلط اثرات احکام و عقائد کے ہر شعبے میں در آئے۔ حدیث رسول کے متعلق نئے شبہات اور نئی تشکیک کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ ان نئے دروازوں کو مستشرقین نے کھولا ہے۔

صلیبیت جو پانچ سو سال تک مجاہدین اسلام سے شکست کھاتی رہی، مشرقی رومی سلطنت قسطنطنیہ پر قبضے کے بعد اس کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ قافلہ جہاد اس فتح عظیم کے بعد قلب یورپ میں پہونچ گیا شمال سے قافلہ جہاد کا یلغار تھا جب ادھر زور ٹوٹا تو مشرق سے یلغار بڑھا ایشیائے کوچک کے ساتھ مشرقی یورپ بھی اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ سقوط قسطنطنیہ کے بعد صلیبیت کو اتنا زبردست شاک لگا کہ اس نے عسکری محاذ آرائی ختم کر دی اور ایک ہمہ جہتی پلان بنا کر کم و بیش تین صدیوں تک خاموشی سے کام کرتی رہی۔ سب سے پہلے جس محاذ پر اس نے کام کیا وہ علمی محاذ تھا اس محاذ سے اس نے مسلمانوں کے تمام علوم و افکار کو ہضم کر لیا۔ ان کے تمام علوم خاص طور پر سائنسی علوم کو یہ صلیبی لوگ چرا لائے اور اپنی لائبریریوں کو ان کی کتابوں سے بھر دیا۔ علماء و اتقیاء کا بھیس بدل کر مسلمانوں کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر تمام اسلامی ممالک، تعلیم گاہوں، لائبریریوں کو کھنگال ڈالا ان کی کمزوریوں اور خوبیوں کا بھرپور جائزہ تیار کیا، جاسوسی کی اور انتشار پھیلایا۔ پھر ایک صدی جائزے، مطالعے، ترتیب پروگرام میں گزارے اور صلیبیت کے دو زاویے مزید پیدا ہوئے استعمار اور استبشار پہلا علمی مرحلہ استشراق کا تھا۔

استعمار کا کام تھا لوٹ مار کرنا، باہم مسلمانوں کو لڑانا، ان کی تذلیل و توہین کرنی، ان کے دین کا مذاق اڑانا۔ استبشار کا کام تھا استعمار کے سائے میں عیسائیت کی تبلیغ خواہ لالچ کے ذریعے خواہ تعلیم کے ذریعے خواہ ڈرا دھمکا کر اور استشراق کے ذمے نیا کام لگا مسلمانوں کو ان کا دین، ان کی تاریخ اور ان کی زبان سکھلانا یعنی سیاست، تعلیم اور دین سب کو تباہ کرنا اور سماج کے ہر طبقے کو برباد کرنا۔

استشراق نے اسلام اور علومِ اسلام کے متعلق جو پروجکٹ تیار کیا اس میں مکر و فریب اور مغالطے کے سوا کچھ نہ تھا البتہ استعماری برتری، نخوت، زعم، باطل، لب و لہجے کی گھن گرج، تحکم اور اسلوب کی چاشنی ضرور تھی۔ بزعم خویش شرفاء کے بچوں کو انہیں نے تعلیم دی یا مخل دین سے برگشتہ لوگ ان سے مستفید ہوئے۔ انہوں نے عالم اسلام میں اپنا تعلیمی منہج جاری کیا اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کو قومیت پرست سیکولر اور بے دین بنانا شروع کر دیا۔ شکست خوردہ مسلمان تیزی سے ان کی تلبیس و تلفیق کی طرف لپکنے لگے۔ استعماری طرزِ تعلیم اپناتے گئے۔ استشراقی فکر و خیال کی وبا ایسی پھیلی کہ استعمار کے سائے میں پلنے والی نسلیں جہاں دیگر میدان ہائے فکر و نظر میں اپنے دین و علوم دین کے متعلق مشکوک ہوئیں وہیں حدیث سے متعلق ان کے شبہات بڑھے۔ استشراق کو پی کر ایک نیا طبقہ تیار ہوا جسے دانشور کہا جاتا ہے۔ یہ طبقہ عصری درس گاہوں میں اسلامیات کے مطالعہ سے

تعلق رکھتاہے عام طور پر یہ طبقہ اسلامی لٹریچر سے زیادہ مستشرقین کے لٹریچر پر اعتماد کرتا ہے حالانکہ ان کا حال ٹھیک اسی طرح ہے جیساکہ علامہ محمد شاکر رحمہ اللہ نے لکھاہے :

"والمستشرقون. كما لا يشك احد ثلاث فئات.

١. فئة المتعصبين : الذين تعلموا العربية فى الكنائس لخدمة التبشير وهم الأصل.

٢. وفئة المستشرقين : الذين يخدمون السياسة الاستعمارية فى الشرق العربى.

٣. وفئة العلماء الذين يظن أنهم تجردوا من الغرضين جميعا.

فاما الفئة الأولى والثانية فما نظن اكثر اقوالهم فى المباحث الاسلامية إلاحانجا الى غرض...... وهم اكثرية المستشرقين. ولا نظن ان كلام هولاء مما يمكن أن يعتمده أحد إلا أن يكون مفتونا جاهلا.

وأما الفئة الثالثة فهى ايضا موضع الإشكال فمن غيرا لممكن. فيما نظن. ان يتجرد هولاء من الغرض الخلقى"

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مستشرقین کے طرز تالیف کے متعلق فرماتے ہیں :

١. اخضاع النصوص للفكرة التى يفرضونها حسب أهوائهم.

٢. تحريف النصوص فى كثير من الأحيان تحريفا مقصودا.

٣. إساءة فهم العبارات حين لايجدون مجالا للتحريف.

٤. تحكمهم فى المصادر التى يتناولونها عنها فهم ينقلون من كتب الأدب ما يحكمون به فى تاريخ الحديث، ومن كتب التاريخ مايحكمون به فى قضايا الفقه، وهم يصححون ما يقول الدميرى فى كتاب الحيوان، ويكذبون ما يرويه مالك فى المؤطا."

حدیث کے متعلق مستشرقین کے کام کئی طرح کے ہیں انہوں نے بعض کتب احادیث کا ترجمہ کیا ہے جیسے Robson کے مشکوٰۃ کا ترجمہ ۴ جلدوں میں A. Haudu اور W.Marcais کا بخاری کا چاروں جلدوں میں تحقیقی ایڈیشن۔ اور A.M. Mathis کا مشکوٰۃ کا ترجمہ۔

ترجمہ اور ایڈٹ کا کام کرنے کے ساتھ ان کی فہرست عمل میں کتابوں کی فہرست سازی بھی ہے جیسے Wensinek اینڈ پارٹی کی معجم المفهرس لالفاظ الحديث ۷ اجزا اور مفتاح كنوز السنة. یہ کام تو کسی حد تک چل سکتے تھے اگرچہ خطرے سے خالی نہیں لیکن حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ان کی تحریریں دین کے مصدر کو ختم و تباہ کر دینے کے مترادف ہیں۔

اس باب میں حدیث سے متعلق ان کی تحریریں دائرہ المعارف الاسلامیہ، مختصر دائرۃ المعارف الاسلامیہ وغیرہ میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں یا مختلف جرائد و مجلّات میں ان کے مقالے اور مستقل کتابیں بھی بہت خطرناک ہیں۔

حدیث کے موضوع پر جن کی آراء اور تحریریں اہم مانی جاتی ہیں وہ ہیں۔ A.Spreger.J. Schacht

I.Goldziherاور J. Robson ہیں۔ گولڈ زیہر کی (۱۹۲۰) Mohamden Studies شناخت کی ا۔ The Origins of Mohamden Juris Prudence ۲۔ An Intruduction to Islamic Law ۳۔ روبسن کی The Isnad in Muslim Tradition اسپرنگر کی تحریریں جو ابتدائی دور حدیث کی تدوین سے متعلق ہیں۔ الفرڈ غلیومA. Guillaime کی An Intruction to the stutdy of hadeath Literature.

زیادہ اہم ہیں۔ شیخ محمود محمد شاکر اور ڈاکٹر سبائی کے تبصروں سے اس قوم کے فکر و عمل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مستشرقین کی حدیثی خدمات کی بنیاد کیا ہے اور طرز فکر کیا ہے اسے چند نکات میں پیش کرنا مناسب ہے۔

ا۔ مستشرقین کے لیے معتزلہ کے افکار مالی غنیمت کو حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی افکار ان کی حاصل حیات اور سرمایہ ہیں۔ جو مستشرقین کے خوشہ چیں ہیں انہیں اعتزال کی خرابی کی خبر نہیں عمرو بن عبید ایک معتزلی سربراہ ہے وہ حدیث کے متعلق کہتا ہے:

"لو سمعت الأعمس يقول هذا لكذبته، ولو سمعت رسول الله يقول هذا لرددته ولو سمعت الله يقول هذا لقلت ليس على هذا أخذنا ميثاقنا."

اعتزال کے یہ تیور ہیں اب اگر اسے اعداء اسلام سر آنکھوں پر نہ بٹھائیں تو پھر دیگر کون طرز فکر اس تکریم کا مستحق ہوگی۔

۲۔ ان کا سرمایہ واقدی ہے جس کے متعلق امام شافعی کہتے ہیں اس کی ساری کتابیں جھوٹ سے بھری ہیں۔ "**كتاب الأغاني" لأبي الفرج الاصفهاني** اور **الف ليلة وليلة** جیسی افسانوی کتابیں اس طبقۂ غرب کا مرجع ہیں جن سے حدیث کی صحت واستناد اور عدم استناد کا فیصلہ کرتے ہیں گولڈ زیہر جس کی تحریروں پر تمام اعداء سنت کا دار و مدار ہے وہ حدیث کی تعریف ہی اغانی اور الف لیلۃ ولیلۃ کے سیاق میں کرتا ہے حدیث اس کے نزدیک نام ہے Communication اور Tale کا۔ انہیں قصہ و کہانی کی کتابوں کے معیار پر حدیثوں کو لاکر یہ طبقہ مانتا ہے کہ قانونی ضرورتوں یا تفریحی خواہشوں کے تحت کل مجموعہ احادیث کو گھڑ لیا گیا ہے۔

۳۔ کسی کا کہنا ہے کہ سیرت حدیث اور فقہ سب یکساں اقوال رجال ہیں۔

۴۔ احادیث دراصل فقہی مذاہب کی کاٹ کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

۵۔ محدثین کا جرح و تعدیل کا منہج کچھ نہیں ہے انہوں نے سرکاری حکم کے تحت احادیث وضع کی ہیں صحیح اور موضوع کی پہچان اب ختم ہے۔

اِن کی تحریریں کبھی کبھی اعترافِ حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں لیکن مجموعی طور پر اسلام کے مصدرِ ثانی کو انہوں نے بے اصل ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کی کوشش کی ہے تاکہ اسلام کو تباہ کرسکیں لیکن افسوس ہمارے "دانشوران" بے علم اس حقیقت کو سمجھتے نہیں۔ دشمنوں کی آواز میں آواز ملاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر اپنے کو استہزاء کا موضوع بناتے ہیں۔

خطاب : مولانا عبدالوہاب خلجی
ناظم اعلی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

خدمات حدیث کا تاریخی تسلسل

إن الحمدللّٰه، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور انفسنا، ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد ان لا إله الا الله وحده لا شريك له وأشهد ان محمدا عبده ورسوله.امابعد : فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمنِ الرحيم "وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى".

اساطین علم و فن! گلشن رسول کے محافظ علمائے کرام! عزیز رفقاء!

میرے لے یہ انتہائی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ جماعت اہل حدیث کے نوجوان فضلاء اور بزرگوں کی دعوت پر جو یہ دو روزہ سمینار منعقد کیا جارہا ہے، اس میں حاضری دوں۔

میں درحقیقت ایک طالب علم کی حیثیت سے ان علماء کے علوم وفنون اور ان کے گرامی قدر مقالات سے استفادہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میری کیا مجال کہ اس عظیم الشان اور اہم موضوع پر کچھ گفتگو کروں۔ لیکن یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا تسلسل اس دعوت ربانی سے تعلق رکھتا ہے جس کو لے کر نبی اکرم ﷺ اٹھے۔ آپ ہی کے فرمودات، آپ ہی کے اقوال، آپ ہی کے علم اور آپ ہی کے عملی نمونہ کو پیش کرنے کے لیے علم حدیث کی حفاظت کی گئی اور ایک تسلسل کے ساتھ اس کی حفاظت کا ایک ایسا مربوط، منظم اور مستحکم طریقہ اختیار کیا گیا جسے محدثین اور اہل علم کی ایک جماعت نے وضع کیا اور اسے معراج کمال تک پہنچایا۔ آج ہمیں نبی اکرم ﷺ کے فرمودات، آپ کی حدیثِ مبارکہ، آپ کا اسوۂ حسنہ اسی ذریعے سے ملتا ہے اور اس طرح سے ملتا ہے کہ گویا آپ اس وقت ہمارے سامنے موجود ہوں۔ یہ ان کوششوں کا نتیجہ ہے جو صحابہ کرام، ان کے بعد محدثین اور علماء و فضلاء نے انجام دیں۔

ہندوستان میں علمائے اہل حدیث نے حدیث کی خدمت میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں ایک بات میں عرض کردوں، محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ سے میں نے ایک انٹرویو لیا۔ میرا یہ ایک طالب علمانہ انٹرویو تھا ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ان سے ایک طویل انٹرویو لیا تھا۔ اس وقت میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں متوسطہ کا طالب علم تھا اور وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس اعلیٰ کے رکن رکین تھے۔ میں نے جب ان سے پوچھا: **ما رأى فضيلتكم عن خدمات علماء اهل الحديث في الهند؟** علمائے اہل حدیث ہند کی خدمات حدیث کے بارے میں آپ کی

کیارائے ہے؟ توانہوں نے برجستہ جواب دیا: انا حسنة من حسنات علماء اهل الحديث في الهند۔ یہ تاریخی جملہ اور یہ تاریخی کلمہ آج بھی میرے پاس ٹیپ ریکارڈر میں موجود ہے۔ تاریخ اہل حدیث اور علمائے اہل حدیث کا یہ وہ تاریخی تسلسل ہے جس نے وقت کے اتنے بڑے شہسوار کو فن حدیث کی طرف راغب کیا اور اس کے اندر ذوق و شوق، لگن، اور تڑپ پیدا کی۔ انہوں نے علمائے اہل حدیث کی خدمات سے استفادہ کیا اور یہ اعتراف کیا کہ میں علمائے اہل حدیث کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہوں۔

ہندوستان کے اندر جب بھی کوئی فتنہ اٹھا، جب بھی احادیث کی بے جا تاویلیں کی گئیں، نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے تعلق سے، آپ کی ذات مبارکہ کے تعلق جب بھی دشمنانِ اسلام کے اعتراضات سامنے آئے تو یہ قلم اٹھے، یہ زبانیں کھلیں، اور انہوں نے احادیث مبارکہ کا، نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا پورا پورا دفاع کیا۔ حدیث کو عملی شکل میں ہندوستانی معاشرے اور ہندوستانی سوسائٹی کے اندر رائج کرنے اور اسے عام کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کو دیکھئے۔ دہلی کبھی علم حدیث کا بہت بڑا مرکز تھا جہاں عرب و عجم سے لوگ آیا کرتے تھے۔ اور علمائے حدیث سے علم حاصل کر کے واپس جا کر اپنے اپنے علاقوں میں دوسروں کو اس کا فائدہ پہنچاتے تھے۔ کبھی دہلی مرکز رہا، کبھی بھوپال مرکز رہا، کبھی عظیم آباد مرکز رہا، کبھی امرتسر مرکز رہا، اور کبھی گجرانوالہ مرکز رہا اور آج بھی یہ تسلسل موجود ہے۔

علمائے اہل حدیث نے ایک طرف کتب احادیث کی شرحیں لکھیں، دوسری طرف دفاع کیا، تیسری طرف اس کو عامۃ الناس تک پہنچایا اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ نے لوگوں کے اندر حدیث کی رغبت پیدا کرنے اور حفظ حدیث کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے تقسیم انعامات کا سلسلہ شروع کیا تاکہ حفاظ قرآن کی طرح حفاظ حدیث بھی پیدا ہو سکیں۔

یہ وہ طریقۂ کار تھے جنہیں حدیث نبوی کے تحفظ، اس کی توسیع و اشاعت اور دلوں میں ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے گئے۔ مدارس و جامعات میں تدریس کا مسئلہ ہو یا مساجد میں دروس حدیث کا مسئلہ ہو، اخبارات میں درس حدیث کا مسئلہ ہو یا حدیث کی وضاحت و دفاع کا مسئلہ ہو، علمائے اہل حدیث نے ہر میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

اسی طرح جب ہندوستان میں بدنام زمانہ کتابیں لکھی گئیں، نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو تنقید و تنقیص کا نشانہ بنایا گیا تو علمائے اہل حدیث آگے آئے اور ان کو مسکت جواب دیا۔ مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ اور ان کے ہم مسلک دیگر علمائے کرام نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے جس انداز کا دفاع کیا ہے، اس طرح کا دفاع اور کوئی عالم نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بھی اسی تاریخی تسلسل کا ایک حصہ ہے۔

آج بھی الحمد للہ ہماری جماعت کے نوجوان علماء اور حدیث کے ماہرین، حدیث اور اس کے متعلق علوم میں اپنی خدمات کا دبدبہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ آج بھی ہمارے نوجوان علماء کی ایک معتدبہ تعداد ملک کے اندر اور ملک کے باہر مسندِ تدریس سنبھالے ہوئے ہے، دفاع کا کام کر رہی ہے اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر اسوہ حسنہ کو پیش کرنے کی کوشش

کر رہی ہے اس کا تعلق بھی اسی تاریخی تسلسل سے ہے۔

میں مبارکباد دیتا ہوں اپنے نوجوان دوستوں مولانا عبدالمعید مدنی، مولانا عبدالواحد مدنی، اور مولانا رفیق احمد رئیس سلفی کو، میں مبارکباد پیش کرتا ہوں مقامی جمعیت اہل حدیث سول لائنس علی گڑھ کے ذمہ داران اور کارکنان کو کہ ان سب حضرات نے مل کر اس عظیم سمینار کے انعقاد کی ہمت کی اور علی گڑھ جیسے تاریخی شہر کے اندر اس بات کا علم اٹھایا کہ وہ فن حدیث کے تعلق سے، علم حدیث کے تعلق سے اس کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے اساطین علم کو یہاں بلائیں۔ اور اس ماحول کے اندر اہل علم کے سامنے علم حدیث کی اہمیت، اس کی افادیت اور خدمات کا ذکر کریں۔ یہ سمینار بھی اسی تاریخی تسلسل کی ایک کڑی ہے۔

مدینہ طیبہ کے اندر جب میں زیر تعلیم تھا تو ایک مجلس میں علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے علمائے اہل حدیث ہند کی خدمات حدیث کے تعلق سے جہاں ان کی شروح، حواشی اور دفاع عن السنۃ کا تذکرہ کیا وہاں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ استاذ الاساتذہ ہندوستان میں علم الاسناد پر کام کم ہوا ہے۔ لیکن اسی تاریخی تسلسل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی حفظہ اللہ جو اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حدیث کے استاد تھے، نے علم الاسناد پر جب اپنا مذکرہ پیش کیا تو وہاں کے اساتذہ اس بات پر متفق تھے کہ جامعہ میں اس سے پہلے اتنا جامع مذکرہ پیش نہیں ہوا۔ اسی طرح مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ جو اس وقت مدینہ طیبہ میں استاد تھے۔ کے سلسلے میں عام اہل علم کا یہی خیال تھا۔ بہر حال علمائے اہل حدیث ہند نے عالم عرب کو بھی اپنی خدمات حدیث سے متاثر کیا ہے۔ بحمد اللہ آج بھی ہمارے نوجوان فضلاء امارات، کویت، سعودی عرب اور دیگر بلاد عربیہ میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس تسلسل کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

میں مبارکباد پیش کرتا ہوں تمام شرکائے سمینار کو کہ وہ یہاں اس سخت موسم میں دور دراز کا سفر طے کر کے تشریف لائے آپ تمام حضرات کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ سے فون پر آج صبح بات ہوئی ہے، انہوں نے آپ تمام حضرات کو خصوصی سلام بھیجا ہے اور سمینار کے تعلق سے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے وہ خود بھی شرکت کا ارادہ رکھتے تھے لیکن بعض مصروفیات کی وجہ سے ان کا سفر نہیں ہو سکا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کر دوں کہ مجھے خوشی ہوگی اگر اس سمینار کے مقالات کی اشاعت کی باری آئے تو مرکزی جمعیۃ اس سلسلے میں بھرپور تعاون کرے گی۔

میں اپنے ان کلمات کے ساتھ آپ حضرات کے شکریے کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

خطاب : مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ
صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر۔ نئی دہلی

محدثین کا فکری منہج برصغیر کے تناظر میں

ألحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله أما بعد : فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم.

"رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی"

برادران اسلام! مولانا عبدالمعید صاحب مدنی! مولانا عبدالواحد صاحب مدنی، مولانا رفیق احمد رئیس سلفی! صدر اجلاس! علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہل علم حضرات اور ملک کے مختلف حصوں سے تشریف لائے علمائے کرام!

میں نے آج شب میں اپنی کچھ مجبوریاں بیان کر کے اطلاع دے دی تھی کہ کچھ ذاتی مصروفیات ہیں جن کی وجہ سے میں نہ صرف یہ کہ سمینار میں دونوں دن شریک نہ ہو سکوں گا بلکہ اس کے پہلے اجلاس میں تھوڑی دیر شرکت کر کے واپس آجاؤں گا۔ یہ مجبوریاں کچھ ایسی ہیں جن کو میں بیان بھی نہیں کر سکتا۔ آج کی ثقافتی دنیا میں مشغولیت کا جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے کہ میں مشغول ہوں، میں Busy ہوں، اس لیے میرے پاس وقت نہیں ہے یا میری شخصیت ایسی ہے واللہ ایسی کوئی بات نہیں ہے واقعتاً میرے ساتھ مجبوری ہے اور میں اس مجبوری کا یہاں اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ میں آپ کے سمیناروں میں ایک دو دن پہلے آسکوں اور بعد میں بھی ٹھہر سکوں اور تھوڑی بہت جو ہو سکے خدمت کر سکوں۔

آپ نے اس سمینار کا جو موضوع رکھا ہے اور تین نوجوانوں نے پورے ہندوستان کے پڑھے لکھے طبقے کے تعاون سے اسے منعقد کیا ہے۔ قیادت ان کی ہے، فکر ان کا ہے لیکن اس فکر میں انہوں نے سب سے مشورے کیے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سمینار کے لیے جتنا وقت ہونا چاہئے، ایسے اہم مقالات اور ایسے اہم موضوعات کے لیے، اتنا وقت نہیں تھا اس لیے اگر آپ کو مقالہ تیار کرنے والے یا پڑھنے والے لوگ کم ملیں تو یہ نہ محسوس کریں کہ آپ کا پروگرام ناکام ہو گیا۔ آپ نے یہاں ایک چیز کی بنیاد رکھی ہے اور جس چیز کی بنیاد شروع میں رکھی جاتی ہے، اس کی حیثیت بہت معمولی ہوتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے ایک آواز بن جاتی ہے، ایک کارواں بن جاتا ہے۔ اس لیے آپ لوگوں کو یہ احساس نہیں ہونا چاہئے کہ بارش ہو گئی اور آپ اپنا پروگرام خیمہ میں نہیں کر سکے یا بارش کی وجہ سے باہر سے آنے والے حضرات دیر سے پہنچے، اس لیے آپ کا پروگرام متاثر ہوا۔

پروگرام کی کامیابی اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں خلوص کے ساتھ آگے بڑھے، جتنی اس کی بساط ہے، جتنی اس کے اندر طاقت ہے، اس کو استعمال کرے۔ اللہ کا فضل ہے کہ آپ نے اپنی بساط بھرپوری

جدوجہد کی، سب سے ملے، دعوت نامے بھیجے اور ہر طبقے سے آپ نے ربط قائم کیا اور محدثین کا جو طغرائے امتیاز تھا، اس کی آپ نے پوری رعایت کی۔

محدثین کا جو طغرائے امتیاز رہا ہے وہ یہی کہ کسی ایک فرقہ کی طرف منسوب ہوئے بغیر، کسی خاص فقہ سے وابستہ ہوئے بغیر انہوں نے کوشش کی ہے کہ ہر حال میں کتاب و سنت کی خدمت تحقیق کی بنیاد پر اور موجودہ دور کے الفاظ میں معروضی انداز میں کریں۔

آپ اچھی طرح اس بات کو محسوس کریں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، جن کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ نے اپنے بعد کی امت کو ہدایت کی تھی کہ یہ میرے تربیت دادہ ہیں۔ میری خدمت میں ان میں سے کچھ لوگوں نے پورے ۲۳ سال کچھ نے ۲۲، کچھ نے ایک دن بھی اگر گزارا، تو میری رویت، میرے اوپر ایمان اور تمام مشکلات کو برداشت کر کے میرے لائے ہوئے پیغام کو اپنانا، ان کا اتنا بڑا شرف ہے، اتنا بڑا شرف ہے کہ اس کے برابر کوئی شرف ہو نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سامنے، اسی طرح امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے سامنے جب کسی نے آکر یہ بات کہہ دی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ ایسے شخص کے ساتھ نہ تو بیٹھنا جائز ہے، نہ تعلق رکھنا جائز ہے اور نہ ایسے شخص کو برداشت کرنا جائز ہے اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سواری سے جو غبار نکلا، وہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے، تاکہ صحابیت کا شرف پورے طور پر باقی رہے رسول اکرم ﷺ کی رویت، آپ پر ایمان اور اس ایمان پر بقا، سب سے بنیادی چیز ہے۔

محدثین کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جب دیکھا کہ صحابہ کرام ہی کے دور میں عبداللہ بن سبا کا فتنہ جب سے اٹھا بلکہ اس سے پہلے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر جب حملہ ہوا، اسی وقت سے صورت حال ایسی پیدا ہوئی کہ اللہ کے رسول جو منہج چھوڑ کر گئے تھے، رسول اکرم ﷺ اپنے اسوہ اور قرآن کے تحفظ کا جو بندوبست اور سنت کے تحفظ کا جو بندوبست کر کے گئے تھے پورے طور پر عجمی طاقتوں نے اسے سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کوشش کی ہے کہ کسی صورت سے صحابہ کا شرف خاک میں مل جائے تاکہ صحابہ کرام کا وہ اہم واسطہ جو محمد عربی ﷺ اور قرآن کے درمیان اور آئندہ آنے والی انسانیت کے درمیان ہے، ہٹ جائے اور اگر صحابہ کرام کا واسطہ ہٹ گیا تو ہم جو کچھ چاہیں گے کریں گے اسی وجہ سے تاریخ میں عقائد کے تمام علماء نے اور بڑے بڑے محدثین نے سب سے زیادہ اس بات کی کوشش کی کہ کسی صورت سے صحابیت کے شرف پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ صحابہ کے فضائل میں جو آیات اتریں، ان کو پورے طور پر اجاگر کیا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ نے جو ارشادات فرمائے، ان کی باقاعدہ تبلیغ کی گئی اور کہیں سے بھی کوئی بو آئی کہ فلاں شخص صحابی کی توہین کر رہا ہے تو اسے صحابہ کرام اور ان کے بعد محدثین برداشت نہیں کر سکے۔ محدثین کرام نے جب یہ بات دیکھی کہ سیاسی انتشار اور سیاسی اختلافات کی بنیاد پر دین کی جو اصل اساس ہے، قرآن پاک اور رسول اکرم کی سنت، رسول اکرم ﷺ کے اوپر اتری ہوئی کتاب، قرآن پاک اور آپ کی زبان مبارک کے ذریعہ ادا ہوئی یا آپ کے عمل مبارک کے ذریعہ ادا ہوئی یا آپ کی ثابت کردہ جو احادیث ہیں اور وہ پورے قرآن کی شرح ہیں، تبیین ہیں اور اسی طریقے سے قرآن پاک کی عملی

تفسیر ہیں اور خود ان میں ایسی چیزیں ہیں جن کے بغیر قرآن پاک کا سمجھنا ممکن نہیں، اگر یہ دونوں چیزیں مجروح ہوئیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پورا دین جائے گا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام جو امین تھے قرآن پاک کے، جو امین تھے حدیث رسول کے، ان کے سلسلے میں کوئی چیز سلف نے برداشت نہیں کی۔

مجھے جس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے کہا گیا ہے، میری بدقسمتی یہ رہی کہ میں سفر پر تھا اور سفر سے جب واپس آیا تو کچھ مسائل میں الجھا رہا اس لیے موضوع پر کچھ دیکھ نہیں سکا۔ لیکن اتفاق سے ابھی "شرح اصول السنۃ" علامہ البر بہاری (۲۳۳ھ۔ ۳۲۹ھ) رحمہ اللہ کی، جو چوتھی صدی ہجری کی ابتدا کے ہیں، ان کی یہ کتاب رات کسی مقصد کے لیے الٹ رہا تھا، ایک عبارت میرے سامنے بڑی عجیب قسم کی آئی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے سلف، ہمارے تابعین، تبع تابعین، محدثین اور علمائے عقیدہ اس سلسلے میں کتنے حساس تھے۔ میں وہ عبارت پڑھوں گا۔ پھر آگے تھوڑی گفتگو کر کے اجازت لوں گا۔

قال امام اهل السنة والجماعة فی عصره ابو محمد الحسن بن علی بن خلف البر بهاری المتوفیٰ سنة ثلاث مأة و تسع و عشرین :

"اعلم أن الإسلام هو السنة، والسنة هی الإسلام ولا یقوم احدهما إلا بالآخر، فمن السنة لزوم الجماعة ومن رغب غیر الجماعة وفارقها فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه وکان ضالا مضلا، والأساس الذی علیه الجماعة هم أصحاب محمد رحمهم الله تبارك و تعالیٰ اجمعین وهم اهل السنة والجماعة فمن لم یاخذ عنهم فقد ضل وابتدع وکل بدعة ضلالة والضلالة وأهلها فی النار. قال عمر بن خطاب رضی الله عنه : "لا عذر لأحد فی ضلالة رکبها حسبها هدی ولا فی هدی ترکه حسبه ضلالة، فقد بینت الامور وثبتت الحجة وانقطع العذر و ذلك ان أهل السنة والجماعة قد أحکم امر الدین کله وتبین الدین للناس وعلی الناس الاتباع."

واعلم رحمك الله ان الدین انما جاء من قبل الله تبارك و تعالیٰ لم یوضع علی عقول الرجال وآرائهم وعلمه عند الله وعند رسوله ﷺ فلا تتبع شیئاً بهوی فتمرق من الدین فتخرج من الاسلام فانه لا حجة لك فقد بین رسول الله ﷺ لأمته السنة و أوضحها لأصحابه وهم الجماعة وهم السواد الأعظم والسواد الأعظم الحق وأهله فمن خالف اصحاب رسول الله ﷺ فی شئی من امر الدین فقد کفر."

یہ ہے علامہ البر بہاری رحمہ اللہ کا وہ اقتباس جو اتفاق سے نظر آیا اور میں نے نوٹ کر لیا تھا تاکہ اس اجلاس میں اگر یہی سنا سکوں اور اسی کو ہم اپنا سکیں تو شاید کسی کام کے ہو جائیں۔ علامہ البر بہاری فرماتے ہیں:

"اس بات کو سمجھ لو کہ اسلام سنت کا نام ہے اور سنت ہی اسلام ہے"

قرآن کے بارے میں آپ کو یاد ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مخالفین سے بحث کرنے کے لیے بھیجتے تھے تو فرماتے تھے: "لا تحتج بالقرآن" قرآن سے تم مناظرہ مت کرنا۔ "فإن القرآن ذو وجوه" اس لیے کہ قرآن کی تو مختلف تاویلات لوگ کر سکتے ہیں اور مختلف معانی اس کے بیان کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ میری سنت اور میری حدیث قرآن کے مفہوم کو متعین کرنے والی ہے۔

یہ تصور جو مسلمانوں میں جاگ گیا، پتہ نہیں کہاں سے کب جاگا کہ سب سے پہلے قرآن، اس کے بعد حدیث حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ حدیث وسنت موقوف علیہ ہے۔ حدیث وسنت کے بغیر قرآن سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ قرآن میں "اقیموا الصلوۃ" ہے۔ یہ فرمائیے کہ اقیموا الصلوٰۃ کی مکمل تعیین پانچ اوقات کے ساتھ، ان مخصوص رکعات کے ساتھ اور اس مخصوص قیام، رکوع، قعود اور تعدیل ارکان کے ساتھ قرآن پاک میں کس جگہ ہے تو اگر آپ صلاۃ ادا کرنا چاہیں تو سنت کی رہنمائی کے بغیر ادا نہیں کر سکتے۔

علامہ البر بہاری فرماتے ہیں کہ سنو اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے۔ نہ تو اسلام تنہا قائم ہو سکتا ہے، نہ سنت تنہا چل سکتی ہے دونوں توأم ہیں، اسلام سنت کے ساتھ اور سنت اسلام کے ساتھ۔

حضرت جبرئیل امین نے جب پہلی وحی پیش کی "اقرأ" اسی وقت پہلی وحی رسولی یعنی وحی غیر متلوء "ما انا بقاری" کا صدور ہوا۔ دونوں اسی پہلے دن سے توأم ہیں۔ ایک ہی ساتھ چلے ہیں۔ اللہ کے رسول سے جب جبرئیل نے کہا "اقرأ" پڑھو تو اللہ کے رسول ﷺ نے فوراً فرمایا "ما انا بقاری" اور چونکہ اس وقت آپ کی حیثیت رسول کی تھی اس لیے وہ پورے طور پر وحی تھی۔ یہیں سے دونوں ساتھ چلے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے بغیر سمجھے نہیں جاسکتے۔

بڑی مشکل یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف ایک روایت منسوب ہے۔ منسوب یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ان کو گورنر بنا کر بھیجنے لگے تو ان سے پوچھا: کیسے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا: قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ کہا قرآن میں نہ پاؤ تو؟ جواب دیا: حدیث رسول سے فیصلہ کروں گا۔ کہا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟ کہا: "اجتهد برای" میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ حضرت معاذ کی طرف منسوب اس روایت میں ان کے شاگرد مجہول ہیں اور اصول علمیہ کے تحت مجہول راوی کسی سند میں پڑ جائے تو روایت منقطع ہو جاتی ہے، ضعیف ہو جاتی ہے۔

یہاں سے غلط فہمی پیدا ہوئی چنانچہ پورے طور پر جتنے بھی اصول فقہ کے مسائل ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، سب میں یہ بات آتی ہے کہ سب سے پہلے کتاب، اس کے بعد سنت، اس کے بعد اجماع اور اس کے بعد قیاس۔ معاف فرمائیے گا، دین کی پوری بنیاد صرف کتاب وسنت پر ہے۔ اجماع اور قیاس دین کی بنیادیں نہیں ہیں، یہ تصور ختم ہونا چاہئے، اجماع اور قیاس ضرورت ہیں۔ اگر قرآن وحدیث میں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر دیکھا جائے گا کہ کیا صحابہ کرام کا اجماع ہے؟ صحابہ کے بعد کے اجماع کی بھی دلیل نہیں اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "من ادعی الاجماع فهو کاذب" جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ کاذب ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اجماع کا انکار کر دیا جائے لیکن عملی دنیا میں جب گھس کر دیکھیں تو اجماع کی جو بنیادی شرائط ہیں، واقعی ان کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ کسی نے دعوی کر دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہے، کسی نے دعوی کر دیا کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے۔ یہ اجماع کیا ہوا گھر کا کھلواڑ ہو گیا۔ کیا اسی کھلواڑ کا نام اجماع ہے؟ اجماع ایک حقیقت ہے۔ پیش آمدہ مسئلہ میں اجماع نہ ملے تو قیاس کیا جائے۔ قیاس کی مثال میت کی ہے۔ جس طرح ایک بھوکا آدمی جسے کھانا نہ ملے، اس کے پیٹ بھرنے کی کوئی صورت نہ ہو، زندگی جانے کا خطرہ ہو تو مجبور ہوتا ہے کہ میت کھائے اس کے لیے جائز ہے۔ اسی طرح سے اگر کتاب وسنت میں کوئی چیز نہ ملے، انسان مجبور ہو جائے تو پھر اب وہ کتاب وسنت کی نصوص پر قیاس

کر کے اس کے علل تلاش کرے گا اور ہر ممکن جدوجہد کرے گا کہ صحیح علت تک پہنچ سکے۔ صحیح علت تک پہنچنا معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ صحیح علت تک پہنچ کر اس جزیے کو تلاش کرے گا اور دیکھے گا کہ یہ علت اس جزیے میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس جزیے کا حکم اس علت کے ساتھ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ علت کی تلاش میں چونکہ امت کے ائمہ میں اختلاف ہوا اسی لیے قیاسی مسائل میں بھی اختلاف ہوا۔ مختصراً اینکہ اجماع اور قیاس بعد کی چیزیں ہیں۔

میں پہلے علامہ البربہاری کے اقتباس کا ترجمہ کرلوں پھر بعد میں چند باتیں عرض کروں گا۔ فرماتے ہیں:

"اسلام سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے اور ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ سنت ہی سے یہ بات ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو۔"

اب یہ جماعت اور سواد اعظم کا ایک بڑا بنیادی مسئلہ ہے۔ ایک مرتبہ کچھ مسائل آئے بعض لوگوں نے غیر دانش مندانہ طور پر طلاق ثلاثہ کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اس پر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کچھ لوگوں نے لکھنا شروع کر دیا کہ یہ حضرات ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں، ان کی بات کیسے معتبر ہو سکتی ہے یہ تو دو فیصد ہیں سواد اعظم نہیں ہیں۔ سواد اعظم کا مفہوم بتار ہے ہیں البربہاری۔ فرماتے ہیں "**لا یقوم احدھما الا بالآخر**" کوئی چیز ان میں سے دوسرے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی ہے۔ تو سنت ہی کا تقاضا ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو۔" اور ابھی بتائیں گے کہ جماعت سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے صرف وہی جماعت ہے جو منصوص جماعت ہے اس کے علاوہ کوئی جماعت نہیں۔ اس کے بعد تو تمام چیزیں آگئیں، فتنے آگئے، گمراہیاں آگئیں۔ فرماتے ہیں:

"اور جو آدمی صحابہ کرام کی جماعت کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اپنانا چاہے گا اور اس کو چھوڑ دے گا تو اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال کر پھینک دی۔ "**وکان ضالا مضلا**" وہ گمراہ بھی ہوگا اور دوسروں کو گمراہ بھی کرے گا۔ امام البربہاری آگے فرماتے ہیں:

"وہ اساس جس پر جماعت کی بنیاد ہے وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

جس جماعت پر اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے جماعت صحابہ ہے بعد کی جماعتیں نہیں "**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**" اور فرمایا: "**من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین**" اور فرمایا: "**اقتدوا بعدی بابی بکر وعمر**" معاملہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام تک آ کے ختم ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا: "وہ اساس جس پر جماعت قائم ہے وہ اصحاب محمد ﷺ ہیں اور یہی اہل سنت والجماعت ہیں تو جس شخص نے دین ان سے نہیں لیا وہ گمراہ ہوا اور اس نے بدعت کا ارتکاب کیا اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی اور گمراہی والے دوزخ میں جائیں گے۔"

دوزخ میں جانے کا مسئلہ میں بطور استدراک عرض کر دوں۔ دوزخ میں جانے کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ خالد مخلد فی النار ہو گئے یا اسلام سے خارج ہو گئے۔ جو مشہور حدیث ہے۔ "**افترقت الیھود علی احدی وسبعین فرقة والنصاری علی اثنین وسبعین فرقة وستفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقة کلھا فی النار الا فرقة واحدةوھی ما أنا علیه وأصحابی.**" اس میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ یہ سارے کے سارے بہتر فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ فرمایا گیا ہے "**تفترق**

امتی" میری امت کے اتنے ٹکڑے ہو جائیں گے یعنی وہ امت میں شامل ہیں۔ اس حدیث میں یہ بھی نہیں فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنمی ہیں تو مخلد ہیں۔ ہم ان فرقوں کے بارے میں یہی کہیں گے کہ یہ فکری طور پر گمراہ ہیں اور اگر انہوں نے صحابہ کرام کا طریقہ نہ پکڑا اور اسی گمراہی میں باقی رہے اور دنیا سے چلے گئے تب تو دوزخی ہوں گے اور اس میں جو لوگ عقائد کی گمراہیوں میں مبتلا ہوں گے وہ خالد مخلد فی النار ہوں گے اور جو لوگ فروع کی گمراہیوں میں مبتلا ہوں گے اللہ تعالیٰ کی مغفرت ان کے شامل حال نہیں ہوئی تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں سے صاف ہو کر جنت میں آجائیں گے۔ حدیث کا لفظ "تفترق امتی ہے یعنی میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان تہتر کو اپنی امت قرار دیا ہے لیکن ان میں جس کو نجات ابدی اور دنیا کی رشد وہدایت کے لیے بچایا ہے وہ صرف ایک ہے اور وہ ہے "**ما انا علیه واصحابی**"

اس کے بعد علامہ البر بہاری نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"**لاعذر لاحد فی ضلالة رکبها حسبها هدی**"

سن لیجئے آج غلط فہمی کا جو تصور پیدا ہو گیا ہے کہ ہم تحقیق نہیں کر سکے۔ فرماتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ : کسی کا یہ عذر قبول نہیں کیا جاسکتا ہے کسی گمراہی کے بارے میں جس کو اس نے اپنا لیا ہے جس پر وہ سوار ہو گیا ہے ہدایت گمان کر کے کہ اس گمراہی کو اس نے ہدایت سمجھ لیا ہے اس لیے اس کا ارتکاب کر رہا ہے تو ایسا شخص معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ آگے فرماتے ہیں:

"**ولا فی هدی ترکه حسبه ضلالة**" اسی طرح کسی نے ہدایت کی راہ چھوڑ دی اور یہ سوچا کہ ہدایت کی راہ گمراہی ہے تو اس کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں؟ فرماتے ہیں: "**فقد بینت الامور**" اس لیے کہ یہ مسئلہ عقل کا نہیں ہے نصوص کا ہے اور نصوص محفوظ ہیں، نصوص چاہے نصوص کتاب ہوں، چاہے نصوص سنت ہوں، دین کے لیے، آخری شریعت کے لیے، آخری نبوت کے لیے، آخری رسالت کے لیے، قیامت تک چلنے والے دستور کے لیے جتنے نصوص کی ضرورت تھی، وہ سارے نصوص محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ جب نصوص محفوظ کر دیے گئے ہیں تو اب پھر کس طرح کسی ضلالت کو ہدی قرار دے سکتے ہیں اور کسی ہدی کو ضلالت۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

"**فقد بینت الامور، و ثبتت الحجة وانقطع العذر**"

"اس لیے کہ سارے امور واضح کر دیے گئے ہیں، حجت ثابت ہو چکی ہے اور عذر ختم ہو چکا ہے۔" نص نہ ملے تو الگ مسئلہ ہے کوئی عذر کر سکتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں: "**تبین الدین للناس وعلی الناس الاتباع**" لوگوں کے اوپر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ نصوص کا اتباع کریں۔ نصوص کے ہوتے ہوئے اپنے عقلی اور قیاسی گھوڑے نہ دوڑائیں۔

علامہ البر بہاری عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول پر تعلیق چڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

سنو! اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم فرمائے۔ دین اللہ کی طرف سے آیا ہے اور یہ دین لوگوں کی عقلوں پر پیش نہیں کیا گیا ہے کہ فیصلہ کریں کہ دین ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت تک کے سارے حالات کو جانتا ہے۔ اس نے انسانوں اور اپنی دیگر مخلوقات کی مصلحتوں کا لحاظ کیا ہے۔ آگے فرمایا: "**وآرائهم**" یہ دین لوگوں کی عقل اور رائے پر پیش نہیں کیا جائے گا۔ "**وعلمه عند الله وعند رسوله** ﷺ" اس دین کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور اس کے رسول کے

پاس ہے۔ "**فلا تتبع شيئاً بهوى**" کسی چیز کا اتباع تم اپنی خواہش نفس سے نہ کرو "**فتمرق من الدين**" کہ تم دین سے نکل جاؤ۔ "**فانه لا حجة لك**" اس لیے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ "**فقد بين رسول الله ﷺ لامته السنة وأوضحها لأصحابه**" اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے سنت بیان کردی ہے اور اسے اپنے اصحاب کے لیے واضح کردیا ہے۔ "**وهم الجماعة**" اور صحابہ کرام ہی جماعہ ہیں "**وهم السواد الاعظم**" اور وہی سواد اعظم ہیں اور سواد اعظم ہی حق اور اہل حق ہیں تو جس شخص نے رسول اکرم کے اصحاب کی کسی چیز میں بھی مخالفت کی وہ کفر کا مرتکب ہوا۔

یہ ہے علامہ البربہاری کا ایک قول، جو میں نے ذکر کیا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ اسے پورے طور پر من وعن تسلیم کرلیں یا آپ اس پر تنقید نہیں کرسکتے۔ لیکن البربہاری خیر القرون کے قریب کے دور کے ہیں جب کہ امت کا اجتماعی ضمیر، امت کا اجتماعی مزاج سلف کے قریب تھا۔

محدثین کا جو اصل کارنامہ تھا وہ یہ تھا کہ انہوں نے کسی فرقے اور کسی جماعت کے تعصب کے بغیر کوشش کی کہ دین کے تحفظ کا فرض انجام دیں۔ جب ایک دور میں خوارج اور شیعہ کا جھگڑا بڑھا تو خوارج نے ان احادیث کا انکار کرنا شروع کیا جو کچھ صحابہ کے سلسلے میں تھیں۔ شیعہ نے ان احادیث کا انکار کرنا شروع کیا جو ان کے مخالفین کے فضائل میں تھیں۔ ایسے موقع پر محدثین نے ان کے ساتھ بھی انصاف کیا اور ان کے ساتھ بھی انصاف کیا۔ کوئی ایسی حدیث جو اصول علیہ کے تحت صحیح سند سے ثابت ہو، چاہے اس سے شیعہ کی تائید ہوتی ہو چاہے خوارج کی تائید ہوتی ہو اس کو انہوں نے رد کرنے کے بجائے قبول کیا اور پوری ایمان داری سے پیش کیا۔

یہی کیفیت تھی جب حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں...... جن کا لقب ناصر الحدیث پڑا اور جنہوں نے اپنی کتاب الرسالہ اور دیگر کتابوں میں منہج المحدثین کی تعیین سب سے زیادہ کی۔ امام شافعی شاگرد ہیں امام مالک کے، امام مالک شاگرد ہیں نافع کے۔ نافع شاگرد ہیں عبداللہ بن عمر کے اور وہ شاگرد ہیں رسول اکرم ﷺ کے یہ سند سلسلہ ذھبیہ اور سنہری کڑی ہے...... دو فرقے بڑے خطرناک قسم کے جاگ گئے تھے۔ ایک فرقہ اہل الرائے کا جاگ گیا تھا۔ وہ کوئی بھی حدیث آتی تھی، اپنی رائے اور قیاس پر تولتے تھے اگر رائے وقیاس کے مطابق نہ ہوتی تو اسے ٹھوکر ماردیتے تھے۔ آپ جانتے ہیں قاضی عیسی بن ابان کا واقعہ، انہوں نے حدیث "مصراۃ" کو باوجودیکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کس طرح چھوڑ دیا۔ اسی طرح سے اہل مدینہ کا ایک عجیب طریقہ تھا باوجودیکہ صحابہ کرام دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تھے، لیکن اس کے باوجود امام مالک کے ماننے والوں میں یہ تصور جاگ گیا تھا کہ اہل مدینہ کا عمل اگر ہو اور اللہ کے رسول کی حدیث ہو، صحیح سند سے ثابت ہو تو اس حدیث پر عمل اہل مدینہ مقدم ہوگا۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ایسے مرحلے پر آگے آئے اور مکہ سے لے کر پورے مصر تک وہ ہر جگہ ہر اس شخص سے نبرد آزما ہوئے جس نے حدیث وسنت کی حیثیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی اور پھر یہ سلسلہ آگے چلا۔

ان محدثین کی یہ خوبی تھی کہ انہوں نے نہ تو احناف کی مخالفت کی، نہ شوافع کی، نہ مالکیہ کی اور نہ حنابلہ کی بلکہ پورے طور پر ایمان داری کے ساتھ اس لیے آگے بڑھے کہ دین کی حفاظت اور اس کی نگہداشت کا جو فریضہ امت پر ہے وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ محدثین کرام میں جہاں اتنے بڑے بڑے مجود، قاری اور حفاظ قرآن ہوئے وہیں احادیث کے بھی حفاظ ہوئے

اور انہوں نے بڑے سے بڑے محدث کو خواہ وہ منہج میں ان کے ساتھ رہا ہو، نہیں بخشا۔ عنعنہ کا جب معاملہ آیا تو معاصرت کے تعلق سے امام مسلم کی کس طرح مخالفت ہوئی، آپ کو معلوم ہو گا حضرت امام مسلم کا مسلک امام بخاری کے خلاف تھا لیکن وہ ان کو نہیں معاف کر سکے۔ آپ جانتے ہیں تدلیس کا مسئلہ جہاں آیا بڑے بڑے محدثین کو اٹھا کر خراد پر چڑھا دیا گیا۔ صاف صاف کہہ دیا گیا سفیان بن عیینہ جیسے شخص کہ وہ مدلس ہیں۔ محدثین نے کسی پر رحم نہیں کیا انہوں نے کسی چیز کو اپنی ذمہ داری سمجھی تو صرف یہ کہ کسی صورت سے دین محفوظ رہے۔ دین میں مختلف سیاسی فرقوں اور مختلف افکار کی انہوں نے کبھی کوئی رعایت نہیں کی۔

میں یہاں عرض کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارے اہل حدیث عوام بڑے زور سے کہتے ہیں کہ یہ ہمارا مسلک ہے۔ معاف فرمایئے گا محدثین کا جو منہج تھا اس منہج کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ جہاں بھی امت میں کتاب و سنت کے سلسلے میں غلط فہمیاں پیدا ہوں، حدیثیں غلط انداز کی گھڑی جائیں یا حدیث پر قیاس کو یا عمل اہل مدینہ کو یا عقل کو ترجیح دی جائے تو وہ فوراً گرفت کریں اور بتائیں کہ صحیح کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کرتے ہیں کیونکہ ان کا مسلک حدیث کے موافق ہے۔ زیور میں زکوٰۃ کے سلسلے میں آپ جانتے ہیں کہ عموماً محدثین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے قائل ہیں۔ اسی طرح دیگر مسائل میں بھی۔ تو جن مسائل میں امام شافعی حق کے قریب ہیں، ان کی حمایت، جن مسائل میں امام احمد بن حنبل حق کے قریب ہیں ان کی حمایت، جن میں امام مالک حق کے قریب ہیں ان کی حمایت اور جن مسائل میں اتفاق سے ان چاروں کے اجتہاد میں غلطی ہوئی ان میں ان کی حمایت جن کا اجتہاد کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ اس لیے اس بات کو ذہن میں رکھ لیجئے کہ اہل حدیث کا کوئی فقہی مسلک نہیں ہے، بالکل نہیں، نہ اہل حدیث کوئی پانچواں مذہب ہے۔ اہل حدیث پورے طور پر مکمل طور پر مسلمانوں کی پڑھی لکھی، عالم، باشعور، مخلص اور بہت ہی اہم جماعت تھی جس کا کام یہ تھا کہ جہاں بھی قرآن پاک پر یا حدیث رسول پر کہیں سے کوئی غبار آئے، کہیں پانی مرنے لگے یہ لوگ آگے بڑھ جائیں اور اپنی ساری قربانیاں دیں۔

حضرت امام بخاری کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ کس طرح خرتنگ میں ان کی وفات ہوئی۔ امام احمد بن حنبل کے بارے میں جانتے ہیں کہ پوری حکومت سے ٹکرا گئے صرف اس وجہ سے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ بڑے بڑے لوگ حضرت امام علی بن مدینی اور عبدالعزیز کنانی جیسے کہہ گئے: "فاز احمد وخسرنا" امام احمد کامیاب ہو گئے اور ہم ناکام ہوئے محدثین کا کام یہ تھا کہ اس اصل دین کی حفاظت کی جائے جو حضرت رسول اکرم ﷺ پر اترا، جس کی شرح و تفسیر رسول اکرم ﷺ نے ۲۳ سالہ دور نبوت میں بیان فرمائی اور جس قرآن کو اور رسول اکرم ﷺ کے فرامین کو اور آپ کی عملی تنفیذ کو صحابہ کرام نے انسانیت کی طرف منتقل کیا۔ صحابہ کرام کو جن لوگوں نے کاٹ کر بیچ سے نکالنا چاہا ان کی سازش یہ تھی کہ صحابہ نکلے تو دین کٹ کر بالکل ختم ہو جائے گا۔ سنت کو جس نے نکالنا چاہا اس کا مقصد تھا کہ سنت و حدیث بیچ سے نکل گئی تو قرآن کی ہم جو چاہیں گے شرح کریں گے۔ اسی لیے اللہ کے رسول نے اس سے ڈرایا تھا۔ سب سے زیادہ بنیادی نکتہ جو محدثین کے سامنے تھا وہ یہ تھا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی جو شرح کی ہے صحابہ کرام نے، اس کی جو ترجمانی کی ہے اور اس کی جو نمائندگی کی ہے۔ اصل نمائندے کتاب و سنت کے صحابہ کرام ہیں۔ اس لیے کہ وہ رسول اکرم کے براہ راست شاگرد ہیں۔ روایت کے ذریعہ آپ میری یہ بات بتائیں تو ہو سکتا ہے کہ بتا نہ سکیں لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے آپ اچھی

طرح سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی صحابہ کرام براہ راست اللہ کے رسول کے شاگرد ہیں لہٰذا انہوں نے پورے دین کو اپنی اصل شکل میں دیکھا ہے صرف قول سے نہیں، صرف علم سے نہیں، صرف فکر سے نہیں بلکہ عملی طور پر بھی۔

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا واقعہ اگرچہ فروعات میں نقل کیا جاتا ہے، ایک روز کہنے لگے میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کے رسول کی طرح نماز پڑھنے والا ہوں۔ دس جلیل القدر صحابہ بیٹھ گئے کہا: پڑھو۔ سب نے کہا: اللہ کی قسم تمہاری نماز رسول اکرم ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہہ ہے۔ تو یہ چیز تھی ان کے یہاں کہ دین جو قرآن کی شکل میں ہے جو حدیث کی شکل میں ہے اور جس کے نمائندے، جس کے مترجم، جس کے نافذ، جس کے منفذ اور جو تسلسل کی سب سے پہلی کڑی ہیں نبی معصوم کے بیچ میں، قرآن معصوم کے بیچ میں اور حدیث معصوم کے بیچ میں جو لوگ سب سے پہلی کڑی ہیں ان کے سلسلے کو محفوظ کیا۔ یہ محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کا بہت بڑا کارنامہ ہے اسی لیے انہوں نے اپنا کوئی فقہی مسلک متعین نہیں کیا، نہیں تو کوئی بخاری بن جاتا، کوئی مسلم بن جاتا اور کوئی کچھ اور بن جاتا۔

انہوں نے ائمہ پر اگر تنقید کی تو ادب کا تقاضا دیکھئے، حضرت امام بخاری اہل الرائے پر تنقید کرتے ہیں تو نام نہیں لیتے "قال بعض الناس" کہہ کر تنقید کرتے ہیں تاکہ علم کا احترام، لوگوں کا وقار اور شخصیتوں کا وقار باقی رہے۔ محدثین کے منہج میں سب سے زیادہ بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ دین جو قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے تعامل کی شکل میں موجود ہے اسے پورے طور پر محفوظ شکل میں امت کے سامنے پہنچادیا جائے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ وہ کسی کی جانب داری نہیں برتتے اور نہ انہوں نے جانب داری کی ہے۔ اگر کسی نے جذباتیت کا ثبوت دیا ہے یا جانب داری برتی ہے تو وہ اس کا ذمہ دار ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہاں ایک عالم نے اپنی ایک کتاب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید کردی تو حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے جب "تاریخ اہل حدیث" لکھی تو حضرت امام ابو حنیفہ کے دفاع میں کتاب کے بیشتر صفحات وقف کردیے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہاں اگر امام ابو حنیفہ کی سوانح حیات لکھنے والے وہ لوگ ہیں جو حضرت امام کی طرف منسوب ہیں تو سب سے اہم سوانح جو حضرت امام ابو حنیفہ کی آئی ہے وہ ابو زہرہ کی ہے جو مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے تعلیقات و حواشی کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ علمائے اہل حدیث کا یہ شرف تھا۔ لیکن انہوں نے صرف امام ابو حنیفہ ہی کی نہیں بلکہ امام احمد بن حنبل اور دوسرے ائمہ کی سوانح بھی شائع کی ہے۔ اہل حدیث کسی خاص حزب کا نام نہیں ہے۔ تحزب سے یہ کوسوں دور ہے۔ یہ کوئی فقہی جماعت نہیں بلکہ یہ کتاب و سنت کی روشنی میں علم کی طرف رجوع کرتی ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھتی ہے اور یہ فریضہ علماء ادا کرتے ہیں۔ یہ تصور غلط ہے کہ عوام بھی اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں عوام قطعاً فیصلہ نہیں کرسکتے۔ عوام جن کو دین کا علم نہ ہو، ان کے لیے ضروری ہے کہ عالم سے پوچھیں کہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہمیں بتاؤ کہ کیا حکم ہے اور جب وہ بتادے تو اس کی بات مانیں یعنی تقلید کریں۔ اس حد تک تقلید ضروری ہے۔ آدمی کو جب دین کے کسی مسئلہ کے بارے میں علم نہ ہو تو وہ معلوم کرے کہ کتاب و سنت کا اس سلسلے میں کیا فیصلہ ہے اور جب وہ فیصلہ آجائے تو اسے مان لے۔ تو محدثین کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا جسے انہوں نے ہر دور میں انجام دیا ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا ۱۹۳۶ء میں مصر کے وزیر اعظم نقراشی پاشا (۱۸۸۸ء - ۱۹۴۸ء) ہوئے تھے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ کن لوگوں نے ان کو قتل کیا تھا۔ داستان میں نہیں جانا چاہتا۔ اس کے بارے میں توقع تھی کہ وہ اسلامی شریعت کو

لائے گا اور کوشش کرے گا کہ سوسائٹی میں اسلامی شریعت نافذ ہو۔ اس وقت اس کی سب سے زیادہ حمایت جماعت اہل حدیث نے کی تھی۔ آپ کو معلوم ہو گا پاکستان میں ایوب خاں کے دور کا آخری واقعہ ہے۔ مسئلہ پیدا ہوا کہ یہاں کی حکومت اسلامی ہونی چاہئے تو ایک بہت بڑے عالم، بہت بڑے مصنف اور لوگوں کے بقول بہت بڑے محقق نے لکھا کہ یہاں اکثریت چونکہ احناف کی ہے لہٰذا یہاں فقہ حنفی کا رواج ہو گا یعنی فقہ حنفی کے مطابق یہاں کا قانون بنے گا۔ حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے جماعت اہل حدیث کے پلیٹ فارم سے اعلان کیا کہ ہم یورپ، فرانس اور برطانیہ کے قانون کے مقابلے میں کسی بھی فقہ کی حکومت بن جائے، اس کی تائید کرتے ہیں۔ جماعت اہل حدیث کے علماء میں یہ وسعت تھی۔

مجھے معاف فرمایئے گا میں نے آپ کا زیادہ وقت لے لیا اور جو چند باتیں کہنا چاہتا تھا وہ بھی نہیں کہہ سکا۔ میں آپ کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی حیثیت کسی فرقہ کی نہیں ہے، آپ کی حیثیت تحزب کی نہیں ہے آپ تو تحزب کے دشمن ہیں اور تعصب کے دشمن ہیں۔ آپ کا فرض یہ ہے کہ امت کے تمام طبقات کو چاہے وہ حنفی ہوں، شافعی ہوں، مالکی ہوں، حنبلی ہوں اور ان فرقوں میں سے جو لوگ منسوب ہیں دوسری طرف یعنی وہ رفاعی ہوں، سہروردی ہوں، اشرفی ہوں، نقش بندی ہوں یا مجددی ہوں۔ اسی طرح ان میں وہ حضرات جو علمائے بریلی سے عقیدت رکھتے ہیں، جو علمائے بدایوں سے عقیدت رکھتے ہیں، جو علمائے دیوبند سے عقیدت رکھتے ہیں جو علمائے سہارنپور سے عقیدت رکھتے ہیں، جو مرکز نظام الدین سے عقیدت رکھتے ہیں یا ان میں سے جو لوگ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علماء سے عقیدت رکھتے ہیں، سب کے سب ہمارے مخاطب ہیں اور سب ہمارے بھائی ہیں۔ ان کے ساتھ ہمارا سلوک نہایت شریفانہ اور غیر متعصّبانہ ہو گا۔ ہم ان کے ساتھ علمی مسائل کی تحقیق کے لیے اکٹھا ہوں گے لیکن تحقیق کی ضرورت صرف ان مسائل میں پڑتی ہے جن میں نصوص نہ ہوں جب نصوص آجائیں تو عقل و قیاس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

اللہ کا فضل ہے استنباطی مسائل میں آج بھی جماعت کے افراد پیچھے نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ دور کے اچھے خاصے پڑھے لکھے احباب ان طلباء کو جو اپنے آپ کو تحقیق، حدیث اور سلفیت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جن کی صلاحیتیں کسی سے کم نہیں، ان کو مسلم پرسنل لابورڈ میں موقع نہیں دیتے کہ یہ آئیں اور موجودہ دور کے مسائل کے بارے میں کتاب وسنت سے صحیح اجتہاد کر کے گفتگو کریں صرف ان لوگوں کو بلاتے ہیں جو ایک خاص فقہی جزئیات میں سوچ کر اور استنباط کر کے بات ختم کر دیتے ہیں یہ بڑی نامناسب سی بات ہے۔ ایمان داری کے ساتھ آپ دعوت دیجئے۔ یہ دو تین نوجوان جنہیں میں طلبہ کہوں گا۔ میں بھی طالب علم ہوں بلکہ میں تو بہت حقیر طالب علم ہوں، میں نے تو علم کی راہ ہی چھوڑ دی لیکن یہ لوگ ہیں۔ انہیں تینوں کو بلایئے اور دیکھئے موجودہ دور کا کون سا مسئلہ ایسا ہے چاہے وہ بیمہ کا مسئلہ ہو، چاہے اعضا کی پیوند کاری کا مسئلہ ہو اور موجودہ وقت میں بینکنگ سسٹم جتنا تباہ ہو رہا ہے، پورے طور پر جس طرح سود ہماری ملت اسلامیہ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کو اور اس کے جز جز کو چوستا چلا جا رہا ہے۔ ان سب مسائل میں ان کو دعوت دیجیے یہ آئیں اور دیکھئے ان کی بحوث اور تحقیقات۔ تو موقع دیجئے اور اگر نہیں تو میں ان عزیزوں سے کہوں گا آپ کو موقع کی تلاش نہیں ہونی چاہئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کی روشنی میں تحقیق کرنے کا جو ملکہ دیا ہے، آپ اس سے فائدہ اٹھایئے۔ چھوڑیے دوسری چیزوں کو، حواشی، زوائد اور یک

دوسرے کے مسائل کو آپ خالص علم کے لیے اکٹھا ہو جایئے اور میں دوسرے حضرات سے بھی گزارش کروں گا کہ جس طریقے سے یونیورسٹیز میں مختلف فیکلٹیز ہوتی ہیں، سائنس، شریعت اور اسلامک اسٹڈیز وغیرہ، اسی طرح ہمارے یہاں جو تحقیق پسند طلبہ ہیں اور جو صحابہ کرام کے منہج کو، اہل سنت والجماعت کے منہج کو عام کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ خود بخود اپنے جو مختلف رجحانات ہیں ان کے مطابق اپنا لائحہ عمل بنالیں اور اس لائحہ عمل کے مطابق کام کریں۔ جب ان کا کام سامنے آئے گا تو دنیا تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

شاید آپ کو یہ پتہ نہ ہو کہ اسی کام کا نتیجہ تھا کہ ۲۳۔ ۱۹۲۲ء میں جب دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے تو اس کے حکم حضرت مولانا عبدالقادر قصوری رحمۃ اللہ علیہ بنائے گئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ۱۹۱۰ء میں جب ندوۃ العلماء ڈوب رہا تھا تو اس وقت اس کے جج اور اصلاح ندوہ کانفرنس کے صدر حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور اس اصلاح کے سب سے بڑے جوشیلے حامی حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ تھے اور اس کے شریف لوگوں میں حضرت مولانا داؤد غزنوی اور دوسرے بہت سے لوگ تھے۔ تو آپ اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کیجئے اندر کی کچھ چیزیں کہاں نہیں ہیں۔ کچھ نہ کچھ چیزیں ہر جگہ ہوتی ہیں۔ کوشش کیجئے کہ کتاب و سنت کی بنیاد پر ورع و تقوی کو اپنا کر اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ جن چیزوں میں ہماری معلومات ہیں ان میں اپنی خدمات پیش کر سکیں۔

کون ہے جو آج ''رحمتہ للعالمین'' کا نام پیش کر کے اس بات کو کہے گا کہ یہ ایک اہل حدیث عالم کی تصنیف ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انشاء اللہ خاں انشاء نے جب علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبی'' کی تصنیف کا اعلان کیا تو انہوں نے کہا: کیا ضرورت ہے جب ''رحمۃ للعالمین'' لکھی جا چکی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اسی طرح جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام کی باری آئی تو کھل کر کے کئی لوگوں نے یہ بات کہی کہ جب مدرسہ احمدیہ آرہ میں موجود ہے تو ایک نئے ادارہ کی کیا ضرورت ہے۔ تو ہمیں چاہیے کسی تخریب یا کسی تعصب کی وجہ سے نہیں، اس وجہ سے کہ ہم جب تک میدان میں نہیں آئیں گے تب تک یہ جتنی مختلف ٹولیاں ہیں، صوفیاء کی، اسی طرح سے تعقل پرستوں کی، منکرین حدیث کی اور مشککین کی، یہ ساری کی ساری ٹولیاں پوری فضا میں علم کی اور کتاب و سنت کی روشنی اجاگر نہیں ہونے دیں گی۔

اس لیے میری آپ لوگوں سے گزارش ہے میں شکر گزار ہوں آپ لوگوں کا کہ آپ نے یہ موقع دیا۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہ بہت بڑی توفیق ہے کہ آپ نے یہ کام علی گڑھ سے شروع کیا ہے۔ مدرستہ العلوم علی گڑھ ہمیشہ سے مسلمانوں کی ہمہ جہتی قیادت کرتا رہا ہے۔ شروع میں اس نے کتاب و سنت کے سلسلے میں قیادت کی تھی۔ حضرت مولانا عبدالجلیل علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا اسماعیل صاحب، مولانا عبدالکریم نو مسلم اور مولانا عثمان صاحب ان لوگوں نے بڑی اہم قیادت کی تھی لیکن وہ ختم ہوگئی۔ سر سید احمد خاں کی جو فکری غلطیاں تھیں اور جس طرح انہوں نے معجزات وغیرہ کا انکار کیا جس کی وجہ سے آپ کے لوگ ادھر اُدھر سمٹ گئے ورنہ نواب محسن الملک نے پوری شیعیت کو چھوڑ کر یہیں تو حق کی آواز بلند کی تھی۔ تو اب ضرورت ہے کہ آپ اپنے احباب کو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کو، یہاں کے مختلف ذمہ داران کو قریب لائیں۔ ان کے سامنے کتابیں رکھیں اور

اپنی تحقیقات کا ثمرہ پیش کریں۔ اس کام میں پیسے وغیرہ کی لالچ نہ کریں بلکہ اپنی تحقیقات مفت پیش کریں اور یہ جو علماء یہاں تشریف لاتے ہیں ان کے شکر گزار ہوں اور یہ لوگ جو نکات رکھتے ہیں ان نکات کو پورے طور پر آپ محسوس کریں۔

آپ کو معلوم ہوگا مبارکپور کے قاضی اطہر مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کھل کر کے مقالہ لکھا تو حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ صاحب تحفۃ الاحوذی کو سب سے زیادہ حدیث کا خادم اور محدث قرار دیا۔ اسی طرح علامہ احمد محمد شاکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جامع ترمذی کی شرح میں اور علامہ البانی وغیرہ نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کا جس انداز میں والہانہ تذکرہ کیا ہے آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ اسی طرح عبدالعزیز خولی اور رشید رضا وغیرہ نے ان خدمات کو جس قدر سراہا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ تو جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے۔

وہ معروضی مطالعہ اور وہ تحقیقی مطالعہ جو کسی تعصب کے نتیجے میں نہیں ہوا ہے۔ جس تحقیقی مطالعہ کی کیفیت یہ ہے کہ چاہے وہ کسی فقہ کے کسی بھی طبقے کے عالم کی تحقیق ہو اور وہ صحیح ہے تو اسے قبول کر لیا جائے اور اگر نہیں ہے تو نہیں۔ یہ مثال پیش کی ہے ان علماء نے کہ چاہے ان کے مسلک، طریقہ فکر اور ان کی تحقیق کے خلاف کوئی بات آجائے تو اپنی تحقیق کو چھوڑ دیں گے لیکن حدیث کو نہیں بدلیں گے نہ اس میں کوئی تحریف کریں گے۔ یہ تنہا محدثین کے منہج کا کمال ہے۔ ورنہ میں جانتا ہوں دوسرے لوگوں کو کہ انہوں نے جہاں ان کے مسلک کے خلاف کوئی چیز آئی ہے بڑے بڑے دواوین حدیث میں حدیثوں کو الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ الٹ پلٹ کر کے کوشش یہاں تک کی ہے کہ حدیثیں حذف کر دی جائیں اور تحریف کی وہ انتہا کی ہے جو اسلام سے سب سے زیادہ دور ہے تو یہ منہج محدثین کا سب سے بڑا کمال ہے کہ ایک محدث کسی بھی شخص کسی بھی فقہ اور کسی بھی فرقے کی خوبی کو اس لیے نہیں ٹھکرا دیتا ہے کہ وہ فلاں طبقے کا ہے بلکہ کوشش کرتا ہے کہ جہاں سے بھی اصول علمیہ کی تکمیل ہو رہی ہے اس کو قبول کر لے۔ یہ ہمارا اور آپ کا بھی فرض ہے۔

میں مبارکباد دیتا ہوں اپنے ان فاضل دوستوں اور عزیزوں کو کہ انہوں نے یہ مجلس سجائی اور میری دعا ہے کہ یہ مجلس سجتی رہے اور میری دعا ہے کہ جس طرح سے آپ کا ذہن وسیع ہے دوسرے لوگ اگر آپ کو اپنے پلیٹ فارم پر موقع نہیں دیتے پھر بھی آپ کے اندر اتنی وسعت ہے کہ سب کو اپنے پلیٹ فارم پر موقع دیں تو اس طریقے کو اور آگے بڑھایئے اور ڈیولپ کیجئے اس کو اور نشو و نما دیجئے۔ بہت بہتر ہوگا کہ جس طرح علی گڑھ سے حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحی تشریف لائے اسی طرح مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے علماء و محققین کو بھی بلایئے اور بلا کر کے انہیں اپنی بات کہنے کا موقع دیجئے اور آپ اپنی بات کہئے اور ان سے تبادلہ خیال کیجئے۔ یہاں بڑے جینیس لوگ موجود ہیں ان سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ "ماخاب من استشار" اگر آپ کام کرنا چاہتے ہیں تو مشورہ کریں، علمی مشورے بہت ضروری ہیں۔

ان چند کلمات کے ساتھ میں ایک بار پھر یہاں تشریف لانے والے مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور اپنے ان احباب کو مبارکباد دیتا ہوں، جنہوں نے یہ پروگرام منعقد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس خدمت کا اہل بنائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا محمد وعلی آلہ وبارك وسلم

فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد المدنی حفظہ اللہ

صدارتی خطاب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔ اما بعد :

دور دراز سے آئے ہوئے مہمانانِ کرام، سمینار کے منتظمین، محترم حاضرین !

میں سب سے پہلے اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے علی گڑھ کے اس اہم سمینار میں شرکت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ موسم کی ناسازگاری کی وجہ سے آپ کو اور باہر سے آنے والے مہمانوں کو جو دشواری ہوئی، اللہ سب کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

بہر حال آپ نے جو کچھ کیا اس کے لیے قابلِ مبارکباد ہیں علی گڑھ جیسے علمی شہر میں سمینار کا موضوع "علوم الحدیث: مطالعہ و تعارف" نہایت مناسب ہے۔ کتاب و سنت ہی اسلامی شریعت کا ماخذ ہیں اگر انہی دونوں کو سمجھ لیا جائے تو دوسری چیزوں کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ کے خطاب میں سنا، اجماع و قیاس فروع ہیں اور کتاب و سنت اصل ہیں۔ اجماع و قیاس بھی کتاب و سنت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔

جب سنت و حدیث کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس سے صرف فرامین رسول مراد ہیں بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فبأی حدیث بعدہ یومنون**، حدیث کا اطلاق قرآن پر بھی ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر بھی۔

مقالات کے لیے آپ نے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے، آج کے دور میں اس قسم کے موضوعات کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ ادھر منکرین حدیث کا زور بڑھ رہا ہے اور قرآن کا نام لے کر احادیث رد کرنے کے جتنے طریقے اور جتن ہو سکتے ہیں، وہ سب کر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس قسم کے سمیناروں کا انعقاد ملک کے تمام اہم مقامات پر کیا جائے۔

آپ نے سمینار کے افتتاحی اجلاس کا صدر مجھے بنایا تھا، اس کے لیے میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ راستے کی ناہمواری کی وجہ سے تاخیر سے یہاں حاضر ہو سکا، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ بہر حال مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ نے اپنے خطاب میں بہت سے خطوط پیش کر دیے ہیں اور محدثین کا منہج کیا تھا، اسے آپ نے تفصیل سے واضح کر دیا ہے۔ محترم نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس دور میں ہمارا اپنا رویہ اور طریقہ کیا ہونا چاہیے۔ اس خطاب میں ہمارے لیے فکر و عمل کی دعوت موجود ہے۔

میں اپنے تمام بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اپنے دوستوں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس سمینار کا انعقاد کیا اور جیسا کہ مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ نے یہ سمینار دین کی خدمت کے لیے کیا ہے تو سمجھئے کہ یہ کامیاب ہے۔ کامیابی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، وہی اصل کامیابی عطا فرماتا ہے۔ یہاں بڑی سے بڑی بھیڑ لگ جائے لیکن کوئی فائدہ نہ ہو، فکر و نظر میں کوئی تبدیلی نہ آئے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا ہم اس حقیقت کو سمجھیں اور اس کو اپنا کر آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کریں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين

مقالات

مولانا عبدالمنان سلفی
مدیر ماہنامہ "السراج" جھنڈانگر نیپال

حدیث کی تشریعی اہمیت

ألحمد الله وحده والصلوٰة والسلام علی من لا نبی بعده. اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا جو سلسلہ قائم فرمایا تھا وہ اللہ کے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا آخری دین اور آخری کتاب دے کر پوری دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری کتاب قرآن کریم کی شکل میں نازل ہوئی اس کی حیثیت کامل مکمل دستور حیات کی ہے، اس کتاب میں ہر چھوٹی بڑی چیز کا بیان اور زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے یہ کتاب ہدایت ہے اور اسے شفاء للصدور کا مقام حاصل ہے۔ اس میں عبرت و موعظت کے لیے گذشتہ قوموں کے بیشمار واقعات و قصص ہیں اور انسانوں کی اصلاح و تربیت کے لیے ترغیب و ترہیب پر مشتمل مواد بھی موجود ہے گویا انسانی سعادت کے لیے جس سامان کی ضرورت تھی، اس کتابِ زندگی کے اندر اسے جمع کر دیا گیا ہے۔

سراپا رشد و ہدایت اور مجسم خیر و برکت قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان فرمایا کہ رحمۃ للعالمین سے ملقب رسول رحمت ﷺ کو قرآن کا شارح اور مفسر قرار دیا تاکہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت ہی کی نہیں بلکہ ایک ایک کلمہ اور حرف کی تبیین و تفسیر آپ کی زبانِ فیض ترجمان اور آپ کی سیرت و کردار سے اس طرح ہو جائے کہ یہ کتاب حکمت پھر کسی بیان و تفسیر کی محتاج نہ رہے تاکہ امت اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے تیئس سالہ نبوی زمانے کا ایک ایک لمحہ اس فریضہ کی انجام دہی میں صرف ہوا اور آپ اپنے اقوال و افعال اور اخلاق و کردار کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر فرماتے رہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ان کا مختصر جواب تھا کہ "کان خلقه القرآن" آپؐ قرآن کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

اس لیے قرآن کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے اقوال و افعال اور اخلاق و کردار کو پیش نظر رکھا جائے اور آپ کی صحیح اور ثابت شدہ حدیثوں کی روشنی میں قرآنی آیات کا مفہوم و مطلب متعین کیا جائے، احادیث کے بغیر قرآن کا سمجھنا مشکل ہے بلکہ قرآن کریم کا ایک معتد بہ حصہ تو ایسا ہے کہ احادیث رسول کے بغیر انہیں سمجھنا

ممکن ہی نہیں۔

احادیث کی اسی اہمیت کے پیش نظر چند گمراہ اور منحرف فرقوں کو چھوڑ کر عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ احادیث رسول - خواہ ان کا تعلق آپ کے قول سے ہو یا فعل و تقریر سے چاہے وہ آپ کی سیرت و اخلاق سے متعلق ہوں یا پیدائشی اوصاف و کمالات سے - اسلامی شریعت کا دوسرا سر چشمہ ہیں جنہیں کتاب اللہ سے بایں معنیٰ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں ہی حکم الٰہی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحىٰ" (النجم: ۴-۳) اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

اس لیے کسی مسلمان کے لیے روا اور جائز نہیں ہے کہ وہ سنت سے اعراض کر کے دینی احکام صرف قرآن کریم سے مستنبط کرے بلکہ ضروری ہے کہ قرآن فہمی اور کتاب اللہ سے مسائل و احکام معلوم کرنے کے لیے سنت کا سہارا لیا جائے اس لیے کہ دراصل احادیث نبویہ ہی قرآن کی مبین اور شارح ہیں جیسا کہ امام شاطبی نے فرمایا کہ:

"فكأن السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب (گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لیے بمنزلہ تفسیر و شرح کے ہے) گویا حدیث کے بغیر آیات کا موقع و محل پہچاننا اور مجمل احکام کی معرفت حاصل کرنا ناممکن ہے، اس لیے اگر کوئی شخص قرآن کریم کو حدیث سے الگ کر کے سمجھنے کی جسارت کرتا ہے تو وہ خود قرآن کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اس لیے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر رسول کی اطاعت اور آپ کی ذات کو اسوہ اور نمونہ تسلیم کر کے آپ کے کامل اتباع کا حکم بالصراحت موجود ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اپنی کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" میں لکھا ہے کہ "مضامین کے لحاظ سے نصوص کو تین قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے۔

(۱) ایسی حدیثیں جو احکام قرآنی کی مؤید ہوں اور اجمال و تفصیل کے لحاظ سے قرآن کے موافق ہوں مثلاً وہ حدیثیں جو صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی فرضیت سے متعلق ہیں جن میں ان عبادات کے ارکان و شروط وغیرہ کا ذکر نہیں ہے صرف ان کی فرضیت کا بیان ہے جیسے "بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمد الرسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وصوم رمضان وحج البيت من استطاع اليه سبيلا۔" والی حدیث، قرآنی آیات:

"وَاَقِيْمُو الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ." (البقرہ: ۸۳)

"يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامَ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ." (البقرہ: ۱۸۳)

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلا." (آل عمران: ۹۷)

کی مؤید ہے یا جیسے یہ حدیث "لا يحل مال امرء مسلم الا بطيب من نفسه."

تو یہ حدیث قرآنی آیت "يَاَ يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَاكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ." (النساء: ۱۹) کے موافق ہے۔

(۲) وہ حدیثیں جو قرآنی احکام کا بیان و تفسیر کرتی ہیں یعنی کسی مطلق آیت کو مقید کرتی ہیں یا کسی مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہیں یا کسی عام حکم کی تخصیص کرتی ہیں مثلاً وہ حدیثیں جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بیع و شراء اور معاملات وغیرہ سے متعلق تفصیل

احکام بیان کرتی ہیں۔ جن کا ذکر قرآن میں مجمل تھا۔ذخیرہ سنت میں اس قسم کی حدیثیں زیادہ ہیں۔

(۳) وہ حدیثیں جو اپنے مضامین واحکام کے لحاظ سے مستقل ہیں یعنی ان سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں ان کے بارے میں قرآن خاموش ہے اور اس میں ان احکام کا سرے سے ذکر ہی نہیں نہ قرآن اس حکم کو واجب کرتا ہے اور نہ اس سے منع کرتا ہے مثلاً ایسی حدیثیں جن سے بھتیجی اور پھوپھی یا خالہ اور بھانجی کے درمیان جمع کی ممانعت ثابت ہوتی ہے یا جن احادیث سے شفعہ کے احکام معلوم ہوتے ہیں یا وہ حدیثیں جن سے شادی شدہ زانی کے رجم اور غیرہ شادی شدہ زانی کے ایک سال جلاوطنی کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔

احادیث کی مذکورہ بالا تینوں قسموں میں سے پہلی دو قسموں کے حجت شرعی ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق تو ہے ہی تیسری قسم سے متعلق بھی سلف کا اجماع ہے کہ ایسی تمام حدیثیں جو اپنے مضامین کے لحاظ سے مستقل ہیں وہ تشریع میں بھی مستقل حجت ہیں اور ان کی تشریعی اہمیت پہلی دو قسموں سے کسی طرح کم نہیں اس لیے کہ یہ حدیثیں ایسے رسول کی جانب منسوب ہیں جو خطا سے معصوم ہیں، نیز اتباع رسولؐ سے متعلق قرآنی نصوص جو امر و نہی سب کو شامل ہیں ان میں سنن مبینہ، موکدہ یا مستقلہ کی تفریق نہیں ہے بلکہ ان میں عموم ہے جو تمام قسم کی سنتوں کو شامل ہیں۔ مثلاً "يَاَ يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً." (النساء : ۵۹)

اس آیت میں اللہ کی طرف رجوع کا مطلب بالاتفاق اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور اللہ کے رسول کی جانب رجوع کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے،اس سے معلوم ہوا کہ سنت علی الاطلاق مستقل حجت شرعیہ ہے۔

اس آیت میں اور اس کے علاوہ وہ تمام آیات جن کے اندر اللہ ورسول کی اطاعت کا ایک ساتھ حکم دیا گیا ہے ان سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت سے مراد ان ماموارت کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب ہے جن کا حکم اللہ نے اپنی کتاب میں دیا ہے اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا مفہوم وہ ماموارت و منہیات ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے بلکہ ان کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم حدیث میں دیا گیا ہے اس لیے کہ اگر یہ چیزیں قرآن میں ہوتیں تو ان کا شمار اللہ کی اطاعت میں کیا جاتا۔

سنت کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

چونکہ قرآن کریم کے حجت شرعی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اور امت اسلامیہ اس کو اسلامی شریعت کا بنیادی سر چشمہ اور ماخذ تسلیم کرتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ قرآن کے حوالہ سے حدیث کی تشریعی حیثیت واضح کی جائے اور دیکھا جائے کہ اس سلسلہ میں قرآن ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔

(۱) حدیث بھی وحی ہے

قرآن کریم احادیث نبویہ کو متعدد وجوہ سے وحی قرار دیتا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی طرح احادیث بھی واجب العمل ہیں اور ان کی حجیت مسلم ہے۔

۱: سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی شان میں فرمایا کہ:

"وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى، مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى"(النجم: ۴-۱)

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبان رسالت مآب ﷺ سے نکلا ہوا ہر لفظ منجانب اللہ ہے اور اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی خواہش اور طبیعت سے کوئی بات منہ سے نہ نکالی، آپ کی زبان اللہ کے وحی کی پابند رہی ہے ظاہر ہے اس وحی کا تعلق آپ کے فرمودات سے بھی ویسے ہی ہے جیسے قرآن کریم سے، البتہ فرق یہ ہے کہ قرآن متلو ہے اور اس کے الفاظ و معانی سب منجانب اللہ ہیں اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات و فرمودات غیر متلو ہیں اور ان کے صرف مفہوم منجانب اللہ ہیں اور الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں گویا احادیث شریفہ بھی اللہ کی جانب سے ہیں جنھیں اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حکم سے اپنی زبان سے بیان فرمایا ہے۔

۲: ذیل میں ہم سنت کے منجانب اللہ وحی ہونے کو ایک دوسرے طریقہ سے ثابت کررہے ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ سے متعلق احکام نازل کرتے ہوئے فرمایا:

"وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا۔"(البقرہ: ۱۴۴-۱۴۳)

دونوں آیات شریفہ بتارہی ہیں کہ خانۂ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنائے جانے سے قبل مسلمانوں کا قبلہ کچھ اور تھا جس کی جانب رخ کرکے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان نمازیں پڑھتے تھے اور "وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا." میں لفظ "جَعَلْنَا" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبلۂ اول اللہ کے حکم سے تھا حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ مسلمان بیت المقدس (قبلۂ اول) کی جانب رخ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وحی کی اس قسم کے ذریعہ دیا گیا تھا جس کو احادیث کہا جاتا ہے ورنہ مذکورہ آیت کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

(ب) نبی کریم ﷺ نے ۶ھ میں مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد حرام میں تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ ادا کرنے کے بعد حلق و قصر بھی کرایا ہے، آپؐ نے صحابہؓ کو جب یہ خواب بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اس سال مکہ جائیں گے، پھر آپ ﷺ کچھ دنوں بعد تقریباً چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہو گئے مگر کفار مکہ کی مداخلت کی وجہ سے آپ اور آپ کے صحابہ حدیبیہ سے آگے نہ بڑھ سکے اور مکہ میں داخل نہ ہو سکے اور صلح کے بعد مدینہ واپس ہو گئے، اس وقت بعض صحابہ کرام نے اللہ کے رسول ﷺ سے استفسار کیا کہ کیا آپ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوں گے؟ تو آپؐ نے جواب دیا کہ بیشک میں نے یہ بات کہی تھی کہ مگر یہ بات میں نے کب کہی تھی کہ اسی سال ہم مکہ پہنچ جائیں گے، اس موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ لا مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لا لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا". (الفتح: ۲۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بصورت خواب وحی کر کے باخبر کر دیا گیا تھا کہ آپ مکہ سفر کریں گے مگر کفار آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور پھر صلح کے بعد واپس آئیں گے اور آئندہ سال عمرہ کر سکیں گے اور پھر فتوحات کا سلسلہ قائم ہوگا۔ وغیرہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اوپر قرآن کے علاوہ بھی چیزیں بصورت وحی نازل ہوتی تھیں۔

(ج) جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ کے مضافات میں یہودی قبائل آباد ہیں ابتدائی مرحلہ میں آپ نے ان سے دوستی کی اور ان سے معاہدہ بھی کیا مگر یہ یہودی قبائل حد درجہ بے وفا ثابت ہوئے اور کئی مواقع پر انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور بدعہدی کی پھر یکے دیگرے رسول اللہ ﷺ نے ان قبیلوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا۔

انہیں میں سے ایک قبیلہ بنو نضیر کا بھی تھا، متعدد بار کی بدعہدی کے بعد رسول ﷺ نے مسلم مجاہدین کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا اور ان کے کھجور کے درختوں میں سے کچھ کو کٹوا دیا اور کچھ کو جلوا دیا اور نقصان پہونچایا، بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ آخر ان درختوں کے جلانے اور نقصان پہنچانے سے کیا ملا؟ ایسا نہ ہو کہ ایسی حرکت کرنے پر اللہ ہمارا مواخذہ کرے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی:

”مَا قَطَعْتُمْ مِن لِّينَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلىٰ اُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ۔“ (الحشر: ۵)

گویا اس آیت میں صاف بتایا گیا کہ بنو نضیر کے خلاف درختوں کے کاٹنے، جلانے اور نقصان پہنچانے کی جو کارروائی ہوئی وہ اللہ کے حکم سے ہوئی ہے مگر قرآن کریم میں کہیں بھی اس حکم کا سراغ نہیں ملتا، اب اس کو قرآن نے ”فبا ذن الله۔“ کہا ہے۔

نمونہ کے طور پر یہاں تین آیتیں ذکر کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والے احکام جس طرح وحی متلو یعنی قرآن کے ذریعہ آتے تھے اس طرح وحی غیر متلو کے ذریعہ بھی آپ پر احکام نازل ہوتے تھے۔

(۳) بعض انبیاء کا انحصار مدت العمر سنت ہی پر رہا چنانچہ سورۂ نساء میں ہے کہ:

”اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَا اِلىٰ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيسىٰ وَاَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوراً۔“ (النساء: ۱۶۳)

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو حضرت نوح کے بعد آنے والے تمام انبیاء کے وحی سے تشبیہ دی گئی ہے ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت مسیح اور حضرت داود کے سوا باقی انبیائے کے متعلق کسی کتاب کا ذکر نہیں ان کی وحی از قسم سنت ہی تھی، آنحضرت ﷺ کی وحی کو جب متلو اور غیر متلو دونوں قسم کی وحی سے تشبیہ دی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ پر دونوں قسم کی وحی نازل فرمائی گئی، قرآن عزیز کے الفاظ نازل فرمائے اور سنت کا مفہوم بتایا گیا۔ (حجیت حدیث از مولانا محمد اسمعیل سلفیؒ ص ۲۲)

سنت ایک اور حیثیت سے

شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جن کی مشروعیت سنت ہی کے ذریعہ سے ہوئی اور مدتوں بعد قرآن نے اس کی

تائید کی اس لحاظ سے نصوص حدیث قرآن سے بھی مقدم ہوتے ہیں، چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی صاحب گجرانوالہ رحمہ اللہ نے بڑی صراحت سے لکھا ہے کہ :

"ائمہ سنت نے احادیث کو ادلہ شرعیہ میں ثانوی حیثیت دی ہے لیکن ثبوت مسائل کے لحاظ سے بعض وقت نصوص حدیث قرآن سے بھی مقدم ہوتے ہیں۔ مسئلہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور امت اس پر عرصہ تک عمل کرتی ہے مگر قرآن میں اس کی تائید مدتوں بعد ہوتی ہے۔ مثلا:

(۱) نماز آنحضرت ﷺ پر معراج کی رات فرض ہوئی اس کی تفصیلات یعنی اذکار، تعداد رکعات اسی وقت بذریعہ سنت واضح فرمائے گئے قرآن کریم نے اس کے بعد اجمالاً ان کی تائید فرمائی۔ (البرهان للزركشي واتقان)

(۲) نماز کے لیے طہارت شرط تھی، معراج کی صبح جبرئیل نے آنحضرت کو طہارت کا طریق سکھایا پھر صحابہ بالالتزام وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے رہے لیکن سورۂ مائدہ واقعہ معراج کے تقریباً آٹھ سال بعد ٦ھ میں نازل ہوئی جس میں وضو اور اس کے فرائض ذکر کیے گئے معلوم ہے کہ معراج کا سفر صحیح روایت کے مطابق ۱۲ھ نبوی میں ہوا یعنی ہجرت سے قریب دو سال پہلے۔"

(۳) نماز جمعہ مدینہ منورہ میں آنحضرت کی تشریف آوری اور ہجرت سے پہلے ہی صحابہ نے شروع کر دی تھی، اسعد بن زرارہؓ آنحضرتؐ کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ میں جمعہ پڑھاتے تھے، سورۂ جمعہ جس سے فرضیت جمعہ پر استدلال کیا جاتا ہے صحیح روایت کے مطابق سفر ہجرت میں مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی، جمعہ پہلے شروع ہو چکا تھا سورۂ جمعہ میں اس کی تائید ہوئی، سورۂ جمعہ کو مشہور روایت کے مطابق اس لیے مدنی مان لیا جائے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تو مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن میں جمعہ کی فرضیت کا حکم اس وقت آیا جب کہ جمعہ مدینہ میں شروع ہو چکا تھا۔

(۴) موسیٰ کو مدین سے واپسی پر نبوت عطا فرمائی گئی لیکن اس وقت تورات نہیں دی گئی، موسیٰ نے فرعون، ہامان اور اکابر قبط سے مقابلہ سنت کی بنا پر کیا یہ سلسلہ وحی غیر متلو ہی کی بنا پر چلتا رہا، قرآن عزیز سے ظاہر ہے کہ توراۃ فرعون کی ہلاکت کے بعد تیہ کے جنگل کی اقامت کے ایام میں عنایت فرمائی گئی، فرعون کی تباہی و بربادی کا پہلا منظر سنت کی مخالفت ہی کی وجہ سے ہوا۔ چنانچہ سورۂ قصص میں فرعونی عساکر کی تباہی کے بعد فرمایا:

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ مِن بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْاُوْلٰى بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ." (۴۳)

پہلے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس میں لوگوں کے لیے بصیرت، ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (حجیت حدیث ص ۲۱-۲۰)

کلمۂ حکمت سے مراد حدیث ھے

قرآن کریم کی متعدد آیات میں کتاب اللہ کے ساتھ کلمۂ حکمت کا استعمال ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بطور نعمت یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے رسول کو کتاب و حکمت سے نوازا اور انہیں ان کی تعلیم دی تاکہ اس کے ذریعہ وہ انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کے ضمن میں یہ دعاء بھی منقول ہے کہ:

”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.“ (البقرہ: ۱۲۹)

اور اسی سورہ میں آگے چل کر یہ فرمایا گیا کہ:

”كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُولاً مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ.“ (۱۵۱)

اور سورۂ آل عمران میں نعمت کے طور پر رسول کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے اس کا بنیادی وظیفہ بتایا گیا اور کہا گیا:

”لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُومِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ.“ (آل عمران: ۱۶۴)

اور سورۂ جمعہ میں ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ.“ (۲)

اور سورۂ بقرہ کی ایک دوسری آیت میں حکمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول پر کتاب وحکمت کی شکل میں جو وحی نازل ہوتی ہے اس کی روشنی میں وہ تمہیں وعظ و تبلیغ فرماتے ہیں گویا کہ الحکمۃ بھی کتاب اللہ کی مانند منزل من اللہ ہے، ارشاد ہے کہ:

”وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔“(البقرہ:۲۳۱)

اور سورۂ نساء میں فرمایا کہ:

”وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً۔“(۱۱۳)

اور سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات کو حکم دیا گیا ہے کہ:

”وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفاً خَبِيْراً۔“(۳۴)

علمائے محققین کا خیال ہے کہ آیات بالا میں الکتاب کے ساتھ جو کلمہ الحکمۃ ذکر کیا گیا ہے وہ کتاب اللہ سے کوئی مختلف چیز ہے اور وہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان و نعمت مسلمانوں کو بتایا ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو کتاب و حکمت دونوں سے نوازا ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے یہ حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ حکمت سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کی تشریح و تبیین ہے جو آپ نے اپنے قول و عمل کے ذریعہ فرمائی ہے، علمائے سلف نے حکمت سے احادیث نبوی ہی مراد لی ہیں اور ان آیات کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو کتاب کے ساتھ حکمت بھی دی جس سے آپ کے منشا و مراد کو سمجھ کر اسے عملی زندگی میں نافذ کرتے ہیں اور صرف کتاب اللہ کے پڑھانے پر اکتفانہ کر کے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسے منطبق کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ احادیث بھی منجانب اللہ ہے اور تشریع میں ان کی حیثیت مستقل ہے۔

قرآن و سنت میں تفریق منافقانہ و کافرانہ روش

اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کے درمیان تفریق کو منافقوں کا شیوہ بتایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

”وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ابَاءَ نَا ط اَوَلَمْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَّلَا يَهْتَدُونَ.“(المائدہ: ۱۰۴)

اس آیت کریمہ میں دعوت الی الرسول کا مطلب آنحضرت ﷺ کی سنت کی جانب دعوت ہے گویا ہر سنت قابل اتباع ہے۔

”اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُونَ اَن يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يَقُولُونَ نُؤمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ لا وَيُرِيْدُونَ اَن يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَاباً مُّهِيْناً وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰئِكَ سَوْفَ يُؤتِيْهِمْ اُجُورَهُمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيْماً۔“ (النساء : ۱۵۲-۱۵۰)

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق قائم رکھیں۔ وہ کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں یہ لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے توہین آمیز عذاب قائم کرر کھا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین رکھتے ہیں وہ ان میں تفریق پسند نہیں کرتے ان کو عنقریب ان کا اجر ملے گا، اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی گجرنوالہ رحمہ اللہ نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”اللہ اور اس کے رسول ذات اور وجود کے لحاظ سے تو الگ الگ ہیں مگر ایمان کے لحاظ سے وہ دونوں ایک ہیں دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں تفریق کفر ہے، رسول پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، آیت میں جن لوگوں پر قطعی کفر کا فتویٰ دیا گیا وہ اسی مقام پر تفریق کرتے ہیں بعض انبیاء پر ایمان لا کر بعض دوسرے انبیائے سے کفر کرتے ہیں یا اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر پیغمبر کا انکار کرتے ہیں۔ (حجیت حدیث ص ۱۷۲)

اور دوسری آیت کریمہ میں اہل نفاق کی روش کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

”وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُولِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوداً.“(النساء:۶۱)

جب انہیں اللہ کے احکام اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ منافقین تم سے بدکتے ہیں۔

سابقہ آیت میں جس تفریق کا ذکر ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے اہل کفر و نفاق بھاگتے ہیں، اہل ایمان کی علامت یہ بتائی گئی کہ وہ وحی کی بعض اقسام کا اقرار اور بعض کا انکار نہیں کرتے وہ وحی پر کلیۃ ایمان لاتے ہیں، ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں کوئی فرق نہیں کرتے۔“ (حجیت حدیث ص ۱۷۳)

رسول کی اطاعت در اصل اللہ کی اطاعت ہے

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”وَمَن يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔“(النساء:۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک اللہ کا مطیع و فرمانبردار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ رسول اللہ کا مطیع نہ ہو۔ اس آیت کریمہ میں واضح اشارہ ہے کہ احادیث رسول پر عمل کئے بغیر چارہ نہیں اس لیے کہ رسول کی اطاعت آپ کے اقوال و افعال کی پوری معرفت اور ان پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ گویا کہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو احادیث و سنن پر عمل کرنے کی کھلی دعوت موجود ہے۔

رسول مطاع ھیں

قرآن کریم میں جناب محمد رسول ﷺ کی ذات کو امت کے لیے اسوہ اور نمونہ قرار دیتے ہوئے آپ کی اطاعت کو فرض اور واجب قرار دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ رسول جس چیز کا حکم دیں اس کو بجالاؤ اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

اطاعت رسول کا حکم قرآن مجید میں متعدد طریقوں سے دیا گیا مثلاً بعض آیتوں میں اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ رسول پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اٰمِنُو بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ." (النساء: ۱۳۶)

"فَاٰمِنُوا بِا للّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُ مِّیِّ الَّذِیْ یُومِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمٰتِہٖ." (الاعراف: ۱۵۸)

"فَاٰمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِی اَنْزَلْنَا ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔" (التغابن: ۹)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کا ایمان معتبر نہیں ہے اور آپ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی باتوں کی تصدیق کی جائے آپ کے فرمودات و ارشادات پر عمل کیا جائے اس لیے کہ دوسری آیتوں میں رسول پر ایمان کا مطلب ان کی اطاعت ہی بتایا گیا ہے مثلاً سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَا نُرسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔" (۴۸)

سورۂ نساء میں ارشاد ہے کہ:

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِن رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِ ذْنِ اللّٰہِ۔" (۶۴)

ان دونوں آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد ان کے مامورات کی اتباع و اطاعت ہے اور جو شخص رسول کی اطاعت نہ کرے گا وہ اللہ کا باغی اور نافرمان ہوگا۔

حدیث کی اہمیت احادیث کی روشنی میں

گذشتہ صفحات میں قرآن کریم کی روشنی میں حدیث کی تشریعی حیثیت ثابت کی جاچکی ہے اور اختصار کے ساتھ واضح کیا جاچکا ہے کہ قرآن کریم نے مختلف طریقوں سے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور آپ کے اقوال و افعال کو آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے انتقال کے بعد بھی نہ صرف دلیل و حجت قرار دیا بلکہ آپ کے کامل اتباع کو ایمان کے لیے لازمی شرط قرار دیا ہے اور آپ کی نافرمانی کو کفر و نفاق سے تعبیر کیا ہے۔ ذیل میں بعض احادیث کی روشنی میں حدث کی حیثیت واضح کی

جاری ہے۔

(۱) عن ابن مسعود قال سمعت رسول الله يقول نضر الله امرءا سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه، فرب مبلغ اوعى من سامع (رواه الترمذی فی کتاب العلم وقال هذا حديث حسن صحيح۔)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا اور اسے دوسروں تک ایسے ہی پہنچادیا جیسا کہ اس نے سنا تھا اس لیے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن تک یہ باتیں پہنچائی ہیں وہ ان باتوں کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں۔

اس حدیث شریف میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کرنے والوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے شاداب و تر و تازہ رہنے کی دعا فرمائی ہے اور اس علم سے اشتغال رکھنے والوں کو اس بلند مقام پر فائز کیا ہے جہاں امت کا کوئی دوسرا طبقہ نہیں پہنچ سکتا۔

(۲) حضرت عرباض بن ساریہ نے اپنی لمبی روایت میں اللہ کے رسول ﷺ کی ایک رقت آمیز اور مؤثر وعظ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی وصیت ذکر کی ہے کہ "اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان كان عبدا حبشيا فانه من يعش بعدى سيرى اختلافاً كثيرا فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ۔"

میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور سمع و طاعت کی نصیحت کرتا ہوں خواہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ میرے بعد جو لوگ زندہ رہیں گے وہ امت میں اختلافات دیکھیں گے ایسے وقت میں میری سنت اور ہدایت یاب خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنا اور انہیں دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا۔

(۳) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ تركت فيكم شيئين لن تضلو بعد هما كتاب الله وسنتى رواه الحاكم۔"

یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ان پر عمل کرنے سے تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی سنت، مذکورہ ارشادات نبوی حجیت احادیث کے اثبات پر واضح طور سے دلالت کرتی ہیں۔

(۴) حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ألا وانى اوتيت القرآن و مثله معه الا يوشك وجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجد تم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم من حرام فحرموه وان ماحرم رسول الله كما حرم الله۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

یعنی خبردار! مجھے قرآن اور اس کے مانند ایک اور چیز دی گئی ہے، خبردار! ہو سکتا ہے کہ کوئی آسودہ شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر یہ کہتا پھرے کہ صرف اس قرآن پر عمل کرو اور اس میں جو حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہے اس کو حرام سمجھو، اللہ کے رسول (ﷺ) کی حرام کردہ چیزیں ایسے ہی ہیں جیسے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں۔

(۵) اسی لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کے متشابہات کو لے

کرتم سے بحث کرے گی ایسے لوگوں کی گرفت حدیثوں سے کرنا اس لیے کہ اصحاب الحدیث ہی اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (جامع بیان العلم لابن عبد البر ج ۲ ص ۲۳)

(۶) حسان بن عطیہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس سنت لے کر نازل ہوتے تھے جیسے کہ آپ کے پاس قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اور آپ کو سنت کی تعلیم ایسے دیتے تھے جیسے قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ (مقدمہ دارمی)

ان مذکورہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کی بنیاد بیک وقت دو مصادر و ماخذ یعنی کتاب و سنت پر ہے اور ظاہر ہے کہ سنت میں بعض ایسے شرعی احکام ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے لیکن ان احکام پر عمل کرنا ایسے ہی ضروری ہے جیسے قرآن سے ثابت شدہ احکام پر ان میں کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی کیونکہ احادیث رسول بھی منجانب اللہ اور منزل من اللہ ہیں۔

حدیث کی اہمیت صحابۂ کرام کی نظر میں

حدیث کی تشریعی حیثیت و اہمیت سمجھنے کے لیے مناسب ہے کہ حدیث کے سلسلے میں صحابہ کرام کا موقف معلوم کر لیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ احادیث کو کیا مقام دیتے تھے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدمت نبوی میں حاضری کے بڑے حریص تھے تاکہ آپ کے ارشادات مبارکہ کو سن کر انہیں یاد کر سکیں اور پھر ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ بعض صحابہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے کاروباری مصروفیات اور روزی روٹی کے انتظام میں مشغول رہنے کی وجہ سے روزانہ حاضر نہ ہو پاتے تو باہم باری بنا لیتے ایک دن ایک صحابی مجلس نبوی میں حاضر رہ کر احکام شریعت کی تعلیم حاصل کرتے اور اپنے غائب ساتھی کو اس سے باخبر کرتے اور دوسرے دن دوسرا ساتھی مجلس نبوی میں حاضر ہوتا اور وہ بھی اکتساب فیض کر کے اپنے غائب ساتھی کو ان احکام سے روشناس کرتا چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اپنے ایک انصاری پڑوسی سے اس قسم کا معاہدہ کئے ہوئے تھے اور باہم ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتے اور استفادہ کرتے تھے۔ (احکام الاحکام فی اصول الاحکام ص ۲۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام احادیث شریفہ کی تشریعی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اس لیے اس کی تعلیم پر پوری توجہ دیتے تھے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ رسول مقبول ﷺ کے زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا ہر لفظ تشریعی اور قانونی حیثیت کا حامل ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام حفظ احادیث کے ساتھ ہی لکھنے کا اہتمام کرتے تھے خصوصاً عبادہ بن صامت، عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ بن عباس، سمرہ بن جندب اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ صحابہ کرام نے حدیث کا معتدبہ حصہ ضبط تحریر کر رکھا تھا۔ (السنة حجيتها و مكانتها فى الاسلام والرد على منكريها لدكتور محمد لقمان السلفى ص ۱۷۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام احادیث کو غیر معمولی درجہ دیتے تھے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام بالصراحت حدیث کو تشریع کے سلسلہ میں مستقل حجت تسلیم کرتے تھے اور اس پر عمل کو ہر حال میں واجب تصور کرتے تھے۔

نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

ا۔ طاؤس بن کیسان ایک مشہور تابعی ہیں انہوں نے عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھی۔ صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباس نے انہیں ٹوکا اور فرمایا کہ اللہ کے بندے دو رکعت نماز نہ پڑھو، حضرت طاؤس نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عصر بعد نماز پڑھنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ احتمال تھا کہ ان کو سنت کا مقام نہ دے دیا جائے اور اب اس کا احتمال نہیں رہا اس لیے اگر استمرار اور مداومت کی نیت کے بغیر دو رکعت نماز عصر بعد پڑھ لی جائے تو میرے خیال میں کوئی حرج نہیں۔ مگر حضرت عبد اللہ بن عباس نے اس کو تسلیم نہ کیا اور طاؤس سے فرمایا کہ عصر بعد نماز پڑھنے کی ممانعت مطلق ہے اس لیے آپ کو اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے احکام میں تبدیلی کا حق نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وَمَا كَانَ لِمُومِنٍ وَلَا مُومِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَمْراً اَن يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔“ (الاحزاب: ۳۶)

یعنی کسی مومن مرد عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۹)

۲: علامہ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں عمران بن حصین کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

”عمران بن حصینؓ! اپنے چند اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے کہا ہمارے سامنے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ بیان کرو، عمران بن حصینؓ نے اس شخص سے کہا ذرا قریب آجاؤ جب وہ ان کے پاس آگیا تو آپ نے اس سے کہا کہ تم مجھے بتاؤ اگر تم کو اور تمہارے ہم خیال لوگوں کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ قرآن میں کس جگہ ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت لکھی ہے اور قرآن میں کہاں ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنی ہے، اسی طرح اگر تم کو اور تمہارے اصحاب کو قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو بتاؤ کہ قرآن میں خانہ کعبہ کے طواف اور صفا و مروہ کے مابین سعی کا سات سات مرتبہ حکم کس جگہ ہے پھر آپ نے فرمایا ای قوم خذو عنا فانكم والله ان لا تفعلوا لتضلن۔“ (ج ۲ ص ۱۹۱)

یعنی لوگو! ہم سے (علم حدیث) حاصل کرو اور اللہ کی قسم اگر تم ایسا نہ کرو گے تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔

۳۔ امام بیہقی نے المدخل الکبیر میں حبیب بن فضالہ المکی سے نقل کرتے ہوئے یہ صراحت فرمائی ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ نے حدیث شفاعت بیان کی تو کسی قبیلہ کے کسی شخص نے کہا اے ابو نجید! آپ ہم سے بہت سی احادیث بیان کرتے ہیں جن کی کوئی اصل ہمیں قرآن میں نظر نہیں آتی یہ سن کر حضرت عمران غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ معترض نے عرض کیا ہاں پڑھا ہے، حضرت عمران نے پوچھا کہ کیا تم قرآن میں عشاء کی نماز چار رکعت اور صبح کی نماز دو رکعت، ظہر کی چار رکعت اور عصر کی چار رکعت پڑھنے کا ثبوت پاتے ہو؟ معترض نے عرض کیا نہیں۔ حضرت عمران نے پوچھا تم لوگوں نے ان کو کہاں سے سیکھا ہے؟ کیا تم لوگوں نے ان کو ہم سے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سیکھا؟ پھر دریافت فرمایا کیا تم قرآن میں ہر چالیس بکری پر ایک بکری زکوۃ دینے کا حکم پاتے ہو؟ نیز اس میں اونٹ اور درہموں کے نصاب

کا ذکر دکھا سکتے ہو؟ معترض نے پھر نفی میں جواب دیا، حضرت عمران کہنے لگے تو کن لوگوں سے اور کہاں سے تم نے ادائیگی زکوۃ کا نصاب اور طریقہ سیکھا؟ کیا تم لوگوں نے ہم سے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ چیزیں نہیں سیکھیں۔ پھر کہنے لگے کہ قرآن میں ہے "وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ." وارد ہوا ہے تو کیا تمہیں قرآن میں سات مرتبہ طواف کا ثبوت ملتا ہے؟ کیا تم قرآن میں **لا جلب ولا جنب ولا شغار فی الاسلام** کے سلسلہ میں کوئی ذکر پاتے ہو؟ کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" پھر حضرت عمران بن حصین نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بہت ساری چیزیں سیکھی ہیں جن کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمران بن حصین کی یہ گفتگو سن کر اس شخص نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا "**احییتنی احیاك الله**" یعنی آپ نے یہ بصیرت افروز بات کہہ کر مجھے حیات نو بخشی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے۔" (**لسان المیزان** ج ۱ ص ۳ ا**لمستدرك للحاکم** ج ۱ ص ۱۰۹ بحوالہ ماہنامہ محدث پاکستان از مقالہ غازی عزیر)

۴۔ علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"**سیاتی قوم یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله۔**" (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۲۳۱)

عنقریب ایک ایسی جماعت نمودار ہوگی جو تم سے قرآنی شبہات لے کر جھگڑا کرے گی تم ان کی گرفت احادیث نبویہ سے کرنا اس لیے کہ احادیث کا علم رکھنے والے ہی کتاب اللہ کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھتے ہیں۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان سنت و حدیث کی تشریعی حیثیت بالکل واضح تھی اور تمام معاملات میں بیک وقت قرآن و سنت ہی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

حدیث کے تئیں تابعین کرام اور ائمہ دین کا موقف

یہ تو ان صحابہ کرام کا حال تھا جو نبی کریم ﷺ کے فیض یافتہ تھے، ان ہی صحابہ کے تربیت یافتہ تابعین اور ان کے اتباع ائمہ مجتہدین نے بھی حدیث کی اسی حیثیت کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت بھی کی ہے اور جہاں بھی سنت سے بے التفاتی کرتے ہوئے کسی کو دیکھا فوراً اس کی گرفت کی چنانچہ مشہور تابعی عبد الرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ کے بارے میں **جامع بیان العلم و فضلہ** میں علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ ایک بار عبد الرحمٰن بن یزید نے ایک شخص کو ایام حج میں دیکھا کہ وہ حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا پہنے ہوئے ہے تو آپ نے اس کو بتایا کہ اس کپڑے کو اتار دو اور سنت کے مطابق بغیر سلا ہوا کپڑا پہن لو۔ اس شخص نے عبد الرحمٰن بن یزید سے کہا کہ قرآن کی کوئی آیت پیش کیجئے جس کے بموجب مجھے کپڑا نکالنا ضروری ہو۔ اس موقع پر عبد الرحمٰن بن یزید نے قرآن کی آیت کریمہ "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" تلاوت کی۔" (ج ۲ ص ۱۸۹) الجامع ابو عمر یوسف بن عبد البر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، س ن

ظاہر ہے حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے کی ممانعت کسی آیت میں نہیں ہے اس کا ذکر صرف احادیث میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تابعین بھی ایسی حدیث کو حجت مانتے تھے جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے مستقل ہیں اور جن کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا ہے۔

اسی طرح ایک بار کسی شخص نے تابعی جلیل مطرف بن عبد اللہ الشخیر سے کہا "لا تحدثونا الا بالقرآن." یعنی ہمیں قرآن کے سوا اور کچھ نہ سنایا کرو تو آپ نے فرمایا وا للہ ما نرید بالقرآن بد لا ولکن نرید من هو اعلم بالقرآن من یرید الرسول۔" (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۱) یعنی اللہ کی قسم ہم قرآن کا بدل نہیں تلاش کرتے بلکہ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے قرآن کے اس مفہوم کا سب سے زیادہ سمجھنے والا کون ہے جو رسول اللہ ﷺ نے سمجھا تھا۔"

امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی کہا کرتے تھے کہ الرجل الی الحدیث احوج منه الی الاکل والشرب وقال الحدیث تفسیر القرآن۔" (الکفایة فی علم الروایة للخطیب ص ۱۶) یعنی آدمی کو کھانے پینے سے زیادہ علم حدیث کی ضرورت ہے اور فرمایا کہ حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔

علامہ شعرانی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ میں سے ایک شخص امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اس وقت آپ حدیث کا درس دے رہے تھے اس شخص نے کہا دعونا من هذه الاحادیث یعنی ان حدیثوں کو چھوڑیئے امام ابو حنیفہؒ نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا: لو لا السنة ما فهم احد منا القرآن یعنی اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم میں کوئی بھی شخص قرآن کو نہ سمجھ پاتا (مقدمه المیزان للشعرانی ص ۶۱)

حدیث کے مبین ہونے کا مطلب

گذشتہ صفحات میں یہ ذکر آچکا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا وظیفہ قرآن کریم کی تبلیغ کے ساتھ اس کی تفسیر و تبیین بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔" (النحل: ۴۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم نازل کرنے کے بعد بتلا دیا کہ نزول قرآن کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے ان آیات کی تبیین و تفسیر بھی کر دیں جو آپ پر نازل کی گئی ہیں۔

اس لیے قرآن میں بے شمار ایسی آیتیں موجود ہیں جن کے مفہوم و مراد تک کسی مجتہد کی رسائی نہیں ہو سکی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ان کے سمجھنے میں سنت سے رہنمائی حاصل نہ کی جائے تو ان پر عمل ناممکن ہو جائے گا اس لیے صحابہ کرام قرآن فہمی کے لیے احادیث کی جانب متوجہ ہوتے تھے۔

ذیل میں چند مثالوں سے اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سنت و حدیث قرآن کی مبین کس طرح ہے اور حدیث کے بیان و شرح کا کیا مفہوم ہے۔

(۱) حدیث کے قرآن کا بیان ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ حدیث قرآن کریم کے نص کے موافق ہو اور اس سے محض قرآن کریم کے نص کی تائید مقصود ہو۔

مثلاً قرآن کریم کی آیت کریمہ "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

سَبِيلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ۔"(الانعام: ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا کہ اللہ کا سیدھا راستہ ایک ہی ہے جو قابل اتباع ہے باقی تمام راستے گمراہی کے ہیں ان پر چلنے سے کوئی شخص صراط مستقیم نہ پا سکے گا۔

اسی مفہوم کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی حدیث میں یوں بیان فرمایا کہ:

عن عبد الله بن عمر قال خط لنا رسول الله ﷺ خطاً ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطاً عن يمينه و شماله وقال هذه سبل على كل سبيل منها شيطان يدعو اليه ثُمَّ قَرَأَ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ۔"(السنۃ للمروزی ص ۵)

دوسری مثال آیت وضو ہے جس میں حکم دیا گیا ہے "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُم وَاَرْجُلَكُم اِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ: ۶)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدث اصغر کے بعد اعضاء وضو دھوئے بغیر نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

اس مفہوم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بیان فرمایا کہ "لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يتوضأ."(بخاری و مسلم)

(۲) حدیث کے مفسر قرآن ہونے کی ایک شکل یہ ہے کہ احادیث نبویہ مجملات قرآن کی توضیح و تفسیر کرتی ہیں مثلاً قرآن میں مسلمانوں کو اوقات کی پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ "اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُومِنِيْنَ كِتٰباً مَوْقُوتاً (النساء: ۱۰۳) یہ حکم مجمل ہے اس لیے کہ نمازوں کی تعداد اور ان کے اوقات کی کوئی تفصیل قرآن میں ذکر نہیں ہے چنانچہ اس مجمل حکم کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے فرمائی اور نمازوں کی تعداد اور ان کے اوقات کی تعیین و تحدید حدیثوں کے ذریعہ ہوئی۔ اسی طرح نماز کا حکم قرآن میں مجمل ہے اور بار بار "اَقِيْمُوا الصَّلٰوة" کے ذریعہ مسلمانوں کو اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے نماز کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے کہ وہ کس پر فرض ہے اس میں فرائض کتنے ہیں، سنتیں کتنی ہیں اس کی ادئیگی کا طریقہ کیا ہے، سفر و حضر کی نمازوں میں کیا فرق ہے، ایک رکعت میں کتنے سجدے اور رکوع ہیں، یہ ساری تفصیلات سنت ہی بتاتی ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی قرآن میں مجمل ہے، کن اموال پر زکوٰۃ واجب ہے، ان کا نصاب کیا ہے، زکوٰۃ کے وجوب کے شرائط کیا؟ یہ ساری تفصیلات سنت ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔

یہی حال روزہ اور حج کا بھی ہے، ان کے احکام قرآن میں مجمل ہیں اور ان کی تمام تر تفصیلات آداب و شروط سنت کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

(۳) حدیث کے بیان قرآن ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ حدیثیں عموم قرآن کی مخصص ہوتی ہیں یعنی قرآن میں کوئی حکم عام ہوتا ہے اور حدیث اس حکم کو خاص کر دیتی ہے۔ البتہ ایک سوال یہ ہے کہ تخصیص قرآن کن احادیث سے جائز ہے تو جہاں تک متواتر حدیثوں کا تعلق ہے، ائمہ اربعہ اور بہت سارے علماء کا مسلک ہے کہ احادیث آحاد بھی قرآن کی مخصص

15722

ہو سکتی ہیں لیکن بعض لوگوں نے مطلقاً اس کا انکار کیا ہے اور بعض نے کچھ شرطوں کے ساتھ احادیث آحاد سے قرآن کی تخصیص جائز قرار دی ہے اور کچھ نے توقف اختیار کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى۔" اور "اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحىٰ اِلَيَّ (الانعام: ۵۰) کی روشنی میں یہ مسلّم ہے کہ احادیث متواترہ کے مانند احادیث آحاد بھی منجانب اللہ ہیں اس لیے اللہ کے ایک حکم سے دوسرے حکم کی تخصیص میں کوئی حرج نہیں اس کے علاوہ صحابہ کا تعامل بھی احادیث آحاد کے مخصص ماننے کا ثبوت ہے مثلاً قرآن نے محرمات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ۔" گویا یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ آیت میں مذکور محرمات کے علاوہ عورتوں سے نکاح جائز ہے اور ایک شخص بیک وقت پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور اس کی بھانجی کو اپنے عقد میں رکھ سکتا ہے، مگر صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث "نهى رسول الله ان تنكح المرأة على عمتها والمرأة على خالتها (متفق علیہ) سے اس آیت کو خاص سمجھا اور کسی نے بیک وقت اپنی زوجیت میں خالہ اور بھانجی یا پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو نہ رکھا۔ واضح رہے کہ یہ حدیث خبر واحد کے درجہ میں ہے۔

اسی طرح اولاد کی وراثت کے سلسلہ میں قرآن کا حکم ہے: "يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي اَوْلَادِكُمْ" یہ حکم عام ہے جو کافر و مسلم اولاد بنی اور غیر بنی سب کو شامل ہے مگر احادیث آحاد سے ان کی تخصیص ہو گئی کہ کافر لڑکا اپنے باپ کا وارث نہ ہو گا اور نہ ہی نبی کے مال میں کسی کو وراثت ملے گی اور نہ مورث کا قاتل ہی وراثت کا حقدار ہو گا یہ تمام تخصیصات احادیث آحاد ہی سے ہوتی ہیں۔

اسی طرح چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کے بارے میں قرآن کا حکم عام ہے اور اس عام حکم کی روشنی میں ہر چھوٹی بڑی چوری پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے مگر حدیث نے اس کی تخصیص کر کے قطع ید کے لیے چوری کی ایک حد مقرر کر دی۔ وغیرہ ذلک۔

(۴) حدیث کے مبین قرآن ہونے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قرآن میں چند اصولی احکام بتا کر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان سے ملتی جلتی جتنی چیزیں اور ہوں گی ان کا بھی یہی حکم ہو گا چنانچہ انہیں اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ان سے ملتے جلتے مسائل کی تفریع حدیثوں سے ہوتی ہے گویا کتاب اللہ میں اصل ذکر کر دیا گیا ہے اور احادیث ان کے فروع کا بیان کرتی ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ماں اور اس کی بیٹی اور دو بہنوں کی بیک وقت کسی ایک شخص کی زوجیت میں رکھنے کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ "اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُم۔" لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس اصول کو سامنے رکھ کر جس کی بنیاد پر ماں بیٹی اور دو بہنوں کا اجتماع ایک شخص کے عقد میں حرام قرار دیا گیا تھا پھوپھی اور اس کی بھتیجی اور خالہ اور اس کی بھانجی کا اجتماع بھی ایک شخص کی زوجیت میں حرام قرار دے دیا اس لیے کہ قطع رحم کے جس اندیشہ کی بنیاد پر قرآن نے ماں اور بیٹی اور دو بہنوں کا اجتماع حرام قرار دیا تھا وہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی میں بھی موجود ہے۔

(۵) حدیث کے مفسر قرآن ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں ایسے متعدد جزئیات مذکور ہوں جنہیں کسی ایک قاعدہ کلیہ کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے چنانچہ حدیث ایک اصول اور قاعدہ متعین کر دیتی ہے جس کے تحت

قرآن کے وہ سارے جزئیات آجاتے ہیں اور جان لیا جاتا ہے کہ قرآن میں ذکر کئے گئے متفرق جزئیات حدیث کے اسی کلیہ سے ماخوذ ہیں۔

مثلاً حدیث نبوی "لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام." (رواہ الموطا والحاکم وابن ماجة والبیهقی) ایک اصول اور قاعدہ کلیہ ہے جس کے تحت قرآن کے مندرجہ ذیل جزئیات آتے ہیں:

"وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَاراً لِّتَعْتَدُوا." (البقرہ: ۲۳۱)

"وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ." (الطلاق: ۳)

"لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا." (البقرہ: ۲۳۳)

ان کے علاوہ غصب، ظلم، کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ اور دیگر تمام امور "لا ضرر ولا ضرار." میں آجاتے ہیں۔

اسی طرح حدیث "انما الاعمال با لنیات." ایک اصل کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ تمام آیات جو اخلاص پر ابھارنے اور ریاء کی مذمت میں آئی ہیں وہ سب اس کلیہ کے تحت آجاتی ہیں۔

(٦) احادیث نبویہ کے مفسر ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرآن کریم سے دو ایسے حکم ثابت ہوتے ہیں جو باہم ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں پھر وہاں کچھ ایسے امور بھی پائے جاتے ہیں جو ان دونوں متقابل احکام سے اس قدر متشابہ ہوتے ہیں کہ ان دونوں سے ان امور کا الحاق ممکن ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر احادیث اس مشکل کو رفع کر دیتی ہے اور وہ متقابل احکام میں سے کسی ایک کے ساتھ اس معاملہ کو جوڑ دیتی ہے مثلاً قرآنی نص کے مطابق اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال کیا اور خبائث کو حرام، جن امور کا طیب ہونا خبیث ہونا معلوم ہو گیا تو ان پر حکم لگانے میں کوئی دشواری نہیں مگر بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا شمار طیبات میں بھی ہو سکتا ہے اور خبائث میں بھی، تو یہاں اس کی حلت یا حرمت کا حکم لگانا مشکل ہو جاتا ہے ایسے مواقع پر سنت ہماری مدد کرتی ہے جیسے اس سلسلہ میں آپ کا فرمان ہے "نهی عن کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطیر و نهی عن اکل لحوم الحمر الأ هلیة۔" تو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ درندوں اور جنگلی پرندوں اور پالتو گدھوں کا شمار خبائث میں ہو گا اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ ضب اور ارنب کا شمار طیبات میں ہو گا۔

خاتمہ بحث

حدیث کی تشریعی حیثیت قرآن، سنت، آثار صحابہ اور اجماع امت سے ثابت اور چودہ صدیوں سے اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہونے کے لحاظ سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ پھر بھی اس کی مظلومیت کا یہ حال ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے لے کر پندرھویں صدی ہجری کے آغاز تک حدیث داخلی اور خارجی ریشہ دوانیوں کا شکاری رہی ہے چنانچہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں سبائی فتنہ کے وجود میں آنے سے جب جھوٹی حدیثیں رواج پا گئیں تو بعض صحابہ کرام اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ احتیاطاً روایت کرنے سے احتراز کرنے لگے اور اس کے نتیجہ میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جس نے حدیثوں کو ناقابل اعتناء تصور کیا یہاں تک کہ حضرت عمران بن حصینؓ سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے سامنے صرف قرآن بیان کیجئے اس پر حضرت عمران نے

زبردست نکیر کی اور حدیث کی حجیت کو اس کے سامنے دلائل سے ثابت کیا۔ پھر دوسری صدی ہجری میں خوارج نے اہل بیت کے فضائل سے متعلق اور شیعوں نے صحابہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کا انکار کیا، معتزلہ اور جہمیہ جیسے گمراہ فرقوں نے ان احادیث کو رد کر دیا جن سے صفات الٰہی کا اثبات ہوتا تھا اور پھر قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے متبعین اور بعض متأخرین فقہاء نے ان روایتوں کو قابل اعتناء نہ سمجھا جو ان کے بقول غیر فقیہ صحابہ سے مروی تھیں پھر پانچویں صدی ہجری میں معتزلہ و متکلمین کے ساتھ بعض متأخرین فقہا کی ایک جماعت نے اصول و فروع دونوں میں خبر آحاد کا انکار کیا اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ چودھویں صدی ہجری میں مولوی چراغ علی اور سر سید احمد خاں جیسے لوگ جو مغربی تہذیب سے مرعوب اور احادیث کے فنون سے قطعی ناواقف تھے مجموعہ احادیث کو تاریخ کا ذخیرہ قرار دیا اور نیچر کو معیار بنا کر سینکڑوں صحیح حدیثوں کی قلم زد کر دیا۔ اس کے بعد مولوی عبد اللہ چکڑالوی اور ان کے چیلے غلام احمد پرویز، مولوی احمد دین اور مولانا اسلم جیراجپوری وغیرہ نے بالکلیہ حدیثوں کا انکار دیا اس کے بعد علماء کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے احادیث کا صراحتاً انکار نہ کیا لیکن ان کے انداز تحریر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار کا پہلو ظاہر ہوا اور ان کے طرز گفتگو سے انکار حدیث کے چور دروازے کھل گئے۔ اس جماعت کے سر خیل لوگوں میں بر صغیر کے علماء مولانا شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی اور عرب دنیا کے محمد عبدہٗ، قاسم امین، محمود ابوریہ، احمد امین، حسین ہیکل، محمد الغزالی، محمد الخضری، حسن ترابی، محمد زاہد کوثری، عبد الفتاح ابو غدہ اور سعید رمضان البوطی وغیرہ ممتاز ہیں، ان حضرات نے درایت، ظن، فقہ راوی اور خبر آحاد وغیرہ کا سہارا لے کر بعض ثابت شدہ حدیثوں میں تشکیک کی کوششیں کی ہیں، اللہ ان کے تسامحات کو درگزر فرمائے۔ (آمین)

خلاصہ کلام یہ کہ چودہ سو سالوں سے احادیث نبویہ داخلی اور خارجی فتنوں کا شکار ہے اور اس کے مقام کو گھٹانے کی ناروا کوشش تسلسل کے ساتھ جاری ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ دور صحابہ سے لے کر آج تک امت کا ایک طبقہ اس کے دفاع کے لیے سینہ سپر رہا اور احادیث شریفہ کے زلف وکاکل سنوارنے کو اس نے اپنا نصب العین قرار دیا اور جب بھی سنت کا صاف و شفاف چہرہ اہل ہوا وہوس کی ریشہ دوانیوں سے داغدار ہوا تو اس جماعت نے حدیث کے رخ زیبا سے گرد وغبار جھاڑنے کی قابل قدر کوشش کی اور امت کو اس حقیقت سے برابر آگاہ کرتی رہی کہ ثابت شدہ احادیث و سنن چونکہ وحی، ذکر اور حکمت ہونے کے لحاظ سے منزل من اللہ ہیں اس لیے وہ شریعت کا دوسرا بنیادی سرچشمہ ہیں جنہیں نظر انداز کر کے کوئی شخص اپنے ایمان کو نہیں بچا سکتا، لہٰذا اس کو حرز جان بناؤ اور قرآن کے ساتھ حامل قرآن کے اقوال و افعال کو تشریع میں حجت مانو، کیونکہ قرآن نے نبی کی ذات گرامی کو اسوہ اور نمونہ قرار دے کر آپ کی کامل اتباع کا بار بار تاکیدی حکم دیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ زندگی کے تمام گوشوں میں صحیح رہنمائی کے لیے قدم قدم پر حدیث کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی کی شاہراہ پر ایک انچ بھی چلنا دشوار ہے اور اگر خدانخواستہ کسی نے جادۂ حدیث چھوڑ کر اہل ہوا وہوس کی روش اختیار کی تو گمراہی اس کا مقدر ہوگی۔

اللہ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی
جامعہ سلفیہ، بنارس

تدوین حدیث
تاریخ، مراحل اور امتیازات

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين وبعد :

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحمن "انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون" ﴿الحجر : ٩﴾

وقال رسول الله ﷺ : "يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين، وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين." (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ١٧/٢)

امت اسلامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے آخری دینِ سماوی اسلام کے بنیادی مصادر دو ہیں: ایک کتابِ الٰہی، اور دوسرا کتابِ الٰہی کی تبیین حدیث رسول ﷺ (خواہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری)۔ محققین علمائے سلف کے نزدیک حدیثِ رسول ﷺ کو تشریع (قانون سازی) میں وہی درجہ حاصل ہے جو خود کتابِ الٰہی کو حاصل ہے اس لیے کہ حدیث کلامِ الٰہی کی تبیین ہے۔ ارشاد باری ہے: **"وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ﴿النحل : ٤٤﴾** اور اس لیے کہ خود منزلِ قرآن کا فرمان ہے **"أطيعوا الله وأطيعوا الرسول" ﴿النساء : ٥٩﴾** اور اس لیے کہ مبینِ قرآن کا فرمان ہے: **"ألا انى أوتيت القرآن ومثله معه" (سنن أبي داؤد كتاب السنة باب ٦، وصحه الالباني رقم ٣٨٤٨)** اس فرمانِ نبوی کا مستفاد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تشریع میں دونوں ہم مثل ہیں **"لانهما خرجا من مصدر واحد ولان النبي ﷺ "وَماينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى"** اور اس سے واضح یہ فرمانِ نبوی ہے: **"ألا وان ما حرم رسول الله مثلُ ما حرم الله. (سنن ابن ماجه، المقدمه باب ٢، وصححه الالباني، برقم ١٢)**

حدیث چوں کہ قرآن کا بیان ہے اس لیے اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ متن کی حفاظت کے ساتھ ساتھ بیان کی بھی حفاظت ضرور ہو ورنہ بیان کی حفاظت کے بغیر متن کی حفاظت قانون حیات کے اعتبار سے بے معنی ہے، تلاوت سے اجروثواب چاہے جتنا حاصل ہو جائے۔ بنابریں محققین علمائے تفسیر واصول کے نزدیک ارشادِ الٰہی **"انا نحن نزلنا الذكر وانا له**

لحافظون" کے اندر ذکر میں قرآن اور حدیث دونوں شامل ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں "الحدیث حجة بنفسه" للألبانی کا مقدمہ از عید عباسی)

اللہ کی طرف سے حدیث کی حفاظت کا واضح اشارہ سورۃ القیامۃ کی اس آیت کے اندر بھی ملتا ہے "لاتحرك به لسانك لتعجل به، ان علینا جمعه وقرآنه، فاذا قرأناه فاتبع قرآنه، ثم ان علینا بیانه." ﴿۱۶-۱۹﴾

قرآن و سنت کی روشنی میں سنت کی ضرورت اور حفاظت واضح ہو جانے کے بعد اب ہم اس حفاظت کے طریقے، تاریخ، مراحل اور امتیازات پر حتی الوسع روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، وما توفیقی الا باللہ.

اصل موضوع کی تفصیل میں جانے سے پہلے تدوین حدیث کے سلسلے میں وارد ایک اعتراض کا دفعیہ ضروری ہے جو منکرین حدیث کی جانب سے اٹھایا جاتا ہے، وہ یہ کہ: نبی کریم ﷺ نے خود ہی حدیث کی کتابت سے منع فرمادیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "لاتکتبوا عنی، من کتب عنی غیر القرآن فلیمحه." (صحیح مسلم کتاب الزهد باب ۱۸)

نیز اجلہ صحابۂ کرام جیسے حضرت ابو بکر، عمر، ابن مسعود، ابن عباس اور ابو موسی اشعری وغیرہم رضی اللہ عنہم کے متعلق صحیح روایات میں مذکور ہے کہ یہ حضرات کتابتِ حدیث سے منع کیا کرتے تھے۔ (تذکرة الحفاظ، جامع بیان العلم، تقیید العلم)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث کی تدوین صاحبِ حدیث ﷺ اور اولین اکابرِ امت کی مرضی نہیں تھی۔ تو پھر تدوینِ حدیث نہ تو عہدِ نبوی میں کی گئی ہوگی اور نہ عہدِ صحابہ میں، اور نہ ان دونوں قرونِ مشہود لہا بالخیر کی موافقت میں عہدِ تابعین میں، تو پھر اتنے ڈھیر سارے دواوینِ حدیث کہاں سے وجود پذیر ہو گئے؟ اگر ہو ہی گئے تو بعد کے ادوار کی پیداوار ہوں گے جن میں نسیان وخطا کا یقینی امکان ہے۔

اس بظاہر وقیع اعتراض کے جواب میں متقدمین ومتاخرین قائلینِ حجیتِ حدیث نے جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت ابو سعید خدری کی روایت تو منسوخ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو اپنی ہر طرح کی باتیں لکھنے کی اجازت دی تھی۔ (ان کا واقعہ بہت ہی مشہور ہے) بات دراصل یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں جو کتابتِ حدیث سے ممانعت کی بات مذکور ہے وہ ابتداء میں تھی جب قرآن کے ساتھ حدیث کے مختلط ہو جانے کا خطرہ تھا اور جب قرآن پوری طرح مدون وممتاز ہو گیا تب اجازت دے دی گئی۔ نیز منعِ کتابت کی ایک تاویل یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں کو ایک ہی صحیفہ میں ساتھ ساتھ لکھنے سے منع کیا گیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں آنے والی نسلیں دونوں کو قرآن سمجھ لیں، یا جاہل آدمی دونوں میں تمیز نہ کر سکے، ہاں دونوں کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز طور پر لکھنے کی اجازت تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے واقعے سے پتہ چلتا ہے، نیز آپ ﷺ کے شاہانِ عالم کے نام خط وکتابت، والیانِ ریاست کے نام آپ اور آپ کے خلفائے راشدین کے فرامین، حضرت علیؓ کا صحیفہ تحریر کرنا (بابت فدیہ ودیت) نیز حضرت ابو ہریرہ کے پاس ڈھیر ساری کتابوں کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے، تقریباً ۵۲ صحابۂ کرام اور ۲۵۲ تابعین عظام کی بابت تاریخ علم حدیث میں

مذکور ہے کہ یا تو ان کے پاس نوشتۂ حدیث موجود تھا یا ان کے تلامذہ نے ان سے حدیثیں لکھیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے کیمبرج یونیورسٹی میں پی، ایچ، ڈی، کے لیے پیش کردہ مقالہ "اسٹڈی اِن اَرلی حدیث لٹریچر" از ڈاکٹر محمد مصطفیٰ مئوی، مقیم حال ریاض)

مذکورہ بالا نصوص وواقعات کے علاوہ بھی کچھ احادیث و آثار قطعیت کے ساتھ مروی ہیں جو کتابتِ حدیث کی اجازت اور واقعہ پر مبنی ہیں جن کی تفصیل مذکورہ کتاب نیز السنة قبل التدوين (از ڈاکٹر محمد عجاج خطیب پروفیسر دمشق یونیورسٹی) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حجت بننے کے لیے تحریر کی شرط کہاں سے ضروری ہوگئی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ شرط بتائی ہے؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ اپنے دعاۃ اور مبلغین کو اپنی تحریر کے ساتھ ہی کہیں بھیجا کرتے تھے؟ قرآن ہی کی تحریر اگر غیر ثقہ لوگوں کے بدست کسی کے پاس پہنچتی تو کیا وہ اس کے لے حجت ہوتی؟ اصل حجت ناقل (راوی) کی ثقاہت (یعنی عدالت اور قوی قوتِ حافظہ) ہے، منقول تحریر ہو یا تقریر۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ قرآن کے بعض ناقلین علمائے حدیث کے میزان جرح وتعدیل میں صحیح حدیث کے ناقلین سے کم تر درجہ کے ہیں جیسے قرآن کے ایک مشہور ناقل حضرت عاصم علمائے حدیث کے نزدیک "صدوق يهم" یعنی مراتب تعدیل کے پانچویں درجہ کے ہیں جن کی احادیث بدون متابعت درجۂ حسن سے بھی کم تر ہوتی ہیں، پھر بھی ان کی روایت (قرأت) سات معتبر روایات میں سے ہے۔

اور ہم جو حدیث کو حجت مانتے ہیں تو کم سے کم درجۂ حسن تک پہنچی ہوئی حدیث ہی کو حجت مانتے ہیں۔ (یہ ایک طویل بحث ہے اس سے ہم یہاں اصل موضوع کی وجہ سے قطع نظر کرتے ہیں)

ہاں جب یہ ثابت ہوگیا کہ حدیث کی تدوین عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں قطعیت سے ثابت ہے تو اب آیئے ہم یہ دیکھیں کہ یہ تدوین مرحلہ بمرحلہ کیسے انجام پذیر ہوئی؟

پہلا مرحلہ

حدیث کی سب سے اولین تدوین حضرات صحابۂ کرام کے صحائف کو قرار دیا جاسکتا ہے، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا صحیفہ جو "صحیفۂ صادقہ" کے نام سے مشہور ہے جس کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ (آف پیرس یونیورسٹی) نے تحقیق کرکے شائع کیا ہے، اس کے اندر (۴۳۶) احادیث ہیں جو مسند الامام احمد اور سنن اربعہ کے اندر پھیلی ہوئی ہیں، اس کا زیادہ تر حصہ مسند امام احمد کے اندر آیا ہوا ہے، اس مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی مسند جلد دوم کے صفحہ ۱۵۸ سے صفحہ ۲۲۶ تک ممتد ہے، اور یکجا طور پر یہ صحیفہ حضرت امام احمد بن اسماعیل کی کتاب "السر دوالفرد" کے اندر ایک سند سے مروی ہے۔

اس صحیفہ کی خاص اہمیت اس حیثیت سے ہے کہ یہ تمام صحابۂ کرام کے صحائف کے مقابلے میں زیادہ احادیث پر مشتمل ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو نبی کریم ﷺ نے اپنی ہر بات لکھنے کی کھلی اجازت دے دی تھی۔

دوسرا صحیفہ حضرت ابوہریرہؓ کا ہے جو حضرت ہمام بن منبہ کی روایت کے سبب "صحیفہ ہمام بن منبہ" کے نام سے مشہور ہے، اس کو بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ موصوف نے ایڈٹ کرکے شائع کیا ہے، یہ صحیفہ بھی مسند امام احمد بن حنبل کے اندر شامل

ہے،اس سے صحیفہ سے لی گئی روایت اس طرح شروع ہوتی ہے"هذا ما أخبرنا به أبو هريرة" (دیکھئے مسند احمد جلد دوم)

دیگر صحابہ کرام کے صحائف کا تذکرہ بھی علوم حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے جیسے صحیفۂ جابر بن عبداللہ، صحیفۂ انس بن مالک، یہ دونوں بھی حضرت امام احمد بن اسماعیل کی کتاب "السرد والفرد" میں ایک سند سے مروی ہیں، نیز اوپر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی مئوی کی کتاب کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ ۵۲؍ کے قریب صحابۂ کرام ایسے تھے جن کے پاس یا تو اپنا نوشتۂ حدیث موجود تھا، یا ان سے ان کے تلامذہ (تابعین) نے حدیثیں نوٹ کی تھیں۔

دوسرا مرحلہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں تدوین کا معاملہ محدود ہی رہا کتابت کا عام رواج ہو جانے کے سبب تابعین کی اکثریت نے اپنے اساتذہ صحابہ کرام سے حدیث کی سماعت کے ساتھ ساتھ عام طور پر لکھنا شروع کر دیا تھا حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس تو اتنی کتابیں ہو گئی تھیں کہ ہمیں ان کی نگہداشت کا خاص انتظام کرنا پڑتا ، حضرت عامر الشعبی فرماتے ہیں کہ:

"میں نے کاغذ پر جو بھی لکھا یاد ہو گیا اور جب ضرورت پڑی ہو بہو دہرا دیا"

کبار و صغار تابعین میں سے متعدد حضرات کا یہی حال تھا، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے ۲۵۲ تابعین کے پاس حدیث کے مجامیع موجود ہونے یا ان سے لکھنے والے تلامذہ کا تذکرہ مستند حوالوں کے ساتھ کیا ہے۔

لیکن یہ سب کے سب شخصی کوششیں تھیں، باضابطہ سرکاری پیمانے پر تدوین کا کام کچھ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان کے فرمان سے مدینہ طیبہ کے کچھ افراد نے انجام دیا، جب موصوف مصر کے گورنر تھے تو مدینہ طیبہ کے بعض حضرات کے پاس اس سلسلے میں آپ نے خطوط لکھے تھے، اور خود جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو حضرت امام زہری اور ابوبکر بن حزم کے نام فرمان جاری کیا: "انظروا حديث رسول الله فاكتبوه فاني خفت دروس العلم وذهابه. (فتح الباری ۱/ ۲۰٤. مقدمه سنن الدارمی ۱/۱۲٦)

آں موصوف نے علمائے مدینہ میں سے چند خاص حضرات کا نام بھی لکھا تھا کہ ان سے خاص طور سے حدیثیں نوٹ کی جائیں جیسے: عمرۃ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد بن ابی بکر وغیرہم۔ (مصدر سابق)

نیز آپ نے دیگر شہروں کے والیوں کے نام بھی اسی طرح کا فرمان جاری کیا تھا۔ (السنة قبل التدوين بحواله المحدث الفاصل)

تیسرا مرحلہ

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک تدوین کا انداز کچھ شخصی کچھ حکومتی مگر متفرق اوراق و صحائف میں کیف ما اتفق شکل میں رہا، دوسری صدی کے اوائل میں اکثر ائمہ حدیث کے پاس زیادہ مقدار میں احادیث مدون ہو گئی تھیں، ان حضرات نے ایک طرح سے تالیفی انداز اختیار کر لیا تھا، اس بابت مطلق طور سے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سب سے اول کس نے تالیفی انداز اختیار کیا، ہاں مختلف اسلامی علمی مراکز کے اعتبار سے مندرجہ ذیل حضرات کے نام لیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت عامر شعبی	(متوفی ۱۰۳ھ)	شام میں
۲۔ حضرت عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج	(متوفی ۱۵۰ھ)	مکہ میں
۳۔ حضرت ابن اسحٰق	(متوفی ۱۵۱ھ)	مدینہ میں
۴۔ حضرت معمر بن راشد	(متوفی ۱۵۶ھ)	یمن میں
۵۔ حضرت سعید بن ابی عروبہ	(متوفی ۱۵۶ھ)	بصرہ میں
۶۔ حضرت امام اوزاعی	(متوفی ۱۵۷ھ)	شام میں
۷۔ حضرت ربیع بن صبیح	(متوفی ۱۶۰ھ)	بصرہ میں
۸۔ حضرت سفیان ثوری	(متوفی ۱۶۱ھ)	کوفہ میں
۹۔ حضرت امام مالک	(متوفی ۱۷۹ھ)	مدینہ میں
۱۰۔ حضرت امام عبداللہ بن المبارک	(متوفی ۱۸۱ھ)	خراسان میں
۱۱۔ حضرت ہشیم بن بشیر	(متوفی ۱۸۳ھ)	واسط میں
۱۲۔ حضرت جریر بن عبدالحمید	(متوفی ۱۸۸ھ)	ری میں
۱۳۔ حضرت عبداللہ بن وہب	(متوفی ۱۹۷ھ)	مصر میں

مذکورہ بالا حضرات کی تاریخ وفات کے مطابق حضرت امام شعبی ان سب میں اول مؤلف مانے جاسکتے ہیں، آپ کی تالیف کا ایک عنوان بھی یوں مذکور ہے "**هذا باب من الطلاق جسيم**". (**تدوين الراوی/ السنة قبل التدوين**)

ان تمام حضرات کا انداز یہ تھا کہ پہلے ایک موضوع سے متعلق جملہ احادیث ایک جگہ اکٹھا کر لیتے تھے، پھر ان کو ابواب فقہیہ پر ترتیب دیتے تھے جو تیسری صدی کے بیشتر مؤلفین کا انداز ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ دوسری صدی کے مذکورہ مولفین یا ان کے علاوہ دیگر مولفین ہر باب میں احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام نیز دیگر علمائے معاصرین کے اقوال و فتاوی بھی لکھتے جاتے تھے، اس کا سب سے بہتر نمونہ امام مالک کی موطا ہے جو اس دور کی تالیفات میں باقی رہ جانے والی اہم تالیف ہے۔ موطا کے علاوہ اس طرز کی چند اور کتب بھی تالیف ہوئی تھیں جو دست برد زمانہ کے سبب ہم تک نہیں پہنچ سکیں، جیسے جامع معمر بن راشد، جامع سفیان الثوری، جامع عبداللہ بن وہب۔ البتہ تیسری صدی میں اس طرز پر تالیف کردہ دو کتابیں متداول ہیں: مصنف عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) اور مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)۔

چوتھا مرحلہ

دوسری صدی کے اختتام تک لگ بھگ یہی انداز چلا، تیسری صدی کے اوائل میں مختلف علمائے حدیث کے ذہنوں میں احادیثِ رسول ﷺ کو اقوالِ صحابہ سے بالکل الگ اور ممتاز کر کے جمع و تالیف کا خیال آیا اس سلسلے میں سب سے پہلے جو انداز سامنے آیا وہ مسانید کا ہے یعنی ہر صحابی کی مرویات ایک جگہ جمع کر دی گئیں، چنانچہ مندرجہ ذیل مسانید معرض وجود میں آئیں:

١. **مسند الطيالسي : لأبي داؤد سليمان بن الجارود الطيالسي** (م ٢٠٤هـ)

٢. مسند اسد بن موسى، الأموى (م ٢١٢هـ)

٣. مسند العبسى : لعبيد الله بن موسى العبسى (م ٢١٣هـ)

٤. مسند الحميدى : لعبدالله بن الزبير الحميدى (م ٢١٩هـ)

٥. مسند مسدد بن مسرهد البصرى (م ٢٢٨هـ)

٦. مسند نعيم بن حماد الخزاعى المصرى (م ٢٢٨هـ)

٧. مسند ابى بكر بن ابى شيبه صاحب المصنف (م ٢٣٥هـ)

٨. مسند اسحق بن راهويه الخراسانى (م ٢٣٨هـ)

٩. مسند الامام أحمد بن حنبل البغدادى (م ٢٤١هـ)

١٠. مسند العدنى : محمد بن يحى بن عمر والعدنى (م ٢٤٣هـ)

١١. مسند عبدبن حميد الكشى (م ٢٤٩هـ)

مسانید کے طرز پر جمع و تالیف کا کام اس صدی کے اواخر تک پھیلا ہوا ہے، اس درمیان مسند بقی بن مخلد الأندلسی (المتوفی ٢٧٦هـ)، مسند البزار (المتوفی ٢٩٢هـ) اورمسند ابی یعلی الموصلی (المتوفی ٣٠٧هـ) جیسی عظیم ترین دواوینِ حدیث کی تالیف ہوئی۔

لیکن مسانید میں چونکہ صحتِ احادیث کا التزام نہیں کیا جارہا تھا، نیز عام لوگوں کے لیے اس بحرِ ناپیدا کنار سے استفادہ ناممکن تھا اس لیے اس پیریڈ میں دو طرح کے خیالات بعض علمائے حدیث کے دلوں میں پیدا ہوئے۔ ایک یہ کہ: اس عظیم ترین حدیثی ذخیرہ میں سے صحیح احادیث کو الگ کرلیا جائے کہ وہی ہمارے لیے دلیلِ راہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ: ان منتشر احادیث کو ابوابِ فقہیہ پر مرتب کردیا جائے تاکہ عوام کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو جائے۔

اس سلسلے میں امیرالمؤمنین فی الحدیث امام بخاری، پھر ان کے شاگرد امام مسلم۔ رحمھمااللہ۔ کی جوامع عالم وجود میں آئیں جن کی صحت پر امت کا اجماع ہے اور جن کو تلقی بالقبول حاصل ہوا، اور جن کی مرویات کے ثبوت کی قطعیت کا انکار کرنے والا باجماعِ امت بدعتی ٹھہرا، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ارشادِ باری "ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى" (النساء : ١١٥) کا مصداق ٹھہرے گا۔ اجماعِ امت اور تلقی بالقبول کا یہی مستفاد ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں کتابیں "جامع" کہی جاتی ہیں، "جامع" احادیث کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کے اندر آٹھ ابواب کی احادیث کو جمع کیا جاتا ہے، جیسے: عقائد، احکام، زہد ورقاق، آداب، تفسیر، تاریخ وسیر، فتن اور مناقب ومثالب۔

صرف فقہی ابواب پر ترتیب کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب تالیف پذیر ہوئیں :

١. سنن الدارمی: عبدالله بن عبدالرحمن الدارمی (م ٢٥٥هـ)

٢. سنن ابن ماجه : محمد بن يزيد ابن ماجه (م ٢٧٣هـ)

٣. سنن أبى داؤد : سليمان بن أشعث السجستانى (م ٢٧٥هـ)

٤. سنن الترمذی : محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ)

٥. سنن النسائی : النسائی احمد بن شعیب (م ۳۰۱ھ)

مؤخر الذکر چاروں کتابیں امت کے درمیان "سنن اربعہ" کے نام سے موسوم ہوئیں اور ان کو صحیحین کے بعد دیگر بہت سی کتابوں کے بالمقابل زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔ ان کے اور صحیحین کے مجموعے کو "کتبِ ستہ" کا مشہور نام حاصل ہوا، یہاں تک کہ بہت سے لوگ "صحاحِ ستہ" کہنے لگے، للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے یہ اصطلاح درست تو ہے مگر احتیاط کا تقاضہ ہے کہ انہیں صرف "کتبِ ستہ" ہی کہا جائے کیونکہ صحیحین کے سوا دیگر چاروں کے اندر کچھ ضعیف احادیث آ گئی ہیں۔

تیسری صدی کے اندر مذکورہ مسانید، جوامع اور سنن کے علاوہ مختلف حدیثی موضوعات پر مندرجۂ ذیل کتب بھی منصۂ شہود پر آئیں:

تفسیر

١. تفسیر عبدالرزاق بن همام الیمنی (م ۲۱۱ھ)

٢. تفسیر عبدبن حمید الکشی (م ۲٤۹ھ)

٣. تفسیر ابن ماجه صاحب السنن (م ۲۷۳ھ)

٤. تفسیر النسائی صاحب السنن (م ۳۰۱ھ)

عقائد

١. کتاب الایمان: ابوعبیدالقاسم بن سلام الهروی (م ۲۲٤ھ)

٢. کتاب الایمان : ابوبکر بن ابی شیبة صاحب المصنف (م ۲۳٥ھ)

٣. کتاب الایمان : الامام احمد بن حنبل (م ۲٤۱ھ)

٤. خلق افعال العباد : الامام البخاری (م ۲٥٦ھ)

٥. کتاب السنة : ابن ابی عاصم (م ۲۸۷ھ)

٦. کتاب السنة : عبدالله بن الامام احمد (م ۲۹۰ھ)

٧. کتاب السنة : الامام محمد بن نصر المروزی (م ۲۹٤ھ)

کسی ایک خاص موضوع پر

١. کتاب الأموال : ابوعبید القاسم بن سلام الهروی (م ۲۲٤ھ)

٢. کتاب العلم : أبو خیثمة زهیر بن حرب (م ۲۳٤ھ)

٣. کتاب الأدب : ابوبکر بن ابی شیبة (م ۲۳٥ھ)

٤. کتاب الزهد : الامام احمد بن حنبل (م ۲٤۱ھ)

٥. كتاب الزهد : هناد بن السرى (م ٢٤٣هـ)

٦. كتاب الأموال : ابن زنجويه (م ٢٥١هـ)

٧. كتاب الأدب المفرد : الامام البخارى (م ٢٥٦هـ)

٨. جزء رفع اليدين : الامام البخارى (م ٢٥٦هـ)

٩. جزء القراءة خلف الامام : الامام البخارى (م ٢٥٦هـ)

١٠. كتاب الزهد : الامام ابوداؤد صاحب السنن (م ٢٧٥هـ)

١١. كتاب الشكر : ابن ابى الدنيا (م ٢٨١هـ)

١٢. كتاب النية : ابن ابى الدنيا (م ٢٨١هـ)

١٣. كتاب صفات المنافقين و ذم النفاق : ابن ابى الدنيا (م ٢٨١هـ)

١٤. كتاب قيام الليل : الامام محمد بن نصر المروزى (م ٢٩٤هـ)

١٥. كتاب تعظيم قدر الصلاة : الامام محمد بن نصر المروزى. (م ٢٩٤هـ)

١٦. كتاب فضائل القرآن : لابن ضريس محمد بن ايوب (م ٢٩٤هـ)

١٧. كتاب فضائل القرآن : للفريابى (م ٣٠١هـ)

١٨. كتاب العيدين : للفريابى (م ٣٠١هـ)

١٩. كتاب عمل اليوم والليلة : للنسائى (م ٣٠١هـ)

٢٠. كتاب فضائل القرآن : للنسائى (م ٣٠١هـ)

یہ فہرست اس صدی کی مؤلفات کی ایک سرسری فہرست ہے، ان کے علاوہ جوامع، سنن اور خاص خاص موضوعات پر دیگر مؤلفین کی بھی کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے جن کے تفصیلی تذکرہ کے لیے سیمینار کا یہ مقالہ کافی نہیں۔

چوتھی صدی ھجری

تدوینِ حدیث کے اعتبار سے تیسری صدی عہدِ زرین سے تعبیر کی جاسکتی ہے، بلکہ تیسری صدی کو عہد الروایۃ کے خاتمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، گرچہ روایۃً جمع و تالیف کا کام پانچویں صدی تک پھیلا ہوا ملتا ہے، چوتھی صدی ہجری میں مختلف موضوعات پر حدیث کی مندرجہ ذیل کتب تالیف ہوئیں:

١. مسند أبى يعلى : احمد بن على الموصلى (م ٣٠٧هـ)

٢. تهذيب الآثار وتفسير القرآن : ابوجعفر بن جرير الطبرى (م ٣١١هـ)

٣. تفسير ابن المنذر : محمد بن ابراهيم بن المنذر (م ٣١٨هـ)

٤. شرح معانى الآثار وشرح مشكل الآثار : الامام الطحاوى (م ٣٢١هـ)

٥. تفسير ابن ابى حاتم الرازى (م ٣٢٧هـ)

٦. معجم الطبرانی الثلاثة: ابوالقاسم سلیمان بن احمد (م ٣٦٠ھ)
٧. تفسیر ابی الشیخ الاصفهانی : محمد بن حیان (م٣٦٩ھ)
٨. تفسیر السمرقندی: ابوالليث نصر بن محمد (م ٣٧٣ھ)
٩. سنن الدار قطنی : ابوالحسن علی بن عمر (م٣٨٥ھ)

امتیازات

جہاں تک تدوینِ حدیث کے امتیازات کی بات ہے تو اس کا خاص اور سب سے اہم امتیاز اس کی نقل (روایت) کی قطعیت ہے، اور یہ قطعیت پختہ اسانید سے حاصل ہوئی ہے۔

یہ مسلم اور غیر مسلم سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسناد کی خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے، کسی دوسرے مذہب والے نہ تو دعویٰ کر سکے ہیں نہ کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس جو ان کے مذہب کا اثاثہ موجود ہے، وہ قطعی طور پر ہو بہو وہی ہے جو اس مذہب کے رسول یا بانی نے چھوڑا تھا، کیونکہ اس کے رسول یا بانی کے بعد مذہب کی روایت کی ساری کڑیاں گم ہیں، دینِ عیسائیت کی تدوین تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ستر سال کے بعد ان کی مادری زبان کے سوا دیگر کسی زبان میں ترجمہ کر کے ہوئی۔ ایک تو ان ستر سالوں کی اسانید کا اَتہ پتہ نہیں، دوسرے ایسی صورت میں دوسری زبان میں ترجمہ کے وقت معانی میں تبدیلی کا حتمی امکان ہے، اس پر پولوس کی تحریفی کارروائیاں سونے پر سہاگہ کا مصداق ہیں (تفصیل کے لیے دیکھئے "**المسيحية للدكتور محمد ضياء الرحمن الاعظمي وتفهيم القرآن سورة صف آية "ومبشرا برسول يأتي من بعدى اسمه احمد"**.)

لگ بھگ یہی حال سارے ادیان وملل کا ہے جس سے کوئی بھی انصاف پسند صاحب علم انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے مصدرِ اول قرآن کا حرف حرف تواتر سے منقول ہے (تواتر ناقلینِ خبر کی اتنی بڑی تعداد کی روایت کو کہتے ہیں جس کا کسی جھوٹ پر مشورۃً یا بغیر مشورہ اتفاق کر لینا عقلاً محال ہو)۔

اور قرآن کے بیان (حدیث) کا معتد بہ حصہ کچھ تو تواتر سے منقول ہے اور کچھ تواتر سے کم پر قطعی طریقہ سے، جس کے اندر مشہور، عزیز اور غریب سب طریقے آتے ہیں۔ مشہور: وہ روایت ہے جس کے ناقلین کی تعداد کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہو، اور عزیز: وہ ہے جس کے ناقلین کی تعداد کسی طبقہ میں دو سے کم نہ ہو، اور غریب: وہ روایت ہے جس کے کسی طبقہ میں صرف ایک ہی ناقل رہ جاتا ہے، لیکن اس کے بھی حجت ہونے کے لئے شرط ہے کہ عادل اور ضابط ہو اور سند شروع سے اخیر تک واضح طور پر متصل ہو اور اس کے اندر کسی قسم کا شذوذ یا خفیف علت بھی نہ ہو، کسی بھی حدیث کے ثبوت کے لیے رواۃ کی یہ آخری حد ہے اور اُس کی یہ سخت شرطیں ہیں روایت خواہ تحریری ہو یا زبانی۔ یہی وجہ ہے کہ زمن الروایۃ کے آغاز ہی سے اسناد کے سلسلے میں اہتمام، احتیاط اور سخت چھان بین شروع ہو گئی تھی، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

"انا كنا مرة اذا سمعنا رجلا يقول: قال رسول الله وابتدرته أبصارنا، وأصغينا اليه بآذاننا، فلما ركب الناس الصعب والذلول لم نأخذ من الناس الا مانعرف." (مقدمه صحيح مسلم باب ٤)

اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"ان هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم، لم يكونوا يسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا: سموا لنا رجالكم فينظر الى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر الى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم." (مصدر سابق باب ٥)

اب دیکھئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی ہیں اس وقت سے اسناد کی صحت کی بابت احتیاط برتنے کی بات فرمارہے ہیں، انہوں نے اس کی وجہ بھی بیان کی، نیز ان کے سامنے یہ قرآنی ہدایت بھی تھی "ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا" نیز انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ فرمانِ نبوی "من تقول علی مالم اقل فلیتبوأ مقعده من النار" کا مصداق نہ بن جائیں۔

اسناد کے متعلق مذکورہ حزم واحتیاط زبانی یا تحریری ہر طرح کی روایتوں میں انتہائی سختی سے برتا گیا، یہاں تک کہ بے زبان جانوروں سے جھوٹ برتنے والے کی روایت سے بھی پرہیز کیا گیا، حد یہ ہے کہ راستہ میں کھانے پینے والے کو بھی عادل شمار نہیں کیا گیا جب کہ عادل ہونا قبولیتِ روایت کے لیے اولین شرط ہے۔

اس سخت احتیاط اور ان سخت شرائط کے ساتھ روایت لینے کا تقاضہ تھا کہ رواۃ کے حالات مکمل اور یقینی طور پر معلوم ہوں، اسی تقاضے کے تحت علم اسماء الرجال کا عظیم ترین اسلامی فن وجود میں آیا اور ہزاروں ناقلینِ حدیث کا مکمل بایوڈاٹا محفوظ ومقید ہوگیا، اور خود اس بایوڈاٹا کے مؤلفین کے لیے کڑے شرائط بنائے گئے، ان کو ائمہ جرح وتعدیل کے نام سے جانا گیا جو امت کی ایماندار ترین ہستیاں تھیں جن میں سے ہر ایک کی ایمانداری کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں، انہیں عادلانِ امت کے بارے میں مولانا حالی نے فرمایا تھا:

نہ صوفی کو چھوڑا نہ ملا کو چھوڑا

ان نفوسِ قدسیہ کی کوششوں کے نتیجہ میں علمِ اسماء الرجال پر جو عظیم علمی ذخیرہ جمع ہوگیا اس کی ایک الگ طویل ترین فہرست ہے جس کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جارہا ہے:

۱۔ کتب ستہ اور ان کے مؤلفین کی دیگر تالیفات کے رجال پر:

الکمال فی اسماء الرجال : عبدالواحد المقدسی	(م ٦٠٠ھ)
پھر اس کی تہذیب : تهذيب الكمال فی أسماء الرجال : للمزی	(م ٧٤٢ھ)
پھر اس کی تہذیب مع اختصار : تهذيب تهذيب الكمال : لابن حجر	(م ٨٥٢ھ)
پھر اس کا مزید اختصار : تقريب تهذيب الكمال : لابن حجر	(م ٨٥٢ھ)

۲۔ عام کتب حدیث کے رجال پر: تاریخ یحیی بن معین، امام بخاری کی التاريخ الكبير اور امام ابن ابی حاتم الرازی کی "الجرح والتعديل".

۳۔ ائمہ اربعہ کی تالیفات کے رجال پر:

تعجيل المنفعة فی زوائد رجال الاربعة : لابن حجر	(م ٨٥٢ھ)

۴۔ ائمہ اربعہ اور کتب ستہ کے مشترکہ رجال پر الحسینی کی تالیف

۵۔ صرف ثقہ رجال حدیث کے موضوع پر: ثقات ابن حبان (۳۵۴ھ) ثقات ابن شاھین (م۳۸۵ھ) اور ثقات العجلی (م۲۶۱ھ)۔

۶۔ صرف ضعیف رجال پر:

١. الضعفاء الصغير :	للبخاري	(م ٢٥٦هـ)
٢. الضعفاء والمتروكون :	للنسائي	(م ٣٠١هـ)
٣. الضعفاء الكبير :	للعقيلي	(م ٣٢٢هـ)
٤. الضعفاء والمجروحون :	لابن حبان	(م ٣٥٤هـ)
٥. الكامل :	لابن عدي	(م٣٦٥هـ)
٦. ميزان الاعتدال :	للذهبي	(م ٧٤٨هـ)

جیسا کہ پیچھے گزرا کہ اسناد کے متعلق اہتمام، سخت چھان بین اور زبانی احتیاط کے ساتھ ساتھ تحریری روایت کی بابت بھی خصوصی احتیاط برتی جاتی تھی اس لیے یہ ذہن نشیں رہے کہ کسی حدیث کی روایت میں "حدثنا، اخبرنا، أنبانا" وغیرہ الفاظ سے صرف زبانی روایت نہ سمجھی جائے۔ علمائے اصولِ حدیث کی تصریحات اور واقعات اس پر دال ہیں کہ زمن الروایۃ میں مذکورہ الفاظ یا ان جیسے الفاظ زبانی و تحریری ہر قسم کی روایات کے اندر استعمال کیے جاتے تھے۔ استاذ خواہ اپنی یادداشت سے حدیث سناتا یا تحریر سے۔ بلکہ "اخبرنا" کا استعمال تو شاگرد کے استاذ کے اوپر تحریر پیش کرنے ہی کے متعلق استعمال کیا جاتا تھا، ہوتا یہ تھا کہ شاگرد اپنے استاذ کے نوشتہ سے احادیث نقل کرتا پھر اصل سے مراجعہ کرتا پھر استاذ پر زبانی پیش کرتا اور استاذ اس کی تصدیق کرتا تھا۔ اس تحریر کے اخیر میں سماعات درج کی جاتی تھیں کہ اس کو فلاں نے فلاں اور فلاں کے ساتھ فلاں پر پڑھا ہے۔

اسناد کے متعلق یہ اہتمام دواوینِ حدیث کے مؤلفین سے لے کر آج تک جاری ہے، چنانچہ آج بھی ان دواوینِ حدیث کے علماء کے پاس پہنچنے کی پختہ اسانید موجود ہیں۔ جیسے: خود احقر تک ان دواوین کے پہنچنے کی پختہ اسانید ہیں جو حضرۃ العلام شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوریؒ نیز استاد محترم مولانا حبیب الرحمٰن الفیضی کے واسطے سے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دھلویؒ تک پہنچتی ہیں اور وہاں سے ان دواوین کے مؤلفین کی اسانید پر متعدد رسائل موجود ہیں۔

حرف آخر

اسلام کے مصدرِ ثانی "حدیثِ رسول ﷺ" جس کو "سنت" بھی کہا جاتا ہے کی تدوین کی تاریخ، مراحل اور امتیازات کی بابت یہ بہت مختصر جائزہ ہے، اس موضوع پر سیر حاصل مواد جناب ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی مؤی مقیم حال ریاض (سعودی شہریت کے حامل) ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب پروفیسر حدیث دمشق یونی ورسٹی اور مشہور اسلامی مؤلف ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی ضخیم تالیفات میں موجود ہے، ان کے مطالعے سے تمام انصاف پسند اہل علم کو کامل تسلی ہو جائے گی کہ "حدیث کی تدوین" کے معاملے میں انگلی رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر دل میں ایمان یا انصاف کا گزر ہی نہ ہو تو ایسے بیمار دلوں کے لیے قرآن کی

قطعیت بھی شفاء بخش نہیں، کیا قرآن کے ثبوت کی قطعیت کو تسلیم کرنے والوں نے اس کے اندر تحریف معنوی کا ارتکاب نہیں کیا ہے؟ بلکہ بعض حضرات تو اپنے پہلے سے طے کردہ نظریات فاسدہ کو ثابت کرنے کی خاطر تحریفِ لفظی تک کے مرتکب ہو بیٹھے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے حدیث کے ثبوت کی قطعیت ثابت کر دینے سے بھی کیا فائدہ؟ قرآن کے ساتھ ساتھ حدیثِ رسول ﷺ میں مذکورہ غرض سے تحریف کا ارتکاب بھی چشم فلک نے دیکھا۔ کسی نے جو یہ کہا تھا کہ ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں'' اس نے اس سے صرف معنوی تحریف مراد لیا تھا جب کہ یہاں لفظی تحریف تک موجود ہے۔

کم سے کم قرآن وسنت کے ثبوت کی قطعیت کے قائلین پر یہ فرض بنتا ہے کہ اس کے صحیح تقاضے پر صحیح طور سے سر تسلیم خم کر دیں اور یہ صرف قرونِ مشہود لہا بالخیر (مجموعۂ سلف صالحین) کی سمجھ کے مطابق ان دونوں مصادرِ اسلام کی تعبیر وتشریح کو تسلیم کرنے سے ہو سکتا ہے، ورنہ ''تعبیر کی غلطیوں'' کے ارتکاب کا سلسلہ جاری رہے گا۔ کیا ''تعبیر کی غلطی'' پکڑنے والے خود اور بڑی غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں؟ نجات متقدمین کی اجتماعی تعبیر کے اختیار کرنے ہی میں ہے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن کو اس کے ترجمان ﷺ کی تشریح اور زمانۂ مشہود لہا بالخیر کی تعبیر کے مطابق سمجھنے اور اس سمجھ پر سر تسلیم خم کرنے اور پھر اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقه وعلی آله واصحابه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین.

مولانا ارشد فہیم الدین سلفی
جامعہ ابن تیمیہ، بہار

طبقات رجال
حدیث کے استناد میں ان کی اہمیت

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الانبياء والمرسلين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين، أما بعد:

ارباب کانفرنس کی جانب سے میرے لیے جو مقالہ تجویز کیا گیا ہے اس کا عنوان ہے ”طبقات رجال اور حدیث کے استناد میں ان کی اہمیت“ اس موضوع کے دو اجزاء ہیں، پہلا ”طبقات رجال“ اور دوسرا ”حدیث کے استناد میں طبقات رجال کی اہمیت“ موضوع کے پہلے جزء میں ”رجال“ اور ”طبقات“ علوم حدیث کے تناظر میں ایک خاص معنیٰ و مفہوم رکھتے ہیں، بحث کی ابتداء ”رجال“ سے کرتے ہیں۔

علم الرجال

علوم حدیث کی اصطلاح میں ”رجال“ حدیث کی روایت کرنے والے ان اشخاص کو کہا جاتا ہے جن کے توسط سے حدیث ہم تک پہونچی ہے اور ”علم الرجال“ اس فن کو کہا جاتا ہے جس میں ان اشخاص کے نام کنیت، لقب، حسب ونسب، اساتذہ، تلامذہ، رحلات علمیہ، دینی واخلاقی حالات اور تاریخ وفات وغیرہ کا مفصل ذکر ہوتا ہے۔ علوم حدیث کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقد حدیث کے زیادہ تر قواعد ”رجال“ ہی سے متعلق ہیں بلکہ حدیث کی صحت وضعف کا دارومدار بھی رجال ہی پر ہے۔ اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ”صحیح حدیث“ کے لیے علماء نے جن پانچ شرائط کا ذکر کیا ہے ان میں سے چار بلاواسطہ رجال ہی سے متعلق ہیں، یعنی اتصال سند، عدالت، ضبط اور عدم شذوذ اور پانچویں شرط یعنی عدم علت بھی بالواسطہ رجال سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”علم الرجال“ علوم حدیث میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی معرفت کے بغیر حدیث کی صحیح معرفت ممکن نہیں ہے۔ اب آیئے علوم حدیث کے اس اہم ترین باب کی مختصر تاریخ بھی پیش کردی جائے تاکہ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوسکے۔

علم الرجال کی مختصر تاریخ

صحابہ کرام کی مقدس جماعت قرآن مجید کی شہادت کے مطابق عدالت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز تھی۔ ان کے

یہاں حدیث کی روایت میں غلط بیانی اور زندگی کے عمومی حالات میں بھی کذب بیانی کا تصور نہیں تھا اس لیے ابتداء میں حدیث کی روایت میں سند یا رواۃ کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی بلکہ بعض اوقات حدیث کی سند کے سوال پر بعض صحابہ کرام کو غصہ ہوتے بھی پایا گیا ہے، حضرت انس بن مالکؓ سے اگر یہ پوچھ لیا جاتا تھا کہ آپ نے حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو غضبناک ہو جاتے اور فرماتے "**ماكان بعضنا يكذب على بعض**" (۱) ہم میں سے کوئی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت تک صحابہ کرام حدیث کی روایت میں اپنے اسی نہج پر قائم رہے، لیکن حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں جب امت اسلامیہ مختلف داخلی اور خارجی فتنوں کی زد میں آگئی، مختلف مذہبی اور سیاسی جماعتیں وجود میں آگئیں اور یہ جماعتیں اپنے اپنے موقف کی تائید کے لیے حدیث رسول میں غلط بیانی بلکہ کذب بیانی پر آمادہ ہو گئیں اور حدیثیں گڑھی جانے لگیں، اس وقت علمائے امت نے حدیث کے تثبت اور تحقیق کے لیے سند اور رجال کی تفتیش شروع کردی۔ تابعی کبیر امام محمد ابن سیرین (ت ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں "**لم يكونوا يسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم، فينظر الى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر الى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم**" (۲) یعنی پہلے لوگ اسناد کے متعلق سوال نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنہ واقع ہوا تو رجال کے متعلق سوال کیا جانے لگا اور دیکھا جاتا کہ جو اہل سنت ہیں ان کی حدیث لے لی جاتی اور جو اہلِ بدعت ہیں ان کی حدیث نہیں لی جاتی۔

اس بیان سے واضح ہے کہ امام محمد بن سیرین نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ظاہر ہونے والے فتنہ کو رجال حدیث کی تفتیش کا مبدا قرار دیا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کے درمیان اہل سنت اور اہل بدعت کا امتیازی خط بھی کھینچ دیا ہے۔ بعض مستشرقین نے غیر معتبر نصوص کی بنیاد پر ولید بن یزید کے قتل کے فتنہ کو یعنی ۱۲۶ھ کو رجال حدیث کی تفتیش کا مبدا قرار دیا ہے لیکن یہ خیال اس قدر ضعیف ہے کہ اس کے تردید کی چنداں ضرورت نہیں ہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ رجال حدیث کی تفتیش کا کام کبار تابعین کے دور ہی میں شروع ہو گیا تھا اور خلافت عثمانی کا دور بھی کبار تابعین کے دور میں شامل ہے اور اس کی تائید امام یحییٰ بن سعید القطان کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ "**اول من فتش عن الاسناد هو عامر الشعبي**" (۳) یعنی سید التابعین عامر شعبی (ت ۱۰۳ھ) نے حدیث کی سند کے بارے میں سب سے پہلے تفتیش کیا۔

الغرض، کبار تابعین کے دور میں رجال حدیث سے متعلق بحث و تحقیق کی ابتدا ہو چکی تھی، لیکن عام طور پر محدث کی جانب سے سند کا بیان اسی وقت ہوتا تھا جب اس کے متعلق سوال کیا جاتا تھا البتہ صحابہ کرام اور کبار تابعین کا زمانہ ختم ہو جانے کے بعد جب کذب بیانی عام بات ہو گئی اور حدیثیں کثرت سے گڑھی جانے لگیں اس وقت سند کا ذکر محدث کے لیے ایک لازمی امر بن گیا بلکہ اس کے بغیر اس کی حدیث قابل قبول نہیں سمجھی جاتی تھی۔ امام زہری (ت ۱۲۴ھ) جن کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے ایک مرتبہ وہ اسحاق بن ابی فروہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ابن ابی فروہ نے کہنا شروع کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ امام زہری غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے "**قاتلك الله يا ابن ابی فروه ماأجرأك على الله لاتسند حديثك؟ تحدثنا باحاديث ليس لها خطم ولا أزمة**"(۴) اے ابن ابی فروہ اللہ تمہیں غارت کرے، تمہاری یہ جرأت کہ اپنی حدیث کی سند بیان نہیں کرتے ہو اور ہمیں ایسی حدیثیں سناتے ہوں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے۔

اس طرح دوسری صدی ہجری کی ابتداء کے ساتھ ہی حدیث کی سند اور اس کے رجال کا ذکر حدیث کی صحت وقبولیت کے لیے ضروری قرار پایا اور اس کا اندازہ اس دور کے محدثین کرام کے درج ذیل اقوال سے بھی ہوتا ہے۔ امام محمد بن سیرین (ت ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: "**الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء**" (۵) یعنی حدیث کی سند بیان کرنا دینی فریضہ ہے اگر یہ سند نہ ہوتی تو جس کو جو سمجھ میں آتا کہہ جاتا۔ امام شعبہ بن حجاج (ت ۱۶۰ھ) فرماتے ہیں "**كل حديث ليس فيه انا وثنا فهو خل وبقل**" (۶) یعنی جس حدیث کی سند نہ ہو اس کی حیثیت ساگ سبزی سے زیادہ نہیں ہے، بہیز بن اسد کہتے ہیں "**لاتاخذوا الحديث عمن لايقول ثنا**" (۷) یعنی اس آدمی کی حدیث نہ قبول کرو جو اس کی سند نہ بیان کرتا ہو۔

تیسری صدی ہجری کی آمد کے ساتھ ہی "علم الرجال" باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کر گیا، جس کے اصول و ضوابط کی تفصیلات سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی طرح رجال حدیث کے تعارف اور ان کے اوپر جرح و تعدیل سے متعلق جو کتابیں لکھی گئیں ان کی تعداد بھی سیکڑوں تک پہونچتی ہے، ان میں سے بیشتر کتابیں ابھی نایاب ہیں صرف چند کتابیں ہی منظر عام پر آسکی ہیں، اگر ہم ان کتابوں کا تفصیلی مطالعہ پیش کریں تو ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی، جس کے لیے یہاں گنجائش ہے اور نہ موقع، البتہ ان کتابوں کی ترتیب میں محدثین کرام نے جو منہج اختیار کیا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے اس لیے کہ اس کا تعلق صلبِ موضوع سے ہے۔

کتب رجال کی ترتیب وتنظیم

کتب رجال کے مصنفین نے اپنی کتابوں کو درج ذیل چار مناہج پر ترتیب دیا ہے۔

۱- نسب کی بنیاد پر
۲- شہروں کی بنیاد پر
۳- حروف تہجی کی بنیاد پر
۴- طبقات کی بنیاد پر

ان چار مناہج ترتیب میں سے آخرالذکر یعنی طبقات کی بنیاد پر کتب رجال کی ترتیب ہمارے موضوع سے متعلق ہے لیکن ربط معلومات کے لیے بہت اختصار کے ساتھ چاروں مناہج کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) نسب کی بنیاد پر کتب رجال کی ترتیب:

اس ترتیب کا مفہوم یہ ہے کہ مصنف ایک خاندان اور ایک قبیلہ کے تمام رواۃ کو ایک جگہ بیان کرے، مثال کے طور پر قبیلہ قریش میں پہلے بنو ہاشم کو ذکر کرے پھر نضر اور قحطان کے افراد کا ذکر کرے۔

اس ترتیب کی سب سے پہلی مثال حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں ملتی ہے۔ انہوں نے فوج کا جو دیوان مرتب کرایا تھا اس میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا تھا، (۸) اور جب تیسری صدی ہجری میں رجال کی کتابیں لکھی گئیں تو بعض مصنفین نے اسی ترتیب کو اختیار کیا، اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انساب اور قبائل کی بنیاد پر کتابوں کی ترتیب کا کام

خالص اسلامی دور کی ایجاد ہے جاہلی دور سے اس کا تعلق نہیں ہے، اس نہج کی مشہور اور قدیم کتابوں میں خلیفہ بن خیاط (ت ۲۴۰ھ) کی "کتاب الطبقات" اور محمد بن سعد (ت ۲۳۰ھ) کی "الطبقات الکبریٰ" قابل ذکر ہیں۔

(۲) شہروں کی بنیاد پر کتب رجال کی ترتیب

اس ترتیب کا مفہوم یہ ہے کہ مصنف ایک شہر کے تمام رجال ایک ساتھ بیان کرے، اس منہج کی کتابوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنّفین نے اس شہر کو ترتیب میں سب سے مقدم رکھا ہے جس میں یا تو رواۃ کی تعداد سب سے زیادہ تھی یا اس کو دینی اور شرعی پہلو سے کوئی فضیلت حاصل تھی اور یہی وجہ ہے کہ تمام کتابوں میں مدینہ منورہ کو دیگر شہروں پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ ابتدائی دو صدیوں تک وہاں علماء کی تعداد سب سے زیادہ رہی ہے حتی کہ بعد کے زمانے میں بھی مکہ اور مدینہ کی افضلیت کی وجہ سے اسے مقدم رکھا گیا ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے چھٹی صدی ہجری میں جب اپنی کتاب "صفوۃ الصفوۃ" ترتیب دی تو یہ ارادہ کیا کہ اس وقت کے سب سے بڑے علمی مرکز بغداد کو ترتیب میں مقدم رکھیں لیکن پھر مکہ اور مدینہ کے مرتبہ ومقام کو دیکھتے ہوئے یہ ارادہ تبدیل کر دیا اور کتاب کی ابتدا مدینہ کے رجال سے کی۔ (۹) اس ترتیب کی قدیم کتابوں میں خلیفہ کی "طبقات" ابن سعد کی "الطبقات الکبریٰ" امام مسلم بن حجاج کی "کتاب الطبقات" اور ابن حبان کی "مشاهير علماء الامصار" قابل ذکر ہیں۔

(۳) حروف تہجی کی بنیاد پر کتب رجال کی ترتیب

اس ترتیب کا مفہوم یہ ہے کہ راوی کے نام کے پہلے حرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس راوی کو پہلے ذکر کیا جائے۔ نام الف سے شروع ہوتا ہے۔ پھر حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق دوسرے رواۃ کا ذکر کیا جائے۔ مناہج ترتیب میں یہ منہج سب سے آسان اور مفید مانا جاتا ہے۔ اسی لیے متاخرین مؤلفین رجال نے اسی ترتیب کو اپنایا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ منہج ترتیب بعد کی ایجاد ہے بلکہ تیسری صدی ہجری کے نصف اول ہی میں محدثین نے اس کو اختیار کر لیا تھا، ابواسحاق احمد بن محمد الہروی (ت ۲۳۴ھ) نے اپنی کتاب "تاریخ ہراۃ" میں اسی منہج کو اختیار کیا ہے۔ کتب رجال میں جو کتابیں اس منہج پر ترتیب دی گئی ہیں، ان میں سے امام محمد بن اسماعیل بخاری (ت ۲۵۶ھ) کی "التاريخ الكبير" امام مسلم بن حجاج (ت ۲۶۱ھ) کی "الكنى والاسماء" امام عقیلی (ت ۳۲۲ھ) کی "الضعفاء" امام ابن ابی حاتم الرازی (ت ۳۲۷ھ) کی "الجرح والتعديل" اور امام ابن حبان (ت ۳۳۴ھ) کی "المجروحين من المحدثين" کافی شہرت رکھتی ہیں۔

(٤) طبقات کی بنیاد پر کتب رجال کی ترتیب

کتب رجال کی طبقاتی ترتیب ہی اس مقالہ کا اہم حصہ ہے اس لیے اس منہج کی تھوڑی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

طبقه کا لغوی معنی

قرآن مجید میں لفظ "طبقہ" مستعمل نہیں ہے، البتہ "طبق" اور "طباق" دو الفاظ وارد ہوئے ہیں، پہلی آیت سورۃ انشقاق کی ہے "لتركبن طبقا عن طبق" (۱۰) اور دوسری آیت سورہ ملک کی ہے "الذي خلق سبع سماوات طباقا" (۱۱) اور لغت کی امہات کتب میں "طبقہ" کا معنی درجہ، مرتبہ اور مطابقت وموافقت بیان کیا گیا ہے (۱۲) ابن الاعرابی نے اس کا معنی

جماعت بھی لکھا ہے(۱۳) اور انہی معانی کا لحاظ کرتے ہوئے محدثین نے اصول حدیث کی کتابوں میں طبقہ کا لغوی معنی اس طرح لکھا ہے "الطبقة فی اللغة عبارة عن القوم المتشابهين" (۱۴) یعنی طبقہ لغت میں ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد ایک دوسرے سے مشابہ ہوں۔

طبقه کا اصطلاحی معنی

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "الطبقة فی اصطلاحهم عبارة عن جماعة اشتركوا فی السن ولقاء المشائخ" (۱۵) یعنی محدثین کی اصطلاح میں طبقہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو عمر اور اساتذہ سے لقاء میں ایک دوسرے کے شریک اور مشابہ ہوں یہی تعریف امام سیوطی اور سخاوی نے الفاظ کے فرق کے ساتھ بیان کی ہے۔(۱۶)

طبقه کی زمانی تحدید

بعض متقدمین علماء نے "طبقہ" کی مدت متعین کرنے کی کوشش کی ہے ہجری نام کے لغوی عالم نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ طبقہ بیس سال کا ہوتا ہے۔ (۱۷) بعض نے اس کی مدت چالیس سال لکھا ہے اور ابن ماجہ کی ایک حدیث کو اس کا مستدل بنایا ہے جس میں یہ ہے کہ "امتی علی خمس طبقات، کل طبقة أربعون عاما. (۱۸) یعنی میری امت کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ چالیس سال کا ہے لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ اسے ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں شامل کیا ہے۔ طبقہ مجازی معنی کے اعتبار سے ایک صدی اور ایک نسل پر بھی بولا جاتا ہے۔(۱۹)

مدت طبقہ کی یہ تحدیدیں متقدمین علماء کے یہاں نہیں ملتیں بلکہ آٹھویں صدی ہجری میں امام ذہبی کے بعد اس کا استعمال عام ہوا ہے، اس طرح طبقہ کی کسی خاص مدت کی تحدید اس وقت مفید ثابت ہوتی جب اس تحدید پر علماء کا اتفاق ہوتا اور کتب رجال میں اس کا اعتبار کیا جاتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مصنف کے یہاں طبقہ کی مدت الگ الگ ہے اور یہی چیز اس منہج پر ترتیب دی گئی کتابوں میں الجھن اور پریشانی کا اہم سبب ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

طبقات کی اہم کتابیں اور ان کا منہج

طبقاتی نظام پر جو کتابیں مرتب کی گئیں ہیں ان کی معلوم تعداد بیس سے زائد ہے، اس مختصر مقالہ میں ان تمام کا تذکرہ اور ان کے مناہج کا تفصیلی جائزہ طوالت کے ساتھ اکتاہٹ کا بھی سبب ہوگا، اس لیے ان میں چند قدیم اور معروف کتابوں کے مناہج انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں:

طبقاتی نظام کی سب سے قدیم کتاب محمد بن سعد (ت ۲۳۰ھ) کی "الطبقات الکبریٰ" ہے یہ کتاب آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی اور دوسری جلد سیرت کے موضوع پر ہے اس لیے طبقاتی نظام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، باقی چھ جلدیں طبقات پر مرتب ہیں، محمد بن سعد نے بقول ابن الصلاح صحابہ کرام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے(۲۰) اور بقول عراقی پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے(۲۱) اور اسلام میں اولیت کے اعتبار سے صحابہ کرام کے ناموں کو مرتب کیا ہے، اس کے بعد تابعین کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے، اس کتاب میں تابعین اور تبع تابعین کی تمیز مشکل ہے۔ مصنف نے صحابہ کی طرح تابعین کو تبع تابعین سے علاحدہ نہیں بیان کیا ہے اسی طرح مصنف کے یہاں طبقہ کے لیے کسی خاص مدت کی تحدید بھی نہیں ہے۔

اس منہج کی دوسری سب سے قدیم اور معروف کتاب خلیفہ ابن خیاط (ت ۲۴۰ھ) کی "کتاب الطبقات" ہے اس کتاب میں خلیفہ بن خیاط نے تمام صحابہ کرام کو ایک ہی طبقہ مانا ہے اور اپنے ہم عصر محمد بن سعد کی طرح صحابہ کرام کو کئی طبقات میں تقسیم نہیں کیا ہے، البتہ اس کتاب میں تابعین اور تبع تابعین کو الگ الگ نہیں بیان کیا گیا ہے اور نہ طبقہ کی کوئی مدت متعین کی گئی ہے۔

طبقات کے موضوع پر تیسری سب سے معروف کتاب امام مسلم کی "کتاب الطبقات" ہے لیکن اس کتاب میں صرف صحابہ اور تابعین کے نام ذکر کیے گئے ہیں، ان کے حالات زندگی سے یہ کتاب خالی ہے، البتہ صحابہ کرام کو ایک طبقہ میں اور تابعین کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

متقدمین کی طرح متاخرین علماء نے بھی اپنی کتب رجال میں طبقاتی نظام کو اختیار کیا ہے اور ان میں امام ذہبی کا نام سر فہرست ہے، امام ذہبی نے اپنی متعدد کتابوں کو اس منہج پر ترتیب دیا ہے جیسے **تاریخ الاسلام، سیر أعلام النبلاء، تذکرہ الحفاظ، المعین فی طبقات المحدثین** اور **طبقات الشیوخ** وغیرہ، لیکن ان تمام کتابوں میں طبقات کی تحدید اور مدت طبقات کی تحدید کا کوئی یکساں نظام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر **تاریخ الاسلام** کو ستر طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کی مدت دس سال رکھی ہے، تذکرۃ الحفاظ کو اکیس[۲۱] طبقات پر تقسیم کیا ہے اور **سیر اعلام النبلاء** کو چالیس طبقات پر تقسیم کیا ہے حالانکہ **تذکرۃ الحفاظ** اور **سیر اعلام النبلاء** دونوں ہی کتابوں میں صحابہ کرام سے امام ذہبی کے دور تک کے تراجم رجال ذکر کیے گئے ہیں۔

متاخرین علماء کی کتابوں میں حافظ ابن حجر کی معروف و متداول کتاب "**تقریب التہذیب**" بھی طبقاتی نظام پر مرتب کی گئی ہے حافظ ابن حجر نے اس کتاب کو بارہ طبقات پر تقسیم کیا ہے، تمام صحابہ کرام کو ایک ہی طبقہ میں بیان کیا ہے، تابعین کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے، طبقہ کبریٰ، طبقہ وسطیٰ، طبقہ ملحقہ بالوسطیٰ، طبقہ صغریٰ اور طبقہ ملحقہ بالصغریٰ تبع تابعین کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ کبریٰ، وسطیٰ اور صغریٰ اور اتباع تبع التابعین کو بھی تین طبقات پر تقسیم کیا ہے۔ کبریٰ، وسطیٰ اور صغریٰ، حافظ ابن حجر نے بھی دوسرے تمام مؤلفین کی طرح طبقہ کے لیے کسی خاص مدت کی تحدید نہیں کی ہے۔

کتب طبقات اور کتب تاریخ میں فرق

متقدمین علماء نے طبقاتی نظام پر ترتیب دی گئی کتابوں کو تاریخ کا نام دیا ہے، مثال کے طور پر تیسری صدی ہجری کے امام بخاری نے رجال کے موضوع پر اپنی تین کتابوں کو تاریخ کا نام دیا ہے **التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط** اور **التاریخ الصغیر**، لیکن متاخرین علماء نے تاریخ اور طبقات میں تمیز قائم کرنے کی کوشش کی ہے، علامہ العزبن جماعۃ نے دونوں میں تمیز کو ایک مشکل کام قرار دیتے ہوئے مبہم اور غامض الفاظ میں دونوں میں تفریق کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "**والحق عندی أنهما تحسب الذات یرجعان الی شئی واحد وبحسب الاعتبار یتحقق مابینهما من التغایر**" (۲۲) یعنی میرے خیال سے سچی بات یہ ہے کہ ذات کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے البتہ اعتباراً دونوں میں فرق کیا جاسکتا ہے، امام سخاوی نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد اس سے واضح انداز میں فرق بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں: "**بینه وبین التاریخ عموم**

وخصوص وجهه فيجتمعان في التعريف بالرواة، وينفرد التاريخ بالحوادث والطبقات بما اذا كان في البدريين مثلا من تأخرت وفاته عمن لم يشهدها لاستلزامه تقديم المتأخر الوفاة"(۲۳) یعنی طبقات اور تاریخ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے، رواۃ کی تعریف میں دونوں مشترک ہیں جب کہ حوادث کا بیان تاریخ کے ساتھ خاص ہے اور تاریخ وفات کا اعتبار طبقات کے ساتھ خاص ہے، طبقات اور تاریخ میں فرق سے متعلق بعض متاخرین علماء کی رائے یہ ہے کہ تاریخ کا خصوصی موضوع تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات ہے اور راوی کے دیگر احوال تاریخ کا اضافی موضوع ہیں، جب کہ راوی کے حالات زندگی طبقات کا خصوصی موضوع ہے اور تاریخ پیدائش اور وفات اضافی موضوع ہیں۔(۲۴) الغرض طبقات اور تاریخ دونوں فنون ایک دوسرے سے کافی ملتے جلتے ہیں اور تفریق کی جو صورتیں بتائی گئیں ہیں کچھ کتابوں پر منطبق ہوتی ہیں اور کچھ پر نہیں۔

حدیث کے استناد میں طبقات رجال کی اہمیت

یہی اس مقالہ کا دوسرا جزء ہے جیسا کہ شروع میں بتایا گیا ہے، اب تک کے مباحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علوم حدیث میں طبقات رجال کا موضوع انتہائی وسیع اور ہمہ گیر موضوع ہے اور ہر دور میں محدثین کرام نے اس موضوع پر علمی مواد اکٹھا کیا ہے اور نہایت علمی انداز میں اس فن کی کتابوں کو ترتیب دیا ہے اور یہی وہ علمی اور تحقیقی ورثہ ہے جس کی روشنی میں سنت کا صحیح اور حقیقی چہرہ نمودار ہوتا ہے، حدیث کے استناد میں اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے درج ذیل نکات پر غور کریں۔

۱- طبقات رجال کی معرفت، رواۃ حدیث پر کیے جانے والے نقد و جرح اور تعدیل و توثیق کی معرفت میں معاون ثابت ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں حدیث کا درجہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ کسی راوی کے بارے میں اگر یہ علم نہ ہو کہ وہ کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے تو یہ اندازہ لگانا ایک مشکل امر ہو گا کہ وہ تابعی ہے یا تبع تابعی یا اس کے بعد کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ حافظ ابن حجر کی رجال پر سب سے مختصر اور جامع کتاب "تقريب التهذيب" عام طور پر علماء اور طالبان علوم حدیث کے لیے اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کتاب کے طبقاتی نظام ترتیب سے واقف نہ ہو تو اس کتاب سے صحیح استفادہ نہیں کر سکتا اور راوی کے بارے میں یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ وہ صحابی ہے یا تابعی، تبع تابعی ہے یا اس کے دور کا۔

۲- طبقات حدیث کی معرفت سے حدیث کے اندر واقع ہونے والے ارسال، انقطاع اور عضل کی معرفت ہوتی ہے، مثال کے طور پر کسی حدیث کی سند میں چار رواۃ ہیں اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ کون راوی صحابہ کے طبقہ سے ہے اور کون تابعین اور تبع تابعین کے طبقہ سے، اب اگر تابعی کے طبقہ سے تعلق رکھنے والا راوی اس حدیث کو رسول ﷺ سے بلا واسطہ روایت کرتا ہے تو وہ حدیث مرسل ہو گی، اسی طرح چوتھے طبقہ کا راوی تیسرے طبقہ کے راوی کو چھوڑ کر دوسرے یا پہلے طبقہ کے راوی سے روایت کرتا ہے تو وہ حدیث منقطع اور معضل ہو گی۔

۳- محدثین کے نزدیک معنعن روایت اس وقت تک متصل نہیں مانی جاتی جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کے رواۃ تدلیس کے عیب سے پاک ہیں اور مدلس راوی کا عنعنہ حدیث کے ضعف کا باعث بن جاتا ہے طبقات رجال کی معرفت سے

تدلیس کو جاننے میں مدد ملتی ہے، مثال کے طور پر تیسرے طبقہ کا راوی پانچویں طبقہ کے راوی سے حدیث بیان کرتا ہے تو یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تیسرے اور پانچویں طبقہ کے درمیان سے چوتھے طبقہ کا راوی ساقط کردیا گیا ہے، اس طرح طبقات رجال کی معرفت سے معنعن روایت میں تدلیس یا عدم تدلیس معلوم کیا جاسکتا ہے۔

۴- رواۃ حدیث پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ہی نام کے ایک سے زائد راوی کتب حدیث میں پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ باپ اور دادا کے نام میں بھی یکسانیت دیکھنے کو ملتی ہے اور طبقات رجال ہی وہ فن ہے جس کی معرفت سے ایسے رواۃ کے مابین تمیز کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر "احمد بن عبداللہ بن علی" نام کے دو راوی تقریب التہذیب میں مذکور ہیں، لیکن ایک کا تعلق گیارہویں طبقہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق بارہویں طبقہ سے (۲۵) اس طرح کی بے شمار مثالیں کتب رجال میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث کے استناد میں طبقات رجال کی معرفت اہم کردار ادا کرتی ہے، اس کے ذریعہ نقد اسناد اور نقد حدیث کا کام لیا جاتا ہے، طبقات رجال کا علم رکھنے سے حدیث کے اندر ارسال، انقطاع، عضل اور تدلیس کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، رواۃ کے یکساں ہوجانے کے بعد ان میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ طبقات کا علم ہوجانے کے بعد راوی کے شیوخ اور تلامذہ کی تحدید کی جاسکتی ہے اور یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ راوی کا تعلق صحابہ سے ہے یا تابعین سے یا تبع تابعین سے، تاکہ اس کی روایت پر حکم لگانے میں سہولت ہو، لیکن ان تمام فوائد اور اہمیتوں کے باوجود کتب طبقات اور طبقاتی نظام ترتیب میں چند دشواریاں بھی ہیں، جن کا ذکر ذیل کی سطور میں کیا جارہا ہے۔

طبقات رجال کی کتابوں پر چند ملاحظات

۱۔ طبقات کی تقسیم میں مؤلفین کا اختلاف رائے:

کتب رجال میں طبقات کی تقسیم کا خاطر خواہ فائدہ اس وقت حاصل کیا جاسکتا تھا جب کہ تمام مؤلفین طبقہ کی ایک ہی تقسیم پر اتفاق کرلیتے اور اپنی اپنی کتابوں میں اسی تقسیم کے مطابق رواۃ کا تذکرہ کرتے لیکن ایسا ہوا نہیں بلکہ طبقہ کی تقسیم کا نظام ہر مصنف کے یہاں جدا جدا ہے۔ کسی نے تمام صحابہ کرام کو ایک طبقہ میں رکھا ہے جیسا کہ خلیفہ بن خیاط نے کتاب الطبقات میں کیا ہے اور کسی نے اسلام میں اولیت کے اعتبار سے صحابہ کرام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے جیسا کہ محمد بن سعد نے "الطبقات الکبریٰ" میں کیا ہے۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کو بھی کسی نے تین طبقات میں اور کسی نے پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اس اختلاف رائے کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی راوی کے بارے میں مطلق طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فلاں طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، جب تک کہ کتاب کی تخصیص نہ کردی جائے۔

۲۔ طبقات کی مدت میں مؤلفین کا اختلاف:

جس طرح طبقات کی تقسیم میں مؤلفین طبقات کا اختلاف ہے اسی طرح طبقہ کی مدت کی تحدید میں بھی سخت اختلاف

پایا جاتا ہے خلیفہ بن خیاط کی کتاب میں طبقہ کی مدت کچھ اور ہے اور محمد بن سعد کی کتاب میں کچھ اور ہے، اسی طرح متاخرین مؤلفین طبقات میں امام ذہبی کے یہاں طبقہ کی مدت کچھ ہے تو حافظ ابن حجر کے یہاں کچھ اور ہے۔ اگر طبقات کی مدت میں تمام مؤلفین کے یہاں یکسانیت ہوتی تو کتب رجال کا طبقاتی نظام انتہائی مفید اور آسان ہوتا۔

۳۔ ایک ھی مؤلف کی مختلف کتب طبقات میں نظام واحد کا فقدان

مختلف مصنفین کے یہاں طبقات کی تقسیم اور مدت طبقات کی تحدید میں اگر اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی یہ توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ ہر مصنفِ کتاب کی الگ الگ اصطلاح ہے "ولا مشاقة فی الاصطلاح" لیکن اس کی کیا توجیہ کی جائے کہ ایک ہی مصنف اپنی مختلف کتبِ طبقات میں تقسیم کی وحدت اور یکسانیت پر قائم نہیں ہے، بلکہ ہر کتاب میں طبقات کی تقسیم اور مدت طبقات کی تحدید کا ایک نیا طرز اپنایا ہے۔ امام ذہبی سے متعلق پہلے بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی کئی کتابوں کو طبقاتی نظام پر مرتب کیا ہے لیکن ہر کتاب میں الگ الگ طریقہ اپنایا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کو اکیس، معرفۃ القراء کو سترہ اور سیر اعلام النبلاء کو چالیس طبقات میں تقسیم کیا ہے اور مدت طبقات تو ایک ہی کتاب میں مختلف رکھی ہے مثال کے طور پر "تذکرۃ الحفاظ" میں طبقہ اولیٰ کی مدت اسی سال ہے اور طبقہ ثانیہ کی مدت ۴۵ سال ہے۔

٤۔ رجال کا ترجمہ تلاش کرنے میں دشواری

طبقاتی نظام کی کتابوں میں اسی اختلاف وانتشار کی وجہ سے کسی راوی کا ترجمہ تلاش کرنا ایک مشکل کام بن گیا ہے، مثال کے طور پر مکحول شام کے ایک مشہور تابعی گذرے ہیں۔ اگر آپ ان کا ترجمہ محمد بن سعد کی "الطبقات الکبری" میں تلاش کریں گے تو طبقہ ثالثہ میں ملے گا اگر خلیفہ کی کتاب "الطبقات" میں تلاش کریں گے تو طبقہ ثانیہ میں ملے گا۔ امام ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" دیکھیں گے تو طبقہ رابعہ میں ملے گا اور اگر حافظ ابن حجر کی "تقریب التھذیب" دیکھیں گے تو طبقہ خامسہ میں ملے گا اور اسی پریشانی کو دیکھتے ہوئے جب حافظ مزی نے حافظ عبدالغنی مقدسی کی طبقات پر مرتب کتاب "الکمال فی اسماء الرجال" کو "تھذیب الکمال" کی صورت میں پیش کیا تو اصل کتاب کے منہج ترتیب کو بدل کر اسے حروف تہجی پر ترتیب دیا، اسی طرح بعض متاخرین علماء نے طبقات کی بعض کتابوں کو حروف تہجی پر ترتیب دے کر شائع کردیا ہے جیسا کہ نورالدین الہیثمی نے امام عجلی کی "کتاب الثقات" اور امام ابن حبان کی "کتاب الثقات" کو حروف تہجی پر مرتب کردیا ہے۔

٥۔ کتب طبقات، رجال کی معرفت میں وھم پیدا کرنے کا سبب

طبقات کی کتابوں میں کسی واحد نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ آدمی راوی کے بارے میں وہم میں پڑ جاتا ہے کہ یہ صحابی ہے یا تابعی، مثال کے طور پر صحابی کبھی رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرتا ہے اور کبھی خود دوسرے صحابی سے روایت کرتا ہے۔ اب جس شخص کو اس کے متعلق معلومات نہ ہوں اس کے سامنے صحابی سے صحابی کی روایت آجائے تو وہ پہلے صحابی کو تابعی سمجھ کر اس کا ترجمہ تابعین کے طبقات میں تلاش کرے گا جسے وہ نہیں پائے گا۔

ان تمام ملاحظات کے باوجود کتب رجال کا طبقاتی منہج حدیث کی خدمت میں اہم رول ادا کرتا رہا اور ایسا نہیں ہے کہ صرف تیسری صدی ہجری ہی میں طبقات کا منہج کتابوں میں اختیار کیا گیا، بلکہ آٹھویں صدی ہجری تک رجال کی بعض کتابیں اسی منہج

پر ترتیب دی گئیں، جیسا کہ امام ذہبی نے اپنی کئی کتابوں کو طبقات پر ترتیب دیا۔

دوسرے فنون پر طبقاتی منہج کے اثرات

کتب رجال میں طبقاتی منہج کا وجود اسلامی عہد میں ہوا اور محدثین کرام نے علم حدیث کی خدمت ہی کے لیے اس منہج کو ایجاد کیا، لیکن اس کی افادیت اور اہمیت نے اسے علم حدیث ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ دوسرے فنون کے مؤلفین بھی اس منہج ترتیب سے متاثر ہوئے اور دوسرے فنون میں بھی اس منہج کو اپنایا گیا، ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ چند ایسے فنون کا نام ذکر کرتے ہیں جن میں تراجم کی کتابیں طبقات کے منہج پر ترتیب دی گئیں ہیں۔

۱۔ فن قرأت : قراء کے تراجم میں خلیفہ بن خیاط کی "طبقات القراء" اس منہج پر ترتیب دی گئی ہے۔

۲۔ فقہ : فقہاء کے تراجم میں ابو اسحاق شیرازی کی کتاب "طبقات الفقهاء" اسی منہج پر ترتیب دی گئی۔

۳۔ تصوف: صوفیاء کے تراجم میں ابو عبدالرحمٰن السلمی نے اپنی کتاب "طبقات الصوفية" اسی منہج پر ترتیب دیا۔

۴۔ شعر و سخن : شعراء کے تراجم میں محمد بن سلام الجمعی نے اپنی کتاب "طبقات الشعراء" میں اسی منہج کو اختیار کیا۔

۵۔ ادب : ادباء کے تراجم میں ابوالبرکات الانباری نے اپنی کتاب "نزهة الالباء في طبقات الادباء" کو اسی منہج پر ترتیب دیا ہے۔

۶۔ نحو : نحاۃ کے تراجم میں ابو بکر الزبیدی کی کتاب "طبقات النحويين" اسی منہج پر مرتب ہے۔

۷۔ طب و صحت : اطباء کے تراجم میں ابوداؤد سلیمان بن حسان الاندلسی کی "طبقات الاطباء والحكماء" اسی منہج کی کتاب ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتب رجال کا طبقاتی منہج دوسرے فنون پر کس قدر اثر انداز ہوا ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو تراجم اور سوانح کی کتابیں رجال کی کتابوں کی مکمل تقلید ہیں۔ صرف معلومات کی تدوین میں وسعت سے کام لیا گیا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

حواشی

۱- مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۸
۲- صحیح مسلم ۱/۱۵
۳- المحدث الفاصل ۱/۱۲
۴- معرفة علوم الحدیث للحاکم ص ٦
۵- صحیح مسلم ۱/۱۵
٦- الکفایة للخطیب ص ۲۸۳
۷- المجروجین لابن حبان ۱/۹
۸- الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳/۲۸۲-۲۹٦
۹- صفوة الصفوة لابن الجوزی ۱/۷-۸
۱۰- الانشقاق : ۱۹
۱۱- الملك : ۳، نوح : ۱٤
۱۲- الصحاح للجوهری ٤/۱۵۱۲، لسان العرب لابن منظور ۱۲/۷۹
۱۳- لسان العرب لابن منظور ۱۲/۷۹
۱۴- مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۹۷، الارشاد للنووی ۲/۷۹۸، فتح المغیث ٤/۳۹٤
۱۵- نزهة النظر لابن حجر ص ٦٦
۱٦- تدریب الراوی ۲/۳۸۱، فتح المغیث للسخاوی ٤/۳۹٤
۱۷- لسان العرب لابن منظور ۱۲/۸۰، تاج العروس للزبیدی ٦/٤۱٤
۱۸- سنن ابن ماجه ۲/۱۳٤۹
۱۹- تاج العروس للزبیدی ٦/٤۱٤، لسان العرب لابن منظور ۱۲/۸۰
۲۰- مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۲۱
۲۱- فتح المغیث للعراقی ص ۵۳
۲۲- الاعلان بالتوبیخ للسخاوی ص ٤۵۳
۲۳- الاعلان بالتوبیخ للسخاوی ص ٤۵۳، فتح المغیث للسخاوی ٤/۳۹٤
۲۴- فتح المغیث ٤/۳۹٤
۲۵- تقریب التهذیب ص ۸۱

شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی
الجہراء، الکویت

روایت و درایت
ایک جائزہ - صحیح نقطۂ نظر

علم الحدیث کو علم الروایة اور علم الاخبار والآثار کہا جاتا ہے جب کہ علم الفقة اور علم اصول الفقة کو علم الدرایة کہا جاتا ہے۔ (۱)

روایت و درایت کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے اگر درایت روایت سے آزاد ہو جائے تو دلیل سے عاری ہو جائے گی اسی طرح بسا اوقات ظاہر روایت پر عمل شارع کے مقصود کے خلاف ہو جاتا ہے۔

اسلام میں کتاب و سنت قطعی دلائل ہیں، جب تقلیدی تعصب بڑھا تو ائمہ کے اقوال و فتاوی کو بھی قطعی مان لیا گیا متأخر اصولیوں نے جہاں کتاب و سنت کو اصل بنایا، وہیں اقوال و فتاوی کے تقدس کو بھی پامال ہونے سے بچانے کی کوشش کی، اس طرح اصول تو وضع کر لیے گئے لیکن جگہ جگہ کمزوریاں رہ گئیں جن کے واضح اثرات آج تک کتاب و سنت پر براہ راست پڑ رہے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجة اللہ البالغة" میں ان اصولوں کا غیر جانبدارانہ اور محققانہ جائزہ لیا ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔

روایت و درایت میں اختلاف کے شاخسانے

معقولِ صریح منقولِ صحیح کے خلاف نہیں ہوا کرتا لیکن اصولیوں نے روایت و درایت میں اختلاف کے شاخسانے کھڑے کیے جن کے مندرجہ ذیل گوشے قابلِ ذکر ہیں۔

- قرآن و سنت میں اختلاف۔
- سنت و سنت میں اختلاف۔
- سنت و قیاس میں اختلاف۔

ان تینوں نقاط کی مختصر وضاحت پیشِ خدمت ہے جس سے روایت و درایت کا صحیح مفہوم سامنے آجائے گا۔

۱۔ قرآن وسنت میں اختلاف کا شاخسانہ

درایت وتفقہ کے نام پر کتاب وسنت میں اختلاف پیدا کیا گیا اور اصول وضع کر کے سنت کو رد کیا گیا۔

مثال کے طور پر صرف ابو علی نظام الدین الشاشی کی مشہور کتاب "أصول الشاشی" پر ایک نظر ڈالئے تو تمام مثالیں فراہم ہو جائیں گی اور معلوم ہو جائے گا کہ صحیح احادیث کو رد کرنے کے لیے کتنے جتن کیے گئے ہیں۔

نظام الدین الشاشی مبحث "حکم الخاص من الکتاب" میں رقمطراز ہیں:

"حکم الخاص من الکتاب وجوب العمل به لا محالة" یعنی کتاب اللہ کے حکم خاص پر لامحالہ عمل واجب ہے، اگر کوئی خبرِ واحد یا قیاس اس کے متعارض ہو تو کتاب پر عمل ہوگا۔ اللہ کا قول: **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره** (البقرة: ۲۳۰) یہ حکمِ خاص ہے۔ یعنی عورت کی جانب سے نکاح کا وجود ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حدیث "**أیما امرأة نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل باطل باطل.**" (۲) پر عمل نہیں ہوگا۔" (۳)

اس اصل وقاعدہ کے مطالعہ سے تین امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ قرآن نے سنت میں وارد امر کو واجب قرار نہیں دیا ہے۔

۲۔ سنت میں وارد امر جو قرآن میں موجود نہیں اگر واجب قرار پایا تو قرآن کا نسخ لازم آئے گا۔

۳۔ سنت کے ذریعہ قرآن کا نسخ جائز نہیں۔

ان تینوں مقدمات کے ذریعہ ان بہت سے مسائل کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا گیا جن کا وجوب صرف سنت سے ثابت ہے، جیسے **قرأة الفاتحة** اور **اعتدال وطمانینت فی الصلاة** وغیرہ۔

واضح رہے کہ اگر کسی مسئلہ پر قرآن دلالت نہیں کر رہا ہے لیکن سنت کی دلالت موجود ہے تو اس سے قرآن کا نسخ لازم نہیں آئے گا بلکہ یہ ایک زائد حکم ہوگا جس کی اطاعت ضروری ہے۔ ورنہ سنتِ رسول کا اکثر حصہ متروک العمل ہو جائے گا کیونکہ معترض فوراً یہ کہہ دے گا کہ یہ حکم چونکہ قرآن کے حکم پر زائد ہے اس لیے قابلِ قبول اور قابلِ عمل نہیں۔

مقدام بن معدیکرب کی روایت میں سنت کے ساتھ اسی برتاؤ پر نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی موجود ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

"**ألا انی أوتیت الکتاب ومثله معه، ألا یوشك رجل شبعان علی أریکته یقول: علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فأحلوه، فما وجدتم فیه من حرام فحرموه .**" (۴)

مجھے قرآن اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل دیا گیا ہے ہوشیار رہنا قریب ہے کہ آسودہ آدمی اپنے تکیہ پر ٹیک لگا کر کہے گا کہ تم صرف قرآن کی پابندی کرو جو اس میں حلال ہو اسے حلال سمجھو اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھو۔

نبی کریم ﷺ کی دوسری حدیث ہے: "**ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدهما کتاب الله وسنتی، ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض**" (۵)

میں نے دو چیزیں تمہارے درمیان چھوڑی ہیں ان دونوں پر عمل کرنے کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور میری سنت" دونوں ایک ساتھ میرے پاس حوض پر آئیں گے۔

قرآن کے ساتھ سنت کی تین حالتیں ہیں:

- من جملہ وجوہ سنت قرآن کے موافق ہو۔
- سنت قرآن کی تفسیر و توضیح ہو۔
- سنت میں کسی امر کا ایجاب یا اس کی تحریم ہو اور قرآن اس بارے میں خاموش ہو۔

ان تینوں حالات میں سنت قرآن سے متعارض نہیں، جو حکم سنت میں زیادہ ہے اس کی ابتدائی شریعت نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہے جو واجب العمل ہے۔ ارشاد باری ہے:

من یطع الرسول فقد أطاع الله. (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اگر سنت کے ذریعہ کتاب اللہ پر زائد حکم کو رد کیا گیا تو حدیث "النهي عن الجمع بين المرأة وعمتها وخالتها في النكاح" وحدیث "يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب" وحدیث "ميراث الجدة" وغیرہ جیسی اور بہت سی احادیث کا بطلان لازم آئے گا کیونکہ یہ احکام صرف سنت سے ثابت ہیں قرآن میں موجود نہیں۔

ایک طرف تو قرآن اور سنتِ صحیحہ میں تعارض پیدا کر کے سنت کو رد کیا جاتا ہے تو دوسری طرف بہت سے مسائل میں مختلف فیہ اور ضعیف احادیث بلکہ قیاس سے استدلال کیا جاتا ہے اگر سنت صحیحہ کے ذریعہ ثابت شدہ حکم سے قرآن کا نسخ ثابت ہوتا ہے تو قرآن کے مقابلہ میں مختلف فیہ اور ضعیف احادیث سے استدلال کیوں کیا جاتا ہے اگر اپنے وضع کیے ہوئے اصولوں کی پابندی اتنی ضروری ہے تو نفسانیت سے بچ کر ہر حال میں اس کی پابندی ہونی چاہئے۔ مثال کے طور پر "ایجاب الوضوء من القهقهة" کی حدیث ضعیف ہے اور "ایجاب الوتر" کی حدیث مختلف فیہ ہے یہ دونوں حکم قرآن میں موجود نہیں لیکن ان پر عمل کیا جارہا ہے۔ کیا اس سے قرآن کا نسخ ثابت نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو جس طرح قرآن کی تفسیر و توضیح کی اجازت دی ہے وہیں آپ کو ابتدائی طور پر کسی امر کو شریعت کا درجہ دینے کا منصب بھی عطا فرمایا ہے لہٰذا آپ کے کسی بھی حکم کی قرآن اجمالی طور پر تصدیق کرتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا. (الحشر: ۷)

"رسول جو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔"

اس آیت کے ذریعے سلف صالحین حدیث و سنت کی تصدیق کیا کرتے تھے۔ سلف صالحین میں کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے کسی صحیح حدیث کے بارے میں یہ کہا ہو کہ چونکہ اس کا حکم قران میں جوجود نہیں اس لیے وہ قابل عمل نہیں۔ ان کے دلوں میں بنی کریم ﷺ کا مقام اور سنت رسول کی عظمت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ (۶)

۲۔ سنت اور سنت میں اختلاف کا شاخسانہ

دو صحیح حدیثوں میں تعارض پیدا کر کے ایک کو رد کرنے کے لیے اصول وضع کیے گئے۔ نظام الدین الشاشی رقمطراز ہیں:

"خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو ...... اور خلاف ظاہر بھی نہ ہو....

اس لیے ضروری ہوا کہ خبر کو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ پر پیش کیا جائے۔

سنت مشہورہ پر خبر کو پیش کرنے کی مثال میں حدیث "القضاء بشاهد و يمين" کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خبر حدیث مشہور "البينة على المدعى واليمين على من أنكر" کے خلاف ہے۔

حدیث "القضاء بشاهد و يمين" صحیح مسلم (رقم ۱۷۱۲)، وسنن أبی داؤد (رقم ۳۶۰۸)، وسنن ابن ماجہ (رقم ۲۳۷۰) وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے۔

یہ حدیث دوسرے دواوین سنت میں علی، ابن عباس، زید بن ثابت، جابر، ابو ہریرہ، عمارہ بن حزم، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عمرو، اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ لیکن حدیث ابن عباس أصح ہے۔(۷)

توفيق بين الحديثين

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دیتے ہوئے امام خطابی نے فرمایا کہ حدیث "القضاء بشاهد و يمين" حدیث "البينة على المدعى واليمين على من أنكر" کے خلاف نہیں۔ کیونکہ "البينة على المدعى" صرف قسم کی حالت میں ہے اور "القضاء بشاهد و يمين" کا تعلق شہادت اور قسم دونوں کے یکجا جمع ہونے کی صورت میں ہے اور دونوں الگ الگ ہیں۔ اور جب دونوں الگ الگ ہیں تو ان کا حکم بھی مختلف ہوا۔ (۸)

امام خطابی اور امام نووی دونوں نے لکھا ہے کہ "القضاء بشاهد و يمين" کا تعلق اموال و حقوق وغیرہ سے ہے۔ یہی مذہب ابو بکر صدیق، علی، عمر بن عبدالعزیز، مالک، شافعی، احمد، فقہاء مدینہ، بقیہ علمائے حجاز اور جملہ علمائے امصار سے منقول ہے۔(۹)

امام ابن القیم - رحمہ اللہ - نے اس حدیث کے دفاع میں لکھا ہے کہ:

"صحیح حدیثوں کو رد کرنے کے لیے اس طرح کی علتوں کا سہارا لینا شدت پسندی ہے۔ اگر سنتوں کو ان علتوں کے سبب چھوڑ دیا جائے تو صحیح احادیث و سنن کا تقدس پامال ہو کر رہ جائے گا۔"(۱۰)

خلاصہ یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں دونوں کے سبب ورود الگ الگ ہیں اور اپنی اپنی جگہوں پر معمول بہ ہیں۔ دونوں کے قائل ایک ہیں دونوں میں کوئی تعارض نہیں، لہٰذا من مانی اصول گڑھ کر صحیح احادیث میں تعارض پیدا کر کے انھیں رد کرنا اتباع سنت کے خلاف ہے۔

باہم متعارض احادیث کے تعارض کو دفع کرنے کے لئے علوم حدیث میں نہایت آسان قاعدہ بتایا گیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ اگر توفیق و تطبیق ممکن ہو تو دونوں میں تطبیق دی جائے۔

۲۔ اگر متقدم و متأخر ہونے کی تاریخ معلوم ہو تو متقدم منسوخ اور متأخر حدیث ناسخ ہو گی۔

۳۔ اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو علوم حدیث میں مذکور وجوہ ترجیح کی بنیاد پر ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔

۴۔ اگر ترجیح مشکل ہو تو اس حدیث کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔(۱۱)

یعنی دونوں حدیثوں پر جب تک عمل ممکن ہو گا کسی ایک کو رد نہیں کیا جائے گا لیکن درایتی اصول پر عمل کرنے سے ایک سنت کا ابطال اور ایک دلیل کا بطلان لازم آتا ہے۔

۳۔ سنت و قیاس میں اختلاف کا شاخسانہ:

عقل و نقل میں اختلاف نہیں ہوتا، لیکن اصولی قیاس اور سنت صحیحہ میں تعارض پیدا کر کے حدیث کو رد کرنے کا اصول بنایا گیا۔

نظام الدین الشاشی نے رواۃ حدیث کی دو قسمیں بیان کی ہیں :

۱۔" علم و اجتہاد میں معروف رواۃ : مثلاً خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ عمر، زید بن ثابت اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرھم۔ ان حضرات کی روایت پر عمل کرنا قیاس پر عمل کرنے سے اولیٰ ہے۔

۲۔ دوسری قسم ان رواۃ کی ہے جو حفظ و عدالت میں تو معروف ہیں، لیکن اجتہاد و فتوی میں معروف نہیں، جیسے ابو ہریرہ اور انس بن مالک۔(رضی اللہ عنہما)

اگر ان حضرات کی روایات قیاس کے خلاف ہوں تو قیاس پر عمل اولیٰ ہو گا۔ اسی بناء پر ہمارے اصحاب نے قیاس کے مقابلہ میں ابو ہریرہ سے مروی حدیث " المصراۃ" پر عمل ترک کر دیا۔" (۱۲)

معروضات

اس اصل و قاعدہ کے تعلق سے چند معروضات پیش خدمت ہیں :

قیاسی موشگافیوں کے سبب ابو ہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما جیسے عالم و حافظ صحابہ رسول کو غیر فقیہ گردانا ان کی توہین، اور ان کی روایات کے مقابلہ میں قیاس پر عمل اولیٰ سمجھنا نہایت مذموم اور غیر ایماندارانہ حرکت ہے۔ امام ابن السمعانی نے اسی لئے فرمایا کہ:

"صحابہ کرام کی ذات کو موردالزام ٹھرانا اس کے فاعل کی رسوائی کی علامت اور بدعت وضلالت ہے۔"(۱۳)

حدیث "المصراۃ"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" لا تصروا الابل والغنم، فمن ابتاعها بعد، فانه يخير النظرين بعد أ ن يحتلبها ان شاء امسك، وَان شاء ردها وصاع تمرٍ." (۱۴)

"اونٹ اور بکریوں کے تھنوں میں (بیچتے وقت دھوکہ دینے کے لئے) دودھ مت جمع کرو، کیونکہ جو شخص اس عمل کے بعد اسے خریدے گا اسے دودھ دوھنے کے بعد اختیار ہو گا کہ چاہے تو اسے خریدے، یا ایک صاع کھجور کے ساتھ اسے لوٹا دے۔"

اس حدیث میں قیاسیوں کا اشکال یہ ہے کہ دودھ کے بدلہ ایک صاع کھجور کا لوٹانا خلاف قیاس ہے، اس لئے حدیث

قابل عمل نہیں۔

لیکن حقیقت میں نہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہیں اور نہ یہ عمل خلاف قیاس ہے۔ آئندہ سطور سے یہ دونوں اُمور انشاءاللہ واضح ہو جائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس اصل کی روایت میں منفرد نہیں، بلکہ دوسرے صحابہ سے بھی یہ اصل مروی ہے خود امام بخاری نے عبداللہ بن مسعود سے اثر نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"من اشترى شا ة محفلة فردها فليردها معها صاعاً من تمر . " (۱۵)

جس نے تھن میں دودھ جمع کی ہوئی بکری خریدی پھر اسے لوٹانا چاہتاہے تو ایک صاع کھجور بھی اس کے ساتھ لوٹائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہ کر بخاری کی اس روایت کو قیاس کے مقابلہ میں رد کر دیا گیا۔ لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو فقیہ ہیں ان سے بھی تو یہی اصل مروی ہے اور شاید اسی نکتہ کی وجہ سے امام بخاری نے اس اثر کو حدیث "المصراة" کے فوراً بعد نقل کیا ہے۔

حدیث " المصراة" قیاسی اصول کے خلاف تو ہو سکتی ہے لیکن اصول کتاب وسنت کے خلاف نہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح بنفسہ اصل وحجت ہے۔(۱۶)

دودھ کے بدلہ ایک صاع کھجور لوٹانے کی حکمت

شارع نے ایک صاع کھجور متعین کیا اس کی حکمت یہ ہے کہ فریقین کے درمیان جنس اور مقدار کی تعیین میں اختلاف نہ ہو۔

دودھ کے مقابلہ میں کھجور کو متعین کیا اس کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح دودھ اہل مدینہ کی خوراک تھا اسی طرح کھجور بھی۔ اور دونوں "مکیل" ہیں یعنی پیمانے سے بیچے جاتے ہیں، گیہوں، جو، اور چاول وغیرہ کے برخلاف دودھ اور کھجور کو فوراً بغیر کسی مزید تیاری کے کھایا اور پیا جاتا ہے اس لیے کھجور اشیاء خوردنی میں دودھ سے قریب تر ہے۔ اس طرح دودھ کے بدلہ کی تعیین قرین قیاس ہے خلاف قیاس نہیں۔(۱۷)

نقد اصول درایت

بہت سے علمائے ثقات نے ان قیاسی اور درایتی اصولوں پر نقد کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ معقول صریح منقول صحیح کے خلاف نہیں ہوا کرتا منقول صحیح قیاسی اصولوں کے خلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اصول کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوگا اگر کوئی منقول بظاہر معقول کے خلاف پڑ رہاہے تو منقول کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اللہ کے فرمان **(وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا......)** ﴿**الحشر : ۷**﴾ کا یہی تقاضا ہے۔

جن حضرات علمائے کرام نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے ان میں چار شخصیتیں میری نظر میں قابل ذکر ہیں:

(۱) امام ابو محمد عبدالله بن مسلم بن قتيبه الدينوری (م ۲۷۶ھ) :

امام ابن قتیبہ الدینوری نے اپنی معروف کتاب **"تأويل مختلف الحديث"** تصنیف فرمائی، جس میں سنت کا بھرپور

دفاع کیا، فرق ضالہ کے شبہات کا جواب دیا، اور ان کے باطل مقاصد کا پردہ فاش کیا۔

(۲) امام شمس الدين أبو عبدالله محمد بن أبى بكر المعروف بابن قيم الجوزية. (م ۷۵۱ھ)

امام ابن القیم نے اپنی نفیس کتاب "اعلام الموقعین عن رب العالمین" تالیف فرمائی جو چار اجزاء میں مطبوع ہے۔ اس کتاب میں مختلف پہلوؤں سے سنت کا دفاع کیا گیا ہے اور درایت کے قیاسی اصولوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ واقعی یہ کتاب علماء کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

(۳) امام احمد بن عبد الرحيم المعروف بولى الله الدهلوى (م ۱۱۷۶ھ) :

شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے اپنی مختلف کتابوں میں سنت کا دفاع فرمایا ہے لیکن بطور خاص اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں قیاسی اصول درایت کا مختصر لیکن نہایت محققانہ جائزہ لیا ہے۔

(٤) مو لانا محمد اسماعيل السلفى (م ۱۳۸۷ھ) :

مولانا محمد اسماعیل سلفی (سابق امیر جماعت اہل حدیث پاکستان) نے اپنی بہت سی تحریروں میں سنت کا دفاع کیا ہے، معترضین کے اعتراضات کا عالمانہ جواب دیا ہے، دلائل کی روشنی میں اصول درایت کی کمزوریوں کو واضح کیا ہے۔ اس موضوع پر آپ کی معروف کتاب "تحریک آزادیٔ فکر اور شاہ ولی اللہ کی مساعی جمیلہ"، رسالہ "جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث" اور "حسن البیان" پر مقدمہ وتصدیر قابل مطالعہ ہیں۔

خلاصۂ بحث

روایت ودرایت کے اس موضوع کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل چیزیں واضح ہوئیں :

۱- روایت ودرایت میں اختلاف کا شہرہ متاخر اصولیوں کی کارستانی ہے۔ ورنہ حقیقت میں روایت ودرایت میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲- قیاسی اصولوں سے صحیح احادیث کو رد کیا گیا جس سے سنت کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں کم ہوئی۔

۳- سنت صحیحہ کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک یہ رہا ہے کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اسے بغیر کسی چوں چرا کے قبول کر لیا نہ اسے قرآن پر پیش کرنے کی ضرورت سمجھی اور نہ سنن مشہورہ پر۔

ارشاد الٰہی (وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا) (الحشر : ۷) کا یہی تقاضا ہے۔

۴- (وما ينطق عن الهوى. ان هو الا وحى يوحى) (النجم ۳-۴) احادیث صحیحہ کی صفت ہے، سنت وحدیث فی نفسہ حجت ودلیل ہے اس لئے تمام اقوال وافعال کو احادیث رسول کے میزان پر تولا جائے گا۔ نہ کہ اس کے برعکس احادیث وسنن کو ظن وقیاس کے ذریعہ رد کیا جائے گا۔

۵- اگر درایت کے قیاسی اصولوں سے سنت کو رد کیا گیا تو سنت کا اکثر حصہ قیاس کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کے خلاف سازشوں کو سمجھنے اور ان کے دفاع کی توفیق عنایت فرمائے۔

حوالہ جات

۱- کشاف اصطلاحات الفنون : لمحمد علی التھانوی ۱/ ۳۷-۳۸، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۸ء

۲- عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح روایت ہے۔ ملاحظہ ہو : مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ (صحیح الجامع الصغیر رقم ۲۷۰۹)

۳- اصول الشاشی ص ۱۷-۲۰، دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ - ۱۹۸۲ء

۴- حدیث صحیح- ملاحظہ ہو : مسند احمد و سنن ابی داؤد (صحیح الجامع الصغیر رقم ۲۶۴۳)

۵- حدیث صحیح- ملاحظہ ہو : مستدرک الحاکم (صحیح الجامع الصغیر رقم ۲۹۳۷)

۶- ملاحظہ ہو : "اعلام الموقعین عن رب العالمین" لابن القیم الجوزیة ۲/ ۲۱۹-۲۳۶، دارالکتب العلمیة طبع ثانی ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳ء

۷- شرح صحیح مسلم للنووی ۱۲/ ۴، داراحیاء التراث العربی، طبع ثانی ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲ء

۸- ملاحظہ ہو : عون المعبود ۱۰/ ۳۱-۳۲، المکتبہ السلفیہ بالمدینة، طبع ثانی ۱۳۸۸ھ - ۱۹۶۸ء

۹- ملاحظہ ہو : شرح صحیح مسلم ۱۲/ ۴

۱۰- ملاحظہ ہو : شرح سنن ابی داؤد لابن القیم مع عون المعبود ۱۰/ ۳۴

۱۱- ملاحظہ ہو : نزھة النظر للحافظ ابن حجر ص ۸۰-۸۳، مکتبہ ابن تیمیہ - القاہرہ۔

۱۲- اصول الشاشی ص ۲۷۵-۲۷۶۔

۱۳- ملاحظہ ہو : فتح الباری ۴/ ۳۶۵، الطبعة السلفیة

۱۴- ملاحظہ ہو : صحیح البخاری مع الفتح ۴/ ۳۶۱ رقم ۲۱۴۸

۱۵- صحیح البخاری ۴/ ۳۶۱ رقم ۲۱۴۹

۱۶- اس حدیث پر اعتراضات کے جوابات کے لیے ملاحظہ فرمائیں : فتح الباری ۴/ ۳۶۶-۳۶۷، نیز "أعلام الموقعین" ۲/ ۱۵-۱۷

۱۷- ملاحظہ ہو : أعلام الموقعین ۲/ ۱۶

مولانا کفایت اللہ مدنی
جامعہ ابن تیمیہ، بہار

حدیث مرسل
ایک تحقیقی جائزہ

بلا شبہ احادیث نبویہ اسلامی تہذیب وثقافت کا ترجمان، علم وحکمت کا خزانہ، مسلم سوسائٹی اور اس کے اخلاق وکردار کا پرتو اور آئینہ دار ہیں۔ قرآن کے ہمراہ اسلامی قانون ساز اسمبلی کا رکنِ رکین اور تشریع اسلامی کی اصلِ اصیل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک علمائے اسلام وقت وزمانہ، امکانیات اور وسائل کے لحاظ سے انہیں تحفظ فراہم کرتے رہے۔ عہد رسالت میں جب کہ لکھنے کا کوئی خاص رواج نہیں تھا، زینت صدر اور وسائل وامکانیات فراہم ہو جانے کے بعد زینت قلم بنیں۔

صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والی نسل اچھی طرح سمجھتی تھی کہ حفاظتِ دین کا راز حفاظتِ کتاب وسنت میں مضمر ہے اس لیے سب سے پہلے قرآن کریم کو مختلف جگہوں سے یکجا کر کے کتابی شکل دینے میں لگ گئے اور پھر سنتِ رسول کی طرف متوجہ ہوئے جس کے نتیجہ میں تدوینِ حدیث کا سلسلہ شروع ہوا اور تیسری اور چوتھی صدی ہجری آتے آتے مختلف انداز (جوامع، صحاح، مسانید، معاجم اور اجزاء) کی کتب حدیثِ ضبط تحریر میں لائی گئیں۔

جہاں ایک طرف علمائے اسلام کتبِ حدیث کی ترتیب وتنسیق میں منہمک تھے، وہیں دوسری طرف اہل سیاست دائرہ اسلام وسیع سے وسیع تر بنانے کے لیے کوشاں تھے جس کے نتیجے میں عرب وعجم کا اختلاط ناگزیر ہو گیا اور دانستہ یا غیر دانستہ طریقے سے احادیث نبویہ تحریف وتبدیلی، اختلاق وافترا کی شکار ہو گئیں، ان میں شکوک وشبہات پیدا کیے جانے لگے، ضعاف القلوب والعقول کی جانب سے مختلف قسم کے اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی جس کے پیشِ نظر علماء کچھ ایسے قواعد وضوابط وضع کرنے پر مجبور ہوئے جن کے ذریعہ کھرے کھوٹے کے مابین تمیز، سچ اور جھوٹ میں فرق اور صحیح وضعیف کی پہچان کی جا سکے۔

یوں تو اس فن کی بنیاد عہد صحابہ ہی میں پڑ چکی تھی لیکن چونکہ تابعین اور ان کے بعد دروغ گوئی اور افتراء پردازی کا دائرہ وسیع ہو گیا اس لیے علماء نے مصطلحات الحدیث کو مستقل حیثیت دے کر اپنی قیمتی اور نایاب رشحات قلم سے مکتبات اسلامیہ کو مزین کیا۔ اسی فن کی ایک اہم کڑی 'حدیث مرسل' ہے۔

مرسل لغت میں

"مرسل" ایک عربی لفظ نیز اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ "ر" "س" اور "ل" سے مل کر بنے اس لفظ کا ذکر قرآن وسنت

میں بکثرت ہوا ہے۔ چنانچہ مختلف اشکال و معانی کے ساتھ قرآن کے اندر تقریباً پانچسو ۵۰۰ اور "المعجم المفهرس لالفاظ الحديث" کے احصاء کے مطابق صحیحین، سنن اربعہ، مسند احمد، سنن دارمی اور امام مالک کی مؤطا میں کم و بیش چار سو اسی ۴۸۰ مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ غرائب قرآن وحدیث اور کتب لغت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لفظ عموماً چار معانی کے لیے آتا ہے:

۱۔ "آزاد چھوڑنا" چنانچہ جب آپ کسی چیز کو آزاد چھوڑ دیں اور اسے نہ روکیں اس وقت "ارسلت كذا" (۱) کہیں گے "میں نے اسے آزاد چھوڑ دیا" اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "الم ترى أنا ارسلنا الشياطين على الكافرين توزهم ازا" (۲) اے نبی کیا آپ نے کبھی غور کیا ہم نے شیطانوں کو کافروں کے لیے آزاد چھوڑ رکھا ہے جو انہیں گناہوں پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے باب افعال کے مصدر ارسال سے ماخوذ ہوگا۔ اس صورت میں "مرسل" کا معنی شروط روایت بالائے طاق رکھ کر سند حدیث کو مطلق آزاد چھوڑ دینا ہوگا۔

۲۔ "جاء القوم أرسلا" (۳) سے ماخوذ ہے۔ یعنی لوگ مختلف جماعت اور ٹولیوں میں آئے۔ "اَرسال" "رسل" کی جمع ہے۔ جس کا معنی جماعت، ٹولی، گروہ اور ٹکڑا ہوا ہے۔ اسی ضمن میں حدیث رسول ﷺ وارد ہوئی ہے: "ان الناس دخلوا عليه بعد موته ارسالا يصلون عليه" (۴) نیز "انى فرط لكم على الحوض وانه سيوتى بكم رسلا رسلا" (۵) وفات رسول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے کمرہ میں داخل ہوئے اور سبھوں نے الگ الگ نماز جنازہ ادا کی اور "میں حوض پر تم لوگوں سے پہلے پہونچوں گا۔ تمہیں مختلف جماعتوں میں لایا جائے گا۔ اس صورت میں "مرسل" کا معنی الگ ہونے اور کٹنے کا ہوگا یعنی رجال سند ایک دوسرے سے ملے نہیں جس کی بنیاد پر سند منقطع ہوگئی۔

۳۔ "اطمینان اور اعتماد و یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایسی حالت میں "مرسل" "استرسال" (٦) سے ماخوذ ہوگا۔ گویا "مرسل" نے "مرسل علیہ" پر اعتماد کر لیا اور سند کو اس کی آخری منزل تک نہیں پہونچایا، اسی قبیل سے نبی اکرمؐ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔ "أيما مسلم استرسل على مسلم فغبنه فهو كذا" (۷) اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر بھروسہ کرے اور وہ اسے دھوکہ میں ڈال دے تو اس کے لے یہ سزا ہے اور یہ حدیث بھی جس کے الفاظ ہیں: "غبن المسترسل ربا" (۸) معتمد علیہ کا دھوکہ سود خوری کے مترادف ہے لیکن غیر معتمد اور ضعیف راوی سے ارسال کرنا اس لغوی تعریف کے لیے باعث اعتراض بن سکتا ہے۔

۴۔ جلد بازی، تیز چلنا وغیرہ کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ اسی معنی کو لے کر تیز رفتار اونٹنی کو "ناقة مرسال" (۹) کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع "مراسیل" آتی ہے۔ کعب بن زہیر کہتے ہیں۔

اسعت سعاد بارض لا يبلغها الا العتاق النجيبات المراسيل (۱۰)

سعاد ایسی دور افتادہ جگہ پہنچ گئی جہاں صرف عمدہ اور تیز رفتار اونٹنیاں ہی پہنچا سکتی ہیں

اس لحاظ سے "مرسل" کا معنی: جلد بازی میں سندِ حدیث سے بعض راویوں کو حذف کر دینا ہوگا۔ یہ ہوئی "مرسل" کی لغوی تعریف، اس کی اصطلاحی تعریف میں چاروں معنی لیے جاسکتے ہیں۔

مرسل اصطلاح میں

مرسل کی اصطلاحی تعریف کے سلسلے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ محدود مطالعہ کے باعث مجھے صرف تیئیس ۲۳ر اقوال ہی دستیاب ہو سکے جو ہدیہ قارئین ہیں :

۱۔ حاکم نے اپنی مختلف کتابوں میں "مرسل" کی تین تعریفیں کی ہیں۔

(الف) هو قول الامام التابعی او تابع التابعی قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وبینه وبین رسول الله صلی الله علیه وسلم قرن او قرنان ولایذکر سماعه من الذی سمعه فیه". (۱۱)

تابعی یا تبع تابعی کا کہنا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راوی اور صاحبِ شریعت کے درمیان صدی یا دو صدی کا فاصلہ ہو اور وہ اپنے استاد کا نام نہ لے۔

(ب) الحدیث المرسل هو الذی یرویه المحدث باسانید متصلة الی التابعی فیقول التابعی قال رسول الله صلی الله علیه وسلم" (۱۲) حدیث مرسل وہ حدیث ہے جسے محدث تابعی تک متصل سند سے روایت کرے اور پھر تابعی کہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔

(ج) تیسری تعریف میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں جس کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔

۲۔ بغوی "مرسل" کی تعریف کرتے ہیں "هو قول التابعی اوتابع التابعی قال رسول الله صلی الله علیه وسلم" (۱۳) تابعی یا تبع تابعی کہے: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ گویا حاکم کی بعینہ دوسری تعریف۔

۳۔ ابن عبدالبر "تمہید" کے اندر "مرسل" کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: فأما المرسل فان هذا الاسم أوقعوه باجماع علی حدیث التابعی الکبیر عن النبی ﷺ مثل ان یقول : عبیدالله بن عدی بن الخیار أو ابو امامة بن سهل بن حنیف او عبدالله بن عامر بن ربیعه ومن کان مثلهم قال رسول الله ﷺ" (۱۴) اور جہاں تک حدیث "مرسل" کا سوال ہے تو سبھوں نے اس کی یہی تعریف کی ہے۔ جس کو کوئی باا ثر تابعی رسول اللہ ﷺ سے بلاواسطہ روایت کریں۔ مثلاً عبیداللہ ابن عدی ابن خیار۔ ابو امامہ بن سہل بن حنیف اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہ یا ان کے ہم پلہ کہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔

۴۔ خطیب نے "مرسل" کی تین تعریفیں کی ہیں۔

(الف) المرسل: هو ما انقطع اسناده بان یکون فی راویه من لم یسمعه ممن فوقه." (۱۵)

مرسل وہ حدیث ہے۔ جس کی سند میں انقطاع ہو بایں طور کہ بعض راوی اپنے مشائخ سے نہ سن سکے ہوں۔ خطیب کی یہ تعریف منقطع، معضل اور معلق سب کو شامل ہے۔ امام ابوزرعۃ، ابوحاتم، دار قطنی اور بیہقی نے بھی کچھ اسی طرح کی تعریف کی ہے اور امام بخاری نے بھی اس طرح کی روایت کو "مرسل" گردانا ہے۔ (۱۶) اور امام ابوداوٗد نے اپنی کتاب "المراسیل" کی تالیف میں یہی منہج اپنایا ہے۔ (۱۷)

(ب) لا خلاف بین اهل العلم ان ارسال الحدیث الذی لیس بمدلس هو روایة الراوی عمن لم یعاصره

کالتابعین عن النبی ﷺ وابن جریج عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة، ومالك عن القاسم بن محمد بن أبی بکر الصدیق أو عمن عاصره ولم یلقه کالثوری وشعبة عن الزهری وماکان نحو ذلك فالحکم فیه وکذا فیمن لقی من اضاف الیه سمع منه الا أنه لم یسمع منه ذلك الحدیث واحد." (۱۸)

صفت تدلیس سے خالی مرسل حدیث غیر معاصر راوری سے روایت کرنے کو کہتے ہیں اس بارے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔ مثلاً تابعین رسول اکرم ﷺ سے روایت کریں، اسی طرح سے ابن جریج روایت کریں عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اور مالک: قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق سے، یا معاصرت حاصل ہو لیکن ملاقات ثابت نہ ہو جیسے ثوری اور شعبہ کی روایت زہری سے اس طرح کی مرویات یا معاصرت اور ملاقات دونوں ثابت ہو لیکن مروی حدیث کی سماعت ثابت نہ ہو ان تمام مذکورہ صورتوں کا حکم ایک ہوگا۔

(ج) تیسری تعریف جمہور محدثین کی طرح ہے جو عنقریب آرہی ہے۔

۵۔ ابوالحسن بن القطان نے بھی مرسل کی دو تعریفیں کی ہیں :

(الف) الارسال : روایة الراوی عمن لم یسمع منه" (۱۹) غیر سنے ہوئے شخص سے روایت کرنے کو ارسال کہتے ہیں۔

(ب) المرسل : "أن یروی بعض التابعین عن النبی ﷺ خبرا او یکون بین الراوی وبین رجل رجال." (۲۰) مرسل وہ روایت ہے جسے بعض تابعین نبی کریم ﷺ سے روایت کریں، یا راوی اور اس کے شیخ کے درمیان ایک اور کوئی ہو"

۶۔ امام نووی نے دو تعریفیں کی ہیں :

(الف) شرح مسلم کے اندر انہوں نے مرسل کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے: المرسل عند الفقهاء والاصولین والخطیب وجماعة من المحدثین ما انقطع اسناده علی ای وجه کان فهو عندهم بمعنی المنقطع" (۲۱) فقہا اصولیوں اور محدثین کی جماعت نے جن میں خطیب بھی ہیں، مرسل کی تعریف اس طرح سے کی ہے: سندِ حدیث کے کسی طبقہ میں انقطاع ہو، اس لحاظ سے ان کے نزدیک "حدیث مرسل" منقطع کے مترادف ہوگی۔

(ب) شرح المهذب کے اندر انہوں نے مرسل کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے : مرادنا بالمرسل هنا: ماانقطع اسناده فقط من روایة واحد فاکثر، وخالفنا أکثر المحدثین: فقالوا هو روایة التابعی عن النبی ﷺ" (۲۲) یہاں "مرسل" سے ہماری مراد : جس کی سند منقطع ہو یعنی ایک یا ایک سے زائد راوی ساقط ہوں۔ اس سلسلے میں ہم نے جمہور محدثین کی مخالفت کی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک "مرسل" وہ حدیث ہے جسے تابعی نبی کریم ﷺ سے روایت کرے۔

۷۔ استاد ابو منصور نے مرسل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: المرسل ماسقط من اسناده واحد فان سقط أکثر فهو معضل" (۲۳) جس کی سند سے ایک راوی ساقط ہو اسے مرسل کہتے ہیں اور اگر اس سے زیادہ ساقط ہوں تو وہ معضل کہلائے گی۔

۸۔ خلیل الصفدی نے بعض متاخرین کا قول نقل کیا ہے: المرسل ماوقع الی النبی ﷺ بالعننه"(۲۴) مرسل حدیث وہ ہے جسے نبی ﷺ سے بلاسند روایت کیا جائے۔

۹۔ ابو نعیم نے اپنی مستخرج میں "مرسل" کو معلق کے مترادف گردانا ہے۔(۲۵) اور معلق کی تعریف ابن صلاح نے یوں کی ہے "الذی حذف من مبداء اسناده واحد أو أكثر"(۲۶) معلق وہ روایت ہے جس کے شروع سند سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں۔

۱۰۔ ابن حاجب اور آمدی نے "مرسل" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: المرسل : قول غیر الصحابی قال رسول اللهﷺ" (۲۷) غیر صحابی کا کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔

۱۱۔ علامہ سخاوی نے فتح المغیث کے اندر بعض حنفی علماء کا قول نقل کیا ہے۔ "وقد توسع من اطلق من الحنفية على قول الرجل من اهل هذه الاعصار قال النبی ﷺ" (۲۸) دسویں صدی ہجری کا کوئی کہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔

۱۲۔ ابن صلاح نے "مرسل" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے : وصورته. ای المرسل. التی لاخلاف فيها حديث التابعی الكبير الذی لقی جماعة من الصحابة وجالسهم كعبيد الله بن عدی بن الخيار ثم سعيد بن المسيب وأمثالهما اذا قال قال رسول اللهﷺ"(۲۹) "مرسل" کی صورتوں میں سے متفق علیہ صورت یہ ہے کہ عبید اللہ بن عدی بن خیار اور سعید بن المسیب یا انہیں جیسا کوئی بااثر تابعی کہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔

۱۳۔ ابواسحاق اسفرائینی اپنی کتاب "الاصول" کے اندر مرسل کی تعریف یوں کرتے ہیں: المرسل: رواية التابعی عن النبی ﷺ أوتابع التابعی عن الصحابی فاما اذا قال تابع التابعی أو واحد منا قال رسول اللهﷺ فلا يعد شيئا"(۳۰) "مرسل" وہ حدیث ہے جسے تابعی بلاواسطہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرے یا تبع تابعی صحابی سے لیکن تبع تابع یا ہم میں سے کوئی بلاواسطہ اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرے تو وہ مرسل کیا کچھ بھی نہیں کہلائے گی۔

۱۴۔ ابو بکر بن فورک نے کہا "قول التابعی قال رسول اللهﷺ كذا"(۳۱) تابعی کہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا۔

۱۵۔ امام حرمین کہتے ہیں "من صور المرسل أن يقول : قال الشافعی : قال رسول اللهﷺ "(۳۲) "مرسل" کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی کہے کہ امام شافعی نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔

۱۶۔ جمہور محدثین کے نزدیک "مرسل" کی تعریف یہ ہے۔ "هو ما أضافه التابعی الی النبی ﷺ من غير تقييد بالكبير" (۳۳) نبی کریم ﷺ سے تابعی، چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں، روایت کرے۔

۱۷۔ غزالی کے یہاں مرسل کی تعریف یہ ہے: وصورة المرسل أن يقول : قال رسول الله ﷺ من لم يعاصره" (۳۴) عہد رسالت کا غیر معاصر شخص رسول اکرم ﷺ سے روایت کرے۔

جمہور کی تعریف کی روشنی میں اس شخص کی حدیث بھی مرسل کہلائے گی جس نے آپ سے حالت کفر میں سنا لیکن

ایمان آپؐ کی وفات کے بعد لایا ہو ایسا شخص یقیناً تابعی ہوگا اور اس کی روایت متصل مانی جائے گی اس اعتراض سے بچنے کی خاطر ابن حجر نے مرسل کی تعریف یوں کی ہے۔

۱۸۔ ما أضافه التابعي الى النبي ﷺ مما سمعه من غيره" (۳۵) "مرسل" وہ حدیث ہے کہ دوسرے سے سنی ہوئی روایت کی نسبت تابعی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کرے۔

ان مذکورہ تعریفات پر جب ہم ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم کی دوسری تعریف، اسی طرح خطیب کی "دونوں تعریفیں' ابوالحسن بن القطان کی دونوں تعریفیں، ابن حاجب، آمدی، نووی، ابونعیم، استاد منصور، خلیل الصفدی، غزالی، امام حرمین اور علامہ سخاوی نے جو بعض حنفی علماء کے توسط سے نقل کیا ہے ان سب کے نزدیک "مرسل" منقطع، معضل اور معلق مترادف ہوں گی اور اسی نہج پر امام ابوداؤد نے اپنی کتاب "المراسیل" کی ترتیب دی ہے۔ ان تعریفات پر عمل کرنے سے سند جو کہ اس امت کی ایک امتیازی شان ہے، ختم ہو جائے گی اور تمام کتب رجال بے فائدہ اور لایعنی ثابت ہوں گی۔ اسی لیے علامہ علائی نے ابن حاجب وغیرہ کی تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

اطلاق ابن الحاجب وغيره يظهر عند التأمل في اثناء استدلالهم انهم لا يريدونه بل انما مرادهم ما سقط من التابعي مع الصحابي أو ما سقط منه اثنان بعد الصحابي ونحو ذلك ويدل عليه قول امام الحرمين في البرهان : مثاله أن يقول الشافعي رضي الله عنه قال رسول الله ﷺ كذا، قال ولم ارى من صرح بحمله على اطلاقه الا بعض المتأخرين من غلاة الحنفية وهو اتساع غير مرضي لأنه يلزم منه بطلان اعتبار الاسناد الذي هو من خصائص هذه الامة وترك النظرة في احوال الرواة والاجماع في كل عصر على خلاف ذلك فظهور فساده غني عن الاطالة فيه." (۳۶)

ابن حاجب وغیرہ کے طریقہ استدلال پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اطلاق سے ان لوگوں کا مقصد تابعی کے ساتھ صحابی یا طبقہ صحابہ کے بعد دو راوی ساقط ہوں جس کی تائید امام حرمین کے اس قول سے ہوتی ہے۔ وہ مرسل کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں: مثلاً امام شافعیؒ کہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا اور ہم نے بعض متاخرین تشدد پسند حنفی علماء کے علاوہ کسی کو بھی اطلاق کو اپناتے ہوئے نہیں دیکھا اور یہ بے جا وسعت ہے اس سے سند کا اعتبار ساقط ہو جائے گا جو کہ اس امت کی ایک امتیازی شان ہے اور اس طرح رواۃ حدیث پر تمام تبصرے بے سود ثابت ہوں گے۔

اور ابو اسحاق اسفرائنی کی تعریف کی روشنی میں موقوفات "مراسیل" کے مترادف ہوں گی لیکن وہ اپنے اس قول میں منفرد ہیں کسی نے بھی ان کے اس قول کی تائید نہیں کی ہے۔

اب رہی بات ابن صلاح اور ابن عبدالبر اور ان کے ہم خیالوں کی، جنہوں نے مرسل کی تعریف تابعی کبیر سے کی ہے تو ان لوگوں کی تعریف پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"ولم أرتقييده بالكبير صريحا عن احد لكن نقله ابن عبدالبر عن قوم بخلاف مايوهمه كلام المصنف نعم قيد الشافعي المرسل الذي يقبل اذا اعتضد بان يكون من رواية التابعي الكبير ولا يلزم منه ذلك أنه لا يسمى

مارواه التابعي الصغير مرسلا، والشافعي مصرح بتسمية رواية من دون كبار التابعين مرسلة وذلك في قوله: من نظر في العلم بخبرة وقلة غفلة استوحش من مرسل كل من دون كبار التابعين بدلائل الظاهره.‘‘(۳۷)

ہم نے تابعی صغیر یا کبیر سے مقید کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھاہاں ابن عبدالبر کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مخصوص جماعت کا قول ہے، لیکن ابن صلاح کے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور کا قول ہے۔ البتہ امام شافعیؒ نے قبول مرسل کے لیے کبار تابعین کی شرط لگائی ہے۔ لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ صغار تابعین کی روایتوں کو مرسل نہیں کہتے بلکہ ان کی تصریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ بذات خود صغار تابعین کی روایتوں کو مرسل کہتے ہیں جیسا کہ ان کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے: ’’اگر کوئی شخص دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ کتب حدیث کا مطالعہ کرے تو اسے بادیٔ ذی بدء چھوٹے چھوٹے تابعین کی مراسیل سے وحشت محسوس ہوگی۔‘‘

حجیتِ مرسل

آیا حدیث مرسل قابل حجت ہے یا نہیں اس مسئلہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔(۳۸)

۱۔ مطلق قابل قبول نہیں حتی کہ مراسیل صحابہ تک قابل حجت نہیں۔ یہ قول ابواسحاق اسفرائینی کا ہے۔

۲۔ مطلق قابل قبول ہے۔ یہ مسلک امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ایک قول امام احمد کا بھی ہے نیز امام نووی نے اسے اکثر و بیشتر فقہاء کا قول بتایا ہے۔ اور غزالی نے اس قول کی نسبت جمہور کی طرف کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اپنے ’’الرسالہ‘‘ کے اندر لکھا ہے: ’’امالمراسیل فقد کان اکثر العلماء یحتجون بھا فیما مضی مثل سفیان الثوری، ومالك، وتابعه علیه احمد وغیرہ‘‘(۳۹) ’’گزرے ہوئے وقتوں میں سفیان ثوری، مالک اور امام احمد بلکہ اکثر و بیشتر علماء مراسیل کو قابل حجت مانتے رہے ہیں۔‘‘ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ائمہ متبوعین کی طرف منسوب اقوال میں علماء سے دانستہ یا نادانستہ طریقے پر غلطیاں ہوتی رہی ہیں اس لیے ان کے اقوال کو ہم بعد میں مستقل طور پر ذکر کریں گے۔

۳۔ صرف مراسیل صحابہ قبول کی جائیں گی۔ یہ قول قاضی عبدالجبار نے شرح کتاب العمدہ میں نقل کیا ہے۔

۴۔ مراسیل صحابہ و کبار تابعین قابل حجت ہیں، ابن حجر نے اسے جمہور متقدمین کا قول بتایا ہے اور یہی مسلک امام شافعی کا بھی ہے۔ لیکن ان کے مزید کچھ اور شرائط ہیں جن کا تذکرہ کچھ دیر بعد آرہا ہے۔

۵۔ مطلق تابعین۔ چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔ کی مراسیل قابل قبول ہیں۔ یہ امام مالک اور امام احمد کا ایک قول ہے۔

۶۔ مطلق تابعین کی مراسیل قابل حجت تو ہیں لیکن جب دوسرے طرق سے ان کی تقویت ہو۔

۷۔ علم جرح و تعدیل میں متبحر عالم اور مصطلح الحدیث میں مرجع خلائق شخص کی مرسل روایت قابل حجت ہے یہ قول عیسی بن ابان حنفی اور ابوبکر رازی بجصاص حنفی نیز قاضی عبدالوہاب مالکی وغیرہ کا ہے بلکہ ابوالولید باجی علم جرح و تعدیل میں تبحر علمی کو قبول مرسل کے لیے شرط اساسی قرار دیتے ہیں۔

۸۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی مراسیل ’’خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم‘‘ کے پیش نظر قابل قبول ہوں گی یہ قول محمد بن الحسن کی طرف منسوب ہے اور امام حرمین کا میلان بھی اسی طرف ہے جیسا کہ ان کی

تعریف سے ظاہر ہوتا ہے۔

۹۔ خیر القرون کے ہمراہ مشہور محدثین کی بھی مرسل روایتیں مقبول ہوں گی۔

۱۰۔ اساتذہ اور مشائخ کے حالات پر گہری نگاہ رکھنے والوں نیز ان سے روایت کرنے میں محتاط راویوں کی مراسیل قابل حجت ہوں گی۔

۱۱۔ مطلق مراسیل قابل قبول ہیں بشرطیکہ اجماع سے ان کی تقویت ہو رہی ہو۔

۱۲۔ مرسل اگر علم جرح و تعدیل کا ثناخواں ہو تو اس کی روایت قابل حجت ہے اور اگر اس کے اصول و ضوابط اسے ناپسندیدہ لگیں تو نہیں۔ یہ نادر اور انوکھا قول ابن برہان کا ہے۔

۱۳۔ مرسل اگر صرف ثقہ راویوں سے ارسال کرتا ہو تو قابل حجت ہے ورنہ نہیں۔ یہ قول ابن عبدالبر، ابوالولید باجی نیز ابوبکر رازی حنفی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ امام طحاوی اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ حدیث مرسل کی تائید اگر خارجی دلائل و قرائن سے ہو رہی ہو تو قابل حجت ہوگی ورنہ نہیں۔ امام طحاوی مثال میں "لیلۃ الجن" والی روایت پیش کرتے ہیں جو کہ ابو عبیدۃ بن عبداللہ بن مسعود کے واسطے سے مروی ہے۔ امام طحاوی کہتے ہیں "**فان قیل هذا منقطع لان ابا عبيدة لم يسمع من ابيه شيئا يقال : نحن لم نحتج به من هذه الجهة انما احتججنا به لأن مثل ابی عبيدة على تقدمه فی العلم و موضوعه من عبدالله و خلطته بخاصية من بعده لا يخفى عليه مثل هذا من اموره و جعلنا قوله حجة لهذالامن الطريق التي وصفت**" (۴۰) اگر کوئی اعتراض کرے یہ حدیث تو منقطع ہے۔ کیونکہ ابو عبیدہ کی سماعت ابن مسعود سے ثابت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے میرا استدلال اس معنی کر کے نہیں بلکہ ابو عبیدہ کا تبحر علمی اور عبداللہ ابن مسعود کے نزدیک ان کا مقام نیز وفاتِ ابن مسعود کے بعد ان کے تلامذہ و مشائخ سے ابو عبیدہ کا اٹوٹ رشتہ، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو تمام احتمالات کو پیوندِ خاک کر دیتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی حدیث کو قابل حجت سمجھا، انقطاع و اتصال کے پہلو سے نہیں۔

اور اسی طرح سے بطریقِ طاؤس حضرت معاذ سے مروی ایک حدیث کے بارے میں امام شافعی کہتے ہیں "**طاؤس لم يلق معاذا لكنه عالم بأمر معاذ وان لم يلق لكثرة من لقيه ممن أخذ عن معاذ**" (۴۱) طاؤس کی ملاقات اگرچہ معاذ سے ثابت نہیں لیکن تلامیذ معاذ میں سے اکثر و بیشتر سے چونکہ ان کی ملاقات ہے اس وجہ سے ان کی حدیثوں کے وہ زیادہ واقف کار ہیں۔

مرسل ائمہ اربعہ کی نظر میں

۱۔ امام شافعیؒ : قبول مرسل کے لیے امام شافعی سات شرائط عائد کرتے ہیں جن میں تین بذات خود مرسل اور باقی مرسل کے بارے میں ہیں۔ شرائط درج ذیل ہیں :

(الف) مرسل : غیر ثقہ، مجہول اور متروک راویوں سے روایت کرنے کا عادی نہ ہو۔

(ب) اس کی مرفوع حدیثیں شاذ نہ ہوں یعنی وہ ان میں اپنے سے ثقہ یا وثوق راویوں کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔

(ج) کبار تابعین میں شمار کیا جاتا ہو، کیونکہ ایسا تابعی یا تو صحابہ، نہیں تو پھر اپنے ہم مثل کسی دوسرے بڑے تابعی ہی

سے اخذ کر سکتا ہے۔ اس کے بر خلاف صغار تابعین، ثقہ اور غیر ثقہ سے روایت کرتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی مراسیل نا قابل حجت ہیں۔

اور مرسل روایت پر عائد ہونے والی شرطیں درج ذیل ہیں :

(الف) وہ مرسل روایت کسی دوسرے طریق سے مسند و متصل مروی ہو جس سے مرسل روایت کی تصدیق نیز مرسل کے ثقہ ہونے کا علم ہو سکے۔

(ب) کسی دوسرے طریق سے مرسلاً مروی ہو۔

(ج) صحابہ کرام کے فتاوے سے اس کی توثیق ہو رہی ہو۔

(د) جمہور اہل علم کے درمیان وہ مقبول ہو۔ (۴۲)

۲۔ **امام ابو حنیفہ** : امام اعظم کے نزدیک تابعی اور تبع تابعی کی مرسل روایتیں قابل قبول ہیں۔ بشرطیکہ مرسل بذات خود ثقہ ہو اور ثقہ راویوں سے روایت کرنے کا عادی ہو۔ حافظ علائی نے جامع التحصیل میں امام ابو بکر رازی جو کہ جصاص سے جانے جاتے ہیں، کا قول نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مذہب حنفی میں تابعی اور تبع تابعی کی مرسل روایتیں قابل حجت ہیں لیکن کب؟ جب مرسل ثقہ ہو اور ثقہ راویوں سے روایت کرنے کا عادی ہو۔ (۴۳) اسی وجہ سے علامہ ابن حجرؒ نے ابن صلاح کی اس نقل پر سخت نکتہ چینی کی ہے کہ امام ابو حنیفہ مطلق حجیت مرسل کے قائل ہیں۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں :

"وھذا وارد علی اطلاق المصنف النقل عن المالکیۃ والحنفیۃ انھم یقبلون المرسل مطلقا" (۴۴)

ابو بکر رازی کی یہ بات ابن صلاح کی کھلی تردید کرتی ہے، جنہوں نے مالکیہ اور احناف کو مطلق حجیت مرسل کا قائل گردانا ہے۔

لیکن امام اور ماموں کے قول و عمل میں قدرے تضاد پایا جاتا ہے جس کا ہمیں کو نہیں سب کو افسوس ہے۔ مثال کے طور پر حدیث قہقہہ پر علمائے احناف کا عمل ہے جب کہ وہ حدیث مرسل اور اس کا دار و مدار ابو العالیہ ریاحی پر ہے۔ اور وہی اس حدیث کے مرسل ہیں، امام دار قطنی اور بیہقی دونوں نے اس حدیث پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے لیکن ہم کو ان کے کلام سے بحث نہیں اور نہ ہی کوئی مطلب۔ البتہ محمد بن سیرین ابو العالیہ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں وہ قابل غور ہے۔ وہ کہتے ہیں: **لا تاخذوا بمراسیل الحسن ولأبی العالیۃ فانھما لایبالیان عمن أخذ"** (۴۵) حسن بصری اور ابو العالیہ کی مراسیل نہ روایت کرو ہر کس و ناکس سے روایت کرنا ان کی عام عادت تھی۔ اس حدیث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ثقہ کی شرط صرف قول کی حد تک ہے اس پر عمل نہیں۔

۳۔ **امام احمد بن حنبل** : مشروط طریقہ پر حجیتِ مرسل کے قائل ہیں۔ ان کے منجملہ شرائط میں سے دو شرطیں قابل ذکر ہیں :

(الف) مرسل : ضعیف اور متروک راوی سے روایت کرنے کا عادی نہ ہو۔

(ب) جب کسی مسئلہ میں مرسل کے علاوہ کوئی اور حدیث دستیاب نہ ہو۔

ابن رجب حنبلی نے اپنی کتاب شرح علل الترمذی کے اندر متعدد مرسل روایتیں مثال میں پیش کی ہیں جن میں کچھ کو امام قابل حجت مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں۔ (۴۶)

بطور مثال ہم دو روایت پیش کرتے ہیں:

(الف) عکرمہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ "من لم يسجد على انفه مع جبهته فلا صلاة له" (۴۷) ناک اور پیشانی دونوں پر جس نے سجدہ نہیں کیا اس کی نماز نہیں ہوئی، اس حدیث کے بارے میں امام احمد کہتے ہیں "هو مرسل أخشى ان لا يكون ثبتا" یہ مرسل ہے ہمیں اس کے غیر صحیح ہونے کا اندیشہ ہے۔

(ب) بطریق عراک حضرت عائشہ سے مروی اس حدیث "حولي مقعدتي الى القبلة" (۴۸) کے بارے میں کہتے ہیں کہ "هو احسن ماروى في الرخصة، وان كان مرسلا فان مخرجه حسن" ارسال سے امام احمد کی مراد یہ ہے کہ عراک نے حضرت عائشہ سے نہیں سنا ہے۔

ابن قیمؒ "اعلام المؤقعين" میں امام احمد کا مسلک بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: أنه ياخذ بالحديث المرسل اذ لم يكن في الباب شئي يدفعه ويرجحه على القياس. (۴۹)

۴۔ **امام مالک**: ائمہ سابقین کی طرح امام مالک بھی مشروط طریقے سے حجیت مرسل کے قائل ہیں مالکی مذہب کے ترجمان ابن عبدالبر رقم طراز ہیں: أن من قال بالمرسل لايقول به على الاطلاق بل شرطه أن يكون المرسل ممن يحترز في الرواية، أما من كان يكثر الرواية عن الضعفاء عرف من شانه أنه يرسل عن الثقات والضعفاء فلا يقبل مرسله مطلقا" (۵۰) جو لوگ حجیت مرسل کے قائل ہیں ان کے نزدیک راوی کا محتاط ہونا شرط اساسی ہے۔ جو ضعفاء اور متروکین یا ثقات و ضعفاء دونوں سے روایت کرنے میں مشہور ہو، اس کی مرسل روایت مطلق قابل قبول نہیں۔

لیکن مراسیل وبلاغیات سے مزین امام مالک کی مؤطاء، جس پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے، ابن عبدالبر کی اس تصریح وترجمانی کے بالکل برعکس ہے۔

حدیث مرسل اور حافظ علائی

حافظ علائی ذکر اقوال اور دلائل پر بحث ومناقشہ کے بعد جامع التحصیل میں کہتے ہیں "والقول المختار أن من عرف من عادته أنه لا يرسل الا عن عدل موثوق به مشهور بذلك فمرسله مقبول ومن لم يكن من عادته ذلك فلا يقبل مرسله وهذا القول وقول الشافعي أعدل المذاهب وبه يحصل الجمع بين الأدلة المتقدمة من الطرفين فان قبول الصدر الاول لكثير من المراسيل لايمكن انكاره وقد صدر من جماعة منهم كثيرين رد لكثير من المراسيل أيضا" (۵۱) اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ ثقہ اور عادل رواۃ سے اَخذ کرنے والوں کی مراسیل قابل قبول ہیں اور اس کے علاوہ کی نہیں یہ قول اور امام شافعی کا قول بڑا مناسب ہے۔ اس سے فریقین کے دلائل میں موجود تعارض ختم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سلف صالحین سے جہاں ایک طرف قبول مراسیل کا ثبوت ملتا ہے۔ وہیں دوسری طرف عدم قبول کے دلائل بھی نظر آتے ہیں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

مرسل، ابن تیمیہ کی نظر میں

امام ابن تیمیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب منہاج السنہ کے اندر حدیث مرسل پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: والمرسل قد

تنازع الناس فی قبولها وردها، واصح الاقوال المقبول، ومنها المردود، ومنها الموقوف فمن علم من حاله أنه لایرسل الاعن ثقة قبل مرسله، ومن عرف أنه یرسل عن الثقة وغیر الثقة کان ارساله روایة عمن لایعرف حاله فهذا موقوف، وماکان من المراسیل مخالفاً لما رواه الثقات کان مردودا." (۵۲) علمائے حدیث مرسل کے قابل حجت ہونے یانہ ہونے کے بارے میں مختلف فیہ ہیں لیکن اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ کچھ مراسیل قطعی طور پر قابل قبول ہیں اور ان میں کچھ قطعی ناقابل قبول ہیں اور کچھ کے بارے میں توقف اختیار کرنا بہتر ہے۔ چنانچہ جو ثقہ ہو اور ثقہ رواۃ سے لینے کا عادی ہو، اس کی مرسل روایتیں بلاچون وچرا قابل حجت ہیں اس کے برخلاف ہر کس وناکس سے روایت کرنے والے کی روایت مردود ہوگی لیکن ماخوذ عنہ کے مجہول ہونے کی صورت میں توقف اختیار کیا جائے گا۔

دلائل وبراهین اور تحلیل وتجزیه

ان آراء واقوال کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دلائل وبراہین پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے تاکہ حقیقت مسئلہ کھل کر سامنے آجائے۔ مذکورہ اقوال کی روشنی میں دو بڑے نظریے اخذ کئے جاسکتے ہیں :

(۱) قابل حجت نہیں۔

(۲) قابل حجت ہے اور اس میں دو طرح کے لوگ ہیں :

(الف) بلا کسی قید وشرط کے حجت مانتے ہیں۔ یعنی تابعین، تبع تابعین، کبیر اور صغیر کی کوئی قید نہیں۔

(ب) مشروط طریقے سے حجت مانتے ہیں اور پھر ان میں دو قسم کے اقوال ملتے ہیں :

(۱) مرسل پر شرط عائد کرتے ہیں۔

(۲) روایت کو مشروط قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ مطلق حجیتِ مرسل کے قائل حضرات کے چند دلائل ملاحظہ فرمایئے :

۱ : حدیث "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم." (۵۳)

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس شہادت رسول کے بعد تابعین اور تبع تابعین پر شک کرنا اور شبہ کی بنیاد پر ان کی مرویات مسترد کردینا کوئی اچھی بات نہیں۔

۲۔ حضرت عمر کے قول کو دلیل میں پیش کرتے ہیں: "المسلمون کلهم عدول بعضهم علی بعض الا مجلوداً فی حد أو مجربا علیه شهادة زور أوظنینا فی ولاء أوقرابة (۵۴) اجتماعی معاملات میں متہم، شرعی سزا یافتہ، اور دروغ گو کے علاوہ سارے مسلمان ایک دوسرے کے لیے قابل اعتماد ہیں۔

۳۔ امام ابوداؤدؒ کے قول کو دلیل بناتے ہیں۔ "واما المراسیل فقد کان اکثر العلماء یحتجون بها فیما مضی مثل ابوسفیان الثوری، ومالك، وتابعه علیه أحمد وغیره." (۵۵)

۴۔ امام بخاری کی معلق روایات پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صیغہ جزم سے مروی معلقات جب صحیح ہوسکتی ہیں تو پھر مرسل کیوں نہیں؟

دلائل کا تحلیل وتجزیہ

حدیث رسول اور قول عمر کا مدلول عام ہے انہیں حجیت مرسل کے لیے پیش کرنا تعسف سے خالی نہیں۔ اگر ایسی ہی بات ہوتی تو پھر آپ ﷺ "رئیس أخو العشیرۃ وبئس بنو العشیرہ" کیوں فرماتے۔ آپ "اما معاویۃ فصعلوك لا مال له وأما ابوجهم فضراب للنساء ولکن انکحی اسامه بن زید" ہرگز نہیں کہتے۔ رجال اسناد پر علماء کے تبصرہ کی وجہ یہی تو تھی کہ عہد صحابہ اور تابعین ہی سے شرپسند عناصر سرگرم عمل تھے۔ دروغ گوئی، اختلاف وافتراء نیز تحریف وتبدیلی جیسے منحوس کام کی ابتداء ہو چکی تھی۔ چنانچہ علامہ سخاوی اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث رسول میں خیریت اور قول عمر کے اندر عدالت اکثریت پر محمول کی جائے گی۔ اس ضمن میں انہوں نے امام شافعی کا ایک قول نقل کیا ہے :

ثناهشام بن عروہ عن ابیه قال : انی لا سمع الحدیث استحسنته فما یمنعنی من ذکرہ الا کراهیة أن یسمعه سامع فیقتد به وذلك انی اسمعه من الرجل لا أثق به فقد حدث عمن أثق به أواسمعه من رجل أثق به قد حدث به عمن لا أثق به "(۵۶)

ہشام اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: میں حدیث سنتا ہوں اور وہ مجھے اچھی لگتی ہے، لیکن اس ڈر سے بیان نہیں کرتا کہ کہیں کوئی اسے سن کر اس پر عمل نہ کر بیٹھے کیونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجھ سے بیان کرنے والا ثقہ لیکن اس نے جس سے سنا وہ ضعیف ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس۔

امام شافعیؒ کے اس قول کے پس منظر میں حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں: "**هذا یدل علی ان ذلك الزمان. ای زمان الصحابة والتابعین. کان یحدث فیه الثقة وغیرہ**" (۵۷) امام شافعیؒ کی یہ روایت اس بات کی غماز ہے کہ عہد صحابہ وتابعین میں ثقہ اور غیر ثقہ ہر قسم کے لوگ روایت کرتے تھے۔

عمران بن جدیر بیان کرتے ہیں: **أن رجلا حدثه عن سلیمان التیمی عن محمد بن سیرین : ان من زار قبراً اوصلی الیه فقد برئ الله منه، قال عمران فقلت . عن ابی مجلز أن رجلا ذکر عنك کذا فقال ابو مجلز : کنت احسبك یا أبا بکر اشد اتقاءاً، فاذا لقیت صاحبك فاقرأہ السلام وأخبرہ أنه کذب قال : ثم رأیت سلیمان عند ابی مجلز فذکرت ذلك له فقال سبحان الله" انما حدثنیه موذن لنا ولم أظنه یکذب."**(۵۸) عمران کہتے ہیں: ایک آدمی نے مجھ سے سلیمان التیمی کے واسطے سے محمد بن سیرین کا قول نقل کیا: قبر کی زیارت اور اس کے پاس نماز پڑھنے والے سے اللہ بری ہے۔ میں نے ابن سیرین سے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ آپ کے واسطے سے فلاں نے یہ روایت بیان کی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ وہ کہنے لگے : میں تو آپ کو محتاط تصور کرتا تھا آپ جب اس آدمی سے دوبارہ ملیں تو اس سے میرا اسلام کہیں اور اسے دروغ گوئی کا تمغہ دیں، وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں: اتفاق سے دو مرتبہ دونوں کو اکٹھا دیکھا۔ میں نے پورا قصہ کہہ سنایا سن کر انہوں نے ٹھنڈی سانسیں لی سبحان اللہ پڑھا اور کہا اس حدیث کو مجھ سے میرے مؤذن نے بیان کیا تھا اور میں نے اسے سچا سمجھا تھا۔

اس واقعہ سے ابوداؤد کے قول کی بھی تردید ہوتی ہے اور اسی پس منظر میں ابن سیرین کا قول بھی ملاحظہ فرمائیے: قال :

كانوا لا يسألون عن الاسناد حتى وقعت الفتنة"(۵۹) حضرت عثمانؓ کی شہادت سے قبل سند کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

مزید حلیۃ الاولیا کی وہ روایت جسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے ابن لہیعہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: انه سمع شيخا من الخوارج يقول بعد ماتاب : ان هذه الاحاديث دين فانظروا عمن تاخذون دينكم فانا كنا اذا هوينا أمراً صيرناه حديثا"(۶۰) عقیدہ خوارج سے تائب ایک شخص نے کہا احادیث ہی اصل دین ہے تو ذرا ٹھوک بجا کے کیونکہ ہم اپنی خواہش کے مطابق حدیثوں کو گڑھ لیا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر تائب خارجی کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں"ان هذه والله قاصمة الظهر للمحتجين بالمرسل"(۶۱) یہ چیز حجیت مرسل کے قائل حضرات کو لاجواب کرنے والی ہے۔ کیونکہ سب جانتے ہیں، فتنہ خوارج آغاز اسلام اور عہد صحابہ ہی میں ظاہر ہوا۔ اور خواہش کے مطابق وضع حدیث ان کا شیوہ تھا۔ ایسی صورت میں شاگردان خوارج کا حسن ظن کی بنیاد پر اساتذہ کا نام لیے بغیر حدیثوں کا بیان کر دینا خارج از امکان بات نہیں۔

اب رہی بات تعلیقات بخاری کی تو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ معلقات، امام بخاری کی شرط پر نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب کا نام "الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله وسننه و ايامه" رکھا ہے۔ خواہ وہ معلقات صیغہ جزم سے مروی ہوں یا صیغہ تمریض سے۔ دوسری بات: بطور حجت امام بخاری نے ان کو نہیں ذکر کیا ہے بلکہ تراجم وابواب کی تشریح و توضیح نیز استئناس کے لیے ذکر کیا ہے۔ اس لیے احتجاج مرسل کے لیے معلقات کو دلیل بنانا مبنی بر انصاف نہیں۔

اور جہاں تک امام ابوداؤدؒ کے قول کا تعلق ہے تو اگر اسے ابن عباسؓ کے اس قول کے پس منظر میں دیکھا جائے "كنا اذا سمعنا أحداً يقول : قال رسول اللهﷺ ابتدرته ابصارنا، وأصغينا اليه بأذاننا فلما ركب الناس الصعب والذلول لم نأخذ من الناس الا ما نعرف"(۶۲) جب ہم کسی کو قال رسول اللہﷺ کہتے ہوئے سنتے تو ہماری نگاہیں اسے دیکھنے کے لیے بیتاب ہو جاتیں اور ہم گوش بر آواز ہو کر سنتے تھے لیکن اب جب کہ لوگ بے احتیاط ہو گئے ہیں ہر کس وناکس سے حدیثیں بیان کرنے لگے ہیں تو جس کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اسی کو لیتے ہیں، تو شاید حقیقت سمجھ میں آئے۔ کیونکہ ابن عباسؓ کے اس قول سے حجیت مرسل اور دیگر اقسام ضعیف کی قبولیت کی تحدید زمنی ہو جاتی ہے اور یہ کہ شہادت عثمان سے قبل اور مسلم معاشرہ میں خلفشار اور افراتفری پیدا ہونے سے پہلے بغیر کسی خوف وخطر کے تحمل حدیث کا رواج تھا۔ لیکن اس کے بعد لوگ محتاط ہو گئے اور یہ احتیاط اس بات کا متقاضی ہے کہ دیگر انواع ضعیف کے ہمراہ حدیث مرسل کے سننے اور سنانے نیز اس پر عمل کرنے سے باز رہا جائے ورنہ پھر احتیاط کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا ہے۔

۲۔ جو لوگ حجیت مرسل کی بابت مرسل اور اس کے استاذ کے ثقہ یا اس کی عدالت کی شرط لگاتے ہیں ہمارے خیال میں یہ شرط کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ مسند و متصل روایتیں بھی اس قسم کی شرائط سے مشروط ہوتی ہیں چنانچہ علمائے مصطلح حدیث صحیح کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔"هو الحديث المسند يتصل اسناده بنقل العدل الضابط الى منتهاه ولا يكون شاذاً ولا معللاً"اس تعریف کی روشنی میں متصل مرفوع حدیث کے اندر کوئی ضعیف یا بذات خود ثقہ ہو لیکن ضعیف

سے روایت کرے تو وہ حدیث ضعیف سمجھی جاتی ہے چہ جائے کہ مرسل اور پھر حدیثِ مرسل کے اندر راوی کا مجہول ہونا اس کے حالات سے آگاہی کے لیے مانع ہے۔ کیونکہ جہالت کے ساتھ توثیق یا تضعیف خارج از امکان ہے۔

۳۔ امام شافعیؒ مشروط طریقے سے حجیت مرسل کے قائل نظر آتے ہیں: اقوال کے ضمن میں ان کی شرائط کا ذکر اجمالاً ہو چکا ہے۔ لیکن یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتاب "الرسالۃ" سے ان کی تحریر من و عن نقل کر دی جائے تا کہ حقیقت سامنے آ جائے وہ کہتے ہیں:

"والمنقطع مختلف، فمن شاهد أصحاب رسول اللهﷺ من التابعين فحدث حديثاً منقطعا عن النبیﷺ اعتبر عليه بامور:

۱۔ منها أن ينظر الى ما ارسل من الحديث فان شركه فيه الحفاظ المأمونون فاسندوه الى رسول اللهﷺ بمثل معنى ماروى كانت هذه دلالة على صحته من قبل عنه وحفظه، وان انفرد بارسال حديث لم يشركه فيه من يسنده، قبل ما ينفرد به من ذلك ويعتبر عليه بأن ينظر:

۲۔ هل يوافقه مرسل غيره ممن قبل العلم عنه من غير رجاله الذين قبل عنهم. فان وجد ذلك كانت دلالة يقوى له مرسله وهی أضعف من الاولى، وان لم يوجد ذلك.

۳۔ نظر الى بعض ما يروى عن بعض أصحاب رسول اللهﷺ قولا له فان وجد يوافق ما روى عن رسول اللهﷺ كانت فی هذه دلالة على أنه لم ياخذ مرسله الا عن اصل يصح ان شاء الله.

۴۔ وكذلك ان وجد عوام من اهل العلم يفتون بمثل معنى ماروى، قال الشافعی:

۵۔ ثم يعتبر عليه بأن يكون اذا سمى من روى عنه لم يسمى مجهولا ولا مرغوبا عن الرواية عنه فيستدل بذلك على صحته فيما روى عنه.

۶۔ ويكون اذا شرك احداً من الحفاظ فی الحديث لم يخالفه فان خالفه وجد حديثه انقص كانت فی هذه دلائل على صحة مخرج حديثه، ومتى خالف ماوصفت اضربحديثه حتى لايسع أحد منهم قبول مرسله.

فاما من بعد كبارالتابعين الذين كثرت مشاهدتهم لبعض أصحاب رسول اللهﷺ فلا اعلم منهم أحدا يقبل مرسله لامور:

۱۔ أنهم أشد تجوزاً فيمن يرون عنه.

۲۔ والآخر انهم توجد عليهم الدلائل فيما ارسلوا بضعف مخرجه.

۳۔ كثرة الاحالة فی الاخبار واذا كثرت الاحالة كان أمكن للوهم وضعف من يقبل عنه." (۶۳)

"حدیث منقطع" مختلف فیہ ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا کوئی ملاقاتی تابعی اگر حدیث منقطع بیان کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں چند چیزوں کا اعتبار ضروری ہوگا:

۱۔ حدیث مرسل کسی دوسری سند سے ثقہ اور قابل اعتماد رواۃ سے متصل و مرفوع مروی ہو۔ یہ چیز مرسل کے حفظ و

اتقان اور اس سے مروی مرسل حدیث کی صحت کا ضامن ہوگی۔

۲۔ مرسل کے منفرد ہونے کی صورت میں دیکھنا ہوگا کہ اسی جیسی کوئی مرسل حدیث اس کے لیے شاہد ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کی توثیق ہو جائے گی۔ لیکن پہلے کے مد مقابل ضعیف ہو گی۔

۳۔ مرسل شاہد کی عدم فراہمی کی صورت میں مزید دو چیزوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا :

(الف) اقوال صحابہ کی چھان بین کی جائے گی، اگر کسی صحابی کا قول اس حدیث مرسل کے مطابق مل جائے تو اسے مرسل کی حقانیت کی دلیل سمجھا جائے گا۔

(ب) بصورت دیگر اہل علم کے فتاوی پر نظر ڈالی جائے گی اگر علماء کے فتاوی اس حدیث مرسل کے مطابق مل جائیں تو ان سے اس کی تقویت ہو جائے گی۔

۴۔ مندرجہ بالا شرائط کی عدم فراہمی کی صورت میں مشائخِ مرسل اور خود مرسل کی شخصیت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ اگر مرسل عام حالات میں عام طور پر ثقہ راویوں ہی سے روایت کرتا پایا گیا، یا حدیث مرسل کے بارے میں باز پرس کرنے کے بعد کسی متروک یا ضعیف راوی کے بجائے ثقہ راوی کا نام لیتا ہے تو یہ چیز مرسل کی صحت کی غماز ہو گی۔

۵۔ نیز یہ بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ کہ مرسل صفت شذوذ سے تو متصف نہیں اگر کسی حدیث میں وہ ثقہ یا اوثق کا مخالف نظر آتا ہے۔ تو اس کی روایت کردہ حدیث ضعیف تصور کی جائے گی، ان شرائط کی فراہمی کے بعد حدیث مرسل ہمارے نزدیک قابل حجت ہو گی۔ لیکن اس کا مرتبہ بمقابلہ مسند و متصل کمتر ہوگا۔

اور کچھ آگے چل کر امام شافعی کہتے ہیں: البتہ مراسیل صغار تابعین میرے علم کے مطابق کسی نے بھی قبول نہیں کی ہیں اور اس کے درج ذیل اسباب ہیں :

الف : ان کی مراسیل کے ضعیف ہونے پر خارجی دلائل ہیں۔

ب : وہ کچھ زیادہ ہی بے احتیاط نظر آتے ہیں۔

ج : ان کے مابین پائے جانے والے کثرت وسائط جو بذات خود وہم اور ضعف پر دال ہیں۔

حدیث مرسل کے بارے میں یہ ہے امام شافعیؒ کا موقف۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام شافعی کتنے محتاط نظر آتے ہیں، مزید ہم اگر ان کے اس تفصیلی بیان کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو بڑی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ امام شافعی در حقیقت حجیت مرسل کے قائل ہی نہیں ہیں، کیونکہ :

الف : مرسل کی تقویت اگر مسند و متصل حدیث سے ہو رہی ہو تو وہ قابل حجت مرفوع اور متصل روایت ہو گی نہ کہ مرسل۔

ب : باقی ماندہ شرائط کے بارے میں امام شافعیؒ خود متذبذب نظر آتے ہیں جیسا کہ ان کے مندرجہ ذیل قول سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ مذکورہ شرائط بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں :

”ولا نستطيع أن نزعم أن الحجة تثبت به ثبوتها بالمؤتصل، وذلك ان معنى المنقطع مغيب يحتمل ان

یکون حمل عن من یرغب عن الروایة عنه اذا سمی، وان بعض المنقطعات. وان وافقه مرسل مثله، فقد یحتمل ان یکون مخرجها واحدا من حیث لوسمی لم یقبل وان قول بعض اصحاب النبی ﷺ، اذ قال برایه و وافقه یدل علی صحة مخرج الحدیث دلالة قویة اذا نظر فیها، ویمکن ان یکون انما غلط به حین سمع قول بعض اصحاب النبی یوافقه ویحتمل مثل هذا فیمن وافقه من بعض الفقهاء." (۶۴)

لیکن ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ حدیث مرسل متصل کے درجہ کی ہوگی۔ کیونکہ منقطع کا مسئلہ قدرے پیچیدہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر اس بات کا قوی امکان پایا جاتا ہے۔ کہ سبب انقطاع ہو نہ ہو ضعیف راوی ہو جس سے روایت کرنا عیب سمجھا جاتا ہو اور بعض ایسی مراسیل جن کی تقویت انہی جیسی دوسری مراسیل سے ہو رہی ہو ان کے اندر بھی اتحاد مخرج کا احتمال باقی رہ جاتا ہے۔ بایں طور کہ مرسل عنہ کا نام معلوم ہو جانے کے بعد وہ بھی کہیں نا قابل قبول ٹھہرے مزید بر آں اقوال صحابہ صحتِ مرسل کے لیے قوی دلیل بن سکتے تھے۔ اگر اس کے سننے میں غلطی کا امکان نہ ہوتا اسی طرح یہ احتمال فقہاء کے اقوال کے بارے میں بھی پایا جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں امام شافعیؒ کے اس تفصیلی بیان کے بعد کوئی شخص انہیں حجیت مرسل کا قائل نہیں کہہ سکتا۔

امام شافعیؒ کی بات چل رہی ہے اس لیے یہاں ایک اور قابلِ ذکر بات کی طرف اشارہ مناسب ہوگا اور وہ یہ کہ بعض اہل مصطلح نیز شافعی المسلک علماء کے یہاں مراسیل سعید بن المسیب سے متعلق بے بنیاد تحریریں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ابن صلاح میمونی وغیرہ کے یہاں۔ چنانچہ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعیؒ مراسیلِ سعید قابل حجت مانتے ہیں۔ ابن صلاح کہتے ہیں "ولهذا احتج الشافعی بمرسلات سعید لانها وجدت مسانید من وجوه اخری" (۶۵) اسی وجہ سے امام شافعیؒ مراسیل سعید کو حجت مانتے ہیں کیونکہ دوسرے طریقہ سے وہ مسند و متصل پائی گئی ہیں۔ میمونی، احمد سے مروی امام شافعی کا قول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں "مراسیل سعید صحاح لا تری اصح من مرسلاته" (۶۶) مراسیل سعید سب کی سب صحیح ہیں، نیز "المختصر" کے اندر امام شافعی کا یہ قول موجود ہے۔ "ارسال ابن المسیب عندنا حسن" (۶۷) مراسیل سعید ہمارے نزدیک حسن کا درجہ رکھتی ہیں۔

اب آیئے کہ دیکھیں کہ ان اقوال کی کیا حقیقت ہے۔ امام نوویؒ "شرح مہذب" کے اندر "ارسال ابن المسیب عندنا حسن" نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں (۶۸) شافعیہ اپنے امام کے اس قول کے معنی پہنچانے میں مختلف فیہ ہیں چنانچہ ابواسحاق "اللمع" (۶۹) اور خطیب بغدادی "الفقیه والمتفقه" (۷۰) نیز "الکفایة" (۷۱) میں دو معنی بتاتے ہیں:

۱۔ مراسیل سعید اوروں کے مدمقابل حسن کا درجہ رکھتی ہیں کیونکہ بحث و تفتیش کے بعد وہ موصول پائی گئی ہیں۔

۲۔ دوسروں کی طرح ان کی بھی مراسیل نا قابل حجت ہیں بات صرف ترجیح کی حد تک ہے۔ مذکورہ معانی بیان کرنے کے بعد خطیب لکھتے ہیں: دوسرا معنی ہی صحیح ہے پہلے کے اندر کوئی وزن نہیں، (۷۲) اور "الکفایة" میں کہتے ہیں، دوسرا معنی ہی صحیح ہے۔ کیونکہ بعض مراسیل سعید بہر حال صحیح نہیں۔ (۷۳)

اور اس ضمن میں امام بیہقی کا بھی قول قابل غور ہے۔ وہ کہتے ہیں: وقد ذکرنا لابن المسیب مراسیل لم یقبلها

الشافعي حين لم ينضم اليها ما يؤكدها، ومراسيل لغيره قال بها حين انضم اليها ما يؤكدها، وقال: وزيادة ابن المسيب في هذا على غيره انه اصح التابعين ارسالا فيما زعم الحفاظ." (۷۴)

ہم لوگوں نے بعض مراسیل سعید امام شافعی کے سامنے پیش کیں لیکن قرائن صحت اور شرائط کی عدم فراہمی کے باعث آپ نے انہیں مسترد کر دیا۔ اس کے مدِ مقابل دوسروں کی مراسیل کو قبول کیا۔ اس معاملہ میں سعید بن المسیب کو دیگر تابعین پر برتری محض کچھ علماء کا خیال ہے۔

ان بیانات کی روشنی میں یہ کہنا کہ امام شافعی حجیتِ مرسل کے قائل ہیں کہاں تک صحیح ہے۔ قارئین فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مزید مراسیلِ سعید کے متعلق بعض شافعی المسلک علماء کے غیر ذمہ دارانہ بیان کی قلعی بھی کھل گئی اور یہ بات بعید از قیاس لگتی بھی ہے کہ ابن المسیب سے زیادہ بااثر اور باوقار تابعی یا کم سے کم ان کے ہم پلہ تابعین کی مراسیل تو مسترد ہوں اور ان کی مراسیل قبول کر لی جائیں۔

راجح قول

میری نظر میں راجح قول جمہور محدثین کا ہے کہ مراسیل تابعین قابل قبول اور قابل حجت نہیں امام مسلمؒ صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "والمرسل في اصل قولنا وقول اهل العلم ليس بحجة" (۷۵) مرسل خود ہمارے اور اہل علم کے یہاں قابل حجت نہیں۔

صحت حدیث کے لیے راوی کا ثقہ وعادل ہونا شرط ہے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے۔ "يايها الذين آمنوا ان جاء كم فاسق بنبأٍ فتبينوا ان تصيبوا قوماً بجهالة." (۷۶) مومنو! جب کوئی فاسق وفاجر کسی بات کی خبر دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ حالات ارسال میں شیخ مرسل کی جہالت کے باعث اس کے حالات زندگی سے واقفیت ممکن نہیں اور یہ قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ تابعی صرف صحابی سے روایت کرتا ہے اور صحابی کی جہالت صحت حدیث کے لیے قادح نہیں، کیونکہ تابعی جس طرح صحابی سے روایت کر سکتا ہے، اسی طرح تابعی سے بھی کر سکتا ہے۔ بلکہ اس طرح کی روایات موجود ہیں حتی کہ بعض سندوں کے اندر تابعی اور صحابی کے درمیان دو دو، تین تین اور چار چار تابعین تک ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ مثال ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ حدثنا سعيد بن ابي مريم، قال أخبرنا محمد بن جعفر، قال أخبرني زيد، وهو ابن اسلم، عن عياض بن عبدالله عن ابي سعيد الخدري قال: "خرج رسول الله ﷺ في اضحى وفطر. (۷۷) ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: فيه تابع عن تابع زيد بن اسلم عن عياض بن عبدالله" یعنی زید بن اسلم اور عیاض دونوں تابعی ہیں جو ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ حدثنا آدم، قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحكم عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت: كاني أنظر الى وبيض الطيب (۷۸)...... الحدیث۔ اس سند میں مذکور حکم بن عتیبۃ، ان کے استاذ ابراہیم نخعی اور ان کے استاذ اسود بن یزید، تینوں تابعی ہیں جو ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

۳۔ قال حدثنا عمرو بن خالد الحراني، قال حدثنا الليث عن يحي بن سعيد بن سعد بن ابراهيم عن نافع بن جبير عن عروة بن المغيره عن ابيه المغيرة بن شعبة عن رسول اللهﷺ أنه خرج لحاجته......(۷۹)الحدیث۔
اس سند کے اندر چار تابعی یحیٰ بن سعید، سعد بن ابراہیم، نافع بن جبیر اور عروۃ بن المغیرہ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تابعی، کوئی ضروری نہیں کہ صحابی سے روایت کرے وہ تابعی سے بھی روایت کر سکتا ہے اور اس صورت میں صحت حدیث کے لیے تابعی کی عدالت درکار ہوتی ہے اور ارسال کی حالت میں جہالت کے باعث اس کی عدالت کا علم ممکن نہیں اسی وجہ سے قاضی ابو بکر کہتے ہیں :

"من المعلوم المشاهد أن المحدثين لم يتطابقوا على ان لا يحدثوا الا عن عدل بل نجد الكثير منهم يحدثون عن رجال فاذا سئل الواحد منهم عن ذلك الرجل قال لاأعرف حاله وربما جزم بكذبه فمن أين يصح الحكم على الراوى أنه لايرسل الا عن ثقة."(۸۰)

یہ سب جانتے ہیں کہ محدثین صرف ثقہ راویوں سے روایت کرنے کے عادی نہیں بلکہ اکثر وبیشتر ایسے رواۃ سے بھی روایت کرتے آئے ہیں جن کے بارے میں پوچھے جانے پر لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں اور بسا اوقات قطعی طور پر اسے جھوٹا کہتے ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ راوی صرف ثقہ راویوں ہی سے ارسال کرتا ہے کہاں تک صحیح ہے؟

لہٰذا مشروط یا بلا شرط قابل حجت ماننے والوں کے دلائل کی تردید اور جمہور کی اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہور کا مسلک صحیح ہے۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت جو مسلمان موجود ہوں گے ان کی مرسل روایتیں قابل حجت ماننی ہوں گی، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صحابی کی تعریف "من رای رسول اللهﷺ مسلما وان لم تطل صحبته له وان لم يروعنه شيأ" کی روشنی میں صحابی ہوئے۔ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ زمین سے اٹھا لیے گئے ہیں اور ابھی زندہ ہیں اور یہ بات بھی سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے شب معراج میں نبی اکرمﷺ کو دیکھا، ملاقات اور بات چیت کی مزید تمام نبیوں کے ہمراہ آپﷺ کے پیچھے بیت المقدس میں نماز بھی ادا کی جس سے ان کے صحابی ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اب ان کے آسمان سے اترنے کے بعد جو لوگ بھی انہیں دیکھیں گے تابعی کی مستند تعریف "من لقى صحابياً فى حال الاسلام ومات على ذلك وقيل من لقى الصحابى" کی روشنی میں تابعی ہوں گے اگر اس زمانے کے لوگ کہتے ہیں: قال رسول اللہﷺ تو ان کی وہ روایت مرسل نیز قابل حجت ماننی ہوگی اور ہمارے خیال میں اس کا قائل کوئی نہیں "واللہ اعلم".

مراسیلِ صحابہ

اقوال کے ضمن میں مراسیل صحابہ سے متعلق ابو اسحاق اسفرائنی کا یہ قول گزر چکا ہے کہ مراسیل مطلقاً قابل حجت نہیں خواہ مراسیل صحابہ ہوں یا تابعین۔ علماء نے انہیں اس قول میں منفرد سمجھ کر بذریعہ اجماع ان کے اس قول کو مسترد کر دیا ہے۔ لیکن ابن حجرؒ کی رائے کچھ اور ہے۔ ان کا کہنا ہے یہ قول تنہا اسفرائنی کا نہیں بلکہ قاضی ابو بکر باقلانی، ابن برہان اور بقول قاضی عبد الجبار، امام شافعی کا بھی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں :

"وظن قوم انه تفرد بذلك فاحتجوا عليه بالاجماع وليس بجيد لأن القاضی أبا بكر الباقلانی قد صرح فی "التقريب" بأن المرسل لا يقبل مطلقاً حتی مراسيل الصحابة. وقد قال القاضی عبدالجبار: مذهب الشافعیؒ ان الصحابی رضی الله عنه اذا قال: قال رسول الله ﷺ كذا قيل الا ان علم أنه ارسله- قال ابن حجر :- وهذا النقل مخالف للمشهور من مذهب الشافعی فقد قال ابن برهان فی الوجيز: مذهب الشافعی أن المراسيل لا يجوز الاحتجاج بها الامراسيل الصحابةؓ "(۸۱) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسفرائنی اپنے اس قول میں منفرد ہیں۔اس لیے انہوں نے بذریعہ اجماع ان کے اس قول کو مسترد کر دیا لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ تقریب کے اندر ابو بکر باقلانی کی یہ تصریح موجود ہے کہ مراسیل صحابہ قابل حجت نہیں اور کچھ آگے چل کر کہتے ہیں بقول قاضی عبد الجبار امام شافعی بھی اسے حجت نہیں مانتے انہوں نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے اگر کوئی صحابی رسول اکرم ﷺ کی کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو وہ قابل قبول ہوگی۔ البتہ ارسال کا علم ہو جانے پر اس کی وہ حدیث مردود ہوگی۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں: اس طرح کی بات امام شافعی کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں کیونکہ ابن برہان "الوجیز" میں امام شافعی کا مذہب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مراسیل میں مراسیل صحابہ قابل حجت ہیں۔

۲۔ مراسیل صحابہ کے بارے میں دوسرا اور راجح قول جو جمہور محدثین، فقہا اور اصولیوں کا قول ہے وہ یہ کہ مراسیل صحابہ مطلق قابل حجت ہیں۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اسفرائنی اور ان کے ہم مسلک کی دلیل کیا ہے؟ چنانچہ ان لوگوں کے خیال میں صحابی تابعی سے بھی روایت کر سکتا ہے اور کرتا ہے اس کی دسیوں مثالیں موجود ہیں۔

لیکن میرے خیال میں اس ادنی احتمال کی بناء پر مراسیل صحابہ مسترد کر دینا انصاف کی بات نہیں۔ کیونکہ حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں: ليس كل ما نحدث به سمعناه من رسول الله ﷺ منه ما سمعناه عنه ومنه ما حدثنا به اصحابنا وكنا لا نكذب" (۸۲) جو کچھ ہم بیان کرتے ہیں وہ سب کی سب رسول اکرم ﷺ سے سنی ہوئی نہیں ہوتیں کچھ کو ہم نے سنا اور کچھ کو ہمارے اصحاب نے بیان کیا اور ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے اور پھر امام بخاری نے عتبان بن مالک کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ تحمل حدیث کے لیے باریاں متعین کئے ہوئے تھے۔ وہ اس ضمن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں:

"عن عمر قال: كنت أنا وجارلی من الانصار فی بنی امية بن زيد. وهی من عوالی المدينة. وكنا نتاوب النزول علی رسول الله ﷺ ينزل يوما وانزل يوما فاذا نزلت جئته بخبر ذلك اليوم من الوحی وغيره واذا نزل فعل مثل ذلك فنزل صاحبی الانصاری يوم نوبته فضرب بابی ضرباً شديداً. (۸۱) الحدیث

حضرت عمرؓ کہتے ہیں: ہم اور قبیلہ بنو امیہ بن زید کا میرا ایک پڑوسی مجالستِ رسول ﷺ کے لیے باریاں متعین کیے ہوئے تھے چنانچہ ایک دن وہ جاتا، ایک دن ہم اور ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو اس دن اترنے والی وحی اور دوسری چیزیں بتاتا۔ اتفاق سے ایک دن میرا پڑوسی گیا اور واپسی پر میرے دروازے پر زور سے دستک دی۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عادت تھی وہ ایک دوسرے سے روایت کرتے رہتے تھے اور یہ چیز ان کی عدالت کے لیے قادح نہیں کیونکہ سارے صحابہ عادل، امین اور مامون ہیں۔ صحابہ کرام کی تعریف خود اللہ نے کی ہے۔ **لقد رضی الله عن المومنین اذیبا یعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم وأثابهم فتحا قریبا.** (۸۴)

مزید برآں مراسیل صحابہ مسترد کردینے سے علم شریعت کے ایک بہت بڑے حصہ سے ہاتھ دھونا پڑنے گا حضرت، ابن عباس اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہم کی اکثر وبیشتر روایتیں صحابہ ہی سے مروی ہیں اور پھر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو دیکھئے۔ وفات رسولؐ کے وقت ان کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی اور ان سے مروی حدیث "**الحلال بین والحرم بین**" دعائم اسلام میں شمار ہوتی ہے۔ ہاں وہ اولاد صحابہ جو وفاتِ رسول کے وقت غیر متمیز تھے جیسے عبداللہ بن عدی بن خیار، محمد بن ابو بکر الصدیق وغیرہ وغیرہ۔ توان کی مرویات صحیح اور راجح قول کے مطابق مراسیل صحابہ میں شمار نہیں ہوں گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کی بعض روایتیں تابعین کے واسطے سے پائی جاتی ہیں لیکن شذوذ کی حد تک۔ عراقی نے "**التقیید والایضاح**" (۸۶) میں ان تمام روایتوں کو جمع کر کے ذکر کردیا ہے۔ جن کی کل تعداد ۱۷، ۱۸ ہے اور خطیب بغدادی کی اس سلسلے میں مستقل تصنیف ہے گویا تابعین کے واسطے سے مروی صحابہ کرامؓ کی مرویات متعین، محدود اور معلوم ہیں۔ ان سے اشتباہ کا خدشہ نہیں بخلاف مراسیل تابعین کے کیونکہ ان کی تعداد زیادہ، بے شمار اور غیر معلوم ہے۔ نیز بقول شوکانی تابعین سے ماخوذ صحابہ کی مرویات پر عام طور سے اسرائیلیات اور قصے کہانیوں کا رنگ ہے۔ ان میں مرفوع صحیح کی تعداد بہت کم ہے۔ اس لیے مراسیلِ صحابہ قبول کرنے میں پس وپیش کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔

مسئله وصل وارسال

ایک ہی حدیث اگر دو الگ الگ سندوں سے دو طرح متصل اور مرسل مروی ہو تو ایسی صورت میں ترجیح کس کو دی جائے گی؟ اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

۱۔ موصول کو ترجیح دی جائے گی۔ نووی نے اس قول کی نسبت تحقیق پسند محدثین کی طرف کی ہے۔ ابو بکر بزار کا مسلک یہی ہے۔ چنانچہ بطریق عطاء ابوسعید خدری سے مروی حدیث "**لا تحل الصدقة لغنی الاخمسة**" کو مالک ابن عیینہ نے عطاء سے بطریق زید بن اسلم مرسلا روایت کیا ہے اور عبدالرزاق نے بطریق معمر وثوری زید ہی سے موصلا ابو بکر بزار نے موصول کو ترجیح دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: "**واذا حدث بالحدیث ثقة فاسنده کان عندی هو الصواب.**" (۸۷)

ابن صلاح فقہا اور اصولیوں کا یہ مذہب بتاتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس مذہب کی توثیق میں حدیث "**لانکاح الابولی**" پر امام بخاری کا قول نقل کیا ہے۔ چنانچہ مرسل وموصول دونوں طریقے سے مروی اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے انہوں نے موصول کو ترجیح دی ہے۔ حدیث مذکور کو اسرائیل بن یونس اپنے دادا **ابو اسحاق سبیعی عن ابی بردہ عن ابیه** موصولاً روایت کرتے ہیں۔ جب کہ سفیان ثوری اور شعبہ بطریق ابواسحاق ابو بردہ سے مرسلاً۔ سفیان اور شعبہ دونوں کے دونوں حفظ واتقان میں لاثانی ہیں اس کے باوجود امام بخاری نے اسرائیل کی روایت کو ترجیح دیا ہے۔

۲۔ بقول خطیب جمہور محدثین کے نزدیک مرسل کو ترجیح دی جائے گی۔ بشرطیکہ راوی ثقہ ہو۔ کیونکہ "ارسال" فنی حیثیت سے عیب مانا جاتا ہے۔ اس لیے جس طرح کسی راوی کے حق میں اقوال جرح و تعدیل متصادم ہونے کی صورت میں جرح کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔ (۸۸)

۳۔ کثرت تعداد کا اعتبار ہوگا۔ حاکم نے اسے ائمہ حدیث کا مذہب بتایا ہے۔ فخر الدین رازی اسی کے قائل ہیں کیونکہ ایسی صورت میں غلطی کا اندیشہ بہت کم رہ جاتا ہے۔

۴۔ حفظ و اتقان کو معیار بنایا جائے گا۔

۵۔ توقف اختیار کیا جائے گا۔ یہ قول سبکی کا ہے۔

۶۔ ماوردی امام شافعیؒ کی رائے ذکر کرتے ہیں: حدیث مرسل راوی کی ذاتی رائے اور موصول کو حدیث کہا جائے گا۔

۷۔ قرائن اور خارجی دلائل کی روشنی میں ترجیح دی جائے گی (۸۹) کیونکہ اس باب میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں اور یہ ساتواں قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی قول علامہ ابن حجر، حافظ علائی اور ابن دقیق العید وغیرہ کا ہے۔ چنانچہ ابن دقیق العید شرح الامام میں لکھتے ہیں:

"من حکی عن اهل الحدیث أواكثرهم أنه اذا تعارض رواية مرسل ومسند اورافع وواقف أوناقص وزائد أن الحكم للزائد فلم يصب فی هذا الاطلاق فان ذلك ليس قانونا مطرداً" (۹۰) موصول، مرسل، موقوف، مرفوع اور زائد و ناقص میں تعارض پیدا ہونے کی صورت میں زائد کو ترجیح دینے کا قول جمہور محدثین کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس سلسلے میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں۔"

اور علامہ علائی کہتے ہیں:

"كلام الائمة المتقدمين فی هذا الفن كعبد الرحمن بن مهدی، ويحی بن سعيد القطان، وأحمد بن حنبل والبخاری وأمثالهم يقتضی انهم لا يحكمون فی هذه المسئلة بحكم كلی بل عملهم فی ذلك دائر مع الترجيح بالنسبة الی ما يقوی عند احدهم فی كل حديث حديث." (۹۱)

عبدالرحمٰن بن مہدی، یحیٰ بن سعید القطان، امام بخاری، احمد بن حنبل جیسے پائے کے محدثین کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ لوگ اس مسئلہ میں کسی قاعدہ کلیہ کے مطابق نہیں بلکہ ہر ہر حدیث کے بارے میں قرائن اور خارجی دلائل کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔

رہ گئی بات "لانکاح الا بولی" سے متعلق موصول روایت کو ترجیح دینے کی تو امام بخاری نے کسی قاعدہ کلیہ کی بنا پر اسے ترجیح نہیں دیا ہے بلکہ قرائن کی روشنی میں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ ابو سبیعی کے لڑکے یونس اور ان کے دونوں پوتے اسرائیل اور عیسیٰ تینوں ابواسحاق سے موصولاً روایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان کا فرد اوروں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور مبنی برحق معلومات فراہم کرسکتا ہے۔ مزید یہ کہ ابو عوانہ، شریک نخعی، زہیر بن معاویہ اور ابواسحاق کے باقی دسیوں شاگرد مختلف مجلسوں میں ان سے سن کر موصولاً روایت

کرتے ہیں۔

۲۔ جب کہ شعبہ اور سفیان ثوری دونوں نے ابو اسحاق سے ایک ہی مجلس میں ان سے سنا جیسا کہ امام ترمذی کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے:

"حدثنا محمود بن غیلان، ثنا ابوداؤد، ثنا شعبة قال سمعت سفیان الثوری یسأل أبا اسحاق أسمعت أبا بردہ یقول: قال رسول الله ﷺ لا نکاح الا بولی" فقال نعم"(۹۲) سیاق سند سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبہ اور سفیان دونوں نے ابو اسحاق سے ایک ہی مجلس میں نیز عرضا سنا ہے۔ کیا یہ روایت اور اسرائیل کی روایت دونوں برابر ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اور پھر امام بخاری نے اس قسم کی بعض حدیثوں میں مرسل کو ترجیح دیا ہے۔ جیسا کہ ام سلمہ سے مروی حدیث "ان شئتِ سبعت لك"(۹۳) کا حال ہے چنانچہ اس حدیث کو بطریق محمد بن ابی بکر بن حزم سفیان ثوری نے عبدالملک بن ابی بکر عن عبدالرحمٰن عن ابیہ موصولا روایت کیا ہے۔ جب کہ مالک نے عبداللہ بن ابی بکر بن الحارث سے مرسلا۔ یہاں امام بخاری نے امام مالک کی روایت کی تصحیح کی ہے اور کہا:- الصواب قول مالك مع ارساله." (۹۴)

اسباب ارسال

ارسال کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) مرسل صرف ثقہ راویوں سے ارسال کرتا ہو۔ ایسی صورت میں ارسال کے تین اسباب ہو سکتے ہیں:

۱۔ استاذ کی عدالت پر کامل اعتماد کی وجہ سے جیسا کہ ابراہیم نخعی کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے "ما حدثکم عن ابن مسعود رضی الله عنه فقد سمعت عن غیر واحد، وما حدثتکم. (۹۵)

۲۔ ذہول ونسیان، متن یاد رہا لیکن حدیث بیان کرتے وقت استاذ کا نام ذہن میں نہیں رہا۔

۳۔ حدیث بحالت مذاکرہ یا بحیثیت فتوی سنی مقصد تحمل حدیث نہیں تھا۔

(ب) ارسال کی دوسری شکل یہ ہے کہ مرسل ہر کس وناکس سے روایت کرنے کا عادی ہو ایسی حالت میں عام طور پر سبب ارسال شیخ کا ضعیف، متروک یا متہم ہونا بتایا جاتا ہے۔

تعداد مراسیل

مرسل روایتوں کے اعداد وشمار سے متعلق کوئی قطعی رائے دینا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی تعداد غیر متعین اور غیر معلوم ہے۔ البتہ امام ابوداؤد کی کتاب "المراسیل" کے اندر "۵۴۴" مراسیل مذکور ہیں جس کے بارے میں شعیب ارناؤط محقق کتاب کی رائے یہ ہے کہ اس کے اندر اکثر وبیشتر مراسیل کا ذکر آگیا ہے۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے:

امام زہری سے "۵۵" حسن بصری سے "۴۴" سعید بن المسیب سے "۳۰" مکحول شامی سے "۲۹" عطاء بن ابی رباح سے "۱۷" عامر شعبی سے "۱۲" عروۃ بن زبیر سے "۱۱" عکرمہ مولی ابن عباس سے "۹" طاؤس بن کیسان سے "۹" ابوقلابہ سے "۸" زید بن اسلم سے "۷" عبداللہ ابن ابی بکر، مجاہد بن جبر اور حکم بن عتبہ سے "۶،۶" عمرو بن شعیب، قتادہ بن دعامہ، محمد بن

سیرین سے "۵،۵" سعید بن جبیر، سلیمان بن موسیٰ، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، علی بن الحسن، ابوالعالیہ ریاحی اور ابومالک غفاری سے "۴، ۴" یحیی بن ابی کثیر، جبیر بن نضیر، خالد بن معدان، عبداللہ بن حارث، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عطاء اللہ بن یسار، قاسم بن عبدالرحمٰن، محمد بن علی، محمد بن طلحہ، معاویہ بن شمرۃ، مقاتل بن حیان اور یزید بن مرثد سے "۳، ۳" ان کے علاوہ پندرہ راویوں سے "۲، ۲" اور باقی پچہتر رواۃ سے ایک ایک مرسل مروی ہے۔(۹۶)

ان کے علاوہ صحیح مسلم میں تقریباً دس مراسیل ہیں جنہیں امام مسلمؒ نے یا تو شواہد و متابعات کے طور پر یا پھر سند کے اندر واقع اختلاف بیان کرنے کی غرض سے ذکر کیا ہے۔ جن میں نو مراسیل دوسرے طرق سے موصول مروی ہیں فقط ایک عبداللہ بن عباسؓ سے مروی حدیث "کان حدیث رسول اللہ ﷺ ینسخ بعضہ بعضاً" کسی صحیح سند سے موصولاً مروی نہیں۔(۹۷)

اسی طرح مظان مراسیل میں امام مالک کی کتاب "المؤطا" کا بھی شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن حزم کے "مراتب دیانہ" جیسا کہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے "اوجز المسالک" میں ان سے نقل کیا ہے، نیز مؤطا میں مراسیل کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر ہے وہ رقمطراز ہیں: **احصیت ما فی المؤطاء لمالک فوجدت فیہ من المسند خمس مائۃ ونیفا، وفیہ ثلاثمائۃ ونیف مرسلاً، وفیہ نیف وسبعون حدیثا ترک مالک نفسہ العمل بھا وفیھا احادیث ضعیفۃ وھاھا الجمھور**"(۹۸) مؤطا کی ورق گردانی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس میں مسند کی تعداد پانچ سو سے اوپر، ۳۰۰ تین سو سے کچھ اوپر مرسل، لگ بھگ ستر حدیثوں پر خود امام مالک کا عمل نہیں اور کچھ ایسی حدیثیں ہیں جنہیں جمہور نے ضعیف گردانا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک مؤطا میں مذکور مراسیل کی تعداد صرف ۲۷ ہے(۹۹) حافظ ابن عبدالبر کی مراسیل وبلاغیات سے متعلق مستقل تصنیف ہے۔ وہ کہتے ہیں "**بلغنی وعن الثقۃ عندی**" کے صیغوں سے مروی کل ۶۱ حدیثیں ہیں ان میں چار کے علاوہ باقی کسی نہ کسی طرح موصولا مروی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ انی

۲۔ **ان النبی ﷺ رأی أعمار الناس قبلہ، وماشاء اللہ من ذلک فکانہ تقاصر أعمار أمتہ فاعطی لیلۃ القدر.**

۳۔ حضرت معاذ کا قول: **آخر ما اوصانی بہ رسول اللہ ﷺ وقد وضعت رجلی فی الغز أنہ قال: حسن خلقک.**

۴۔ **اذأنشأت بحرمۃ ثم نشأمت فتلک عین عذیقۃ اوعذقۃ.** (۱۰۰)

تعداد مراسیل سے متعلق اس مختصر جائزہ سے میرا مقصد احصاء نہیں البتہ شعیب کے اس قول "**وأغلب الظن أنہ ادرج فیہ– ابوداؤد فی المراسیل– معظم المراسیل التی انتھت الیہ ولم یفتہ الا الیسیر فان حفظ مصنفہ واتقانہ واتساع دائرتہ فی علوم السنۃ موضع اتفاق بین الائمۃ**"(۱۰۱) کی روشنی میں کم از کم حد اعلیٰ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح ابن حزم کے اعداد وشمار کے مطابق مؤطا کی "۳۰۰" صحیح مسلم کی "۱۰" اور مراسیل ابوداؤد کی "۵۴۴" سب مل کر "۸۵۴" ہوتی ہیں اور ابن عبدالبر کے احصاء کے مطابق "۶۰۵" نیز بقول شاہ ولی اللہ "۵۷۱" ہوتیں ہیں۔ لیکن حقیقت میں تعداد مراسیل کو "۸۵۴، ۶۰۵ اور ۵۷۱" میں محصور کرنا جوابدہ امر ہوگا۔

تعلیقات و حواشی

(۱) لسان العرب (۵/ ۲۱۴) دار احیاء التراث العربی : بیروت (۲) مریم: ۳۸
(۳) النهایة لابن الاثیر (۲/ ۲۲۲) انصار السنة المحمدیة لاہور (۴) سنن ابن ماجہ ۱/ ۵۲۱ رقم الحدیث: ۱۶۲۸
(۵) ''انی فرط لکم'' متفق علیہ روایت ہے لیکن موضع استشہاد صحیحین میں مذکور نہیں البتہ صاحب لسان العرب اور ابن اثیر نے اسے ذکر کیا ہے۔
(۶) لسان العرب: ۵/ ۲۱۳ (۷) سنن بیہقی ۵/ ۳۴۹ (۸) نفس مصدر
(۹) لسان العرب (۵/ ۲۱۳) النهایة لابن الاثیر: (۲/ ۲۲۴) (۱۰) نفس مصدر
(۱۱) علوم الحدیث: ۳۲ (۱۲) نفس مصدر (۱۳) شرح السنة: ۲/ ۲۴۵
(۱۴) التمهید: ۱/ ۱۹ (۱۵) الکفایة: ۲۱
(۱۶) اس قسم کی مرسل روایتوں کے لیے دیکھئے: امام بخاری کی تاریخ صغیر ص ۱۵ وفتح المغیث للسخاوی ۱/ ۱۵۹۔
(۱۷) امام ابوداؤد نے اپنی کتاب میں کہیں پر بھی مرسل کی تعریف نہیں کی ہے شاید علما نے استقراء کے بعد یہ بات کہی ہو۔
(۱۸) الکفایة: ۳۸۴ (۱۹) فتح المغیث: ۱/ ۱۵۸ (۲۰) نفس مصدر: ۱/ ۱۶۰
(۲۱) مسلم مع النووی: ۱/ ۳۰ (۲۲) شرح المهذب: ۱/ ۱۰۳
(۲۳) النکت علی ابن الصلاح: ۲/ ۵۴۳ (۲۴) فتح المغیث: ۱/ ۱۶۰
(۲۵) فتح الباری: ۹/ ۵۹۰۔۵۹۱ (۲۶) التقیید والایضاح: ۳۲
(۲۷) النکت الابن حجر: ۲/ ۵۴۴ وفتح المغیث ۱/ ۱۶۰ (۲۸) فتح المغیث: ۱/ ۱۶۰
(۲۹) التقیید والایضاح: ۷۰۔۷۱ (۳۰) النکت لابن حجر: ۲/ ۵۴۵
(۳۱) نفس مصدر: ۲/ ۵۴۶ (۳۲) نفس مصدر: ۲/ ۵۴۵
(۳۳) النکت لابن حجر: ۲/ ۵۴۳، فتح المغیث: ۱/ ۱۵۶ (۳۴) النکت لابن حجر: ۲/ ۵۴۴
(۳۵) نفس مصدر: ۲/ ۵۴۶ (۳۶) نفس مصدر: ۲/ ۵۴۵
(۳۷) النکت لابن حجر: ۲/ ۵۴۳، امام شافعی کا قول دیکھئے ان کی کتاب ''الرسالة'' میں ص ۴۶۷ فقرہ ۱۲۸۴۵
(۳۸) ملاحظہ ہو ابن حجر کی کتاب ''النکت'' ۲/ ۵۴۶۔۵۵۲ (۳۹) رسالة الی اهل مکة: ص: ۲۴
(۴۰) شرح معانی الآثار: ۱/ ۴۸ (۴۱) فتح المغیث: ۱/ ۱۶۳
(۴۲) الرسالة: ص ۴۶۱۔۴۶۵ (۴۳) جامع التحصیل: ص ۹۲
(۴۴) النکت لابن حجر: ۲/ ۵۶۹ (۴۵) سنن دار قطنی: ۱/ ۱۷۱، حدیث ۴۳، ۴۴

(۴۶) شرح العلل :۱/۳۱۰-۳۱۷ (۴۷) مسند احمد :۲۱۹/۶،ابن ماجہ : ۱۱۷

(۴۸) مسند احمد اور ابو داؤد فی المراسیل ص۸ (۴۹) اعلام الموقعین :۳۱/۲

(۵۰) التمهيد :۱/ ۲ بواسطہ النکت لابن حجر ۲/ ۵۵۲،۵۶۸-۵۶۹ (۵۱) جامع التحصیل : ص:۹۷

(۵۲) منهاج السنة : ۴/ ۱۱۷ (۵۳) مسلم :۸۶/۱۶

(۵۴) السنن الكبرى للبيهقى : ۱/ ۱۵۵،والدار قطنی : ۲/ ۵۱۲،اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ قول آپ نے کس خط میں ذکر کیا تھا حافظ ابن حزم "المحلی" میں کہتے ہیں اس کو عبدالملک بن الولید نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے اور باپ بیٹے دونوں ضعیف ہیں : ۱/ ۱۵۹،ابن قیم اور شاکر دونوں نے ابن حزم کے اس قول پر سخت نکیر کی ہے۔اعلام الموقعین:۱/ ۸۶۔

(۵۵) رساله الی اهل مكة: ص ۲۴

(۵۶) فتح المغيث :۱/ ۱۶۷، المعرفة للبيهقى :۱۹۱، التمهيد :۱/ ۳۸-۳۹ (۵۷) التمهيد :۱/ ۳۸-۳۹

(۵۸) تهذيب التهذيب :۵/ ۲۲۵، فتح المغيث:۱/ ۱۶۷ (۵۹) مقدمه صحيح مسلم :۱/ ۸۴

(۶۰) صحیح مسلم :۱/ ۱۱ (۶۱) مقدمه لسان الميزان :۱/ ۱۱ (۶۲) صحیح مسلم :۱/ ۱۰

(۶۳) الرسالة لامام الشافعي : ص۴۶۱-۴۶۵ (۶۴) الرسالة : ص ۴۶۴-۴۶۵

(۶۵) علوم الحدیث : ص۴۹ (۶۶) السنن الكبرى للبيهقى :۶/ ۴۲، تمہید :۶/ ۴۳۸

(۶۷) ص ۸۷فی آخر الام (۶۸) فتح المغيث :۱/ ۱۷۰ (۶۹) اللمع ص ۴۹

(۷۰) الفقيه والمتفقة ۱/ ۲۲۷ (۷۱) الكفاية ص ۴۰۴-۴۰۵ (۷۲) الفقية والمتفقه :۱/ ۳۲۷

(۷۳) الكفاية : ص۴۰۵ (۷۴) جامع التحصيل : ص۴۵ (۷۵) مسلم :۱/ ۱۳۲

(۷۶) الحجرات :۶ (۷۷) فتح الباری :۱/ ۴۰۵ (۷۸) فتح الباری :۱/ ۳۸۱

(۷۹) نفس مصدر ۱/ ۳۰۶ (۸۰) النکت : ۲/ ۵۴۹-۵۵۰ (۸۱) النکت : ۲/ ۵۴۷

(۸۲) الكامل فى الضعفاء (۸۳) فتح الباری :۱/ ۱۸۵ (۸۴) الفتح :۱۸

(۸۵) متفق علیہ : بخاری مع الفتح ۷/ ۲۱، مسلم ۱۶/ ۹۲ (۸۶) التقييد والايضاح ص۷۶-۷۸

(۸۷) فتح المغيث :۱/ ۲۰۰-۲۰۱ (۸۸) الكفاية : ص۴۱۱

(۸۹) ملاحظہ ہو: فتح المغيث :۱/ ۲۰۰-۲۰۴ اور النکت لابن حجر ۲/ ۶۰۳-۶۱۳

(۹۰) النكت لابن حجر : ۲/ ۶۰۴ (۹۱) المصدر السابق

(۹۲) ترمذی كتاب النكاح، باب ماجاء لا نكاح الا بولى : حدیث نمبر ۱۱۰۲ (۹۳) مسلم،ابوداؤد، مسند احمد

(۹۴) النكت لابن حجر : ۲/ ۶۰۸-۶۰۹ (۹۵) التمهيد :۱/ ۳۸، النكت لابن حجر : ۲/ ۵۵۵

(۹۶) المراسيل لابی داؤد : ص ۲۰۶ (۹۷) تدريب الراوى : ۲/ ۲۰۶-۲۰۷ (۹۸) أوجز المسالك :۱/ ۴۴

(۹۹) المصدر السابق :۱/ ۴۳ (۱۰۰) المصدر السابق :۱/ ۴۲ (۱۰۱) المراسيل لابی داؤد ص :۶

مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی
هما للثقافة والإعلام. مئوناتھ بھنجن

خبر واحد: مفہوم اور شرعی حیثیت

الحمد لله رب العالمين. وصلى الله على نبينا ومولانا محمد و آله وصحبه ومن اهتدى بهديه واستن بسنته الى يوم الدين. اما بعد !

زیر نظر مقالہ "خبر واحد: مفہوم اور شرعی حیثیت" کی تیاری کے لیے اپنے شہر مئوناتھ بھنجن میں رہتے ہوئے زمانۂ قدیم اور عصر جدید کی تمام ممکن الحصول کتابوں کے مطالعہ کے بعد جس نتیجہ پر پہنچ سکا وہ یہ ہے کہ مبطلین و مفسدین کی جملہ جماعتوں نے ابطال اسلام اور افساد شریعت کے مقصد سے اسلام اور اس کے تشریعی مصادر پر اپنے بھانت بھانت کے اصول و قواعد اور اوہام و خیالات اور افکار و نظریات سے قدغن لگانے کی کوشش کی۔ مفسدین و مبطلین کے انہیں اصول و قواعد میں سے خبر واحد کا اصول اور قضیہ بھی ہے جو اس امت کو اپنے دین سے منحرف کرنے کرانے کا اہم ترین ذریعہ اور حیرت انگریز فتنہ ہے۔

اس بحث کے مصادر

اس بحث کے ممکن الحصول مصادر جو مئوناتھ بھنجن میں رہتے ہوئے دستیاب ہوئے اور جن سے استفادہ کی کوشش کی گئی مندرجہ ذیل ہیں :

كتاب الأم مولفه امام شافعي. كتاب الرساله مؤلفه امام شافعي، صحيح البخارى مؤلفه امام بخاریؒ. خلق أفعال العباد مؤلفه امام بخاریؒ. فتح البارى مع المقدمة مؤلفه الحافظ ابن حجر، الكفايه مؤلفه خطيب بغدادى، البرهان فى اصول الفقه مؤلفه امام الحرمين ابو المعالى الجوينى، المعتمد فى اصول الفقه مؤلفه ابوالحسين البصرى المعتزلى، مقدمه ابن الصلاح، شرح مقدمه ابن الصلاح مؤلفه زين الدين العراقى، النكت على ابن الصلاح لابن حجر، نزهة النظر مؤلفه حافظ ابن حجر، فتح المغيث مؤلفه امام سخاوى، مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيميهؒ، شيخ الاسلام ابن تيميه وجهوده فى الحديث وعلومه مؤلفه الدكتور عبدالرحمن الفريوائى، اعلام الموقعين مؤلفه ابن القيمؒ، مختصر الصواعق المحرقة مؤلفه امام ابن القيمؒ، الإحكام فى اصول الأحكام مؤلفه امام ابن حجر، الإحكام فى اصول الأحكام مؤلفه آمدى، الفرق بين الفرق مؤلفه امام عبدالقاهر البغدادى، الملل والنحل مؤلفه عبدالكريم الشهرستانى، دراسات فى الحديث النبوى مؤلفه الدكتور مصطفى الأعظمى، السنة ومكانتها فى التشريع الاسلامى مؤلفه الدكتور مصطفى السباعى، زوابع فى وجه السنة مؤلفه

صلاح الدين مقبول سلفي، حجيت حديث مطبوعه الجامعة السلفيه بنارس، تيسير مصطلح الحديث مؤلفه محمود طحان، تسهيل الوصول إلى فهم علم الاصول مؤلفه عطيه سالم وغيره.

خبر واحد کے فتنے کا آغاز

قدیم و جدید کے تمام مصادر صحیح طور پر خبر واحد کے فتنہ کا آغاز اور اس کے مبدأ و منشا اور بانی کی بالضبط تعیین کے موضوع پر خاموش ہیں۔ لیکن استنباطی مطالعہ کے بعد جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہی کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے آغاز تک مسلمانوں میں جتنے اسلامی اور الحادی فرقے وجود میں آچکے تھے سب نے اس موضوع پر اپنی اپنی بساط اور ضرورت کے مطابق قسمت آزمائی کی کوشش کی۔ غالباً عراق اور اس کے شہر بصرہ میں اس قسم کے خیالات پہلے پہل سامنے آئے جیسا کہ آئندہ ہم بیان کریں گے۔

خوارج و روافض، قدریہ و جہمیہ، معطلہ و مشبہہ، ملاحدہ و زنادقہ، مرجیہ و اہل الرأی، معتزلہ و متکلمین ہر ایک نے اپنی اپنی مقصد بر آری کے لیے انکار سنت اور حجیت یا عدم حجیت حدیث کے موضوع کو چھیڑا اور اس سلسلے میں ان کی انتھک کوششوں سے نت نئے اصول و قواعد اور تعریفات و تفریعات وجود میں آئیں۔

علم و معرفت میں غیر پختہ کار فقہاء بھی اس فتنہ کا شکار ہوئے اور عمداً یا سہواً وہ بھی اسلام کے چہرۂ انور پر کچھ بدنما داغ لگا گئے۔

اہل سنت اور محدثین کی گرانمایہ کوششیں اور ان کی قربانیاں اس نئے پیش آمدہ فتنہ کے دفاع کے لیے کچھ کم نہ رہیں، اسلاف محدثین سے لے کر اخلاف محدثین میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی صورت میں اس فتنہ کا سد باب کرنے کی کوشش کی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے بعض متأخرین اصول حدیث میں متکلمین کے طرز پر چل پڑے اور اس مسئلے کو کچھ آسان تو ضرور لیکن مزید پر پیچ اور مشکل بنادیا۔

خبر واحد کا مفہوم

بالضبط یہ بھی تعیین کرنا دشوار ہے کہ خبر واحد کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور اس کی کوئی جامع و مانع اصطلاحی تعریف کیا ہو سکتی ہے؟ اس لیے کہ خوارج و روافض سے لے کر معتزلہ و متکلمین کے ہر ایک فرقہ اور اس کے قابل ذکر پیشواؤں نے جو اس فتنہ کے ظہور کا سبب ہیں اپنے اپنے اعتبار سے اس کے معنی و مفہوم کی تحدید کی ہے۔ اسی لیے محدثین اور علمائے اہل سنت نے اس اعتبار سے اس فتنہ کے دفاع کی بھی کوشش کی ہے۔ گو متأخرین نے متکلمین کے اصول فقہ سے متاثر ہو کر متواتر اور آحاد میں اس کی تقسیم کر کے تحدید کرنے کی کوشش کی۔

الخبر الواحد اور خبر الواحد

خبر واحد کے فرقہ وارانہ متعدد مفہوم کے بیان سے پہلے یہ واضح کر دینا زیادہ مناسب ہوگا کہ اصول اور مصطلح کی بعض کتابوں میں "الخبر الواحد" اور "خبر الواحد" دو لفظ وارد ہوئے ہیں۔ اردو، فارسی اصول و مصطلح کی کتابوں اور رسالوں میں دونوں پر اپنے لسانی اسلوب کے مطابق "خبر واحد" کا اطلاق ہوا ہے جو بسا اوقات بعض مبتدی طلباء اور نافہم اساتذہ کے لیے پریشانی کا باعث ہو جایا کرتا ہے۔ حالانکہ دونوں اصطلاحوں میں دور کا فرق ہے جو "خبر الکاذب" اور "الخبر الکاذب" کے

فرق سے کم نہیں ہے۔

محدثین کے نزدیک "الخبر الواحد" "الحدیث الواحد" کے معنی میں مستعمل ہے، اسے دوسرے لفظوں میں "أفراد" یا "فرد مطلق" اور "فرد نسبی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صرف ایک معنی یا ایک مسئلہ، یا کئی مختلف معانی اور مختلف مسائل پر الگ الگ جملوں میں مشتمل ایک طویل حدیث پر بھی "الحدیث الواحد" اور "الخبر الواحد" کا اطلاق ہوتا ہے، جب کہ "خبر الواحد" لغۃً اپنے اضافی معنی سے بھی ظاہر ہے اور اصطلاحاً تمام قسم کی غیر متواتر احادیث پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

خبر واحد کے متعدد مفاہیم اور ان کی شرعی حیثیت

اضافت کے ساتھ بولے جانے والے لفظ "خبر الواحد" کے سنتے، ہی یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ خبر کی دو قسمیں ہیں :

"خبر الواحد" اور "خبر غیر الواحد" خبر الواحد کا ابتدائی مفہوم متعین ہونے کے بعد فوراً ذہن میں "خبر غیر الواحد کا بھی کوئی مفہوم لامحالہ آہی جاتا ہے۔ لیکن کیا ان دونوں کا وہی مفہوم ہے جو ابتدائی مرحلہ میں ذہن میں آچکا ہے یا کوئی اور؟ اس بات کی جانکاری کے لیے پہلے "خبر" کا مفہوم جان لینا بہتر ہوگا۔

خبر کی تعریف

خبر کے لفظی اور لغوی خبار کے ڈھیر میں سے کچھ عرفی غبار یہ ہیں :

"الخبر : نوع مخصوص من القول وقسم من أقسام الكلام" وقد يستعمل في غيرالقول كما قيل :

"وتخبرك العينان ما القلب كاتم"

یعنی خبر گفتگو کی ایک مخصوص نوعیت اور کلام کی ایک قسم ہے، لیکن بسااوقات غیر لسانی اور بذریعہ زبان ادا نہ ہونے والے کلام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے آنکھ کی خبر بقول کسے :

چشم مجنوں می فشاند رازھائے سینہ را

لہٰذا خبر بحیثیت خبر یہ ہے :**"هو ما يحتمل الصدق والكذب لذاته"** یا **"هو كلام يدخله الصدق والكذب "**

محدثین کے نزدیک خبر کی تعریف یہ ہے :**"هو ما أضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم من قول أو فعل أو تقرير أو وصف خَلقي أو خُلقي"**

خبر کی تقسیم صدق و کذب کے لحاظ سے

صدق وکذب کے لحاظ سے خبر کی تین قسمیں ہیں :

(۱) جس کی صداقت قطعی ہو۔ (۲) جس کا کذب ہونا قطعی ہو۔ (۳) جس کا سچ اور جھوٹ ہونا قطعی نہ ہو۔

پہلی قسم یعنی وہ خبر جس کی صداقت قطعی ہو اسے خبر متواتر اور معلوم الصدق بالدلیل کہتے ہیں۔

خبر کی تقسیم طریقۂ حصول کے لحاظ سے

مخبر بہ تک پہنچنے کے لحاظ سے خبر کی دو قسمیں ہیں : متواتر اور آحاد۔

متواتر اور آحاد میں سے ہر ایک کی الگ الگ متعدد تعریفیں کی گئیں ہیں۔ آگے ان کی طرف اشارہ آئے گا۔

الغرض : اس قضیہ کو نکھارنے کے لیے مختلف جماعتوں اور فرقوں کی طرف سے پہلے خبر کی لغوی اور عرفی تعریفیں کی گئیں، پھر اس کے شمول کی حیثیت سے اس پر "**مایحتمل الصدق والکذب**" کا اطلاق کیا گیا، پھر اس کی غایت اور افادیت کے لحاظ سے "**ما یحصل به العلم**" اور "**مالا یحصل به العلم**" یا "**ما یحصل به الظن**" کی بات کہی گئی، پھر اسے پختہ کرنے کے لیے اس کے طریقۂ حصول سے بحث کی گئی اور اسے متواتر و آحاد میں تقسیم کیا گیا۔ پھر متواتر کی متعدد تعریفیں کی گئیں جن میں زیادہ جامع تعریف یہ کی گئی ہے کہ :

"**هو ماروٰه جماعة كثيرون تحيل العادة على تواطئهم وتوافقهم على الكذب عن جماعة كذلك الى ان ينتهي الى محسوس**"

الغرض خبر کے متواتر اور قطعی الدلالہ ہونے کے لیے چار شرطیں لگائی گئیں :

۱- یہ کہ اس کے رواۃ کی تعداد بکثرت ہو۔

۲- یہ کہ جھوٹ پر ان کا اتفاق کر لینا عادۃً محال ہو۔

۳- یہ کہ سابقہ دونوں شرطوں کے ساتھ ساتھ مخبر تک پہنچنے کے لیے سند کے ہر طبقہ کے افراد مساوی ہوں۔

۴- یہ کہ مخبرین کو یہ علم مشاہدہ یا سماع سے حاصل ہوا ہو۔

لہٰذا جن خبروں میں یہ چاروں شرطیں نہ پائی جائیں انہیں غیر متواتر یعنی اخبار آحاد یا خبر واحد سے تعبیر کیا جائے گا۔

لیکن ان شرائط اربعہ میں سے بہتوں کے نزدیک چوتھی شرط کالعدم قرار پائی ہے اور بعضوں نے تواتر کے لیے تیسری شرط کا بھی انکار کیا ہے۔

لغت اور عرف کی یہ اصطلاح احادیث رسول، اخبار رسول اور دینی مصادر یعنی کتاب و سنت پر بھی چسپاں کر دی گئی ہے۔ البتہ فرق یہ رکھا گیا ہے کہ کبھی مخبر بہ یعنی رسول ﷺ کو بھی اس میں شامل مانا گیا اور کبھی بات بگڑتی نظر آنے لگی تو رسولؐ کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور کبھی کوئی اور دشواری نظر آئی تو کچھ اور شرطیں بڑھائی گئیں اس طرح خبر متواتر اور اخبار آحاد مختلف نظریوں اور متعدد رایوں میں بٹ گئیں۔ کتاب اللہ اور بعض دیگر احادیث کو متواتر کی مثال میں پیش کیا گیا اور احکام و مسائل کی بقیہ تمام تر احادیث پر خبر واحد کا اطلاق کیا گیا۔

۱۔ مبطلین و مفسدین اور زنادقہ اور ملحدین کو بالکلیہ ابطال دین و شریعت کا سودا سمایا تو خبر متواتر کے وجود کا انکار کر بیٹھے تاکہ قطعی الدلالۃ نام کی کوئی چیز باقی ہی نہ رہ جائے۔ پھر نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ رسول اللہ کو بھی منصب رسالت سے سبکدوش کر کے کہا گیا کہ آخر وہ بھی تو ہیں فرد واحد۔ لہٰذا قرآن بھی اپنی کل شہرت کے باوجود نہ متواتر رہا اور نہ قطعی الدلالۃ۔ مکمل اسلام ہی ظنی ہو کر باطل اور نا قابل اعتبار ہو گیا۔ یہ ہوئی پہلی رائے کہ قرآن بھی خبر واحد ہی ہے۔

۲۔ مبطلین میں ایک اور جماعت وجود میں آئی، اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ متواتر قطعی السند تو ہو سکتی ہے، قطعی الدلالت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لفظی دلالت یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ لہٰذا باستثنائے رسولؐ طریقۂ حصول کے اعتبار سے قرآن قطعی السند متواتر ہے، قطعی الدلالۃ متواتر نہیں۔ اس کی دلالت یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ اس فریق نے کچھ دبے لفظوں میں اسلام اور جملہ صفات الٰہیہ کو باطل کیا۔

۳۔ تیسرا فریق قرآن کے قطعی الدلالۃ ہونے کا قائل ہوا، مگر احادیث کو آحاد اور علم کے باب میں غیر مفید بتا کر اکتفاء بالقرآن کی صدا لگانے لگا۔ عمداً یا سہواً اس صدا کی بازگشت عہد صحابہ ہی میں سنی جانے لگی۔ رفتہ رفتہ اس صدا نے جماعتی شکل اختیار کرلی۔

اسی نظریہ کی مثال اس واقعہ سے بخوبی دی جا سکتی ہے جو سنن ابوداؤد، مستدرک حاکم معجم طبرانی کبیر اور الکفایہ للخطیب وغیرہ میں متعدد سندوں سے مروی ہے کہ ایک روز عمران بن حصین رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ کا بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص اٹھا اور بولا:

ابو نجید! آپ لوگ کتنی ایسی باتیں بیان فرما رہے ہیں جن کا قرآن میں سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے۔ آپ ہم سے صرف قرآن ہی بیان کیا کریں۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی اور فرمایا: تم لوگ قرآن پڑھتے ہو، بتاؤ کیا نماز اور اس کے مسائل قرآن سے بیان کر سکتے ہو؟ اونٹ، گائے اور انواع واقسام کے نقد و جنس کی زکاۃ کے مسائل صرف قرآن سے بیان کر سکتے ہو؟ ہاں بات یہ ہے کہ ہم لوگ اللہ کے رسولؐ کے صحابہ ہیں تم نہیں ہو۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی تو اس معترض نے کہا کہ ابو نجید! آپ نے ہمیں حیات بخشی۔

امیہ بن خالد بصری بھی تابعی ہیں، انہیں بھی اسی قسم کا اشکال درپیش ہوا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: قرآن میں صلاۃ الحضر اور صلاۃ الخوف کا ذکر تو موجود ہے، صلاۃ السفر کا ذکر قرآن میں ہے کہاں؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پیار سے ان سے کہا: بابو! اللہ نے محمد ﷺ کو ہمارے درمیان نبی بنا کر بھیجا، ہم تو کچھ جانتے نہیں تھے، ہم نے جیسے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا ویسے ہی کیا کرتے ہیں۔ (المستدرك للحاكم)

رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی جو ایسے تمام مسائل کا حل صرف قرآن میں تلاش کرنے لگے۔ دوسری صدی کے ربع اول تک ایسے لوگوں کی خاصی تعداد ہو گئی۔ جلیل القدر تابعی ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ (۶۸ھ—۱۳۱ھ) نے انہیں لوگوں کے حق میں کہا تھا:

اذا حدثت الرجل بالسنة فقال: دعنا من هذا وحدثنا بالقرآن فاعلم أنه ضال مضل. (الكفاية للخطيب ص ١٦)

خوارج کی رائے بھی تقریباً اسی نظریہ کا شاخسانہ ہے جس کا وجود عراق کے مشہور شہر کوفہ سے ہوا ہے، عہد صحابہ کے تابعین خوارج میں یہ رائے زور پکڑ چکی تھی۔ یزید الفقیر اور جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ قرآن وسنت میں

تضاد اور قرآن سے استدلال پر اکتفا اور اپنے نظریہ کی تائید اس دور سے لے کر آج تک اسی رائے کی تقلید ہے۔ یزید الفقیر اور اس کے رفقائے سفرحج نے حضرت جابرؓ سے شفاعت اور جہنم سے اخراج کی حدیث سن کر یہی کہا تھا کہ "یا صاحب رسول الله! ماهذا الذی تحدثون؟" لیکن جابرؓ کے جواب کے بعد یزید الفقیر نے اپنے رفقاء سے کہا "ویحکم! أترون الشیخ یکذب علی رسول الله ﷺ؟" پھر ایک کے علاوہ سب کے سب اپنی خارجانہ رائے سے پھر گئے۔ (مسلم حدیث ۳۲۰ کتاب الایمان)

انکار حدیث کا یہ فتنہ کہاں سے اٹھا؟

تاریخ کے استنباطی مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اکتفا بالقرآن کے پردے میں انکار حدیث اور سنت کی عدم حجیت کا یہ فتنہ عام بلاد اسلامیہ میں نہیں تھا۔ بلکہ یہ فتنہ عراق اور اس کے مشہور شہر بصرہ اور کوفہ سے اٹھا۔ طبقات کی تقسیم کے لحاظ سے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بصری صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ عہد فاروقی سے وفات تک آپؓ اہل بصرہ کے فقیہ، استاذ، مفتی اور مرجع تھے۔

امیہ بن خالد اور ایوب سختیانی دونوں بصری ہیں۔ یزید الفقیر اور جماعت خوارج کوفی ہے۔

ایاس بن معاویہ بصری کو بھی حد سے بڑھا ہوا یہ قرآنی شغف نہیں بھاتا تھا اسی لیے انہوں نے سفیان بن حسین واسطی کو وہ بیش بہا نصیحت کی تھی جس کا ذکر مقدمہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

قدریہ اور ہوا پرستوں کا وجود بھی اسی عراقی شہر بصرہ میں ہوا تھا جن پر حجت قائم کرنے کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث جبریل کا سہارا لیا تھا اور ان سے اپنی براءت کا اظہار کیا تھا۔

ابو الجوزاء اُوس بن خالد ربعی بصری (م— ۸۳ھ) نے کہا کہ میرا گھر خنزیر اور بندروں سے بھر جائے اس بات سے بہتر ہے کہ کوئی ہوا پرست میرے پڑوس میں آئے۔ (طبقات ابن سعد ۷/ ۲۲۴)

ابتداء میں یہ حادثات اگرچہ انفرادی قسم کے تھے لیکن دوسری صدی ہجری کے اختتام سے پہلے ہی ایسی جماعت وجود میں آچکی تھی جس نے حدیث کی تشریعی حیثیت کا انکار کر دیا تھا۔

امام شافعیؒ وغیرہ نے حجیت حدیث کے جتنے منکرین کے نام لیے ہیں ان میں اکثریت عراقی اور بصریوں کی ہے۔ آپ کی گرانمایہ تصنیف الام، کتاب جماع العلم، باب حکایة قول الطائفة التی ردت الاخبار کلها، اور باب حکایة قول من رد الخبر الخاصه وغیرہ میں یہ اسماء دیکھے جاسکتے ہیں۔

۴۔ زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترکیب — موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

قطرہ قطرہ دریا شود، دریا دریا سمندر

قطر علی قطر اذا اتفقت نهر — ونهر علی نهر اذا اجتمعت بحر

اس اور اس جیسے استدلال سے ایک چوتھا نظریہ بھی وجود میں آیا، کہنے لگے متواتر بھی تو دراصل اخبار آحاد ہی ہیں۔ اگر ہر سند اور ہر راوی کو الگ الگ دیکھا جائے یا تواتر نام کے سکے کو پیسوں میں بھنا دیا جائے تو کل خبر واحد نہ قطعی السند، نہ قطعی الدلالۃ یہ محض بات بنانے کا ایک ڈھونگ ہے۔ یہ خبط الحواس نظریہ کسی تعلیق کا محتاج نہیں یہ تو اپنی تردید آپ ہی کر رہا ہے۔

۵،۶،۷،۔۔۔ متواتر اور آحاد کی بحث سے قطع نظر خوارج، شیعہ اور معتزلہ کی تین جماعتیں وجود میں آئیں اور انہوں نے اپنے اپنے معیار سے حجیت حدیث کا انکار کیا۔

"لاحکم الا للّٰہ" کا نعرہ لگا کر خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت سے دست بردار ہوئے اور تحکیم کو معصیت اور کفر قرار دیا۔ خوارج فتنہ سے پہلے تمام صحابہ کی تعدیل کے قائل تھے۔ پھر علی، عثمان، اصحاب جمل، حکمین اور تحکیم سے راضی یا اسے برحق کہنے والے تمام صحابہ وغیرہ کی تکفیر کے قائل ہوئے۔ اسی بنا پر فتنہ کے بعد جمہور صحابہ کی احادیث کو ترک کر بیٹھے۔

چونکہ یہ لوگ بیس فرقوں میں بٹ گئے اس لیے ان کی رائیں بھی مختلف ہو گئیں۔

خوارج کا اباضیہ فرقہ علی، عثمان، عائشہ، ابوہریرۃ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ کی احادیث کو بطور سابق حجت تسلیم کرتا رہا۔

شیعہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت وامامت کے ساتھ ساتھ ان کی وصایت کے بھی قائل رہے مصاحبین علی کو چھوڑ کر جمہور صحابہ کی تکفیر و تفسیق کے قائل ہوئے اور ان کی احادیث کو ترک کر بیٹھے۔ وہ لوگ مصاحبین علی اور آل علی کی عصمت کے پردے میں صرف انہیں کی احادیث قبول فرماتے۔

چونکہ خوارج کی طرح شیعہ بھی بے شمار فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور ان میں سے بعض بعض کو کافر قرار دے رہا تھا اس لیے ان کی رائے بھی اختلاف کا شکار ہو گئی۔ شیعوں کا زیدیہ فرقہ تفضیل علی کے عقیدہ کے باوجود حجیت حدیث میں اہل سنت سے قریب تر رہا اور ان کے فقہی مسائل اہل سنت کے مسائل سے میل کھاتے رہے۔

معتزلہ کے بارے میں آمدی، ابن حزم، ابن القیم اور عبدالقاہر بغدادی وغیرہ نے جو نقول پیش کی ہیں ان سے کوئی خاطر خواہ جامع، مثبت اور متفق علیہ نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔ چونکہ یہ جماعت بھی اپنے پیشرو خوارج و روافض کی طرح بائیس فرقوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہی تھی اس لیے ان کی رائیں بھی اخبار متواترہ اور اخبار آحاد کے بارے میں الگ الگ رہیں۔

کتاب الام میں امام شافعی کی تحریروں سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ معتزلہ ہی وہ جماعت ہے جس نے متواتر اور غیر متواتر تمام احادیث کو رد کر دیا۔

لیکن یہ بات ہمارے نزدیک محل نظر ہے۔ ممکن ہے معتزلہ کے جن افراد سے امام شافعیؒ کو سابقہ ہوا وہ اس نظریہ کے حامل رہے ہوں، یا عام جائزے کے بعد امام شافعیؒ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو۔

امام ابو منصور بغدادی، امام رازی، صاحب مواقف عضد الدین ایجی وغیرہ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ معتزلہ کا "نظامیہ" فرقہ اخبار متواترہ کی حجیت، اور افادۂ علم ویقین کا قائل نہیں۔ اس کے نزدیک غلط پر بھی امت کا اتفاق اور کذب پر تواتر کا وقوع جائز ہے۔

امام رازی ہی کی ایک دوسری نقل سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظامیہ صرف خبر واحد کی حجیت کا منکر ہے۔

لیکن عبدالقاہر بغدادی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جن خبروں سے بدیہی علم حاصل نہ ہو وہ حجت نہیں ہیں۔ اخبار آحاد بھی کبھی بدیہی علم کا فائدہ دیتی ہیں اس لیے وہ کبھی حجت بن جایا کرتی ہیں۔ جب کہ بسا اوقات اخبار متواترہ علم بدیہی کا فائدہ نہ دے کر حجت نہیں ہوا کرتیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ معتزلہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مختلف ادوار اور علاقوں میں الگ الگ جو نظریات قائم کئے انہیں کے لحاظ سے ان کے نزدیک اخبار صحابہ متواتر ہوں خواہ آحاد حجیت اور عدم حجیت کے صیغے سے مربوط ہیں۔

معتزلہ میں سے واصلیہ یعنی واصل بن عطاء الغزال البصری ۸۰ھ — ۱۳۱ھ) اور اس کے متبعین علی، معاویہ اور تحکیم وغیرہ کے مسائل میں صحابہ کے باہم اختلاف کے سبب کسی ایک کی بالتعیین تعدیل میں مشکوک ہیں اس لیے ان کے نزدیک ان سب کی شہادتیں مشکوک و مردود ہیں۔

معتزلہ کے فریق ثانی عمریہ یعنی عمرو بن عبید بن باب تمیمی بصری (متوفی ۱۴۲ھ) اور اس کے متبعین واصلیہ کے برخلاف صحابہ کی دونوں جماعتوں کو فاسق قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک تحکیم کے بعد تمام صحابہ کی روایتیں مردود ہیں۔

معتزلہ کی تیسری ٹولی ھذیلیہ یعنی ابو الھذیل العلاف البصری (متوفی ۲۳۷ھ) اور اس کے متبعین جملہ فرقہ ہائے معتزلہ کے نزدیک کافر ہیں۔ "الفرق بین الفرق" میں عبدالقاہر بغدادی نے اخبار آحاد اور متواتر کے بارے میں ان کے نظریئے کی تفصیل بیان کی ہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں، البتہ اتنا کافی ہے کہ ھذیلیہ کے نزدیک حجت کے لیے مخبرین کی ہر جماعت میں ایک جنتی شخص کا ہونا ضروری ہے اور وہ جنتی شخص ان کے عقیدہ کی تفصیل کے مطابق انہیں کی ٹولی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، کوئی دوسرا نہیں جس پر ان کی بیان کردہ صفتیں صادق آسکیں۔

کتاب "المعتمد فی اصول الفقه" اور "زیادات المعتمد" میں اس کے معتزلی مؤلف ابوالحسین محمد بن علی البصری (متوفی ۴۳۶ھ) کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک اخبار آحاد حجت ہیں لیکن متعدد مختلف شرطوں کے ساتھ، جیسا کہ کتاب کے مندرجہ ذیل ابواب سے ظاہر ہوتا ہے:

١. باب في أن خبر الواحد لا يقتضي العلم. (٢/٥٦٦– المعتمد)
٢. باب فيما يقبل فيه خبر الواحد ولا يقبل فيه. (٢/٥٧٠– المعتمد)
٣. باب في جواز ورود التعبد بأخبار الآحاد. (٢/٥٧٣– المعتمد)
٤. باب في التعبد بخبر الواحد. (٢/٥٨٣–المعتمد و ٢/١٠٢٦– زيادات المعتمد
٥. باب في بيان وقوع العلم بالأخبار. (٢/١٠٢٥– زيادات المعتمد و ٢/٥٥١– المعتمد)
٦. باب الدلالة على صحة القول بالإجماع. (٢/١٠١٩– زيادات المعتمد)
٧. باب شروط وقوع العلم بالخبر المتواتر. (٢/٥٥٨–المعتمد، و ٢/١٠٢٥– الزيادات.

۸۔ خبر واحد کے بارے میں ساتواں نقطۂ نظر یہ ہے کہ "الآحاد لا تفید العلم" صحابہ، تابعین اور ائمہ اسلام کے خلاف معتزلہ، جہمیہ، رافضہ اور خوارج کی موافقت میں بعض فقہاء اور اصولیوں نے یہ بات کہی ہے جب کہ علامہ ابن القیم کہتے

ہیں کہ یہ قول ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے :"قصص القرآن لا تفید العلم"(ص ۵۰۸، الصواعق)اس لیے نصوص قرآنی کے مبطلین کے نزدیک باعتبار دلالت علم کا فائدہ نہیں دیتیں، اور اخبار آحاد باعتبار دلالت اور باعتبار سند اس کا فائدہ نہیں دیتیں۔

۹۔ نواں نظریہ یہ ہے کہ "انها تفید الظن فقط" یعنی خبر واحد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے لیکن لفظ "ظن" سے جو غلطیاں متقدمین و متأخرین بالخصوص ہندوپاک کے نام نہاد مصلحین کو ہوئی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ شیخ الحدیث مولانا اسماعیل صاحب گجرانوالہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنی تحریروں میں کافی تشفی بخش بحثیں کی ہیں۔

۱۰۔ دسواں نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد علم کا تو نہیں لیکن عمل کا فائدہ دیتی ہے یعنی "انها تفید العمل ولا تفید العلم" یہ نظریہ اپنے صغری کبری سے ہی بداہۃً مردود ہے۔

۱۱۔ گیارہواں خیال یہ ہے کہ خبر واحد عقائد کے باب میں حجت نہیں ہے لیکن احکام و مسائل کے باب میں حجت ہے۔ علامہ البانی حفظہ اللہ نے "الحدیث حجة بنفسه في العقائد و الأحکام" میں اس کا بہترین جواب دیا ہے۔

۱۲۔ بارہواں نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد مطلقاً علم کا فائدہ دیتی ہے۔

۱۳۔ تیرہواں نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد قرآن اور خبر متواتر کی طرح علم کا فائدہ نہیں دیتی۔ (الشافعی فی الرسالة المصریه)

۱۴۔ چودہواں نقطہ نظر قاضی عبدالوہاب مالکی کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے جب کہ اس کی سند صحیح ہو، اس کی روایتیں مختلف اور متعارض نہ ہوں، امت کے نزدیک اسے شرف قبولیت حاصل ہو۔

۱۵۔ حنابلہ کے نزدیک خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے خواہ امت نے اسے قبولیت دیا ہو یا نہ دیا ہو۔

۱۶۔ قاضی ابویعلی اور ابن ابی یونس کے نزدیک خبر واحد علم و عمل دونوں کا فائدہ دیتی ہے۔ (الکفایه لأبی یعلی، الإرشاد لابن ابی یونس)

سمجھ میں نہیں آتا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم نے اس نظریہ کو الگ سے کیوں ذکر کیا ہے۔

۱۷۔ شیخ ابواسحاق شیرازی کہتے ہیں کہ خبر واحد جسے امت نے قبولیت دیا ہو علم و عمل دونوں کا فائدہ دیتی ہے اگرچہ عملاً سب نے اسے اپنایا ہو یا صرف چند افراد نے۔ (شرح اللمع)

۱۸۔ کتب حنفیہ میں مذکور ہے کہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک خبر مستفیض علم کو واجب کرتی ہے، جیسے حدیث: "لا وصیة لوارث" وحدیث: "فالقول قول البائع أو یترادان" یا حدیث "اخذ الجزیة من المجوس" اور حدیث "اعطاء الجدة السدس" وغیرہ۔

ہمیں تعجب ہے فقہائے حنفیہ پر جو ان مستفیض حدیثوں کو مانتے ہیں لیکن رؤیت، نزول، نداء، تکلیم وغیرہ صفات الٰہیہ کی متواتر درجہ کی مستفیض احادیث کو تسلیم نہیں کرتے۔ آخر یہ کون سی فقاہت ہے کہ مستفیض احادیث علم کو واجب کریں اور متواتر درجہ کی مستفیض احادیث علم کو واجب نہ کریں۔ (الصواعق ص ۵۲۹)

۱۹۔ بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ خبر واحد اگر شرعی امور کے جنس سے ہو تو وجوب کا فائدہ دیتی ہے ورنہ کوئی ضروری نہیں۔

۲۰۔ بعض متکلمین کا خیال ہے کہ خبر واحد کی قبولیت پر اگر اجماع پایا جائے تو قابل قبول اور حجت ہے کیونکہ وہ متواتر حکمی ہے، لیکن ابن برہان کے نزدیک وہ متواتر حکمی بھی نہیں ہے۔

۲۱۔ امام اسحاق بن راہویہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک خبر الواحد العدل سے ثابت شدہ امور کا منکر کافر ہے (الصواعق ص ۵۳۲) اس لیے کہ اس نے قیاس فاسد کی بنا پر خبر واحد کا انکار کیا ہے۔

۲۲۔ امام اثرم کی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ خبر واحد عمل کے قابل تو ہے لیکن اس سے رسولؐ پر شہادت نہیں دی جاسکتی۔ اس کے برخلاف امام احمد سے متعدد روایتیں شہادت کے حق میں ہیں۔

۲۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ خبر واحد جسے ایک یا دو عادل رواۃ روایت کریں اگرچہ اس کے لفظ اور معنی متواتر نہ ہوں لیکن امت نے عملاً اور تصدیقاً اسے قبول کیا ہو جیسے "إنما الأعمال بالنيات" والی حدیث وغیرہ تو یہ جمہور امت کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں، سلف میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ متأخرین میں ائمہ اربعہ کے فقہاء اور اصولی اسی کے قائل تھے۔ کچھ متکلمین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے مثلاً ابن الباقلانی اور ان کے متبعین ابو المعالی جوینی، امام غزالی اور ابو الوفاء ابن عقیل وغیرہ۔

۲۴۔ چوبیسواں نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد محتف بالقرائن قابل قبول ہے، اس سے علم کی افادیت ہوتی ہے غیر محتف بالقرائن خبر واحد قبول نہیں۔

۲۵۔ پچیسواں نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد محتف بالقرائن ہو یا غیر محتف بالقرائن دونوں میں سے کوئی علم کا فائدہ نہیں دیتی۔

۲۶۔ امام ابو المظفر سمعانی کتاب الانتصار میں مبتدعہ کی ایک نئی رائے کا اضافہ فرماتے ہیں کہ جو چیز علمی بنیادوں پر معلوم ہو سکتی ہیں ان کے بارے میں خبر واحد قابل قبول نہیں۔

۲۷۔ جماعت اسلامی اور اس کے بانی مولانا مودودی اور ان کے مدافع خاص مولانا امین اُحسن اصلاحی کا نظریہ یہ ہے کہ اخبار آحاد کا مرتبہ اثبات سنت کے حق میں چوتھا ہے جس کی ترتیب یہ ہے :

پہلے عملی تواتر، پھر اہل مدینہ کا تعامل، پھر خلفائے راشدین کا عمل، پھر کہیں اخبار آحاد۔

اس نظریہ کی تفصیلی تردید مولانا اسماعیل گجرانوالہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث" میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو :حجیت حدیث مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس)

۲۸۔ ان تمام نظریات کے پہلو بہ پہلو یہ نظریہ بھی ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے اور حالات مزید بحث و مراجعہ کی اجازت نہیں دیتے اس لیے اس مقالہ کو یہیں پر ختم کیا جاتا ہے۔ آئندہ کسی فرصت میں انشاء اللہ مزید لکھنے اور کہنے کی کوشش کی جائے گی۔

وصلى الله وسلم وبارك على نبينا ومولانا محمد وآله وصحبه والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات.

مولانا اسعد اعظمی
جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو

احادیث ضعیفہ — صحیح نقطہ نظر

الحمد لله رب العالمين. والصلاة والسلام على نبيه الامين محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين. اما بعد !
فيقول الله عزوجل : يا ايها الذين آمنوا ان جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا ان تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين. (سوره حجرات)

وقال النبی ﷺ : كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع. (صحيح مسلم)

مقامی جمیعت اہل حدیث علی گڈھ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے دو روزہ سمینار بعنوان :"علوم الحدیث : مطالعہ و تعارف" کے منتظمین کی جانب سے ناچیز کو "ضعیف احادیث: صحیح نقطۂ نظر" کے موضوع پر مقالہ تیار کر کے سمینار میں پیش کرنے کا حکم ملا، یہ صفحات اسی حکم کی تعمیل ہیں۔

جب میں نے اس موضوع کا دراسہ شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ اس سے متعلق عوام وخواص ہر ایک میں بہت ساری غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور اس کے بہت سے حقائق پردۂ خفا میں ہیں۔ لہٰذا موضوع کا قدرے تفصیلی جائزہ لینا ضروری تھا۔اسی لیے ایجاز واختصار کے باوجود یہ مقالہ قدرے طویل ہو گیا ہے۔

اس مقالے کی تیاری میں جن بہت سارے مراجع ومصادر سے مجھے مدد ملی ان میں سے دو اہم مراجع خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ایک محترم غازی عزیر صاحب کی کتاب: "ضعیف حدیث کی معرفت اور اس کی شرعی حیثیت" اردو میں، دوسرے دکتور عبدالکریم الخضیر کی کتاب :"الحديث الضعيف وحكم الاحتجاج به" عربی میں۔

اللہ رب العزت اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہماری لغزشوں کو درگزر کرے۔ان اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب.

ضعیف حدیث کی تعریف

ہر وہ حدیث جس کے اندر صحیح اور حسن کی مندرجہ ذیل پانچ صفات مجتمع نہ ہو سکیں محدثین کی اصطلاح میں وہ ضعیف ہے۔

۱۔ عدالت رواۃ ۲۔ کمال ضبط ۳۔ اتصال سند ۴۔ عدم شذوذ ۵۔ عدم علت۔

کسی حدیث کے ضعیف ہونے کے اسباب مختلف قسم کے ہوتے ہیں، البتہ بنیادی طور پر انہیں دو سببوں میں منحصر کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سقوط سند ۲۔ راوی پر طعن

احادیث ضعیفہ کی اکثر قسمیں انہیں اسباب سے متفرع ہو کر مستقل نام کے ساتھ ضعیف حدیث کی مستقل قسم بن جایا کرتی ہیں۔ مثلاً: موضوع، متروک، معلل، منکر، مقلوب، شاذ، مضطرب، مرسل، منقطع، معضل وغیرہ۔[1]

ضعیف حدیث کی حجیت

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلامی شریعت کے دو بنیادی مآخذ ہیں کسی بھی مسئلہ میں انہیں مصادر کی طرف رجوع کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ دوسری بات یہ کہ حدیث رسول مستقل طور پر ایک شرعی ماخذ ہے، اس کی حجیت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔[2]

اسلامی علوم سے معمولی واقفیت رکھنے والا ہر فرد اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ صرف وہی حدیث قابل حجت اور موجب تکلیف ہے جس کے حدیث رسول (قولی، فعلی، تقریری) ہونے کے بارے میں ظن غالب یا یقین ہو چکا ہو اور اس صفت سے وہی حدیث متصف ہوتی ہے جس پر "صحیح" یا حسن" ہونے کا حکم لگایا گیا ہو۔

اسناد پر بحث اور راویوں کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد جس حدیث کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف مشکوک ہو جائے وہ دائرہ حجیت سے بھی دور ہو جاتی ہے اور بسا اوقات تحقیق و تفتیش کے ذریعہ مشکوک و مشتبہ کے درجہ سے نکل کر مکذوب و مختلق کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔

جس روایت کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف کرنے کے سلسلے میں سوالیہ نشان لگ گیا ہو اور ائمہ فن نے اس پر "ضعیف" اور "مردود" ہونے کا حکم صادر کر دیا ہو اس پر کسی بھی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ عقائد اور احکام کے باب میں کسی بھی ضعیف حدیث کو حجت نہ ماننا متفق علیہ امر ہے۔ البتہ یہ مشہور ہے کہ فضائل اعمال کے باب میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا جائز ہے۔

ضعیف احادیث کی حجیت کے سلسلے میں متقدمین و متاخرین ائمہ فن کے اقوال و آراء کو جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں علماء تین گروہ میں منقسم ہیں:

(الف) پہلا گروہ ضعیف حدیث کو علی الاطلاق قابل حجت مانتا ہے احکام میں ہو یا فضائل میں۔

(ب) دوسرا گروہ ضعیف حدیث کو علی الاطلاق نا قابل حجت مانتا ہے احکام میں ہو یا فضائل میں۔

(ج) تیسرا گروہ ضعیف حدیث کو احکام میں حجت نہیں مانتا البتہ فضائل اعمال میں حجت مانتا ہے۔

اب بالترتیب مذکورہ تینوں اقوال کے قائلین اور ان کی دلیلیں پیش کی جارہی ہیں، اس کے بعد ان دلائل کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ ضعیف حدیث مطلقاً قابل حجت ھے

یہ قول ائمہ اربعہ، امام ابوداؤد سجستانی، ابن ہمام اور محمد معین سندھی وغیرہم کی طرف منسوب ہے۔ ضعیف حدیث کو مطلقاً قبول کرنے کے سلسلے میں اِن حضرات کی طرف سے جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں انہیں ذکر کرنے سے پہلے یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ قول دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) حدیث کا ضعف شدید نہ ہو۔

(۲) کسی صحیح اور ثابت شدہ دلیل سے متعارض نہ ہو۔[۳]

دلیل

۱۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ سے یہ قول مروی ہے۔

"الحديث الضعيف اقوى من رأى الرجال"

"الحديث الضعيف خير من القياس"[۴]

۲۔ علامہ عبدالحی لکھنوی ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لان الخبر يقين بأصله وانما دخلت الشبه فى نقله، والرائى مخلتف بأصله محتمل فى كل وصف على الخصوص فكان الاحتمال فى الراى اصلا. وفى الحديث عارضا، فلا بد أن يقدم الحديث الضعيف على القياس"[۵]

۳۔ ضعیف حدیث میں ثبوت اور عدم ثبوت دونوں کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اگر اس کے معارض کوئی دلیل نہیں ملتی تو ثبوت کا پہلو راجح ہو جاتا ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا جائز ہے۔[۶]

۲۔ ضعیف حدیث مطلقاً ناقابل حجت ھے

محدثین کرام اور ائمہ اعلام کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ضعیف حدیث سرے سے ناقابل حجت ہے چاہے وہ احکام و مسائل سے متعلق ہو یا فضائل اعمال وغیرہ ہے۔

یہ قول یحیٰی بن معین، امام بخاری، امام مسلم، ابوزرعہ، ابوحاتم رازی، ابن ابی حاتم رازی، ابن حبان، امام خطابی، ابن حزم، قاضی ابوبکر ابن العربی، خطیب بغدادی، ابوشامہ مقدسی، ابن تیمیہ، شاطبی، جلال الدین دوانی، شوکانی، سید والا جاہ صدیق حسن قنوجی، علامہ احمد محمد شاکر، علامہ البانی، ڈاکٹر صبحی صالح وغیرہ سے منقول ہے۔[۷]

دلیل

۱۔ ضعیف حدیث ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے۔ اس کا ثبوت ہمارے قلب و ضمیر میں ہمیشہ کھٹکتا رہتا ہے اور کبھی اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا، اسی شک و شبہ کی وجہ سے ہم اس کو ضعیف کہتے ہیں اور دینی امور میں یقین واذعان کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔ احکام ہوں یا فضائل سب شریعت ہیں ان کے درمیان تفریق کی کوئی ثابت دلیل نہیں لہٰذا جس طرح احکام بلا دلیل صحیح

ثابت نہیں ہو سکتے فضائل بھی ثابت نہیں ہوں گے۔

۳۔ صحیح اور حسن احادیث احکام وفضائل اور ترغیب و ترہیب ہر باب میں وافر تعداد میں موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے ضعیف احادیث کی طرف رجوع کرنا بھلا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

۴۔ محدثین اور ائمہ اصول نے حدیث کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش سے متعلق جو قواعد وضوابط وضع کئے ہیں وہ احکام وفضائل ہر قسم کی حدیثوں کے لیے عام ہیں۔[۸]

۳۔ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں حجت ہے احکام میں نہیں

فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب وغیرہ کے باب میں ضعیف حدیث کے مقبول ہونے کے قائلین کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا گروہ ان علماء کا جن کے یہاں اس باب میں ضعیف حدیث بلا قید وشرط مقبول ہے۔ دوسرا گروہ ان علماء کا جن کے یہاں فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث مقبول ہونے کے لئے کچھ قیود وشرائط ضروری ہیں۔

اول الذکر طبقہ میں سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابوزکریا العنبری، ابن مہدی، امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک وغیرہ کا نام آتا ہے۔ جب کہ مؤخر الذکر طبقہ جمہور علماء وفقہاء کا ہے جس میں ابن حجر ہیثمی، نووی، سیوطی، ملا علی قاری اور علامہ عبدالحی لکھنوی وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

عمل بالضعیف سے متعلق تینوں گروہوں کا تذکرہ کرنے کے بعد علامہ عبدالحی لکھنوی "الاجوبة الفاضلة" میں لکھتے ہیں:

"هذه العبارات ونحوها الواقعة فی کتب الثقات تشهد بتفرقهم فی ذلك فمنهم من منع العمل بالضعیف مطلقا، وهو مذهب ضعیف، ومنهم من جوزه مطلقا وهو توسع سخیف، ومنهم من فصل رقید وهو المسلك المسدد"[۹]

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

لکھنوی صاحب کی مذکورہ عبارت اور اسی طرح اس سے قبل ذکر کئے گئے دیگر اہل علم کے اقوال و آراء سے یہ بات عیاں ہے کہ مسئلہ ہذا میں اہل علم کا کسی ایک قول پر اتفاق اور اجماع نہیں ہے اگرچہ کہ مؤخر الذکر قول جمہور علماء وفقہاء کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اس حقیقت کے باوجود امام نووی، ملا علی قاری اور ابن حجر ہیثمی نے اس آخری قول پر اجماع کا دعوی کیا ہے۔[۱۰] جس کی بہت سارے علماء نے تردید کی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کے متعلق اجماع کا دعوی باطل ہے۔"[۱۱]

علامہ کوثری اپنے "مقالات" میں لکھتے ہیں:

"والمنع من الأخذ بالضعیف علی الاطلاق مذهب البخاری ومسلم وابن العربی شیخ المالکیة فی

عصره وابی شامة المقدسی شیخ الشافعیة فی زمنه وابن حزم الظاهری والشوکانی، ولهم بیان قوی فی المسألة لا یهمل.“[۱۲]

اس کے علاوہ اس فن کی اکثر وبیشتر کتابوں میں مسئلہ ہذا سے متعلق اہل علم کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، معلوم نہیں مذکورہ علماء نے کس طرح اجماع کا دعوی کر دیا اور اس اختلاف سے بے خبر رہے۔

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے مقبول ہونے کے شرائط

امام سیوطی نے تدریب الراوی میں ضعیف حدیث کے فضائل اعمال میں مقبول ہونے سے متعلق درج ذیل شرائط نقل کی ہیں:

۱. ان یکون الضعف غیر شدید، فیخرج من انفرد من الکذابین والمتهمین بالکذب ومن فحش غلطه، نقل العلائی الا تفاق علیه.

۲. ان یندرج تحت اصل معمول به.

۳. ان لا یعتقد عند العمل به ثبوته، بل یعتقد الاحتیاط.[۱۳]

حافظ ابن حجر ”تبیین العجب“ میں ان تین شرطوں کے علاوہ ایک شرط اور ذکر کر رہے ہیں:

٤. وان لا یشهر ذلك لئلا یعمل المرء بحدیث ضعیف فیشرع مالیس بشرع، اویراه بعض الجهال فیظن انه سنة صحیحة.“[۱۴]

ابن دقیق العید ایک شرط اور ذکر کرتے ہیں:

۵. فان احدث شعارا فی الدین منع منه.“[۱۵]

واضح رہے کہ یہاں بھی یہ شرط معتبر ہوگی کہ وہ ضعیف حدیث کسی دلیل ثابت کے معارض نہ ہو، جیسا کہ مطلق جواز کے قائلین نے شرط لگائی تھی، اس شرط کے ظاہر اور واضح ہونے کی وجہ سے یہاں پر لوگوں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے لائق عمل ہونے کی دلیلیں

۱۔ علامہ عبدالحی لکھنوی ”الاجوبة الفاضلة“ میں ابن حجر ہیثمی کی ”الفتح المبین شرح الاربعین للنووی“ سے ضعیف حدیث پر عمل کے جواز سے متعلق نقل کرتے ہیں کہ:

”قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال، لانه ان کان صحیحا فی نفس الامر فقد اعطی حقه من العمل به، والا لم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل ولاتحریم ولاضیاع حق للغیر.

وفی حدیث ضعیف: ”من بلغه عنی ثواب عمل فعمله حصل له أجر وان لم اکن قلته“ اوکما قال.“[۱۶]

۲۔ ایک دوسری جگہ پر لکھنوی صاحب فرماتے ہیں:

”ولیعلم ان الاحکام وغیر الاحکام وان کانت متساویة الاقدام فی الاحتیاج الی السند وما خلا عن

السند فهو غير معتمد. الا أن بينهما فرق من حيث انه يشدد فی اخبار الاحکام من الحلال والحرام، وفی غیرها یقبل الاسناد الضعیف بشروط صرح بها الاعلام"[17]

اس کے بعد لکھنوی صاحب نے امام احمد، ملا علی قاری، امام سیوطی، عراقی اور نووی وغیرہم کے اقوال کو ذکر کیا ہے جن میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ احکام کی احادیث میں تشدد کیا جائے گا البتہ فضائل کی احادیث میں تساہل جائز ہے۔ مثلاً:

قال الامام احمد بن حنبل: اذا روینا عن رسول الله ﷺ فی الحلال والحرام والسنن والاحکام تشددنا الاسانید، واذا روینا عن النبی ﷺ فی فضائل الأعمال ومالا یضع حکما ولا یرفعه تساهلنا فی الاسانید"[18]

۳۔ ڈاکٹر نورالدین عتر اس قول کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اننا اذا تأملنا الشروط التی وضعها العلماء للعمل بالحدیث الضعیف فاننا نلاحظ أن الضعیف الذی نبحث فیه لم یحکم بکذبه، لکن لم یترجح فیه جانب الاصابة، وانما بقی محتملا، وهذا الاحتمال قد تقوی بعدم وجود معارض له، وبانضوائه ضمن اصل شرعی معمول به، مما یجعل العمل به مستحبا ومقبولا رعایة لذلك."[19]

مناقشه وترجیح

عمل بالضعیف کے سلسلے میں ائمہ اعلام کے اقوال ومذاہب اور ان کی دلیلیں ذکر کرنے کے بعد اب ان دلیلوں کا ناقدانہ جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ ان مختلف اقوال وادلہ میں سے صحیح قول کی تعیین کی جاسکے اور اسی کو راجح قرار دیا جائے۔

پہلا گروہ جو اس بات کا قائل ہے کہ ضعیف حدیث احکام وفضائل ہر ایک میں مطلقا قابل حجت ہے اس قول کی جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں وہ حد درجہ ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں۔

پہلی دلیل جس میں یہ کہا گیا ہے کہ: "الحدیث الضعیف اقوی من آراء الرجال" یا "خیر من القیاس" تو اس سے متعلق چند باتیں محل غور ہیں:

۱۔ ائمہ مذاہب کی طرف منسوب یہ قول صراحت کے ساتھ ان ائمہ سے منصوص نہیں ہے، بلکہ بیشتر ائمہ کے فقہی ذخیرہ سے مستنبط وماخوذ ہے کہ عملی طور پر انہوں نے کچھ مسائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے اور اسے قیاس پر مقدم رکھا ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل ان کے نزدیک امر مسلم اور قاعدہ کلیہ رہا ہو۔ بلکہ اس سے استدلال کی اور بھی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عندالاستدلال انہیں اس کے ضعف کا علم نہ رہا ہو، یا ضعف کا علم رہا ہو مگر اعتضاد کا کوئی قرینہ ان کے پاس رہا ہو جس کی وجہ سے وہ حدیث ضعیف کے درجہ سے نکل کر حسن لغیرہ کے درجہ میں داخل ہوگئی ہو وغیرہ وغیرہ۔

البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بہ نص صریح متعدد اسناد سے مروی ہے جن میں سے بعض سندیں متکلم فیہ اور بعض صحیح ہیں۔

لیکن یہاں اس امر کو بھی دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ ضعیف حدیث سے استدلال کے متعلق امام احمد کا ایک

دوسرا قول بھی مروی ہے:

"اذا روينا عن رسول اللهﷺ فی الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا فی الأسانيد، واذا روينا عن النبیﷺ فی فضائل الأعمال ومالا يضع حكما ولا يرفعه تساهلنا فی الأسانيد." [۲۰]

اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مسلک حدیث ضعیف کو صرف فضائل اعمال وغیرہ میں قبول کرنے کا ہے جب کہ قول سابق سے ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اگر ان کے مطلق قول کو مقید قول پر محمول کرلیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ صرف فضائل میں تساہل بالضعیف کے قائل تھے نہ کہ علی الاطلاق، لہٰذا اب یہ کہنا کہ وہ ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کے قائل تھے درست نہیں ہوگا۔

۲۔ اگر مقولہ مذکورہ کی نسبت ائمہ کی طرف صحیح تسلیم کرلی جائے تو یہ ان کی ذاتی رائے اور شخصی اجتہاد ہے جو صواب و خطا دونوں کا محتمل ہے، دوسرے یہ کہ اس مقولہ کی اور بھی توجیہات ہوسکتی ہیں، ملاحظہ ہو امام شاطبی کا درج ذیل تبصرہ:

"على انه قد روى عن احمد بن حنبل انه قال:" "الحديث الضعيف خير من القياس" وظاهر يقتضى العمل بالحديث غير الصحيح، لانه قدمه على القياس المعمول به عند جمهور المسلمين، بل هو اجماع السلف رضى الله عنهم، فدل على انه عنده اعلى رتبة فی العمل من القياس.

والجواب عن هذا

انه كلام مجتهد يحتمل اجتهاده الخطا والصواب، اذ ليس له على ذلك دليل يقطع العذر.

وان سلم فيمكن حمله على خلاف ظاهره، لاجتماعهم على طرح الضعيف الاسناد. فيجب تأويله على أن يكون اراد به الحسن السند وما دار به على القول باعماله.

أوأراد: " خير من القياس" لو كان مأخوذا به، فكانه يرد القياس بذلك الكلام مبالغة فی معارضة من اعتمده اصلاحتى رد به الأحاديث، وقد كان رحمه الله يميل الى نفى القياس، ولذلك قال: مازلنا نلعن اهل الرائى ويلعنونا حتى جاء الشافعى فخرج بيننا.

أوأراد بالقياس القياس الفاسد الذى لا اصل له من كتاب ولاسنة ولا اجماع، ففضل عليه الحديث الضعيف وان لم يعمل به.

وايضا فاذا امكن ان يحمل كلام احمد على ما يسوغ لم يصح الاعتماد عليه فی معارضة كلام الأئمة رضى الله تعالىٰ عنهم." [۲۱]

۳۔ علامہ ابن تیمیہ، ابن القیم اور ابن علان وغیرہ نے امام احمد وغیرہ کے مذکورہ مقولہ کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ یہاں ضعیف سے مراد حسن ہے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام ترمذی سے قبل حدیث کی فقط دو ہی اصطلاحیں معروف تھیں: صحیح اور ضعیف اور ضعیف کی دو قسمیں ہوتی تھیں ایک ضعیف متروک اور دوسری ضعیف غیر متروک اور ضعیف غیر متروک وہی ہے جسے بعد میں حسن کہا جانے لگا۔ پس "الحدیث الضعیف خیر من القیاس" میں حدیث ضعیف سے مراد حسن ہے جو

بالاتفاق معمول بہ اور حجت ہے۔ [۲۲]

لیکن ائمہ مذکورین کا یہ دعوی کہ امام ترمذی سے قبل "حسن" کی اصطلاح وضع نہیں ہوئی تھی محل نظر ہے۔ کیونکہ امام ترمذی کے پیش رو علماء کے یہاں "حسن" کی اصطلاح کا استعمال ملتا ہے۔ مثلاً علی بن مدینی، امام بخاری، امام احمد وغیرہ [۲۳]

بعض لوگوں نے محدثین مذکورین کے یہاں پائے جانے والے "حسن" کے استعمال کو لغوی معنی پر محمول کر کے ابن تیمیہ وغیرہ کے دعوے کو درست قرار دینے کی کوشش کی ہے [۲۴] لیکن حقیقت یہ ہے کہ لغوی معنی کے ساتھ ساتھ اصطلاحی معنی میں بھی "حسن" کا استعمال ترمذی سے پہلے کے علماء کے یہاں بکثرت ملتا ہے۔ رہا یہ استدلال کہ ضعیف حدیث میں صواب وخطا دونوں کا احتمال ہے اور کوئی معارض نہ ہونے کی وجہ سے صواب کا پہلو غالب آجاتا ہے اس لیے اس پر عمل کرنا درست ہے تو اس موضوع پر تفصیلی گفتگو اگلے صفحہ پر آرہی ہے۔ [۲۵]

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے "الحديث الضعيف خير من القياس" کی توجیہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ: **لان الخبر يقين باصله وانما دخلت الشبهة ......** " تو واضح رہے کہ خبر یقینی اس وقت ہوگی جب کہ صحیح یا حسن اسناد سے مروی ہو لیکن اگر اسنادی طور پر مشتبہ ہوگئی (جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے) تو اس کا خبر یعنی حدیث رسول ہونا بھی مشکوک ہو گیا اور مشکوک اصل پر کسی شرعی امر کی بنیاد رکھنا بہر حال مردود ہے۔

ضعیف حدیث سے فضائل اعمال میں استدلال کے جواز کی دلیلیں اور ان کا جائزہ

ابن حجر ہیثمی نے اس مسلک کی تایید کے لیے جو روایت [۲۶] نقل کی ہے اور علامہ عبدالحی لکھنوی نے **الاجوبة الفاضلة** میں اور مولانا ظفر احمد تھانوی نے قواعد فی علوم الحدیث میں بلا کسی تعلیق و تبصرہ اسے نقل کر دیا ہے وہ روایت ان الفاظ کے ساتھ حدیث کی کسی بھی کتاب میں حتی کہ ضعفاء اور وضاعین سے متعلق مراجع میں بھی موجود نہیں ہے۔ الاجوبة کے محقق شیخ عبدالفتاح ابو غدة حدیث مذکور پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لم اجد هذا اللفظ فى كتب الضعفاء والموضوعات، وفيها احاديث بنحو معناه ...... وقد تعقب العلامة المناوى سياقة ابن حجر الهيثمى هذه فقال ...... وقد أورده بعض الشراح. يعنى ابن حجر الهيثمى۔ هذا الحديث مشوشا على غير وجهه ولا يستحفر له مخرجا ولا صحابيا، وقال عقبه : او كما قال، وكان الأولى تجنبه لذلك۔" [۲۷]

البتہ اس مفہوم کی دوسری روایتیں مختلف الفاظ کے ساتھ ملتی ہیں جیسا کہ علامہ ابوغدہ نے اشارہ کیا ہے لیکن واضح رہے کہ ان میں سے کوئی بھی صحیح یا حسن اسناد سے مروی نہیں، یہاں تک کہ یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہے، ابن الجوزی، ابن حجر اور امام شوکانی وغیرہم نے اس کے وضع و بطلان کی صراحت کی ہے۔ [۲۸]

ابن حجر ہیثمی نے فضائل میں استدلال بالضعیف کے جواز کی توجیہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ:

"لانه ان كان صحيحافى نفس الامر فقد اعطى حقه من العمل به والا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير."

اور ڈاکٹر نور الدین عتر کی یہ عبارت کہ: "**وهذا الاحتمال قد تقوى بعدم وجود معارض له**" اور ایسے ہی ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کے جواز کے قائلین کی دلیل میں اسی طرح کی بات کہی گئی تھی تو اس سلسلے میں پہلے ایک اصولی قاعدہ کی طرف توجہ مبذول کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے:

شرعی احکام کو علماءِ امت نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ عبادات ۲۔ معاملات۔

اور پھر یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ:

الاصل فی العبادات الحظر والمنع، والاصل فی المعاملات الاباحة.

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"**فالاصل فی العبادات الا یشرع منها الا ما شرعه الله، والاصل فی العادات الا یحظر منها الا ما حظره الله.**" [۲۹]

مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ نصوص ذیل سے مستنبط ہے:

فاذكروا الله كما علمكم مالم تكونوا تعلمون. [۳۰]

واذكروه كما هداكم. [۳۱]

صلوا كما رأيتموني أصلي. [۳۲]

خذوا عني مناسككم. [۳۳]

من أحدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد. [۳۴]

من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد. [۳۵]

نصوص مذکورہ سے مستنبط قاعدہ کلیہ کی روشنی میں عبادات توقیفی ہیں، نص شارع کی موجودگی کے بغیر کسی عبادت کو جائز، مستحب، واجب وغیرہ سمجھنا یا بتلانا اس قاعدہ کلیہ کے خلاف ہے لہٰذا یہ خیال کرنا کہ اگر ضعیف حدیث کے معارض کوئی دلیل صحیح موجود نہیں ہے تو گویا اس حدیث میں وارد حکم مسکوت عنہ ہے اور جب وہ حکم مسکوت عنہ ہے اور اس کے معارض کوئی ثابت دلیل بھی نہیں ہے تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں کتاب وسنت سے ماخوذ اس اصول سے متصادم ہے کہ **الاصل فی العبادات الحظر والمنع.**

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دھیان رکھنا ہوگا کہ استدلال بالضعیف کے قائلین نے ایک شرط یہ بھی لگائی ہے کہ: "**ان يندرج تحت اصل شرعي معمول به**" اور اصل یہ ہے کہ عبادات توقیفی ہیں، بغیر کسی نص ثابت کے عبادات کا کوئی مسئلہ معتبر و مقبول نہیں۔

ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

"**العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص، فيريد بعض الناس ان يحدث فيها أمرا آخر لم يرد به الشرع، زاعما أنه يدرجه تحت عموم، فهذا لايستقيم لان الغالب على العبادات التعبد**

وماخذها التوقيف" [۳۶]

اسی طرح علماء نے ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے سلسلے میں جو شرطیں لگائی ہیں ان میں بھی اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ ضعیف حدیث کو دین کے کسی مسئلہ کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور نہ اس کو کوئی شرعی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہوں ابن حجر عسقلانی کے الفاظ:

"ان لا یشھر ذلك لئلا یعمل المرء بحدیث ضعیف فیشرع مالیس بشرع اویراہ بعض الجھال فیظن انه سنة صحیحة." [۳۷]

امام سیوطی فرماتے ہیں:

"وان لا یعتقد عندالعمل به ثبوته، بل یعتقد الاحتیاط." [۳۸]

ان شرائط میں اس بات کی صراحت ہے کہ ضعیف حدیث کی نسبت شارع کی طرف کرنا (اگرچہ کہ اس میں وارد حکم مسکوت عنہ اور سالم من المعارض ہی کیوں نہ ہو) یا شارع سے اس کے ثبوت کا اعتقاد رکھنا سراسر غلط ہے حتی کہ اس پر عمل کرتے ہوئے بھی آدمی ایسا نہیں کرسکتا۔

ضعیف حدیث یا کسی بھی مشکوک و مشتبہ چیز کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنے کے سلسلے میں جو وعیدیں اور تہدیدیں مروی ہیں وہ بھی ضعیف حدیث سے استدلال کے جواز یا اس کی صحت کا اعتقاد رکھنے پر سوالیہ نشان لگا رہی ہیں۔ [۳۹]

فضائل وغیرہ میں عمل بالضعیف کے جواز سے متعلق اهل علم کے اقوال اور ان کی مراد

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال کے قائلین کی سب سے بڑی دلیل متقدمین علماء سے منقول وہ اقوال ہیں جو اس سلسلے میں وارد ہوئے ہیں، ان اقوال کی اس کثرت سے نقل و روایت کی گئی گویا کہ نص قطعی اور دلیل ثابت کی حیثیت رکھتے ہوں، عام طور سے عمل بالضعیف کے جواز کے قائلین اپنے دلائل میں انہی اقوال کو سرفہرست رکھتے ہیں اور کئی کئی صفحات میں انہیں نقل کرتے ہیں۔ ان اقوال کی اس کثرت سے نقل و روایت کی گئی کہ ان کے انبار میں اس مسئلہ سے متعلق دیگر نقطہائے نظر مدفون ہوگئے ان سے اس قدر اغماض کیا گیا کہ فضائل اعمال میں عمل بالضعیف کے جواز پر اجماع کا دعوی بھی کردیا گیا، لیکن کچھ مصنفین نے اس دعوی کی تردید کی جرأت کی اور دیگر آراء کے وجود کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا بلکہ ان کے وزن و وقار کے بھی معترف ہوئے۔ [۴۰]

یہاں ہم اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ کیا علماء کے اقوال کا وہی مفہوم و مطلب ہے جو مجوزین نے لیا ہے یا یہ اقوال کچھ دوسرے معانی و توجیہات کے بھی متحمل ہوسکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد اور دیگر اکابرین امت سے جو یہ منقول ہے کہ: "اذا جاء الحلال والحرام شددنا فی الاسانید واذا جاء الترغیب والترھیب تساھلنا فی الاسانید" تو اس کے بھی اہل علم نے مختلف معانی و مفاہیم بیان کئے ہیں:

۱۔ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال کا مطلب یہ ہے کہ اصل عمل کسی صحیح دلیل سے ثابت ہو پھر اس عمل کی

ترغیب یا ترک عمل پر وعید سے متعلق کوئی ضعیف حدیث وارد ہو تو اسے لیا جاسکتا ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل وغیرہ نے فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کی روایت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس کا کذب پایہ ثبوت کو نہ پہونچا ہو اور یہ اس وجہ سے کہ جب کوئی عمل شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ مشروع ہے اور اس کی فضیلت میں ضعیف حدیث روایت کی گئی، تو سمجھا جاتا ہے کہ ثواب درست ہوگا لیکن کسی امام نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل بھی واجب یا مستحب قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے اجماع کا مخالف ہے، اسی طرح کوئی چیز بغیر شرعی دلیل کے حرام نہیں قرار دی جاسکتی، لیکن اگر حرمت ثابت ہوگئی تو پھر اس کی وعید میں کوئی حدیث (ضعیف) روایت کی گئی تو اس کی روایت روا ہے، بشرطیکہ اس کا جھوٹ ثابت نہ ہوچکا ہو اس بنا پر ترغیب و ترہیب میں غیر موضوع احادیث کی روایت جائز ہے مگر شرط یہی ہے کہ دوسرے قوی دلائل سے معلوم ہوگیا ہو کہ خدا کی طرف سے اس فعل کی ترغیب یا ترہیب ہوئی ہے ورنہ نہیں۔" (۴۱)

تقریباً یہی بات امام شاطبی الاعتصام میں لکھتے ہیں :

" فعلى كل تقدير كل ما رغب فيه ان ثبت حكمه ومرتبته فى المشروعات من طريق صحيح فا لترغيب بغير الصحيح مغتفر، وان لم يثبت الا من حديث الترغيب فاشترط الصحة أبدا، والا خرجت عن طريق القوم المعدودين فى أهل الرسوخ، فلقد غلط فى هذا المكان جماعة ممن ينسب الى الفقه ويتخصص عن العوام بدعوى رتبة الخواص، وأصل هذا الغلط فهم كلام المحدثين فى الموضعين." (۴۲)

ملا علی قاری بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں :

"قوله: ان الحديث الضعيف يعمل به فى الفضائل وان لم يعتضد اجماعا كما قاله النووى، محله الفضائل الثابتة من كتاب أو سنة." (۴۳)

(۲) علماء کے اس قول کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس قول سے ان کی مراد غیر عقائد واحکام کے باب میں ضعیف حدیث کی روایت کا جواز ہے نہ کہ اس پر عمل۔

شیخ عبدالرحمٰن بن یحیٰ معلّمی فرماتے ہیں :

" ان معنى التساهل فى عبارات الائمة هوالتساهل بالرواية، فقد كان من الائمة من اذا سمع الحديث لم يروه حتى يتبين له انه صحيح او قريب من الصحيح او يو شك أن يصح اذا وجدما يعضده، فاذا كان دون ذلك لم يروه البتة، ومنهم من اذا وجد الحديث غير شديد الضعف وليس فيه حكم ولاسنة، انما هوفى فضيلة عمل متفق عليه كا لمحافظة على الصلوات فى جماعة ونحو ذلك لم يمتنع من روايته، فهذا هوالمراد بالتساهل فى عباراتهم." (۴۴)

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن الاعظمی لکھتے ہیں :

"وجعل جماعة من العلماء كلام أحمد وغيره على جواز رواية الأحاديث الضعيفة فى غير الاحكام والعقائد كالنووى والعراقى وابن حجر والسخاوى والسيوطى وغيرهم." (۴۵)

عراقی شرح الفیۃالحدیث میں لکھتے ہیں:

" اماغير الموضوع فجوزوا التساهل فى اسناده وروايته من غير بيان ضعفه اذا كان فى غير الاحكام والعقائد، بل فى الترغيب والترهيب من المواعظ والقصص وفضائل الاعمال ونحوها." (۴۶)

(۳) فضائل کی احادیث میں تساہل کا ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ ان احادیث کو سنداً ذکر کر دیا جائے تاکہ سند دیکھ کر لوگ اس کے ضعف کو سمجھ سکیں۔

علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک اس کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے تساہل کو ان کی عادت کے پیش نظر ان روایتوں پر محمول کیا جائے جو متصل الاسانید ہوں، یہ وہ اسانید ہیں جن سے ان احادیث کے ضعف کی معرفت ممکن ہے پس صرف سند کا ذکر کر دینا بھی ضعف حدیث کی تصریح سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بر خلاف ان لوگوں کے جو احادیث کو بغیر اسانید کے روایت کرتے ہیں جیسا کہ خلف کا طریقہ رہا ہے، یا بغیر اس کے ضعف کی تصریح کے جیسا کہ جمہور کا طریقہ رہا ہے، پس وہ لوگ اس معاملہ میں کوئی غفلت برتنے کے بجائے اللہ عزوجل کا تقوی زیادہ اختیار کرنے والے تھے، والله تعالى اعلم." (۴۷)

شرائط قبول اور ان کی تطبیق کے امکانات

فضائل کے باب میں ضعیف پر عمل کے جواز سے متعلق اہل علم نے جو شرائط متعین کی ہیں انہیں سرسری طور پر نقل کر کے گذر جانا اور بات ہے اور انہیں تطبیقی شکل دینا اور عملی جامہ پہنانا کچھ اور بات ہے۔ یہ کام نہ صرف یہ کہ حد درجہ مشکل، صبر آزما اور محنت طلب ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ فن حدیث واصول حدیث کی دقیق معرفت اور اس پر وسیع نظر کا محتاج ہے جس سے متخصصین فی الفن میں سے بھی خال خال لوگ ہی متصف ہوا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جواز کے قائلین علماء بڑے شدومد کے ساتھ ان شرائط کو ذکر تو کر دیتے ہیں مگر اپنی تحریروں میں ان کا التزام سرے سے نہیں کرتے، اس کی کچھ مثالیں آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی، ذیل میں ان شرائط کی تطبیق کے امکان اور اس کے فوائد ونتائج سے متعلق کچھ باتیں عرض کی جارہی ہیں:

شرط اول: ان يكون الضعف غير شديد.

واضح رہے کہ یہ شرط کئی باتوں کی متقاضی ہے:

ا۔ ضعیف احادیث کو صحیح احادیث سے ممتاز وجداگانہ کیا جائے۔

ب۔ ضعیف احادیث کے مجموعے سے قلیل الضعف اور شدید الضعف کو الگ الگ کیا جائے۔

ج۔ قلیل الضعف احادیث میں سے فضائل کی احادیث کو عقائد واحکام کی احادیث سے ممتاز کیا جائے۔

د۔ فضائل کی قلیل الضعف احادیث پر قبول ضعیف کی بقیہ شروط کے منطبق ہونے کے امکان کو دیکھا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آج جب کہ پڑھا لکھا طبقہ جسے بڑی حد تک علم حدیث سے واقفیت اور معرفت ہوا کرتی ہے بسا اوقات صحیح اور ضعیف میں بلکہ صحیح اور موضوع میں بھی امتیاز نہیں کر پاتا تو شدید الضعف اور قلیل الضعف میں امتیاز کرنا پھر بقیہ شروط کو اس پر منطبق کرنا بھلا کہاں اس کے بس کی بات ہے۔ پھر جب خواص الناس کا یہ حال ہے تو عوام الناس سے اس عمل کی توقع رکھنا عبث اور بیجا نہیں تو کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ عوام ہوں یا خواص ان کو اس سلسلے میں اگر کچھ معرفت ہے تو صرف اتنی کہ: ضعیف حدیث سے فضائل اعمال میں استدلال درست ہے، الا من رحم الله ، وقليل ما هم.

شرط ثانی: ان يكون الضعيف مندرجا تحت اصل عام."

ضعیف حدیث کے کسی اصل عام کے تحت مندرج ہونے کی شرط سے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں:

(۱) ضعیف حدیث اگر کسی اصل کے تحت داخل ہے تو اس پر عمل جائز ہے اور اصل کے تحت مندرج نہیں ہے تو اس ضعیف حدیث پر عمل بھی جائز نہیں، اس شرط کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ عمل اس اصل پر ہوگا نہ کہ حدیث پر، لہذا ضعیف حدیث کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا، ابن حبان نے صحیح کہا ہے:

"ما روى الضعيف ومالم يرو فى الحكم سيان" (۴۸)

(۲) اگر اس شرط کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اس ضعیف حدیث میں وارد حکم کی شریعت میں کوئی اصل تو موجود ہے البتہ یہ ضعیف حدیث اس اصل عمل کی کسی طرح کی تخصیص، تحدید، تقیید یا اضافہ وغیرہ پر مشتمل ہے تو اس زائد صفت کو اس لئے قبول کر لیا جائے کہ اصل ثابت ہے، یہ چیز محل نظر ہے۔

عبادات کی توقیف سے متعلق کچھ گفتگو ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں ابن دقیق العید کا ایک قول بھی نقل کیا جا چکا ہے۔ امام شاطبی نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کے کسی بھی عمل کی تین صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ یا تو وہ عمل اجمالاً اور تفصیلاً منصوص ہوگا۔

۲۔ نہ تو اجمالاً ہی منصوص ہو نہ تفصیلاً۔

۳۔ اجمالاً تو منصوص ہو مگر تفصیلاً منصوص نہ ہو۔

پہلے کی مثال جیسے فرض نمازیں اور مسنون نفلی نمازیں، فرض یا مندوب روزے، اگر کوئی شخص اس طریقہ پر کہ جس کے متعلق کوئی نص صحیح موجود ہے بلا کسی کمی بیشی کے عمل کرے مثلاً عاشوراء یا یوم عرفہ کا روزہ رکھے یا رات کی نوافل کے بعد وتر یا صلاۃ الکسوف وغیرہ پڑھے تو ان چیزوں کے متعلق تو شریعت میں نص صحیح آئی ہے لہذا ان چیزوں کا حکم فرض، سنت اور استحباب کی حیثیت سے شرعاً ثابت ہوگا۔

دوسری قسم یہی عین بدعت ہے، اس کی مثال اسلام کی منافی رہبانیت، چپ کا روزہ رکھنا وغیرہ۔

تیسری قسم: اکثر لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ یہ صورت بھی پہلی صورت کی طرح ہی ہے کیونکہ اس میں اصل عبادت فی الجملہ ثابت ہوتی ہے لہذا اس کی تفصیل کسی ایسے طریق سے بھی نقل کی جا سکتی ہے جس میں صحت کا التزام نہ کیا گیا ہو

مثلاً مطلق نمازیں پڑھنا مشروع ہے پس اگر کسی ضعیف حدیث میں نصف شعبان کی شب میں نفل نمازیں پڑھنے کی ترغیب آئے تو گویا اسے نفل نمازیں پڑھنے کے متعلق ترغیب کی ثابت شدہ اصل نے تقویت پہونچا دی، اس طرح چونکہ روزہ کی اصل ثابت ہے لہٰذا اس سے ستائیسویں رجب کا روزہ بھی ثابت ہوا وغیرہ، لیکن ایسا ہرگز نہیں جیسا کہ ان لوگوں کو وہم ہوا ہے، کیونکہ اگر اصل فی الجملہ ثابت ہو تو اس سے تفصیل کا اثبات لازم نہیں آتا، مثلاً اگر مطلق نماز ثابت ہو تو اس سے ظہر، عصر یا وتر وغیرہ کی نمازیں لازم نہیں آتیں تا آنکہ ان کے متعلق خاص طور پر کوئی نص دلالت نہ کرتی ہو، اسی طرح اگر مطلق روزہ ثابت ہو تو اس سے رمضان یا عاشورا یا شعبان وغیرہ کے روزوں کا اثبات لازم نہیں آتا جب تک یہ تمام چیزیں بدلیل صحیح تفصیل کے ساتھ ثابت نہ ہوں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی دن یا کسی وقت کو کسی عبادت کے ساتھ خاص کر کے اسے فضیلت دینا ایک شرعی حکم کو متضمن ہے، جیسا کہ عاشوراء اور عرفہ کا معاملہ ہے، کیونکہ اور دنوں کے روزوں کے مقابل ان دنوں کے روزے کی خصوصیت ثابت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مطلق مشروعیت تقاضا کرتی ہے کہ اس کا ثواب دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک ملتا ہے۔ اور عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کے کفارہ کو متضمن ہے اور یہی چیز مطلق مشروعیت پر اضافی امر ہے، جس کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور یہ چیز حکم میں داخل ہے۔

عام طور سے بدعتیں کسی ایسے اضافی امر کو متضمن ہوا کرتی ہیں جو **زائد علی المشروع** ہوتا ہے مثلاً کسی وقت تعداد یا کیفیت وغیرہ کی تقیید اور یہ اضافی امر نص غیر صریح سے ثابت کیا جاتا ہے حالانکہ یہ چیز علماء کے وضع کردہ اصول کے خلاف ہے۔" (۴۹)

تیسری شرط: **أن لا یعتقد عندالعمل به ثبوته، بل یعتقد الاحتیاط،**

اور بقول صاحب درمختار: اس حدیث کی سنیت کا اعتقاد نہ رکھے۔ (۵۰)

ضعیف حدیث پر عمل کی بابت یہ شرط جس بات کی متقاضی ہے اسے سمجھنا ضروری ہے، دین کے کسی مسئلہ پر آدمی عمل بھی کرے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عقیدہ رکھے کہ یہ عمل دین میں ثابت نہیں ہے۔ یہ اجتماع ضدین نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ جہاں تک احتیاط کا مسئلہ ہے تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ثابت شدہ اور مسلم امر ہی کو اپنایا جائے اور مشکوک و مشتبہ چیزوں سے اجتناب یا احتیاط برتا جائے۔

دع ما یریبك الی مالا یریبك. (۵۱)

دین میں احتیاط غیر ثابت شدہ امر پر عمل کر کے نہیں بلکہ اس سے اجتناب کر کے ہوگا، بصورت دیگر "**قول علی الله بغیر علم**" اور "**تشریع مالیس بشرع**" جیسی آفات میں واقع ہو جانے کو بعید از امکان نہیں قرار دیا جا سکتا۔

شرط مذکور کے اجتماع ضدین پر مشتمل ہونے کی بابت علوی مالکی اس شرط کا استخفاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"**هذا خلف فی القول، لانه لا معنی للعمل بالحدیث الضعیف فی مثل مانحن فیه الا کونه مطلوبا طلبا غیر جازم فهو سنة ، واذا کان سنة تعین اعتقاد سنیته.**" (۵۲)

حقیقت یہ ہے کہ یہ شرط ضعیف حدیث کے قابل عمل ہونے کی نہیں بلکہ اس کے ناقابل عمل اور ناقابل احتجاج ہونے کی دلیل ہے اور یہی اس شرط کا مفہوم مخالف ہے۔ واللہ اعلم۔

چوتھی شرط: **وان لا یشھر ذلك لئلا یعمل المرء بحدیث ضعیف فیشرع مالیس بشرع او یراہ بعض الجھال فیظن انہ سنة صحیحة."**

علامہ ابن الحاج اسی شرط کو یوں بیان کرتے ہیں:

اگر کوئی شخص فضائل کے تحت ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہے تو صرف اپنے نفس کے لئے نوافل کی طرح خفیہ طریقہ پر کرے، اس کی تشہیر و تبلیغ نہ کرے، مساجد اور دیگر اجتماعات کے مقامات پر اس عمل کو کرنے سے احتراز کرے، نیز اسے سنت سمجھ کر ہمیشہ کے لئے اس پر پابند نہ ہو جائے کیوں کہ وہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ بسند ضعیف وارد ہوئی ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل جائز ہے لیکن ہمیشہ ان پر عمل نہ کیا جائے۔" (۵۳)

متاخرین علماء حافظ ابن حجر وغیرہ کی ذکر کردہ اس شرط کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ عملی اعتبار سے اس شرط کا بھی کھلم کھلا مذاق اڑایا گیا ہے۔ آج ضعیف بلکہ موضوع احادیث پر عمل کو اس قدر شہرت دی جاتی ہے کہ دیکھنے والا اس کے جزو دین ہونے کا یقین کئے بغیر نہیں رہتا، کہاں ان حضرات کا یہ عمل اور صاحب شرط ابن حجر کا یہ قول: **او یراہ بعض الجھال فیظن انہ سنة صحیحة""**؟

ضعیف حدیث پر عمل کے جواز کی بابت حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ شرائط کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور ان شرائط کی تطبیق کے امکانات اور اس راہ میں حائل صعوبات اور مشکلات کو مد نظر رکھا جائے تو اس نتیجہ پر پہونچنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگے گی کہ ان شرائط کا مقصد یہ ہے کہ عمل بالضعیف کے دائرہ کو حد درجہ تنگ کیا جائے، متقدمین علماء سے منقول بعض اقوال کو دلیل بنا کر عمل بالضعیف کی ترویج و تشہیر کرنے والوں اور اس کی آڑ میں مبتدعانہ اعمال اور غیر مشروع عبادات کو مشروعیت کا سرٹیفکیٹ دینے والوں کو اس فعل مذموم کی حقیقت سے آگاہ کرایا جائے۔

اگر ابن حجر کی ذکر کردہ شرائط کے تقاضوں اور ان سے لازم آنے والی صعوبتوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا جائے کہ ابن حجر ان شرائط کو بیان کر کے عمل بالضعیف کا دروازہ ہی بند کر دینا چاہتے ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ تبیین العجب کی اس عبارت کو ایک بار پھر غور سے پڑھیں:

"اشتھر ان اھل العلم یتساھلون فی ایرادالاحادیث فی الفضائل وان کان فیھا ضعف مالم تکن موضوعة، وینبغی مع ذلك اشتراط ان یعتقد العامل کون ذلك الحدیث ضعیفا، وان لا یشھر ذلك لئلا یعمل المرء بحدیث ضعیف فیشرع مالیس بشرع ، او یراہ بعض الجھال فیظن انہ سنة صحیحة ، وقد صرح بمعنی ذلك الاستاذ ابو محمد بن عبدالسلام وغیرہ."

ولیحذر المرء من دخولہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین" فکیف بمن عمل بہ؟ ولا فرق فی العمل بالحدیث فی الاحکام او فی الفضائل اذ الکل شرع." (۵۴)

اسی لئے علامہ البانی فرماتے ہیں:

"ویبدولی ان الحافظ رحمه الله یمیل الی عدم جواز العمل بالضعیف بالمعنی المرجوح لقوله فیما تقدم: (ولا فرق فی العمل بالحدیث فی الاحکام او فی الفضائل ، اذ الکل شرع) (۵۵)

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب فتح الباری میں متعدد مقامات پر صراحت فرمائی ہے کہ: "الحدیث الضعیف لا یصح به الا حتجاج." (۵۶)

احکام وفضائل ہر ایک میں ضعیف احادیث پر عمل کا عدم جواز راجح قول ہے

گذشتہ صفحات میں ضعیف حدیث پر عمل سے متعلق علماء وفقہاء کے اقوال وآراء اور ان کے اولہ وبراہین اور پھر جواز کے قول کے مضمرات وعواقب کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ جس حدیث کا ضعف ثابت ہو جائے اس سے بہر حال اجتناب کیا جائے، عقیدہ، احکام، فضائل، ترغیب وترہیب کسی بھی مسئلہ میں اس سے دلیل نہ پکڑی جائے، جواز کے قول کی دلیلوں کا جائزہ لیا جاچکا ہے اور اس کی شروط کی تطبیق کے امکانات اور مستلزمات پر بھی بحث ہو چکی ہے، ذیل میں ضعیف حدیث کے ناقابل استدلال ہونے کی مزید دلیلیں بطور ترجیح کے پیش کی جارہی ہیں:

(۱) اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ضعیف حدیث ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے اور دینی امور میں یقین واذعان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظن کسی بھی صورت میں حق ویقین کی جگہ نہیں لے سکتا، فرمان باری ہے:

"وما یتبع اکثرهم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا." (۵۷)

"وان یتبعون الا الظن." (۵۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث." (۵۹)

(۲) حدیث کی روایت، اس کی چھان بین اور تحقیق وتفتیش کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ اور کسی بھی مشکوک اور مشتبہ حدیث کی شارع کی طرف نسبت کرنے پر بہت ساری حدیثوں میں وعید بیان کی گئی ہے، ملاحظہ ہوں اس سلسلے کی چند احادیث اور اہل علم کی ان پر تعلیق:

(ا)" من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهوا حدا لکاذبین." (۶۰)

علامہ ابن العربی عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں:

"الا یحدث احد الا عن ثقة، فان حدث عن غیر ثقة فقد حدث بحدیث یری انه کذب." (۶۱)

علامہ ابو شامہ فضائل میں ضعیف حدیث کے متعلق تساہل کے قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

"هذا عند المحققین من اهل الحدیث وعند علماء الاصول والفقه خطأ، بل ینبغی ان یبین امره ان علم، والا دخل تحت الوعید فی قوله صلی الله علیه وسلم: من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین." (۶۲)

ابن حبان کتاب الضعفاء میں رقمطراز ہیں:

"فی هذا الخبر دلیل علی ان المحدث اذا روی مالم یصح عن النبی صلی الله علیه وسلم مماتقول علیه وهو یعلم ذلك یکون کاحد الکاذبین، علی ان ظاهر الخبر ماهوا شد، قال صلی الله علیه وسلم: من روی عنی حدیثا وهو یری انه کذب، ولم یقل: انه تیقن انه کذب، فکل شاك فیما یروی انه صحیح اوغیر صحیح داخل فی ظاهر خطاب هذا الخبر." (۶۳)

امام نووی جو فضائل میں احتجاج بالضعیف کے قائلین میں سے ہیں فقہا کے تساہل پر تنقید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان من لا یعرف ضعف الحدیث لا یحل له ان یهجم علی الاحتجاج به من غیر بحث عنه بالتفتیش عنه ان کان عارفا او بسؤال اهل العلم ان لم یکن عارفا." (۶۴)

(ب) قوله علیه الصلاة والسلام:

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع." (۶۵)

ابن حبان اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فی هذا لخبر زجر للمرء ان یحدث بکل ما سمع حتی یعلم علم الیقین صحته." (۶۶)

امام مالک فرماتے ہیں:

"اعلم انه لیس یسلم رجل حدث بکل ما سمع ولا یکون اما ما ابدا وهو یحدث بکل ما سمع."(۶۷)

(ج) قوله صلی الله علیه وسلم:

"وان کذبا علی لیس ککذب علی احد، فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار."(۶۸)

امام ابن حبان اپنی صحیح میں یہ فصل قائم کرتے ہیں:

"فصل: ذکرا یجاب دخول النار لمن نسب الشئی الی المصطفی صلی الله علیه وسلم وهو غیر عالم بصحته."

پھر ابو ہریرہ کی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

"من قال علی مالم اقل فلیتبوأ مقعده من النار." (۶۹)

مذکورہ بالا احادیث نبویہ اور اس مفہوم کی دوسری احادیث کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ جب حدیث کی نقل وروایت کے سلسلے میں اس قدر احتیاط اور تاکد مطلوب ہے تو بھلا اس پر عمل کرنے یا اسے جزو دین سمجھنے یا قرار دینے کے سلسلے میں کس قدر احتیاط اور تاکد کی ضرورت ہوگی۔

(۳) فن اصول حدیث جس کی تعریف مختصر الفاظ میں یوں کی گئی ہے:

"علم باصول وقواعد یعرف بها احوال السند والمتن من حیث القبول والرد."

اس فن کی غرض وغایت یہ ہے: معرفة الصحیح من غیره."

اور اس کا موضوع یہ ہے: " السند والمتن من حیث القبول والرد." (۷۰)

اس فن کی تدوین، تنویع اور توسیع میں محدثین عظام اور ائمہ فن نے جس دقت، مہارت، تحقیق، اتقان، تتبع، تحری، تفقہ اور محنت وجانفشانی کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، اس فن میں عباقرۂ امت نے جو سرمایہ بے بہا چھوڑا ہے وہ یقیناً قابل قدر اور لائق فخر ہے، ان تمام مساعی جمیلہ کا واحد مقصد یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی چھان بین اور تحقیق وتفتیش کر کے صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کیا جائے مقبول اور مردود کی نشاندہی کی جائے، صحیح اور ثابت شدہ احادیث پر عمل کی ترغیب دلائی جائے اور ضعیف اور موضوع احادیث سے اجتناب کی ہدایت کی جائے، اب ضعیف احادیث کی حجیت کے لئے کوئی نرم گوشہ تلاشنا اور ان سے متعلق کسی طرح کا تساہل روا رکھنا ان محدثین کی خدمات اور قربانیوں پر پانی پھیرنے کے مترادف ہوگا۔ امام شاطبی فرماتے ہیں:

"ولو کان من شان اهل الاسلام الأخذ من الاحادیث بکل ما جاء عن کل ما جاء لم یکن لانتصابهم للتعدیل والتجریح معنی، مع انهم قد اجمعوا علی ذلك، ولا کان لطلب الاسناد معنی یتحصل، فلذلك جعلوا الاسناد من الدین، ولا یعنون "حدثنی فلان عن فلان" مجردا، بل یریدون ذلك لما تضمنه من معرفة الرجال الذین یحدث عنهم حتی لا یسند عن مجهول ولا مجروح ولا متهم، الا عمن تحصل الثقة براویته لان روح المسالة ان یغلب علی الظن من غیر ریبة ان ذلك الحدیث قد قاله النبی صلی الله علیه وسلم لنعتمد علیه فی الشریعة ونسند الیه الاحکام.

والأحادیث الضعیفة الاسناد لا یغلب عل الظن ان النبی صلی الله علیه وسلم قالها، فلا یمکن ان یسند الیها حکم، فما ظنك بالاحادیث المعروفة الکذب." (۷۱)

(۴) ضعیف حدیث سے متعلق محدثین اور اہل فن نے جن اصول وضوابط کا تذکرہ کیا ہے ان سے بھی ضعیف حدیث کے ناقابل استدلال ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ مثلاً

(ا) ضعیف حدیث کو صیغہ جزم سے بیان نہ کیا جائے بلکہ صیغہ تمریض سے بیان کیا جائے۔ (۷۲)

(ب) ضعیف اور موضوع احادیث کی مشکلات کے حل کا تکلف نہ کیا جائے۔ (۷۳)

(ج) ضعیف حدیث کا ضعف ضرور بیان کر دیا جائے تا کہ کوئی اس کے ضعف سے بے خبر ہو کر اس میں وارد شئی کو جزو دین نہ سمجھ لے۔ (۷۴)

(د) ضعیف حدیث کو "مردود" کے لفظ سے تعبیر کرنا۔ (۷۵)

مذکورہ چاروں قواعد اور ضعیف حدیث سے متعلق اور دیگر اصول وضوابط عام ہیں، حدیث کا تعلق عقائد واحکام سے ہو یا فضائل سے، لہٰذا ان کے درمیان تفریق کی کوئی وجہ نہیں۔

اسی طرح مذکورہ قواعد وضوابط میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ ضعیف حدیث غیر ثابت الاصل ہے۔ اسی لئے اس کے ساتھ کوئی بھی ایسا معاملہ نہ کیا جائے جو ثابت الاصل یعنی صحیح اور حسن حدیث کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

(۵) فضائل ہوں یا احکام سب شریعت کا جزو ہیں، ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں، نہ کوئی ایسی ثابت اور مسلم دلیل موجود ہے جس سے یہ کہا جاسکے کہ فضائل کی احادیث میں تساہل روا ہے۔

امام شوکانی ابن عبدالبر کے اس قول (اهل العلم بجماعتهم يتساهلون فى الفضائل فيرو ونها عن كل، وانما يتشددون فى احاديث الاحكام) کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقول: ان الاحكام الشرعية متساوية الاقدام لا فرق بينها، فلا يحل اثبات شئى منها الا بما تقوم به الحجة، والا كان من التقول على الله بما لم يقل، وفيه من العقوبة ماهو معروف." (۷۶)

ضعیف حدیث کی نقل وروایت کے سلسلے میں وعید پر مشتمل جو حدیثیں گذشتہ صفحات میں ذکر کی گئی ہیں وہ عموم و شمول پر دلالت کرتی ہیں، یعنی عقائد، احکام، فضائل اور ترغیب وترہیب ہر ایک کو شامل ہیں اب اگر اس عموم سے فضائل اور ترغیب وترہیب وغیرہ کی احادیث کو مستثنیٰ کردیا جائے تو تفريق بين المتماثلين لازم آتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا اس بات کے امکان کو کیسے مسترد کیا جاسکتا ہے کہ فضائل وغیرہ میں تساہل کو روا قرار دینے والا ان وعیدوں کا مستحق ہو، ابن حبان نے اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر یہ فصل قائم کی تھی:

"فصل ذكر ايجاب دخول النار لمن نسب الشئى الى المصطفى صلى الله عليه وسلم وهوغيرعالم بصحته." (۷۷)

پھر ابوہریرہ کی یہ حدیث ذکر کی:

"من قال على مالم اقل فليتبوأ مقعده من النار." (۷۸)

(۶) احادیث کے بیش قیمت ذخیرہ میں عقائد، احکام، فضائل، ترغیب اور دیگر جزئیات وفروعات سے متعلق صحیح اور حسن احادیث کافی ووافی مقدار میں موجود ہیں، یہی احادیث دین کی اساس ہیں جو زندگی کے ہر شعبہ میں مومن کی رہنمائی کرتی ہیں، اور اللہ رب العزت نے انہی احادیث پر عمل کا ہمیں مکلّف بنایا ہے لہٰذا ان کی پابندی ضروری ہے اور ان احادیث کے ہوتے ہوئے غیر ثابت اور مشکوک ومشتبہ دلائل کا سہارا لینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

ابن مبارک فرماتے ہیں:

"لنا فى صحيح الحديث شغل عن سقيمه." (۷۹)

ابن مہدی فرماتے ہیں:

"لا ينبغى الاشتغال بكتابة احاديث الضعفاء فان اقل ما يفوته بقدر ماكتب من حديث اهل الضعف من حديث الثقات." (۸۰)

ڈاکٹر صبحی صالح قبول ضعیف کی شرائط کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لانسلم برواية الضعيف، رغم هذه الشروط، لأن لنا مندوحة عنه بما ثبت لدينا من الاحاديث الصحاح والحسان، وهى كثيرة جدا فى الاحكام الشرعية والفضائل الخلقية." (۸۱)

اور مولانا شمس پیرزادہ اپنے ایک کتابچہ میں لکھتے ہیں:

"فضائل اعمال کا بھی دین میں ایک مقام ہے اس لئے ضروری ہے کہ دین میں جس چیز کا جو مقام ہے اس کو اسی مقام پر رکھا جائے، اگر کسی چیز کو گھٹایا یا بڑھایا گیا تو توازن بگڑ جائے گا اور دین کے مختلف اجزاء کے درمیان وہ ربط اور ہم آہنگی باقی نہ رہے گی جو شارع کے پیش نظر رہی ہے لہذا جب شرعی احکام کے سلسلے میں ضعیف حدیثوں کو ماخذ بنانا صحیح نہیں ہے تو فضائل اعمال کے سلسلے میں ان کو ماخذ بنانا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔"

آگے لکھتے ہیں:

"لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس معاملہ میں عام طور پر سہل انگاری برتی گئی اور بڑی فراخی سے ضعیف حدیثوں کو قبول کیا جاتا رہا اور آج صورت حال یہ ہے کہ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ضعیف حدیثوں کو عوام کے سامنے پیش کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں جن باتوں پر وعید (عذاب کی دھمکی) سنائی گئی ہے ان کو اصلاحی و تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کرنا اتنا ضروری نہیں سمجھا جاتا جتنا ضروری فضائل والی حدیثوں کو سمجھا جاتا ہے خواہ وہ حدیثیں باعتبار اسناد اور باعتبار مضمون کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ضعیف اور موضوع (من گھڑت) روایتوں کے چلن نے دین کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ قرآن مجید نے جتنا زور عمل صالح پر دیا ہے اور امر بالمعروف اور نهی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرنے کی جس قدر تاکید کی ہے اس کے برعکس فضائل اعمال کو غلو آمیز اور غیر مستند روایتیں ایک معمولی نیکی پر جنت کا پروانہ ہاتھ میں تھما دیتی ہیں۔" (۸۲)

(۷) فضائل کے باب میں عمل بالضعیف کے جواز کی گنجائش نکالنے کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ گنجائش اب فضائل ہی تک محدود نہ رہی بلکہ دھیرے دھیرے احکام تک متجاوز ہو گئی اور قبول ضعیف کی جملہ حدود و قیود کو پار کر کے صحیح اور حسن حدیث کے شانہ بشانہ استعمال ہونے لگی اور بہت سارے شرعی احکام کے اثبات میں انہیں ماخذ بنایا گیا، پھر اس عمل کے لئے سند جواز فراہم کرنے کی خاطر "لا تثبت الاحکام بالاحادیث الضعیفة" کے قاعدۂ کلیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ضعیف احادیث سے بعض احکام کے اثبات کو بھی جائز قرار دیا گیا، چنانچہ علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"الاستحباب يثبت بالحديث الضعيف غير الموضوع." (۸۳)

علامہ عبدالحی لکھنوی ضعیف احادیث سے احکام ثابت کرنے سے متعلق ایک طویل بحث کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

"فالحق في هذا المقام انه اذا لم يثبت ندب شئي او جوازه بخصوصه بحديث صحيح وورد بذلك حديث ضعيف ليس شديد الضعف يثبت استحبابه وجوازه به بشرط ان يكون مندرجا تحت اصل شرعي ولا يكون مناقضا للاصول الشرعية الادلة الصحيحة." (۸۴)

امام نووی اور امام سیوطی احتیاط کا سہارا لے کر عمل بالضعیف کے جواز کا دائرہ احکام شرعیہ تک کے لئے وسیع قرار دیتے ہیں، الاذکار میں امام نووی لکھتے ہیں:

"فصل: قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب

والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا، واما الاحكام كا لحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها الا بالحديث الصحيح او الحسن الا ان يكون فى احتياط فى شئى من ذلك كما اذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع او الانكحة فان المستحب ان يتنزه عنه ولكن لا يجب." (۸۵)

امام سیوطی تدریب الراوی میں واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:

"ویعمل بالضعیف ایضا فی الاحکام اذا کان فیه احتیاط." (۸۶)

شاید اسی وجہ سے علامہ ابن تیمیہ نے پیشگی اس بات پر متنبہ کر دیا تھا، فتاوی میں فرماتے ہیں:

"قول احمدبن حنبل: اذا جاء الحلال والحرام شددنا فى الاسانيد واذا جاء الترغيب والترهيب تساهلنا فى الأسانيد، وكذٰلك ما عليه العلماء من العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الاعمال، ليس معناه اثبات الاستحباب بالحديث الذى لا يحتج به، فان الاستحباب حكم شرعى فلا يثبت الا بدليل شرعى، ومن اخبر عن الله انه يحب عملا من الاعمال من غير دليل شرعى فقد شرع من الدين مالم يأذن به الله كما لو أثبت الايجاب أو التحريم، ولهذا يختلف العلماء فى الاستحباب كما يختلفون فى غيره بل هواصل الدين المشروع." (۸۷)

دوسری جانب امام شافعی کی یہ تنبیہ نقل کی جاچکی ہے:

"فلا بد من رجوع اثبات الحكم الى الأحاديث الصحيحة بناء على قولهم: ان الاحكام لا تثبت الا من طريق صحيح." (۸۸)

امام ابن قیم الجوزیہ نے وضو کی ایک غیر ثابت دعا کے بارے میں یہ کہہ دیا تھا کہ:

ثم اعلم انه لا يلزم من كون اذكار الوضوء غير ثابتة عنه صلى الله عليه وسلم ان تكون مكروهة اوبدعة مذمومة، بل انها مستحبة استحبها العلماء الأعلام والمشائخ الكرام لمناسبة كل عضو بدعاء يليق فى المقام."

ابن قیم کی اس عبارت پر ملا علی قاری اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان القول باستحباب عبادة من العبادات هو من حق الشارع، ولا يحق للعلماء والشيوخ ان يستحبوا من عندهم شيئا من العبادات، وإلا كانوا مشرعين. والعياذ بالله. وداخلين فى تهديد وانذار قوله تعالى: (أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم يأذن به الله). (۸۹)

ضعیف احادیث واقع کے آئینہ میں

ضعیف احادیث کے قبول یا عدم قبول اور اس کے شرائط وضوابط وغیرہ سے متعلق اب تک جو بحث ہوئی یہ پوری کی پوری بحث اور اس سلسلے میں واقع اختلاف محض علمی اور نظری ہے، عملی اور تطبیقی میدان میں ضعیف حدیث کچھ اور ہی رخ لئے ہوئے ہے، بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ وہ تمام اصول وضوابط، شروط وقیود، وعید وتہدید، احتیاطات

وتحفظات اور قواعد و قوانین تطبیقی میدان میں کوئی مقام نہ پا سکے جو ضعیف حدیث سے متعلق وضع کئے گئے تھے، بلکہ بڑی جرأت اور بے باکی کے ساتھ ان کی مخالفت کی گئی اور انہیں پس پشت ڈال دیا گیا، نظریہ اور تطبیق کا یہ اختلاف حد درجہ قابل تعجب اور باعث افسوس ہے۔

ضعیف حدیث کی شرائط قبول کی مخالفت کی مثالیں پیش کرنے سے قبل چند سطور ضعیف حدیث کی روایت کے اصولوں کی خلاف ورزی سے متعلق پیش کی جا رہی ہیں:

(ا) گذشتہ صفحات میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ضعیف حدیث کی روایت سے متعلق اہل علم نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ اسے بصیغہ تمریض بیان کیا جائے گا نہ کہ بصیغہ جزم۔

اس قاعدہ کی خلاف ورزی کی مثالیں دیکھنا ہوں تو کتب شروح حدیث، فقہ، اصول فقہ، اذکار و نصیحت وغیرہ کا سرسری مطالعہ کریں، لا تعداد مثالیں آپ کے سامنے ہوں گی جن میں قال الرسول، حدیث رسول اور فرمان رسول جیسے صیغ جزم احادیث ضعیفہ سے متعلق بڑی جسارت سے استعمال کئے گئے ہیں مزید بر آں یہ کہ اسناد اور مرجع کا ذکر تو دور کی بات ہے راوی کا نام اور روایت کے صحیح الفاظ بھی بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

حالانکہ ضعیف حدیث کی روایت سے متعلق علماء نے یہاں تک تاکید کی تھی کہ محض صیغہ تمریض سے ذکر کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا جائے بلکہ صریح الفاظ میں اس کے ضعف کو بیان کر دیا جائے کیوں کہ ہر شخص بصیغہ تمریض حدیث کی روایت کو دیکھ کر اس کے ضعف کو نہیں سمجھ سکتا، اس بات کا التزام واہتمام اس لئے بھی ضروری ہے کہ استدلال بالضعیف کے جواز کی شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ عمل کرنے والا اس کے ضعیف ہونے کا اعتقاد رکھے اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے۔

ان قواعد و ضوابط کے بالمقابل ایک دوسرا فریق تساہل کی حدود کو پار کرتے ہوئے ضعیف حدیث کی روایت اور اس پر عمل کو بلا ضعف بیان کئے جائز بتاتا ہے۔

ابن صلاح فرماتے ہیں: اہل الحدیث وغیرہم کے نزدیک احادیث کی تمام انواع کی اسانید میں تساہل کرنا جائز ہے ماسوائے موضوع کے، خواہ اس کے ضعف کے بیان کا اہتمام بھی نہ کیا گیا ہو بشرطیکہ اس کا تعلق صفات واحکام سے نہ ہو"(۹۰)

امام نووی تقریب میں لکھتے ہیں:

"ویجوز عنداهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الأسانید ورواية ماسوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه فی غير صفات الله تعالى والأحكام، كالحلال والحرام ومما لا تعلق له بالعقائد والأحكام." (۹۱)

اور تقریباً یہی بات عراقی نے الفیۃ الحدیث میں بھی لکھی ہے۔ (۹۲)

لیکن علامہ احمد محمد شاکر ان اقوال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والذی اراه ان بيان الضعف فی الحديث واجب فی كل حال لان ترك البيان يوهم المطلع عليه انه

حدیث صحیح، خصوصا اذا کان الناقل له من علماء الحدیث الذین یرجع الی قولهم فی ذلک۔" (۹۳)

لیکن افسوس کی یہ تمام تاکید صدا بصحراء ثابت ہوئی، بدستور ضعیف حدیث اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ مذکورہ تمام قواعد وضوابط سے بے نیاز ہوتی ہے کہ سننے اور پڑھنے والے کو اس کے صحیح حدیث رسول ہونے میں ادنی شک وشبہ نہیں ہوتا۔

امام نووی اسی بات کا شکوہ کرتے ہوئے المجموع شرح المهذب میں لکھتے ہیں :

"قال العلماء المحققون من اهل الحدیث وغیرهم: اذا کان الحدیث ضعیفا لا یقال فیه: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم او فعل او امراو نهی وغیرذلک من صیغ الجزم، وانما یقال فی هذا کله: روی عنه اونقل عنه او یروی ، وما أشبه ذلک من صیغ التمریض، قالوا: فصیغ الجزم موضوعة للصحیح والحسن، وصیغ التمریض لما سواها،وذلک ان صیغة الجزم تقتضی صحته عن المضاف الیه،فلا ینبغی ان یطلق الا فیما صح، والا فیکون الانسان فی معنی الکاذب علیه۔"

آگے کی عبارت پر غور کریں:

وهذا الأدب قد أخل به المصنف (صاحب المهذب) وجما هیر الفقهاء من اصحابنا وغیرهم، بل جماهیر اصحاب العلوم مطلقا ماعدا حذاق المحدثین، وذلک تساهل قبیح ، فانهم یقولون کثیرا فی "الصحیح" روی عنه، وفی الضعیف: قال وروی فلان، وهذا حیدعن الصواب۔ (۹۴)

ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان نہ کرنے والے سے متعلق امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا سخت رویہ استعمال کیا ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ صحیح مسلم میں ان کی یہ عبارت :

"وانما ألزموا أنفسهم الکشف عن معایب رواة الحدیث وناقلی الأخبار وأفتوا بذلک حین سئلو لمافیه من عظیم الخطر اذ الاخبار فی امر الدین انما تاتی بتحلیل او تحریم أو أمراونهی او ترغیب اوترهیب،فاذا کان الراوی لها لیس بمعدن للصدق والأمانة ثم اقدم علی الروایة عنه من قد عرفه ولم یبین ما فیه لغیره ممن جهل معرفته کان آثما بفعله ذلک غاشا لعوام المسلمین اذ لا یؤمن علی بعض مع سمع تلک الاخباران یستعملها أو یستعمل بعضها ولعلها أو اکثرها اکاذیب لا اصل لها مع ان الاخبار الصحاح من روایة الثقات واهل القناعة اکثر من ان یضطر الی نقل من لیس بثقة ولا مقنع۔" (۹۵)

اور علامہ عبدالحی لکھنوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں :

"کلا لا یقبل حدیث من غیر اسناد ولو نقله معتمد لا سیما اذا لم یکن الناقل من نقاد الأحادیث وجلالة قدره لا تستوجب قبول کل ما نقل، الاتری الی نقل صاحب احیاء علوم الدین مع جلالة قدره أو رد فی کتابه أحادیث لا اصل لها، فلم یعتبر لها لما یظهر من مطالعة تخریج احادیثه للحافظ العراقی، وهذا صاحب الهدایة مع کونه من اجلة الحنفیة أورد فیها اخبارا غریبة وضعیفة فلم یعتمد علیها کما یظهر من مطالعة تخریج

احادیثها للزیلعی وابن حجر." (۹۶)

(ب) ضعیف اور موضوع احادیث سے متعلق ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ ان کی مشکلات کے حل کا تکلف نہ کیا جائے کیوں کہ ان کے جواب کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔

اس ضابطہ کی پابندی کرنے میں بہت سے علماء نے تساہل برتا ہے، اور ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع حدیثوں کی بھی تاویل کا اہتمام کیا ہے، ابن فورک اس اصول کی خلاف ورزی کرنے والوں میں پیش پیش ہیں، چنانچہ علامہ کوثری لکھتے ہیں:

"ان میں سے بعض علماء کا بعض اخبار موضوعہ کی تاویل کرنا، پس جس نے ان اخبار کے موضوع ہونے کا اعتراف کیا اس کے لئے ان کی تاویل کا کوئی داعیہ موجود نہیں ہوتا، نہ ان اخبار کی صحت فرض کرنے اور نہ ان کی تاویل کے استرسال کی کوئی حاجت ہوتی ہے مگر ابن فورک وغیرہ نے ایسا کیا ہے۔" (۹۷)

ایک دوسری جگہ کوثری صاحب لکھتے ہیں:

"وکتاب الامام ابی بکر محمد بن الحسین بن فورك فی تاویل احادیث الصفات معروف، ولکن لو اقتصر علی الاحادیث الثابتةبدون تعرض للواهیات لما ابعد فی التاویل." (۹۸)

اسی طرح "من بلغه عن الله فضیلة فلم یصدق بها لم ینلها" یہ روایت جسے بہت سے علماء نے ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع اور باطل قرار دیا ہے لیکن اس وضع وبطلان کی صراحت کے باوجود ملا علی قاری نے اس روایت کی توجیہ اور تاویل میں کافی محنت صرف کی ہے (۹۹) جو مذکورہ قاعدہ کی سراسر خلاف ورزی ہے۔

(ج) حدیث رسول کی اسنادی اہمیت سب کے نزدیک مسلم اور ناقابل جدل ہے، اسناد ہی حدیث کی صحت وسقم کو پرکھنے کا واحد معتبر ومعتمد ذریعہ ہے۔ "ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء." بنیادی طور پر حدیث کی تین قسمیں ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف، کسی بھی حدیث پر ان تین احکام میں سے کوئی حکم صادر کرنے کا دارومدار اس کی سند کے دراسہ پر ہے۔ لیکن بڑے افسوس کی ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض طبقوں نے حدیث کی صحت وسقم کا معیار اسناد کے علاوہ کشف، الہام، خواب، ذوق اور استدلال الائمۃ بہ کو بھی قرار دیا ہے، صوفیاء نے اس معاملہ میں کچھ زیادہ ہی اصول حدیث کا مذاق اڑایا ہے لیکن یہاں وہ ہمارے موضوع بحث نہیں اور نہ ان کی تردید کا یہ موقع ہے، اس بحث کو یہاں چھیڑنے کا مقصد بعض ان فقہاء وائمہ کی بے اصولی یا اصول شکنی کی طرف اشارہ کرنا ہے جنہوں نے یہ قاعدہ وضع کر رکھا ہے کہ کسی فقیہ اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کر لینا ہی اس حدیث کی تصحیح ہوا کرتی ہے بھلے سند کے اعتبار سے وہ ضعیف ہو۔ (۱۰۰)

امام سیوطی تدریب الراوی میں بیان کرتے ہیں:

"وقال بعضهم: یحکم للحدیث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح." (۱۰۱)

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں کتاب الطلاق میں ایک ضعیف حدیث سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ومما یصحح الحدیث ایضا عمل العلماء علی وفقه." (۱۰۲)

کوثری صاحب بھی کچھ اسی طرح کی بات کرتے ہیں:

"ومعلوم ان استدلال المجتهد بحديث تصحيح له" (۱۰۳)

علامہ انور شاہ کشمیری فیض الباری علی صحیح البخاری میں باب لا وصیة لوارث کی تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"وهذا الحديث ضعيف بالاتفاق مع ثبوت حكمه بالاجماع ولذا أخرجه المصنف فى ترجمته والا فانه لا ياتى بالاحاديث الضعاف مثله، وبحث فيه ابن القطان ان الحديث الضعيف اذا انعقد عليه الاجماع هل ينقلب صحيحا اولا؟

والمشهور الأن عند المحدثين انه يبقى على حاله، والعمدة عندهم فى هذا الباب هو حال الاسناد فقط، فلا يحكمون بالصحة على حديث فى اسناده راو ضعيف.

وذهب بعضهم الى ان الحديث اذا تأيد بالعمل ارتقى من حال الضعف الى مرتبة القبول، وهوا لأوجه عندى، وان كبر على المشغوفين بالاسناد، فانى قد بلوت حالهم فى تجازفهم وتسامحهم وتماكسهم بهذا الباب ايضا، واعتبار الواقع عندى اولى من المشى على القواعد، وانما القواعد للفصل فيما لم ينكشف امره من الخارج على وجهه، فاتباع الواقع اولى والتمسك به أحرى." (۱۰۴)

کشمیری صاحب کی یہ تحریر محدثین اور اصولیین کی جہود و مساعی پر کس طرح پانی پھیر رہی ہے اور ان کا کس قدر استخفاف کر رہی ہے۔ ان کے الفاظ اس سلسلے میں بڑے واضح ہیں جو نہ کسی توضیح کے محتاج ہیں نہ کسی توجیہ کے اور معاملہ یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ امام سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں:

"وقال بعض اهل الراى فيما حكاه القرطبى : ما وافق القياس الجلى جاز ان يعزى الى النبى ﷺ" (۱۰۵) اور محمد بن سعید مصلوب سے منقول ہے: "لابأس اذا كان كلام حسن أن تضع له اسنادا." (۱۰۶)

یہاں پر ہم سید سلیمان ندوی سے ایک اقتباس نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو انہوں نے اپنے ہم عصر عالم مولانا مناظر احسن گیلانی کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اور ہندوستان میں علمائے حدیث کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا موصوف لکھتے ہیں:

"صحاح ستہ کی تعلیم ہی کا یہ اثر ہے کہ شاہ صاحب کے عہد سے آج تک بحمد اللہ اس ملک میں بدعات کا زور گھٹ رہا ہے اور سنت کا شوق بڑھ رہا ہے اور اب فقہاء بلکہ صوفیا، بھی ہر عربی عبارت کے ٹکڑے کو حدیث کا رتبہ نہیں دیتے اور نہ اقوال تابعین و مرسلات و منقطعات کو حدیث مرفوع و متصل کا ہم پایہ سمجھا جاتا ہے۔" (۱۰۷)

ندوی صاحب اشارۃً جو بات کہہ گئے ہیں وہ ایک ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے، اس میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں، قدماء و متاخرین کی تصنیفات پر نظر رکھنے والا ہر شخص اس تلخ حقیقت کا احساس کرتا ہے اور حیرت و تعجب کیے بغیر نہیں رہتا۔ ابن حجر فرماتے ہیں:

"وهكذا ترى كتبهم مشحونة بأحاديث يشهد متونها موضوعةلأنها تشبه فتاوى الفقهاء ولأنهم لايقيمون لها سندا." (۱۰۸)

المصنوع في معرفة الحديث الموضوع جو ملا علی قاری کی تصنیف ہے اس کے حاشیہ تحقیق میں ایک مقام پر محقق کتاب شیخ عبدالفتاح ابو غدہ لکھتے ہیں:

"ولا تغتر بذكر بعض الفقهاء من اجلة الحنفية والشافعية لهذه الجملة: "الأذان جزم والاقامة جزم والتكبير جزم" حديثا نبويا في كتب الفقه، فقد علمت انها من كلام ابراهيم النخعي وليست بحديث نبوى، والمعول عليه في هذا الباب قول المحدثين لاالفقهاء على جلالة قدرهم." (۱۰۹)

انہی چند نقول پر اکتفا کرتے ہوئے ہم صرف یہ عرض کریں گے کہ "فقہاء و مجتہدین کا کسی حدیث سے استدلال کر لینا اس حدیث کی صحت کی دلیل ہوتی ہے" اس من گھڑت قاعدہ کو واقع کے روپ میں دیکھنا ہو تو کتب فقہ کی احادیث کی تخریج سے متعلق مراجع کی طرف رجوع فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ غیر ثابت شدہ احادیث کا ایک معتد بہ حصہ ان کتابوں کے مسائل کا ماخذ و معتمد ہے اور انہی پر بے شمار احکام کی بنیاد قائم ہے کیا وہ تمام احادیث ضعیفہ اس لیے صحیح بن گئیں کہ فقہاء نے ان سے استدلال کر لیا؟ اور اگر حدیث کی صحت و سقم کا یہی معیار ہے تو پھر محدثین اور ائمہ فن نے فن اصول حدیث کی تدوین و ترویج میں اس قدر عرق ریزی کیوں کی؟

ضعیف احادیث کو قبول کرنے کے معاملے میں بے احتیاطی کی چند مثالیں

جیسا کہ معلوم ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کے جواز کا قول کئی شروط و قیود سے گھرا ہوا ہے، لہٰذا کسی ضعیف حدیث پر عمل کے جواز کا فیصلہ صادر کرنے سے قبل ان تمام شرائط کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ لیکن مختلف موضوعات کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ضعیف پر عمل کرنے کے سلسلے میں ان کے مصنفین نے بڑی بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔ عموماً حدیث کو بیان کرتے وقت اس کے درجہ صحت سے متعلق کوئی کلام ہی نہیں ہوتا کہ وہاں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر حدیث ضعیف ہے تو مذکورہ قواعد و شرائط کی روشنی میں اس پر بحث کی جائے، اگر کسی حدیث سے متعلق کبھی ضعف کا تذکرہ آ بھی گیا تو وہاں صرف یہ کہہ کر گزر جایا جاتا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے، مزید کسی بحث و تفتیش کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی، تعجب کی بات تو یہ ہے کہ "فضائل اعمال" کی اصطلاح اس قدر وسعت و عموم کی حامل ہو چکی ہے کہ ہر موقع پر استعمال کر لی جاتی ہے۔ اس کی نہ کوئی تعریف ہے نہ حدود و قیود۔

چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سنن ترمذی وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے کہ:

"لم يكن شخص أحب اليهم من رسول الله ﷺ، وكانوا اذا راؤه لم يقوموا له، لما يعلمون من كراهية لذلك."

ملا علی قاری نے شرح شمائل میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس قسم کا قیام جیسا کہ آج کل رائج ہے سنت کے

خلاف ہے، پھر ابن حجر ہیثمی کا ایک قول نقل کیا ہے جو اس کے برعکس ہے یعنی وہ اس جیسے قیام کو مستحب قرار دیتے ہیں، ملا علی قاری، ہیثمی صاحب کے اس قول پر حیرت و تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واما قول ابن حجر : "ویؤید مذهبنا من ندب القيام لكل قادم به فضيلة نحو نسب او علم او صلاح او صداقة حديث: انه صلى الله عليه وسلم قام لعكرمة بن ابى جهل لما قدم عليه ، ولعدى بن حاتم كلما دخل عليه، وضعفهما لا يمنع الاستدلال بهماهنا خلافا لمن وهم فيه لان الحديث الضعيف يعمل به فى فضائل الاعمال اتفاقا بل اجماعا كما قال النووى" فمد فوع، لان الضعيف يعمل به فى فضائل الاعمال المعروفة فى الكتاب والسنة، لكن لايستدل بها على اثبات الخصلة المستحبة." (۱۱۰)

یہاں پر ایک بار پھر یہ یاد دلا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ضعیف حدیث پر عمل کے جواز سے متعلق یہ شرط متفق علیہ کہ: **"أن لا یعارض هنا صحیحاً"**، حتی کہ جو لوگ احکام و فضائل ہر ایک میں عمل بالضعیف کے قائل ہیں وہ بھی اس شرط کے التزام پر متفق ہیں۔ جب کہ ہیثمی صاحب تو صرف فضائل اعمال میں جواز کے قائل ہیں۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ جب ایک متفق علیہ شرط کے التزام کی ہیثمی صاحب نے کوئی پرواہ نہیں کی تو بقیہ شروط کے التزام کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

(۲) ابن حجر ہیثمی ہی نے فضائل میں عمل بالضعیف کے جواز کی دلیل میں راوی اور مرجع کے ذکر کئے بغیر اور الفاظ کی ہیرا پھیری کے ساتھ وہ روایت نقل کی ہے جس کے وضع و بطلان کی صراحت اہل علم سے منقول ہے اس روایت پر کن شرائط کی تطبیق ہے اس کی بحث بھی گذر چکی ہے۔ (۱۱۱)

(۳) علامہ عبدالحی لکھنوی جو فضائل اعمال میں عمل بالضعیف کے قائل اور پرجوش حامی ہیں ان کی تصانیف میں بھی شرائط قبول کو نظر انداز کرنے کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، مثال کے طور پر عمل بالضعیف کے جواز کی دلیل میں ابن حجر ہیثمی کی ذکر کردہ موضوع حدیث کو انہیں کے الفاظ میں من وعن **"الاجوبة الفاضلة"** میں نہ صرف یہ کہ نقل کیا ہے بلکہ اس سے عمل بالضعیف کے جواز پر استدلال بھی کیا ہے روایت مذکور پر کوئی کلام بھی نہیں کیا بلکہ سکوت اختیار کیا ہے جب کہ یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ الاجوبۃ کے حاشیہ تحقیق میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (۱۱۲)

(۴) اس سلسلے کی ایک دوسری روایت بھی لکھنوی صاحب نے نقل کی ہے:

"وفی "شرح المواهب" للزرقانی : اخرج الحاكم وابونعيم وابن عساكر عن على مرفوعا :

"اذا كتبتم الحديث فاكتبوه باسناده، فان يك حقا كنتم شركاء فى الأجر، وان يك باطلا كان وزره عليه." (۱۱۳)

اس روایت کو نقل کر کے بھی مصنف لکھنوی نے سکوت اختیار کیا ہے اور محقق نے اسے موضوع بتایا ہے۔

(۵) اقامت میں **"قدقامت الصلاة"** کے جواب میں **'أقامها الله وأقامها"** کہنے کے سلسلے میں ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے:

"ان بلالا أخذ فى الاقامة فلما أن قال : قد قامت الصلاة قال النبى صلى الله عليه وسلم اقامها الله وأدامها." (۱۱۴)

روایت مذکورہ کو بنیاد بنا کر بیشتر فقہاء وشراح حدیث نے قدقامت الصلاۃ کے جواب میں أقامها الله أدامها کہنے کو مستحب بلکہ مسنون قرار دیا ہے۔ جب کہ اس حدیث کا ضعف مسلم ہے امام نووی اور حافظ ابن حجر نے اس کے ضعف کی صراحت کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ حدیث ایک صحیح حدیث: اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول...... کے مخالف بھی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس روایت کے فضائل اعمال میں ہونے کی کیا دلیل ہے اور پھر کون ہے جو روزانہ پانچ مرتبہ اس پر عمل کرتے وقت اس کے غیر ثابت ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اور کہاں ہے وہ قاعدہ کہ ضعیف احادیث سے احکام ثابت نہیں ہوتے استحباب بھی تو احکام خمسہ میں سے ایک ہے۔

(۶) میت کو دفن کرنے کے بعد اس کو تلقین کرنے کے سلسلے میں ایک "منکر" روایت آتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا مات الرجل منکم فدفنتموہ فلیقم احدکم عند رأسه فلیقل: یا فلان ابن فلانة، فانه سیسمع، فلیقل: یا فلان ابن فلانة فانه سیستوی قاعدا. فلیقل: یا فلان ابن فلانة، فانه سیقول: أرشدنی رحمك الله، فلیقل: اذکر ما خرجت علیه من دار الدنیا: شهادة ان لااله الا الله وحده لاشریك له، وان محمدا عبده ورسوله، وان الساعة آتیة لا ریب فیها وان الله یبعث من فی القبور، فان منکرا ونکیرا یاخذ کل واحد منهما بید صاحبه ویقول له: ما نصنع عند رجل قد لقن حجته، فیکون الله حجیجهما دونه." (۱۱۵)

اس روایت کی اسناد پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد علامہ البانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"وجملة القول ان الحدیث منکر عندی ان لم یکن موضوعا."

پھر سبل السلام سے صنعانی صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"ویتحصل من کلام ائمة التحقیق انه حدیث ضعیف، والعمل به بدعة، ولا یغتر بکثرة من یفعله"(۱۱۶)

اس کے باوجود ملاحظہ فرمائیں امام سیوطی کا یہ فرمان:

"التلقین لم یثبت فیه حدیث صحیح ولا حسن، بل حدیثه ضعیف باتفاق المحدثین، ولهٰذا ذهب جمهور الامة الی ان التلقین بدعة، وآخر من افتی بذلك الشیخ عزالدین بن عبدالسلام، وانما استحبه ابن الصلاح وتبعه النووی نظرا الی ان الحدیث الضعیف یتسامح به فی فضائل الاعمال." (۱۱۷)

اب قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ فضائل اعمال کی آڑ میں کس طرح ایک بدعت کے لیے استحباب کا حکم عطا کیا گیا ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن دقیق العید کے یہ الفاظ ایک بار پھر دہرا دوں:

"فان احدث شعارا فی الدین منع منه." (۱۱۸)

(۷) مولانا عبدالحی لکھنوی حدیث: "مسح الرقبة امان من الغل" کے بارے میں الاجوبة الفاضلة میں لکھتے ہیں:

"یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں اتفاقا اس پر عمل کیا جاتا ہے، اسی باعث ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ گردن کا مسح مستحب ہے۔"(۱۱۹)

واضح رہے کہ بیشتر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع قرار دیا ہے، اگر موضوع تسلیم نہ بھی

کیا جائے تو شدید الضعف تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں، لیکن مشرق و مغرب میں اس پر عمل کرنے والوں میں کتنے ایسے افراد ہیں جو اس پر روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ عمل کرتے وقت اس کے عدم ثبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر وہ کون سی خصوصیت ہے جس نے اس چیز کو فضائل اعمال میں سے قرار دیا، مزید بر آں استحباب کی کیا دلیل ہے؟ (۱۲۰)

(۸) امام نووی المجموع شرح المهذب میں ابوامامہ کی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں۔

"لما وضعت ام كلثوم بنت رسول اللهﷺ في القبر قال رسول اللهﷺ : (منها خلقناكم وفيهانعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى). (۱۲۱)

پھر کہتے ہیں: رواه احمد من رواية عبيدالله بن زحر عن علي بن زيد بن جدعان عن القاسم— وثلاثتهم ضعفاء— ولكن يستأنس بأحاديث الفضائل وان كانت ضعيفة الاسناد ويعمل به في الترغيب والترهيب، وهذا منها."(۱۲۲)

اس روایت سے متعلق مختلف اہل علم کے اقوال ذکر کرنے کے بعد غازی عزیز صاحب لکھتے ہیں:

"اگر موضوع نہ مانا جائے تو بھی یہ کم از کم "ضعیف جدا" ضرور ہے، لہٰذا اصولیین اور محدثین کی قائم کردہ پہلی شرط قبول کے مطابق یہ حدیث قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ تیسری بات یہ کہ اس حدیث میں مزعومہ استحباب کی کوئی تفصیل بھی مذکور نہیں ہے، تو امام نووی کے پاس اس کے استحباب کی کیا دلیل ہے؟ چوتھا سوال یہ ہے کہ زیر مطالعہ حدیث کے مطالعہ سے یہ کہاں پتہ چلتا ہے کہ اس کا تعلق فضائل اعمال سے ہے؟"(۱۲۳)

(۹) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اپنی کتاب "فضائل اعمال"(تبلیغی نصاب) میں احادیث کے بیان میں صحابہ کرام کی احتیاط اور اس کے مقابلہ میں اپنی اور دوسروں کی بے احتیاطی پر اس طرح تنقید کرتے ہیں:

"یہ تھی حضرات صحابہ کی احتیاط حدیث شریف کے بارے میں، اس لیے کہ حضور کا ارشاد ہے کہ "جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے" اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجودیکہ مسائل حضور کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور کا یہ ارشاد ہے کہ خدانخواستہ جھوٹ نکل جائے، اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک، بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں، ذرا بھی نہیں جھجکتے، حالانکہ حضور کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی ہی سخت ذمہ داری ہے۔"(۱۲۴) موصوف کے اس بیان کا تقاضا تھا کہ اپنی اس کتاب میں احادیث کے سلسلے میں احتیاط برتتے اور بے دھڑک، بے تحقیق حدیث نقل کرنے سے جھجکتے، اور حضور کی طرف منسوب کر کے کسی بات کو نقل کرنے کی ذمہ داری کا دھیان رکھتے۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ تبلیغی نصاب میں صرف ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع و من گھڑت احادیث کا اچھا خاصا حصہ موجود ہے۔ (۱۲۵)

ضعیف حدیث کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں؟

گذشتہ صفحات کی مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بہت سارے مصنفین، فقہاء و فضلاء نے ضعیف حدیث سے استدلال کرنے اور اس پر شرعی احکام کی بنیاد رکھنے میں بڑی دریا دلی سے کام لیا ہے اور اس موضوع سے متعلق جملہ

اصول و ضوابط کو بالائے طاق رکھ دیا ہے، جب کہ ان میں سے بیشتر فضلا نے ان شرائط و ضوابط کو علمی اور نظری طور پر نہ صرف یہ کہ مانا ہے بلکہ ان کی تشریح و تفصیل اور تمثیل میں کافی محنت کی ہے۔ نظریہ اور تطبیق کے اس تضاد کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بواعث و محرکات کیا ہو سکتے ہیں؟ ان کا اجمالی ذکر بحث کے آخر میں آئے گا۔

البتہ ایک بنیادی اور اہم وجہ اس تضاد کی یہ ہے کہ اہل علم جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنے دعوی کے اثبات اور مخالف کی تردید کے لے کوئی بھی نص ہاتھ لگ جائے اسے پیش کر دیتے ہیں کیوں کہ وہ بہرحال حدیث کے اسم سے موسوم ہے، گویا مسئلہ پر ہم نے حدیث سے استدلال کر لیا، اس کی ضرورت یا اہمیت اس وقت نہیں محسوس کر پاتے کی حدیث کی تحقیق و تفتیش کر کے دیکھ لیا جائے کہ مقبول ہے یا مردود۔

اس میں بہت بڑا دخل متکلم فیہ احادیث کے اشتہار کا بھی ہے، بہت ساری حدیثیں تقریری اور تحریری طور پر اتنی زیادہ مستعمل ہوتی ہیں اور عند العامۃ والخاصۃ معمول بہا ہوتی ہیں کہ ان کی شہرت کی بنا پر لاحقین اپنے سابقین کے نقل و عمل پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے استدلال کر بیٹھتے ہیں، پھر جب انہیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ فلاں حدیث ضعیف اور مردود ہے تو وہ مفاجاتی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں اور سر دست اس اطلاع پر یقین کرنے میں انہیں تامل ہوتا ہے، پھر اگر کسی معتبر ماخذ سے ضعیف کی صراحت دستیاب ہو گئی تو وقتی طور پر حد درجہ قلق و اضطراب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور اس کی بنیاد پر برسوں اور صدیوں سے جو عمل ہوتا چلا آرہا ہے اسے فوراً ترک کر دیا جائے۔

دوسری طرف وہ یہ دیکھتا ہے کہ دنیا کے چپہ چپہ میں اس حدیث پر عمل جاری ہے فقہائے امت اور علمائے دین صدیوں سے یہ حدیث بیان کرتے چلے آئے ہیں، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی ایسی بات کی امت کی اکثریت ناقل اور اس پر عامل ہو جس کا شریعت سے ثبوت نہ ہو، اس حدیث کے ضعف کو تسلیم کرنے اور اسے ناقابل حجت اعتبار کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان تمام سابقین کے نقل و اعتماد پر حرف رکھا جائے، ایک معروف، مشہور، مقبول اور معتاد عمل کو غیر مشروع قرار دے کر مشرق و مغرب کے کروڑوں مسلمانوں کو مفاجاتی کیفیت میں مبتلا کیا جائے، لہٰذا اب کسی ایسے مخرج کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ مذکورہ نتائج کے مواجہہ سے بچ نکلا جائے اور ایسی کوئی شکل نکالی جائے کہ "سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

چنانچہ ضعیف الاسناد حدیث کے ناقلین کی کثرت اور اس سے ثابت شدہ عمل پر مداومت و مواظبت پر اصولی حیثیت سے جو سوالیہ نشان لگ رہا ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ایک قاعدہ وضع کیا گیا کہ اہل فقہ و نظر کا کسی حدیث کو نقل کرنا اور اس پر عمل کرنا اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے خواہ سند کے اعتبار سے وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۲۶)

اس انوکھے طریقے سے ضعیف حدیث کو صحیح قرار دینے میں اگر کامیابی حاصل نہ ہو اور ضعیف حدیث بدستور ضعیف ہی رہ جائے تو پھر "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے طور پر بعض اہل علم کے اس مقولہ: "**الحدیث الضعیف یتسامح بہ فی فضائل الاعمال**" کو نص قطعی کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے اس حدیث ضعیف کی بنیاد پر کیے جانے والے عمل کی شرعی حیثیت برقرار رکھی جاتی ہے اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے فضائل سے نکل کر احکام تک ضعیف حدیث کی مقبولیت کا دائرہ وسیع

کردیا جاتا ہے۔

امام خطابی معالم السنن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

”وأما الطبقة الثانية. وهم أهل الفقه والنظر. فان اكثرهم لا يعرجون من الأحاديث الا على أقله. ولا يكادون يميزون صحيحه من سقيمه، ولا يعرفون جيده من رديئه، ولا يعبأون بما بلغهم أن يحتجوا به على خصومهم اذا وافق مذاهبهم التي ينتحلونها ووافق آرائهم التي يعتقدونها، وقد اصطلحوا على مواضعة بينهم في قبول الخبر الضعيف والحديث المنقطع اذا كان ذلك قد اشتهر عندهم وتعاورته الألسن فيما بينهم من غير ثبت فيه أويقين علم به، فكان ذلك ضلة من الرأى وغبنا فيه، وهولاء. وفقنا الله واياهم. لوحكى لهم عن واحد من رؤساء مذاهبهم وزعماء نحلهم قول يقوله باجتهاده من قبل نفسه طلبوا فيه الثقة واستبرؤا له العهدة.“ (۱۲۷)

ہماری ذمہ داری

اس طویل بحث کے خاتمہ پر قارئین کے دل میں اس سوال کا اٹھنا بعید از امکان نہیں کہ ضعیف حدیث سے متعلق ہمارے علماء وفقہاء کی بے احتیاطی اور اصول شکنی کا تذکرہ ان کی علمی میراث اور تصنیفی جدوجہد کی ناقدری اور احتقار کو مستلزم ہے، جس سے خود ان کا علمی مقام ومرتبہ بھی مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، حالانکہ علم وفضل اور معرفت و آگہی میں وہ ہم سے بدرجہا آگے تھے، ان کی طرف اس قسم کی تساہلی اور بے احتیاطی کا انتساب ناقابل تسلیم ہے۔

ہم قارئین کے اس احساس میں ان کے برابر کے شریک ہیں۔ اپنے اسلاف کے متعلق کوئی غلط تاثر لینے یا دینے کا ہمارا قطعی ارادہ نہیں بلکہ ہادی اعظم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی صیانت وحفاظت اور ان کے مرتبہ ومقام کی وضاحت مقصود ہے۔ رہا بزرگان دین کا مذکورہ موقف تو اس کے متعلق ہم ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے عذر تلاش کریں گے۔

اپنی تصانیف میں ضعیف، منکر، باطل اور بسا اوقات موضوع روایات کے ذکر کردینے میں علماء وفقہاء سے جو تساہل ہوا ہے اس کے درج ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

(۱) حدیث کی شہرت پر اعتماد کرتے ہوئے اسے صحیح سمجھ کر استدلال کر بیٹھے ہوں جب کہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے۔

(۲) کسی پیش رو کی نقل پر اعتماد کر کے اسے صحیح سمجھ لیا ہو۔

(۳) **شدید الضعف** حدیث کے شدت ضعف پر مطلع نہ ہونے کے باعث اس سے استدلال کرلیا ہو اور اسے **قلیل الضعف** تصور کیا ہو۔

(۴) کسی مسئلہ پر دلیل پیش کرتے وقت یا کسی مخالف کی تردید کرتے وقت فرط جذبات میں حدیث کے درجہ کی چھان بین نہ کر سکے ہوں۔

(۵) فقہی مذہب یا کوئی اور مخصوص نقطہ نظر حدیث کی تحقیق کی راہ میں حائل رہا ہو۔

(۶) احکام و مسائل کی تدوین، استدلال اور جمع و ترتیب میں اپنی مشغولیت کی وجہ سے حدیث کی تحقیق پر توجہ نہ دے سکے ہوں اور اس کام کو فقہاء صرف محدثین کی ذمہ داری تصور کرتے رہے ہوں بقاعدہ: **لكل مقام مقال ولكل فن رجال.**"

(۷) کسی متساہل عالم کی تصحیح یا تحسین پر اعتماد کیا ہو جب کہ نقاد حدیث اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام اعتذارات کے بعد پھر ہم یہ آیت پڑھتے ہیں:

"**تلك امة قد خلت، لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون.**" (۱۲۸)

اور پھر یہ دعا کرتے ہیں:

"**ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انك رؤف رحيم.**" (۱۲۹)

اس کے بعد ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ صحیح اور حسن احادیث کو اپنے ایمان و عمل کا مرجع بنائیں، ضعیف اور موضوع احادیث کی عدم حجیت کا اعتراف اپنے اقوال وافعال دونوں سے کریں۔ کسی بھی حدیث کو اپنی تقریر، تحریر یا عمل میں لانے سے قبل اس کی صحت و سقم کو ضرور جانچ لیں، کسی بھی مرجع میں مذکور حدیث کو اسی وقت حدیث رسول سمجھیں جب کہ کسی معتمد ذریعہ سے اس کے ثبوت کا پتہ مل جائے تاکہ اس انذار نبوی کے مخاطب ہونے سے بچ جائیں۔

"**كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع.**" (۱۳۰)

"**من حدث عنى بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين.**" (۱۳۱)

اللہ رب العزت جزائے خیر دے محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ وبارک فی عمرہ کو جنہوں نے احادیث کے ذخیرہ کو چھان کر دودھ اور پانی الگ کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی مساعی و مجہودات یقیناً عظیم اور قابل قدر ہیں، امت کے کندھوں پر پڑا ہوا ایک بھاری بوجھ آپ نے اتار دیا ہے۔ صحیح سنن ابی داؤد، ضعیف سنن ابی داؤد، صحیح سنن الترمذی، ضعیف سنن الترمذی، صحیح سنن ابن ماجہ، ضعیف سنن ابن ماجہ، **صحيح الجامع الصغير، ضعيف الجامع الصغير، سلسلة الاحاديث الضعيفة**...... اور اس جیسی بے شمار تصانیف کے ذریعہ احادیث کی ایک بڑی مقدار میں سے صحیح و سقیم کو الگ الگ کر دیا ہے۔

فجزاه الله عنا وعن العلم خيرا.

خلاصہ بحث

۱۔ عقائد کے باب میں ضعیف حدیث بالاتفاق نا قابل حجت ہے۔

۲۔ احکام اور فضائل کے باب میں ضعیف حدیث کی حجیت کے سلسلے میں اہل علم کے تین گروہ ہیں:

(۱) احکام و فضائل ہر ایک میں ضعیف پر عمل جائز (۲) احکام و فضائل ہر ایک میں ضعیف حدیث پر عمل ممنوع (۳) فضائل میں ضعیف پر عمل جائز مگر بشروط۔

۳۔ لہٰذا فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز کے قول پر اہل علم کے اجماع کا دعوی صحیح نہیں۔

(۴) ضعیف حدیث سے احکام شرعیہ (خمسہ) کا اثبات جائز نہیں۔

(۵) مگر فضائل میں عمل بالضعیف کے قائلین بعض احکام کے اثبات کے بھی قائل ہیں۔

(۶) فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کی حجیت کا قول جن شرائط کے ساتھ مشروط ہے ان کی عملی تطبیق حد درجہ مشکل اور دشوار ہے اور ان شرائط کا لازمی نتیجہ عمل بالضعیف کی ممانعت ہے۔

۷۔ شرائط مذکورہ کی تطبیق کی صعوبت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان شرائط کو ذکر کرنے والے اور ان کی تشریح و توضیح کرنے والے محققین خود اپنی تحریروں میں ان شرائط کی پابندی کرنے سے قاصر رہے۔

۸۔ ضعیف حدیث کی روایت وغیرہ سے متعلق اصولیین کے وضع کردہ قواعد و ضوابط کو بھی بیشتر اہل علم نے نظر انداز کیا ہے۔

۹۔ علمی اور نظری طور پر عمل بالضعیف کے جواز یا عدم جواز کے موضوع پر بحث و مناقشہ کرنے سے بہتر ہے کہ علماء و فقہاء کے علمی ذخیرہ کو سامنے رکھ کر حقیقت اور واقع کی روشنی میں ضعیف حدیث کی مقبولیت اور غیر مقبولیت کا جائزہ لیا جائے، اس جائزہ کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہونچیں گے وہ اس نتیجہ سے بڑا مختلف ہوگا جو علمی طور پر جواز یا عدم جواز کی بحث سے نکلتا ہے۔

۱۰۔ فضائل واحکام ہر باب میں ضعیف حدیث کی عدم حجیت کا قول دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

تعلیقات وحواشی

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیف حدیث کی معرفت اور اس کی شرعی حیثیت۔ مؤلفہ غازی عزیز ص ۴۰ اور اس کے آگے

(۲) مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة للسیوطی. ص: ۵

(۳) الجوبة الفاضلة، ص: ۵۱ (۴) اعلام الموقعین: ۱/ ۱۵ الاعتصام: ۱/ ۲۲۶

(۵) ظفر الامانی: ۱۰۸، بحوالہ: ضعیف حدیث کی معرفت اور اس کی شرعی حیثیت، ص: ۲۴۹-۲۵۰

(۶) الحدیث الضعیف و حکم الاحتجاج به. ص: ۲۵۰

(۷) ایضاً ص: ۲۶۱-۲۷۳- ضعیف حدیث کی معرفت اور اس کی شرعی حیثیت ص: ۳۱۵

(۸) ملاحظہ ہوں درج ذیل مراجع:

مقدمہ تمام المنة للالبانی ص: ۳۴ مقدمة صحیح الجامع الصغیر للالبانی. ارشاد الفحول للشوکانی ص: ۴۸، الاحادیث الواردة فی فضائل المدینة ص: ۲۱-۲۸

(۹) الأجوبة الفاضلة، ص: ۵۳

(۱۰) الاربعین النوویة، ص ۳، الاسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة ص ۳۱۵۔ الفتح المبین فی شرح الاربعین، ص: ۳۶، بحوالہ: الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج به، ص: ۲۷۴

(۱۱) الآثار المرفوعة ص: ۸۱، بحوالہ: ضعیف حدیث کی معرفت......، ص: ۲۳۶

(۱۲) مقالات الکوثری ص ۴۵-۴۶، بحوالہ ضعیف احادیث کی معرفت۔ ص ۳۲۱-۳۲۲

(۱۳) تدریب الراوی: ۱/ ۲۵۲

(۱۴) تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب، ص: ۳، ۴ بحوالہ: مقدمہ تمام المنة، ص: ۳۶

(۱۵) احکام الاحکام: ۱/ ۵۱ (۱۶) الاجوبة الفاضلة ص: ۴۱-۴۲

(۱۷) ایضاً: ص: ۳۶ (۱۸) الکفایة ص ۱۳۴ بحوالہ: دراسات فی الجرح و التعدیل ص ۲۲۴

(۱۹) منهج النقد فی علوم الحدیث للدکتور نور الدین عتر، ص ۲۹۴
بحوالہ: الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج به، ص: ۲۸۷

(۲۰) الکفایة ص ۱۳۴ (۲۱) الاعتصام: ۱/ ۲۲۶

(۲۲) فتاوی ابن تیمیہ: ۱/ ۲۵۱، ۱۸/ ۶۵-۶۸، اعلام الموقعین: ۱/ ۱۵ شرح الاذکار: ۱/ ۸۶

(۲۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیف احادیث کی معرفت...... ص ۲۱۱-۲۲۵

(۲۴) دراسات فی الجرح والتعدیل للدکتور ضیاء الرحمٰن الاعظمی ص: ۲۲۶

(۲۵) ملاحظہ ہو ص : ۱۳-۱۵ (۲۶) ملاحظہ ہو ص : ۸

(۲۷) التعلیقات الحافلة علی الاجوبة الفاضلة ، ص : ۴۲ بالاختصار

(۲۸) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة ۱/ ۴۵۳-۴۵۹، حدیث نمبر ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳ اور ضعیف احادیث کی معرفت۔ ص : ۳۵۱-۳۸۷

(۲۹) اقتضاء الصراط المستقیم ص ۲۶۹ (۳۰) سورۂ بقرہ : ۲۳۹

(۳۱) سورۂ بقرہ : ۱۹۸ (۳۲) صحیح بخاری

(۳۳) سنن نسائی (۳۴) متفق علیہ

(۳۵) صحیح مسلم (۳۶) احکام الاحکام : ۱/ ۵۱

(۳۷) تبیین العجب، ص : ۳، ۴ (۳۸) تدریب الراوی : ۱/ ۲۵۲

(۳۹) ملاحظہ ہو ص: ۲۳-۲۵

(۴۰) ملاحظہ ہو ص ۷ علامہ کوثری مانعین کا مذہب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "ولھم بیان قوی فی المسئلة لا یھمل"

(۴۱) قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة ص ۸۲ بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص: ۲۶۱-۲۶۲

(۴۲) الاعتصام : ۱/ ۲۳۱ (۴۳) مرقاة المفاتیح : ۲/ ۳۸۱ بحوالہ مقدمہ تمام المنة ص : ۳۵

(۴۴) الانوار الکاشفة للشیخ المعلمی ص : ۸۷ : ۸۸ بحوالہ : الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص: ۲۹۳

(۴۵) دراسات فی الجرح والتعدیل. ص : ۲۲۹
لیکن یہاں واضح رہے کہ نووی، سیوطی اور کچھ دیگر علماء روایت کے ساتھ ساتھ عمل کے جواز کے بھی قائل ہیں۔

(۴۶) الاجوبة الفاضلة ص : ۳۹ (۴۷) مقدمة صحیح الجامع الصغیر : ۱/ ۵۲

(۴۸) المجروحین لابن حیان : ۱/ ۳۲۷-۳۲۸ بحوالہ : مقدمہ صحیح الترغیب والترھیب ص : ۳۵

(۴۹) الاعتصام : ۱/ ۲۲۸-۲۳۰ ملخصا (۵۰) در مختار : ۱/ ۸۷، بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص: ۲۶۵

(۵۱) سنن الترمذی

(۵۲) المنھل اللطیف للشیخ علوی مالکی ص ۹-۱۰، بحوالہ : الحدیث الضعیف. ص : ۲۷۶

(۵۳) المدخل لابن الحاج : ۱/ ۲۹۱ بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص : ۲۶۷

(۵۴) تبیین العجب ص : ۳-۴ (۵۵) مقدمہ تمام المنة فی التعلیق علی فقه السنة، ص : ۳۷

(۵۶) ملاحظہ ہو فتح الباری : ۱/ ۲۳۶، ۲/ ۶۵، ۳/ ۲۶۶، ۲۴۶، ۵۴۶، ۴/ ۹۷، ۲/ ۱۷، ۱/ ۷، ۶/ ۷ ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص : ۲۷۵

(۵۷) سورہ یونس آیت نمبر ۳۶ (۵۸) سورہ انعام آیت نمبر ۱۱۶

(۵۹) بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی (۶۰) مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد

(۶۱) عارضة الاحوذی : ۱۰/ ۱۲۹ بحوالہ : الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص : ۳۰۲

(۶۲) الباعث علی انکار البدع والحوداث ص ۵۴، بحوالہ :مقدمہ تمام المنة ـ ص : ۳۲

(۶۳) کتاب الضعفاء :۱/۷-۸، مقدمہ تمام المنة ص ۳۳

(۶۴) صحیح مسلم مع شرح النووی :۱/۲۱ (۶۵) صحیح مسلم :۱/۸

(۶۶) کتاب الضعفاء :۱/۹، مقدمہ تمام المنة ص : ۳۳

(۶۷) مقدمہ صحیح مسلم :۱/۹ (۶۸) صحیح مسلم :۱/۷

(۶۹) صحیح ابن حبان :۱/۱۲۰-۱۲۱، بحوالہ :الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص : ۳۰۳

(۷۰) مقدمة تحقیق تدریب الراوی :۱/۲۱، من اطیب المنح فی علم المصطلح، ص :۶

(۷۱) الاعتصام :۱/۲۲۵ (۷۲) ہدی الساری : ۲۱

(۷۳) قواعد التحدیث :۱۲۱-۱۲۲، ضعیف حدیث کی معرفت ـ ص: ۹۵

(۷۴) مقدمہ صحیح مسلم :۱/۲۰ (۷۵) شرح نخبة الفکر. ص : ۶۳

(۷۶) الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة ص ۲۸۳، الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص ۲۷

(۷۷،۷۸) صحیح ابن حبان :۱/۱۲۰-۱۲۱ (۷۹،۸۰) صحیح الجامع الصغیر للالبانی ص ۲۱

(۸۱) علوم الحدیث و مصطلحه، ص :۲۱۱-۲۱۲، الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص: ۲۷۳

(۸۲) ضعیف اور موضوع حدیثوں کا چلن، ص ۲۰-۲۲، ضعیف حدیث کی معرفت ـ ص :۲۰-۲۲

(۸۳) فتح القدیر :۲/۱۳۳، بحوالہ :الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص :۲۵۹

(۸۴) الاجوبة الفاضلة، ص :۵۵ (۸۵) الاذکار، ص:۷-۸

(۸۶) تدریب الراوی :۱/۲۵۳ (۸۷) مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ :۱۸/۶۵

(۸۸) الاعتصام :۱/۲۳۰-۲۳۱

(۸۹) حاشیہ تحقیق : المنار المنیف فی الصحیح والضعیف لابن قیم الجوزیة، ص ۱۲۲

(۹۰) مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۱۳، ملخصاً، بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت ـ ص : ۲۵۲

(۹۱) تدریب الراوی :۱/۲۵۲

(۹۲) الفیة الحدیث للعراقی :۲/۲۹۱، بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت ـ ص: ۲۵۶

(۹۳) حاشیة تحقیق : الباعث الحثیث، ص ۹۴

(۹۴) المجموع شرح المهذب :۱/۶۰ ملخصاً بحوالہ : مقدمہ صفة صلاة النبی للالبانی ص: ۱۶ حاشیہ

(۹۵) مقدمہ صحیح مسلم :۱/۲۰ (۹۶) روح الاخوان، ص ۵۸، بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت ـ ص: ۱۳۷

(۹۷) الامتاع بسیرة الامامین . ص : ۶۴، بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت ـ ص : ۹۵

(۹۸) مقدمة الاسماء والصفات للبیهقی ص "ی" بحوالہ : ضعیف حدیث کی معرفت ـ ص: ۹۶

(۹۹) ملاحظہ ہو: الاسرار المرفوعة ص ۲۲۴-۲۲۵، بحوالہ ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص: ۳۷۹

(۱۰۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضمیمة الاجوبة الفاضلة لابی غدة

(۱۰۱) تدریب الراوی: ۱/ ۴۷ (۱۰۲) فتح القدیر: ۳/ ۱۴۳، بحوالہ: ضمیمہ الاجوبة الفاضلة، ص: ۲۳۶

(۱۰۳) تعلیق علی شروط الائمة الخمسة للحازمی، ص: ۵۶، بحوالہ: ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص: ۱۲۴

(۱۰۴) فیض الباری علی صحیح البخاری: ۳/ ۴۰۹، بحوالہ: ضمیمہ الاجوبة الفاضلہ، ص: ۲۳۷

(۱۰۵،۱۰۶) تدریب الراوی: ۱/ ۲۴۰

(۱۰۷) معارف، اعظم گڑھ۔ دسمبر ۱۹۴۴ بحوالہ: کیا اقلیم ہند میں اشاعت اسلام صوفیاء کی مرہون منت ہے؟ ص ۱۸۰

(۱۰۸) النکت (مخطوط، ص ۳۰۴) بحوالہ: ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص: ۱۲۷

(۱۰۹) المصنوع ص ۸۴ حاشیہ، بحوالہ: ضعیف حدیث کی معرفت۔ ص: ۱۳۴

(۱۱۰) مقدمة صحیح الترغیب والترھیب. ص: ۳۵-۳۶ (۱۱۱) ملاحظہ ہو ص: ۱۲-۱۳

(۱۱۲) الاجوبة الفاضلة، ص ۴۲ (۱۱۳) ایضاً ص: ۲۶

(۱۱۴) سنن ابی دائود مع العون: ۱/ ۲۰۸

(۱۱۵) سلسلة الاحادیث الضعیفه والموضوعة: ۲/ ۶۴، حدیث نمبر ۵۹۹

(۱۱۶) ایضاً: ۲/ ۶۵

(۱۱۷) طلوع الثریا باظهار ما کان خفیا، مطبوع مع الحاوی للفتاوی: ۲/ ۳۷۷، بحوالہ: الحدیث الضعیف، ص: ۲۸۵

(۱۱۸) احکام الاحکام: ۱/ ۵۱ (۱۱۹) الاجوبة الفاضلة، ص: ۳۷

(۱۲۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیف احادیث کی معرفت۔ ص: ۲۸۰-۲۹۰

(۱۲۱) سورۂ طٰہ: ۵۵

(۱۲۲) المجموع شرح المهذب: ۵/ ۲۹۳-۲۹۴، بحوالہ: الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج به ص: ۲۸۴

(۱۲۳) ضعیف احادیث کی معرفت۔ ص: ۳۰۱

(۱۲۴) فضائل صحابہ، ص: ۹۵ (۱۲۵) ملاحظہ ہو تابش مہدی کی کتاب: "تبلیغی نصاب" ایک مطالعہ

(۱۲۶) ملاحظہ ہو ص: ۳۴-۳۶

(۱۲۷) معالم السنن: ۱/ ۷-۸ بحوالہ: الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج به، ص: ۲۶۴

(۱۲۸) سورۂ بقرہ: ۱۴۱ (۱۲۹) سورۂ حشر: ۱۰

(۱۳۰) صحیح مسلم: ۱/ ۷ (۱۳۱) صحیح مسلم: ۱/ ۶

مولانا عبدالسلام رحمانی
جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، بلرام پور (یوپی)

کتبِ سیرت میں غیر مستند روایات
ایک تجزیاتی مطالعہ

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على محمد خاتم النبين وعلى آله وصحبه ومن اهتدى بهديه الى يوم الدين. وبعد:

کسی نے اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا ؎

اَصِفُ الحبيب ولا اقول "كانّهٗ"
كلاً لقد امسىٰ من الافراد

"میں اپنے محبوب کا وصف بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہتا کہ اس کی یہ خوبی فلاں کی طرح ہے، یہ کہنا مجھے ہرگز گوارہ نہیں ورنہ تب تو گویا مجھے یہ تسلیم ہو جائے گا کہ میرے حبیب کی طرح کوئی اور بھی ہے۔"

تو واقعہ یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف ومنقبت میں بھی "کانّہٗ" کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق میں سب پر ایسی برتری عطا فرمائی تھی کہ مجموعی اوصاف وفضائل میں کسی کو آپ کی ہمسری نصیب نہ ہوئی اور یہی آپ کی فضیلت کے لیے کافی وافی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بے پناہ عقیدت ومحبت اہلِ ایمان کو ہوتی ہے اور جو تقاضائے ایمان بھی ہے وہ بعض حلقوں میں دینی شعور کی کمی کے سبب افراط وغلو کے حدود میں داخل ہو گئی جس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ بخاری کتاب الانبیاء میں ہے۔ آپ نے فرمایا **"لاتطرونی كما اطرت النصارىٰ عيسىٰ بن مريم"** مجھے میرے مرتبے سے نہ بڑھانا جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا کہ انہیں مقام نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت تک پہونچا دیا اور آپ نے فرمایا **"اياكم والغلو فى الدين فانما اهلك من كان قبلكم الغلو فى الدين"** (رواه النسائی وابن ماجه واحمد وصححها ابن خزيمه) دین میں غلو سے بچنا کیونکہ غلو فی الدین نے تم سے پہلے نہ جانے کتنوں کو ہلاک کر ڈالا۔

رسول ﷺ کی اس تنبیہ کے باوجود آپ کی امت بھی اسی حادثہ کا شکار ہو گئی اور اس کے ایک طبقہ نے افراط وغلو میں

آپ کے فضائل ومناقب کے باب میں بہت سی حدیثوں کے وضع واختراع تک کی جسارت کرڈالی جب کہ آپ نے فرمایا تھا۔ "من كذب عليَّ متعمداً فليتبوَّا مقعدهُ من النار" (صحيح مسلم) جس نے عمداً میری طرف کوئی بات جھوٹ منسوب کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ اس طبقہ نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ متعدد صفات الٰہیہ سے رسول ﷺ کو متصف قرار دے دیااور اس پر بھی قناعت نہ ہوئی تو آپ کو ہی نعوذ باللہ۔ اللہ ورب قرار دے دیا۔ نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ ایک شاعر نے کہا ؎

محمد بہ شکلِ عرب آمدہ بمعنی دگر عین رب آمدہ

یعنی محمد (ﷺ) عرب کے شکل میں آئے ہیں، دوسرے معنی میں عین رب آئے ہوئے ہیں۔ عرب کے عین کو رب سے الگ کر کے پڑھیئے تو عین رب ہی ہوگا۔

ایک اور شاعر نے کہا ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
(نعوذ باللہ)

اس طرح افراط وغلو کا شکار ہو کر اس امت کا بھی ایک طبقہ گزری ہوئی قوموں کی طرح خود بھی ہلاک ہوااور ہو رہا ہے اور عوام کالانعام کو بھی ہلاک وبرباد کر رہا ہے۔

رسول ﷺ کی سیرت وفضیلت کے باب میں موضوع وباطل روایات کو جو شہرت ملی وہ پیشہ ور واعظوں اور میلاد خوانوں سے ملی۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصہ میں آیا چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور اُدھر گرمیٔ محفل اور شورِ احسنت کے لیے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس لیے لامحالہ ان کو اپنی قوتِ اختراع پر زور دینا پڑا۔ ان میں جو کسی قدر محتاط تھے انھوں نے ان کو لطائفِ صوفیانہ اور مضامین شاعرانہ میں ادا کیا۔ سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی۔ یابعد کو ان ہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کرلی۔ اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے انہوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہ راست اس کو حدیث وخبر کا مرتبہ دے دیا حافظ سیوطی، علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

جھوٹی حدیثیں سنانے والوں میں ایک گروہ واعظوں کا ہے اور سب سے بڑی مصیبت ان ہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام وموثر ہو سکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے چنانچہ فضائل ومناقب، عذاب وثواب، بہشت ودوزخ، وقائع میلاد اور معجزات ودلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر انہیں جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ (سیرۃ النبی ص ۷۲۹، ج ۳)

ان جعلی روایات کے مراجع عموماً **دلائل النبوۃ للحربی، دلائل النبوۃ لابن قتیبہ، دلائل النبوۃ للمستغفری، دلائل النبوۃ لابی نعیم اصفہانی والبیہقی** وغیرہ اور **شرف المصطفیٰ لابی سعید اصفہانی وطبقات ابن سعد وسیرۃ ابن اسحاق ومواہب لدنیہ ومعارج النبوۃ** وغیرہ وغیرہ قسم کی کتابیں ہیں علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبی ج ا میں سیرۃ کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: سیرت پر سیکڑوں تصانیف موجود ہیں لیکن سب کا سلسلہ جاکر تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحٰق، واقدی، ابن سعد، طبری، ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں زیادہ تر ان ہی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

ان میں سے واقدی بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ واقدی خود اپنی طرف سے روایتیں گھڑتا تھا۔ سیرت نبوی سے متعلق واقدی کی دو کتابیں ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں۔ کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ واقدی ہی کی تصانیف ہیں۔ ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دُنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تو بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے واسطہ سے ہیں اس لیے ان روایتوں کا وہی رُتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے۔ باقی رُواۃ میں سے بعض ثقہ ہیں بعض غیر ثقہ۔

طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمہ ابرش وابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں۔

ابن اسحاق پر امام مالک وبعض محدثین نے جرح کی ہے تاہم ان کا یہ رُتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ "جزء القرأۃ" میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں۔

حافظ زین الدین عراقی جو بڑے پایہ کے محدث ہیں سیرۃ منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: طالب کو جاننا چاہئے کہ سیرت میں سبھی طرح کی روایتیں ہوتی ہیں صحیح بھی اور غلط بھی۔

اور علامہ ابن تیمیہؒ نے کتاب التوسل میں لکھا ہے کہ ابن السنی وابو نعیم اور ان کی طرح کے مصنفین کی کتابوں میں کثرت سے جھوٹی حدیثیں موجود ہیں جن پر اعتماد کرنا ناجائز ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

"**مواہب لدنیہ**" کی بابت علامہ شبلی لکھتے ہیں: یہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔

اب ذیل میں سیرت نبوی کے موضوع پر بعض روایتیں ملاحظہ فرمائیں جو صحیح نہیں ہیں مگر مشہور بہت ہیں:

۱۔ **اول ما خلق اللہ نوری**، رسول ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کر دی گئی کہ آپ نے فرمایا ہے "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا" اس روایت کی بابت سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: اس روایت کا پتہ مجھے احادیث کے دفتر میں نہیں ملا۔ (سیرۃ النبی ص ۷۳۷، ج ۳)

اور مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا "اے جابر سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبی کا

نور پیدا کیا، پھر اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان وزمین اور جن وانس کی پیدائش ہوئی۔"

علامہ البانی فرماتے ہیں: بہت کوشش کے باوجود میں اس حدیث کی سند سے واقف نہ ہو سکا، نیز اس کے برخلاف صحیح روایات میں آتا ہے، رسول ﷺ نے فرمایا ہے "اول ما خلق الله القلم. الحديث "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا (رواه الترمذی فی القدروفی التفسیر وقال حديث حسن غريب، وله طريق آخر عن عبادة بن الصامت رواه ابوداؤد. قال الالبانی : الحديث صحيح بلا ريب، مشكوٰة بتحقيق الالبانی ص ٣٤ ج ١)۔

۲۔ اس نور محمدی کے بارے میں غیر مقبول روایات کی مدد سے بڑی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا۔ پھر حضرت آدم کے تیرہ و تار جسم کا چراغ بنا۔ پھر آدم نے مرتے وقت حضرت شیث کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا۔ اسی طرح یہ درجہ بہ درجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔

۳۔ یہ بھی روایت ذکر کی جاتی ہے کہ یہ نور جب بلوغ کے وقت عبدالمطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے۔ سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال ورونق کی خلعت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ آخر کار ان کے باپ ان کو ایک کاہن کے پاس لے گئے، اس نے کہا آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے۔ اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو اس نور کے وسیلے سے وہ دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔

نور محمدی اور آپ کی ولادت نیز حلیمہ سعدیہ کے ہاں آپ کے قیام کے دور میں پیش آنے والے واقعات کی بابت اور قبل نبوت آپ کی نبوت کے آثار کے بارے میں بہت سی عجیب وغریب روایات بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں جو سب نہایت درجہ سقیم ہیں۔ اسی طرح یہ ثابت کرنے کے لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے محاسن کے جامع ہیں، تمام انبیاء کو جو محاسن و معجزات دیئے گئے وہ سب آپ سے بھی ظاہر ہوئے، بہت سی ضعیف و موضوع روایات کا سہارا لینا پڑا۔ ان سب کو اگر میں ذکر کروں تو وہ ایک طویل دفتر ہوگا۔ اسے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی جلد ثالث میں "غیر مستند روایات" کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور ان پر کسی قدر کلام بھی فرمایا ہے۔ یہ پوری بحث سیرت النبی جلد ثالث کے ۵۷ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود سید صاحب فرماتے ہیں کہ دلائل و معجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابلِ اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے گی۔ اس لیے ہم نے صرف ان روایات کی تنقید پر قناعت کی ہے جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں۔ (ص ۷۴۳)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے گذشتہ صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں، ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا۔ مگر دروغ گو راویوں کو ان آیات قرآنیہ

واحادیث صحیحہ سے تسلی نہ ہوئی اور اس سلسلہ میں بھی انہوں نے طول طویل کہانیاں تصنیف کر ڈالیں اور پیشین گوئیوں کے دائرہ کو اس قدر وسعت دی کہ یہودیوں کو دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خد وخال معلوم تھا، بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں جن میں آپ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپ چھپا کر رکھتے تھے، بلکہ بعض دیروں میں تو آپ کی تصویر تک موجود تھی۔ تورات وانجیل میں آپ کے متعلق بعض پیشین گوئیاں جیسا کہ میں عرض کر چکا یقیناً موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں مگر وہ استعارات وکنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں، ان کو ضعیف وموضوع روایتوں میں صاف صاف آپ کے نام ومقام کی تخصیص وتعیین کے ساتھ مشہور و بیان کیا گیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس باب میں بھی بہت کچھ گھڑا گیا، مثلاً کہا گیا کہ جب آپ کے قُربِ ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں، کاہن مقفیٰ مسجع فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبریں سنایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا زمانہ قریب آگیا ہے، یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا۔ ملوکِ یمن، شاہانِ فارس اور قریش کے اکابر نے آپ کو خواب میں دیکھا، پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا۔ قریش کے مورثِ اعلیٰ کعب بن لوی ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ والوں کو آپ کی پیدائش ونبوت کی بشارت دیا کرتے تھے۔ مکہ کے لوگ احبار ورہبان کی زبان سے محمد آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے۔ مدینہ کے یہودیوں کے ذریعہ مشہور تھا کہ یثرب آپ کا دار الہجرت ہوگا اس لیے وہ آپ کے منتظر تھے اور جب آپ کی پیدائش ہوئی تو ان دروغ گو راویوں کے بیان کے مطابق بے شمار عجائب وغرائب کے ظہور کے ساتھ کعبہ کے تمام بت سر نگوں ہوگئے، کسریٰ کے محل کے چودہ کنگورے گر گئے، بحر طبریہ خشک ہوگیا، آتشِ فارس بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے بجھی نہ تھی اور ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔ (ص ۴۳۷)

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے قبل وبعد اور پیدائش کے وقت کی بابت جھوٹے راویوں نے اس طرح کی کہانیوں کے جس قدر بھی انبار لگائے ہیں وہ روایت ودرایت دونوں لحاظ سے بے حد کمزور ہیں اور اسی بنا پر کتب صحاح ستہ اور معتبر ومستند کتبِ احادیث کے مصنفین ومحدثین نے ان روایات کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھا، حضرت مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "حدیث کا درایتی معیار" میں یہ بڑی معقول بات لکھی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے وقت کوئی صحابی موجود نہ تھا جس کی روایت قابل قبول ہو، ایسی حالت میں یہ روایتیں عمومی شہرت کی بنا پر ہوں گی، یا تو رسول ﷺ نے خود ان کی وضاحت فرمائی ہوگی، اگر ان واقعات کی شہرت اسی طرح ہوتی جیسی ان روایتوں سے ظاہر ہے تو بعد میں رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت میں جس قدر دشواریاں پیش آئیں وہ نہ آتیں اور ہر شخص ان واقعات کی شہرت کی بنا پر فوراً ایمان لے آتا اور اگر رسول ﷺ نے بہ نفس نفیس ان واقعات کی وضاحت فرمائی ہوتی تو اتنے اہم واقعات کا تذکرہ حدیث کے مستند ذخیروں میں ضرور ہوتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت کے ان واضح دلائلِ نبوت کو محدثین نظر انداز کر دیتے"۔ (ص ۲۷۸)

نور محمدی اور آپ کی ولادت سے متعلق خاص طور پر کہانیاں سب سے زیادہ گھڑی گئیں ہیں۔ میں نے شروع میں ذکر

کیا کہ اس طائفہ نے نور محمدی کو تخلیق الٰہی میں سب سے پہلی تخلیق قرار دیا ہے اور ایک روایت تو یہ بھی بیان کی جاتی ہے۔

"ان نور محمد خلق من نور الله" نور محمدی اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ (الآثار المرفوعه فی الاخبار الموضوعة للشيخ عبدالحئی اللكنوی، ص ۲۷۲)

نیز مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا، میں محمد کا واسطہ دے کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں۔ اللہ نے پوچھا تم نے محمد کو کیسے جانا؟ آدم نے کہا جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش پہ یہ لکھا ہوا پایا۔ لااله الا الله محمد رسول الله" تب میں نے جانا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ محبوب ترین مخلوق کا نام جوڑا ہے، خدا نے کہا تو نے سچ کہا، اے آدم اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (الآثار المرفوعة، ص ۲۷٤)

یہ آخری بات موضوعات کبیر اور الفوائد المجموعه فی الاحادیث الموضوعه وغیرہ میں بھی ہے کہ اللہ نے فرمایا "لو لاك لما خلقت الافلاك" اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ صغانی نے کہا یہ موضوع روایت ہے۔ ایک روایت ہے "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم پانی اور مٹی کے مرحلہ میں تھے (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/ ۲۳۸۔ ۱۴۷) یہ روایت من گھڑت ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ نہ تو اس کی کوئی بنیاد ہے اور نہ کسی اہل علم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ علامہ شوکانی نے ابو عبداللہ الحاکم کے حوالہ سے بلفظ "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔(۱) مگر علامہ صغانی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے موضوع حدیث قرار دیا ہے۔ (الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة، ص۳۲٦)

حافظ جورقانی نے محمد بن سعید المصلوب عن حمید عن انس کے طریق سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"انا خاتم النبيين لانبی بعدی الا ان يشاء الله."

میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

حافظ جورقانی فرماتے ہیں کہ یہ استثناء (الاّ ان يشاء الله) موضوع باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، یہ محمد بن سعید شامی کی موضوعات میں سے ہے جسے زندیق ہو جانے کے بعد تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تھا، اللہ کی اس پر لعنت ہو، یہ بڑا وضاع و کذاب تھا۔ اس نے حدیث صحیح میں "الا ان يشاء الله" کا جملہ اپنی طرف سے بڑھا کر لوگوں میں بیان کرنا شروع کر دیا تاکہ لوگوں کے

(۱) اہل علم جانتے ہیں کہ ائمہ جرح و تعدیل میں ایک طبقہ وہ ہے جو احادیث کی تصحیح و تحسین میں متساہل قرار دیا گیا ہے اور انہیں میں سے امام ترمذی و حاکم و بیہقی ہیں۔ (دراسات فی الجرح والتعديل ص ۳۹٦) حاکم کی تصحیح کی بابت علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں "ولا یعبأ الحفاظ و اطباء الحديث بتصحيح الحاكم شيئاً ولا يرفعون به راسا البتة بل لايعول على تصحيحه ولا يدل تصحيحه على حسن الحديث بل قد يصح اشياء موضوعة بلاشك عند اهل العلم بالحديث. (تعليق على المنار المنيف ص ۲۲ بحواله "الفردوسيه" لابن القيم)

دلوں میں رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی بابت شک ڈال دے۔ یہ استثناء مسلمانوں کے نزدیک کفروالحادوزندقہ ہے۔ (الاباطیل والمناکیر ص ۱۲۰)

علامہ سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں یہ حدیث ذکر کی ہے: "توسلوا بجاهی فان جاهی عند الله عظیم" (اپنی حاجت روائی کے لیے) میرے جاہ ومقام کو وسیلہ بناؤ کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا جاہ ومقام بہت بلند ہے۔ (ص ۱۶۷) لاریب اللہ کے رسول کا مقام ومرتبہ اللہ کی نظر میں بہت بلند ہے۔ مگر یہ حدیث بے بنیاد ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ نسبت بطریق صحیح ثابت نہیں کہ آپ نے یہ بات فرمائی ہے۔

ملا علی قاری نے الموضوعات الکبریٰ میں یہ حدیث ذکر کی ہے: "من زارنی وزار ابی ابراهیم فی عام واحد دخل الجنة" جس نے ایک ہی سال میں میری بھی زیارت کی اور میرے باپ ابراہیم کی بھی زیارت کی وہ دخول جنت کا مستحق ہو گیا۔ (ص ۲۳۲) اس روایت کو ذکر کر کے ملا علی قاری لکھتے ہیں: قال ابن تیمیه انه موضوع، وکذا قال النووی فی آخر الحج من شرح المهذب انه موضوع باطل لا اصل له، علامہ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور امام نووی نے بھی شرح مہذب میں لکھا ہے یہ حدیث موضوع باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اس حدیث کو علامہ البانی نے بھی اپنی ضعیفہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ زرکشی نے "اللآلی المنثوره" میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة ج۱، حدیث: ۴۶)

علامہ البانی نے اس حدیث کو بھی ذکر کر کے اسے موضوع حدیث قرار دیا ہے جس میں اس بات کا بیان ہے کہ میری امت میں سب سے پہلے میرے اہل بیت کو میری شفاعت نصیب ہو گی، پھر اقرب فالا قرب کو، پھر انصار کو، پھر ان کو جو مجھ پر ایمان لائے اور میری اتباع کی، پھر یمن والوں کو، پھر تمام عرب کو، پھر عجمیوں کو لیکن سب سے پہلے جس کے لیے میں شفاعت کروں گا وہی سب سے افضل ہو گا۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دے کر اس کی سند پر مفصل کلام کیا ہے۔ (حوالہ مذکور حدیث: ۲۳۷ ج ۲)

علامہ شوکانی نے "الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة" میں یہ حدیث ذکر کی ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے۔ "ذهبت بقبر امی فسالتُ الله ان یحیها فاحیاها فآمنت بی وردها الله تعالٰی" رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں اپنی ماں کی قبر کے پاس گیا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری ماں کو زندہ کر دے، تو اللہ نے انہیں زندہ کر دیا پھر وہ مجھ پر ایمان لائیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس بلا لیا۔ (ص ۳۲۲)

یہ روایت موضوع ہے اس کی سند میں بعض مجہول راوی ہیں اور ایک راوی محمد بن زیاد النقاش کذاب ووضاع راوی ہے۔

خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں یہ حدیث ذکر کی ہے: "فضلت علی الناس باربع: بالسخاء، والشجاعة، وکثرة الجماع، وشدة البطش" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چار امور میں لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے، سخاوت میں، شجاعت میں اور کثرتِ جماع میں اور شدت گرفت میں۔

علامہ البانی نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے اور اس کی سند پر کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (سلسلة الاحادیث الضعیفة

والموضوعة حدیث۱۵۹۷، ج۴)

اور یہ بات مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس آدمی کے برابر قوتِ جماع دی گئی تھی۔ علامہ البانی نے اس سلسلہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اتانی جبریل بقدر فاکلت منها فاعطیت قوة اربعین رجلا فی الجماع**" جبریل میرے پاس ایک ہانڈی لے کر آئے تو میں نے اس میں سے کھایا۔ اس کے کھانے سے مجھے چالیس مردوں کی قوتِ جماع عطا کی گئی۔ (**سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة ج۴، حدیث۱۶۸۵**)

علامہ البانی نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے اور اس کی سند پر کلام کیا ہے۔ پھر اس کے بعد اسی مفہوم کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ جبریل میرے پاس جنت سے ایک حلوہ (ہریسہ) لے کر آئے جسے میں نے کھایا تو مجھے چالیس مردوں کی قوت جماع عطا کی گئی۔ (**ایضاحدیث۱۶۸۶**)

علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور اس پر طویل بحث کی ہے اور علامہ ابن القیم نے بھی غیر صحیح روایات کے ضمن میں اس حدیث کوذکر کیا ہے۔ (**المنار المنیف ص ۶۴، حدیث۱۱۱**)

علامہ ابن القیم نے باطل احادیث ہی کے ضمن میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔

"**من ولد له مولود فسماه محمدا تبر کا به کان هو والولد فی الجنة**" جس نے اپنے بچے کا نام بطور تبرک محمد رکھا تو اس کی برکت سے وہ اور اس کا لڑکا جنت میں داخل ہوں گے۔ (**ایضاً ص۶۱، حدیث ۹۴**)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے سیرۃ النبی ج ۳ میں معجزات نبوی کے متعلق غیر مستند روایات اور مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت پر بحث کے اختتام میں اجمالی طور پر تحریر فرمایا ہے کہ:

۱۔ وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے متعلق حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں۔

۲۔ وہ معجزے جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیئے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے بروایت صحیحہ ثابت نہیں ہیں۔

۳۔ ایسی روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے لیے آسمان سے خوانِ نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔

۴۔ وہ روایتیں جن میں حضرت خضر یا الیاس سے ملنے یا ان کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے صحت سے خالی ہیں۔

۵۔ عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

۶۔ روایت ہے کہ آپ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی، یہ سر تا پا موضوع ہے۔

۷۔ واعظوں میں مشہور ہے کہ ابو جہل کی فرمائش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں، لیکن یہ ثابت نہیں۔

۸۔ وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب وفات نامہ، اور ہرنی نامہ ترتیب پائی ہیں تمام تر جھوٹی ہیں۔

۹۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمارہے تھے، آفتاب ڈوب رہا تھا اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا لیکن حضرت علی نے ادباً آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، جب آفتاب ڈوب گیا تو دفعتاً آپ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی، عرض کیا نہیں، آپ نے دعا کی، فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا۔ یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔

۱۰۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جاتے تھے تو اجالا ہو جاتا۔ چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملی، دفعتاً آپ تشریف لے آئے تو چہرۂ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اُٹھی اور مل گئی، یہ بالکل جھوٹ ہے۔

اور وہ روایتیں بھی صحیح طریق سے ثابت نہیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جب آپ نے ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لی تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر ببول کا درخت اگ آیا اور کبوتر کے ایک جوڑے نے وہاں انڈے دیدیئے اور مکڑی نے جالے تن دیئے تاکہ مشرکین کو اس غار کے اندر آپ کے ہونے کا گمان نہ ہو۔ شیخ علی ابراہیم حشیش فرماتے ہیں : **"لایصح حدیث فی عنکبوت الغار والحمامتین"** غار پر مکڑی کے جالا تننے اور کبوتروں کے انڈا دینے کی بابت کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ نیز آگے لکھتے ہیں: **یقول اللہ تعالیٰ : "وایدہ بجنودلم تروھا"** (توبہ آیت : ۴۰) **فھی صریحة بان النصر والتائید انما کان بجنود لا تریٰ والعنکبوت والحمامتان والشجرة مما یریٰ.** اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی مدد ایسے لشکر سے کی جسے تم نے نہیں دیکھا، یہ آیت صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی نصرت و تائید اللہ تعالیٰ نے اس طرح پردہ غیب سے کی تھی جو دیکھی نہ جاسکتی تھی اور مکڑی و کبوتر و درخت تو دیکھی جانے والی چیزیں ہیں۔

نیز شیخ علی ابراہیم نے ان سب روایتوں پر مفصل بحث کی ہے اور انہیں غیر صحیح روایات قرار دیا ہے۔ (مجلّہ التوحید، قاہرہ شعبان ۱۴۱۲ھ) علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی سیرۃ النبی میں اس پر بحث کی ہے اور اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔

اور ہجرت کے راستہ میں اُمّ معبد کی خشک تھن والی بکری دوہنے اور ام معبد کا ابو معبد سے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرنے کی جو روایت ہے وہ بھی کلام سے خالی نہیں ہے۔ امام ذہبی اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی طریق صحیح سند کی شرائط کے مطابق نہیں۔ (سیرۃ النبی ج ۳، ص ۱۷۷)

سیرت نبوی کے باب میں جیسا کہ پہلے ذکر آچکا موضوع و منکر وضعیف روایات کا بڑا انبار ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں غیر صحیح روایات کی اشاعت کا مسلمانوں کے معاشرے پر بہت برا اثر پڑا اور ایک ایسا طبقہ وجود میں آگیا جس نے امت کو خرافات کے دلدل میں ڈال دیا۔

ملا علی قاری نے موضوعات میں اور علامہ سیوطی نے **"تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص"** میں ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے کہ بغداد میں ایک قصہ گو واعظ نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت (۷۹) **"عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا"** (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا) سے یہ مفہوم نکالا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش الٰہی پر جلوہ فرما ہوں گے۔ جب اس کا علم محمد بن جریر طبری کو ہوا تو انہیں اس پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر لکھ

دیا "سبحان من لیس له انیس ولا له علیٰ عرشه جلیس" پاک ہے وہ ذات جس کا ایسا کوئی دوست نہیں جو اس کے عرش پہ اس کا ہم مجلس ہو۔

جب بغداد کے عوام نے جنہوں نے واعظین سے یہ سن رکھا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش الٰہی پہ جلوہ فرما ہوں گے، اس کے خلاف امام طبری کے گھر پر یہ عبارت دیکھی تو بپھر اٹھے اور ان کے گھر پر پتھراؤ شروع کر دیا، ان کا دروازہ توڑ دیا اور ان پر پل پڑے۔

یہ ہوتا ہے اس طائفہ کا انداز جو آج تک جاری ہے۔ جو اپنے مزعومات و خرافات کے خلاف کوئی لفظ سننا گوارہ نہیں کرتے اور جو کوئی ان خرافات کے خلاف کچھ لکھتا بولتا ہے اس پر سخت برہم ہو جاتے ہیں۔ ضعیف و موضوع روایات نے امت کو بڑا نقصان پہونچایا ہے اور اس سے بڑے بُرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ کاش ہمارے پیشہ ور واعظین اسے سمجھیں اور عامتہ المسلمین کو بھی اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ دے۔

مولانا رفیق احمد سلفی
معہد ام سلمہ للبنات، دہلی

ظن ـــ اصول حدیث کی ایک اہم تعبیر

اشتقاق : ظَنَّ يَظُنُّ (نصر) کا مصدر ہے کبھی مصدر ہو کر استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسم، جب اسم کے معنی میں ہو تو اس کی جمع "ظنون" آتی ہے اسی سے ایک لفظ "مظِنّة " (بکسر الظاء) بنا ہے جس کے معنی ہیں: ایسی جگہ جہاں شئی کے وجود کا گمان اور خیال ہو۔ ابن فارس کہتے ہیں:

"مِظِنّةُ الشيئ : موضعه ومألفه" "یعنی شی کا مظِنہ اس کے پائے جانے کی جگہ اور اس کی جائے انس ہے اسی سے ایک لفظ ظِنّة آتا ہے جس کے معنی تہمت کے ہیں۔" (۱)

لغوی مفهوم : ظن لغت میں شک، یقین، تہمت اور اٹکل اور تخمین کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض ائمہ لغت نے اسے اضداد میں شمار کیا ہے۔ صاحب کلیات لکھتے ہیں:

"ان الظن من الاضداد لانه يكون يقينا ويكون شكا كالرجاء يكون امناً وخوفاً" (۲)

"یعنی ظن اضداد میں سے ہے کبھی یقین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی شک کے جیسے رجاء کبھی امن کے معنی میں آتا ہے اور کبھی خوف کے"

قرآن کریم میں وارد معانی

قرآن کریم میں یہ لفظ اپنے مختلف اشتقاقات کے ساتھ ان کے سبھی معانی میں استعمال ہوا ہے، صاحب تاج العروس لکھتے ہیں:

"وفي البصائر قد ورد الظن مجملاً على اربعة اوجه بمعنى اليقين وبمعنى الشك وبمعنى التهمة وبمعنى الحسبان" (۳)

"یعنی بصائر میں ہے کہ لفظ ظن چار وجہوں پر وارد ہوا ہے یقین کے معنی میں، شک کے معنی میں، تہمت کے معنی میں اور وہم وخیال اور اٹکل و تخمین کے معنی میں۔

پھر انہوں نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں چند آیات کا ذکر کیا۔ جن میں یہ لفظ الگ الگ معانی میں استعمال ہوا ہے" یہاں ہم چند آیات ذکر کریں گے اور معتبر ائمہ تفسیر اور ائمہ لغت کے اقوال سے ان کے معانی کی نشاندہی کریں گے۔

۱. "قال الذين يظنون انهم ملاقوا الله كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين"

(البقرة : ۲٤۹) یہ آیت طالوت وجالوت کے قصہ کے سیاق میں وارد ہے۔اس آیت کے ضمن میں ابوعبداللہ القرطبی لکھتے ہیں:

"الظن هنا بمعنى اليقين"(۴) "یعنی ظن یہاں یقین کے معنی میں وارد ہے"

۲. "وما هو على الغيب بظنين" (بالظاء)

ابوعبداللہ القرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"بالظاء قرء اة ابن كثير وابى عمر ووالكسائى اى بمعنى التهمة والظنة التهمة قال الشاعر:

اما وكتاب الله لا عن شنائة هجرت ولكن الظنين ظنين (۵)

یعنی یہ ابن کثیر، ابوعمرو اور کسائی کی قراءت ہے اور تہمت کے معنی میں ہے ظنۃ تہمت کو کہتے ہیں شاعر کہتا ہے:

"اللہ کی کتاب کی قسم مجھے اس لیے نہیں چھوڑا گیا کہ مجھے اس سے واقعی عداوت تھی بلکہ مجھے متہم کیا گیا ہے کہ میں اس کا دشمن ہوں"

۳. "سيقول الذين أشركوا لو شاء الله ما أشركنا ولا آباؤ نا ولا حرمنا من شئى كذلك كذب الذين من قبلهم حتى ذاقوا باسنا قل هل عندكم من علم فتخرجوه لنا. ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون". (الانعام : ۱٤۸)

اس آیت میں ظن کے معنی بے سر وپا بات کے ہیں جسے انسان صرف اپنے وہم وگمان سے فرض کرلے اور جس کی صحت پر کوئی دلیل نہ ہو اور یخرصون کے لفظ سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ 'خرص" اندازے اور تخمینہ سے کسی امر کے متعلق فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں۔امام اللغۃ والتفسیر جاراللہ زمخشری لکھتے ہیں:

"الظن الوهم والخيال" "یعنی یہاں ظن کے معنی وہم اور خیال کے ہیں"

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"المراد باظن هنا الاعتقاد الفاسد" (٦) "یعنی ظن سے مراد یہاں اعتقاد فاسد ہے"

سلف کے یہاں ظن کا مفہوم

صحابہ وائمہ سلف کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظن کا استعمال عام طور سے اسی آخری معنی میں کرتے تھے۔

حضرت عمر نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: لوگو! دین کے بارے میں رائے تو بس رسول اللہ ﷺ کی تھی "انما هو منا الظن والتكلف"،ہم تو صرف اٹکل کے تیر لگاتے ہیں اور تکلف کرکے خیال قائم کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر کو جس کسی معاملہ میں کتاب وسنت میں کوئی فیصلہ نہ ملتا تو وہ فرماتے :

"ان شئتكم اخبرتكم بالظن" (۷) یعنی اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے ظن اور اٹکل سے بتلادوں۔

قرآن مجید میں رائے زنی کی ممانعت اسی معنی میں آئی ہے یعنی محض اپنی عقل سے کسی شرعی بنیاد کے بغیر کسی بات کے کہنے پر۔

آیت کریمہ "يايها الذين آمنوا اجتنوا كثيرا من الظن" میں اسی ظن سے روکا گیا ہے اور تمام ظنون سے نہیں اسی

وجہ سے "ان بعض الظن اثم" کہہ کر ظن کی بعض صورتوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

اصطلاحی معنی : اہل منطق اور اہل اصول کی اصطلاح میں ظن اس اعتقاد کو کہتے ہیں جس کی صحت کا پہلو وزنی ہو اگرچہ اس کے غلط ہونے کا احتمال باقی ہو۔ امام جرجانی رقم طراز ہیں:

"هو الاعتقاد الراجح مع احتمال النقيض." (۸)

یعنی ظن اس اعتقاد راجح کا نام ہے جس میں نقیض کا احتمال بھی پایا جاتا ہو۔"

اور بعض لوگوں نے ظن کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

"هو احد طرفي الشك بصفة الرجحان" (۹) یعنی شک کے دونوں طرفوں میں سے ایک جو رجحان کی صفت سے متصف ہو ظن کہلاتا ہے۔"

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں:

"ظن اس تردد راجح کا نام ہے جو اعتقاد غیر جازم کے طرفین کے مابین پایا جاتا ہے۔" (۱۰)

یہاں اختصار کے ساتھ ان الفاظ سے بھی بحث ضروری ہے جو کسی نہ کسی معنی میں لفظ ظن سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ تین الفاظ ہیں۔ شک، وہم اور یقین۔

شک : اصطلاح میں دو نقیضوں کے درمیان تردد کو بایں طور کہ کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہ ہو شک کہا جاتا ہے۔ (۱۱) شک کا ظن سے تعلق یہ ہے کہ شک میں دونوں جانب مساوی اور ہم پلہ ہوتے ہیں جب کہ ظن میں دونوں جانبوں میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور ساتھ ہی دوسرے کا احتمال بھی موجود ہوتا ہے اور اگر دوسرے کے احتمال کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ظن غالب کہلاتا ہے جو یقین کے ہم پلہ ہے۔ (۱۲)

وھم : کے معنی دل میں گزرنے والے خیال اور وسوسہ کے ہیں اور اصطلاح میں طرف مرجوح کو جو ظن کے مقابل میں ہوتا ہے وہم کہتے ہیں۔ (۱۳)

یقین : کے لغوی معنی نظر واستدلال سے حاصل علم کے ہیں، اسی وجہ سے باری تعالیٰ کے علم کو یقین کا نام نہیں دیا جاتا اور اصطلاح میں شئی کے وقوع یا عدم وقوع سے متعلق دل کے جزم کو یقین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۱۴)

ظن كا مفهوم فقهاء كے نزديك

ظن فقہا کے نزدیک شک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، صاحب کلیات لکھتے ہیں:

"ان الظن عند الفقهاء من قبيل الشك لأنهم يريدون به التردد بين وجود الشئي وعدمه سواء استويا اوترجع احدهما" (۱۵) یعنی ظن فقہا کے نزدیک شک کے قبیل سے ہے کیونکہ وہ اس لفظ سے شئی کے وجود وعدم کے درمیان تردد مراد لیتے ہیں عام اس سے کہ اس کے دونوں طرف برابر ہوں یا ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح حاصل ہو۔

فقهاء نے حكم تكليفي كے اعتبار سے ظن كي چار صورتيں بتائي هيں

۱۔ محظور یعنی جس کی ممانعت آئی ہو۔ ۲۔ مامور بہ یعنی جس کا حکم دیا گیا ہو۔ ۳۔ مندوب الیہ یعنی جس کی صرف ترغیب دلائی

گئی ہو حکم نہ دیا گیا ہو۔ ۴۔ مباح

ظن محظور : اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ظن منع ہے جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "**لایموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ. (۱۶)**

اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"**انا عند ظن عبدی فلیظن بی ماشاء" (۱۷)**

اسی طرح ان مسلمانوں کے حق میں سوء ظن ممنوع ہے جن کا ظاہر حال عدالت ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔"**ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث" (۱۸)**

ظن مباح جیسے نماز کی رکعتوں میں شبہ ہو جانا اس صورت میں ظن غالب پر عمل کرنے کا حکم ہے اور ظن مندوب الیہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ وہ حسن ظن ہے جس کی ترغیب آئی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا۔

اوپر کی اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظن اہل منطق اور اہل اصول کی اصطلاح میں اگرچہ ایک خاص قسم کے ادراک کا نام ہے جو شک، وہم اور یقین کے خلاف ہے لیکن علمائے لغت اور اہل فقہ کی تصریح کے مطابق ظن علم، یقین، شک، وہم اور کذب سب کو عام ہے اور سب کے ساتھ وہ جمع ہو سکتا ہے اب رہا یہ فیصلہ کہ کون سا ظن علم ویقین میں داخل ہے اور کون سا شک ووہم میں تو اس کا فیصلہ کلام کے سیاق وسباق کو دیکھ کر علامات ونشانات اور دلائل و قرائن کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

"**الظن اسم لما یحصل عن امارۃ ومتی قویت ادت الی العلم ومتی ضعفت جدا لم یتجاوز حدا لوھم" (۱۹)** "یعنی ظن اس خیال کو کہتے ہیں جو علامات دیکھ کر دماغ میں پیدا ہوتا ہے اب اگر قوی ہو گیا تو علم بن جاتا ہے اور اگر بہت کمزور رہا تو وہم کے مرتبہ سے آگے نہیں جاتا"

ابن انباری کہتے ہیں ثعلب کا بیان ہے :

"عرب ظن کو علم بھی قرار دیتے ہیں اور شک اور کذب بھی۔ اگر علم کے دلائل قائم ہوں اور وہ شک کے دلائل سے زیادہ ہوں تو ظن بمعنی یقین ہو گا اور اگر یقین اور شک دونوں کے دلائل برابر ہوں تو شک کے معنی میں ہو گا اور اگر شک کے دلائل یقین کے دلائل سے زیادہ ہوں تو ظن کذب کے معنی میں ہو گا۔ "**ان ھم الا یظنون**" میں "**یظنون**" "**یکذبون**" کے معنی میں ہے"

علامہ ابوالبقاء یعیش بن علی بن یعیش، زمخشری کی مفصل کی شرح میں لکھتے ہیں :

"**الظن أن یتعارض دلیلان ویترجح احدھما علی الآخر وقدیقوی المرجح فیستعمل بمعنی العلم والیقین نحو قولہ تعالیٰ "الذین یظنون انھم ملاقوا ربھم"(۲۰) (ابن یعیش ص ۷۷ ج۲)** "دو دلیلوں کے متعارض ہونے اور ان میں سے ایک کے دوسرے پر راجح ہونے کو ظن کہتے ہیں اور جب مرجح قوی ہو تو اسے علم ویقین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ابن منظور فرماتے ہیں:

"الظن شك ويقين الا أنه ليس بيقين عيان انما هو تدبر" (۲۱) "یعنی ظن یقین اور شک دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہ یقین استدلالی ہوتا ہے عینی نہیں"

ائمہ لغت کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظن علم و یقین اور شک و تخمین دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے البتہ ظن سے جو یقین حاصل ہوتا ہے عینی کے بجائے استدلالی ہوتا ہے یعنی دلائل و قرائن میں بحث و نظر اور غور و خوض کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

یہیں سے اس واہمہ کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے جسے منکرین حدیث نے اخبار آحاد کی حجیت کے خلاف سب سے مضبوط اور مستحکم دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہیں اور دین کی بنا ظنیات پر نہیں رکھی جاسکتی ہے اور پھر ظن کی مذمت میں آیات و احادیث کی ایک لمبی فہرست پیش کر دی جاتی ہے حالانکہ اس اعتراض کی حیثیت ایک علمی سفسطہ اور مغالطہ سے زیادہ نہیں، حیرت ہوتی ہے کہ اس مغالطہ نے مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی جیسے بابصیرت اور صاحب فکر و نظر علماء کو دھوکہ میں ڈال دیا اور اخبار آحاد سے استناد کے سلسلہ میں ان کے نقطۂ نظر میں غلط فہمیاں راہ پا گئیں اور آحاد کے تعلق سے ان کا موقف واضح اور صاف نہ ہو سکا جسے محض ظن کے معانی و مفاہیم اور اس کے وسیع تناظر میں متقدمین علماء و ائمہ محدثین کے یہاں اس کے استعمالات سے ناواقفیت ہی کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔

اب ہم یہ بتائیں گے کہ محدثین ظن کو کس معنی میں استعمال کرتے ہیں اور اخبار آحاد کی ظنیت کے کیا معنی ہیں اور دین میں ظنیات سے استناد کی کیا حیثیت ہے؟

ائمہ محدثین کی نظر میں ظن کا مفہوم

ائمہ محدثین کے نزدیک ظن علم کے اس مرتبہ کا نام ہے جو بداہت سے کم ہو اس اعتبار سے علم نظری اور اس کے جملہ مراتب اس کے دائرہ مفہوم میں شامل ہو جاتے ہیں اسی بنا پر محدثین اخبار آحاد میں قرائن صدق موجود ہوں تو ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے اسے ظن سے تعبیر کرتے ہیں۔ان کے نزدیک خبر متواتر مفید للعلم ہے یعنی اس سے علم بدیہی حاصل ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے رجال میں غور و فکر اور چھان پھٹک کی ضرورت نہیں پڑتی اور آحاد مفید للظن ہیں یعنی ان سے علم نظری حاصل ہوتا ہے اس تناظر میں اگر غور کیا جائے تو آحاد کی ظنیت کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی صحت حواس ظاہرہ سے ثابت نہیں، بلکہ عقلی دلائل سے ثابت ہے ائمہ حدیث نے رجال کے احوال اور قرائن سے استدلال فرما کر بحث و نظر اور عقل و شعور سے احادیث کی صحت کو ثابت کیا ہے اور یہ علم و یقین عینی اور سمعی نہیں بلکہ اس سے ایک درجہ کم ہے۔

ظن کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ اٹکل اور تخمین پر مبنی ہے، لہٰذا وہ لائق استناد نہیں، آمدی فرماتے ہیں:

"والمختار حصول العلم بخبره اذا احتفت به القرائن" (۲۲) یعنی مختار مذہب یہی ہے کہ جب قرائن حاصل ہوں تو علم حاصل ہوگا۔

اگر وہ مفید للظن ہونے کی وجہ سے لائق استناد نہ ہوتیں تو ائمہ حدیث انہیں موجب للعمل ہرگز نہ قرار دیتے کیونکہ

"لاعمل الا عن علم" ابن حزم لکھتے ہیں:

والقسم الثانی من الاخبار مانقله الواحد من الواحد فهذا اذا اتصل برواية العدول الی رسول اللهﷺ وجب العمل به ووجب العلم بصحته ایضا" (۲۳) یعنی جب ایک راوی دوسرے سے اتصال کے ساتھ نقل کرے اور یہ عادل ہوں تو اس پر عمل واجب ہے اور اس کی صحت پر یقین بھی ضروری ہے"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"فصح بهذا اجماع الامة کلها علی قبول خبر الواحد الثقة عن النبی ﷺ" (۲٤) یعنی خبر واحد صحیح کے قبول پر پوری امت کا اجماع ہے"

آگے وہ مزید فرماتے ہیں:

"قد ثبت عن ابی حنیفة ومالك والشافعی واحمد وداؤد وجوب القول بخبر الواحد وهذا حجة علی من قلد احدهم فی وجوب القول بخبر الواحد" یعنی ائمہ اربعہ اور داؤد ظاہری سب خبر واحد کے قبول پر متفق ہیں اور یہ ان کے اتباع پر حجت ہے"

قرآن کریم کی درج ذیل دو آیتیں بھی اسی پر دال ہیں:

۱. "فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون" (۲٦)

طائفة: لغت میں کسی چیز کے ایک حصہ کو کہتے ہیں اس لیے کہ اس کا اطلاق ایک شخص سے لے کر جماعت تک کیا جا سکتا ہے لہٰذا آیت بالا کی رو سے ہر جماعت کا فرض ہے کہ جب ایک شخص یا کوئی جماعت ان کو دین کی باتیں پہنچائے تو وہ ان کو قبول کریں اور مانیں۔

۲. "یا أیها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا." (۲۷)

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے خبر واحد کو قبول کیا ہے اگر ایک شخص کی خبر قابل قبول نہ ہوتی تو اس کو تحقیق کے بجائے رد کرنے کا حکم ہوتا۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اعمال میں آحاد سے استدلال درست ہے، لیکن اصول اور عقائد میں درست نہیں۔ اہل حدیث اس تفریق کے بھی قائل نہیں، وہ اعمال اور عقائد دونوں میں خبر واحد کو حجت مانتے ہیں۔ اس موضوع پر محدث عصر علامہ البانی حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ "الحدیث حجة بنفسه فی العقائد والاحکام" میں تفصیل سے بحث کی ہے اور اعمال وعقائد دونوں میں خبر واحد کی حجیت کو نہایت مضبوط اور محکم دلائل سے ثابت کیا ہے۔

ان ساری تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ خبر واحد اگر محتف بالقرائن ہو تو اس سے علم یقینی ونظری حاصل ہوگا۔ ائمہ محدثین نے نظر واستدلال سے حاصل اسی یقینی علم کو ظن سے تعبیر کیا ہے۔

اب رہا دین میں ظنیات سے استناد واعتبار کا مسئلہ تو حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے بیشتر احکام ومسائل کی بنیاد ظن غالب

ہی پر ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں :

"ان للظن حالتين حالة تعرف وتقوى بوجه من وجوه الادلة فيجوز الحكم به وأكثر أحكام الشريعة مبنية على غلبة الظن كالقياس وخبر الواحد وغير ذلك من قيم المتلفات وأروس الجنايات، والحالة الثانية أن يقع في النفس شئي من غير دلالة فلايكون اولىٰ من ضده فهذا هو الشك فلايجوز الحكم به وهو المنهي عنه (۲۸) في قوله 'ياايها الذين آمنوا اجتنبو كثيرا من الظن' (۲۹) وفي قول النبي 'اياكم والظن فان الظن اكذب الحديث. (۳۰)

یعنی ظن کی دو حالتیں ہیں ایک وہ جس کی تائید و معرفت دلائل سے ہوتی ہو اس قسم کے ظن کی بنیاد پر حکم لگانا جائز ہے، قیاس خبر واحد تلف شدہ اشیاء کی قیمتیں جنایات اور دیت وغیرہ اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔ دوسری وہ حالت جو دل میں بغیر کسی دلالت کے یوں ہی آجائے تو اس کو دراصل شک کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد پر کوئی حکم لگانا درست نہیں۔ یہی وہ ظن ہے جس سے آیت کریمہ "يا ايها الذين آمنوا اجتنبو كثيرا من الظن" اور حدیث نبوی "اياكم والظن فان الظن أكذب الحديث" میں منع کیا گیا ہے"۔

"اياكم والظن" کی تشریح میں نوویؒ اور خطابیؒ نے لکھا ہے :

"یہاں ظن سے مراد وہ ظن نہیں جس پر بیشتر احکام کا دارومدار ہے، بلکہ مراد ایسا ظن ہے جو مظنون بہ کے لیے باعث ضرر ہو، اسی طرح وہ ظن مراد ہے جو دل میں بغیر کسی دلیل کے کھٹکے اور یہ ایسے وسوسے اور خیالات ہوتے ہیں جن پر انسان کو قدرت نہیں ہوتی، (۳۱) اس کی تائید یہ حدیثِ نبوی کرتی ہے "ان الله تجاوز لامتي ماحدثت به أنفسها" (۳۲)

مشہور فقہی ضابطہ ہے "لاعبرة بالظن البين خطؤه" (۳۳) یعنی اس ظن کا اعتبار نہیں جس کا غلط ہونا واضح ہو، اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس ظن کی صحت دلائل و قرائن سے ثابت ہو اس پر اعتماد و استناد شریعت میں معتبر ہوگا۔ امام شاطبی فرماتے ہیں :

"العمل بالظن ثابت في تفاصيل الشريعة" (۳۴) "شریعت کی تفصیلات میں ظن پر عمل کرنا ثابت ہے۔"

قضا، تحکیم، شہادت وغیرہ شریعت کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جو محض ظن پر مبنی ہیں۔ بلکہ دین ودنیا کے بیشتر مصالح کا حصول اور مفاسد کا دفع وازالہ ظن ہی پر مبنی ہے۔ حافظ عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام فرماتے ہیں :

"دین ودنیا کے برکات کے حصول اور ان کے مفاسد کے دفعیے اور ازالہ کے تمام ذرائع ظنی ہیں دین ودنیا کے مصالح کی تحصیل اور ان کے مفاسد سے بچنے میں بظاہر اعتماد ظن ہی پر کیا جاتا ہے، یہ مصالح ایسے ہیں کہ اگر وہ پورے نہ ہوں تو دین ودنیا دونوں کا معاملہ بگڑ جائے۔ اسی طرح مفاسد کا اگر ازالہ نہ ہو تو تباہی مچ جائے، ان سب کے عمومی ذرائع ظنی ہیں، قطعی نہیں، آخرت کے لیے جو اعمال کیے جاتے ہیں ان میں ضروری نہیں کہ انجام صحیح ہوں، یہ تمام اعمال حسن ظن ہی کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں اور یہ خطرہ باقی رہتا ہے کہ یہ عمل قابل قبول نہ ہو۔ قرآن عزیز نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔ "والذين يؤتون ماآتوا وقلوبهم وجلة انهم الى ربهم

راجعون." (المئومنون) (۳۵)

اسی طرح دنیا کے بیشتر کاروبار بھی حسن ظن ہی پر قائم ہیں، لوگ تجارتی سفر حسن ظن ہی کی بنا پر کرتے ہیں کہ وہ صحیح وسلامت رہیں گے اور ان کو نفع ہوگا، کاروباری لوگ گھروں سے یہ حسن ظن ہی لے کر نکلتے ہیں کہ انہیں کام ملے گا اور فائدہ ہوگا، کسان کھیتی باڑی اس حسن ظن ہی کے بنا پر کرتا ہے کہ اسے اس سے آمدنی ہوگی، اونٹ اور خچروں کے مالک بھی یہ حسن ظن ہی لے کر نکلتے ہیں کہ انہیں اجرت میسر آئے گی، بادشاہ اسی خیال سے لشکر کشی کرتے ہیں کہ انہیں فتح ہوگی، حکومتیں قلعے اسی حسن ظن کی بنا پر تعمیر کرتی ہیں کہ ان سے فوج اور اسلحوں کا بچاؤ ہوگا، سفارشیں اسی لیے کہ جاتی ہیں کہ شاید وہ قبول کرلی جائیں، علماء اسی ظن سے علوم حاصل کرتے ہیں کہ انہیں امتیازی مقام حاصل ہوگا، مناظر اور مجتہد ادلہ میں زیادہ تر اعتماد ظنیات پر ہی کرتے ہیں، بیمار بھی علاج اسی لیے کرتا ہے کہ ہو سکتا ہے اسے شفا حاصل ہو۔ یہ سارے ظنون عموماً صحیح اور درست واقع ہوتے ہیں۔ محض اس بنیاد پر کہ کبھی یہ غلط اور خلاف واقع بھی ہو سکتے ہیں، ان تمام مصالح کو معطل اور نظرانداز کردینا سراسر حماقت اور جہالت ہے۔

اخیر میں خلاصۂ کلام کے طور پر یہاں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ کا یہ قول نقل کردینا مناسب ہوگا کہ:

"ائمہ حدیث نے حدیث پر تنقید، تصحیح اور تضعیف کی بنیاد عام دنیا کے مقابل میں کہیں زیادہ یقینی امور پر رکھی ہے، اس کے باوجود انہوں نے اصطلاح کے لیے ظن کا لفظ پسند فرمایا: جسے منکرین حدیث نے شک وشبہ کے معنی میں لے کر اس کا انکار کردیا ہے، یہ غلطی زبان اور اس کے تصرفات سے لاعلمی کی بنا پر ہوئی ہے"۔(۳۶)

حواشی

(۱) الصحاح واللسان والمصباح
(۲) الکلیات لابی البقاء الکفوی ۳/۱۷٤ ط. دمشق، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۱۲٤ ط. دارالفکر
(۳) تاج العروس للزبیدی
(٤) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۳ ص ۱٦۷
(۵) " " ج ۱٦ ص ۱۵۷
(٦) تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر ۲/۱۸٦
(۷) اعلام ج ۱ ص ٤۹
(۸) التعریفات للجرجانی
(۹) " "
(۱۰) تاج العروس للزبیدی
(۱۱) التعریفات للجرجانی
(۱۲) " "
(۱۳) شرح البدخشی ۱/۲۵ ط. صبیح
(۱٤) شرح المجلة للأتاسی ۱/۱۸
(۱۵) الکلیات لابی البقاء الکفوی ۳/ ۱۷٤ ط. دمشق الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/ ۱۲٤ ط. دارالفکر
(۱٦) مسلم ٤/ ۲۲۰٦
(۱۷) بخاری مع الفتح ۱۳/۳۹۵ مسلم ٤/۲۰٦۱ ط اولیٰ دارالحدیث قاهره
(۱۸) بخاری مع الفتح ۱۰/٤۸٤مسلم ٤/۱۹۸۵ حدیث ابوهریره
(۱۹) مفردات القرآن للراغب الاصفهانی
(۲۰) ابن یعیش ۲/۷۷
(۲۱) لسان العرب ۱۳/۲۷۲
(۲۲) الاحکام للآمدی ۲/۵۰
(۲۳) الاحکام لابن حزم ۱/۱۰۸
(۲٤) " " ۱/۱۱٤
(۲۵) " " ۱/۱۱۸
(۲٦) التوبة : ۱۲۲
(۲۷) الحجرات : ٦
(۲۸) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱٦/۲۱۷
(۲۹) الحجرات : ۱۲
(۳۰) البخاری مع الفتح ۱۰/٤۸٤ مسلم ٤/۱۹۸۵ حدیث ابوهریره
(۳۱) صحیح مسلم بشرح النووی ۱٦/۱۱۸، ۱۱۹
(۳۲) البخاری مع الفتح ۱۱/ ۵٤۸، ۵٤۹ مسلم ۱/ ۱۱٦ حدیث ابوهریره
(۳۳) المنثور ۳/۳۵۳ ط الادمی الاشباه والنظائر لابن نجیم وحاشیة الحموی ۱/۱۹۳ ط العامرة الاشباه والنظائر للسیوطی ص ۱۵۷ ط العلمیة
(۳٤) الموافقات ۳/۲٦
(۳۵) قواعد الاحکام لمصالح الانام ص : ۱۰
(۳٦) حجیت حدیث لشیخ الحدیث محمد اسمعیل السلفی ط اسلامك پبلشنك هائوس لاہور۔ ص : ۳۸

مولانا سلطان احمد اصلاحی
ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

نصوص قرآن و سنت اور فقہی تصلّبات

عنوان کی تبدیلی

سب سے پہلے عنوان کی تبدیلی کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ منتظمین سیمنار کی طرف سے دیا گیا عنوان تھا 'احادیث رسولؐ اور فقہی تعصّبات، اس عنوان میں اوپر کی تبدیلی ضروری معلوم ہوئی۔ اس لیے کہ امت کی تاریخ میں فقہ کے دائرے میں آکر اگر نصوص دین کے معاملے میں بد قسمتی سے کسی قسم کی عصبیت اور جانب داری کا معاملہ ہوا ہے تو یہ صرف احادیث کے ساتھ خاص نہیں ہے، کتاب اللہ بھی اس میں اسی طرح اپنے آپ شامل ہو جاتی ہے۔ یعنی کہ ہمارے فقہ کے مال دارترین ورثہ میں جو چیز محل اختلاف بنی ہے جس کی وجہ سے نت نئی فقہی آراء وجود میں آئیں اور مختلف فقہی مکاتب قائم ہوئے، جس میں بعد میں بجا طور پر مسلکی عصبیتیں اور جانب داریاں بھی شامل ہو گئیں تو تاریخ فقہ اسلامی کے اس ظاہرہ میں صرف احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اختصاص نہیں، کتاب الٰہی کے نصوص اور مخصوص آیات قرآنی بھی اس میں اپنے آپ شامل ہو جاتی ہیں۔ فقہ، قرآن و حدیث کے علاوہ کسی تیسری چیز کا نام نہیں۔ بلکہ یہ انہی کے نصوص ہیں جنہیں ایک خاص ترتیب سے جمع کر دیا گیا ہے۔ کچھ احکام ہیں جو قرآن و حدیث سے صاف و صریح نکلتے ہیں تو انہیں اسی طرح لے لیا گیا ہے۔ دوسرے نصوص قرآن و سنت جو ان سے باریک استدلال کا تقاضا کرتے ہیں تو ان کے سلسلے میں اس کو کام میں لایا گیا ہے۔ ان دونوں ہی دائروں میں نصوص کا تنوع، ان کے درمیان ترجیح و انتخاب اسی طرح ان سے استدلال و استنباط کی مختلف و متنوع جہتیں، یہ وہ اسباب و عوامل ہیں جو ہماری فقہ کی تاریخ میں مختلف فقہی مذاہب کی بنیاد اور نوع بنوع آراء اور مسالک کا منبع و مصدر ہیں۔ اس اختلاف اور تنوع کا تیسرا دائرہ اس سے آگے کا ہے جہاں متعلق مسئلہ یا پیش آمدہ نازلہ میں قرآن و سنت کا کوئی صریح یا غیر صریح حکم نہیں ہوتا ہے تو وہاں منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کیا جاتا ہے اور معلوم حکم شرعی سے نامعلوم حکم کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ فطری طور پر فقہ کے اس دائرے میں اجتہاد و نظر کا دخل مزید بڑھتا اور اسی نسبت سے مسالک و آراء کے تنوع اور تعدد کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال استنباط مسائل کے ان تینوں ہی دائروں میں امت اپنی تاریخ کے کسی مرحلے میں بد قسمتی سے اگر جانب داری اور عصبیت کے مرض میں مبتلا ہوئی ہے تو یہ صرف احادیث رسول ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ جیسا کہ گزرا، نصوص قرآنی اور کتاب اللہ کی آیات مقدسہ اس میں اپنے آپ شامل ہو جاتی ہیں۔ اس پس منظر میں دئے گئے عنوان میں اوپر کی تبدیلی ضروری معلوم ہوئی جسے امید ہے کہ نہ صرف یہ کہ گوارا کیا جائے گا بلکہ ان شاء اللہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی عنوان کے تعصبات کو تصلبات کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس سے بھی اس کے حسن میں اضافہ ہوگا۔ اس ضروری توضیحی تمہید کے بعد اب اصل مضمون پر نگاہ ڈالنی چاہئے۔

ناگزیر حسن ظن

اسی تمہید سے موضوع زیر نظر کا دوسرا اہم ترین نکتہ ابھرتا ہے اور وہ ہے اس امت، اس کے ائمہ اعلام اور اس کے فقہائے عظام کے ساتھ ناگزیر حسن ظن۔ اس وضاحت کے بعد کہ امت کی فقہی تاریخ میں مسلکی عصبتیں صرف احادیث نبویؐ کے ساتھ خاص نہیں ہو سکتیں استنباط مسائل کے اولین ماخذ کتاب اللہ کا اس میں اپنے آپ شامل ہونا واضح ہے، دوسری ضروری ترین توضیح یہ کہ یہ امت تدوین فقہ کے اپنے اولین ادوار میں استنباط مسائل میں صد فی صد بایں معنی جانب داری اور عصبیت سے پاک اور بالکل بے داغ اور بے غبار رہی ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی نص قرآنی یا حدیث نبویؐ کو اپنی پہلے سے سوچی سمجھی رائے کے تابع بنائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآن کی آیت اور نبی ﷺ کی حدیث سے تو مسئلہ کی صورت کچھ اور بنتی ہو لیکن اپنی کسی مصلحت یا رجحان سے اس کے بجائے وہ اس کی دوسری صورت کو اختیار کرے اور فقہ کے نام پر اسی کو امت پر مسلط کرنے کی کوشش کرے۔ یہ اس امت کے ساتھ سب سے بڑی بدگمانی، اس کے خیر امت ہونے کے منافی اور اس کے گمرہی و بے دینی پر متفق ہونے کے مترادف ہے جب کہ معروف و معلوم نصوص قرآن و سنت کی گواہی اس کے برعکس ہے (۱) ادنیٰ درجے کے شک اور شبہے کے بغیر اس امت پر کوئی ایسا دور نہیں گزرا اور نصوص بالا کے تقاضے کے بموجب نہ قیامت تک اس کے اس پر گزرنے کا امکان ہے۔

لیکن ابھی بات مجمل ہے اس کو مزید کھولنے کی ضرورت ہے۔ اس امت کی فقہی مسلکی سیرابی کا سامان چار معروف بڑی نہروں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سے ہوتا ہے۔ جب کہ پانچواں ایسا ہی دھارا عاملین بالحدیث، غیر مقلدین یا ارباب ظواہر کا ہے۔ فقہ و استنباط کے یہ پانچوں دھارے بھی درحقیقت کوئی آزاد، خود کفیل اور مستقل بالذات دھارے نہیں جو الگ الگ جھیلوں سے نکلے ہوں۔ نہیں بلکہ ان سب کا سرچشمہ بس ایک وہی قرآن و سنت ہے۔ اس طرح سے یہ سبھی دھارے مزید تنوعات کے ساتھ جو بعد کی تاریخ میں پردۂ خمول میں چلے گئے، زمانۂ نزول قرآن سے موجود تھے۔ آپ ﷺ کے سائے بلکہ ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں یہ سب کے سب پھلے پھولے اور جماعت صحابہؓ کی خاص خاص ہستیاں اس کے مراجع کے طور پر ابھریں اور زمانۂ نبوت ہی میں ایک طرح سے ان کا یہ اعتبار اور یہ شناخت قائم ہو گئی۔ امت کا کام چلتا رہا اور اس کی فقہی ضروریات پوری ہوتی رہیں تو اس مرحلے میں ان دھاروں کو الگ الگ نہروں کی شناخت بنانے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ بعد کے زمانہ میں جب امت کی فقہی ضروریات بڑھیں تو حفاظت دین کی دوسری بہت سی صورتوں، جمع قرآن، تدوین حدیث، تبیین عقائد وغیرہ کے ساتھ تدوین فقہ کی ضرورت کا احساس ہوا جس کے لیے مشیت ایزدی نے بالخصوص ائمہ اربعہ کی صورت میں وہ جہابذۂ امت منصۂ شہود پر آئے جن کا وجود لاریب ایک طرح کا معجزہ اور اس دین کے برحق ہونے کی علامت ہے۔ ان ائمہ اعلام نے کامل ترین دیانت داری سے تدوین احکام میں قرآن و سنت کے پورے ذخیرے کو اپنے سامنے رکھا اور اپنے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق اپنے نتائج تحقیق سے امت کو مالا مال کیا۔ لاریب اس پورے عمل اور اس کے ایک ایک مرحلے میں ان

کی امانت ودیانت شبہے سے بالا ہے۔ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک راجح اور زیادہ قرین صواب تو کوئی ایک رائے ہو جو کسی خاص آیت یا حدیث سے مستنبط ہوتی ہو۔ لیکن اس کے بجائے کسی دوسری ترجیح سے وہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری رائے اور مسلک کو اختیار کریں۔ ائمہ اربعہ کا آپس کا اختلاف جس کی تفصیل آگے آتی ہے، اس سے بالکل الگ ہے۔ آیت یا حدیث کے انتخاب میں انہوں نے کسی قسم کی عصبیت اور جانب داری کا مظاہرہ نہیں کیا ہے، دوسرے امام / ائمہ سے اختلاف یا ان پر تنقید کی ان کی بنیاد بالکل دوسری ہے اور وہ یہ کہ ان کے اصول تحقیق میں کمی ہے یا یہ کہ آیت یا حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ کمزوری کا شکار ہے۔ آیت سے دوسری بات نکلتی ہے جو اس سے زیادہ درست اور قابل ترجیح ہے۔ یا یہ کہ بنائے استدلال حدیث کسی علت یا ضعف کی شکار ہے۔ دوسری حدیث اس سے زیادہ قوی اور مستند ہے یا یہ کہ اس سے کیا جانے والا استدلال اپنے اندر کمی رکھتا ہے۔ دوسرا استدلال زیادہ مضبوط اور قابل قبول ہے جسے اس امام کے بجائے دوسرے امام نے اختیار کیا ہے۔ بلا شبہ بعد کے ادوار میں یہ تنقید گہری ہوئی اور مسلکی عصبیتیں برگ وبار لائی ہیں۔ لیکن اس کا منشا تمام تر منہج تحقیق واستدلال کے فرق کے ساتھ اس حقیقت نفس الامری کا اعتراف تھا کہ ائمہ مجتہدین کے ذریعہ معیاری ترین انداز میں تدوین مسائل کی خدمت انجام پاجانے کے بعد اب اس بساط کو پھر بالکل نئے سرے سے بچھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ امت کی تشریعی ضرورتوں کے لیے اب اجتہاد فی المذاہب اور ترجیح وانتخاب ہی کافی ہے۔ ہر مسئلہ میں بالکل اور یکجل تحقیق اور امام کے اجتہاد کے بالکل برابر اجتہاد چونکہ ہماری ہمت اور طاقت سے اوپر ہے اس لیے اس وادی پر خار میں قدم نہ رکھنا ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ اس کے بجائے قوت اور صلاحیت کا بہتر استعمال یہ نظر آیا کہ متعلق مسلک کو مزید مدلل اور محقق کیا جائے۔ اور تفریعات مسائل کے ذریعہ اس کے ذخیرے کو زیادہ سے زیادہ مالا مال کیا جائے۔ اس مرحلے پر فکری طور پر بین مذہبی تقابل اور تنقید کو راہ ملنی تھی۔ چنانچہ یہ تنقید ہوئی اور جا بجا اس کا رنگ گہرا ہوا اور اس میں تیزی اور شدت آئی ہے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہ گفتگو مسالک اربعہ کے حوالہ سے ہے۔ پانچواں مسلک 'مسلک اہل حدیث، یا 'سلفی مسلک، اصولی طور پر اس کے لیے باقی چاروں مسالک پر تنقید کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ان کے جس مسئلے یا جس رائے کو اپنی تحقیق کے مطابق وہ خالص قرآن وسنت سے غیر ہم آہنگ دیکھے، اس مسلک کا حق ہے کہ وہ اس کی نشاندہی کرے اور اسے منظر عام پر لائے۔ اس لحاظ سے اصولی طور پر تو بلا شبہ اس کے دائرے میں چاروں معروف مذاہب آتے ہیں۔ لیکن امت کی معلوم فقہی تاریخ میں عملا اس کی نظر عنایت خاص فقہ حنفی پر رہی ہے۔ جس کا ایسا ہی تبادلہ حضرات حنفیہ کی طرف سے ان کے لیے ہوا ہے۔ آج کے حالات میں اس کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہ صورت حال تبدیل ہو۔ امت مرحوم کے ان دونوں حصوں کا آپس میں عمل اور تعامل بڑھے اور محمدی قافلے کے یہ دونوں دھڑے شانہ سے شانہ ملا کر اور دل سے دل جوڑ کر آگے بڑھیں اور آپس میں الجھنے کے بجائے دنیائے انسانیت کو پیغام محمدی سے آشنا کرنے کا بیڑا اٹھائیں۔

مسلکی تعصب کا آغاز

امت کی تاریخ میں بین مسلکی تنقید کے بانی حضرت امام شافعیؒ ہیں جنہوں نے بقول استاذ محترم مولانا سید جلال الدین عمری حفظہ اللہ "فقہ حنفی پر اس قدر تابڑ توڑ حملے کیے کہ وہ دفاعی پوزیشن میں آگئی۔"(۲) فقہ حنفی پر ان کی یہ تنقید

مختلف جزئیات کے حوالہ ہی سے نہ تھی۔ اس سے آگے اس کو انہوں نے اصولی رنگ دیا۔ معلوم ہے کہ فقہ میں استحسان کا اصول فقہ حنفی کے امتیازات سے ہے، حضرت امام شافعی نے اسے نئی شریعت سے تعبیر کیا۔ مصالح مرسلہ کا معاملہ اس سے مختلف نہیں جس کا تینوں فقہوں میں اعتبار ہے۔ لیکن حضرت امام شافعی اسے بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ (۳) نصوص قرآن وسنت اسی طرح قیاس واجتہاد کے حوالہ سے جزئیات کا اختلاف اس امت میں عہد صحابہؓ سے موجود ہے۔ بلکہ وہی دراصل اس کا منبع اور معدن ہیں۔ چنانچہ اس کی بنیاد پر ایک طرح سے ان کے الگ الگ اسکول اور مکاتب فقہ قائم ہوگئے تھے۔ اس سے آگے اس درجہ میں یہ اختلاف خود حنفی اسکول میں موجود دکھائی دیتا ہے۔ جہاں استاد اپنے شاگردوں سے یا استاد شاگرد مل کر اپنے دوسرے شاگرد اور ساتھی سے تابڑ توڑ اختلاف کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات صاحبین کے امام صاحب سے اختلاف پر بڑی حد تک امام شافعی کے رنگ کا اصولی رنگ بھی نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن اصلاً بین مذہبی تنقید کو مستقل فن بنانے کا سہرا اوپر کی تفصیلات کے ساتھ حضرت امام شافعی کے سر جاتا ہے۔ جنہوں نے اس تنقید کو ایک طرح سے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کے لیے بطور وراثت کے چھوڑا۔ اور بلاشبہ ان کے لائق وارثوں نے اس 'میراث' کو دن دونی رات چوگنی ترقی دی۔ جس کے وسیع وعریض تحریری ذخیرے سے آج امت کا فقہی ورثہ مالا مال ہے۔ امت کی تاریخ میں اپنی وسعت اور پھیلاؤ کے لحاظ سے اصل مقابلہ دراصل انہیں دونوں فقہوں میں رہا ہے۔ حنابلہ بہت بعد میں میدان میں آئے ہیں اور حضرات مالکیہ کی دنیا شروع ہی سے ایک طرح سے الگ رہی ہے۔ اس لیے اصل نقد ونظر اور نوک جھونک حضرات حنفیہ اور شوافع میں ہی رہی ہے۔ جس کے نمونوں سے ان کے نمائندہ لٹریچر کے صفحات بھرے ہیں۔ امت کی فقہی تاریخ میں 'صدیقیت' کی شان حضرت امام ابوحنیفہ م ۱۵۰ھ کی ذات میں جلوہ گر ہے۔ جن کا نہ کسی سے مقابلہ ہے، نہ کسی سے رقابت، نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پروا۔ تواضع کا پیکر اور احتیاط وورع میں اپنی مثال آپ۔ صرف اپنے کام سے کام اور دنیا اور اہل دنیا دونوں سے بے نیاز۔ ان کی اس بے لوث شخصیت کا اثر ان کی ذات سے ابلے ہوئے اولین حنفی ذخیرے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ معلوم ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے اپنے ہاتھ سے فقہ میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ (۴) ان کی تمام تر فقہی آراء ان کے دونوں شاگردوں حضرت امام ابویوسفؒ م ۱۸۲ھ اور امام محمدؒ م ۱۸۹ھ خاص طور سے ثانی الذکر نے جمع کی ہیں۔ ان کی چھ زیادہ مشہور اور متداول کتابیں جنہیں 'کتب ظاہر الروایۃ' کے نام سے جانا جاتا ہے، ان میں اس کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے۔ کسی نقد ونظر اور کسی نوک جھونک کے بغیر ان میں صرف مثبت انداز میں اپنے امام کی آراء کا بیان ہے۔ کتاب الاصل، جامع صغیر، جامع کبیر، السیر الصغیر، السیر الکبیر اور الزیادات، معروف متداول ہیں۔ ان پر سرسری نظر ڈال کر بھی اس دعوے کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ حاکم شہید م ۳۳۴ھ نے ان چھوں کتابوں کا متن مزید تنقیح کے ساتھ اپنی کتاب 'الکافی' میں جمع کردیا ہے۔ شمس الائمہ سرخسی م ۵۰۰ھ کی 'المبسوط' اسی کی شرح ہے۔ اس کے صفحات میں بھی اس کی پوری پوری جھلک موجود ہے۔ اسی طرح 'السیر الکبیر' کی سرخسی کی شرح بھی معروف ومتداول ہے۔ اس کے صفحات بھی اسی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ فقہ حنفی میں برہان الدین مرغینانی م ۵۹۳ھ کی 'ھدایۃ' کا زمانہ اس کے بعد کا ہے جسے بلاشبہ فقہ حنفی کی بائبل کہا جاسکتا ہے۔ دیگر امتیازات کے ساتھ اس کا یہ امتیاز بھی بالکل صاف اور صریح ہے کہ اس میں اپنے مسلک اور اس کے دلائل کو تو بلاشبہ پوری تاثیر اور قوت کے ساتھ پیش

کیا گیا ہے۔ لیکن دوسرے مسلک یعنی کہ مسلک شافعی پر کسی قسم کے طنز و تعریض کا ادنیٰ سے ادنیٰ کہیں شائبہ بھی نہیں ہے۔ یہ اس کتاب کا ایسا بڑا امتیاز ہے جس کی کسی دوسرے مکتب فقہ میں نظیر نہیں ہے۔ امام ابو بکر جصاص رازی م ۳۷۰ھ جنہیں بجا طور پر فقہ حنفی کا بیرسٹر کہا جاتا ہے ان کا معاملہ بھی صاحب ہدایہ سے مختلف نہیں ہے۔ اپنی شاہ کار تصنیف 'احکام القرآن' میں انہوں نے کتاب اللہ کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف سے مسلک حنفی کی تائید میں جزرسی اور باریک نظری کی آخری حد کو چھوا ہے۔ لیکن ان کا انداز بیان بھی تمام تر مثبت ہے۔ تنقید اور تعریض کو ان کی بارگاہ میں بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہدایہ کی معروف شروح اکمل الدین بابرتی م ۷۸۶ھ کی 'عنایہ' اور کمال الدین ابن ہمام م ۸۶۱ھ کی فتح القدیر، اسی طرح فقہ حنفی کے دوسرے شاہ کار امام کاسانی م ۵۸۷ھ کی 'بدائع الصنائع' اور ابن نجیم مصری م ۹۷۰ھ کی 'البحر الرائق شرح کنز الدقائق' وغیرہ کا رنگ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ فقہ حنفی کے متون ثلاثہ قدوری، شرح وقایۃ اور کنزالدقائق میں بیچ کی شرح وقایہ کی حال کے علامہ عبدالحئی لکھنوی م ۱۳۰۴ھ کی عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایۃ کے علاوہ دوسری کوئی مبسوط شرح نہیں ہے۔ اس سے ہٹ کر اس کا انداز قدوری اور کنز سے بایں معنی بالکل مختلف نہیں ہے کہ اس میں صرف فقہ حنفی کا مثبت بیان ہے۔ فقہ شافعی پر تنقید میں بالکل زور صرف نہیں کیا گیا ہے۔ حنفی ذخیرۂ فقہ کا دوسرا حصہ فتاویٰ سے متعلق ہے جس میں جزئیات و فروعات کا احاطہ اور استقصاء ہے۔ اس ذیل میں سر فہرست نام 'فتاویٰ قاضی خاں' کا ہے۔ جس کے دائرے کو مزید وسعت بعد کے زمانہ میں فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ شامی سے ملی ہے۔ یہ پورا سلسلہ بھی مثبت جزئیات کے بیان میں ہے۔ دوسرے مسلک پر ان میں کہیں نقد و نظر ہے بھی تو وہ برائے نام ہے جسے آٹے میں نمک کے برابر کہا جا سکتا ہے۔ شامی میں بلا شبہ ایک موقع پر حضرت امام شافعیؒ پر غیر معیاری تبصرہ ہے۔ (۵) کاش کہ یہ کتاب اس سے خالی ہوتی۔ لیکن یہ تبصرہ بالکل ذاتی نوعیت کا ہے۔ بین مسلکی تنقید کے دائرے میں یہ بالکل نہیں آتا ہے۔

دیگر فقہی شاہ کاروں پر ایک نظر

فقہ حنفی پر بہت بات ہو گئی، دیگر فقہی شاہ کاروں پر بھی ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے ہماری نگاہ علامہ ابن رشد قرطبی مالکی م ۵۹۵ھ کی 'بدایۃ المجتهد' پر پڑتی ہے۔ جو امت کے پورے فقہی ذخیرے میں اپنے خاص طرز تصنیف کے باعث بالکل بے جوڑ اور بے مثال ہے۔ افسوس ہے کہ فقہ میں اس طرز تصنیف کو امت میں فروغ نہیں مل سکا۔ چنانچہ آج تک یہ کتاب اپنے طرز تحریر کے لحاظ سے جیسا کہ اپنے آپ میں موجد ہے ویسے ہی اس کی خاتم بھی ہے۔ موجودہ دور میں چاروں فقہوں کا احاطہ کرنے والی عبدالرحمٰن الجزیری م ھ کی 'الفقه على المذاهب الاربعة' کے علاوہ استاذ وہبہ زحیلی کی 'الفقه الاسلامي وادلة'(۶) کے علاوہ مصر اور کویت سے بہ ترتیب شائع ہونے والے فقہی دائرہائے معارف 'موسوعة جمال عبدالناصر' اور 'الموسوعة الفقهية الكويتية' وغیرہ منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں عام طور پر چاروں فقہوں کے علاوہ کم شہرت یافتہ سنی مذاہب فقہ، اہل ظاہر یہاں تک شیعی مکتب فقہ کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ مزید، مسائل کے بیان کے ساتھ ان کے دلائل کا بھی تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک اختلافات فقہ کے سرے کو پکڑنے کا سوال ہے، واقعہ ہے کہ ان موسوعات اور دائرہائے معارف کو شامل کرتے ہوئے بھی ابن رشد قرطبی کی 'بدایۃ المجتهد

و نهاية المقتصد' لاجواب اور بے مثال ہے۔ ایک آیت کریمہ یا اس کے کسی ایک لفظ سے استدلال میں چاروں فقہی مکاتب کا کیا منہج ہے، کس نے اس کی کس ادا کو پکڑا ہے اور کس نے اس کے کس لفظ کو بنائے استدلال قرار دیا ہے جس کی وجہ سے آیت ایک ہوتے ہوئے اس سے مستنبط مسئلہ / مسائل مختلف اور متنوع ہو جاتے ہیں۔ **بداية المجتهد** کے آئینے میں یہ مسئلہ جس طرح نکھرتا اور صاف ہوتا ہے، امت کے پورے چودہ سو سالہ فقہی ذخیرے میں کوئی دوسری کتاب اس کی مثیل اور نظیر نہیں۔ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دائرہ تو فطری طور پر غیر معمولی وسعت اور تنوع کا حامل ہے۔ چنانچہ اس کے حوالہ سے مسائل فقہیہ کا اختلاف مزید ابھرتا اور نمایاں ہوتا ہے۔ صاحب بدایہ یہاں بھی اختلاف کو جس طرح پکڑتے اور اس کا جو ماہرانہ تجزیہ کرتے ہیں، اس کو دیکھ کر طبیعت پھڑکتی اور اس عظیم فلسفی فقیہ کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ سادگی اور بداوت فقہ مالکی کے امتیازات سے ہے۔ یہ اس کی قسمت ہے کہ اس کو ایسا عدیم النظیر فلسفی فقیہ ہاتھ آیا ہے۔ تمام فقہاء کا یکساں احترام اور ان کی آراء اور ان کے دلائل کا دیانتدارانہ بیان اس کتاب کی ایسی ہی دوسری خصوصیت ہے جس میں اس موضوع کی دوسری بہت کم کتابیں اس کی ہم پلہ اور مثیل ہو سکتی ہیں۔ اسی تسلسل میں فقہ کے کچھ اور شاہ کاروں کا تذکرہ ضروری ہے۔ سب سے پہلے نظر فقہ حنبلی کی نمائندہ مختصر خرقی کی ابن قدامہ حنبلی کی شرح 'المغنی' پر پڑتی ہے۔ جو واقعہ ہے کہ اسم بامسمّی اور فقہ میں بڑی حد تک بے نیاز کرنے والی کتاب ہے۔ فقہ کی دوسری دس کتابوں کے مطالعہ سے بھی معلومات کی وہ وسعت اور سیری حاصل نہیں ہوتی جو عام طور پر ایک مغنی کے مطالعہ سے نصیب ہو جاتی ہے۔ ہدایہ مع اس کی شروح، کنز اور اس کی شرح اور شامی وغیرہ سے ایک تو اس کا طرز بیان سہل اور مختلف ہے۔ دوسرے جزئیات کے احاطہ کے ساتھ چاروں فقہوں اور ان کے دلائل کی جو تفصیل اس میں ایک جگہ مل جاتی ہے، دوسری کسی کتاب میں یہ چیز دیکھنے کو نہیں ملتی۔ **بداية المجتهد** کا نام بلا شبہ لیا جا سکتا ہے لیکن وہ مختصر ہے۔ اسی طرح حسن ترتیب اور بیان کی سلاست کے لحاظ سے فقہ حنفی کی بدائع الصنائع کا بھی اس ضمن میں حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ لیکن صاحب بدائع کی نگاہ صرف فقہ حنفی پر مرکوز ہے جیسا کہ اس مکتب فکر کی اکثر کتابوں کا انداز ہے۔ جب کہ صاحب مغنی چاروں طرف دیکھتے ہیں اور فقہ کے کسی کونے سے ان کی نگاہ مشکل ہی سے چوک پاتی ہے۔ جزئیات کے احاطے میں ابن عابدین کی شامی بھی لاجواب ہے جس کے ذخیرۂ معلومات کی وسعت کے اندازے کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ وہ فقہ حنفی کی بہتر کتابوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ (۷) اور اس طرح پورے حنفی ذخیرۂ فقہ کا عطر اس کے اندر سمٹ آیا ہے۔ مغنی سے شامی کی دوسری مناسبت بھی ہے کہ صرف جزئیات کے استقصاء پر انحصار نہ کر کے ادب اور تاریخ وغیرہ کے دوسرے متعلقات سے بھی دونوں میں تعرض کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں بھی مغنی کا امتیاز اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔ شامی کو بس فقہ حنفی سے واسطہ ہے۔ مغنی چاروں فقہوں اور اس کے آگے کا بھی احاطہ کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ صاحب مغنی فقہ حنفی کے پورے لحاظ اور احترام کے باوجود جا بجا حنفیوں کو اہل الرائے اور اہل القیاس کا خطاب دینے سے نہیں چوکتے ہیں۔ (۸) امت کے ادبی ورثے میں جس نے ابن تیمیہ کو نہیں پڑھا اس نے کچھ نہیں پڑھا۔ تفسیر، حدیث، تصوف اور تقابل ادیان کے ساتھ ان کی فقہی خدمات بھی بے مثال اور لاجواب ہیں۔ یہاں بات فقہی تصلب اور تعصب سے گریز کی ہے۔ اس پہلو سے ان کا چھوڑا ہوا فقہی سرمایہ اپنی مثال آپ ہے۔ حدیث کے حوالہ سے احناف پر تنقید کا رنگ ان کے یہاں بھی گو بعض اوقات تیز ہو جاتا ہے۔ (۹) لیکن اس کے باوجود

دیگر مسالک فقہیہ کے ساتھ یہ حضرات حنفیہ کی آراء اور ان کے دلائل کا تذکرہ پورے احترام اور دیانت داری کے ساتھ کرتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں اس امام کے موجود ہوتے ہوئے امت میں اس مقولے کو کس طرح قبول عام حاصل ہو گیا کہ چوتھی صدیِ ہجری کے بعد اس امت میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ (۱۰) 'مطلق مجتہد' کے لیے اصرار نہ بھی درست ہو تو اس امام عظیم کے 'منتسب مجتہد' ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہونا چاہئے۔ فقہ سمیت اوپر کے اسلامیات کے دوسرے تمام دائروں میں ان کے شاگرد ابن قیم پر اپنے استاد کی چھاپ موجود ہے۔ اس کے لیے ان کی فقہی شاہ کار صرف 'اعلام الموقعین' پر نگاہ ڈال لینی ہی کافی ہے۔ اس کتاب کا موضوع ہی اپنی حدود و شرائط کی تفصیلات کے ساتھ تقلید کا رد اور ہر دور اور ہر زمانے میں اجتہاد اور زمانہ کی نبض پر نظر رکھتے ہوئے فتویٰ نویسی اور احکام شرعیہ کی توجیہ و تبیین ہے۔ ظاہر ہے یہ کام بے لچک مسلکی تقلید کے ذریعہ انجام نہیں پا سکتا۔ چنانچہ وہ اپنے خاص مسلک حنبلی پر اکتفاء نہ کر کے اس مقصد سے چاروں فقہوں سے استفادے کے علمبر دار ہیں۔ (۱۱) اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اس دعوے میں پوری طرح سچے اور اپنی بات کو نبھانے میں ہر طرح سے کامیاب ہیں۔ اسلامیات کے اپنے پھیلے ہوئے دوسرے شاہ کاروں میں ان کا رنگ اس سے مختلف نہیں ہے۔ فقہی توسع اور کشادگی کے ان نمونوں کے ساتھ کچھ اس سے مختلف نمونوں پر بھی نگاہ ڈالنی چاہیے۔ بات وہیں پھر زلف دراز حضرات شوافع تک پہنچی۔ امت کی فقہی تاریخ کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ فقہ شافعی کی اٹھان فقہ حنفی سے اس اختلاف کی اساس پر ہوئی کہ اس میں حدیث اور اثر کے بجائے عقل اور قیاس کا استعمال زیادہ ہے۔ اس کے لحاظ سے کوئی تک نہ تھا کہ غزالی اور رازی امام ابو حنیفہ کے حصہ میں نہ آتے۔ لیکن امام شافعی کی قسمت ہے کہ بظاہر احوال ابو حنیفہ کی آنکھ کے یہ امکانی تارے اس کے بجائے امام شافعی کی آنکھ روشن کرتے ہیں۔ امت کے فقہی ورثے کے مطالعہ کا یہ بڑا دلچسپ موضوع ہے کہ عقل و رائے کے مخالف اور استحسان اور مصالح مرسلہ کے غیر قائل حضرات شوافع نازک مسائل میں حضرات حنفیہ سے زیادہ روشن خیال اور لبرل ہیں۔ غزالی تو اس کے سب سے بڑے نمائندے ہی 'امام نووی اور حافظ ابن حجر جیسے خالص شارحین حدیث بھی اس معاملے میں ان سے پیچھے نہیں ہیں۔ البتہ احناف پر تنقید میں ان کی اکثریت یک زبان ہے۔ صاحب تفسیر کبیر امام رازی فقہ حنفی کے بیرسٹر ابو بکر جصاص رازی کی 'احکام القرآن' کی بحث کے حوالہ سے انہیں صاف و صریح لفظوں میں ناسمجھ 'سفیہ' گردانتے ہیں۔ (۱۲) نووی شارح حدیث ہونے کے ساتھ اتنے ہی بڑے فقیہ بھی ہیں۔ صحیح مسلم کی اپنی شاہ کار میں جب وہ جا بجا فقہ حنفی پر چوٹ کرنے سے نہیں چوکتے ہیں تو فقہ میں انہیں اپنے اوپر قابو رکھنے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر کا سوال ہے تو ان کے سلسلے میں ان کے عاشق زار اور ان کی اس بے مثال شرح بخاری کا حرفاً حرفاً تیرہ بار مطالعہ کرنے والے اس دور آخر کے خاتم الفقہاء والمحدثین علامہ انور شاہ کشمیری کا یہ تبصرہ ہی کافی ہے کہ 'رجال حنفیہ کو جتنا نقصان حافظ نے پہنچایا وہ کسی اور سے نہیں پہنچا'۔ (۱۳)

فقہ اسلامی کا ایک اور معتبر دھارا

اس مرحلہ پر نصوص قرآن و سنت کے حوالہ سے فقہی تصلبات کی یہ گفتگو نامکمل رہے گی اگر اس میں امت کے ایک اور معتبر فقہی دھارے کو شامل نہ کیا جائے۔ یہ دھارا آغاز اسلام اور امت کی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور سے ہے۔ یعنی کہ عہد

صحابہ، عہد تابعین و تبع تابعین یا دوسرے لفظوں میں چاروں فقہوں کی تدوین سے پہلے کے عہد تک اسی کا دور دورہ اور امت کا عمل اسی کے مطابق تھا۔ چاروں فقہوں کی طرح اس دھارے کی اصل بھی اسی میں موجود تھی۔ اور اس طرح سے یہ پانچوں فقہی دھارے امت میں ایک ساتھ چل رہے تھے۔ جس میں نہ کہیں کسی کا کسی سے ٹکراؤ تھا۔ نہ کہیں ایک کا دوسرے سے کسی طرح کی اجنبیت اور غیریت کا احساس ہوتا تھا۔ طلاق ثلاثہ کی مثال سے یہ مسئلہ کسی قدر صاف ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کی تحریک سے گو کہ جماعت صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسے اسی طرح چاروں فقہوں میں تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ عہد فاروقی میں صحابہ و تابعین کی ایک جماعت موجود تھی جو مسئلہ کی اصل صورت کی بحالی کی قائل تھی۔ البتہ ان کا تجویز فاروقی سے اختلاف اس درجہ کا نہ تھا کہ وہ برملا اس کے اظہار کو ضروری سمجھیں۔ اور مملکت اسلامیہ میں اس کے اجراء و نفاذ کی راہ میں مزاحم ہوں۔ بدلے ہوئے الفاظ میں اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین قرار دینے کی فاروق اعظمؓ کی تجویز کی امت کے سواد اعظم کی طرف سے تائید اگر اصل لہر (Current) قرار پا گئی تھی تو اس کے ساتھ ہی اس کو ایک ماننے کی رائے بھی امت میں ایک اندرونی لہر (Under Current) کی صورت میں موجود تھی۔ جو بعد کے زمانہ میں کئی سو سال کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کے یہاں نئی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ (۱۴) کسی ایک امام یا خاص مکتب فقہ کی تقلید کے بجائے براہ راست قرآن و سنت سے استناد رکھتے ہوئے شریعت پر عمل کی یہ لہر جو ابتداء اسلام سے امت میں جاری و ساری تھی، آگے کے مرحلے میں امت کے جہابذہ محدثین کے ذریعہ اسے استحکام ملتا ہے۔ بلکہ صحیح تر لفظوں میں اس کی واقعی شناخت قائم ہوتی ہے۔ طبقۂ محدثین میں بالخصوص صحاح ستہ کے مصنفین امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ کو چاروں فقہوں کے عمائدین اور ان کے نمائندوں نے موقع بہ موقع اپنے زمرے میں شامل کرنے اور انہیں اپنا ہمنوا گرداننے کی کوشش کی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ اور ان جیسے دوسرے ائمہ حدیث مجتہد مطلق اور اپنی ذات میں مستقل مکتبہ فقہ ہیں۔ اور مختلف مسائل کے تحت ان کی فقہی آراء کو ان کے قائم کردہ تراجم ابواب کے ذریعہ جانا جا سکتا ہے۔ مشہور مفسر، محدث اور مورخ ابن جریر طبری بھی انصاف کی نظر میں اسی زمرے میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔ ان محدثین کے منظر عام پر آنے سے پہلے عہد عباسی کے علم کلام کے دور شباب میں عام طور پر محدثین کا تذکرہ متکلمین کے بالمقابل بلکہ ان کے رقیب کے طور پر ہوتا ہے۔ اس دور میں جب کہ کلام کی دنیا میں معتزلہ کا دور دورہ تھا، ان کی مخالفت میں علامت کے طور پر حضرت امام احمد ابن حنبل صاحب مسند کا نام لیا جا سکتا ہے۔ بعد کے زمانہ میں جب کہ کسی خاص امام یا مسلک فقہ سے انتساب نہ رکھنے والے طبقۂ محدثین کی مستقل شناخت قائم ہو گئی تو چاروں فقہوں کے ساتھ فقہ اسلامی کے اس پانچویں دھارے کے لیے اپنے وجود کی لڑائی لڑنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ اس کے بعد کی تاریخ میں ایک طرح سے اس دھارے کا مسلک حنبلی سے اتحاد (Alliance) ہو گیا۔ چنانچہ آج یہ دونوں دھارے الگ الگ لیکن شانہ بشانہ ایک ساتھ چل رہے ہیں۔ فقہی تجزیہ نگاروں کے مطابق اپنی روایتی سخت گیری اور شدت پسندی کے باعث امت کی تاریخ میں مسلک حنبلی کو زیادہ فروغ نہیں ملا۔ (۱۵) لیکن موجودہ حالات میں حرمین شریفین کی تولیت کے ساتھ اس کی پاک سرزمین پر اس مسلک کے حاملین کی حکومت قائم ہو جانے کے نتیجے میں اس کی یہ کمی کسی حد تک دور ہو کر اس کو فروغ حاصل ہو رہا اور اس

کے دائرے کو وسعت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ خوش آئند ہے اور خاص دائرے کے اندر اس کے سلسلے میں کسی قسم کے تحفظ اور انقباض کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تاریخ کے ایک خاص دور میں اپنی داخلی خوبیوں کے ساتھ حکومت کی سرپرستی سے اگر مسلک حنفی کو عروج ملا ہے جس کے نتیجے میں مسلم دنیا کی غالب ترین اکثریت اس مسلک کی پیروکار ہے۔ آج کے دور میں اس طرح کی سرپرستی میں مخصوص دائرے میں مسلک حنبلی اور اس کے پہلو بہ پہلو مسلک اہل حدیث کو فروغ مل رہا ہے تو یہ وسیع و عریض حدیقہ محمدیؐ کے ایک گوشے کی وسعت ہے جس سے اس باغ کا اصل مالی پہلے کی طرح خوش ہے۔ چنانچہ اس توسیع میں کچھ وہ کمزوریاں اور خرابیاں در نہ آئیں جن کا آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔ (۱۶) تو اصولی طور پر اس مالی کے پیروکاروں اور فداکاروں کے لیے اس کے پھیلاؤ اور اس کی مقبولیت کے اضافہ میں ادنیٰ درجے میں کسی قسم کی ناگواری اور تردد کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔ یہ اپنے گھر کی ترقی اور خوش حالی ہے جس پر دلی مسرت وانبساط کو ایک طرح سے تقاضائے دین وایمان کہنا چاہیے۔

فقہی تصلب میں اعتدال کی ضرورت

آج سے قریب بیس پچیس سال پہلے طلاق ثلاثہ کی گرمی کے زمانے میں مرحوم مولانا عامر عثمانی م ۱۹۷۵ء نے اپنے مشہور رسالے 'تجلی' میں ایک موقع پر لکھا تھا کہ ''اس امت میں جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے رتبے کی شخصیت تقلید کو توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکی تو کسی اور طرف سے اس سلسلے میں کسی کوشش کی کامیابی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔'' لیکن آج کے حالات میں صورت حال اتنی مایوس کن نہیں۔ اس کی ضرورت تو معلوم نہیں ہوتی اور نہ یہ شاید مطابق مصلحت ہی ہو کہ اس امت سے تقلید کے خاتمہ اور اسے جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوئی مہم چلائی جائے۔ البتہ زمانے اور عرف کی تبدیلی اس کے سلسلے میں اپنے آپ نرمی اور لچک کا مطالبہ کرتی ہے۔ دراصل آج کا یہ دور ہی تقلید اعمیٰ کے بجائے تجزیئے اور تحلیل اور ترجیح وانتخاب کا دور ہے۔ اس تجزیے اور انتخاب میں بعض اوقات غیر عالم اور غیر مجتہد کے لیے بھی اپنے معروف مسلک سے ہٹ کر دوسرے مسلک فقہی پر عمل اس کے لیے راحت اور سہولت کا باعث معلوم ہوتا ہے۔ ہر حال میں اس خواہش کو مذموم ہوائے نفس پر محمول کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ اگر دین میں بالکل بے لچک اور سخت گیر تقلید کی فرضیت اور وجوب کے دلائل کافی اور مطمئن کن نہیں تو اوپر کی کیفیت کے ساتھ خواہش، ضرورت اور جواز کی گنجائش کے باوجود ہر حال میں مخصوص مسلک فقہی پر عمل کے لیے کسی شخص کو مجبور کرنا کیا اس جبر واکراہ کے دائرے میں نہیں آتا جس کی دین میں ممانعت ہے اور جسے 'لا اکراہ فی الدین' کے قرآنی اعلان سے اس کے امتیازات سے شامل کیا گیا ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے۔ اس عمل اور تعامل اور لین دین میں معاملہ برابری کے درجے میں اور مساوی انداز میں ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ہر حال میں اور موقع بہ موقع بس کسی مخصوص مسلک سے ہی نرمی اور لچک کا مطالبہ کیا جائے۔ جب کہ دوسرے اپنے اپنے مسالک سے کسی صورت میں ایک انچ ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ نہیں بلکہ جملہ مسالک بشمول مسلک اہل حدیث کے پیروکاروں کو یکساں توسع اور کشادگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ فقہ حنفی کے ماننے والے ضرورت اور مصلحت کے تقاضے سے بعض مسائل میں اپنے معروف مذہب سے ہٹ کر دوسرے مسلک پر عمل کے لیے تیار ہوں اور ان کے علماء کی طرف سے اس کی اجازت حاصل ہو تو اسی توسع اور کشادگی کا مظاہرہ دیگر مسالک کے پیروکاروں اور ان کے علماء کی طرف سے بھی ہونا چاہیے۔ (۱۷) یہ توسع اور کشادگی موجودہ حالات کی شدید ترین ضرورت ہے

اور شریعت محمدیؐ کا مفاد اس سے وابستہ ہے۔ یہ دور مسلک کو بچانے کا نہیں، بلکہ نفس دین اور نفس شریعت کو بچانے کا مرحلہ درپیش ہے۔ محلّہ میں آگ لگ جائے یا شہر سیلاب کی زد میں آجائے تو اس موقع پر سمجھدار اہل محلّہ اور اہل شہر جزوی اور فروعی اختلافات کے بہانے سے ایک دوسرے سے نہیں جھگڑتے۔ بلکہ ان اختلافات کو دبا کر اور انہیں بھلا کر محلّہ اور شہر کو بچانے کا سامان کرتے ہیں۔ آج کے دور میں بے دینی اور الحاد، آزاد روی، اباحیت پسندی اور مادہ پرستی کے جس طوفان میں یہ امت گھری ہے۔ اصل جتن اور اصل توجہ اس کو ان فتنوں سے بچانے میں صرف ہونی چاہیے۔ یہ امت دین سے وابستہ رہے گی تو مسالک سے بھی اس کی وابستگی قائم رہے گی۔ جب دین سے اس کی وابستگی کے ہی لالے پڑ جائیں تو پھر مسالک فقہ کا کون پرسان حال ہوگا۔ اس مسلکی توسع کے لیے جو احتیاطیں اور پیش بندیاں ضروری ہوں ان سب کا لحاظ کیا جائے، لیکن بحالات موجودہ اس بے مایہ کی نظر میں اس دروازے کو کھولنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مسلکی توسع ہرگز ہرگز مسلکی انحراف اور مسلکی بے راہ روی کا متحمل نہیں ہو سکتا، یہ پرہیز اس علاج کا اپنے آپ حصہ ہے۔ اس کے لیے الگ سے وعظ اور نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امت کی اولین ضرورت ہے کہ اس کی ترجیح بدلے۔ حفاظت مسلک کے بجائے حفاظت دین اور غلبہ دین اس کا مطمح نظر قرار پائے۔ اس مطمح نظر کے حصول کے لے یہ مسلکی اعتدال اس کی اہم ترین ضرورت اور حالات اور وقت کا تقاضا ہے۔

موجودہ حالات کے پس منظر میں اس کے بعض نظائر

نظری گفتگو کفایت نہیں کرتی جب تک کہ اس کے حق میں کچھ عملی مثالیں نہ ہوں۔ ہندوستان کے موجود حالات کے پس منظر میں ہم اس کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں جن کی اس سے باہر کی مسلم غیر مسلم دنیا میں افادیت اور ضرورت انشاءاللہ کسی طرح اس سے کم نہ ہوگی۔

۱۔ سر فہرست مسئلہ 'طلاق ثلاثہ' کا ہے ہندوستان کے موجودہ حالات میں مصلحت اس کی متقاضی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی تسلیم کیا جائے۔ ضرورت کے تقاضے سے اگر مفقود الخبر کے مسئلہ میں مالکیہ کے مسلک پر شرح صدر کے ساتھ عمل کیا جا رہا ہے تو اسی طرح کی ضرورت سے اگر اس مسئلہ میں مسلک اہل حدیث کو اختیار کر لیا جائے تو یہ کوئی گناہ اور کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہوگا۔ حلالہ کا حیلۂ شرعی آج کے تنقیدی اور سوالیاتی دور میں اس دین کی بدنامی کا باعث ہے۔ اس برائی کے ارتکاب سے بہت بہتر ہے کہ امت کے ایک معتبر فقہی دھارے کی رخصت اور رعایت سے فائدہ اٹھا لیا جائے۔ اس کے حوالہ سے مرحوم مولانا عامر عثمانیؒ کا ایک اشکال یہ تھا کہ مسلمان عورت کے لیے یہ رحمت کے بجائے زحمت کا باعث ہوگا۔ جس ظالم شوہر سے اسے ایک جھٹکے میں نجات مل گئی تھی اس صورت میں اسے مزید دو طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اور وہ بدستور اس کے چنگل میں پھنسی رہے گی۔ لیکن یہ اشکال کچھ جان دار نہیں۔ اس طرح کے ظلم کی شکار تو کوئی عورت طلاق کی زد میں آئے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔ 'خلع' کے جس اہتمام (Provision) سے اس امکانی زیادتی کا سد باب ہوتا ہے ایک طلاق کی زد میں آئی عورت کے لیے بھی اس کا دروازہ اسی طرح کھلا ہوگا۔ امت کا قضاء اور افتاء کا نظام متحرک ہو تو وہ مسلمان معاشرے کی اس طرح کی خرابیوں پر قابو پانے کے لیے کافی ہے۔ 'حلالہ' کے ایک نسخے پر ہی اصرار ضروری نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ ' للاکثر حکم الکل' کے مسلم فقہی اصول سے اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ تین طلاق کی شکار عورتوں میں کس کا تناسب کتنا

ہے۔ کتنوں کو حسب منشا شوہر کے چنگل سے نجات ملتی ہے اور کتنی اس کی وجہ سے ناقابل بیان اذیتوں کا شکار ہوتی اور ان کی زندگی اجیرن ہوتی ہے۔ اگر جائزہ کے نتیجے میں اذیت کا اوسط زیادہ اور نجات کا اوسط کم ہو تو اوپر کے اصول سے پہلے کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہونی چاہئے۔ مرحوم مولانا عثمانی اس مسئلہ میں طلاق کے لفظ کو 'بندوق کی گولی' سے تشبیہ دیتے تھے۔ بلکہ اس تعبیر پر ان کو سخت ترین اصرار تھا کہ طلاق کا لفظ بندوق کی گولی ہے۔ اور جب گولی بندوق سے نکل گئی تو اس کا اثر ظاہر ہونا فطری ہے، مرحوم کے اس قول کی بنیاد کسی نص پر نہیں اور اگر بات عقل اور منطق کی آئے تو اسی کو پلٹ کر یہ بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ مرنے والا بندوق کی ایک گولی یا تین جیسے بھی مرے آخر اس پر دیت قصاص تو ایک ہی جان کا لازم ہوگا۔ جو اثر بندوق کی تین گولی کا یہاں ظاہر ہوتا ہے کیوں نہ اسی کو اوپر کے مسئلہ میں بھی موثر مانا جائے۔ (۱۸)

۲۔ دوسرا مسئلہ اس برصغیر کے پس منظر میں دیہات میں جمعہ کا ہے۔ جس پر ماضی میں جتنی کچھ لے دے ہو چکی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ایک زمانہ تک ہمارے علمائے دیوبند اس مسئلہ میں غیر معمولی حد تک بے لچک اور سخت گیر تھے۔ اور خال خال اور انتہائی منتخب گاؤں کو چھوڑ کر وہ کسی طرح کسی گاؤں میں جمعہ پڑھنے اور پڑھانے کو تیار نہ تھے۔ اس معاملہ میں اب ان کا رویہ لچکدار ہے۔ اب وہ نہ صرف یہ کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنے لگے ہیں بلکہ اس کی امامت اور خطابت کے فرائض بھی انجام دینے لگے ہیں۔ لیکن ہنوز اس معاملے میں یکسانیت نہیں ہے۔ ایک ہی آبادی اور ایک ہی حیثیت کے بعض گاؤں میں یہ حضرات جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں جب کہ دوسرے کے سلسلے میں اس جمعہ کے عدم جواز کا فتویٰ دے کر قریب کے چوراہے یا بازار میں جاکر جمعہ پڑھتے ہیں یہ صورت حال اصلاح طلب ہے۔ دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی اب گاؤں کی حیثیت بالکل بدل چکی ہے۔ جن لوگوں نے وہ دنیا دیکھی ہے ان کے مطابق یورپ کی حد تک شہری سہولیات کے لحاظ سے دیہات اور شہر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (۱۹) ہمارا ملک ہندوستان بھی اپنے آئین کے تقاضے کے طور پر اسی سمت میں آگے بڑھ چکا ہے۔ اور اس وقت بھی وہ جہاں تک پہنچ چکا ہے سہولیات کے لحاظ سے گاؤں اور شہر کا فاصلہ بہت کم رہ گیا ہے۔ بعض دوسری مصلحتیں بھی اس کی مقتضی ہیں کہ گاؤں کسی وقت میں مردوں سے بالکل خالی نہ ہوں۔ اس طور پر کہ ہر شخص کو اس کا پتہ ہو بلکہ اس سے آگے اس کی معروف روایت بن چکی ہو۔ اس کے لحاظ سے گاؤں کی ہر مرکزی اکائی میں مطلق جمعہ کے جواز کا فتویٰ دینا چاہئے۔ اور گاؤں اور قصبے میں زیادہ سے زیادہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق رکھنا چاہئے۔ جس طرح کہ خود شہر کے اندر چھوٹی اور بڑی مسجد جامع کے حوالہ سے ایسا ہی سمجھا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔ انعقاد جمعہ کی شرائط میں شرط مدینہ کے حوالہ سے جو سختی فقہ حنفی میں ہے وہ دوسری کسی فقہ میں نہیں ہے۔ (۲۰) ہندوستان کے موجودہ حالات میں ان مسالک کی اس نرمی سے فائدہ اٹھانا ہر طرح سے قرین مصلحت اور اہل ایمان کی سہولت کا باعث ہے۔

۳۔ ایک ایسا ہی مسئلہ آج کے حالات میں سفر میں جمع بین الصلوٰتین کا کہا جاسکتا ہے۔ جمع صوری ہی نہیں بعض شرائط کے ساتھ فقہ حنفی میں بھی سفر میں حقیقی جمع صلوٰتین کی گنجائش ہے۔ لیکن اس گنجائش پر عمل نہیں ہے اور اکابر کا اس سے اختلاف ہے۔ کسی مسلمان کو جو عام طور پر مسائل میں فقہ حنفی کا پابند ہو لیکن سفر میں اس کے لیے راحت اور سہولت کا باعث ہو کہ وہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھ لیا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور کسی تحفظ اور تردد کے بغیر نبی رحمت ﷺ

کی فراہم کردہ اس رخصت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دور حاضر کے بعض اعتدال پسند بڑے علماء کا اس پر عمل رہا ہے۔ (۲۱) ایک عام مسلمان کے لیے اس طرح کے مسائل میں بس کسی ایک عالم کی نظیر ہی کافی ہے۔ اس کے متعلقات کی تفصیل البتہ کسی دوسرے عالم سے معلوم یا پڑھ کر سمجھ لینی چاہئے۔

۴۔ ایسا ہی ایک عام ضرورت کا مسئلہ 'مسح علی الخفین' کا ہے۔ فقہ حنفی میں ہی اس کی جو تفصیلات ہیں اس کے مطابق چمڑے کے علاوہ دوسرے موزوں پر بھی مسح کی گنجائش ہے۔ (۲۲) لیکن علمائے احناف کا فتویٰ اور عمل دونوں اس سے ہٹ کر ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ مسح صرف خاص طرح کے چمڑے کے موزے پر ہی جائز ہے۔ 'دبیز وغیر دبیز نائیلان' کپڑے یا اونی کسی دوسرے موزے پر یہ مسح جائز نہیں ہے۔ یہ رائے مرجوح اور بحالات موجودہ مصلحت کے خلاف ہے۔ کسی تردد کے بغیر اس مسئلے میں علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے پر فتویٰ دیدینا چاہئے جس کے مطابق کسی موزے کا صرف موزہ ہونا اس پر مسح کے جواز کے لیے کفایت کرتا ہے۔ یہ چمڑے کا ہو یا غیر چمڑے کا، دبیز ہو یا ہلکا، اس کی لاسٹک ڈھیلی ہو یا کسی نیز اس سے آگے خواہ اس کے اندر سوراخ ہو اور اس کا کچھ حصہ پھٹا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔ (۲۳) امام کا یہ فتویٰ لاجواب اور کمزوری کے اس دور کے لیے بہت غنیمت اور مطابق حال ہے۔

۵۔ ظہر کی نماز سے پہلے کی سنتوں کا معاملہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ صحیح حدیث سے چار کی طرح ظہر سے پہلے دو سنتوں کا ثبوت ہے۔ بعض اوقات ضرورت اور مصلحت اس کی داعی اور مقتضی ہوتی ہے کہ چار کے بجائے آدمی دو سنتوں پر ہی اکتفا کرے۔ جب رحمتہ للعالمین ﷺ کی طرف سے اس کی رخصت اور رعایت ہے تو ہر حال میں چار پر اصرار کر کے مصالح جا و بیجا کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے مراجع حنفیہ میں یہ زیادتی معلوم ہوتی ہے کہ اس مقام پر حاشیہ میں دو رکعت کی روایت کا بالکل تذکرہ ہی نہیں کیا جاتا ہے۔ (۲۴) جب کہ اس کی روایت بخاری و مسلم کی ہے۔ (۲۵) چار کی روایت ان کے علاوہ صحاح کی دوسری کتابوں کی ہیں۔ دیگر مسالک فقہیہ میں بھی اس کے نظائر ہو سکتے ہیں ان کو بھی اس کے مطابق اعتدال پر لانے کی ضرورت ہے۔ مثلین کے بجائے مثل پر عصر کی نماز کا مسئلہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ اس وقت کی شہری اور ملازمت کی ضروریات اس کی داعی اور مقتضی ہیں کہ پیروان مسلک حنفی کے لیے حسب ضرورت و مصلحت بجائے مثلین کے مثل پر عمل کا دروازہ کھلا رہے۔ دریں حالانکہ خود فقہ حنفی میں اس کی اجازت موجود ہے۔ (۲۶) ایسا ہی ایک مسئلہ زکوٰۃ کے مصرف 'فی سبیل اللہ' کا کہا جا سکتا ہے جس پر تفصیلی گفتگو اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔ (۲۷)

یہ چند سطریں تھیں جو اس عدیم الفرصتی میں سپرد قرطاس ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کی ٹھیک باتوں کے لیے دلوں میں جگہ دے اور جو کوئی بات غلط یا کمزور ہو اس کے اثر سے اس کے لکھنے والے اور اس کے قاری اور سامع ہر ایک کو محفوظ رکھے۔

ربنا لا علم لنا الا ما علمتنا، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا، اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه اللهم يا ربنا احفظنا من كيد الشيطان وغوائله ولاتكلنا الىٰ انفسنا طرفة عين وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله النبي الا مين وعلىٰ آله وصحبه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين صلاة وسلاما دائما كثيرا كثيرا عدد خلقه ومداد كلماته كما يحبه تعالىٰ ويرضاه.

تعلیقات وحواشی

۱۔ مشہور آیت کریمہ : **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس** (آل عمران : ۱۱۰) نیز نبی ﷺ کی معروف احادیث: **لا تزال طائفة من امتی ظاھرین حتی یاتیھم امر اللہ وھم ظاھرون. ایضا: لن یزال امر ھذہ الامۃ مستقیما حتی تقوم الساعۃ اوحتی یاتی امر اللہ.** صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الاعتصام، **باب قول النبی ﷺ لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق وھم اھل العلم۔** ایم بشیر حسن اینڈ سنس، کلکتہ۔ نیز: صحیح مسلم جلد ۳۔ **کتاب الامارۃ. باب قولہ ﷺ لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق۔** مطبعہ عامرہ، مصر۔ و دیگر احادیث۔

۲۔ اسی مجلس میں میں نے مولانا محترم سے یہ دریافت کیا کہ فقہ حنفی میں امام کاسانی م ۵۸۷ھ کی بدائع الصنائع کو وہ شہرت اور قبول عام حاصل نہیں ہوا جو مثال کے طور پر ہدایہ اور اس کی شروح اور کنز اور اس کی شرح **البحر الرائق**، وغیرہ کو حاصل ہوا۔ دریں حالیکہ '**بدائع الصنائع**' ذخیرۂ فقہ حنفی میں اپنی سلاست بیانی اور حسن ترتیب کے لحاظ سے شاہ کار کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے جواب میں مولانا موصوف نے فرمایا کہ: ''بدائع کی وہ معروف قانونی زبان نہیں ہے جو ہدایہ اور کنز وغیرہ کا امتیاز ہے۔ جب کہ اس زمانے میں اسی زبان کو قبول عام حاصل تھا، اس لیے فقہ حنفی میں 'بدائع الصنائع' کو ہدایہ اور کنز وغیرہ کی شہرت حاصل نہ ہو سکی۔'' اس پر خاکسار راقم کا اضافہ ہے کہ بعد کے زمانے میں حنفی دنیا میں 'فتاویٰ تاتارخانی' 'فتاوی شامی' اور 'فتاوی عالمگیری' جیسی کتابوں کی غیر معمولی شہرت بلکہ ایک طرح سے ان کے مرجع بن جانے کا سبب غالباً ان کی کثرت تفریعات اور جزئیات مسائل کی فراوانی ہے۔ ہمتیں پست ہو گئیں اور مسائل کی براہ راست تحقیق دشوار ہو گئی تو عافیت اس میں نظر آئی کہ ایسی ایک یا دو کتابیں ہاتھ آجائیں جس میں ہر مسئلے کا جواب اور ہر درد کی دوا موجود ہو۔ مذکورہ کتابوں سے یہ ضرورت بڑی حد تک پوری ہوتی تھی اس لیے ان سے شناسائی فقہ میں مہارت کے قائم مقام بن گئی۔ واللہ اعلم

۳۔ ملاحظہ ہو ہمارا مضمون ''شریعت کا اصول عرف وعادت اور موجودہ حالات میں اس کی معنویت'' مطبوعہ مجلّہ علوم اسلامیہ ۱۹۹۷ء جلد ۲۲۔ شمارہ ۲۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ جہاں اس کے دیگر متعلقات کی بھی تفصیل ہے۔

۴۔ البتہ ان کی مدون کردہ فقہ کو ان کی زندگی ہی میں الگ الگ عنوانات کے تحت کتابوں اور ابواب میں مرتب کر دیا گیا تھا۔ دیکھئے : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی م ۱۹۷۹ء خلافت وملوکیت ۲۴۱/۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی، بار دوئم مارچ ۱۹۶۹ء۔

۵۔ وہ یہ کہ ۹۹۹ کتابوں کے مصنف امام محمدؒ کے شاگرد امام شافعیؒ فقیہ اس وجہ سے ہو گئے کہ امام موصوف کی ان کی ماں سے شادی ہو گئی جس کے بعد امام محمد نے اپنی کتابیں اور اپنا مال سب امام شافعی کے حوالہ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ہی امام شافعی فقیہ ہو سکے۔ **وتزوج بام الشافعی وفوض الیہ کتبہ ومالہ فبسببہ صار الشافعی فقیھا.** جب کہ اسی موقع پر

حضرت امام شافعی کا یہ تواضع بھرا بیان بھی ہے کہ: من اراد الفقه فليلزم اصحاب ابی حنيفة فان المعانی قد تيسرت لهم۔ مزید فرماتے ہیں: والله ما صرت فقيها الا بكتب محمد بن الحسن۔ دیکھئے: الدار المختار مع رد المحتار: ار ۷۴، مطبعہ عثمانیہ مصر ۱۳۲۴ھ بجائے اس کے کہ اس تواضع کا جواب مناسب قدر افزائی سے دیا جاتا علاء حصکفی نے اس کو بالکل الٹ دیا۔ اور هل جزاء الاحسان الا الاحسان، کی قرآنی تاکید کا وہ لحاظ نہیں رکھ سکے۔

۶۔ وہبہ زحیلی کی اس سب ' شیخ جزائری کی اس کتاب پر بوجوہ فوقیت حاصل ہے۔ زبان وبیان کے حسن کے علاوہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، میں مختلف مسالک کے دلا س ہ .. ' ستقصاء اور احاطہ ہے جزائری کی الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، اس سے بہت پیچھے ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب 'مسئلہ ملکیت زمین' میں اس کتاب کی غیر معمولی طور پر تعریف کی ہے۔ وہبہ زحیلی کی اس کتاب کے بعد شاید ان کی یہ رائے باقی نہ رہتی۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی عنایت سے خاکسار راقم کو استاذ وہبہ زحیلی سے استفادے اور ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ ان کا علم اور ان کی تواضع دونوں ہندی علماء کے لیے قابل رشک اور لائق تقلید ہے۔ کہنے والے نے بالکل سچ کہا ہے: نہد شاخ پر میوہ سر برزمین؟

۷۔ مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی: کشف الاسرار، ترجمہ وشرح در مختار: ار ۲، مصنف کتاب علامہ علاء الدین حصکفی کا تعارف از مترجم۔ شائع کردہ: مکتبہ فیض القرآن، دیوبند، سہارن پور۔ خیال رہے کہ 'درمختار' کا اس سے قبل ترجمہ مولانا خرم علی بلہوری م ۱۲۷۱ھ نے 'غایۃ الاوطار'، کے نام سے کیا تھا۔ مولانا مفتاحی نے اسی ترجمہ کو پیش نظر رکھ اس میں مزید ترمیم اور اضافہ سے کام لیا ہے۔ یہ ترجمہ ان کا بالکل اپنا نہیں ہے۔ اسی طرح کشف الاسرار، 'در مختار' کا مکمل ترجمہ نہیں۔ اس کے بعض اجزاء جو عام ضرورت کے نہیں تھے 'کشف الاسرار' میں شامل نہیں ہیں۔ کشف الاسرار: ار ۱۴، ۵۱۔ عرض مترجم محولہ بالا۔

۸۔ مغنی ابن قدامہ میں جابجا اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ایک حوالہ کے لیے، المغنی: / ۶۶۶، ۶۷۰- مکتبہ الجمهورية العربية، مصر۔ حضرات شوافع کے یہاں بھی اس کی مثالیں نایاب نہیں ہیں۔ ایک مثال کے لیے ابو سلیمان خطابی م ۳۸۸ھ معالم السنن: ۴/ ۱۶۲، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، طبعہ اولیٰ ۱۹۳۴ء ۱۳۵۲ھ

۹۔ ایک مثال کے لیے ان کے شاہ کار فتاویٰ کی جلد ۲۰، صفحات ۲۶۴، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۳ اور ۳۲- طبع جدید، سعودی عرب۔

۱۰۔ 'ان القياس بعد الاربعمأة منقطع فليس لاحد بعدها ان يقيس مسئلة علىٰ مسالة، رد المحتار مع الدر المختار: ار ۵۵۱، شامی نے یہ بات ابن نجیم کے حوالہ سے کہی ہے جس کا انہوں نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے۔ ہمارے یہاں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریروں میں اس کا تذکرہ جس قطعیت کے ساتھ ہے اس سے لگتا ہے جیسے یہ کوئی عقیدے کا مسئلہ ہو۔ اس عموم واطلاق کے ساتھ یہ مقولہ بالکل درست نہیں۔ اجتہاد مطلق نہ سہی، اجتہاد مقید اس امت پر واجب ہے اور ان شاءاللہ قیامت تک اس کا سلسلہ دراز رہے گا۔

۱۱۔ اعلام الموقعين عن رب العالمين: ۳/ ۲۸۳۔ مکتبہ الكليات الازهريه، مصر، طبع جدیدہ، مضبوطۃ منقحۃ ۱۹۸۰ء ۱۴۰۰ھ اس کے علاوہ اعلام میں قدم قدم پر اس کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۲۔ اپنی شاہکار تفسیر 'مفاتیح الغیب' میں کسی مقام پر رازی کا اظہار خیال۔ جصاص رازی حنفی کی 'احکام القرآن' کے حوالہ سے

مفسر رازی شافعی کا ان پر نقد مفاتیح کا ایک مستقل موضوع ہے جس پر مستقل تقابلی کام کیا جاسکتا ہے۔

۱۳۔ ملفوظات میں اس کے الفاظ ہیں "حافظ ابن حجرؒ نے رجال میں حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے" نیز یہ کہ: "حافظ کی عادت ہے کہ جہاں رجال پر بحث کرتے ہیں کہیں حنفیہ کی منقبت نکلتی ہو تو وہاں سے کترا جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: ملفوظات محدث کشمیری ر ۴۴ا، مرتبہ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مولف انوار الباری۔ بیت الحکمت دیو بند۔ سن ندارد۔

۱۴۔ اس اندرونی لہر کے حاملین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ دو نمایاں نام حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ اول الذکر کی طرح ان دونوں سے بھی طلاق ثلاثہ کے سلسلے میں تین اور ایک دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ ابو بکر رازی کی روایت سے حضرات حنفیہ میں محمد بن مقاتل کا فتویٰ بھی تین کے بجائے ایک کا ہے۔ یہ اور اس سلسلے کے مزید ناموں کے لیے: اعلام الموقعین: ۳ر ۴۴۔ ۴۵، محولہ بالا۔ اس کی روشنی میں بزرگ عالم دین مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب 'مسئلہ طلاق ثلاثہ اور حافظ ابن قیمؒ' شائع کردہ مکتبہ الفرقان لکھنؤ، میں ابن قیم کی عبارتوں ہی سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ "ان کا اصل منشاوہ نہیں ہے جو عام طور پر ان سے سمجھا گیا ہے نیز یہ کہ علامہ ابن قیم بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی مانتے ہیں۔" اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

۱۵۔ ملاحظہ ہو: ل محمد علی السایس: تاریخ الفقہ الاسلامی ر ۱۰۹، ۱۱۰، مکتبہ محمد علی صبیح اولادہ، مصر

۱۶۔ اس اجمال کو اسی طرح باقی رکھتے ہوئے ہم اس کے لیے برادران اہل حدیث کو اپنے بے لاگ جائزے اور خود احتسابی کی دعوت دیتے ہیں۔ مقصود اصلاح احوال ہے۔ تنقید برائے تنقید کوئی چیز نہیں ہے۔ اسوۂ محمدی کا بڑا نمایاں پہلو کشادگی، دل بدست آوری اور خیال خاطر احباب ہے۔ اس پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۱۷۔ مسلکی تعصب کے حوالہ سے صرف پیروان مذہب حنفی کو الگ کر لینا حقیقت اور تاریخ دونوں کے خلاف ہے۔ غیر حنفی المسلک عرب احباب جو یہاں علی گڑھ میں ہمارے مشاہدے میں ہیں، عبادات کی حد تک ہی سہی ان کا مسلکی تصلب نمایاں ہے۔ جہاں تک تاریخ کا معاملہ ہے اس کا فیصلہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ مشہور زمانہ صوفی اور عالم شیخ ابو اسماعیل ہروی انصاری حنبلی ۴۸۱ھ برسر منبر یہ شعر پڑھتے تھے:

انا حنبلي ما حييت وان امت　　فوصيتي للناس أن يتحنبلوا

ایسے ہی ایک دوسرے حنبلی بزرگ شیخ ابو حاتم کا کہنا ہے کہ: **کل من لم یکن حنبلیا فلیس بمسلم**. دیکھئے: **الذهبی**: **تذکرۃ الحفاظ**: ۳ر ۱۸۶ (۱۸۷، **دائرۃ المعارف العثمانیہ**، حیدر آباد الدکن۔ طبعہ ثالثہ ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۷ء

۱۸۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھے جائیں خاکسار کے دو مضامین: ۱۔ مسئلہ طلاق۔ متوازن نقطہ نظر اور ۲۔ مسئلہ طلاق بعض ملاحظات۔ مطبوعہ سہ روزہ دعوت دہلی۔ نیز پندرہ روزہ ترجمان اہل حدیث دہلی۔ اس کے سلسلے میں علمائے ملت سے اسی قدر گزارش کی جاسکتی ہے کہ وہ اسے مسلکی 'انا' کا مسئلہ بنانے کے بجائے، اسلام، امت اور دعوت کے پس منظر میں دیکھیں۔ اور اللہ کے دین کو بدنام ہونے سے بچائیں۔ یہ مضمون لکھا اور سمینار میں پیش کیا جاچکا تھا کہ اس مسئلہ میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تائید دیکھ کر خوشی ہوئی۔ امام الذہبی تین طلاق کو تین ایسی صورت میں مانتے ہیں جب کہ وہ تین الگ الگ مہینوں

میں دی جائیں ایک مجلس کی تین طلاق کو وہ ایک ہی تسلیم کرتے ہیں ملاحظہ ہو آخری آرا پر مشتمل ان کے ملفوظات کا مجموعہ ملفوظات آزاد ص، ۶۶، ۷۷ اور ۱۳۴ مرتبہ محمد اجمل خاں، حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی، بار اول جولائی ۱۹۵۹ء

۱۹۔ معروف حنفی عالم اور فقیہ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، جنہیں یورپ کے شہروں کے علاوہ اس کے دیہاتوں میں بھی جانے اور ٹھہرنے کا موقع ملا ہے۔ موصوف نے اپنا یہ تاثر ایک سیمیناری سفر میں بیان کیا جس میں خاکسار راقم ان کے ساتھ تھا۔

۲۰۔ اس سلسلے میں نبی ﷺ کی جو روایت ہے: **لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع**، اسی طرح حضرت علیؓ کا قول ہے: **لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى الا في مصرجامع** (بدائع الصنائع : ۱/۲۵۹، **شركة المطبوعات العلمية**، مصر، طبع اولیٰ ۱۳۲۷ھ اور یہی فقہ حنفی میں اس مسئلہ کی بنیاد ہے اس کی مناسب توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ 'لا' مطلق نفی کی نہیں بلکہ نفی کمال کی ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی متعدد احادیث میں ہے کہ: **لا ايمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له** بیہقی فی شعب الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، فصل ثانی، کتب خانہ رشیدیہ دہلی وغیرہ وغیرہ۔ جماعت جتنی بڑی ہو جمعہ کا ثواب اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، اس کے لحاظ سے مصر جامع میں جمعہ کے کامل ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں دیہات میں مطلق جمعہ کے جواز کا فتویٰ دینا چاہئے۔ دوسری صورت ملی خسارے اور دین کی بدنامی کا باعث ہے۔ اس مسئلہ میں بھی ہمیں امام الہند کی تائید حاصل ہے۔ چنانچہ چھوٹے سے چھوٹا قریہ جہاں ۵۰ یا ۱۰ مسلمان ہوں مولانا ابوالکلام آزاد ایسے قریہ میں بھی جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ملفوظات آزاد ۱۵۰-۱۵۳، محولہ بالا۔

۲۱۔ ایک نمایاں صاحب سیرۃ النبیؐ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ روایت فاضل گرامی پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی۔ موصوف کے مطابق سید صاحب معمولاً سفر میں جمع کرتے یعنی کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ساتھ ملا کر پڑھتے تھے۔ اس سلسلے میں ان سطور کے لکھنے والے کا عمل اس سے مختلف نہیں ہے۔

۲۲۔ قدوری میں اس مسئلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اسی سے یہ ثابت ہے۔ اس سے زیادہ اس مقام پر اس کی تفصیلی گنجائش نہیں ہے۔

۲۳۔ علامہ ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں اس پر لاجواب بحث ہے۔ ان شاء اللہ کسی مناسب موقع سے اس کی تفصیل کی جائے گی۔

۲۴۔ ایک حوالہ کے لیے فقہ حنفی کی مشہور کتاب کنزالدقائق اور اس کا حاشیہ ر ۳۴، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی۔

۲۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے البتہ ایک موقع پر حضرت عائشہؓ کی روایت سے ظہر سے قبل کی چار رکعتوں کو صحیحین بخاری و مسلم کے حوالہ سے لکھا ہے۔ اس کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۴/۲۰۰، طبع جدید سعودیہ

۲۶۔ صاحبین حضرت امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں البتہ یہ مثلین ہے۔ قدوری ر ۲۰، رشیدیہ دہلی۔ فقہ حنفی میں فتویٰ اور عمل امام صاحبؒ کے قول کے مطابق ہے۔

۲۷۔ خاکسار کا مقالہ 'زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ اور دینی اداروں اور تحریکات کا مسئلہ' مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ۔ اپریل۔ جون ۱۹۹۳ء

رفیق احمد رئیس سلفی
جمعیۃ البرّ الاسلامیہ، سلمان منزل، علی گڑھ

صحابہ کرام اور احادیث رسول ﷺ

حدیث اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ وہ دین میں مستقل حجت ہے اور امت کے درمیان اس کی تشریعی حیثیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ فہم قرآن کی تکمیل اور قرآن کے اجمال کی تفصیل حدیث ہی پیش کرتی ہے۔ اسی طرح قرآن کے جملہ احکام و مسائل کی عملی تصویر حدیث ہی متعین کرتی ہے۔ حدیث سے بے نیاز ہو کر جن فرقوں اور جماعتوں نے فہم قرآن اور تفقہ فی الدین کا دعویٰ کیا، انہیں منہ کی کھانی پڑی اور وہ دنیا کو یہ باور نہ کرا سکیں کہ ان کے نظریہ میں استقلال ہے۔ خود ساختہ اور خود تراشیدہ افکار وخیالات کو قرآن سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آیاتِ الٰہی کی بے جا تاویلیں کی گئیں، دوسروں کو مرعوب کرنے کے لیے لغت، ادب اور بلاغت کا سہارا لیا گیا۔ فقہی مکاتب فکر کے وجود میں آنے کے بعد تحزّب اور گروہ بندی کو ایک نیا رُخ دیا گیا۔ حجیت حدیث کا مسئلہ یہاں بھی زیر بحث آیا۔ یہاں حدیث کا فی الجملہ انکار تو نہیں کیا گیا تاہم کچھ ایسے فقہی اصول ایجاد کیے گئے جن کی زد براہ راست حدیث پر پڑتی ہے۔ درایت اور فقہ راوی وغیرہ کے اصول اپنے نتیجے کے اعتبار سے ترک سنت تک جا پہونچتے ہیں۔

مستشرقین نے علم و تحقیق کے نام پر حدیث و سنت کے سلسلے میں مزید کچھ شبہات پیدا کر دیے۔ اسے تہذیب و تمدن سے عاری ایک معاشرہ کی روایت قرار دیا گیا، بعض احادیث کو عقل کے خلاف باور کرایا گیا۔ کہیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ رسول نے بتقاضائے بشریت جو افعال انجام دیے ان کو بھی اسوہ اور حجت کے زمرے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ دونوں طرح کی باتیں گڈمڈ ہو گئی ہیں اب ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے۔ بعض ارباب تحقیق نے یہ شوشہ بھی چھوڑ دیا کہ محدثین کی جماعت نے سند حدیث کی تحقیق جس معیار پر کی ہے، متن حدیث کی تحقیق میں اس معیار کو انہوں نے ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ اس طرح کے بیسیوں سوالات ہیں جو آج جدید تعلیم یافتہ طبقے میں عام ہیں، ظاہر ہے کہ ان شبہات کی موجودگی میں ان کے دلوں میں حدیث کی عظمت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ وہ عملی جذبہ پیدا ہو سکتا ہے جو ایمان و اسلام کا تقاضا ہے۔

حدیث و سنت کے ساتھ تعامل کا صحیح اور مثبت رویہ کیا ہونا چاہئے، ایک مسلمان کے اندر احادیث رسول سے قلبی لگاؤ کی کیفیت کیا ہونی چاہئے؟ زندگی کے عملی رویہ کی تعیین میں حدیث کا موثر کردار کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب ہمیں صحابہ کرام کی سیرت میں ملتا ہے۔ اس زندہ اور حساس موضوع کے تحت سیرتِ صحابہ کا بالاستیعاب مطالعہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ احادیثِ رسول کے اول ناقلین وہی ہیں۔ موقع محل اور حالات و ظروف کا علم ان کو براہِ راست ہے۔ ان مختصر اوراق میں اسی پہلو سے

سیرت صحابہ کا مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حدیث بھی وحی الٰہی ہے:

ماہرین حدیث وسنت نے وحی الٰہی کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک وحی متلو اور دوسری وحی غیر متلو۔ وحی غیر متلو کا اطلاق حدیث وسنت پر ہوتا ہے۔ "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحىٰ" (النجم: ۳-۴) کا عموم بتاتا ہے کہ رسول کی حیثیت سے آپ نے اپنی زبانِ مبارک سے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ وحی الٰہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وحی متلو کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ کی جانب سے ہیں اور وحی غیر متلو میں الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ہیں اور معنی اللہ کے ہیں۔ اس حقیقت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو حدیث وسنت کی حجیت اور اس کے استناد میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی سیرت میں، ان کے طرز استدلال میں اور ان کے طریقہ فہم دین میں ہمیں یہ نکتہ ملتا ہے کہ وہ حدیث کو نہ صرف قرآن کی تفسیر جانتے ہیں بلکہ "ماانزلنا" کے عموم میں فرامین رسول کو داخل مانتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت حُمران سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے صلاۃ عصر کے لیے وضو کا پانی مانگا اور وضو فرمایا، اس کے بعد فرمایا:

"وَاللّٰهِ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَوْلَا آيَةٌ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُكُمْ اِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ فَيُصَلِّي صَلَاةً اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا." (۱)

اللہ کی قسم میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اگر اللہ کی کتاب میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم سے بیان نہ کرتا۔ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر نماز پڑھے تو اس کے وہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو اس نماز سے لے کر دوسری نماز تک ہوں گے۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہاں جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تعیین حضرت عروہ رحمہ اللہ نے کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آیت یہ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدىٰ مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ. (البقرہ: ۱۵۹)

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کرچکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

آیت میں اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے، سیاق وسباق بھی اہلِ کتاب سے متعلق ہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے عموم سے استدلال فرمایا ہے اور تشریحات نبوی کو ما انزلنا من البینات والھدی میں شامل مانا ہے۔ بینات اور ہدیٰ کی تنزیل ہی کا دوسرا نام وحی الٰہی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس طرز استدلال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات سیاق سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنا مستقل حکم بھی رکھتی ہیں۔ دور حاضر کے بعض مفسرین نے نظم قرآن کے فلسفہ کے تحت "وان منکم الا واردھا" کی تفسیر کرتے ہوئے پل صراط کا انکار کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت کا سیاق کفار کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ پیچ

میں اہلِ ایمان کا تذکرہ کہاں سے آگیا کہ ان کو بھی اس آیت میں شامل کرلیا جائے حالانکہ متعدد احادیث سے پل صراط کا وجود ثابت ہے اور مفسرین نے اسی آیت کے تحت پل صراط کا تذکرہ کیا ہے۔ تفسیر قرآن میں اگر صحابہ کرام کے فہم قرآن اور ان کے طریقہ استدلال کا تتبع کیا جائے تو ہماری بہت سی بے اعتدالیاں ختم ہو جائیں گی۔

قرآن کے عموم سے احادیث کی حجیت پر استدلال:

قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کا منصب یہ بیان کیا گیا ہے:

"وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ." (النحل : ٤٤)

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔"

اس آیت کے تحت بجاطور پر امت نے احادیث صحیحہ کو قرآن مجید کی توضیح و تشریح قرار دیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ." (الجمعہ: ۲)

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

آیت میں الحکمۃ سے مراد حدیث و سنت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے متعدد تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کی روشنی میں اس کا مفہوم سنت ہی بیان فرمایا ہے۔ الحکمۃ کے سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں لکھتے ہیں:

"حکمت کا ذکر یہاں کتاب کے ساتھ اس بات پر دلیل ہے کہ تعلیم حکمت تعلیم کتاب سے ایک زائد شے ہے اگرچہ یہ حکمت سر تا سر قرآن حکیم ہی سے ماخوذ و مستنبط ہو اس وجہ سے ہمارے نزدیک جو لوگ حکمت سے حدیث مراد لیتے ہیں ان کی بات میں بڑا وزن ہے۔" [1]

اس اعتراف و اقرار کا تقاضا تو یہ تھا کہ کسی صحیح حدیث کو مخالف قرآن کہہ کر رد نہ کیا جاتا لیکن افسوس وہ اپنی تفسیر میں ایسا نہ کرسکے بلکہ حدیث رجم اور واقعہ خضر و موسیٰ کے سلسلے میں وارد صحیح بخاری کی حدیث کو انہوں نے چیلنج کیا ہے۔

رسول کی تبیین اور حکمت سے مراد احادیث رسول ہی ہیں لیکن خود کو اہل قرآن کہنے والے منکرین حدیث اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ صحابہ کرام ہمیں بتاتے ہیں کہ قرآن کے عموم میں احادیثِ رسول کس طرح داخل ہیں۔ وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دینے اور پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے میں کیا انداز استعمال کرتے ہیں، ان کا مطالعہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

صحیح بخاری میں علقمہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے گودنے والی، گودوانے والی، موچنے سے بال نوچنے والی اور خوب صورتی کے لیے دانتوں کو ریت کر ان میں کشادگی پیدا کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ جو اللہ کی خلقت کو تبدیل کرتی ہیں۔ حضرت علقمہ کا

بیان ہے کہ اس کی اطلاع بنو اسد کی ایک خاتون ام یعقوب کو ملی۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے؟ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے اور مزید یہ کہ وہ کتاب اللہ میں بھی موجود ہے۔ اس عورت نے کہا: میں نے قرآن کریم از اول تا آخر پڑھا ہے اس میں آپ کا یہ ارشاد موجود نہیں ہے اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اگر تم نے اسے سمجھ کر پڑھا ہوتا تو ضرور پاتیں۔ کیا تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا: "وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" (جو تمہیں رسول دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔) اس عورت نے کہا: جی ہاں یہ تو پڑھا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: تو بس رسولِ اکرم ﷺ نے ان چیزوں کے کرنے سے منع فرمایا ہے اس عورت نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ کے گھر والے یہ سارے کام کرتے ہوں گے؟ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اندر جا کر دیکھ لو۔ وہ ان کے گھر کے اندر گئی اور وہاں ان منہیات میں سے کوئی چیز نہ پا کر واپس لوٹ آئی۔ تب حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: اگر میری بیوی یہ کام کرتی تو وہ میرے ساتھ ہرگز نہ رہتی۔" [3]

حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے اپنی مشہور کتاب "جامع بیان العلم" میں حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کا ایک واقعہ نقل کیا ہے:-

> "حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حالتِ حرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا اس محرم کو اس سے منع کیا۔ وہ کہنے لگا اگر آپ میرے کپڑے اترواتے ہیں تو قرآن کریم کی کوئی آیت پیش کیجئے آپ نے اس کے سامنے آیت "وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" کی تلاوت فرمائی۔" [4]

علامہ خطیب بغدادی نے "الکفایہ" میں اور علامہ سیوطی نے بحوالہ بیہقی "مفتاح الجنۃ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ شفاعت کا تذکرہ کیا تو ایک سائل نے کہا کہ آپ ہمارے سامنے بہت سی ایسی حدیثیں پیش کرتے ہیں جن کی اصل قرآن میں نہیں ہوتی۔ یہ سن کر وہ ناراض ہوئے اور فرمایا: تم احمق ہو تم جو نماز پڑھتے ہو فجر، ظہر، عصر وغیرہ کیا ان کی تفصیل قرآن میں موجود ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی تفصیلات بھی قرآن میں کہیں ہیں؟ یہ سب تو تمہیں حدیث ہی سے معلوم ہوا ہے۔ یہ تمام باتیں تم نے ہم سے سیکھیں اور ہم نے رسول اکرم ﷺ سے۔ قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے:

> "وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا." [5]
>
> "اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔"

اس طرح کے متعدد واقعات کتب احادیث میں ملتے ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام احادیث رسول کی حجیت پر قرآن کریم کے عموم سے استدلال فرمایا کرتے تھے اور وہ تشریحات نبوی کو دین میں قرآن ہی طرح دلیل و حجت تسلیم کرتے تھے۔ سیرت صحابہ کا یہ پہلو اتنا تابناک ہے کہ اگر دور حاضر کے منکرین حدیث اس پر غور کریں تو وہ اپنا نقطہ نظر

تبدیل کرنے پر خود کو مجبور پائیں گے۔

سنت پر عمل کرنے کا جذبہ:

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ اتباع رسول کا بے لاگ حکم قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دیا گیا ہے۔ رسول کے فیصلے کے خلاف دل میں تنگی محسوس کرنے کو جرم عظیم گردانا گیا ہے۔ قرآن کریم اطاعت رسول کو رحمتِ الٰہی کا موجب قرار دیتا ہے۔ معاشرہ کے عام دینی و اخلاقی زوال، فقہی تعصبات اور جدید تہذیب سے مرعوبیت کے نتیجے میں عام طور پر صورت حال یہ ابھر کر سامنے آئی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں سنت نبوی پر عمل کرنے کا جذبہ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ بعض جدید اسلامی تحریکات نے اس سلسلے میں ایک اور منفی رخ اپنایا ہے۔ انہوں نے سنت نبوی کو چھوٹی بڑی، اہم غیر اہم اور ضروری اور غیر ضروری کے متعدد خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آج ایک نوجوان اسلامی انقلاب، اسلام کے غلبہ و نفاذ، اقامت دین اور حکومت الٰہیہ کے قیام کی باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اگر اس کی زندگی کے روز و شب قریب سے دیکھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی وضع قطع لباس اور گفتار و کردار میں بہت سی سنتوں کو بالائے طاق رکھے ہوئے ہے۔ سنن و نوافل اور تسبیح و مناجات سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ یہ صورتِ حال جن حالات کی پیداوار ہے ان میں یہ تسلیم کر لیا گیا کہ چھوٹی چھوٹی سنتوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ حالاں کہ نبی اکرم ﷺ کی کسی سنت کو غیر اہم سمجھ کر اسے نظر انداز کرنا اسلامی طرز عمل کے سراسر خلاف ہے۔

ان حالات کے پس منظر میں اگر سیرتِ صحابہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں سنت نبوی پر عمل کرنے کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ انہوں نے سن لیا تاحیات اس پر عمل پیرا رہے اور ان کے دلوں میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گذرا کہ فلاں سنت چھوٹی ہے یا غیر اہم ہے اسے نظر انداز بھی کر دینا چاہیے۔ اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لولا أن أشق على المومنين وفي حديث زهير على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلوٰة." [۶]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت یہ ہے کہ آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسواک کرتے ہوئے تشریف لاتے یا گھر میں داخل ہو کر پہلا کام مسواک کی صورت میں انجام دیتے۔ اسی طرح بعض دیگر صحابہ نے بھی آپ کے بکثرت مسواک فرمانے کا تذکرہ کیا ہے۔ فقہی ضابطہ بندیوں کے پیشِ نظر ہر چند صحت وضو کے لیے مسواک لازم نہیں لیکن نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل، آپ کے اسوہ اور آپ کی خواہش کا احترام ہمیں صحابہ کرام کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ جو خود اس حدیث کے راوی ہیں، ان کے بارے میں ان کے شاگرد ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کی شہادت یہ ہے کہ:

"فرايت زيداً يجلس في المسجد وان السواك من اذنه موضع القلم من اذن الكاتب فكلما قام الى الصلوٰة استاك." [۷]

"میں نے حضرت زید بن خالد جہنی کو دیکھا کہ وہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور کان پر جہاں کاتب اپنا قلم رکھتا ہے وہ

مسواک رکھتے تھے جب نماز کے لیے اٹھتے تو مسواک کر لیتے۔"

(۲) ہمیشہ باوضو رہنے اور وضو باقی رہتے ہوئے دوسری نماز کے وقت از سر نو وضو کرنے کی فضیلت متعدد احادیث میں بیان ہوئی ہے: ابو غطیف ہذلی کا بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا۔ جب ظہر کی اذان ہوئی تو آپ نے وضو کر کے نماز ادا فرمائی۔ پھر عصر کی اذان ہوئی آپ نے دوبارہ وضو فرمایا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"کان رسول الله ﷺ یقول من توضأ علی طهر کتب له عشر حسنات." [8]

رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی نے باوضو ہونے کے باوجود وضو کیا تو اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔"

اسی طرح حضرت اسماء بنت زید بن خطاب بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حکم عام دیا کہ ہر نماز کے لیے وضو کیا کریں خواہ باوضو ہوں یا وضو ٹوٹ چکا ہو۔ پھر جب لوگوں کے لیے یہ امر دشوار ہوا تو آپ نے ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیا۔ حضرت اسماء آگے فرماتی ہیں:

"فکان ابن عمر یری ان به قوة فکان لا یدع الوضوء لکل صلوٰة." [9]

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اندر طاقت پاتے تھے اسی لیے وہ ہر نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے تعلق سے کتب احادیث میں بہت سے واقعات منقول ہیں جن سے ان کے جذبہ اتباع سنت کا پتہ چلتا ہے۔ محبت رسول اور اتباع رسول کا اسلامی مزاج کیا ہے، اسے معلوم کرنے کے لیے ہمیں خاص طور پر حضرت ابن عمر کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۳) مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو سنتوں کا تذکرہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تحقیق کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر تینوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ [10] مغرب کی نماز فرض سے پہلے دو سنتیں بعض حلقوں میں بسا اوقات موضوع بحث بن جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ اسے جانتے بھی نہیں۔ اردو میں نماز کے احکام و مسائل پر جو کتابیں عوام کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں بیشتر میں ان کا تذکرہ تک نہیں ملتا۔ آیئے دیکھیں اس سنت پر صحابہ کرام کا کتنا عمل تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"لقد ادرکت کبار اصحاب النبی ﷺ یبتدرون السواری عندالمغرب حتی یخرج النبی ﷺ."

میں نے کبار صحابہ کو دیکھا کہ مغرب کے وقت مسجد کے ستونوں کی طرف نماز کے لیے دوڑتے تھے اور صحابہ کرام یہ نفل اس وقت پڑھتے تھے جب تک رسول اکرم ﷺ امامت کے لیے نکل نہ آئیں۔"

(۴) اسلامی عقیدہ کے مطابق موت لازمی ہے، موت کب آئے گی، کہاں آئے گی اور کس حال میں آئے گی، کسی کو معلوم نہیں۔ اسی لیے کتاب و سنت میں حقوق العباد کے سلسلہ میں بطور خاص تاکید کی گئی ہے کہ ان کو فی الفور ادا کر دیا جائے لین دین اور قرض وغیرہ کی ادائیگی میں عجلت سے کام لیا جائے۔ کیوں کہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں اچانک موت آجائے اور

ایک بندۂ مومن اپنے کسی فرض کی ادائیگی کا موقع نہ پاسکے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا ایک تاکیدی حکم یہ ہے:

"ماحق امری مسلم له شیء یوصی فیه یبیت ثلاث لیال الا و صیته مکتوبة." [۱۱]

کوئی مسلمان اگر کسی چیز کی وصیت کرنا چاہتا ہو تو وصیت کو تحریری شکل میں لائے بغیر اس کے لیے تین راتیں گزارنا جائز نہیں۔"

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"ما مرت علی لیلة منذ سمعت رسول اللہ ﷺ قال ذلك الا و عندی وصیتی." [۱۲]

"رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث پاک کے سننے کے بعد مجھ پر کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ میرے پاس میری تحریری وصیت موجود نہ ہو۔"

آج حقوق و معاملات کے کتنے جھگڑے ہیں جو محض اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ مرنے والے نے اپنے پیچھے کوئی ایسی تحریر نہیں چھوڑی جس سے اس کے وارثین اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر سکیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ہر فرمان خواہ وہ زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہو، ہمارے لیے اس کی اطاعت واتباع ضروری ہے۔ ایک جلیل القدر صحابی نے اپنے اسوہ سے ہمیں بتایا ہے کہ احادیث رسول پر کس طرح سے عمل کیا جاتا ہے۔

(۵) صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔ آپ کے حکم پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کے سفیر نے صحابہ کرام کا ذات نبوی سے قلبی لگاؤ دیکھ کر کہا تھا کہ میں نے آج تک کسی عظیم شخصیت کے اتنے مخلص جاں نثار نہیں دیکھے۔ نبی اکرم ﷺ جب تک حیات رہے، صحابہ کرام اپنی فداکاری اور جاں نثاری کے نقوش صفحہ تاریخ پر تو ثبت ہی کرتے رہے، آپ کی وفات کے بعد آپ کو جتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا اور جس طرح آپ کی قبر بنائی گئی، صحابہ کرام نے کوشش کی ہے کہ اس سے بھی تجاوز نہ کریں۔ اس سلسلے میں بعض صحابہ کرام کی وصیت ہمیں کتب احادیث میں ملتی ہے جو ان کے محبت رسول کی زندہ وجاوید مثال ہے۔

حضرت عامر کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الموت میں وصیت فرمائی:

"الحدو الی لحدا وانصبوا علی اللبن نصباً کما صنع برسول اللہ ﷺ." (صحیح مسلم کتاب الجنائز)

میرے لیے لحد بنانا اور اس پر کچی اینٹیں لگانا جیسے رسول اللہ ﷺ کے لیے بنائی گئی۔

آج قبر پرستی کا جو طوفان برپا ہے اور جگہ جگہ صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی پختہ قبریں اور ان پر قبے بنے ہوئے ہیں، ان کو دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ وہ امت جسے توحید کا علم بردار بنایا گیا تھا، شرک اور بدعت کی کن تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے پختہ قبر بنانے کی صریح ممانعت کے باوجود مسلمانوں کے قبرستان پختہ قبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ بزرگان دین کے مزارات کے بارے میں بعض ثقہ مصنفین کی جب اس قسم کی تحریریں ہم پڑھتے ہیں تو حد درجہ افسوس ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ بڑے اللہ والے تھے فلاں مقام پر آج بھی ان کی قبر مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس وصیت سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ جس معاشرہ میں شرک وبدعت کے مظاہر عام ہو چکے ہوں، مرنے والا اپنے وارثین کو وصیت کرے کہ وہ

اس کے مرنے کے بعد خلاف سنت کوئی کام نہیں کریں گے۔

احادیث میں جن چیزوں کی ممانعت آئی ہے ان سے اجتناب:

اتباع سنت کے مفہوم میں اگر ایک طرف رسول اکرم ﷺ کے اوامر کی بے لاگ اور بغیر کسی تحفظ کے اتباع شامل ہے تو دوسری طرف اس کے وسیع مفہوم میں ان چیزوں سے اجتناب اور پرہیز کرنا بھی شامل ہے جن سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اطاعت رسول اور اتباع سنت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب اوامر کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ نواہی سے مکمل طور پر پرہیز بھی کیا جائے۔ سیرت صحابہ میں ہمیں یہ پہلو بھی اتنا ہی ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے جتنا اوامر رسول کی بجا آوری کا پہلو ہے اس لحاظ سے ان کی سیرت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے۔

۱۔ رسول اکرم ﷺ نے متعدد احادیث میں تین دن سے زائد کسی میت کا سوگ منانے سے منع فرمایا ہے۔ صرف بیوی کو حکم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کے والد کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد انہوں نے اپنے رخساروں پر خوشبو لگائی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی صرف حکم رسول کی تعمیل مقصود تھی۔ [۱۳]

اسی طرح جب زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما کے بھائی کی وفات ہوئی تو انہوں نے بھی تین دن کے بعد خوشبو منگا کر اسے استعمال کیا اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے نبی اکرم ﷺ سے منبر پر سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔ [۱۴]

۲۔ صحابہ کرام سے بڑھ کر مزاج شناس نبوت کون ہو سکتا ہے انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ آپ کی پیشانی پر ان کے کسی طرز عمل سے بل آئے جہاں انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا کوئی کام آپ کو گراں گذرا ہے اس سے دست کش ہو گئے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت زینب رضی اللہ عنھا کے تعلق سے منقول ہے کہ وہ اپنے کپڑے رنگوا رہی تھیں۔ آپ گھر میں تشریف لائے تو الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ آپ نے اگرچہ منہ سے کچھ نہیں فرمایا تھا تاہم حضرت زینب آپ کی نگاہ عتاب کو تاڑ گئیں اور تمام کپڑوں کے رنگ کو دھوڈالا۔ [۱۵]

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے متعدد احادیث میں میت پر زمانۂ جاہلیت کی طرح بین کرنے، بال نوچنے، گالوں پر طمانچے مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ نے جنازہ کے ساتھ آگ لے کر چلنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ قبروں پر قبے تعمیر کرنے یا ان پر خیمہ نصب کرنے سے بھی روکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی منع کردہ ان چیزوں کا صحابہ کرام حد درجہ خیال رکھتے تھے۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''احکام الجنائز'' میں حضرت ابو موسی اشعری، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنھم کی وصیتیں نقل فرمائی ہیں جن میں انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے انہی فرامین کا حوالہ دے کر اپنے وارثین کو وصیت کی ہے کہ وہ نہ تو میرے جنازے کے ساتھ آگ لے کر چلیں، نہ عہد جاہلیت کی طرح میرے اوپر بین کیا جائے، نہ میری قبر پر خیمہ لگایا جائے اور نہ میرے مرنے پر عہد جاہلیت کی طرح تشہیر کی جائے۔ [۱۶]

صحابہ کرام کے یہ تمام آثار ایک بندہ مومن کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ اپنے متعلقین کو منہیاتِ شرعیہ سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔

۴۔ عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین اور عہد بنی امیہ میں عورتوں کا مسجد میں نماز کے لیے جانا ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کو منع فرمایا ہے۔ شرعی پابندیوں کا لحاظ رکھ کر عورت مسجد میں جا سکتی ہے۔ جمعہ اور عیدین میں عورتوں کی شرکت کا مسئلہ بالکل واضح ہے۔ عیدین میں تو نبی اکرم ﷺ کا خصوصی حکم ہے کہ عورتیں عید گاہ جائیں حتی کہ حیض والی عورتوں کو بھی جانے کا حکم ہے کہ وہ نماز نہ پڑھ کر دعاؤں میں شریک رہیں گی۔ بخاری شریف میں حضرت عاتکہ کے تعلق سے منقول ہے کہ ان کے شوہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ کچھ لوگوں نے حضرت عاتکہ سے کہا کہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عندیہ معلوم ہے پھر بھی آپ نماز کے لیے مسجد میں آتی ہیں۔ ان کا جواب تھا کہ پھر حضرت عمرؓ مجھے منع کیوں نہیں کرتے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر کیوں منع کر سکتے تھے ان کو پیارے رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد تھی کہ **"لا تمنعوا اماء اللّٰه مساجد اللّٰه"** فقیہان عصر حاضر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی اور غیر ضروری اندیشوں اور خطروں کا حیلہ کر کے وہ امت کے نصف حصے کو مقدس مقامات سے روکے بیٹھے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری نسلیں بے نمازی بنتی جا رہی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے نے اپنے بیوی کو مسجد میں جانے سے روک دیا اور اس سلسلے میں اپنے باپ سے گفتگو کرنی چاہی تو انہوں نے ان سے ترک تعلق کر لیا۔

سیرتِ صحابہ کا یہ پہلو کسی ایک مقالہ میں نمایاں نہیں کیا جا سکتا۔ اس موضوع پر ایک تحقیقی کتاب کی ضرورت ہے جو دعوتی اور اصلاحی نقطۂ نظر سے قلم بند کی جائے۔ ہماری جماعت کی یہ ایک بنیادی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جماعت میں بہت سے اصحابِ علم و قلم موجود ہیں جو اس موضوع پر تحقیقی اور علمی کام بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

مراجع و مصادر

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء والصلوٰة عقبهٗ.

(۲) تدبر قرآن، جلد اوّل، ص ۱۴۱ ۳، تاج کمپنی دہلی، بار اوّل ۱۹۸۹ء (۳) بخاری

(۴) جامع بیان العلم (۵) الکفایہ (۶) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب السواك.

(۷) ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب السواك.

(۸) ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث.

(۹) ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب السواك. (۱۰) بلوغ المرام مع اتحاف الکرام.

(۱۱) بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا. مسلم، کتاب الوصیة. (۱۲) مسلم، کتاب الوصیة.

(۱۳) ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب احداد المتوفی عنها زوجها.

(۱۴) ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب احداد المتوفی عنها زوجها.

(۱۵) ابوداؤد، کتاب اللباس، باب الحمرة.

(۱۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احکام الجنائز و بدعها، ص ۷۰، المکتب الاسلامی طبع چہارم ۱۹۸۶ء

مولانا عبدالوہاب حجازی
جامعہ سلفیہ بنارس

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائی

ایک تقابلی مطالعہ

تفسیر بالماثور، قرآن کی تفسیر قرآن سے یا پھر سنت سے یا پھر صحابہ کی مرویات سے اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں یا پھر تابعین کے اقوال سے کیونکہ انہوں نے اسے صحابہؓ ہی سے اخذ کیا ہے۔ احادیث وروایات میں صحیح وثابت ہی قابل عمل سمجھی جاتی ہیں۔ اس منہج تفسیر میں بغیر کسی اصل ثابت کے کسی معنی کے بیان کی کوشش نہیں کی جاتی۔

تفسیر بالماثور ہی وہ تفسیر ہے جس کی اتباع واجب ہے، اس لیے کہ صحیح علم ومعرفت کا طریقہ یہی ہے اور کتاب اللہ کے بارے میں ہر طرح کے زیغ وضلال سے محفوظ رہنے کا یہی طریقہ ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ”حاصل گفتگو یہ ہے کہ جو شخص صحابہؓ وتابعینؒ کے مذاہب اور ان کی تفاسیر سے اعراض کر کے ان سے مخالف راستہ اختیار کرے گا وہ خطا کار ہوگا بلکہ بدعتی ہوگا اور اگر مجتہد ہوگا تو اس کی خطا کی مغفرت کر دی جائے گی، اصل مقصود علم کے طرق اور اس کے دلائل اور طرق صواب کو بیان کرنا ہے، ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید کو صحابہؓ، تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ نے پڑھا ہے اور یہ مقدس گروہ قرآن کی تفسیر اور اس کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والا تھا، جس طرح وہ اس حق کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا، اس لیے جو شخص بھی ان کے قول کے مخالف راہ اپنائے گا اور قرآن کی تفسیر ان کی تفسیر کے خلاف کرے گا، وہ دلیل اور مدلول سب میں خطا کار ہوگا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کی تفسیر میں اختلاف کے عظیم ترین اسباب میں سے وہ باطل بدعات ہیں جن کی طرف دعوت دیتے ہوئے ان کے حاملین نے تحریف الکلم عن مواضعه کا ارتکاب کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی ایسی تفسیر کی جو مراد نہ تھی اور ایسی تاویل کی جو کلام اللہ کی حقیقت کے خلاف تھی، اس لیے یہ علم کے اصول میں سے ہے کہ آدمی یہ جانے کہ سلف کی تفسیر کیا ہے، اور یہ کہ وہی حق ہے اور یہ ان کی تفسیر کے خلاف ہے اور یہ جانے کہ ان داعیان بدعت کی تفسیر محدث ومبتدع ہے، ان کے فساد تفسیر کو بیان کرنے والے طرق اور دلائل کو بھی جانے۔“ (مجموع فتاویٰ ج ۱۳، ص ۳۶۲)

تفسری بالماثور میں اختلاف کی حقیقت

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ تفسیر بالماثور قرون مفصلہ والمشہود لہا بالخیر سے مروی صحیح روایات پر اعتماد کرتی ہے، اور

بعد کے ادوار کی نسبت ان کے درمیان اختلاف نہایت کم تر ہے، اور اکثر صرف تعبیر کا اختلاف ہے معنی ایک ہی ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں: سلف کے درمیان تفسیر میں اختلاف بہت کم ہے، جو اختلافات صحیح سند سے ثابت ہیں ان کی اکثریت اختلاف تنوع کی حیثیت رکھتی ہے نہ کہ اختلاف تضاد کی، یہ اختلاف دو طرح کا ہے:

(۱) کسی ایک مسمی کے ایک معنی کو ایک شخص ایک عبارت سے بیان کرتا ہے اور دوسرا دوسرے معنی کو دوسری عبارت سے۔ مسمیٰ دونوں طرح کے معانی کا ایک ہی ہوتا ہے جیسے "الصراط المستقیم" کی تفسیر میں ان میں سے ایک کہتا ہے "القرآن یعنی اس کی اتباع، ان میں سے دوسرا کہتا ہے "الاسلام" مگر دونوں قول متفق ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں اس لیے کہ دین اسلام ہی اتباع قرآن ہے، لیکن ہر ایک نے اس مسمیٰ کا ایسا معنی وصفی بیان کیا جو دوسرے سے الگ ہے۔

(۲) ہر ایک اسم عام کے بعض انواع کو بطور تمثیل یا اس نوع پر سامع کو متنبہ کرنے کے لیے بیان کرے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان: "**ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات** (فاطر: ۳۲)" میں سابق کی تفسیر میں ایک قول ہے کہ سابق وہ شخص ہے جو اول وقت میں نماز پڑھتا ہو، اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں اور ظالم لنفسہ وہ ہے جو عصر کو اصفرار تک مؤخر کردے دوسرا قول ہے کہ سابق وہ ہے جو زکوٰۃ کے ساتھ صدقہ کا بھی احسان کرے اور مقتصد وہ ہے جو صرف زکوٰۃ پر اکتفا کرے اور ظالم وہ ہے جو زکوٰۃ بھی نہ دے اور یہ معلوم ہے کہ ظالم لنفسہ تمام واجبات کو ضائع کردینے والے اور تمام حرمات کو قطع کردینے والے کو شامل ہے اس طرح مقتصد تمام واجبات کے ادا کرنے والے اور تمام محرمات کے تارک کو کہتے ہیں اور سابق جو تمام واجبات کے ساتھ دوسرے حسنات سے بھی تقرب حاصل کرنے میں بڑھ جائے، اس طرح ہر قول میں اسم عام کی ایک نوع کو تمثیلاً و تنبیہاً بیان کیا گیا ہے، دونوں طرح کے اقوال متفق ہیں متضاد نہیں۔

اسی طرح سلف میں اختلاف کبھی کسی لفظ کے دو معنی کا احتمال رکھنے کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے "**واللیل اذا عسعس**" یہاں "**عسعس**" سے رات کا آنا اور اس کا جانا دونوں مراد لیا جاتا ہے، ایسی صورت میں کبھی ان تمام معانی کو مراد لینا درست ہوتا ہے جنہیں سلف نے بیان کیا ہے اور کبھی موجب تخصیص کی بنا پر کوئی ایک نوع مراد ہوتی ہے۔ یہ اختلاف سلف کے یہاں کبھی اس صورت میں بھی ہوتا ہے کہ وہ معانی کی تعبیر مترادف نہیں بلکہ متقارب الفاظ سے کرتے ہیں، اس لیے کہ ترادف لغت میں بہت قلیل ہے اور الفاظ قرآن میں تو نادر یا معدوم ہے۔ اس لیے ایسا بہت کم ہوسکتا ہے کہ کسی لفظ کی تعبیر کسی ایک لفظ سے کی جائے اور وہ اس کے تمام معانی کو ادا کردے، بلکہ اس میں اس کے معنی کی صرف تقریب ہوتی ہے، یہ بھی قرآن کے اسباب اعجاز میں سے ہے مثلاً قرآن میں ہے۔ "**ویوم تمور السماء مورا**" اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کسی نے کہا کہ "**مور**" یعنی حرکت یہ صرف تقریب معنی ہے اس لیے کہ مور حرکت خفیفہ سریعہ کو کہتے ہیں اسی طرح "الوحی" کا معنی بیان کیا "اعلام" خبر دینا تو یہ تقریب مع تحقیق نہیں ہے اس لیے کہ وحی اعلام سریع و خفی کو کہتے ہیں، اس لیے یہ اصلاً اختلاف تضاد نہیں ہے۔ (مجموع فتاویٰ ۱۳/ ۳۳۳)

اہل کتاب سے نقل اسرائیلیات میں بعض مفسرین سے جو اختلافات مذکور ہیں وہ عموماً ایسے امور میں ہیں جن میں

کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ ہمیں اس کے جاننے کی کوئی حاجت ہے جیسے اصحاب کہف کے نام، ان کے کتے کا رنگ اور ان کی تعداد کے متعلق اختلاف۔ ان چڑیوں کے نام کے بارے میں اختلاف جنہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کے لیے زندہ کردیا تھا اور یہ کہ عصائے موسیٰ کس لکڑی کا تھا ان کے متعلق علم کا طریق نقل و روایت ہے اگر ہمارے رسول ﷺ سے روایت صحیح منقول ہے تو اسے قبول کیا جانا لازم ہے ورنہ ہم توقف اختیار کریں گے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے: "**اذا حدثکم اهل الكتاب فلا تصدقوهم ولا تكذبوهم وقولو آمنا بالله وما انزل الينا.** (البخاری) اسلام لانے والے اہل کتاب جب قرآنی قصوں کو پڑھتے تو کبھی تورات و انجیل میں ان قصوں کی جزئیاتی تفصیل بیان کرتے صحابہؓ مذکورہ حدیث کی اتباع میں اسے سن کر توقف اختیار کرتے اور اُن میں اور صحابہؓ میں کبھی بعض جزئیات کے متعلق گفتگو بھی ہوتی اور عقیدہ واحکام کو چھوڑ کر صحابہ بعض جزئیات کو قبول کر لیتے تھے اور اسے بیان بھی کر دیتے تھے اس کی بنا رسول اللہ کی دو حدیثوں سے ثبوت استحباب پر ہے۔ (۱) "**بلغوا عني ولو آية**" (۲) "**حدثوا عن بني اسرائيل ولاحرج ، ومن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار**" (البخاری) یعنی بنی اسرائیل سے وہ باتیں بیان کر سکتے ہو جن کے متعلق تمہیں جھوٹ ہونے کا علم نہ ہو، البتہ اس سے پہلے ممانعت والی حدیث ان امور پر محمول ہوگی جن کی خبروں میں یہ احتمال ہو کہ یہ صدق ہیں یا کذب ہیں، اس لیے دونوں فرامین رسول میں تعارض نہیں ہو سکتا۔

صحابہؓ کرام نے اہل کتاب صحابہ سے تفسیر قرآن میں جزئی خبروں کے سوا اور کچھ نہیں لیا ہے، البتہ جب تابعینؒ کا دور آیا تو کثرت سے اہل کتاب اسلام لائے اس لیے تابعین نے ان سے کثرت سے روایات لی ہیں، بیشتر اسرائیلیات چار اشخاص سے مروی ہیں: (۱) عبداللہ بن سلامؓ، (۲) کعب الاحبار، (۳) وھب بن منبہ، (۴) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج۔ جرح و تعدیل میں علماء کے حکم ان کے متعلق گو کچھ مختلف ہیں مگر اکثر اختلاف کعب احبار کے متعلق ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ صاحب علم و فضل ہیں۔ ان سب میں سب سے اعلیٰ ہیں امام بخاری وغیرہ جیسے اہل الحدیث نے ان پر اعتماد کیا ہے البتہ کعب احبار اور وھب بن منبہ کی اسرائیلیات پر کلام ہے۔

تفسیر بالرائ

وہ تفسیر ہے جس میں مفسر معنی کے بیان میں اپنی خاص فہم اور رائے مجرد کو استنباط کی بنیاد بناتا ہے۔ اس سے وہ فہم خارج ہے جو روح شریعت سے متفق ہو اور شریعت کے نصوص سے استناد کرتی ہو۔ اس فہم خارج کے ساتھ جن لوگوں نے تفسیر کی ہے اکثر وہ اصحاب بدعات ہیں جنہوں نے اپنے معتقدہ باطل مذہب کی تائید کے لیے قرآن کی اپنی رائے کے مطابق تاویل کی۔ صحابہ و تابعین میں ان کا کوئی سلف نہیں نہ ہی ان کی رائے میں اور نہ تفسیر میں، انہوں نے اپنے مذاہب کے اصول پر قرآن کی تفاسیر لکھیں۔ ان تفسیروں میں جن کی عبارات عمدہ ہوتی ہیں وہ کثرت سے رواج پاجاتی ہیں جیسے زمخشری کی الکشاف، ان لوگوں میں اہل کلام کے بعض گروہوں نے اپنے مذہب کے مطابق آیاتِ صفات کی تاویل کی ہے یہ لوگ معتزلہ کی نسبت اہل سنت سے زیادہ قریب ہیں، لیکن جب یہ لوگ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو صحابہ و تابعین کے مذہب کے خلاف ہوتی ہیں تو یہ معتزلہ اور دیگر اہل بدعت کے شریک ہوتے ہیں، اسی لیے بغیر کسی اصل کے مجرد رائے اور اجتہاد سے قرآن کی تفسیر کرنا

حرام ہے اور اس پر عمل جائز نہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا "ولا تقف مالیس لك به علم" (الاسراء :۳۶) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من قال في القرآن برأيه او بما لا يعلم فليتبوأ مقعده من النار ،(ابوداؤد) وفی لفظ "من قال في القرآن برأيه فاصاب فقد أخطا." امام طبری نے اس سے متعلق لکھا ہے کہ ایسے شخص کا صحت کو پالینا صاحب یقین اور طالب حق کے صحت کو پالینے کی طرح نہیں ہے۔ یہ اٹکل، اندازہ اور ظن سے صحت کو پانا ہے اور اللہ تعالی کے دین کے متعلق ظن سے کوئی بات کہنے والا اللہ سے ایسی بات جوڑنے والا ہے جسے وہ جانتا ہی نہیں اور اللہ تعالی نے ایسا کرنا حرام ٹھہرایا ہے۔ ارشاد ہے: " قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغير الحق وأن تشركوا بالله مالم ينزل به سلطانا وان تقولوا على الله مالا تعلمون." (الاعراف : ۳۳) (تفسير الطبری ج ۱ ص ۷۹) قرون مفضلہ کے بعد مفسرین نے اسرائیلیات کے اخذ میں صحت نقل کا اہتمام ترک کر دیا۔ اس طرح تفسیر میں بہت سے فاسد و باطل امور داخل ہو گئے جو رائے سے تفسیر کرنے والوں کے لیے معتمد ہوتے ہیں۔ (مباحث في علوم القرآن للشيخ مناع القطان ملخصاً)

تفسیر بالماثور کی مشہور کتابیں

(۱) **تفسير ابن عباس**، اس میں روایت کے بعض طرق صحیح ہیں اور بعض طرق ضعیف ہیں، مثلاً معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس کا طریق جید ہے، لیکن محمد بن السائب الکلبی عن ابن صالح عن ابن عباس سب سے ضعیف طریق ہے، اس تفسیر کی روایات میں نو طرق مشہور ہیں مگر ان میں کئی ضعف سے خالی نہیں۔

(۲) **جامع البيان في تفسير القرآن للطبری** (م ۳۱۰ھ)، تفسیر بالماثور میں ممتاز ترین کتاب ہے، اس میں صحیح منہج تفسیر اختیار کیا گیا ہے۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے اقوال کا بے مثال گنجینہ ہے، شیخ مغراوی کے بقول کسی مسلم گھر میں صرف یہ تفسیر اور قرآن موجود ہو تو اللہ کی مراد کی تعبیر کے لیے کافی ہو گی کسی اور تفسیر کی قطعاً حاجت نہ ہو گی، مذہب سلف کی تائید میں اس تفسیر کا جواب نہیں ہے۔

(۳) **المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز لابن عطية الاندلسی**، اہل سنت و جماعت کی اس میں بڑی اتباع ہے، اس میں چند بدعات ضرور ہیں، انہیں علم کلام کا تجربہ ہے، محققین کے نام سے اہل کلام کے اقوال نقل کرتے ہیں، تفاسیر ماثور میں موجود کلام سلف نقل کرتے تو بہتر تھا، یہ مؤول اشعری ہیں اور اشعری تاویل کی مدافعت کرتے ہیں۔ (مغراوی)

(۴) **تفسير القرآن العظيم لابن كثير** م ۷۷۴ھ۔ تفسیر طبری سے ماخوذ ہے، اور اس کے بعد تفسیر بالماثور میں دنیا بھر کی تفسیروں میں اس کا دوسرا مقام ہے، یہ ٹھیک منہج سلف کے مطابق اور ان کے عقیدہ کی تائید میں لکھی گئی ہے۔

(۵) **تفسير ابن عيينه** (۶) **تفسير ابن ابی حاتم** (۷) **تفسير ابو الشيخ ابن حبان** (۸) **تفسير بحر العلوم لأبی الليث السمرقندی الحنفی** م ۳۷۳ھ۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین کی روایات نقل کی ہیں لیکن اپنی سند نقل نہیں کی ہے، مختلف اقوال و روایات میں تعصب اور ترجیح کا طریقہ اختیار نہیں کیا ہے۔ کبھی کبھی کلبی جیسے ضعفاء سے بھی روایت کی ہے، (۹) **تفسير ابی اسحق ، الكشف والبيان عن تفسير القرآن** (۱۰) **تفسير ابن ابی شیبه** (۱۱) **تفسير البغوی** م ۵۱۰ھ "معالم التنزل" بدعت اور احادیث ضعیفہ سے نسبتہً زیادہ پاک ہے۔ یہ تفسیر ثعلبی سے ماخوذ ہے،

بغوی سلفی العقیدہ ہیں، اللہ کے لئے اثبات صفات ان کی تفسیر میں غالب ہے البتہ ثعلبی کی اتباع میں بعض مقامات پر تاویل کی ہے۔ (مغراوی)

(۱۲) تفسیر الثعلبی م ۴۲۷ھ یہ اسرائیلیات کے لیے مصدر کبیر ہے اور احادیث موضوعہ کے لیے بھی، یہ مذہب اشاعرہ پر مؤول ہیں، کبھی مذہب سلف بھی ذکر کردیتے ہیں۔ بغوی نے اپنی تفسیر اسی سے مختصر کی ہے مگر موضوعات سے اور مبتدعانہ آراء سے اپنی تفسیر کو محفوظ کرلیا ہے۔

(۱۳) تفسیر الثالبی م ۸۷۶ھ الجواهر الحسان فی تفسیر القرآن، یہ تفسیر ابن عطیہ کا اختصار ہے، یہ صفات میں مؤول اشعری ہیں، اسی مذہب کو وہ برحق سمجھتے ہیں۔ (مغراوی)

(۱۴) تفسیر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ، الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور (۱۵) تفسیر الشوکانی فتح القدیر.

علماء محققین نے اصول کے اعتبار سے ان کتابوں میں فرق مراتب کیا ہے، اکثر صفات باری تعالیٰ میں تاویل کی بنا پر شیخ محمد عبدالرحمٰن المغراوی نے اپنی کتاب " المفسرون بین التاویل والاثبات فی آیات الصفات" میں مندرجہ بالا میں سے بعض کتب کو منہج سلف سے خارج قرار دیا ہے۔

تفسیر بالرائی کی مشہور کتابیں

(۱) تفسیر عبدالرحمن بن کیسان الاصم (۲)تفسیر ابوعلی الجبائی (۳) تفسیر قاضی عبدالجبار (۴)تفسیر الزمخشری ۵۳۸ھ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، مذہب اعتزل کی تائید میں لکھی گئی ہے قرآنی آیات کو اسی مذہب پر محمول کیا ہے، اہل سنت کا مذاق اڑایا ہے، انہیں مجبرہ، حشویہ، مشبہ، قدریہ سے خطاب کیا ہے، حنفی تھے مگر متعصب نہ تھے۔

(۵) تفسیر رازی ۶۰۶ھ "مفاتیح الغیب" یہ تفسیر علم الکلام کا بڑا مرجع ہے اور اسی طرح مذموم اشعری عقیدہ کا بھی، صفات کی تاویل میں زمخشری معتزلی پر اعتماد کیا ہے۔ (مغراوی)

(۶) تفسیر ابن فورك ۔

(۷) تفسیر النسفی ۷۰۱ھ "مدارك التنزیل وحقائق التاویل" یہ تفسیر بیضاوی و زمخشری کا خلاصہ ہے۔ مؤول اشعری ہیں، بلا استثناء تمام صفات کی تاویل کی ہے، خفیت اور تاویل صفات میں متعصب ہیں۔ (مغراوی)

(۸) تفسیر الخازن ۷۴۱ھ "لباب التاویل فی معانی التنزیل" یہ تفسیر بغوی کا اختصار ہے، سند حذف کردیا ہے، باطل اخبار اور فاسد اسرائیلیات سے پر ہے، ثعلبی سے بہت کچھ اخذ کیا ہے، بیشتر صفات میں مؤول ہیں تھوڑے میں اثبات کیا ہے، کہیں سلف وخلف کا مذہب بلا ترجیح ذکر کیا ہے۔ (مغراوی)

(۹) تفسیر ابی حیان (م ۷۴۵ھ) "البحر المحیط" آیات صفات کی تاویل میں اشعری ہیں۔ ابن عطیہ، زمخشری، رازی اور باقلانی وغیرہ ائمہ اشاعرہ پر اعتماد کیا ہے۔ (مغراوی)

(۱۰) تفسیر البیضاوی ۶۹۱ھ "انوار التنزیل واسرار التاویل" خلف کے مذہب پر لکھی گئی ہے جس میں رازی وزمخشری کی

عبارات کا خلاصہ ہے۔ صفات میں اپنی تاویل کے ساتھ زمخشری کی تمام تاویلات کو نقل کر دیا ہے، صفات میں یہ موؤل کبیر ہیں، اور مذہب اشاعرہ پر ہیں۔

(۱۱) **تفسیر الجلالین**، سیوطی اس تفسیر میں اشعری کبیر ہیں، ہر صفت کی تاویل کی ہے، یہی بات جلال محلی پر بھی صادق آتی ہے۔ (مغراوی)

(۱۲) **تفسیر القرطبی ۶۷۱ھ "الجامع لاحکام القرآن"** لاریب اشعری العقیدہ ہیں اور اس باب میں ان کا اعتماد اساطین اشاعرہ جوینی، باقلانی، اسفرائینی، رازی اور ابن عطیہ وغیرہ پر ہے۔ (مغراوی)

(۱۳) **تفسیر ابی السعود حنفی ۹۸۲ھ "ارشادالعقل السلیم الیٰ مزایا الکتاب الکریم"** صفات میں ان کا عقیدہ مؤولۃ کا ہے۔ رازی کی اتباع کی ہے بلکہ رازی کی ترجیحات کو نقل بھی کرتے ہیں اور انہیں ثابت بھی کرتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے مذہب سلف کی خوشبو بھی سونگھی ہے، اکثر ترک حنفیوں کی یہی عادت ہے وہ مذہب پر جمود اختیار کر لیتے ہیں اور اشعری یا ماتریدی عقیدے پر بھی۔ اتراک کو مذہب سلفی سکھانے والا میسر نہ ہوا، ان میں جو شعوبی اور زاہد الکوثری کے نام سے ظاہر ہوا وہ سلفی دعوت کے اعداء میں سے تھا۔ (مغراوی)

(۱۴) **تفسیر الآلوسی ۱۲۷۰ھ** صوفی رجحان کے تھے، بیشتر مواقع پر تفسیر اشاری نقل کیے بغیر نہیں رہتے، اسماء وصفات میں رازی کے اکثر بحوث نقل کرتے ہیں۔ زمخشری کو بھی نقل کیا ہے، کبھی یہ اپنے کو مذہب سلف کی طرف منسوب کرتے ہیں، کبھی مذہب اشعری کی تائید کرتے ہیں، کبھی مکمل صراحت نہیں کرتے، کبھی سلف وخلف دونوں کا مذہب ثابت کرتے ہیں، کبھی خلف کو ترجیح دیتے ہیں، مذہب سلف وخلف میں یوں ہی متردد ہیں۔ ہمارے نزدیک مفسرین خلف میں شمار ہونا راجح ہے۔ (مغراوی) محققین نے اصول کے اعتبار سے ان کتابوں میں فرق مراتب کیا ہے۔

تفسیر میں رائے کا ظہور

عہد رسالت سے عصر تبع تابعین تک تفسیر تقریباً ایک ہی شاہراہ پر چلتی رہی، یعنی تفسیر بالماثور، اس دور میں استنباط واجتہاد حدود شریعت میں ہوتا رہا اور رائے مذموم کے دائرہ میں داخل نہیں ہوا تھا، یہاں تک اسلام میں فرقوں کا ظہور ہونے لگا، اور حسب فرمانِ رسول ﷺ: **ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة کلها فی النار الا واحدة، وهی ما انا علیه واصحابی**۔ یہ فرقے بتدریج ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے یہاں تک کہ عباسی سلطنت کے دور میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے سامان تباہی بن گئے، ان میں مشہور خوارج، روافض، جہمیہ، معتزلہ، قدریہ، مرجیہ اور باطنیہ وغیرہ ہیں انہوں نے ایسے مذاہب اختیار کیے جو اس حق کے صریح مخالف ہیں جسے اس امت کے سلف صالحین، ائمہ ہدیٰ اور ان کی راہ پر چلنے والوں نے اختیار کیا، ان باطل فرقوں نے قرآن کی تاویل اپنی آراء کے مطابق کی اور اپنے مذہب کی مخالف آیات میں تحریف تک کرنے سے بازنہ آئے، ان میں معتزلہ کلام وجدال میں سب سے بڑھ کر ہیں۔

معتزلی تفسیر

مذہب معتزلہ کے پانچ اصول ہیں: (۱) توحید (۲) عدل (۳) **منزلة بین المنزلتین** (۴) **انفاذ الوعید** (۵) **امر**

بالمعروف ونهی عن المنکر. ان کی توحید جہمیہ والی توحید ہے یعنی نفی صفات، اللہ دیکھتا نہیں، قرآن مخلوق ہے، وہ عالم کے اوپر نہیں، اس کے ساتھ علم، قدرت سمع، بصر، حیات، کلام، مشیت اور کوئی صفت قائم نہیں ہے۔ عدل کا معنی ان کے یہاں یہ ہے کہ اللہ نے تمام کائنات کو پیدا نہیں کیا ہے، نہ سب پر قادر ہے۔ افعال عباد خواہ خیر ہوں یا شر، کسی کو اس نے پیدا نہیں کیا ہے، اس نے اسی چیز کا ارادہ کیا ہے۔ شرعاً جس کا حکم دیا ہے اس کے سوا سب کچھ اس کی مشیت کے بغیر آتا ہے، اور یہ کہ اہل کبائر کے متعلق اللہ شفاعت قبول نہیں کرے گا اور ان میں سے کسی کو دوزخ سے کبھی نہیں نکالے گا۔ (مجموع فتاویٰ ۱۳/ ۳۵۷)

معتزلہ کی مشہور تفاسیر یہ ہیں: تنزيه القرآن عن المطاعن، لشيخ المعتزله القاضی عبدالجبار م ۴۱۵ھ، غرر الفوائد ودرر القلائد، امالی الشریف المرتضیٰ م ۴۳۶ھ، الکشاف عن حقائق التنزيل وعيون الاقاويل فی وجوه التاويل لابی القاسم الزمخشری م ۵۳۸ھ، ابو علی الجبائی م ۳۰۳ اور علی بن عیسی الرمانی م ۳۸۴ھ نے بھی تفسیریں لکھی تھیں مگر وہ نایاب ہیں۔

معتزلہ قرآن کی تفسیر انہیں اصول خمسہ پر ڈھالتے ہیں، یہ اصول چونکہ متبعین سلف اہل سنت والجماعۃ کے خلاف ہیں اس لیے انہیں وہ اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں، اپنے اصولوں سے متصادم احادیث صحیحہ کا وہ برملا انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تفسیر کے لیے اولین اصل عربی لغت ہے، اپنے باطل معانی کے لیے وہ جاہلی اشعار سے دلیل لاتے ہیں، مثلاً وہ آخرت میں بھی رویت باری تعالیٰ کے منکر ہیں جب کہ قرآن میں ہے "وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظره. (القيامة۲۲: ۲۳)۔ اس لیے وہ عربی لغت کے سہارے پر نظر کے معنی رحمت کی امید لیتے ہیں جو تفسیر سلف کے بالکل خلاف ہے۔ وہ نص قرآنی میں تصرف کرنے سے بھی نہیں چوکتے، مثلاً "وکلم الله موسیٰ تکلیما. (النساء: ۱۶۴) چونکہ وہ اللہ کی صفت کلام کے منکر ہیں اس لیے اس آیت میں اللہ کو مفعول اور موسیٰ کو فاعل پڑھ کر قرآن میں تصرف کرتے ہیں۔ تفسیر کشاف وغیرہ اس طرح کی مثالوں سے پر ہیں، معتزلہ بہت سے دینی حقائق کے منکر ہیں مثلاً حقیقت سحر اور نبی اکرمؐ کے مسحور ہونے سے متعلق احادیث صحیحہ کا وہ انکار کرتے ہیں، وہ جنوں کے وجود اور کرامات اولیاء اللہ کے بھی منکر ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ معتزلہ پہلے ایک رائے متعین کرتے پھر اس پر قرآن کے الفاظ چسپاں کرتے ہیں۔ صحابہ اور تابعین اور ائمہ مسلمین میں سے کوئی ان کی رائے اور ان کی تفسیر کا مؤید نہیں ہوتا ہے، ان کی باطل تفسیروں کا بطلان متعدد وجوہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں بعض بڑی خوبصورت عبارت والے اور فصیح اللسان ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے خوبصورت کلام میں بدعت چھپائے رہتے ہیں جسے اکثر لوگ نہیں جان پاتے۔ صاحب کشاف وغیرہ ایسے ہی لوگ ہیں، وہ باطل کا اعتقاد نہ رکھنے والوں میں اپنی باطل تفسیروں کو رواج دیتے ہیں۔ میں نے مفسر علماء اور دوسرے علماء کو دیکھا کہ وہ اپنی کتاب اور کلام میں ان کے اصولوں کے مطابق تفسیروں کو ذکر کرتے ہیں لیکن ان معلوم الفساد اصولوں کا پتہ نہیں پاتے۔ (مجموع فتاوی ۱۳/ ۳۵۸)

شیعی تفسیر

شیعوں کے بہت سے فرق ہیں، ان میں زیدیہ اہل سنت سے کچھ قریب مانا جاتا ہے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی امامت کی صحت کا قائل ہے اور ان کی بیعت سے صحابہ کرام کی تکفیر نہیں کرتا، اور امامیہ اسماعیلیہ باطنیہ فرقہ حقیقت میں مجوس کا گروہ ہے

جس نے اسلام کی شوکت کو توڑنے کے لیے اہل بیت کی موالاۃ کا حیلہ اختیار کیا ہے۔ بابیت اور بہائیت اس کے نئے فرقے ہیں، باطنیت کی دعوت تمام شرائع خصوصاً شریعت اسلام کی بربادی کی دعوت ہے۔ قرآن مجید کی ان کی کوئی مکمل تفسیر نہیں، البتہ ان کی تاویلات ان کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ مثلاً وضو سے مراد ان کے یہاں موالاۃ امام ہے، صلوٰۃ سے رسول مراد ہے، زکوٰۃ سے اپنے مخصوص مذہب کے مطابق تزکیہ نفس مراد ہے وغیرہ۔ شیعی فرق میں امامیہ اثنا عشریہ کے علماء نے تفسیر پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، مثلاً **تفسیر الحسن العسکری** م ۲۵۴ھ، **تفسیر محمد بن مسعود الکوفی**. یہ شیعہ کی امہات کتب تفسیر میں سے ہے۔" **التبیان لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی** ۴۶۰ھ، **مجمع البیان لابی علی الفضل بن الحسن الطبرسی** م ۵۳۸ھ، **الصافی لملامحسن الکاشی، البرھان لھاشم بن سلیمان البحرانی** م ۱۱۰۷ھ، **آلاء الرحمن فی تفسیر القرآن لمحمد جواد بن حسن النجفی** م ۱۳۵۲ھ سورہ فاتحہ سے سورہ نساء تک، وغیرہ۔

اس فرقہ کے اہم معتقدات اس کے ائمہ سے وابستہ ہیں اور ان سارے عقائد پر نصوص قرآن کو چسپاں کرنے کے لیے ہر طرح کا زور صرف کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ روئے زمین کے ستون ہیں اور امامت دین کی رسی، مسلمانوں کا نظام، دنیا کی صلاح و فلاح اور مسلمانوں کی عزت ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اماموں کا اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی روحانی رابطہ ہے جیسے انبیاء و رسل کا، یہ شارع اور منفذ ہیں، اللہ نے نبی اور امام کو دین کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض امور کی تعیین نبی اور امام کی رائے پر چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے فرض کی رکعات کی تعداد میں زیادتی، نماز، روزہ میں نوافل کی تعیین، اللہ تعالیٰ نے نبی کو اور اس کے بعد ائمہ کو مخلوق کے امور اور تکمیل و تعلیم سے متعلق سیاست و انتظام کے امور سونپ دیے ہیں، ان تمام امور میں ان کی اطاعت لوگوں پر فرض ہے۔ یہ لوگ ائمہ کے معصوم ہونے کے قائل ہیں۔ مہدی منتظر، رجعت اور تقیہ ان کے خاص اصول ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کا ظاہر اور باطن دونوں ہے بلکہ باطن بہت زیادہ ہیں اور پورے قرآن کا علم صرف ائمہ کے پاس ہے خواہ اس کا تعلق ظواہر سے ہو یا بواطن سے، انسان پر قرآن کے ظواہر و بواطن سب پر ایمان لانا واجب ہے، ان کا اصول ہے کہ علیؓ اور ان کے بعد کے ائمہ کی امامت کا اقرار اور ان سے حب و موالات اور ان کے مخالفین اور اعداء سے بغض ایمان کے اصول میں سے ہے کہ اس کے بغیر انسان کا ایمان صحیح نہیں ہو سکتا، جو قرآن علیؓ نے جمع کیا تھا جو بعد کے ائمہ میں چلا وہی صحیح قرآن ہے جس میں تحریف واقع نہیں ہوئی، اس کے علاوہ میں تحریف واقع ہو گئی ہے۔ آل بیت کے فضائل اور ان کے اعداء کے مثالب کو حذف کر دیا گیا ہے۔ تحریف کی روایات شیعوں کے یہاں متواتر ہیں، شیعہ شیعوں ہی سے روایات لیتے ہیں، اسی طرح تفسیر بھی شیعہ ہی سے لیتے ہیں۔ شیعی طریق سے پہونچی ہوئی بات پر ہی اعتماد کرتے ہیں۔ اس طرح قرآنی آیات کی تاویل اور اس کے ظاہر و باطن کی تعیین میں امامیہ اثنا عشریہ کی کتابیں قرآن کے ساتھ کھلواڑ اور استخفاف سے مملو ہیں اور ایسی اغلاط سے پر ہیں جو اتباع ھویٰ کی بنا پر عمداً صادر ہوتی ہیں۔ (**فتح المنان بتلخیص الاتقان ص ۲۲۱**)

روافض امامیہ نے "**تبت یدا ابی لھب**" کی تفسیر میں کہا: **ھما ابوبکر و عمر**، اور "**لئن اشرکت لیحبطن عملك**" کی تفسیر میں کہا "**ای بین أبی بکر و علی فی الخلافة**" اور "**ان اللہ یامرکم أن تذبحوا بقرۃ**" کی تفسیر میں کہا: "**ھی عائشة**" اور "**قاتلوا ائمة الکفر**" کی تفسیر میں کہا "**طلحة والزبیر**" اور **مرج البحرین** کی تفسیر میں کہا "**علی**

وفاطمة" اور "اللؤلؤ والمرجان" کی تفسیر میں کہا "الحسن والحسین" اور "کل شی احصیناہ فی امام مبین" کی تفسیر میں کہا "فی علي بن ابی طالب". (مجموع فتاوی ۱۳/ ۳۵۹)

شیعوں کا کہنا ہے کہ قرآن کے ظاہر کے علاوہ اس کے ستہتر (۷۷) بواطن ہیں، ظاہر میں توحید ورسالت کی دعوت دی گئی ہے اور باطن میں امامت وولایت کی۔ مثلاً قرآن میں ہے "مثل الجنة التی وعدالمتقون فیھا انھار من ماء (محمد) اس میں مذکور انعامات ربانی کو شیعہ ظاہری معنی کہتے ہیں اور اس کے باطنی معنی ائمہ کے علوم وفنون بتاتے ہیں۔ قرآن کی اس باطنی تفسیر پر یقین رکھنے والے اپنی خواہشات کے مطابق قرآن کی تفسیر اور اس میں تصرف کے لیے اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتے ہیں۔ "لترکبن طبقا عن طبق" (الانشقاق) کی تفسیر میں شیعہ کہتے ہیں کہ اس کا باطنی معنی ہے کہ یہ امت بھی گذشتہ امم کی طرح نبی کے بعد اوصیاء سے غداری کرے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کا جو لفظ ظاہری معنی میں عام ہے اکثر اوقات باطنی معنی میں خاص ہوتا ہے، مثلاً "کافرون" کا لفظ ظاہری معنی میں عام ہے مگر باطنی معنی میں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے ولایت علی کا انکار کیا۔ قرآن مجید میں جہاں، اللہ، الٰہ اور رب کے الفاظ یا ان کی طرف لوٹنے والی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ شیعہ کے نزدیک ان سے امام مراد ہے اور جہاں اللہ کی اطاعت ورضا کا ذکر ہے اس سے امام کی اطاعت ورضا مراد لی گئی ہے۔ شیعہ اسے مجازی معنی کہتے ہیں، جب کہ حقیقی معنی مراد لینے سے کوئی چیز مانع نہیں پھر اس مجاز کی ضرورت کیا ہے۔ غرض باطنی تفسیر کے نام پر شیعوں نے مذموم تفسیر بالرای کا ایک دروازہ کھول دیا ہے جس کا قرون مفصلہ مشہود لہا بالخیر کی ماثور تفسیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیعی تفاسیر میں باطنیت کے اس قبیح عنصر کے علاوہ اعتزال بھی بڑی حد تک پایا جاتا ہے۔ گویا شیعی تفاسیر اپنے ستہتر (۷۷) بواطن کے ساتھ ستہتر ظلمات بعضھا فوق بعض کا منظر پیش کر رہی ہیں۔

صوفی تفسیر

بعض صوفیاء نے اپنے تصوف کی بنیاد نظریاتی مباحث اور فلسفیانہ تعلیمات پر رکھی ہے، ان کا سرخیل ابن عربی ہے۔ محی الدین ابن عربی اندلسی م ۶۳۸ھ کی طرف اس نوع کی ایک تفسیر بھی منسوب ہے، فلسفیانہ نظریات میں سے اس کی تفسیر میں نظریہ وحدۃ الوجود بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے قرآن لوگوں کو صراط مستقیم کی ہدایت کے لیے آیا ہے نہ کہ نظریات کے اثبات کے لیے، اس لیے نظریاتی تصوف کی تفسیر اور قرآنی مقاصد میں تضاد نمایاں رہتا ہے لیکن قرآن کے حساب پر اس طرح کے لوگ اپنے نظریات کو رواج دیتے ہیں، قرآن کی کوئی خدمت تو نہیں کرتے البتہ شر والحاد پر مبنی اپنے فلسفیانہ تصوف کی خدمت ضرور کرتے ہیں۔ اس فلسفیانہ تصوف کے علاوہ ایک تصوف عملی ہے جو زہد وتقشف اور روحانی ریاضت پر زور دیتا ہے اور منازل سلوک طے کراتا ہوا ایسے مراحل پر پہونچاتا ہے جہاں سے بزعم خویش صوفی کو جناب قدس سے مخصوص مخفی فیضان واشارات حاصل ہوتے ہیں، اس میں فلسفیانہ مباحث نہیں ہوتے ایسی تفسیر صوفی کو تفسیر فیضی یا تفسیر اشاری کہا جاتا ہے۔ عملی تصوف کے حامل صوفیاء کی تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن میں ظاہر وباطن کے قائل ہیں ان کی تفسیروں میں دونوں کے نمونے موجود ہیں، مخفی اشارات پر مبنی تفسیر ظاہری معنی کے خلاف ہوتی ہے البتہ وہ ظاہری معنی کو بھی مانتے ہیں لیکن نظری صوفی کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اس معنی کے سوا آیت کا کوئی اور مفہوم نہیں۔ نظری تفسیر کا ایک نمونہ ابن عربی کی زبان میں

دیکھئے قرآن مجید کی آیت "ان الذین کفروا سواء علیھم أ انذرتھم أم لم تنذرھم لا یومنون" (البقرۃ : ٦) کی تفسیر میں لکھتا ہے: اے محمد کفر کرنے والوں کو چھوڑئے انہوں نے اپنی محبت کو میرے اندر چھپا رکھا ہے، برابر ہے کہ آپ ان کو اس وعید کے ساتھ ڈرائیں جو دے کر ہم نے آپ کو بھیجا ہے یا نہ ڈرائیں، وہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ میرے سوا وہ کسی چیز کا شعور ہی نہیں رکھتے، وہ آپ پر کیسے ایمان لا سکتے ہیں جب کہ میں نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور اپنے سوا کسی اور کے لیے گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے وہ میرے سوا کسی کی بات سن ہی نہیں سکتے، ان کی آنکھوں پر پردہ ہے چنانچہ وہ میرے بغیر اور کسی کو دیکھتے ہی نہیں۔" (التفیسر و المفسرون. ۱۳/۳ بحوالہ فتوحات ۱/۱۱۵)

یہ صریح الحاد و کفر ہے، قرآنی توحید و تعلیمات اور تفسیر بالماثور کی عین ضد ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو برباد کر دینے والی ہے، مسلمانوں کو ایسی تفسیروں سے بچنا لازم ہے۔

اشاری تفسیر کے متعلق بھی بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ ایسی تفسیر جائز نہیں ہے۔

امام زرکشی نے البرہان میں لکھا ہے کہ: تفسیر قرآن سے متعلق صوفیاء کے کلام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تفسیر ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایسے معانی اور وجدانات ہیں جو تلاوت کے وقت انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ (مناھل العرفان لعبد العظیم الزرقانی ۱/۵۴٦)

علامہ زرقانی نے فتاویٰ ابن الصلاح المحدث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے مفسر امام ابو الحسن الواحدی کا یہ قول ملا ہے کہ ابو عبد الرحمٰن السلمی نے حقائق التفسیر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اگر انہوں نے اسے بحیثیت تفسیر لکھی ہے تو کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ میرا خیال کہ ان میں قابل اعتماد شخص جب اس طرح کی بات کہے تو میرا گمان ہے کہ اس نے ازراہ تفسیر و شرح نہیں کہی ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو باطنیت کا راستہ یہی ہے، بلکہ یہ قرآنی باتوں کے لیے ان کی طرف سے نظیر و مثال کی بات ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر یہ لوگ اس قسم کی باتوں میں تساہل نہ برتتے تو بڑا اچھا ہوتا، کیونکہ اس میں ایہام اور غیر ضروری کرید ہے۔ (مناہل ۱/۵۴٦)

بطور نمونہ قرآنی آیت "ان اول بیت وضع للناس" (آل عمران : ۹٦) کی تفسیر میں سہل بن عبد اللہ تستری م ۲۸۳ھ اپنی کتاب تفسیر القرآن العظیم میں کہتے ہیں "اولین گھر سے خانہ کعبہ مراد ہے" یہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے، باطنی معنی کے مطابق اس سے رسول کریمؐ مراد ہیں جن پر ایک موحد شخص ہی ایمان لا سکتا ہے۔ اور آیت قرآنی "والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل" (النساء ۳٦) تستری اس کی تفسیر میں کہتے ہیں "اس آیت کی باطنی تفسیر یہ ہے کہ "الجار ذی القربی" سے مراد دل ہے، اور "الجار الجنب" سے طبیعت اور "الصاحب بالجنب" سے عقل انسانی اور "ابن السبیل" سے وہ اعضاء جسمانی مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ (التفسیر والمفسرون للذھبی ۳۰/۳ بحوالہ: تفسیر القران لتستری ص۴۵)

صوفیہ کے ایسے اقوال جو بطور تفسیر نقل کیے جاتے ہیں ان میں اور باطنی طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے کہ اولاً عربی زبان اپنی وضع کے اعتبار سے ان معانی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ثانیاً سلف صالحین صحابہ و تابعین سے منقول تفسیر بالماثور میں یہ معانی مذکور نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید کو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام اور تبع

تابعین رحمہم اللہ شب و روز پڑھا کرتے تھے اور وہ اس کی تفسیر اور معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے لہٰذا جو بھی ان کے قول، تفسیر اور مذہب کے خلاف قرآن کی تفسیر کرے گا تو دلیل و مدلول سب میں غلطی کا مرتکب ہوگا۔

بعض علماء نے باطنی مفہوم کی صحت کے لیے دو شرطیں لگائی ہیں اول یہ کہ باطنی معنی لغت عربی کے اصول و قواعد سے متصادم نہ ہو۔ دوم یہ کہ کسی نص سے اس معنی کی تائید ہوتی ہو اور اس کا کوئی معارض نہ ہو۔ لیکن صحت کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ یہ معنی واجب الاتباع ہوگا، کیونکہ یہ کشف و وجدان ہے اور کشف و وجدان دلیل شرعی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یقینی علم و برہان اور دلیل و حجت تو رسول معصوم محمد ﷺ سے منقول صحیح احادیث اور تفاسیر صحابہ و تابعین میں ہے اور بس۔

سہل تستری کی تفسیر کے علاوہ اہم تفاسیر اشاری ہیں۔ **حقائق التفسیر لمحمد بن حسین السلمی** م ۴۱۲ھ **عرائس البیان فی حقائق القرآن لابن ابی النصر الشیرازی** م ۶۰۶ھ، **التاویلات النجمیة لابی بکر نجم الدین** م ۶۵۴ھ اس کی تکمیل **احمد بن محمد السحنانی** م ۷۳۶ھ نے کی ہے۔

تفسیر فلسفی

منصور عباسی خصوصاً مامون عباسی کے دور میں عربی میں فلسفیانہ کتابوں کا ترجمہ ہوا، اور فلسفہ کو مسلم معاشرہ میں راہ ملی، مسلمان علماء نے فلسفیانہ نظریات کو دین کے مخالف گردانا اور ان کا رد کیا۔ ابو خالد غزالی اور فخر الرازی ان کے سرخیل ہیں، رازی نے تفسیر کبیر کو اس راہ میں آگے بڑھتے ہوئے جملہ معقولی اور فلسفیانہ علوم سے بھر دیا، حتی کہ بعض لوگ کہہ پڑے کہ **"فیہ کل شیء الا التفسیر"** کچھ علماء نے اسلام اور فلسفہ میں تطبیق کی سعی کی لیکن مسلمانوں کو وہ اس پر راضی نہ کر سکے۔ انہوں نے قرآن کی ایسی تفسیر کی جو شر و ضلال کے سوا کچھ بھی نہیں، یہ فلسفیانہ نظریات کو سامنے رکھ کر قرآنی آیات کو ان پر چسپاں کرتے ہیں، ایسا کرنے والوں میں فارابی م ۳۳۹ھ، اخوان الصفا جو اسماعیلی باطنی فرقہ سے متعلق ہیں، اور بو علی سینا م ۴۲۸ھ سرفہرست ہیں۔

علمائے حق کے یہاں یہ امر متعین ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ، باطنیہ اسماعیلیہ، غالی صوفیہ اور فلاسفہ سب کا منہج و طریق ایک ہی ہے جو قرآن مجید کے مقاصد کو ختم کردینے والا ہے، جسے کبھی وہ رمز یا اشارہ یا باطن سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ مرض مسلمانوں میں قدیم فلاسفہ سے پھیلا جسے ان گمراہ فرقوں نے بڑی کشادہ دلی سے قبول کیا اس لیے کہ مسلمانوں میں اپنی بدعات و ضلالات کو پھیلانے میں اس سے انہیں بڑی طاقت ملنے کی توقع نظر آئی۔ فارابی ملائکہ کی تفسیر صور علمیہ سے کرتا ہے۔ (فصوص الحکم: ۱۶۳) اخوان الصفاء جنت کی تفسیر عالم افلاک سے کرتے ہیں، فلک القمر کے تحت جو عالم الدنیا ہے اسے جہنم کہتے ہیں۔ (رسائل اخوان الصفا: ۹۱) بو علی سینا عرش کی تفسیر نویں آسمان سے کرتا ہے، حاملین عرش ملائکہ کی تفسیر آٹھوں آسمان سے کرتا ہے "من الجنة والناس." آیت قرانی میں جن کی تفسیر حواس باطنی اور الناس کی تفسیر حواس ظاہری سے کرتا ہے۔ (جامع البدائع: ۳۱) یہ تمام تفاسیر اور ان کا منہج و طریق، قرآن و سنت اور تفسیر سلف صحابہ و تابعین کے بالکل خلاف اور باطل محض ہے۔

تفسیر فقهی

فقہی تفسیر مذاہب کے قیام سے پہلے اتباع نفس اور تعصب مذہبی سے پاک تھی، پھر مذاہب کے تابع ہوگئی، یہاں تک کہ بہت سے مقلدین اپنے متبوع و مقلد اماموں کے اقوال کی طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے شارع کی نص کی طرف

دیکھا جاتا ہے اور اپنی ساری صلاحیتیں اپنے امام کے مذہب کی نصرت و ترویج میں صرف کرنے لگے اور مخالف امام کے مذہب کے ابطال میں ساری طاقت صرف کرنے لگے۔ اس طرح قرآن مجید کی آیات احکام کی تاویل اپنے اپنے مذہب کے حق میں کی جانے لگی، حتی کہ عبداللہ کرخی حنفی نے کہا ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے اصحاب کے مذہب کے خلاف ہو اس کی یا تو تاویل ہوگی یا وہ منسوخ ہوگی۔ تعصب مذہبی میں اس غلو کے باوجود مقلدین میں ایسے لوگ معدوم نہیں جو ائمہ کے متعلق انصاف کا موقف اختیار کرنے والے اور بحث میں راجح دلیل کے ساتھ چلنے والے ہیں۔ عصر نبوت، دور صحابہ اور دور تابعین و تبع تابعین میں شرعی احکام و استنباطات میں اتباع ھویٰ اور تعصب مذہب کا نام و نشان نہ تھا حتی کہ ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ حق کا عام موقف "اترکوا قولی بخبر الرسول" اور "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کا تھا۔ عصر نبوت سے لے کر مذاہب کے قیام سے پہلے تک ایک رائے کو ترک کر کے دوسرے صحابیؓ، تابعی اور امام کی رائے دلیل کے قوی ہونے کی بنا پر اختیار کر لینے کا عام دستور تھا، متعدد مسائل میں امام ابویوسف اور امام محمد تلامذہ امام ابوحنیفہ نے امام شافعی یا جمہور کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور بہت زیادہ مسائل میں ان کی رائیں اپنے استاد سے الگ ہیں۔ یہ حریت فکر و نظر، اتباع ہویٰ سے دوری اور تعصب مذہبی سے بعد کا نتیجہ ہے۔ مگر ان ائمہ کے پیروکاروں میں تقلید اور تعصب مذہب نے بعد کے ادوار میں ایسا جڑ پکڑ لیا کہ ہویٰ و تعصب سے بالکل آزاد تفسیر قرآن اس میں ملوث کر دی گئی اور فقہی مذاہب کے اختلاف کی بنیاد پر حنفی، شافعی، مالکی وغیرہ تفسیریں لکھی جانے لگیں۔ حنفی فقہ پر ابوبکر احمد الرازی الجصاص م ۳۷۰ھ کی تفسیر احکام القرآن حنفیہ کے یہاں بڑی اہم سمجھی جاتی ہے، اس میں وہ آیت سے مستنبط احکام کے ذکر پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ایسے فقہی مسائل ذکر کرتے ہیں جو فقہ القرآن سے بہت بعید ہوتے ہیں، مثلاً آیت قرآنی "وبشر الذین آمنوا وعملوا الصلحت أن لھم جنت تجری من تحتھا الانھار." (البقرۃ: ۲۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں "جس شخص نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو مجھے فلاں عورت کے بچہ جننے کی خوشخبری دے گا میں اسے آزاد کردوں گا۔" چناں چہ یکے بعد دیگرے بہت سے غلاموں نے اس کو ایسی بشارت سنادی تو پہلا غلام آزاد ہوگا، دوسرا نہیں۔ (احکام القرآن ۱/۳۳) اس کتاب میں حنفی مذہب کے حق میں بے جا غلو و تعصب سے کام لیا ہے۔ قرآنی آیت واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن أن ینکحن ازواجھن. (البقرۃ : ۲۳۲) سے جصاص نے ولی کی اجازت کے بغیر عورت کے نکاح کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے اور یہ مذہب حنفی کے لیے بے جا تعصب کی دلیل ہے۔ وہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے ساتھ اس تفسیر میں سوءِ ادبی کا بھی مظاہرہ کرتے رہتے ہیں جو قرآن و سنت کے معیار اخلاق سے فروتر اور سلف صالحین صحابہ و تابعین کی عام روش سے بعید ہے، مزید جصاص اعتزالی عقائد سے بھی متاثر تھے۔ صحیح بخاری کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ پر جادو کیے جانے کا ذکر ہے اسے ملاحدہ کی وضع کردہ بتایا ہے۔ (احکام ۱/۵۵) انہوں نے آخرت میں رویت باری کا انکار کرتے ہوئے آیت "الیٰ ربھا ناظرۃ" کی تفسیر سلف صالحین صحابہ و تابعین کے عقیدہ کے برخلاف کی ہے اور منتظر ثواب ہونے کا معنی چسپاں کیا ہے اور رویت باری پر مشتمل احادیث کو علم پر محمول کیا ہے۔ (احکام ۵/۳) جصاص کا دل رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صاف نہ تھا اور یہ کسی مومن کی شان سے نہایت فروتر بات ہے۔ وہ آیت کریمہ "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا" (الحجرات: ۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں "حضرت علیؓ لڑائی میں حق پر تھے

اس کے بر خلاف معاویہ اور ان کے ہمنوا باغی تھے، علاوہ ازیں جس نے بھی حضرت علی کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے۔" (احکام ۳: ۴۹۲) شافعی فقہ میں "احکام القرآن لعماد الدین الکیاھراسی" (م ۵۰۴ھ) بہت مشہور کتاب ہے اور شافعی فقہ کے لیے تعصب میں معروف ہے لیکن دوسرے مذاہب کے فقہا کا ذکر احترام سے کیا ہے، البتہ جصاص کی سخت خبر لی ہے۔ مالکی فقہ میں احکام القرآن لابی بکر ابن العربی م ۵۴۳ھ بڑی اہم سمجھی جاتی ہے، تعصب کی کار فرمائی اس تفسیر میں بھی ہے مگر اعتدال نسبتاً زیادہ معلوم ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی ایک اور مالکی فقہ کی تفسیر الجامع لاحکام القران لابی عبداللہ محمد القرطبی م ۶۷۱ ھ ہے۔ امام قرطبی مالکی ہونے کے باوجود مذہبی تعصب سے دور ہیں اور تفسیر میں دلیل قوی کو اپنا رہنما بناتے ہیں۔ آیت قرآنی "واقیمو الصلوۃ واتوالزکاۃ وارکعوا مع الراکعین" (البقرہ: ۴۳) کی تفسیر میں نابالغ کی امامت پر بحث کرتے ہیں۔ مانعین میں امام مالک بھی ہیں لیکن قرطبی نے امام مالک کی مخالفت میں دلائل اکٹھا کیے ہیں اور نابالغ کی امامت کا جواز ثابت کیا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں عمرو بن سلمہ کی صحیح بخاری کی روایت پیش کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۱/ ۳۵۳)

کنز العرفان فی فقہ القرآن لمقداد بن عبداللہ السیوری (م اوائل نویں ہجری) اثنا عشری فقہ پر مشتمل ہے۔ اس میں مخالف مذاہب کا رد ہے مگر اکثر لایعنی ہے۔ نیز الثمرات الیانعۃ والاحکام الواضحۃ القاطعۃ لشمس الدین ثلاثی م ۸۳۲ھ۔ یہ زیدی مسلک کی تفسیر ہے اس کا مولف زیدی ہونے کے ساتھ معتزلی بھی تھا مخالفین کا رد بھی مذکور ہے۔

قرآن کی تفسیر کا یہ منہج کہ گویا قرآن کسی ایک مذہب امام یا اس کی طرف منسوب گروہ کی تایید کے لیے نازل ہوا ہے۔ لاریب تفسیر بالرائی ہے جسے قرآن وسنت میں حرام قرار دیا گیا ہے اور جس سے صحابہؓ و تابعین خوف کھاتے تھے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں: اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ وسلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں۔

تفسیر بالرائی کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں تفسیر بالرائی کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل وبصیرت سے کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ خود قرآن کا یہ حال ہے کہ اول سے لے کر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت دیتا ہے اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ "افلا یتدبرون القرآن أم علی قلوب اقفالھا" (محمد: ۴۷: ۲۴)، دراصل تفسیر بالرای میں رای لغوی معنی میں نہیں ہے بلکہ رای مصطلح شارع ہے اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے بلکہ اس لیے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً جب باب عقائد میں رد وکد شروع ہوئی تو مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہوگئے۔ ہر مذہب کے مناظر نے چاہا کہ اپنے مذہب پر نصوص قرآنیہ کو ڈھالے۔ وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ بلکہ ساری کاوش اس کی تھی کہ کس طرح اسے اپنے مذہب کا مؤید دکھلادیں اس طرح کی تفسیر تفسیر بالرای تھی۔

یا مثلاً مذاہب فقہیہ کے مقلدوں میں جب تحزب و تشیع کے جذبات تیز ہوئے تو اپنے اپنے مسائل کی پیچ میں آیات قرآنیہ کو کھینچے تاننے لگے، اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغت عربی کے صاف صاف معانی، اسلوب بیان کا قدرتی مقتضی، عقل

وبصیرت کا واضح فیصلہ کیا کہتا ہے۔ تمام تر کوششیں یہ تھیں کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو اپنے امام کے مذہب کے مطابق کر دکھائے یہ طریق تفسیر تفسیر بالرای ہے۔

یا مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ اسرار وبطون کی جستجو میں دور تک نکل گیا۔ پھر اپنے موضوعہ عقائد ومباحث پر قرآن کو ڈھالنے لگا۔ قرآن کا کوئی حکم کوئی عقیدہ کوئی بیان تحریف معنوی سے نہ بچا، یہ تفسیر تفسیر بالرای ہے۔ یا مثلاً قرآن کے طریق استدلال کو منطقی جامہ پہنانا یا جہاں کہیں آسمان اور کواکب ونجوم کے الفاظ آگئے ہیں یونانی علم ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا یقیناً تفسیر بالرای ہے۔

یا مثلاً آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیان اجتہاد ونظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانہ حال کے اصول علم وترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں یا جدید تحقیقات علمیہ کا اس سے استنباط کیا جائے۔ گویا قرآن صرف اسی لیے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن نے یا ڈارون اور ویلیس نے بغیر کسی الہامی کتاب کی فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کرلی اسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے اور پھر وہ بھی صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئیں یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوں اور تیرہ سو برس پیشتر کے معمے حل فرمائیں، یقیناً یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرای ہے۔
(ترجمان القرآن ۱ر ۴۴)

تفسیر عصرِ جدید

عصر حاضر میں دور خلف کی طرح سلف صالحین کے طریقۂ تفسیر سے اعراض کرتے ہوئے متعدد رجحانات کے مطابق قرآن کی تفاسیر لکھی جاتی رہی ہیں۔ مختلف فرقوں کی بنیاد پر آج بھی تفسیریں لکھی جارہی ہیں، علمی انداز تفسیر موجودہ دور میں مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کے یہاں زیادہ مقبول ہے جنہیں علوم جدیدہ کے ساتھ قرآن سے بھی لگاؤ ہے۔ علمی تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ قرآن سے تمام قدیم وجدید علوم کا استنباط کیا جائے اور قرآن کو تمام ارضی وسماوی علوم کا جامع ٹھہرانا اس کے اعجاز کی بڑی دلیل ہے۔ سلف صالحین کے قرون فاضلہ کے بعد، ابو حامد غزالی، جلال الدین سیوطی اور فخر الرازی اپنے عصر شباب میں توبہ سے پہلے یہی موقف رکھتے تھے۔ امام شاطبی اور دیگر ائمہ نے اس طرز تفسیر کا رد کیا ہے، شاطبی کہتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین صحابہ وتابعین قرآنی علوم کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے مگر ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ قرآن میں متقدمین ومتاخرین کے جملہ علوم سماوی وارضی پائے جاتے ہیں۔ جن آیات میں یہ ذکر ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے ان سے وہ امور مراد ہیں جو شرعی احکام وعبادات کی تکلیف سے متعلق ہیں۔ (الموافقات ۸۱/۲) علمی تفسیر کے مؤیدین میں جدید دور کے مصطفیٰ صادق الرافعی صاحب اعجاز القرآن اور طنطاوی جوہری م ۱۹۴۰ھ صاحب "الجواهر فی تفسیر القرآن الکریم" سرفہرست ہیں، طنطاوی کی اس تفسیر پر حکومت سعودیہ کی طرف سے پابندی عائد ہے۔ وہ اس میں افلاطون کی "جمہوریت" اور رسائل اخوان الصفا کے نظریات نقل کرتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ وہ نظریات صحیح احادیث کے خلاف ہوتے ہیں۔ وہ جمل کے حساب سے قرآنی علوم کا استنباط کرتے ہیں جو یہود سے مسلمانوں میں آیا ہے۔ وہ آیت قرآنی "ان الله یامرکم ان تذبحوا بقرة" (البقرہ: ٦٧) سے سفلی علم علم تحضیر ارواح کا استنباط کرتے ہیں۔ بہت سے معاصر علماء نے اس طرز تفسیر کا رد

کیا ہے۔ علامہ رشید رضا، تفسیر المنار کے مقدمہ میں اس طریق تفسیر کو قرآنی ہدایت سے محروم کر دینے والا قرار دیتے ہیں، فخر الرازی کو خصوصیت سے ہدف تنقید بنایا ہے کیونکہ انہوں نے سارے علوم قرآن میں داخل کر دیئے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بعض معاصرین نے جس سے غالباً طنطاوی مراد ہیں رازی کی تقلید میں سارے علوم عصریہ کو تفسیر میں بھر دیا ہے، صرف ایک لفظ مثلاً "والسماء" یا "الارض" کی تفسیر میں فلکیات، حیوانیات ونباتات سے متعلق بہت سارے علوم لمبی لمبی فصلوں میں نقل کرتے ہیں جس سے قاری اس مقصد سے دور جا پڑتا ہے جس کے لیے قرآن نازل ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سے اعجاز قرآن ثابت نہیں ہوتا، اسلام نے تو بہت سے علوم کو باطل قرار دیا ہے مثلاً زجر، کہانت اور رمل وغیرہ۔ اس کے علاوہ قدیم وجدید علوم ونظریات میں بے حد تضادات ہیں، اور قرآن وہ کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **لایاتیه الباطل من بین یدیه ولامن خلفه**. اس نوع کی علمی تفسیریں مسلمانوں میں ایمان ویقین کے بجائے شک وارتیاب پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ اگر قرآن کو جملہ علوم کا ماخذ قرار دیا جائے تو مسلمان قرآن کو شک کی نظر سے دیکھیں گے کیونکہ علوم وفنون اور افکار ونظریات عارضی ہوتے ہیں جب کہ قرآن دائمی کتاب ہدایت ہے۔ اصل یہ ہے کہ قرآن کو کتاب ہدایت ہی رہنے دیا جائے، اسے، فلکیات، ارضیات، حیوانیات، ریاضی، الجبرا، ہندسہ، اور تمام علوم جدیدہ وقدیمہ کا مصدر قرار دے کر اس کی ایسی تفسیریں نہ لکھی جائیں کہ اسے، فلسفہ کی کتاب، منطق کی کتاب، اور فلکیات وسائنس اور علوم نباتات وحیوانیات کی کتاب بنادیا جائے۔ اللہ نے اپنے رسول پر اسے کتاب ہدایت کی حیثیت سے نازل کیا ہے اور رسول اللہؐ نے اپنے صحابہ کو اس سے اللہ کا صراط مستقیم ہی سکھایا ہے اور انہوں نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو اس سے راہ ہدایت دکھائی ہے۔ امام مالک نے کہا تھا کہ "**لن یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها**" فخر الرازی نے سلف کا یہ طریقہ چھوڑ کر خلف کی راہ اپنائی، اپنی تفسیر میں تمام رطب ویابس علوم سے بحث کی، سارے نظریات کے متعلق ردوقدح کیا، پھر اس سے تائب ہوگئے۔

فخر الرازی فحول اہل کلام میں سے ہیں۔ عقلیات میں ماہر، آثار سے عاری ہیں، اہم دینی مسائل میں ایسے اشکالات پیش کرتے ہیں جو انسان کو حیرت وتردد میں ڈالتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب "**السر المکترم فی مخاطبة النجوم**" ہے جو صریح جادو ہے، شاید ان شاءاللہ اس کی تالیف سے توبہ کر لیا ہے۔ (**میزان الاعتدال للذهبی ۳/۳۴۰**)

شیخ عبدالرحمٰن الوکیل کہتے ہیں، یہ اکبر ائمہ اشاعرہ میں سے ہیں جنہوں نے تاویل میں غلو کیا ہے اور سلف پر طعن کی بڑی سعی کی ہے ہر فن میں لکھا ہے حتیٰ کہ سحر ونجوم میں بھی۔ مگر جو کچھ لکھا اس کے متعلق ریب میں مبتلا ہوئے انسانی عقل پر ان کا اعتماد کم ہو گیا، ایک روز سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے وعظ کہا وعظ کے دوران کہا "**یا سلطان العالم لا سلطانك یبقیٰ ولا تلبیس الرازی یبقی.**" ابن الصلاح نے رازی کا یہ قول نقل کیا ہے "**یا لیتنی لم اشتغل بعلم الکلام وبکی.** (**الصفات الالٰهیة ص ۱۸۰**)

ابن تیمیہ نقض المنطق میں کہتے ہیں حدیث معراج کی تفسیر ابو عبداللہ رازی نے کی ہے جس میں ابن سینا کی پیروی کی ہے۔ حدیث معراج طویل سیاق اور عجیب اسماء کے ساتھ نقل کی ہے اور اس میں ایسی ترتیب ہے جو مسلمانوں کی کتابوں میں

موجود نہیں، نہ صحیح حدیثوں میں نہ حسن میں اور حتی کہ ضعاف میں بھی نہیں۔ اسے بعض طرقیہ یا شیاطین واعظین یا زنادقہ نے وضع کیا ہے۔ اصل حدیث معراج سے جہل اور ایسی چیز کی طرف عدول جو کسی عالم سے مسموع نہیں، اسی کے ساتھ اس کی تفسیر گمراہ منجم صابیوں کی تفسیر پہ کی ہے اور معراج رسول کو افلاک کی طرف فکری ترقی قرار دیا ہے اور دیکھے جانے والے انبیاء کو کواکب بتایا ہے آدم سے مراد قمر، ادریس سے مراد شمس اور انہار اربعہ سے مراد عناصر اربعہ ہیں، پھر انہیں ایسے اسرار و معارف سے تعبیر کرتے ہیں کہ مومن علماء کے فہم سے ان کا بچانا بہت ضروری ہے۔ بہت سے عظمت رازی کے قائلین نے اسے دیکھنے کے بعد بڑا تعجب کیا اور بعض متعصبین تو ان کی طرف سے مدافعت کرنے لگے۔ (**نقض المنطق: ۵۲، ۵۳ھ**) تفسیر رازی علم الکلام کے لیے بڑا مرجع سمجھی جاتی ہے اور اشعری مذموم عقیدہ کے لیے بھی خصوصیت سے اہم مرجع ہے، تاویل صفات میں زمخشری معتزلی پر اعتماد کرتے ہیں، ان کے اقوال کو بکثرت ذکر کرتے اور ان پر مزید وجوہات کا اس قدر ذکر کرتے ہیں کہ متنوع تقسیمات اور بارد تاویلات کی وجہ سے پڑھنے والا انہیں بے فائدہ سمجھنے لگتا ہے، امام ابن حجر، لسان المیزان میں لکھتے ہیں کہ ان پر شدید شبہات وارد کرنے اور ان کے حل میں کوتاہی دکھانے کا عیب لگایا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض مغاربہ کا قول ہے کہ شبہ نقد لاتے ہیں مگر حل ادھار ہوتا ہے۔ مذہب اہل السنۃ کو مجسمہ سے تعبیر کرتے ہیں یا کبھی سلف کی طرف تفویض کی غلط نسبت کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے مذہب سلف کی طرف رجوع کر لیا تھا، اس سلسلہ میں ان کے بعض اقوال اور ان کی لکھی ہوئی وصیت کو بنیاد بنایا جاتا ہے جس کا ذکر سبکی نے طبقات الشافعیہ میں کیا ہے۔ وہ ضلالت کے دفاع میں اپنی ضائع شدہ عمر پر ان اشعار سے اظہار افسوس کرتے تھے:

نهاية أقدام العقول عقال ... واكثر سعي العٰلمين ضلال

وأرواحنا في وحشة من جسومنا ... وحاصل دنيانا أذىً ووبال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا ... سوى أن جمعنا فيه قيل وقالوا

دورِ ضلالت میں رازی نے جو کتابیں لکھی تھیں ان کی تقدیس کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی نصیحت ہے کہ وہ ان پر نادم ہوئے اور توبہ کر لی، رازی نے اپنے مرض الموت میں اپنے تلمیذ ابراہیم بن ابی بکر اصفہانی کو بڑی پاکیزہ وصیت لکھوائی تھی۔ اس کے متعلق ابن خلکان کہتے ہیں کہ یہ وصیت ان کے حسن عقیدہ پر دال ہے اس میں تحریر ہے کہ: **ولقد اعتبرت الطرق الكلامية والمناهج الفلسفية فما رأيت فيها فائدة تساوى الفائدة التي وجدتها في القرآن العظيم، اعلموا أني كنت رجلا محبّا للعلم فكنت اكتب في كل شئي شيئا لا اقف على كمية ولا كيفية سواء كان حقاً أوْ باطلاً اوغثا او سمينا، اقول ديني متابعة سيد المرسلين محمد ﷺ وكتابي القرآن العظيم وتعويلي في طلب الدين عليهما**" بڑی عجیب بات ہے کہ لوگ رازی کی کتابوں پر عمل کر کے گمان کریں کہ وہ کتاب و سنت پر عمل کر رہے ہیں جب کہ رازی ان سے تائب ہو چکے ہیں۔ اللہ ان کتابوں کے زیغ و ضلال پہ ان کی گرفت نہ فرمائے۔ (**المفسرون بين التاويل والاثبات للمغراوى ۲/۷/۴، ۵۳ ملخصا**)

عصر حاضر کی تفسیر میں ایک رجحان الحادی افکار کا بھی ہے ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے ہم نے اعتزالی باطنی، فلسفی اور شیعی

واشاری تفسیروں میں کچھ عرض کیا ہے، آج بھی کچھ جدت طراز، شہرت پسند، کم علم مگر بزعم خویش فاضل، مخلوط افکار و آراء کے حامل آزاد منش اپنے جذبات واحساسات کے مطابق قرآن کو ڈھالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ وہ اسلامی حدود اور سزاؤں کو سنگ دلانہ قرار دے کر اس قسم کی آیات واحادیث میں وارد امر کو وجوب پر نہیں بلکہ اباحت پر محمول کرنے کی جسارت بے جا کرتے ہیں، جیسے آیت حد سرقہ "السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما" (المائدة ۳۸) اور آیت حد زنا "الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة" (النور ۲) میں فاقطعوا اور فاجلدوا کا یہی معنی بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایسی شدید سزائیں اسلامی قانون کو تسلیم کرنے پر سنگ راہ ہیں اس لیے رکاوٹ کو کیوں نہ دور کیا جائے۔ انہوں نے جن وشیاطین کا انکار کیا اور قرآنی آیت "قل اوحی الی أنه استمع نفر من الجن" کے متعلق لکھا ہے کہ جن سے مراد ایک عربی قبیلہ ہے۔ بعض الحاوی مفسر ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن خود اپنی تفسیر ہے۔ حدیث وغیرہ سے مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ بلا استثناء سابقہ تفاسیر کو نقد وجرح کا نشانہ بناتے ہیں اور انہیں حشو وزوائد کا مجموعہ قرار دیتے ہیں جب کہ آیت قرآنی "وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم" (النحل ۴۴) محمد رسول ﷺ اور آپ کی احادیث کو قران کا اولین شارح اور مفسر قرار دیتی ہے۔ وہ سورۂ نور کی آیت ۶۳ "فليحذر الذين يخالفون عن امره أن تصيبهم فتنة اويصيبهم عذاب اليم" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ رائے و مصلحت اور شورائی حکمت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی جا سکتی ہے۔ یہ سر پھرے کتاب وسنت کے ثابت شدہ احکام جن پر اصحاب رسول اور ائمہ ہدی کا اجماع ہو چکا ہے، انکار کرتے ہیں۔ معجزات انبیاء، معراج النبی، جن وشیاطین سب کا انکار کرتے ہیں۔ تعدد ازدواج کو ناجائز، معتدل شرح سود کو جائز قرار دیتے ہیں۔ علمائے حق نے ان کی ہفوات کارد لکھ کر ان کی گمراہیوں کو واشگاف کیا ہے۔ امام شاطبی فرماتے ہیں: حدیث کو ترک کر کے اگر کوئی شخص قرآنی الفاظ کے لغوی معنی پر عمل کرے تو گمراہ ہو جائے گا اور کتاب اللہ سے جاہل رہ جائے گا۔ (الموافقات ۲۱/۴) خطیب بغدادی نے الكفاية فى علم الرواية میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ اپنے تلامذہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا ہم سے صرف قرآن بیان کیجئے۔ انہوں نے اسے قریب بلا کر فرمایا: اگر تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پا سکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعت ہے اور مغرب کی تین جس میں دو رکعت میں قرأت کرنی ہے؟ بتاؤ اگر تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پا سکتے ہو کہ بیت اللہ کا طواف سات بار کرنا ہے اور صفا و مروہ کی سعی کرنی ہے؟ پھر حضرت عمران نے فرمایا: اے لوگو! ہم سے حدیث حاصل کرو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو قسم اللہ کی تم لوگ ضرور گمراہ ہو جاؤ گے۔ (الكفاية ص ۱۵) قرطبی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی لغت عربی اور اس کے اصول کی بنیاد پر ایسی تفسیر کرے جو نصوص و آثار کے خلاف ہو تو ایسی تفسیر تفسیر بالرای ہے یعنی جو حرام ہے۔ منکرین حدیث میں تو ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو قرآن میں وارد صلوٰۃ اور صوم کا معنی صرف لغت عربی سے بیان کرتے ہیں۔ اس دور میں ایسے مفسرین بھی پائے جاتے ہیں جو حدیث کا بالکلیہ انکار تو نہیں کرتے مگر تفسیر قرآن میں عربی زبان کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے ہوئے قرآن کی بسا اوقات ایسی تفسیر کرتے ہیں جو حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہوتی ہے۔ ایسی تفسیر یقیناً تفسیر بالرای ہے جو حرام ہے۔ ایسا کرنے والے گویا عربی زبان رسول اللہ، اصحابؓ رسول اور تابعینؒ سے زیادہ جاننے

والے ہیں نیز قرآن بھی نعوذ باللہ ان سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔ قرآن کی تفسیر میں حدیث سے زیادہ عربیت کو اہم قرار دینے والے حدیث کو ظنی کہہ کر استخفاف کرتے اور اسے تاریخی روایات کے درجہ تک پہونچادیتے ہیں ان کا یہ طرز عمل انہیں انکارِ حدیث کے حدود میں پہونچادیتا ہے۔ کسی آیت کی تفسیر میں حدیث رسول حجت قطعی ہے، وہ عام مفسرین جیسی کوئی رائے نہیں جسے ظنی کہہ کر ٹال دیا جائے اور تاریخی اثر کہہ کر تیسرے درجہ میں پھینک دیا جائے۔ قطعی اور یقینی تفسیر جس پر ایمان لانا امت کے لیے واجب ہے، یہی ہے۔ رسول کی تفسیر وحی کی بناپر ہوتی ہے اس لیے وہ قطعی یقینی اور دین کا جز ہوتی ہے اور یہ مقام کسی امتی کو حاصل نہیں، آپ کی تفسیر کے خلاف جو بھی تفسیر ہوگی رد کردی جائے گی خواہ وہ لغت وادب اور کلام وفلسفہ کے کسی ماہر کی تفسیر ہو۔ ماضی میں یونانی علوم وفنون کی پذیرائی سے معتزلہ کا بدعی گروہ پیدا ہوا جس نے لغت عربی کا سہارا لے کر قرآن کی ایسی تاویل وتفسیر کی کہ نہ صرف ذات باری تعالیٰ کو صفات جلال وجمال سے معطل کیا بلکہ قرآن کو ہدایت وصراط مستقیم سے معطل کیا اور امت کو ایمان وعمل سے معطل کیا اور کتنی صحیح احادیث کا انکار کردیا۔ جدید مغربی علوم وفنون کی یلغار سے بھی مخلوط افکار وآراء کے حامل افراد عربی زبان وادب کو اولین اہمیت دے کر قرآن کی تفسیر کرنے میں مؤولین اشاعرہ خصوصاً معتزلہ کی روش کو نئی زندگی دے رہے ہیں جنھیں تفسیر بالماثور اور تفاسیر سلف کی کسوٹی پر پرکھ کر علمائے حق رد کرچکے ہیں یہ ادب ولغت اور قرآن مقدس کے پردے میں اپنے غلط تاویلی افکار کو لپیٹ کر امت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور حدیثیں چونکہ قرآن اور اسلام کا تفصیلی نقشہ پیش کرتی ہیں جو ان کے افکار سے معارض ہوتی ہیں اس لیے انہیں ظنی بتاکر رد کردیتے ہیں احادیث رجم وغیرہ کا انکار ایسے ہی ادیبوں اور مفکروں کے کارنامے میں شامل ہے۔ علمائے حق نے جن کارد کرکے تفسیر سلف کا سچا آئینہ دکھا دیا ہے۔

عصر جدید کی تفسیر میں ایک رجحان ادبی واجتماعی طریقۂ تفسیر کا ہے جس کے بانی شیخ محمد عبدہ م ۱۹۰۵ء ہیں انہوں نے اپنی تفسیر میں تقلیدی بندشوں سے آزادی اور تجدید کی دعوت دی اور عقل آزاد کا استعمال کیا کہ قرآن کو ایک دین کی حیثیت سے سمجھا جائے جس سے دنیا وآخرت میں سعادت حاصل ہو وہ ایسے سابق مفسرین کو ملامت کرتے ہیں جو ہدایت کے پہلو سے غافل ہوکر، معانی، نحو اور فقہی خلافیات میں توسع اختیار کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن کو اصل قرار دیا جائے نہ کہ مذاہب کو اصل بناکر قرآن کو ان پر پیش کیا جائے۔ وہ اسرائیلیات سے مبہمات قرآن کی تفسیر سے اجتناب کرتے ہیں وہ ایسی آیات کی تفسیر بسط سے کرتے ہیں جن میں معاشرتی واجتماعی مسائل کا ذکر ہو۔ ساتھ ہی اجتماعی امراض کا علاج بھی بتاتے ہیں وہ بعض قرآنی آیات کی تفسیر علوم جدیدہ کی روشنی میں کرتے ہیں مگر آزاد خیالی میں بے اعتدالی کا شکار ہوگئے ہیں وہ سورۃ الفیل میں کنکریوں کی تفسیر بیماری کے جراثیم سے کرتے ہیں ملائکہ کے وجود سے انکار کیا ہے اور اسے طبعی قویٰ سے تعبیر کیا ہے۔ ابلیس کے وجود کا انکار کیا اور اسے قوت شر سے تعبیر کیا ہے۔ سحر کی حقیقت کا انکار کیا ہے اور اس باب میں وارد صحیح احادیث کا بھی انکار کیا ہے وہ عقائد کے متعلق اخبار آحاد کو حجت نہیں مانتے۔ سحر کے معاملہ میں ان کا رویہ اعتزال کا ہے اس طریقہ تفسیر کے علمبردار محمد عبدہ اور ان کے بعض تلامذہ ہیں۔ اس سے ایک بڑی اصلاح یہ ہوئی کہ صدیوں کی تقلیدی وتاویلی تاریکیوں کی گرفت ڈھیلی پڑگئی مگر ساتھ ہی یہ نقصان بھی ہوا کہ عقل کی وسیع آزادی سے قرآن کے متعدد حقائق شرعیہ کی تاویل کرڈالی

گئی اور حقیقت سے مجاز و تمثیل کی طرف عدول کیا گیا۔ بعض تعلیمات و عقائد میں معتزلہ کی پیروی کی گئی، بعض صحیح احادیث میں طعن کیا گیا اور عقائد میں صحیح احادیث آحاد کے ماننے سے انکار کیا گیا۔

اس مدرسہ تفسیر میں محمد عبدہ کے تلمیذ خاص محمد رشید رضا م ۱۳۵۴ھ نے استاد کی وفات کے بعد اصلاح کے رنگ کو بہت زیادہ نکھارا جس کا ذکر انہوں نے خود اپنی تفسیر "المنار ۱/۱۶" میں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کسی آیت سے متعلق صحیح احادیث کے بکثرت ذکر کے ذریعہ میں نے استاد کے منہج کی مخالفت کی ہے آیات کے شواہد و نظائر بکثر جمع کئے ہیں علماء کے مابین متنازعہ مسائل کی تفصیل کی ہے۔ محمد رشید رضا اپنے استنباط کی بنا پر جمہور فقہاء سے مخالف رائے بھی اختیار کرتے ہیں اور آزادی رائے کو برقرار رکھتے ہیں وہ مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات کو ایک ایک کر کے تفصیل سے گناتے، ان کی قباحت واضح کرتے، ان کا علاج بتاتے اور اسلام کا نہایت مضبوط دفاع کرتے ہیں۔ ان خوبیوں کے علاوہ متعدد امور میں انہوں نے استاد کے منہج کی پیروی کی ہے۔ قصہ آدم و ابلیس کو استاد کی طرح تمثیل پر محمول کیا ہے وہ سحر کو فریب کی ایک قسم کہتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ نزول مسیح، خروج دجال اور قرآن کے سوا دیگر معجزات النبی ﷺ کا انکار استاد کی پیروی میں کیا ہے، وہ اپنے استاد سے بہت متاثر تھے ان کی فکر کو اپنی ثقافت کا سرچشمہ قرار دیا تھا۔ لیکن شاگرد کی یہ عظمت ہے کہ استاد جس عقیدۂ اشعریت پر تھے اس سے انہوں نے مکمل آزادی حاصل کر لی تھی۔ محمد بن عبدالرحمٰن المغراوی کہتے ہیں کہ "محمد رشید رضا عقیدہ میں بیشتر اپنے استاد کا رد کرتے ہیں۔ شیخ محمد عبدہ کا ایک رسالہ "التوحید" نام کا ہے اسے پڑھ کر ان کا عقیدہ اور اشعریت سے ان کے متاثر ہونے کو معلوم کیا جاسکتا ہے اور آیات صفات کی تفسیر میں انہوں نے اس کو ظاہر بھی کیا ہے۔ لیکن شیخ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں سلفی مذہب کو نہایت بہتر طریقہ پر ظاہر کیا ہے اور بیشتر صفات میں مذہب سلف صالح کو ثابت کیا ہے اور اس کی مدافعت کی ہے گو بعض صفات میں تاویل میں بھی پڑ گئے ہیں جیسے اتیان، مجی اور ید کی صفات میں۔ بہر حال شیخ رشید رضا ان لوگوں میں سمجھے جاتے ہیں جن پر سلفی رنگ غالب ہے اور انہوں نے امام قاسمی کی جو تعریف کی ہے اس سے بھی ان کے مذہب سلفی کو پسند کرنے کا پتہ چلتا ہے جس مذہب سلفی کی نصرت و تائید امام قاسمی نے کی ہے۔ (**المفسرون بين التاويل والاثبات فى آيات الصفات: ۱/۲۴۴**) علامہ محمد جمال الدین القاسمی م ۱۳۳۲ھ کبار مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے صوفیت و اشعریت کے سخت ماحول میں زندگی گزاری اپنا فکر و عقیدہ انہوں نے اپنی کتابوں خصوصاً "**محاسن التاويل**" میں ظاہر کیا ہے۔ مشرق و مغرب کے اہل علم و قلم نے ان کے علم و دانش کا اعتراف کیا ہے۔ مشرق کے عظیم ادیب شکیب ارسلان نے نئی نسل کو وصیت کی ہے کہ سب سے پہلے وہ شیخ جمال الدین کی کتابوں کا مطالعہ کریں جس سے ان کو ایسا فہم شرع حاصل ہو گا جو قلب و ضمیر کے لیے سرور و انبساط کا باعث ہو گا۔ عظیم مصلح محمد رشید رضا نے انہیں علامہ شام، نادرہ روزگار، مجدد علوم اسلام اور علم و عمل اور تعلیم و تالیف سے سنت کو زندہ کرنے والا کہا ہے۔ شیخ مغراوی کہتے ہیں کہ تفسیر قاسمی عقیدۂ سلف کی تعبیر میں عظیم مصدر سمجھی جاتی ہے، اس میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ علامہ ابن القیم کے بیشتر بحوث کو شامل کر لیا ہے۔ کبھی تو شیخین کا مکمل رسالہ شامل کر لیا ہے۔ صفات کی تفسیر میں وہ سلفی تھے۔ کوئی بھی منصف اور محبّ عقیدہ سلفیت ان کی بحوث کو پڑھ کر فرحت و سرور سے بھر جاتا ہے۔ (**المفسرون بين التاويل والاثبات ۱/۲۲۸**)

عصر جدید میں تفسیر کے مختلف رجحانات کے جائزہ کے دوران شیخ محمد رشید رضا کے تعلق سے جب سلفی رجحان کا ذکر آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی بعض ایسی اہم شخصیات کا ذکر کر دیا جائے جن کی تفاسیر سے سلف کے منہج تفسیر کی نمائندگی ہوتی ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یلغار خواہ یونانی فکر و فلسفہ کی ہو یا جدید مغربی تہذیب و افکار کی اللہ اپنی مصلحت سے ایسے رجال حق کو ہمیشہ پیدا کرتا رہتا ہے جو بیرونی افکار کے ظلمات کی گرفت سے اس کے کلام کے اصل نور کو سلف صالحین کی تفسیر کی روشنی میں نمایاں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی رجال حق میں سے **شیخ محمد الامین الشنقیطی** م ۱۳۹۳ھ مصنف اضواء البیان ہیں جن پر اللہ نے عقیدہ سلف میں داخل ہونے کا احسان فرمایا اور عقیدہ اشعریت اور مذہبی تعصب کے حامل معاصرین کے خلاف ان کے قلم سے عقیدۂ سلف کی نصرت کے لیے ان پر احسان فرمایا۔ شیخ مغراوی لکھتے ہیں کہ سورۃ اعراف کی آیت "**ان ربکم الله الذی خلق السموٰات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش**" کی تفسیر میں مسئلہ صفات پر طویل بحث کی ہے اور خالق و مخلوق کی صفات میں عمدہ مقارنہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ دونوں میں کیا فرق ہے۔ خالق کی ایسی صفات ہیں جو اس کے جلال عظمت اور کمال کے لائق ہیں اور مخلوق کی ایسی صفات ہیں جو اس کے ضعف، عجز اور کمال نقصان کے لائق ہیں اسے انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں سے نقل کر کے ثابت کیا ہے اور اس اشعری تقسیم کے فساد کو نمایاں کیا ہے جسے متاخرین مدعیان اشعریت نے صفات کو سلبی و نفسی و معنوی و معانی میں بانٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح فرمادیا ہے کہ آیات صفات میں حق دو باتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات حوادث کے مشابہ قرار دینے سے منزہ کرنا جس سے اللہ بہت بلند ہے، دوسرے ہر اس بات پر ایمان لانا جس سے اللہ نے اپنی کتاب میں خود کو موصوف کیا ہے یا اس کے رسول محمد ﷺ نے اپنی حدیث میں کسی وصف سے اسے موصوف کیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی توصیف میں اللہ سے زیادہ اللہ کو جاننے والا کوئی نہیں "**أنتم اعلم أم الله**" (**البقرہ: ۱۴۰**) اور اللہ کے بعد اللہ کی توصیف میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اللہ کا جاننے والا کوئی نہیں جن کے متعلق ارشاد ہے "**وماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی**" (**النجم: ۳،۴**) اس لیے اگر کوئی اللہ سے کسی وصف کی نفی کرے جسے اللہ نے قرآن میں یا رسولؐ نے حدیث میں ثابت کیا ہو اور گمان یہ کرے یہ اللہ کے شایان شان نہیں تو یقیناً ایسے شخص نے اس باب میں کہ اللہ کے لائق کیا ہے، خود کو اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ جاننے والا ٹھہرایا اور یہ بہتان عظیم ہے اور جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کا وصف مخلوق کے وصف کے مشابہ ہے ایسا شخص مشبہ، ملحد اور ضال ہے اور جو شخص اللہ کے لیے وہ وصف ثابت کرے جو اس نے اپنے لیے ثابت کیا ہے یا اس کے رسول نے اُس کے لیے ثابت کیا ہے ساتھ ہی وہ اللہ جل وعلا کو مخلوق کی مشابہت سے منزہ بھی کرتا ہے، وہ مومن ہے۔ صفات کمال وجلال پر ایمان اور مخلوق سے مشابہت کی تنزیہ کا جامع ہے تشبیہ و تعطیل کے ورطہ سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "**لیس کمثله شئی وهوالسمیع البصیر.**" (**الشوریٰ: ۱۱**) میں اسی بات کو واضح کیا ہے، "**لیس کمثله شئی**" سے اللہ نے حوادث کی مماثلت کی اپنے نفس سے نفی کی ہے اور "**وهو السمیع البصیر**" سے صفات کمال وجلال کو اپنے لیے ثابت کیا ہے۔ اس طرح اس آیت کریمہ میں صفات کمال وجلال سے متصف ہونے کے ساتھ مخلوق سے مشابہت کی نفی کی صراحت کی گئی ہے۔ دوسری صفات کے بجائے سمیع وبصیر لانے میں سر یہ ہے کہ سمع وبصر سے تمام حیوانات متصف ہوتے ہیں تو اس آیت سے واضح کیا گیا کہ اللہ

ان دونوں صفات سے متصف ہے مگر یہ اتصاف اللہ اور مخلوق کی صفات کے درمیان نفی مماثلت کی اساس پر مبنی ہے۔ (المفسرون بین التاویل والاثبات ۱/۲۷۶)

شیخ محمد بن عبدالرحمٰن المغراوی نے اپنی کتاب میں ایک اور جدید سلفی مفسر شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی م ۱۳۷۶ھ صاحب "تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان" کا ذکر کیا ہے۔ یہ نجد کے علمائے افاضل میں سے تھے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی عظیم اصلاحی دعوت کے علمبرداروں میں سے تھے۔ یہ اس نجد کے سلفی عالم باعمل تھے جہاں کوئی قبوری، مشرک، اشعری، ماتریدی اور صوفی نہیں مل سکتا، بروقت سلفی دعوت کے اس قافلہ کی سالاری علامہ محمد ابراہیم کے تلمیذ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے ہاتھوں میں ہے جن کی امامت پر قریب وبعید دوست دشمن سب متفق ہیں۔ سلفی عقیدہ کے مخلص علماء کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ اس دعوت کو سارے عالم اسلامی میں قبول عام بخشے، آمین۔ شیخ عبدالرحمٰن السعدی کی تفسیر میں اشعریت، جہمیت، اعتزال اور صوفیت کے وجود کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، شیخ کی تفسیر میں آیات صفات کے مواقع پر سلفی نور جگمگا رہا ہے۔ (المفسرون بین التاویل والاثبات ۱/ ۲۸۲)

شیخ مغراوی نے اپنی کتاب میں عصر جدید کے بر صغیر ہند کے بڑے صاحب علم وفضل سلطان العلماء نواب صدیق حسن خاں بن اولاد علی الحسینی البخاری القنوجی م ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء کا ذکر بحیثیت سلفی مفسر کیا ہے۔ امام السنۃ نواب والا جاہ نے اردو، فارسی اور عربی میں سیکڑوں کتابیں تحریر کیں، عربی میں آپ کی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن، سلفی منہج کے مطابق بہت جامع تفسیر ہے۔ شیخ مغراوی کہتے ہیں کہ شیخ صدیق حسن خاں امام شوکانی اور ان کے تلامیذ سے بہت متاثر ہیں، فتح البیان وغیرہ میں بکثرت ان کی عبارات نقل کرتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ کے باب میں اس تفسیر میں ان کا عقیدہ بیشتر مذہب سلف کے اثبات وتایید میں ہے، البتہ بعض صفات میں تاویل میں واقع ہوگئے ہیں یہ غیر کی متابعت میں ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کی عبارت نقل کرتا ہے اور سکوت اختیار کرتا ہے۔ یہ "وجہ، رحمت، غضب اور حیاء وغیرہ صفات ہیں" بہتر تھا کہ وہ ان میں خطا کا تعقب کر کے صواب کا اظہار کرتے جیسا کہ محققین کا طریقہ ہے، خصوصاً صفات کے باب میں، اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے اماموں کے لیے اور عامۃ الناس کے لیے نصیحت وخیر خواہی ہر مسلمان کے حق میں واجب ہے۔ (المفسرون بین التاویل والاثبات فی آیات الصفات ۱/ ۲۰۴)

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرای کے تقابل کا یہ موضوع بڑی تفصیل اور وسعت کا طالب ہے لیکن فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے میرے اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر کا ذریعہ بنائے اور تمام شرور وفتن سے محفوظ کرے، آمین۔ تقبل یا رب العالمین، وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین.

مولانا عبدالہادی مدنی
جامعہ اسلامیہ ممبرا، بمبئی

ائمہ کتب ستہ کی شروط

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے سب سے پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کیا ائمہ کتب ستہ نے از خود اپنی شرطوں کو بیان کیا ہے؟

اس کے جواب میں "شروط الائمة الستة" کے مؤلف حافظ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ میں سے کسی سے یہ بات منقول نہیں کہ وہ کن شرطوں کے مطابق اپنی کتاب میں احادیث کی تخریج کریں گے! البتہ جو ان کی کتابوں کا جائزہ لے گا وہ ان میں سے ہر ایک کی شرط معلوم کر سکتا ہے۔ (ص ۱۴)

میرے خیال سے حافظ مقدسی کی یہ بات اپنے پورے اطلاق کے ساتھ درست نہیں کیونکہ بعض ائمہ نے اپنی بعض شرطوں کو بیان کیا ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصحاب کتب ستہ نے اپنی کتابوں کا جو نام رکھا ہے اور جس طرح فقہی ترتیب پر احادیث کی تخریج کی ہے وہ خود ان کی شرطوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں کا نام "صحیح" رکھا ہے گویا صحیح احادیث کی جو شرطیں ہیں ان کی یہ دونوں پابندی کریں گے۔ بقیہ ائمہ اربعہ نے اپنی کتابوں کا نام "سنن" رکھا ہے اور فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے گویا وہ صرف انہی احادیث کی تخریج اپنی کتابوں میں کریں گے جو قابلِ حجت اور قابل استدلال ہوں گی۔

پھر امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں، امام ابوداؤد نے "رسالة الی اهل مكة" میں اور امام ترمذی نے "العلل الصغیر" میں اپنی بعض شرطوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ائمہ ستہ کے نزدیک استنباط مخارج حدیث کی کیفیت

امام حازمی فرماتے ہیں: معلوم ہونا چاہئے کہ مخارج حدیث کے استنباط کی کیفیت میں ان ائمہ کا اپنا مخصوص مذہب ہے جس کی طرف ہم مختصراً اشارہ کر رہے ہیں، جو شخص صحیح حدیث کی تخریج کرنا چاہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ عادل راوی کی حالت کا اس کے ثقہ مشائخ اور ثقہ تلامذہ کے ساتھ اعتبار کرے کیونکہ کسی سے اس کی حدیث صحیح اور ثابت ہوتی ہے جس کی تخریج لازمی ہوتی ہے جب کہ کہیں مدخول ہوتی ہے شواہد و متابعات کے علاوہ میں اس کی تخریج درست نہیں ہوتی۔

اور یہ ایسا باب ہے کہ اس میں بڑا ہی غموض اور پیچیدگی ہے اور اس کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ اصل راوی سے روایت کرنے والوں کے طبقات اور ان کے مدارک کے مراتب کی معرفت حاصل کی جائے۔

اسے ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اصحاب زہری کے پانچ طبقات ہیں اور ہر طبقہ کو دوسرے پر کچھ امتیازات حاصل ہیں اور ان کے مراتب میں تفاوت ہے۔

پہلا طبقہ:- جو صحت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اور جو امام بخاری کا مقصد ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا حفظ واتقان بھی اعلیٰ ہے اور زہری کی طویل صحبت بھی انہیں نصیب ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے ہیں۔

اس طبقہ میں امام مالک، ابن عیینہ، عبید اللہ بن عمرو، یونس الأیلی، عقیل الأیلی اور شعیب بن ابی حمزہ جیسے راویوں کے نام آتے ہیں۔

دوسرا طبقہ:- یہ وہ لوگ ہیں جو وصف عدل میں پہلے کے شریک ہیں مگر حفظ واتقان میں ان سے کم تر ہیں اور انہیں صحبت بھی کم ملی ہے لہٰذا ان کی حدیثوں کی ممارست بھی نہ کر سکے ہیں۔ یہ راوی امام مسلم کی شرط کے مطابق ہیں۔

اس طبقہ میں عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، لیث بن سعد، نعمان بن راشد اور عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر وغیرہ جیسے راوی ہیں۔

تیسرا طبقہ:- یہ ایسی جماعت ہے جس کے افراد پہلے طبقہ کی طرح امام زہری کی صحبت میں رہے مگر جرح سے محفوظ نہیں رہے، ان کی کیفیت رد وقبول کے درمیان کی ہے۔ (یہ لوگ ابوداؤد اور نسائی کی شرط کے مطابق ہیں)

اس طبقہ میں سفیان بن حسین السلمی، جعفر بن برقان، عبداللہ بن عمر ابن حفص العمری، زمعہ بن صالح المکی وغیرہ ہیں۔

چوتھا طبقہ:- یہ ایسے لوگ ہیں جو جرح وتعدیل میں تیسرے طبقہ کے شریک ہیں مگر اس معاملہ میں ان سے کم تر ہیں کہ انہیں زہری کی صحبت زیادہ میسر نہیں ہوئی اور یہ امام ترمذی کی شرط کے مطابق ہیں۔

اس طبقہ میں اسحاق بن یحیٰ الکلبی، معاویہ بن یحیٰ الصدفی، اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ المدنی، ابراہیم بن یزید المکی اور مثنی بن صباح وغیرہ جیسے راوی ہیں۔

در حقیقت امام ترمذی کی شرط امام ابوداؤد کی شرط سے بڑھ کر ہے کیونکہ جب حدیث ضعیف ہوتی ہے یا اس کا مطلع طبقۂ رابعہ والوں سے ہوتا ہے تو امام ترمذی اس پر تنبیہ کرتے ہیں اور اس کا ضعف بیان کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ حدیث ان کے یہاں شواہد اور متابعات کے باب سے ہو جاتی ہے اور ان کا اعتماد اس پر ہوتا ہے جو جماعت یعنی بقیہ سب کے نزدیک صحیح ہے، بہر کیف چونکہ ان کی کتاب اس طرح کے راویوں پر مشتمل ہے اس لیے ہم نے ان کی شرطوں کو ابوداؤد کی شرط سے نیچے ذکر کیا ہے۔

پانچواں طبقہ:- یہ ایسے ضعیف اور مجہول راویوں کا طبقہ ہے جن کی احادیث کی تخریج ان لوگوں کے لیے جائز نہیں جو فقہی ابواب پر احادیث کی تخریج کرتے ہیں۔ شیخین کے یہاں ایسے راویوں کا گذر نہیں البتہ امام ابوداؤد اور دیگر ائمہ کے یہاں اعتبار واستشہاد کے طور پر ان کی روایات موجود ہیں۔ مثلاً بحر بن کنیز السقا، حکم بن عبداللہ الأیلی، عبدالقدوس بن حبیب الدمشقی اور محمد بن سعید المصلوب وغیرہ۔

کبھی کبھی امام بخاری دوسرے طبقہ کے مخصوص راویوں سے تخریج کر دیتے ہیں اور امام مسلم تیسرے طبقہ کے مخصوص

افراد سے اور ابو داؤد چوتھے طبقہ کے مشاہیر سے، ایسا بعض اسباب کی بنا پر کرتے ہیں۔

اسی بنیاد پر امام مسلم کی طرف سے حماد بن سلمہ کی حدیث کی تخریج پر اعتذار کیا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے مشہور محدثین ہی سے ان کی روایات کی تخریج کی ہے جیسے ثابت البنانی اور ایوب سختیانی، یہ ثابت البنانی کی صحبت میں اس کثرت کے ساتھ رہے ہیں کہ اختلاط کے بعد بھی صحیفۂ ثابت ان کے ذہن میں ایسے ہی باقی تھا جیسے اختلاط سے پہلے تھا۔

امام مسلم نے کسی عام بصری محدث سے حماد بن سلمہ کی روایت کی تخریج نہیں کی ہے کیونکہ ان کی احادیث کی قلت ممارست کی بنا پر بکثرت ان میں غرائب پائے جاتے ہیں۔

یہ رہا امام حازمی کا بیان، اب اسی تعلق سے امام مقدسی کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں: بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی حدیث کی تخریج کریں گے جس کے ناقلین کی ثقاہت پر اتفاق ہو، ثقہ اور ثبت راویوں میں کسی اختلاف کے بغیر اس کی سند مشہور صحابی تک پہنچتی ہو، سند متصل ہو، منقطع نہ ہو، اگر صحابی کے دو راوی یا اس سے زیادہ ہیں تو بہتر ہے اور اگر صرف ایک راوی ہے لیکن اس تک سند صحیح ہے تو بھی بخاری و مسلم اس کی تخریج کرتے ہیں۔

البتہ امام مسلم نے کچھ ایسے لوگوں کی حدیثوں کی بھی تخریج کی ہے جن کی حدیثوں کو کسی شبہ کی بنیاد پر امام بخاری نے چھوڑ دیا تھا، امام مسلم نے شبہ کے ازالہ کے لیے ان کی احادیث کی تخریج فرمائی ہے مثال کے طور پر حماد بن سلمہ، سہیل بن ابی صالح، داؤد بن ابی ہند، ابو الزبیر اور علاء بن عبد الرحمٰن وغیرہ۔

امام مقدسی فرماتے ہیں کہ ہم نے دوسرے راویوں کے لیے ان پانچوں کو ان کی شہرت اور روایات کی کثرت کی بنا پر بطور مثال پیش کیا ہے، چونکہ ان راویوں پر کلام کیا گیا ہے گرچہ وہ ثقاہت و عدالت پر اثر انداز ہونے والا نہیں ہے اس کے باوجود امام بخاری نے بطور احتیاط ان کی احادیث کو اصل اور معتمد بنا کر ان کی تخریج نہیں کی لیکن امام مسلم نے شبہ کے ازالہ کے لیے ان کی تخریج فرمائی۔

مثلاً سہیل بن ابی صالح کے بارے میں ان کے اپنے باپ سے سماع کے تعلق سے کلام کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ صحیفہ سے روایت کرتے ہیں لہٰذا امام بخاری نے اس اصل کو ترک کر دیا اور ان کے باپ کے ان کے سوا جو دوسرے اصحاب و تلامذہ ہیں ان کی روایات کی تخریج کی لیکن امام مسلم نے خود انہیں پر اعتماد کیا کیونکہ انہیں ان کی روایات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ وہ کبھی عن عبداللہ بن دینار عن ابیہ اور کبھی عن الاعمش عن ابیہ اور کبھی عن اخیہ عن ابیہ روایت کرتے ہیں اور یہ وہ روایات ہیں جو خود اپنے باپ سے نہ سن سکے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے کیونکہ اگر صحیفہ سے روایت نقل کرتے تو تمام احادیث کو ایک ہی انداز میں بیان کرتے۔

یہی معاملہ حماد بن سلمہ کا ہے جب بعض علم و معرفت کے دعوے داروں نے ان کے سلسلہ میں یہ کہا کہ بعض کذابین نے ان کی احادیث میں ایسی احادیث داخل کر دی ہیں جو ان کی اپنی نہیں ہیں حالانکہ یہ ایک بڑے امام ہیں اور ائمہ حدیث نے ان کی بڑی مدح و ثنا فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود امام بخاری نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے یعنی ان کی حدیث کو اصل بنا کر اس کی تخریج نہیں کی لیکن چند مقامات پر ان کی حدیث بطور استشہاد لائے تا کہ ان کا ثقہ ہونا بیان کر سکیں اور اِن کی اُن احادیث کی

تخریج فرمائی جسے ان کے اقران مثلاً شعبہ وحماد اور ابو عوانہ وابوالاحوص وغیرہ سے بھی روایت کرتے تھے۔اس کے برخلاف امام مسلم نے ان پر اعتماد کیا کیونکہ آپ نے دیکھا کہ ان کے متقدمین و متاخرین اصحاب میں ان کی احادیث روایت کرتے ہوئے اختلاف نہیں پایا جاتا۔امام مسلم نے خود ان میں سے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا اور ان سے تعلیم حاصل کی۔ پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ آدمی بذاتِ خود عادل ہے اور ائمہ حدیث نے اس کے ثقہ اور امام ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

امام حاکم کی رائے اور اس کا جائزہ

امام حاکم اپنی کتاب "المدخل الی معرفة الاکلیل" میں فرماتے ہیں۔ پہلے نمبر کی صحیح حدیث وہ ہے جسے بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے،اس کی مثال ایسی حدیث ہے جس کی روایت رسول اللہ ﷺ سے کوئی مشہور صحابی کرے جس کے دو ثقہ راوی ہوں پھر اس سے اتباع تابعین میں سے کوئی مشہور حافظ و متقن روایت کرے اور طبقۂ رابعہ میں سے اس کے کئی راوی ہوں پھر بخاری یا مسلم کے استاد حافظ و متقن اور عدل مشہور ہوں۔

امام حاکم نے صحیح احادیث کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے پانچ کو متفق علیہ اور پانچ کو مختلف فیہ قرار دیا ہے جس میں سے پہلی اور سب سے اعلیٰ قسم اسے قرار دیا ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔

امام حازمی،امام حاکم کی پانچ متفق علیہ قسموں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ از اول تا آخر یہ تقسیم نادرست ہے اور اوہام واخطاء سے بھری ہوئی ہے۔

امام ابن طاہر صرف پہلی قسم جس کو امام حاکم نے بخاری و مسلم کا اختیار قرار دیا ہے،ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ فقط امام حاکم کا ظن و تخمین ہے، واقع میں ایسا نہیں ہے۔ بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ایسے صحابہ کی مرویات موجود ہیں جن کے دو راوی نہیں ہیں، مثلاً بخاری میں مرداس اسلمی کی حدیث جس کے راوی صرف قیس بن حازم ہیں، بخاری و مسلم میں مسیّب بن حزن کی حدیث جس کے راوی ان کے بیٹے سعید کے سوا کوئی نہیں، بخاری ہی کے یہاں عمرو بن تغلب کی حدیث جن سے صرف حسن بصری ہی روایت کرتے ہیں۔

امام بخاری کے یہاں یہ اور اس جیسی دیگر مرویات موجود ہیں جن سے امام حاکم کا قاعدہ زمیں بوس ہو جاتا ہے۔

آیئے اس قسم کے نمونے امام مسلم کے یہاں بھی دیکھتے چلیں :

۱- اغر المزنی کے صرف ایک راوی ابو بردہ ہیں۔

۲- ابو رفاعہ العدوی کے صرف ایک راوی حمید بن ہلال ہیں۔

۳- رافع بن عمرو الغفاری کے صرف ایک راوی عبداللہ بن صامت ہیں۔

امام حاکم کا وہم ثابت کرنے کے لیے یہ چند نمونے مشتے نمونہ از خروارے کے بطور ہیں۔ تفصیل میں جانا موجب طوالت ہوگا۔

امام ابن مندہ کی رائے

امام ابن مندہ فرماتے ہیں: صحابی کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی ایک تابعی روایت کرے اگرچہ وہ مشہور ہو جیسے شعبی

اور سعید بن مسیّب تو اسے مجہول شمار کیا جائے گا اور جب اس سے دو شخص روایت کریں تو وہ مشہور مانا جائے گا اور قابلِ صحت ہو گا۔ امام بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں کو انہیں بنیادوں پر مرتب کیا ہے سوائے چند مقامات کے جن کا معاملہ ان کی نظر میں واضح ہو گیا تھا۔

امام ابن طاہر فرماتے ہیں کہ امام ابن مندہ نے جن مقامات کا استثناء کیا ہے یہ وہی مقامات ہیں جنہیں امام حاکم کی تردید کرتے ہوئے بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام بخاری کی شرط

امام حازمی فرماتے ہیں: **فان أقصی ما یمکن اعتبارہ فی الصحة هو شرط البخاری (ص ۳۸)**

حدیث کی صحت کے سلسلہ میں انتہائی حد تک جن امور کا اعتبار ممکن ہے وہی امام بخاری کی شرط ہے۔

دوسری جگہ امام حازمی نے صحیح بخاری کے سبب تالیف سے متعلق واقعہ ذکر کرتے ہوئے ان کی شرط کی وضاحت کی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں امام بخاری سے ان کے کچھ ساتھیوں نے کہا کہ کاش تم نبی ﷺ کی سنتوں سے متعلق ایک مختصر کتاب جمع کرتے، چنانچہ یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ اس کتاب کے جمع کرنے میں لگ گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کا مقصد حدیث میں ایک مختصر کتاب جمع کرنا تھا، استیعاب ان کا مقصد نہیں تھا، نہ ہی رجال میں اور نہ ہی حدیث میں اور ان کی شرط یہ تھی کہ جو ان کے نزدیک صحیح ہو، اسی کی تخریج کریں، چنانچہ خود فرماتے ہیں: **لم أخرج فی هذا الکتاب الاصحیحا وما ترکت من الصحیح اکثر** (ص ۵۱) میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث کی تخریج کی ہے اور جن صحیح احادیث کو میں نے چھوڑ دیا ہے وہ اس سے زیادہ ہیں۔

چنانچہ جس حدیث کی سند انقطاع و تدلیس اور دیگر اسباب ضعف سے محفوظ ہو اسے یا تو صحیح کہا جائے گا یا نہیں۔ اگر اسے صحیح کہا جاسکتا ہے تو وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور عدد کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر اسے صحیح نہیں کہا جاسکتا تو پھر عدد کی کوئی تاثیر نہیں کیونکہ ضعیف کو ضعیف کے ساتھ جوڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

امام مسلم کی شرط

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنی شرطوں کو تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

۱- تکرار سے بچیں گے سوائے ان حالات کے جہاں اس کی ضرورت ہو۔

۲- ردو قبول کے اعتبار سے راویوں کے درجات کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں کریں گے۔

الف- حفاظ و متقنین کی روایات اور اسی کی تخریج سے ابتدا کریں گے۔

ب- ان لوگوں کی روایات جو حفظ واتقان کے اس درجہ پر نہیں ہیں لیکن اوصاف ستر و صدق ان میں موجود ہیں مثلاً عطاء بن السائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم وغیرہ۔

ج۔ وہ راوی جو محدثین کے نزدیک متہم ہیں یا ان کی اکثر روایات منکر ہیں۔ ایسے لوگوں کی روایات کی تخریج نہیں کریں گے۔

یہ رہا امام مسلم کی بات کا خلاصہ، سوال یہ ہے کیا آپ نے اپنی تصنیف میں ان شرطوں کا التزام اور پابندی بھی کی ہے؟ جہاں تک عدم تکرار اور طبقہ ثالثہ سے حدیث کی عدم تخریج کا مسئلہ ہے تو اس میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ آپ نے ان کی پابندی کی ہے۔ البتہ پہلے دونوں طبقوں کے متعلق اختلاف ہے آیا آپ نے دونوں سے تخریج کی ہے یا صرف ایک سے؟

امام حاکم اور امام بیہقی کا یہ کہنا ہے کہ امام مسلم نے صرف طبقہ اولیٰ سے تخریج کی ہے اور طبقہ ثانیہ سے تخریج نہیں کی ہے۔ اس کے برخلاف قاضی عیاض اور امام نووی کا خیال ہے کہ آپ نے دونوں طبقات کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

شیخ ربیع بن ہادی مدخلی حفظہ اللہ اپنی کتاب "**بین الامامین مسلم والدار قطنی**" کے مقدمہ (ص ۲۰) میں دوسری رائے کو راجح قرار دیتے ہوئے وجہ ترجیح یہ بتلاتے ہیں کہ:

۱۔ امام مسلم نے جب یہ ذکر کیا کہ وہ دوسرے طبقہ سے تخریج کریں گے تو ایسے راویوں کی مثال عطاء بن السائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم سے دی اور یہ یقینی ہے کہ ان لوگوں کی روایات صحیح مسلم میں موجود ہیں جیسا کہ تقریب التہذیب سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کتاب امام مسلم نے کسی کی طلب پر تالیف کی ہے اور اس میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے مقدمہ میں تصریحات کی ہیں امام حاکم اور ان کے موافقین کا دعوی امام مسلم کی تصریح کے قطعاً منافی ہے۔

یہاں ایک بات قابل ملاحظہ ہے کہ قاضی عیاض نے امام مسلم کی تین طبقات کی تقسیم میں اپنے استنباط سے ایک طبقہ کا اضافہ کیا ہے اور وہ ایسے راویوں کا طبقہ ہے جس پر ایک جماعت نے کلام کیا ہے اور دوسری جماعت نے تزکیہ کیا ہے یعنی جن کی تضعیف کی گئی یا بدعت کی تہمت لگائی گئی ہے۔ قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ امام مسلم نے ایسے لوگوں کی روایات کی بھی تخریج کی ہے، امام نووی اور شیخ ربیع کی تائید بھی اس قول کو حاصل ہے۔

لیکن یہاں یہ بات ذکر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قاضی عیاض نے جو تیسرا طبقہ ذکر کیا ہے امام مسلم نے ان کی روایات کو اسی وقت لیا ہے جب اس کی تضعیف کو غیر معتبر اور تہمت بدعت کو غیر مؤثر پایا ہے جیسا کہ مقالہ کی ابتداء میں اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں: **انما أخرجت هذا الكتاب وقلت هو صحاح ولم أقل أن مالم أخرجه من الحديث في هذا الكتاب ضعيف ولكن انما خرجت هذا من الحديث الصحيح ليكون مجموعا عندى وعند من يكتبه عني ولا يرتاب في صحتها ولم أقل أن ماسواه ضعيف.** (خمسہ ص ۵۵)

میں نے اس کتاب کی تخریج کی اور کہا کہ اس کی تمام احادیث صحیح ہیں میں نے یہ نہیں کہا کہ جو حدیث اس کتاب میں نہیں وہ ضعیف ہے لیکن اس کتاب کی تالیف سے میری غرض یہ ہے کہ میرے پاس اور جو مجھ سے لکھے اس کے پاس صحیح احادیث کا ایسا مجموعہ موجود ہو جس کی صحت میں کوئی شک نہ ہو، میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کے سوا ساری احادیث ضعیف ہیں۔

بخاری ومسلم میں صحیح احادیث کا عدم استیعاب اور ایک اعتراض اور اس کا جواب

گذشتہ سطروں میں یہ بات آچکی ہے کہ بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں صرف صحیح احادیث کی تخریج کی ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے تمام صحیح احادیث کا استیعاب کر لیا ہے اور ان کی کتابوں سے باہر کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

البتہ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ اگر بخاری و مسلم کا مقصد جملہ صحیح احادیث کا استیعاب نہیں تھا بلکہ ان کی شرط یہ تھی کہ اپنی کتاب میں اسی حدیث کو داخل کریں جو صحیح ہو تو کیونکر انہوں نے بہت سے متکلم فیہ راویوں کی احادیث کی تخریج کی جیسے فلیح بن سلیمان اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار اور اسماعیل بن ابی اویس (ان تینوں کی روایات بخاری میں ہیں) اور محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہ کی روایات مسلم میں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ بخاری و مسلم نے کچھ ایسے لوگوں کی روایات کو اپنی کتاب میں داخل کیا ہے جنہیں معمولی ضعف کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن ان کا ضعف اس حد کو نہیں پہنچتا کہ جس کی بنا پر ان کی حدیث مردود قرار دی جائے۔

واضح رہے کہ امام بخاری کی یہ رائے ہرگز نہیں تھی کہ جس راوی کو کسی قسم کے ضعف کی طرف منسوب کیا گیا ہو اس کی حدیث کی تخریج نہ کی جائے۔ اگر مذکورہ راویوں کا ضعف ان کے نزدیک ثابت ہوتا تو وہ ان کی احادیث کی تخریج ہرگز نہ کرتے۔

پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اسباب ضعف کے بارے میں اہل علم کا بڑا اختلاف ہے، ایک ہی راوی کسی کے نزدیک ثقہ تو کسی کے نزدیک ضعیف ہے۔ پھر رجال کی معرفت میں امام بخاری کا اتنا بڑا مقام ہے کہ ان پر اس سلسلہ میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ پھر امام بخاری کی طرف سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا مقصود ایسی احادیث کی تخریج تھا جن کی صحت پر اہل علم کا اتفاق ہے، آپ کی یہ شرط نہیں تھی کہ صرف ایسے راوی کی احادیث کی تخریج کریں گے جس کی عدالت پر سب متفق ہیں۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث امام بخاری کے نزدیک ثابت ہو، اس کی کئی سندیں ہوں جس میں ایک کا درجہ دوسرے سے بڑھ کر ہو مگر آپ طریق اصح کو اس کے نازل ہونے یا تکرار یا کسی اور عذر کی بنا پر چھوڑ دیتے ہوں، جیسا کہ امام مسلم نے اس کی تصریح کی ہے۔

ائمہ اربعہ کی شرطیں

امام مقدسی رحمہ اللہ کے مطابق سنن اربعہ میں تین قسم کی حدیثیں ہیں :

قسم اول :- صحیح احادیث۔ یہ وہی احادیث ہیں جن کی تخریج بخاری و مسلم یا کسی ایک کے یہاں کی جاچکی ہے، لہٰذا اس پر بحث و گفتگو کا طرز و انداز وہی ہوگا جو پہلے گذر چکا ہے۔

قسم ثانی :- ایسی احادیث جو ان ائمہ کی اپنی شرط کے مطابق صحیح ہیں۔ امام ابن مندہ کے مطابق امام ابوداؤد ونسائی کی شرط یہ ہے کہ ایسے افراد کی حدیثوں کی تخریج کریں جن کے ترک پر اجماع نہیں ہے جب حدیث کسی قطع وارسال کے بغیر

اتصال سند کے ساتھ صحیح ہو۔

حدیث کی یہ قسم بھی صحیح ہے کیونکہ امام بخاری فرماتے ہیں: مجھے دو لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں نیز امام مسلم فرماتے ہیں میں نے تین لاکھ سنی ہوئی احادیث سے مسند صحیح کا انتخاب کیا ہے پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دونوں کی کتابوں میں کم وبیش دس ہزار احادیث ہیں۔ ان تمام احادیث کو شامل کر کے جن میں وہ باہم متفق ہیں یا ایک دوسرے سے منفرد ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کی ایک بڑی تعداد ہے جو ان کی کتابوں کے اوراق سے باہر ہے البتہ اس کا درجہ ان احادیث کی طرح نہ ہوگا جن کی تخریج صحیحین میں کی گئی ہے۔

قسم ثالث: وہ احادیث ہیں جو باب سابق کے لیے بطور ضد کے تخریج کی گئی ہیں اور ان ائمہ نے ان احادیث کو ان کی صحت کی قطعیت کے ساتھ وارد نہیں کیا ہے، بسا اوقات ان کی علت بھی اس انداز سے ظاہر کر دی ہے جسے اہلِ معرفت سمجھ سکتے ہیں۔

سنن اربعہ میں ضعیف حدیث کی تخریج کا سبب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سنن اربعہ میں ائمہ اربعہ نے ضعیف حدیث کی تخریج کیوں کی؟ تو اس کا جواب تین طرح سے ہوگا:

۱۔ چونکہ بعض لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے اس لیے ائمہ نے اسے وارد کر کے اس کے سقم وضعف کو واضح کر دیا ہے تاکہ شک وشبہ ختم ہو جائے۔

۲۔ ان لوگوں نے اپنی کتابوں کو بخاری ومسلم کی طرح "صحیح" کا نام نہیں دیا ہے۔ اس لیے یہ لوگ ایک حدیث اور اس کی ضد دونوں کی تخریج کرتے ہیں۔

۳۔ ان کا عمل فقہا کے عمل کے مشابہ ہے جس طرح وہ لوگ اپنی کتابوں میں مخالفین کے دلائل بھی یہ جانتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ یہ واقعتہً دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ترمذی کی شرط

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب میں چار قسم کی احادیث ہیں۔

قسم اول: قطعی طور پر صحیح ہے۔ یہ وہ احادیث ہیں جو بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں۔

قسم ثانی: جو بخاری ومسلم کے سوا بقیہ ائمہ کی شرط کے مطابق ہیں جس کی وضاحت گذر چکی ہے۔

قسم ثالث: جسے بطور ضد بیان کیا ہے اور اس کی علت لازمی طور پر بیان کر دی ہے۔

قسم رابع: ان احادیث کی ہے جس کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں: میں نے اپنی اس کتاب میں صرف اسی حدیث کی تخریج کی ہے جس پر کسی فقیہ نے عمل کیا ہو۔

یہ بڑی وسیع شرط ہے کیونکہ اس اصل کی بنیاد پر امام ترمذی نے ہر اس حدیث کی تخریج کی ہے جس سے کسی نے استدلال کیا ہو یا اس کے مطابق عمل کیا ہو، خواہ اس کی سند صحیح ہو یا نہ ہو۔

امام ترمذی اپنی طرف سے ذمہ داری مکمل کر کے عہدہ برآ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی تصنیف میں ہر حدیث پر اس کے تقاضے کے مطابق کلام کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ ترجمۃ الباب اس مشہور حدیث کے مطابق قائم کرتے ہیں جو کسی صحابی سے صحیح سند سے ثابت ہو اور صحیحین میں اس حدیث کی تخریج کی گئی ہو چنانچہ امام ترمذی اس باب میں وہی حکم دوسرے صحابی کی حدیث سے لاتے ہیں جس کی تخریج صحیحین میں نہیں کی گئی ہے اور وہ سند بھی پہلی سند کی طرح نہیں ہے، اگرچہ حکم صحیح ہے۔ پھر امام ترمذی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **وفي الباب عن فلان وفلان** اور ایک جماعت کا نام گناتے ہوئے اس مشہور صحابی کا بھی ذکر کر دیتے ہیں جس کی سند سے صحیحین میں یہ حدیث مذکور ہے۔

چند ابواب کو چھوڑ کر تقریباً تمام ابواب میں امام ترمذی کا یہی منہج ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابوداؤد کی شرط

عبداللہ بن صالح البراک نے اپنے ایم۔اے کے رسالہ "**كتاب السنة من سنن ابی دائود. دراسة وشرحاً**" کے مقدمہ میں امام ابوداؤد اور ان کی سنن سے متعلق بحث کرتے ہوئے آپ کی شرطوں کو چار نکات میں بیان کیا ہے:

۱۔ امام ابوداؤد نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث کی تخریج کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ صحیح اور غیر صحیح سب کی تخریج کی ہے، البتہ موضوع اور جو اس کے حکم میں ہو اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

یہ نکتہ امام ابوداؤد کے اس رسالہ سے ماخوذ ہے جو انہوں نے اہل مکہ کے نام لکھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں: **وما كان في كتابي من حديث فيه وهن شديد فقد بينته ومنه مالا يصح سنده ومالم أذكر فيه شيئا فهو صالح وبعضها أصح من بعض.** نیز فرمایا: **وليس في كتاب السنن التي صنفته عن رجل متروك الحديث شئي.**

۲۔ آپ نے ہر ہر باب میں اپنے علم کے مطابق سب سے صحیح حدیث کا ذکر کیا ہے اور ہر باب میں ایک دو حدیث کے ذکر پر غالباً اکتفا کیا ہے اور اگر ضعف شدید ہے تو اسے بیان کر دیا ہے۔ معمولی ضعف کو نہیں بیان کیا ہے۔

۳۔ آپ کی احادیث مشہور ہیں کیونکہ آپ غرائب سے استدلال درست نہیں سمجھتے، فرماتے ہیں۔ **والأحاديث وضعتها في السنن وأكثرها مشاهير، فانه لا يحتج بحديث غريب ولو كان من رواية مالك.**

۴۔ امام ابوداؤد اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں: **وما لم أذكر فيه شيئا فهو صالح.**

یہ مسئلہ دراصل اہل علم کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ امام ابوداؤد کا سکوت حسن کے قبیل سے ہے اور بعض کی رائے ہے کہ فقط وہ اعتبار کے لائق ہو گی، متابعت کی ضرورت ہے اور بعض آپ کے سکوت کو کئی مراتب میں تقسیم کرتے ہیں اور یہی راجح ہے، اسی کی تفصیل ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

الف۔ جن احادیث پر امام ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا ہے ان میں پہلی قسم وہ ہے جو صحیحین میں یا بخاری و مسلم میں سے کسی ایک کے یہاں موجود ہیں۔ لہٰذا ان کا درجہ واضح ہے۔

ب۔ دوسری قسم وہ ہے جو صحیحین یا کسی ایک میں تو موجود نہیں مگر اس کی سند جید اور علت وشذوذ سے پاک ہے۔ وہ حسن

لذاتہ کے قبیل سے ہے۔

ج۔ تیسری قسم وہ ہے جو کئی سندوں کی وجہ سے تقویت پا جاتی ہے یعنی حسن لغیرہ کے قبیل سے ہے۔

د۔ چوتھی قسم وہ ہے جس میں راوی کے حفظ کے نقص کی وجہ سے سکوت اختیار کرتے ہیں۔

ھ۔ پانچویں قسم وہ ہے جس کے راوی کی طرف سے اس کا ضعف واضح ہو غالباً اس پر سکوت نہیں اختیار کرتے بلکہ بیان کر دیتے ہیں اور کبھی اس کے ضعف کی شہرت کی بنا پر سکوت بھی اختیار کرتے ہیں۔

امام حازمی نے ابو بکر بن داسہ سے روایت کرتے ہوئے امام ابوداؤد کا ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

كتبت عن رسول الله ﷺ خمسمائة ألف حديث انتخبت منها ماضمنت هذا الكتاب، جمعت فيه أربعة آلاف حديث، ذكرت الصحيح ومايشبهه وما يقاربه (ص ۵۳)

میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی پانچ لاکھ حدیثیں تحریر کیں، اس میں سے اس کتاب کی شامل کردہ احادیث کو منتخب کیا، میں نے اس میں چار ہزار آٹھ سو احادیث کو جمع کیا، میں نے اس میں صحیح اور جو اس کے مشابہ ہو اور جو اس کے قریب ہو، سب کو ذکر کیا۔

امام نسائی کی شرط

امام نسائی فرماتے ہیں: جب میں نے کتاب السنن جمع کرنے کا عزم کیا تو چند ایسے شیوخ سے، روایت کے سلسلہ میں جن کے بارے میں دل میں کچھ شبہات تھے، اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا چنانچہ اختیار یہی ہوا کہ انہیں ترک کر دیا جائے، لہٰذا بہت سی احادیث میں جن میں میری سند عالی تھی نازل ہو گئی۔

امام ابن طاہر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راوی کے بارے میں ابوالقاسم زنجانی سے مکہ میں سوال کیا تو انہوں نے اس کی توثیق فرمائی میں نے کہا، امام نسائی اس کی تضعیف کرتے ہیں، انہوں نے کہا، فرزند عزیز! رجال کے سلسلہ میں امام نسائی کی شرط بخاری و مسلم کی شرط سے زیادہ سخت ہے۔

حافظ ابو طالب فرماتے ہیں: امام نسائی جس پر صبر کر گئے اس پر اور کون صبر کر سکتا ہے، ان کے پاس ہر ہر باب کے لیے ابن لہیعہ کی احادیث تھیں مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی کیونکہ وہ ابن لہیعہ کی حدیث روایت کرنا درست نہیں سمجھتے تھے۔ (ستہ ص ۲۱۔ ۲۲)

امام ابن ماجہ کی شرط

امام ابن ماجہ کی شرط بھی امام ابوداؤد و امام نسائی و امام ترمذی ہی کی طرح ہے۔ البتہ جس طرح ترتیب میں یہ موخر ہیں، اسی طرح ان کی شرطیں بھی دوسروں کے مقابل نرم ہیں۔

اس مقالہ کے خاتمہ پر میری ایک تجویز ہے کہ اس موضوع پر امام ابن طاہر اور امام حازمی کے رسالہ کی تحقیق علمی کی ضرورت ہے۔ بروقت اس کے دو نسخے میرے سامنے ہیں، ایک حدیث اکادمی فیصل آباد پاکستان کا مطبوعہ ہے جو بلا تحقیق ہے اور اس میں بہت سی تصحیفات و تحریفات ہیں۔ دوسرا نسخہ دارالکتب العلمیۃ بیروت کا مطبوعہ ہے جس پر کسی مجہول شخص کی

تعلیقات ہیں، اس کا نام تو کہیں مذکور نہیں مگر اس کی تعلیقات اس کے خدوخال نمایاں کرتی ہیں۔

لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ تعصب اور جانبداری سے ہٹ کر علمی طور پر ان رسالوں کی تحقیق کی جائے اور ان ائمہ کی شروط کو زیادہ واضح اور تفصیلی انداز میں منصۂ شہود پر لایا جائے۔ متن واسناد اور روایت و درایت ہر دو میں ان ائمہ کی کیا شروط تھیں ان کا تفصیلی جائزہ دلائل کی روشنی میں پیش کیا جائے تاکہ تشکیک کے فتنوں کا سدباب کیا جا سکے۔ واللہ ھو الموفق للصواب

والحمدللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات.

مصادر و مراجع

١. شروط الائمة الستة لابن طاهر المقدسی (٥٠٧ هـ)
طبعة حديث أكادمی نشاط آباد، فيصل آباد، باكستان ١٩٨٢م
وطبعة دارالكتب العلمية بيروت. ١٤٠٥ هـ

٢. شروط الائمه الخمسة لابی بكر محمد بن موسى الحازمی (٥٨٤هـ)
المطبوع ضمن كتاب شروط الائمة الستة.

٣. رسالة أبی داؤد الی أهل مكة فی وصف سننه، تحقيق الدكتورمحمد لطفی الصباغ. المكتب الاسلامی. بيروت. ١٤٠٥هـ

٤. الامام أبوداؤد السجستانی وكتابه السنن. تأليف عبدالله بن صالح البراك. الطبعة الاولی ١٤١٤ه

٥. مقدمة صحيح مسلم

٦. بين الامامين مسلم والدار قطنی تأليف د. ربيع بن هادی المدخلی. طبعة الجامعة السلفيه بنارس.

مولانا اقبال احمد محمد اسحٰق بسکوہری
جامعہ محمدیہ مالیگاؤں

تخریج حدیث

تاریخ ـ اہمیت ـ طریق کار

محدثین کرام نے احادیث پاک کی حفاظت کے لیے جو مختلف علوم وفنون ایجاد کیے، انھیں میں سے ایک علم "فن تخریج حدیث" بھی ہے۔

لغوی معنی

لفظ "تخریج" لغوی اعتبار سے مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن جو معنی اس فن کے لیے مناسب ہے وہ "اظہار" اور "رہنمائی کا معنی ہے۔ یہ لفظ خرج کے مادہ سے مشتق ہے اور خارج کل شئی کا اطلاق ظاہر کل شئی پر ہوتا ہے۔(۱)

لہٰذا خروج بمعنی ظہور اور تخریج بمعنی اظہار ہوا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كزرع اخرج شطاه (الفتح : ۲۹) يعنى كمثل زرع اظهر طرفه.

اطلاق محدثین

البتہ محدثین کے یہاں اس کا استعمال مختلف دور میں مختلف رہا ہے۔ پہلا استعمال اخراج بمعنی اظہار ہوا ہے جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:ثم انا ان شاء الله مبتدؤن فى تخريج ماسألت. (۲) یعنی فی اخراج واظهار ماسألت.

یہ استعمال ان کتابوں پر صادق آتا ہے جن میں ان کے مصنفین نے حدیثوں کو اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ مثلاً جوامع، صحاح، سنن، مسانید معاجم وغیرہ۔

متقدمین کے یہاں یہی استعمال رائج تھا لیکن سلسلہ اسناد کی انتہا کے ساتھ ساتھ یہ استعمال تقریباً ختم ہوگیا۔

دوسرا استعمال "انتقاء" اور "انتخاب" کے معنی میں ہوا ہے یعنی کسی کتاب سے احادیث کا حسب ضرورت وفوائد منتخب کرنا۔ اس معنی کا عمومی استعمال متقدمین کے بعد ہوا۔ یہ معنی ان کتابوں پر منطبق ہوتا ہے جن کو کسی دوسری کتاب سے منتخب کرلیا گیا ہو جیسے: تخريج الفوائد المنتخبة من الصحاح والغرائب لابى القاسم الحسينى، ولابى القاسم المهروانى جس کا انتخاب خطیب بغدادی نے کیا ہے۔ پھر اس معنی میں اس کا استعمال تقریباً ناپید ہوگیا۔

تیسرا استعمال بمعنی "نسبت اور رہنمائی کے ہے یعنی کسی حدیث کی نسبت مصادر اصلیہ (۳) کی جانب کرنا، یا اس کی

طرف رہنمائی کرنا۔ متاخرین کے یہاں یہی معنی مستعمل رہا ہے اور عندالاطلاق یہی معنی سمجھا جاتا ہے۔ یہ معنی ان کتابوں پر صادق آتا ہے جن کو ''کتب تخریج'' کہا جاتا ہے۔

امام سخاوی نے تخریج کی تعریف کرتے وقت انہی تینوں معنوں کی رعایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: **اخراج المحدث الأحاديث من بطون الكتب...... وسيا قها من مرويات نفسه...... وعزوها لمن رواها من أصحاب الكتب۔**(۴)

محدثین کے کلمہ تخریج کے اس استعمال سے اصطلاحی تعریف کے لیے جو خاکہ ذہن میں بنتا ہے وہ یہ ہے:

اصطلاحی تعریف

محدث کا اپنی سند سے حدیث روایت کرنا، یا کتب حدیثیہ سے ان کا انتخاب کرنا، یا مصادر اصلیہ میں ان کے وجود کی جانب رہنمائی اور نسبت کر کے مرتبے کا ذکر کرنا۔

البتہ موجودہ دور میں فن تخریج کا جو استعمال ہے اس کے مطابق یہ تعریف بہتر معلوم ہوتی ہے:

''حدیث پاک کی نسبت مصادر اصلیہ کی جانب کرنا اور اس کے مرتبے کا بیان کرنا۔''

لہٰذا اگر کسی حدیث کی نسبت مصادر اصلیہ کی جانب نہ ہو بلکہ فرعی مصدر کی جانب ہو تو اس کو تخریج نہیں کہیں گے۔ مثلاً مشکوۃ یا بلوغ المرام کی جانب اگر کسی حدیث کی نسبت کی جائے تو اس کو تخریج نہیں کہیں گے اور نہ اس پر ''**اخرج البغوی**'' یا ''**اخرجه ابن حجر**'' کا اطلاق ہی ہوگا بلکہ ''**ذکرہ**'' کا استعمال درست ہوگا نیز مجرد نسبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ حدیث کا حکم معلوم نہ ہو جائے اس لیے کہ یہی اس فن کا اصل مقصد اور غرض وغایت ہے۔ چنانچہ امام عراقی فرماتے ہیں کہ صحت وضعف کا بیان کرنا فن تخریج کا مقصد اعظم ہے۔(۵)

تاریخ تخریج

محدثین کے یہاں کلمہ تخریج کے استعمال کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس فن کی تاریخ اتنی قدیم ہے جتنی کہ روایت حدیث اور تدوین حدیث کی تاریخ ہے، اس کا سلسلہ دور صحابہ تک پہونچتا ہے اور حدیث کی جتنی بھی کتابیں بذریعہ سند تحریر کی گئیں یا جتنی حدیثیں سنی گئیں، وہی اس فن کی تاریخ ہیں۔

اگر متاخرین کی اصطلاح میں اس کا جائزہ فنی بنیاد پر لیا جائے تو اس کی تاریخ اتنی قدیم نہیں بلکہ اس کا سلسلہ پانچویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔(اور تاحال جاری ہے) جب فن حدیث کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں کتابیں تحریر کی جانے لگیں۔ مثلاً تفسیر، فقہ، ادب وغیرہ تو ان کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں موجودہ مسائل کے لیے احادیث پاک سے استدلال کیا، لیکن انہوں نے حدیث کی صحت وضعف کا خیال نہیں کیا، اسناد اور رجال حدیث کو نہیں پرکھا، بلکہ کسی مسئلے پر جو بھی حدیث نظر آئی اس کا ذکر کر دیا اور اس طرح صحیح اور ضعیف احادیث خلط ملط ہو کر عوام الناس کے سامنے تحریری شکل میں آنے لگیں۔ اس کے دور رس نتائج اور خطرناکی کو پاسبان علوم نبوت نے محسوس کیا اور اس کے سدّباب کے لیے ایک راستہ نکالا، وہ راستہ یہ تھا کہ اس طرح کی کتابوں میں جتنی بھی حدیثیں پائی جاتی ہیں ان کی تخریج کر دی جائے اور یہ بتادیا جائے کہ یہ حدیث مستند کتب حدیث میں سے کس کتاب کی روایت ہے، اس کی حیثیت کیا ہے، ضعیف ہے یا موضوع، قابل عمل ہے یا قابل طرد۔ یہیں سے انواع علوم

حدیث میں ایک قسم کا اور اضافہ ہوا اس پر مشتمل کتب کو کتب تخریج حدیث اور اس فن کو فن تخریج حدیث کہا جاتا ہے۔

سب سے پہلے اس کام کا بیڑا امام بیہقی (ت ۴۵۸ھ) نے اٹھایا اور کچھ کتابوں کی حدیثوں کی تخریج کی۔ اس کے بعد خطیب بغدادی (ت ۴۶۳ھ) نے کچھ کام کیا، پھر امام حازمی (ت ۵۸۴ھ) نے ابواسحاق شیرازی کی کتاب **المهذب فی الفقه الشافعي** کی حدیثوں کی تخریج کی اور اس طرح سے یہ سلسلہ رواں دواں ہوا اور **نصب الراية فی تخريج احاديث الهداية للزيلعي، البدر المنير فی تخريج الاحاديث والآثار الواقعة فی الشرح الكبير لابن الملقن،** اور **ارواء الغليل فی تخريج احاديث منارالسبيل** جیسی عظیم کتابیں وجود میں آئیں۔ علامہ البانی کے دونوں سلسلے صحیحہ وضعیفہ اس فن کے سب سے اہم شاہکار ہیں۔ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، اس طرح سنت مطہرہ کے پاسبانوں نے بہت بڑے خطرے کا سدباب کیا۔

اصول تخريج

البتہ فن اصول تخریج جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ آج کے دور میں تخریج حدیث کا کام کس طرح انجام دیا جائے، حدیث کی معرفت کے لیے کون کون سے طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں، بالکل جدید فن ہے۔

متقدمین ومتاخرین میں سے کسی نے اصول تخریج پر کتابیں تحریر نہیں کی ہیں، اس لیے کہ ان کو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی، ان کے پاس جو غزارت علم، کثرت اطلاع، وافر معلومات اور قوت حافظہ موجود تھا ان کی بنیاد پر جس وقت جس حدیث کی ضرورت پڑتی تھی بآسانی اس کے مصدر ومحل وقوع پر ذہن پہونچ جاتا تھا۔

لیکن بعد میں جب کتب حدیث پر اطلاع کمزور ہوگئی اور اس کے تئیں لوگوں کی ہمتیں پست ہوگئیں وہ اس کو ایک بحر بیکراں تصور کرتے ہوئے سلامت بر کنار است پر عمل پیرا ہوئے نتیجتاً عدم معرفت کا دور دورہ ہوا اور بڑے بڑے اسلامی اداروں نے بھی جہاں سے فضیلت اور تخصص کی سندیں عطا کی جاتی تھیں، دواوین اسلام کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا، کتب حدیث میں صحاح وسنن، مسانید ومعاجم، مصنفات واجزاء وغیرہ تو درکنار، کتب ستہ کو بھی وہ مقام نہ مل سکا جو ان کو ملنا چاہئے چہ جائے کہ ان علوم وفنون کو جانا جائے جن کے بغیر ان کتابوں کا پڑھنا اور سمجھنا ممکن نہیں۔

جب اس بگڑی ہوئی صورت حال میں کسی کتاب سے حدیث معلوم کرنا آسان نہ رہا۔ تو اصول وضوابط کی ضرورت پڑی۔ موجودہ دور کے علماء نے اس ذمہ داری کو ادا کیا، سب سے پہلے میرے علم کے مطابق ڈاکٹر محمود طحان شامی حفظہ اللہ نے اس فن میں ایک کتاب **اصول التخريج ودراسة الاسانيد** کے نام سے تحریر کی جس میں انہوں نے تخریج حدیث کے پانچ طریقے بتائے۔ ان کے بعد ڈاکٹر عبدالموجود عبداللطیف نے **كشف اللثام عن حديث سيدالانام** کے نام سے دوسری کتاب تحریر کی جس میں انہوں نے تخریج حدیث کے چھ طریقوں کی تشریح کی۔ ایک مفید کتابچہ ڈاکٹر عبدالغنی احمد التمیمی نے اس موضوع پر **تخريج الحديث النبوی** کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے تخریج حدیث کے لیے نو طریقوں کا ذکر کیا ہے۔ خاکسار نے بھی اس موضوع پر کچھ معلومات کتابی شکل میں جمع کی ہیں جس کا نام **تحفة الخريج الی ادلة التخريج** رکھا ہے اس میں باعتبار متن چار اور باعتبار سند چار طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اہمیت ومقام

اس فن کی جو اہمیت اور اس کا جو مقام ہے وہ بالکل واضح ہے اس لیے کہ حدیث پاک کی معرفت کے لیے یہ ایک بنیادی علم ہے جس کے ذریعہ صحیح وضعیف معتمد اور غیر معتمد روایتوں کا پتہ چلتا ہے، جن پر شریعت کا دارومدار ہے اور جن کے ذریعہ حلال وحرام کی تمیز کی جاسکتی ہے۔ نیز احادیث رسول کے مصادر اصلیہ، کتب احادیث کی انواع واقسام، ان سے استفادہ کا طریقہ، ان کی ترتیب وتنظیم، اسی فن سے معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں یہ فن نہایت اہمیت کا حامل ہے خاص طور سے ان لوگوں کے لیے جن کو حدیث پاک سے الفت ہے اور جو اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔

اس علم کی معرفت سے بڑی آسانی سے احادیث رسول کی صحیح معرفت حاصل ہو جاتی ہے متابعات وشواہد کا پتا چلتا ہے، علل وشذوذ معلوم ہوتے ہیں، طرق حدیث، فوائد سند ومتن، رفع ووقف، تدلیس وتحدیث نیز دیگر ضروری معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

طریقہ تخریج

حدیث رسول بنیادی طور سے دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے: سند اور متن۔

سند: رجال حدیث کے اس سلسلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ متن حدیث (حدیث پاک) معلوم ہوتی ہے۔

متن: اس حصہ کو کہا جاتا ہے جہاں پر سند کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اصل بات شروع ہوتی ہے۔ (٦)

کسی بھی حدیث کو معلوم کرنے کے لیے یا اس کی تخریج کے لیے سند ومتن دونوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔

معرفت متن کے ذریعے حدیث معلوم کرنے کے چار طریقے ہیں:

١- حدیث کے معنی ومفہوم کی معرفت کے سہارے حدیث کی تخریج کرنا۔

٢- حدیث کے کلمہ اول (طرف حدیث) کی معرفت کے سہارے تخریج کرنا۔

٣- مشتق کلمات کی معرفت کے سہارے تخریج کرنا۔

٤- متن حدیث کی کسی خاص صفت (صحیح، ضعیف، معلل وغیرہ) کی معرفت کے سہارے حدیث کی تخریج کرنا۔

معرفت سند کے ذریعہ بھی حدیث کے معلوم کرنے اور تخریج کرنے کے چار طریقے ہیں:

١- حدیث کے اعلیٰ راوی (صحابی) کی معرفت کے سہارے سے۔

٢- اسفل راوی (شیخ المؤلف) کی معرفت کے سہارے سے۔

٣- مطلق راوی کی معرفت کے ذریعہ۔

٤- سند کی صفات میں سے کسی بھی صفت (مرسل، مسلسل، معلّل وغیرہ) کی معرفت کے سہارے۔

جس کی تفصیل یہ ہے:

پہلا طریقہ از روئے متن: حدیث کے مضمون کی معرفت کے ذریعہ تخریج کرنا۔

یہ طریقہ ہر وہ شخص استعمال کرسکتا ہے جو حدیث پاک کے معنی ومفہوم کی تحدید کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کبھی

کبھی ایک حدیث میں مختلف مفہوم پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ روایت مختلف باب یا موضوع میں مل سکتی ہے۔

حدیث کے مفہوم کی تعیین ہو جانے کے بعد اس کی تلاش کے لیے آگے قدم بڑھ سکتا ہے۔ اس صورت میں ان کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے جو فقہی ابواب اور موضوعات پر مرتب ہیں۔ یہ طریقہ بہت وسیع اور جامع ہے نیز قدرے آسان بھی ہے اور حدیث کی اکثر و بیشتر کتابوں کو محیط ہے۔

وہ کتابیں جو ابواب اور موضوعات پر مرتب ہیں علماء نے ان کی تین قسمیں کی ہیں:

۱۔ وہ کتابیں جن میں ہر موضوع کی حدیثیں پائی جاتی ہیں (جن کو آٹھ قسموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے) جیسے، جوامع، مستدرکات، مستخرجات علی الجوامع، مجامیع، زوائد، نیز مفتاح کنوز السنة بھی اسی قسم میں شامل ہے۔

۲۔ وہ کتابیں جن میں اکثر و بیشتر ابواب کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے سنن، صحاح، مصنفات، موطات، مستخرجات علیہ نیز وہ کتابیں اس ضمن میں شامل ہیں جن کو کتب التخریج کہا جاتا ہے بشرطیکہ وہ ابواب فقہ پر مرتب ہوں۔

۳۔ وہ کتابیں جن میں صرف ایک موضوع (کسی خاص موضوع) کی حدیثیں پائی جاتی ہیں، ان میں مختلف قسم کی کتابیں پائی جاتی ہیں جیسے کتب عقائد، کتب احکام، کتب اخلاق، کتب اذکار، کتب ترغیب و ترہیب وغیرہ۔ نیز وہ کتابیں بھی اس میں شامل ہیں جو فن حدیث کے علاوہ دیگر فنون جیسے تفسیر، سیرت وغیرہ میں تحریر کی گئی ہیں۔ اسی طرح سے اس میں وہ کتب تخریج بھی شامل ہیں جو کسی خاص فن سے تعلق رکھتی ہیں۔

کسی حدیث کی تخریج کے لیے جس کا موضوع معلوم ہو ان کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک حدیث ہے "هو الطهور ماءه، والحل ميتته" اس حدیث کا موضوع طہارت بھی ہے، اطعمہ بھی ہے اور ذبائح بھی ہے، اب اگر اس کی تخریج کرنی ہے تو اس کو مذکورہ کتابوں میں سے کسی کتاب میں تلاش کرنا ہو تو پہلے کتاب الطهاره کے اس باب میں تلاش کرنا پڑے گا جو پانی کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے اگر اس میں نہ ملے تو دوسرے موضوعات میں تلاش کرنا پڑے گا۔ خدانخواستہ اگر کسی ایک کتاب میں نہ مل سکے تو دوسری کتاب میں اسی طرح سے تلاش کرنا پڑے گا۔ یقیناً یہ حدیث ان انواع واقسام کی کتابوں میں سے کسی نہ کسی کتاب میں ضرور مل جائے گی۔

ہو سکتا ہے کوئی ایسی بھی حدیث ہو جو ہر کتاب میں مل جائے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسی حدیث ہو جو کسی ایک کتاب میں بھی نہ ملے۔ ایسی صورت میں دوسرے طریقوں کے ذریعہ اس کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔

خاص موضوعات کی جو کتابیں ہیں اگر مطلوبہ روایت اس موضوع سے متعلق ہے تو اس کتاب میں مل سکتی ہے ورنہ نہیں مثلاً اگر کوئی روایت ایسی ہے جس کا تعلق قرأة فاتحہ خلف الامام سے یا رفع الیدین فی الصلاة سے ہے تو اس موضوع پر امام بخاری کی لکھی ہوئی کتاب جزء القراة خلف الامام، یا جزء رفع الیدین میں مل سکتی ہے۔

اس قاعدہ میں ایک کتاب مفتاح كنوز السنة کا ذکر گزرا ہے جو (A.J. Wensink) کی لکھی ہوئی ہے اس میں چودہ کتابوں کی حدیثوں کو موضوع کے اعتبار سے کتب لغات کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ جس مفہوم کی روایت مطلوب ہو اس مفہوم کو اس کتاب میں تلاش کر کے اس کے حوالوں کے ذریعہ مصادر اصلیہ سے ان کی تخریج کی جاسکتی ہے۔

دوسرا طریقہ از روئے متن

حدیث کے پہلے کلمہ (طرف حدیث) کی معرفت کے ذریعہ تخریج کرنا۔

اس طریقہ کا استعمال اس وقت ممکن ہے جب حدیث قولی ہو اور ابتدائی کلمہ قطعی طور سے معلوم ہو۔ ابتدائی کلمہ معلوم ہونے کے بعد اس حدیث کو ان کتابوں کے واسطہ سے تلاش کیا جاسکتا ہے جن میں حدیثیں حروف تہجی پر مرتب کی گئی ہیں۔ اس طرح کی کتابوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱. **کتب المفاتیح والفهارس العامة:**

یعنی حدیث کی وہ کتابیں جن میں بہت ساری کتابوں کی روایتوں کو حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہو جیسے **جمع الجوامع للسیوطی** جس میں کتب ستہ کے علاوہ تقریباً ۷۲ کتب حدیث کی قولی روایات کو حروف تہجی پر اور فعلی روایات کو مسانید صحابہ پر مرتب کیا گیا ہے اس میں تقریباً ۴۴ ہزار حدیثیں ہیں اسی طرح سے **الجامع الازهر للمناوی** اور **صحیح الجامع وضعیف الجامع للشیخ البانی** وغیرہ دیگر کتابیں ہیں۔

مطلوبہ حدیث کا ابتدائی کلمہ جس حرف سے شروع ہوتا ہے اس حرف میں تلاش کرنے سے حدیث کا اصل مرجع معلوم ہو جاتا ہے۔

۲. **کتب الفهارس الخاصة:**

یعنی وہ کتابیں جن میں کسی خاص کتاب کی روایتوں کی فہرست حروف تہجی پر تیار کی گئی ہو۔ کتب ستہ کی فہارس کے علاوہ اس طرح کی بے شمار کتابیں ہیں جن کی فہرست تیار کر دی گئی ہے اور دن بدن ان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

۳. **کتب الاحادیث المشتهرہ علی الألسنة:**

یعنی حدیث کی وہ کتابیں جن میں ان روایتوں کو حروف تہجی پر جمع کر دیا گیا ہے جو معاشرے میں مشہور و معروف ہیں جیسے **المقاصدالحسنة للسخاوی، أسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب** وغیرہ۔

تیسرا طریقہ ازروئے متن

کسی مشتق کلمہ کی معرفت کے ذریعہ حدیث کا معلوم کرنا۔

اس طریقے میں ان کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے جن میں کلمات حدیث کو لغوی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں سب سے اہم کتاب **المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث النبوی** ہے (جس کو مستشرقین کی ایک جماعت نے تیس سال میں مکمل کیا ہے) اس میں کتب ستہ، مسند احمد، موطا امام مالک اور سنن دارمی کی حدیثوں کو لغوی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ حدیث کا کوئی مشتق کلمہ لے کر اس کے اصل مادہ میں تلاش کرنے سے وہ روایت مل جائے گی، اس میں اشارات کے ذریعہ حوالے دیے گئے ہیں۔ ان حوالوں کی مدد سے اصل کتاب سے روایت معلوم کی جاسکتی ہے۔ مذکورہ نو کتابوں کی حدیثوں کے لیے یہ طریقہ سب سے آسان ہے لیکن اس کے لیے سب سے پہلے اس کتاب کے استعمال کا طریقہ سمجھنا ضروری ہے۔

اس طرح کی دیگر کتابوں میں صحیح مسلم، سنن ترمذی اور سنن دارقطنی میں موجود حدیثوں کی ترتیب ہے۔

چوتھا طریقہ ازروئے متن

متن حدیث کی کسی خاص صفت کی معرفت کے ذریعہ حدیث تلاش کرنا۔اگر کسی طرح سے متن حدیث کی کوئی خاص صفت معلوم ہو جائے تو جس صفت سے وہ متن متصف ہے اس طرح کی کتابوں میں تلاش کرنے سے وہ روایت آسانی سے مل سکتی ہے مثلاً اگر یہ معلوم ہوجائے کہ حدیث ضعیف ہے تو کتب الاحادیث الضعیفہ میں وہ روایت تلاش کرنے پر مل سکتی ہے۔یا وہ حدیث منسوخ ہو یا حدیث قدسی ہو یا متواتر ہو تو ان کتابوں کے واسطہ سے اسے معلوم کیا جاسکتا ہے جو ان موضوعات پر تحریر کی گئی ہیں۔

طریقہ تخریج از روئے سند

۱۔ پہلا طریقہ: راوی اعلیٰ (صحابی) کی معرفت کے ذریعہ تخریج کرنا۔

جس حدیث کی تخریج مطلوب ہے اگر اس کا راوی اعلیٰ یعنی روایت کرنے والے صحابی کا نام معلوم ہے تو اس کے ذریعہ سے وہ حدیث تلاش کی جاسکتی ہے،اس کے لیے چار طرح کی کتابیں استعمال کی جاسکتی ہے۔

۱۔ کتب مسانید، جن میں ہر صحابی کی روایتیں اکٹھا کی جاتی ہیں۔

۲۔ کتب معاجم جو صحابہ کی ترتیب پر مرتب ہیں۔

۳۔ کتب مصادر صحابہ: جن میں صحابہ کے تراجم ذکر کیے جاتے ہیں اور ضمناً حدیثیں بطور مثال ذکر کی جاتی ہیں۔

۴۔ کتب اطراف: جن میں حدیثوں کو صحابہ کے نام پر مرتب کیا گیا ہو۔جس صحابی کی روایت مطلوب ہو اس کا نام جس حرف سے شروع ہوتا ہے اس حرف میں پہلے نام تلاش کرنے اور پھر اس میں روایت تلاش کرنے سے مطلوبہ حدیث مل سکتی ہے،اگر صحابی کی روایتیں تھوڑی ہیں تو جلدی اور اگر کثیر ہیں تو دیر سے مل سکے گی،سند کے طریقوں میں یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ: اسفل راوی یعنی مؤلف کتاب کے شیخ کی معرفت کے ذریعہ حدیث تلاش کرنا۔

اگر کسی روایت کو تلاش کرنا ہے اور اس کا اسفل راوی معلوم ہو تو اس راوی کے شاگردوں کی ان کتابوں سے یہ روایت مل سکتی ہے، جنھوں نے ان مشائخ کی روایتوں کو اکٹھا کیا ہے ان کتابوں کو معاجم الشیوخ یا کتب المشیخات کہا جاتا ہے۔

مثلاً کوئی ایسی روایت تلاش کرنا ہو جس کے اسفل راوی امام طبرانی کے مشائخ میں سے ہوں تو اس روایت کو **المعجم الاوسط، المعجم الصغیر** میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔اس طرح کے معاجم کی تعداد ایک ہزار سے بھی زائد ہے۔

کتب معاجم عموماً حروف پر مرتب ہوتی ہیں جب کہ **کتب المشیخات** مختلف ترتیب پر ہوتی ہیں مثلاً وفیات، بلدان،شہرت وغیرہ۔

۳۔ تیسرا طریقہ: راوی کے نام ومقام کی معرفت کے ذریعہ حدیث تلاش کرنا۔اگر کسی روایت کا کوئی راوی معلوم ہو تو اس کے سہارے ان کتابوں میں حدیث تلاش کی جاسکتی ہے جن کو کتب الاجزاء کہا جاتا ہے جن میں ایک شخص کی روایتیں یکجا ہوتی ہیں۔ اگر مطلوبہ راوی کے نام پر اس طرح کی کتاب موجود ہے تو وہ روایت اس میں مل سکتی ہے۔اسی طرح سے وہ کتابیں جن کو تواریخ محلیة کہا جاتا ہے جن میں خاص خاص شہروں کی تاریخ لکھی جاتی ہے جیسے تاریخ دمشق، تاریخ بغداد وغیرہ۔ اگر یہ معلوم ہے کہ

راوی فلاں شہر کا رہنے والا ہے تو اس شہر کی تاریخ پر لکھی ہوئی کتابوں میں یہ حدیث اس راوی کے ترجمہ میں مل سکتی ہے۔

اسی طرح سے وہ کتب رجال جس میں راوی کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں اس میں بطور مثال روایتیں ذکر کی جاتی ہیں وہاں بھی وہ روایت مل سکتی ہے جیسے تاریخ کبیر، طبقات کبریٰ وغیرہ۔

۴۔ **چوتھا طریقہ:** سند کی صفات میں سے کسی صفت کی معرفت کے ذریعہ حدیث تلاش کرنا۔ جس حدیث کی تخریج مطلوب ہے اگر اس کی سند کی کیفیات میں سے کوئی کیفیت معلوم ہو تو اس کے سہارے سے اس حدیث کی تخریج کی جاسکتی ہے اور اس کے اصل مصدر تک پہونچا جاسکتا ہے۔

مثلاً اگر اس حدیث کی سند کمزور ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کمزوری کسی راوی کی وجہ سے ہوئی ہے تو اس راوی کے ترجمہ میں وہ روایت مل سکتی ہے اس کے لیے عموماً کتب رجال اور خصوصاً کتب ضعفاء رجال کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ مثلاً تاریخ الضعفاء للعقیلی، المجروحین لابن حبان، الکامل لابن عدی وغیرہ۔ یا مطلوبہ روایت کی سند میں کوئی علت ہو تو کتب علل یا مرسل ہو تو کتب مراسیل یا لطائف اسناد میں سے کوئی صفت ہو تو اس صفت اور نوع پر تالیف شدہ کتابوں کی جانب رجوع کرنے سے وہ روایت مل سکتی ہے۔

اسی طرح کسی بھی حدیث کے تلاش کرنے کے لیے ان طریقوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے، جن میں سے کچھ آسان اور کچھ قدرے مشکل طریقے ہیں جو ایک نسبتی شئی ہے جس کے لیے جو طریقہ آسان ہے وہ اس طریقے اور اپنے تجربات کو بروئے کار لاتے ہوئے بآسانی حدیث کی تخریج کرسکتا ہے۔

اس تلاش و جستجو میں عموماً روایتوں کا حکم مل جاتا ہے، یا تو کتب صحاح وضعفاء میں پائے جانے کی وجہ سے، یا علماء کے اقوال کی روشنی میں، جو حدیث کی تخریج کے درمیان معلوم ہو جاتے ہیں۔

خدانخواستہ اگر روایت کا حکم مجرد تخریجی عمل سے واضح نہ ہو تو اس کے لیے ایک دوسرے فن "علم الجرح والتعدیل" کی جانب رجوع کرنا پڑے گا اور اس روایت میں موجود جملہ راویان حدیث کے حالات کو کتب جرح وتعدیل میں دیکھنا پڑے گا۔ اگر اس کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، تدلیس یا ارسال، شذوذ یا علت نہیں پائی جاتی ہے تو وہ روایت صحیح ہوگی اور اگر اس کے برعکس ہے، تو وہ روایت ضعیف ہوگی۔

حواشی

۱۔ لسان العرب ۲/۲۴۹ ۲۔ مقدمہ صحیح مسلم

۳۔ جن کتابوں میں محدث اپنی سند سے روایت ذکر کرتا ہے انھیں مصادر اصلیہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ فتح المغیث ۳/۳۱۸ طبعہ سلفیہ بنارس

۵۔ تخریج احیاء علوم الدین ۱/۲ ٦. نزهة النظر ص ۹۲

مولانا اقبال احمد محمد اسحٰق بسکوہری
جامعہ محمدیہ مالیگاؤں

ضوابط جرح وتعدیل

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

رسول پاک ﷺ کی حدیثوں کی حفاظت کے لیے محدثین عظام نے مختلف علوم وفنون ایجاد کیے انہیں علوم میں سے ایک بہت اہم اور مشکل علم جرح وتعدیل ہے جس کے مختلف گوشے ہیں مثلاً قانون جرح وتعدیل، ائمہ جرح وتعدیل، کتب جرح وتعدیل وغیرہ۔اس علم میں حدیث روایت کرنے والے افراد کی زندگی کے ایک اہم گوشہ عدالت وثقاہت، ضعف اور عدم ضعف پر گفتگو ہوتی ہے۔

جرح وتعدیل کا معنی

جرح کے لغوی معنی ہوتے ہیں زخم لگانا (لسان العرب ۲/ ۴۲۲)اور اصطلاح میں راویوں کو ایسی صفت سے متصف کرنے کو جرح کہا جاتا ہے جس سے ان کی روایت کمزور یا مردود ہو جائے۔

تعدیل کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو درست کرنا۔ (الصحاح ۵/ ۱۷۶۱)اصطلاح میں راوی کو ایسی صفات سے متصف کرنے کو تعدیل کہتے ہیں جن سے ان کی روایت قابل قبول ہو۔

علم جرح وتعدیل، ایسے علم کو کہا جاتا ہے جس میں راویان حدیث پر بحیثیت قبول ورد، مخصوص الفاظ کے ذریعہ گفتگو کی جائے اور ان الفاظ کے مراتب پر بحث کی جائے۔ (الحطة فی ذکر صحاح الستة ص۸۹)

جرح وتعدیل شرعی نقطہ نظر سے

جرح وتعدیل ایک دینی ضرورت ہے۔اور فی نفسہ بہت اہم ضرورت ہے یہی وہ علم ہے جس نے انسانیت کو حقیقت پسندی کا گر سکھایا۔یہی وہ علم ہے جو حدیث پاک کی حفاظت کا ضامن ہے،اس علم کا واحد مقصد شریعت کی حفاظت کرنا ہے نہ کی کسی کی برائی یا غیبت کرنا، شریعت میں اس کے جواز کے دلائل موجود ہیں۔

ارشاد باری ہے: (یا أیها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا) یہاں فاسق کی روایت کی چھان بین کرنے اور اس پر فسق کا حکم لگانے کی اجازت دی گئی ہے جو جرح کی ایک تعبیر ہے۔اگر فاسق کے فسق کو بیان کیا جاسکتا ہے تو عادل کی

عدالت کو بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

رسول پاک نے مختلف اوقات میں کسی کی تعریف کی ہے جیسے "نعم الرجل عبداللہ" اور کسی کی تنقیص کی ہے جیسے "بئس اخو العشیرۃ" جو جرح و تعدیل کے مترادف ہے۔

ائمہ دین نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محدثین عظام نے عظیم خطرات کے پیش نظر راویوں پر کلام کرنے کی اجازت دی ہے اس لیے کہ حلال و حرام کی معرفت کا دارومدار انہیں پر ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی ۱؍۱۲۳)۔

امام یحییٰ بن سعید قطان سے جب کسی نے یہ سوال کیا کہ کیا آپ کو اس کا خوف نہیں کہ قیامت کے دن یہ لوگ (جن پر آپ نے جرح کیا ہے) آپ کے مدمقابل ہوں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے مدمقابل ہوں یہ کہیں زیادہ بہتر ہے اس سے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن میرے مقابل بحیثیت مدعی ہوں اور آپ فرمائیں کہ جب میرے اوپر جھوٹ گڑھا جا رہا تھا اس وقت تم نے میرا دفاع کیوں نہیں کیا۔ (تدریب الراوی ۲؍۳۶۹)

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باتفاق علما یہ دینی فریضہ ہے۔ غیبت میں اس کا شمار نہیں ہے۔ عقل و خرد کا یہی تقاضہ بھی ہے کہ جب دنیوی اغراض کے لیے گواہوں پر جرح کی جا سکتی ہے تو دین کی حفاظت کے لیے راویوں پر بدرجہ اولیٰ جرح کی جا سکتی ہے۔ (شرح مسلم ۱؍۱۲۴)

شروط جارح ومعدل

جرح و تعدیل ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں اور نہ ہر ایک کو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جس کے یہاں اس کی شرطیں موجود ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جرح و تعدیل کرنے والا شخص متقی، پرہیزگار، دیانت دار، سچا نیز تعصب و تنگ نظری سے پاک ہو۔

(۲) جرح و تعدیل کے اسباب سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔

(۳) کلام عرب کا ماہر ہو، عربی محاورات سے واقف رکھتا ہو تاکہ علماء کے اقوال کا مقصد سمجھ سکے۔

اسباب جرح وتعدیل

راوی حدیث کی روایت کب قبول اور کب مردود ہوتی ہے، نیز وہ اسباب کیا ہیں جن کی وجہ سے راوی پر قبول اور رد کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اس گوشہ کی وضاحت محدثین نے بڑی دقت سے کی ہے۔

بنیادی طور سے راوی کو ثقہ ہونے کے لیے دو چیزوں سے متصف ہونا ضروری ہے عدالت اور ضبط، چونکہ عدالت کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اس لیے اس کے اسباب بھی مختلف فیہ ہیں لیکن جن اسباب پر سب کا اتفاق ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) اسلام: یعنی راوی حدیث کا مسلمان ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: (یا ایها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کی روایت قابل قبول نہیں تو کافر کی روایت بدرجہ اولیٰ مقبول نہیں ہوگی، چونکہ انسان فطری طور سے جس کو ناپسند کرتا ہے اس کی ہر چیز کو ایک مخصوص انداز سے دیکھتا ہے لہٰذا اس میں خرد برد کرنے کا بہت

قوی امکان ہوتا ہے۔ (الجرح والتعدیل ابولبابہ ص۷۹) یہ شرط روایت کشی اور ادا کے لیے ضروری ہے تحمل کے لیے نہیں۔ (توضیح الافکار ۴/۱۱۵)

(۲) **بلوغت** : عدالت کے لیے بلوغت کی شرط پر امت کا اجماع ہے کیونکہ نابالغ بچہ غیر مکلّف ہوتا ہے کیوں کہ اس کی نافہمی کا قوی امکان ہے اس کے اندر باتوں کو غلط طریقے سے سمجھنے اور بیان کرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے اس کو مرفوع القلم قرار دیا ہے۔ لہٰذا بچے کی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ وہ بوقت تحمل خیر و شر میں تمیز کرنے والا نہ ہو۔ اس صفت سے متصف بچے کی روایت بلوغت کے بعد بیان کرنے پر مقبول ہوگی۔ (الجرح والتعدیل ص۷۹)

(۳) **عقل** : چونکہ خیر و شر کی معرفت کا دار و مدار عقل پر ہے لہٰذا بے عقل آدمی کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اسی لیے شریعت نے اس کو بھی غیر مکلّف قرار دیا ہے۔ اور اسی بنیاد پر روایت کے تحمل اور ادا دونوں کے لیے راوی کا عاقل ہونا ضروری ہے۔ (توضیح الافکار ۲/۱۵)

(۴) **اسباب فسق سے محفوظ رہنا** : فاسق اس آدمی کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا صغیرہ پر اصرار کرے لہٰذا راوی کا ان سارے اسباب سے دور رہنا ضروری ہے جو اس سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کراتی ہیں۔ (فتح المغیث ۱/۲۷۰)

(۵) **مروت کو ختم کرنے والی چیزوں سے بچنا** : مروت کا تعلق عرف عام سے ہوتا ہے۔ یعنی عرف عام میں جن چیزوں کو مذموم سمجھا جاتا ہے آدمی اس سے محفوظ رہے، لہٰذا راوی حدیث کو ان چیزوں سے بچا رہنا ضروری ہے جن سے اس کی مروت پر خلل پڑتا ہے۔

جب یہ پانچ چیزیں پائی جائیں گی تب راوی کو عادل کہا جائے گا۔

اس عدالت کے ثبوت کا طریقہ یہ ہے کہ راوی لوگوں کے درمیان تقوی و پرہیزگاری میں مشہور ہو یا ائمہ میں سے کسی نے اس کی توثیق و تعدیل کی ہو۔ (اختصار علوم الحدیث لابن کثیر ص ۹۴)

ضبط : ضبط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی جس چیز کی روایت کر رہا ہے اس کو اچھی طرح سے محفوظ رکھے اس کی دو قسمیں ہیں ضبط صدر اور ضبط کتاب۔

ضبط صدر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی اپنی روایات کو جس وقت چاہے بیان کرنے پر قادر ہو۔

ضبط کتاب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی اپنی کتاب کو خرد برد سے محفوظ رکھے۔ (الباعث ص ۹۴، نزہہ ص ۳۲)

ضبط معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ راوی کی روایتوں کا دوسروں کی روایتوں سے مقابلہ کیا جائے اگر وہ ان کی موافقت کرتا ہے تو ضابط اور اگر بکثرت مخالفت کرتا ہے تو غیر ضابط ہے۔

جب عدالت اور ضبط اپنے اس معنی میں پائے جائیں تو اس راوی کو ثقہ کہیں گے اور اس کی روایت حسب نظام قابل قبول ہوگی۔

راوی کی عدالت اور ضبط میں جب خلل آتا ہے تو اس کی ثقاہت مجروح ہو جاتی ہے بنابریں حسب مراتب ضعف کا حکم

لگایا جاتا ہے۔ جن اسباب کی بنیاد پر راوی کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے ان میں سے پانچ کا تعلق عدالت سے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے جن کی تفصیل حسب مراتب یہ ہے:

(۱) کذاب: اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی جان بوجھ کر رسول پاک کی جانب غلط باتوں کو منسوب کرے چاہے اس نے ان کو خود وضع کیا ہو یا دوسرے کی وضع کردہ ہوں ایسے لوگوں کی بیان کردہ روایتوں کو اصطلاح میں موضوع کہا جاتا ہے۔ جو راوی اس صفت سے متصف ہوتا ہے اس کی روایت کبھی بھی قبول نہیں کی جاتی ہے۔ (فتح المغیث ۱/ ۳۱۴)

(۲) متہم بالکذب: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی دنیاوی امور و معاملات میں جھوٹ بولتا ہو اگرچہ حدیث رسول میں اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو ایسے راوی کی روایت کو متروک کہا جاتا ہے۔ (شرح قصب السکر ص ۷۲) ایسے لوگوں کی روایت توبہ کے بعد مقبول ہوتی ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۰۴)

(۳) فحش غلط: اس کا مطلب یہ ہے راوی روایت بیان کرنے میں بکثرت غلطی کرتا ہو، بہت کم درست بیان کرتا ہو ایسے راوی کی روایت کو منکر کہا جاتا ہے (المجروحین ۱/ ۷۶)

(۴) کثرت غفلت: بہت زیادہ مغفل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنی روایتوں کو محفوظ نہیں رکھتا حتی کہ اپنے اور دوسرے کی روایت میں تمیز نہیں کر پاتا اور ہر ٹوکنے والے کی بات کو صحیح تسلیم کر لیتا ہے۔ (ایسے شخص کی روایت کو بھی منکر کہا جاتا ہے) (نزہۃ ۷۳)

اسی زمرہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو غیر معتمد کاتب یا پڑوسی یا اولاد کے پالے پڑ گئے جنہوں نے ان کی روایتوں میں خرد برد کیا اور وہ سمجھ نہ سکے۔

(۵) فسق: راوی کے فاسق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایسے گناہ سرزد ہوں جو قابل مواخذہ و ملامت ہوں لیکن حد کفر تک نہ پہونچیں تو ایسے لوگوں کی روایتیں توبہ کے بعد قابل قبول ہوتی ہیں (جن محدثین کے یہاں منکر کے لیے مخالفت شرط نہیں وہ اس کو بھی منکر کہتے ہیں) (نزہۃ ۷۳)

فحش غلط، کثرت غفلت اور فاسق راوی کی روایت کو منکر کہا جاتا ہے۔

(۶) وہم: یعنی راوی اپنی روایت کو قطعی طور سے نہ بیان کرے بلکہ بطور وہم مثلاً مرفوع کو موقوف اور مرسل کو متصل بیان کرے یا ایک حدیث کو دوسرے میں شامل کر دے ایسے راوی کی روایت کو معلل کہا جاتا ہے۔

(۷) مخالفت ثقہ: مخالفت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ یعنی راوی ثقہ یا اوثق (فرد واحد یا جماعت) کی مخالفت کرے ایسے راوی کی روایت کو باعتبار مخالفت شاذ، مقلوب، منکر، مدرج، مضطرب، مصحف، محرف نیز مزید من متصل الاسناد کہا جاتا ہے۔ (نزہۃ۔ ۷۰-۸۳)

(۸) جہالت: یعنی راوی کا غیر معروف (مجہول) ہونا یہ کبھی تو ابہام کی بنا پر ہوتا ہے یعنی سند میں عن رجل کہہ کر بیان کیا جاتا ہے یا اس سے روایت کرنے والوں کی قلت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اگر راوی سے ایک ہی شخص نے بغیر توثیق کے روایت کیا ہے تو اس کو مجہول عین کہا جاتا ہے اور اگر دو یا دو سے زیادہ

راویوں نے بغیر توثیق کے روایت کیا ہو تو اس کو مجہول حال مستور کہا جاتا ہے۔

کبھی راوی کثرت صفات کی وجہ سے سمجھا نہیں جاتا اس لیے حکمی مجہول ہو جاتا ہے مجہول عین اور مبہم راوی کی روایت مردود ہوتی ہے اور مجہول حال کی روایت جمہور کے یہاں قابل توقف ہوتی ہے۔ جہالت عین دو راویوں کی روایت اور جہالت حال توثیق سے ختم ہو جاتی ہے۔

(۹) بدعت : اس اعتقاد و عمل کو کہتے ہیں جو رسول پاک ﷺ کے طریقے کے برعکس بطور دین رائج کر دیا گیا ہو۔ (نزہہ ص ۲۹) ان میں بعض بدعتیں مکفرہ اور بعض مفسقہ ہوتی ہیں۔

بدعت مکفرہ کے مرتکب راوی کی روایت مردود ہوتی ہے اور بدعت مفسقہ کے مرتکب کی روایت اگر بدعت کی طرف داعی نہ ہو اور نہ ہی ایسی روایت بیان کرتا ہو جس سے بدعت کو تقویت ملتی ہو تو مقبول ہوتی ہے۔

(۱۰) سوء حفظ: راوی کا حافظہ اس قدر کمزور ہو جائے جس سے غلطیاں بکثرت ہونے لگیں تو اس کو سوء حفظ کہا جاتا ہے۔

سوء حفظ دائمی بھی ہوتا ہے اور عارضی بھی ہوتا ہے۔ (مثلاً بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے حافظہ کمزور ہو جائے) سوء حفظ دائمی کی روایت کو شاذ اور عارضی کی روایت کو مختلط کہتے ہیں سوء حفظ دائمی کی روایت مردود اور عارضی کی روایت قبل از اختلاط مقبول اور بعد از اختلاط مردود ہوتی ہے۔

کچھ اسباب اور ہیں جن کی بنیاد پر راوی کی روایت مردود ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) راوی کا تدلیس کرنا۔ (۲) ارسال جلی یا خفی کرنا۔ (۳) ضعفاء سے بکثرت روایت کرنا کچھ لوگوں نے صحیفہ سے روایت کرنے کو بھی اسباب جرح میں سے شمار کیا ہے۔

کچھ ضروری اصول

(۱) جرح کے جتنے بھی اصول و قوانین ہیں یہ غیر صحابہ کے لیے ہیں اس لیے کہ سارے صحابہ کرام کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں عادل و ثقہ ہیں۔

(۲) ہر وہ جرح جو نفرت و عداوت کی بنیاد پر ہو یا وہ عدالت جو فرط محبت پر مبنی ہو، مقبول نہیں۔

(۳) جس شخص کی ثقاہت و عدالت پر علماء کا اتفاق ہے اس کے خلاف جرح قابل قبول نہیں الا یہ کہ جارح کے پاس کوئی واضح دلیل ہو۔

(۴) ہر وہ جرح و تعدیل جو بطور مذاق صادر ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(۵) بعض راویوں کی کچھ مخصوص حالتیں ہوتی ہیں ان کے جرح و تعدیل کو اسی تناظر میں پرکھا جائے گا مثلاً ایک راوی کسی شہر یا شیخ یا کیفیت میں ثقہ ہوتا ہے لیکن اس کے بدلنے سے ضعیف ہو جاتا ہے۔

(۶) جرح ایک شرعی ضرورت ہے لہٰذا اس کو بقدر ضرورت ہی استعمال کرنا چاہیئے۔

(۷) رجال صحیحین ثقہ اور عادل ہوتے ہیں۔

(۸) تعدیل صحیح مثلاً حدثنی ثقۃ سے راوی کو مطلق ثقہ سمجھنا درست نہیں۔

(۹) جرح و تعدیل میں متقدمین کا فیصلہ زیادہ معتبر ہوتا ہے۔

تعارض جرح وتعدیل

کبھی ایک ہی راوی کے سلسلہ میں متضاد اقوال ہو جاتے ہیں یا تو مختلف ائمہ کے اقوال ہوتے ہیں یا ایک ہی امام کے ایک راوی کے بارے میں مختلف اقوال ہوتے ہیں۔ پہلی صورت میں کیا طریقہ کار ہو سکتا ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ جرح مبہم ہے یا مفسر۔ اگر جرح مبہم ہے تو تعدیل بہر صورت (تعدیل مبہم ہو یا مفسر) راجح ہے۔

اور اگر جرح مفسر ہے تو (تعدیل مبہم ہو یا مفسر) جرح راجح ہو گی، کیونکہ جارح باطن کی خبر دے رہا ہے اور معدل ظاہر کی خبر دے رہا ہے اگر جارح کی خبر رد کر دی جاتی ہے تو اس کے پاس جو زائد علم موجود ہے۔ جو معدل کے پاس نہیں ہے۔ وہ ضائع ہو جاتی ہے جو بلا جواز ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص-۴۰، الکفایہ ص ۱۰۶)

اگر کسی ایک امام کے دو متضاد اقوال ہیں تو ایسی صورت میں یا تو تبدیلی رائے پر محمول کیا جائے گا اور قول متاخر قابل قبول ہو گا۔

یا پھر نسبتی حکم ہو گا انہیں دوسرے کے بالمقابل تصور کیا جائے گا۔ عام حکم ہو گا یا کسی خاص مقام یا شیخ پر محمول کیا جائے گا ورنہ جو قول دیگر ائمہ کے اقرب ہو گا اس کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ (ضوابط ص۴۶۔۴۷)

کلمات جرح وتعدیل

راویوں کی تجریح و تعدیل اور ان کے مراتب کی معرفت کے لیے کچھ مخصوص کلمات متعین کیے گئے ہیں جن سے ان کے درجات کا پتہ چلتا ہے اور اسی حساب سے ان کی روایتوں پر حکم لگایا جاتا ہے ان میں سے چھ مراتب تعدیل کے لیے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) وہ کلمات جو ثقاہت پر بطور مبالغہ یا صیغہ تفضیل کے ذریعہ دلالت کریں یا ان کے مشابہ ہوں۔
مثلاً أوثق الناس، اليه المنتهى فى الثبت. لانظيرله وغیرہ۔

(۲) وہ کلمات جو صفت توثیق پر بطور تاکید و تکرار دلالت کرتے ہوں لفظاً جیسے ثقة ثقة، ثبت ثبت، یا معناً جیسے ثقة ثبت، وغیرہ۔

(۳) وہ کلمات جو توثیق پر دلالت کرتے ہوں لیکن تاکید سے عاری ہوں جیسے ثقة، ثبت، حافظ وغیرہ

(۴) وہ کلمات جو تعدیل پر وضاحت سے دلالت کرتے ہوں لیکن ان سے ضبط کا پتہ نہ چلتا ہو مثلاً صدوق، مامون، خیار، لاباس، محلة الصدق وغیرہ۔

(۵) وہ کلمات جو تعدیل یا تجریح پر وضاحت سے دلالت نہیں کرتے ہیں مثلاً شیخ، وسط، جید الحدیث، صدوق، سئ الحفظ، صدوق مبہم، صدوق، وغیرہ۔

(۶) وہ کلمات جو تعدیل کے مقابلہ میں جرح سے قریب ہوں جیسے صویلح، یکتب حدیثہ، صدوق ان شاءاللہ، مقبول وغیرہ۔

ان میں سے پہلے تین مراتب کی روایتیں قابل قبول و حجت ہوتی ہیں اگرچہ قوت میں فرق ہوتا ہے۔

چوتھے اور پانچویں مرتبہ والوں کی روایتیں قابل احتجاج نہیں ہوتی ہیں البتہ قابل اعتبار ہوتی ہیں۔ (قدرے تفاوت کے ساتھ)

چھٹے مرتبے والوں کی روایتیں بغیر تابع اور شاہد کے مقبول نہیں ہوتیں اگر تابع نہ ہو تو ضعیف ہوتی ہیں۔

نیز چھ مراتب جرح کے لیے ہیں وہ یہ ہیں

(۱) وہ کلمات ہیں جو راوی کے ضعف کی جانب اشارہ کرتے ہیں جیسے ،لین الحدیث، فیه مقال، سئی الحفظ، مجهول وغیرہ. یہ جرح کا سب سے ہلکا درجہ ہے۔

(۲) وہ کلمات جو راوی کے ضعف اور عدم احتجاج پر تصریحی دلالت کرتے ہوں۔ جیسے لا یحتج به، ضعیف، مضطرب، له مناکیر وغیرہ۔

(۳) وہ کلمات جو راوی کے کثرت ضعف اور اس کی روایتوں کے لکھنے اور پڑھنے سے ممانعت پر دلالت کرتے ہوں جیسے لایکتب حدیثه، لا تحل الروایة عنه، واه بمرة، لیس بشئی، ضعیف جدا وغیرہ۔

(۴) وہ کلمات جو راوی پر جھوٹ کا الزام لگنے پر دلالت کرتے ہوں جیسے متهم بالکذب، یسرق الحدیث، متروك، وغیرہ

(۵) وہ کلمات جو راوی کے صراحتاً کاذب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے کذاب، دجال، وضاع وغیرہ

(۶) وہ کلمات جو راوی کے کذب بیانی پر مبالغہ سے دلالت کرتے ہیں یہ جرح کا بدترین درجہ ہے۔ جیسے اکذب الناس، رکن الکذب، الیه المنتهٰی فی الکذب. وغیرہ

ان میں پہلے اور دوسرے درجہ کی روایتیں ضعیف ہوتی ہیں لیکن قابل استیناس واعتبار ہوتی ہیں۔ بقیہ چاروں مراتب والے راویوں کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ بعض صورتوں میں اس کی حیثیت بتائے بغیر ان کی روایت کا بیان کرنا حرام اور ناجائز ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری
جامعہ سلفیہ بنارس

انکار سنت اور علم وفہم کے تقاضے

● ہندوستان میں علم حدیث کے متعدد گوشوں پر اچھا کام ہوا ہے، البتہ بعض گوشے ابھی تشنہ ہیں، عالم اسلام اور عالم عرب کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس تشنگی کا احساس زیادہ ہوتا ہے، میری ناقص رائے میں عرب دنیا کو علم حدیث کے دو تین گوشوں پر برصغیر کے بالمقابل زیادہ برتری حاصل ہے۔ اول حدیث کے مخطوطات کی اشاعت، دوم محدثین کی خدمات اور کارناموں کا تعارف، سوم کسی ایک موضوع کی احادیث کا تفصیلی و تحقیقی مطالعہ۔ میں نے ان تینوں موضوعات کا ذکر ترجیح یا حصر کے لیے نہیں کیا ہے، اس لیے کسی نقض وایراد کی گنجائش نہیں سمجھتا۔

● کسی بھی علمی کام پر اس کے محرک کے لحاظ سے مناسب یا نامناسب کا حکم لگ سکتا ہے، ہر چند کہ علمی بحث و تحقیق کا تقاضہ غیر جانبداری و حقیقت پسندی ہے، لیکن بہت سی مثالیں ایسی موجود ہیں جہاں ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ علم و تحقیق کا مقصد پاکیزگی سے ہٹ کر کسی اور جانب مڑ گیا ہے، معروضی انداز میں جس امر کا مطالعہ کرنا تھا اس کو کسی خاص غرض سے وابستہ کر دیا گیا ہے اور اب تحقیق کا عمل اس کی چاکری پر مجبور ہے، برصغیر میں علم حدیث پر جو کام ہوا اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، لیکن جس پہلو کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اسے بھی یقیناً ہر شخص محسوس کرتا ہوگا، کام کرنے والوں کی نیتیں درست تھیں، یہ تسلیم ہے، لیکن ماحول سے متاثر ہوئے بغیر تحقیق کے تقاضوں کو پورا کرنا شاید ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا، اسی لیے یہاں کے کام پر ایک خاص قسم کی چھاپ ہے، جس سے اسے پہچانا جاتا ہے۔ علم وثقافت کے مؤرخین اس کام کی قدر شناسی میں کوتاہی نہیں کرتے، لیکن یہ تمنا ضرور کرتے ہیں کہ اس میں معروضیت کا انداز ہوتا تو اس کی قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ برصغیر کے باہر بھی علم حدیث پر جو کام ہوا ہے اس میں سے بعض پر مذکورہ نوعیت کی چھاپ ہے، اس علم کے تقدس کا لحاظ کر کے اگر اسے پاک رکھا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

● سر سید اور ان کی قائم کی ہوئی مسلم یونیورسٹی کو مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے خاص طور پر جانا جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہاں ایک مخصوص طرز کا فکری ماحول بھی وجود پذیر ہوا جس نے مسلمانوں کے دین وثقافت کو نمایاں طور پر متاثر کیا۔

مسلم یونیورسٹی جیسی عظیم دانش گاہ اور مرکز علم و تحقیق میں علم حدیث جیسے اہم اور ضروری موضوع پر سیمنار کا انعقاد امت مسلمہ کے لیے ایک اہم اور بامعنی پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ حدیث نبوی قرآن کریم کے ساتھ شریعت کے احکام کا ماخذ

ہے، اس علم کو اس کے ماہرین کی نظر سے دیکھنے اور ان کے ذہن سے سمجھنے کی ضرورت ہے، کلام نبوت کو عام بشری کلاموں کے درجہ میں رکھنا اور الٹے سیدھے معیار پر پرکھنا زیادتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی "حکمت" اور اسلامی تشریع کا اہم حصہ ہے، قرآن کریم کے معجزہ ہونے پر امت کا اتفاق ہے اور علمائے بلاغت نے حدیث کو حد اعجاز سے قریب کا درجہ دیا ہے، بشری کلاموں کا درجہ اس کے بعد ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سیمینار حدیث نبوی کی مختلف اہم دینی، ادبی اور بلاغی حیثیتوں پر روشنی ڈالنے اور لوگوں کو اس علم سے مزید قریب کرنے کے لیے اہم حیثیت کا حامل ہوگا، یقین ہے کہ سیمینار کے منتظمین اس سلسلہ کو برابر جاری رکھیں گے۔

سیمنار کے لیے مجھے جو عنوان ملا تھا اس کا تعلق انکار حدیث کی تاریخ اور اسباب و نتائج سے تھا، لیکن اپنی پریشاں خاطری کے سبب میں اس عنوان پر مقالہ تیار نہ کر سکا، البتہ اسی دائرے میں کچھ اقتباسات و تاثرات پیش کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ یہ غیر مربوط کلام میرے مدعا کو کسی نہ کسی حد تک واضح کر دے گا۔

● علم حدیث کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ائمہ اسلام اور ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی وسعت اور صوابدید کے مطابق اس علم کی خدمت کی، یہ امت پر ان کا احسان ہے، اسی طرح ان کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم ان کی خدمت سے فائدہ اٹھائیں اور جس مقصد کے لیے انہوں نے زندگی بسر کی اسی کو ہم بھی اپنے سامنے رکھیں، ائمہ اربعہ کی خدمات حدیث پر علماء نے مفصل روشنی ڈالی ہے، ہم ان کے مابین کسی طرح کا تقابل نہیں کرنا چاہتے، لیکن یہ عرض ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ انکار حدیث کی تردید کے موضوع پر امام شافعیؒ کی تحریروں میں مواد زیادہ ہے اور موصوف نے بہت سے ایسے نقاط پر اسی وقت روشنی ڈال دی تھی جنہیں آج کے دور میں بھی لوگوں نے اٹھایا ہے۔ حدیث کی صحت اور ثبوت کے بعد امام موصوف نے اس کا جو پرزور دفاع کیا ہے اور جس طرح اعتراض و تشکیک کے رجحانات پر قدغن لگائی ہے اس سے ان کی علمی جلالت شان اور اخلاص وبصیرت کا پتہ چلتا ہے، "الام" اور "الرسالہ" میں سنت سے متعلق مباحث کا مطالعہ کرنے سے ان تمام شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو حدیث کے استناد اور اس پر عمل کی ضرورت سے متعلق پیدا ہوتے ہیں، امت نے امام موصوف کو "ناصر السنۃ" کا جو لقب عطا کیا وہ برحق ہے، امام موصوف نے اللہ کی توفیق سے سنت سے متعلق اپنے عہد کے تمام شبہات کی بیخ کنی فرمائی اور ساتھ ہی ان بہتیرے اعتراضات کی تردید کے لیے بھی بنیاد فراہم کر دی جو سنت کے تعلق سے بعد کے ادوار میں پیدا ہو سکتے ہیں، اسی لیے بالغ نظر مصری عالم شیخ احمد محمد شاکرؒ نے "الرسالہ" پر اپنے حواشی کے ضمن میں متعدد مقامات پر امام موصوف کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے اور حدیث کے دفاع میں ان کی کوششوں کو بہت زیادہ سراہا ہے، امام موصوف کو کسی ستائش واعتراف کی ضرورت نہیں، البتہ اس سے مستفید ہونے والوں کو موقع ملتا ہے اور وہ اطمینان قلب کے ساتھ ان کی تحقیقات سے مستفید ہوتے ہیں۔ انکار حدیث کا فتنہ مختلف ادوار میں مختلف لوگوں کے ذریعہ ظہور پذیر ہوا، کبھی اسے مغرب سے سہارا ملا، کبھی مشرق سے اور کبھی مسلمانوں نے اس کی تائید کی اور کبھی غیر مسلموں نے۔ ان متنوع کوششوں کے مقابلہ کے لیے ضروری تھا کہ ہر طرف سے حدیث کی تائید اور حمایت میں آواز بلند کی جائے اور اللہ تعالیٰ نے اس عظیم علم کو جو اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے اس کو نمایاں کیا جائے۔ مبارک ہیں وہ ائمہ، علماء، طلبہ اور قدرداں جن کی چھوٹی یا بڑی کسی بھی کوشش سے علم حدیث کو تقویت حاصل ہوئی

ہے اور اس سے استفادہ کی راہ میں پیدا کی جانے والی رکاوٹیں دور ہوئی ہیں: نضر الله امرأ سمع مقالتي الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے جو میری حدیث سن کر اسے یاد رکھے، پھر اس کو اسی طرح دوسروں تک پہنچائے الخ۔

ان سطور کے بعد میں امام شافعی رحمہ اللہ کے الرسالہ سے بعض اقتباسات پیش کر رہا ہوں تاکہ اسلام میں علم حدیث کی اہمیت پر روشنی پڑ سکے اور حدیث کے تعلق سے امام موصوف کا نقطۂ نظر واضح ہو سکے۔

دو قسم کے انسان

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ آتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسانی آبادی اس ہدایت سے بہرہ اندوز ہو، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور رسول کی بتائی ہوئی شریعت پر عمل کرے اور اس طرح دین و دنیا کی فلاح و سربلندی سے سرفراز ہو۔ اس مقصد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کی پاکیزگی اور اہمیت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، پھر بھی ہدایت کو قبول کرنے کے سلسلے میں انسان کا رویہ معاندانہ ہے، وہ حق کو قبول کر کے دین و دنیا کی عزت و کامیابی کے بجائے انکار و تحریف کی راہ اختیار کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے ہدایت کی جو عظیم نعمت اسے حاصل ہوئی ہے اس کی ناشکری کرتا ہے اور اس طرح روئے زمین پر اور اپنے معاشرے میں فتنہ و فساد کے لیے راہ ہموار کرتا ہے، اس مضمون کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

علمائے اسلام ہدایت ربانی کو ماننے یا ٹھکرانے سے متعلق جب انسانی رویہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس پہلو کو واضح کرتے ہیں، قرآنی بیان کی بنیاد پر ان کے سامنے انسانی معاشرے کی پوری تاریخ ہوتی ہے، جس میں انسانی رویہ کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ امام شافعیؒ کی مہتم بالشان کتاب "الرسالۃ" کا موضوع بھی قرآن و حدیث اور ان سے احکام رشد و ہدایت کا استنباط ہے، اس لیے امام نے انسانوں کی تقسیم پر توجہ فرمائی ہے، الرسالہ کے آغاز ہی میں لکھتے ہیں: بعثت نبوی کے وقت دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) جن کی خصوصیت یہ تھی کہ کتاب الٰہی کے احکام کو بدل ڈالا تھا، اللہ کے ساتھ کفر کیا تھا اور اپنی زبان سے بنائے ہوئے جھوٹ کو اختیار کر لیا تھا، پھر اس جھوٹ کو اس حق کے ساتھ ملا دیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اتارا تھا۔ (الرسالہ ص ۸)

اس کے بعد امام شافعیؒ نے ان کے کفر کو بتانے والی آیات میں سے سورہ آل عمران کی آیت (۷۸) سورہ بقرہ کی آیت (۷۹)، (سورہ توبہ کی آیت ۳۰ و ۳۱) اور سورہ نساء کی آیت (۵۱ و ۵۲) کو ذکر کیا ہے۔

دوسرے اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نئی چیزیں ایجاد کیں، اپنے ہاتھ سے پتھر اور لکڑیاں اور تصویریں نصب کیں، ان کو خود ساختہ نام دیے اور معبود مان کر ان کی عبادت کرنے لگے، اگر مذکورہ چیزوں کے علاوہ کوئی دوسری چیز اچھی معلوم ہوتی تو پھر اسی کی عبادت کرنے لگتے اور پہلے معبودوں کو چھوڑ دیتے۔ یہ عرب لوگ تھے اور عجم میں سے ایک جماعت مچھلی، جانور، ستارے اور آگ کی پرستش میں ان کی پیرو تھی۔

آگے لکھتے ہیں: یہ لوگ محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے کفر کی راہ پر تھے، مشترکہ طور پر دو بڑی چیزیں ان کے اندر موجود تھیں، ایک اللہ کا کفر و انکار اور دوم ایسی چیز کی ایجاد جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا ہے۔ (الرسالہ ص ۱۰۔ ۱۲)

امام شافعی کی یہ تقسیم حقیقت شناسی و دقت رسی کا واضح ثبوت ہے، انسانوں کا جو طبقہ کتاب الٰہی کا امین ہے، اسی کا یہ حال ہے کہ وہ جھوٹ کا سہارا لیتا ہے اور حق کی عظیم نعمت کو پامال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتا ہے، جس کا نہ اسے علم ہے نہ کوئی بنیاد۔ دوسرے طبقہ کے پاس اللہ کی کتاب نہیں، اس لیے کفر و شرک میں اس کا غلو باعث تعجب نہیں۔ لیکن کفر و شرک اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے گریز دونوں کا مشترکہ مرض ہے۔

انبیاء اور ان کی قوموں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ مرض ہر دور میں نظر آتا ہے، اہل کتاب نے جھوٹ کو اختیار کیا اور باطل کو حق کے ساتھ ملایا اور کافروں نے اللہ کے حکم کے بغیر غیر اللہ کی عبادت جیسے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا۔ دونوں طبقے اس دائرہ میں نہ رہ سکے جسے اللہ تعالیٰ نے متعین فرمایا تھا۔ اس پس منظر میں امت اسلامیہ کے حالات کا جائزہ لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ قدیم اقوام کے امراض اس امت کو بھی اپنی گرفت میں لے چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام رسالت کے ہر فرد نے شرک جیسے عظیم گناہ سے روکا تھا، لیکن امت اسلامیہ آج اس کی مرتکب ہے اور باطل کو حق کے ساتھ ملانے اور کذب و افترا پردازی کے ذریعہ اسے رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے، شرک و کفر کے گھناؤنے جرم اور گمراہی و ہوا پرستی کی روش کے خلاف قرآن و حدیث سے ثبوت فراہم ہوتا ہے اور ان اعمال قبیحہ کی تردید ہوتی ہے تو کبھی قرآن کی اور کبھی حدیث کی تعلیم کو مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم اہل علم اور اہل دانش ہیں اور اصول پسندی و موضوعیت ہمارا امتیاز ہے!

سنت رسول کے اتباع کی اہمیت و فرضیت

امام شافعی نے الرسالۃ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اپنے واضح عربی اسلوب اور قوی استدلال سے اس پہلو کو خوب خوب منقح کیا ہے۔ عنوان یوں قائم کیا ہے: "بیان فرض اللہ فی کتابہ اتباع سنۃ نبیہ" یعنی اللہ کا اپنی کتاب میں اپنے نبی کی سنت کو فرض قرار دینے کا بیان۔"

مذکورہ سرخی کے ضمن میں امام شافعی نے وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں رسول کی اطاعت فرض کی ہے، آپ کی نافرمانی کو حرام ٹھہرایا ہے اور اپنے اوپر ایمان کے حکم کے ساتھ رسول پر ایمان کا حکم دے کر آپ کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے۔ (الرسالۃ ص ۷۳)

امام شافعی نے اس مقام پر سورہ نساء کی آیت (۱۷۱) پیش کی ہے، لیکن شیخ احمد شاکر نے استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں چونکہ تمام رسولوں پر ایمان کا حکم ہے، اس لیے اس سے استدلال برمحل نہیں، البتہ اس موضوع پر قرآن کریم کی درج ذیل آیتیں دلالت کرتی ہیں:

سورہ نساء آیت ۱۳۶، سورہ اعراف، آیت ۱۵۸، سورہ تغابن، آیت ۸۔

اس کے بعد امام شافعی نے سورہ نور کی آیت ۶۲ پیش کر کے لکھا ہے: اس آیت میں اللہ اور رسول دونوں پر ایمان کو ابتدائے ایمان کا کمال قرار دیا ہے، پس اگر کوئی بندہ اللہ پر ایمان لائے لیکن رسول پر ایمان نہ لائے تو اس پر "کمال ایمان" کا نام ہرگز صادق نہ آئے گا، یعنی وہ کامل مومن رسول پر ایمان لانے کے بعد ہی ہوگا۔

اسی طرح رسول ﷺ نے ایمان کا امتحان لیتے ہوئے اللہ پر ایمان کے ساتھ ہی رسول پر ایمان کی بابت بھی سوال فرمایا ہے، اس کی مثال میں امام شافعی نے معاویہ بن الحکم کی روایت ذکر کی ہے (الموطا ۵/۳) جس میں بیان ہے کہ آزاد کی جانے والی لونڈی سے آپ نے اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال فرمانے کے بعد پوچھا: من انا یعنی میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: "انت رسول اللہ" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو۔ (ایضاً ص ۷۵)

امام شافعی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور اپنے رسول کی سنتوں کی پیروی کو لوگوں پر فرض قرار دیا ہے اور اس پر قرآن کریم کی درج ذیل آیتوں سے استدلال کیا ہے: سورہ بقرہ (۱۲۹) سورہ بقرہ (۱۵۱) سورہ آل عمران (۱۶۴) سورہ جمعہ (۲) سورہ بقرہ (۲۳۱) سورہ نساء (۱۱۳) سورہ احزاب (۳۴)۔

مذکورہ بالا آیتوں میں حکمت کا جو لفظ وارد ہے اس کے مفہوم و مراد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن کا علم رکھنے والے معتبر شخص کا قول ہے کہ حکمت سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد ہے۔

مزید لکھتے ہیں: قرآن کے بعد حکمت کا ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنا یہ احسان ذکر کیا ہے کہ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی ہے، اس لیے اس مقام پر حکمت کی تفسیر "سنت رسول اللہ" سے کرنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکمت کو کتاب اللہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور لوگوں کے لیے اپنے حکم کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے، لہٰذا جائز نہیں کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کے علاوہ کسی قول کو فرض کہا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول پر ایمان کو اپنے اوپر ایمان کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ (الرسالہ ص ۷۸)

اس کے بعد امام شافعی نے درج ذیل عنوان سے باب قائم کیا ہے۔ "ما أمر الله من طاعة رسول الله" یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ کی اطاعت کے لیے حکم۔

اس باب کے تحت پہلے موصوف نے سورہ فتح کی آیت (۱۰) ذکر کی ہے، پھر سورہ نساء کی آیت (۸۰) ذکر کر کے لکھا ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ رسول کی بیعت اللہ کی بیعت ہے اور دوسری آیت میں یہ خبر دی کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

اسی باب میں آگے تحریر فرماتے ہیں کہ سورہ نور کی آیات (۴۸۔۵۲) میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتایا کہ فیصلہ کے لیے ان کو اللہ کے رسول کی طرف بلانا اصل میں اللہ کے حکم کی طرف بلانا ہے کیونکہ ان کے مابین حاکم رسول اللہ ہیں اور جب وہ رسول اللہ کے حکم کو تسلیم کریں گے تو اللہ کے فرض کی وجہ سے کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خبر دی ہے کہ رسول کا حکم اللہ کا حکم ہے اور یہ کہ بندوں پر اللہ کے حکم اور رسول کے حکم کی پیروی فرض ہے۔ (ایضاص ۸۲ و مابعد)

حکم رسول ﷺ کی پیروی

امام شافعی نے قرآن کریم سے استدلال کر کے نبی ﷺ کی اتباع کو اور آپ کی سنتوں کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ سنت رسول ﷺ کی پیروی کتاب اللہ ہی کی پیروی ہے اور مخلوق میں یہ مرتبہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کو

حاصل نہیں، لکھتے ہیں: **فیما وصفت من فرض الله علی الناس اتباع أمر رسول الله : دلیل علی ان سنة رسول الله انما قبلت عن الله، فمن اتبعها فبکتاب الله تبعها، ولا نجد خبرا ألزمه الله خلقه نصابینا: الا کتابه ثم سنة نبیه، فاذا کانت السنة کما وصفت ، لا شبه لها من قول خلق من خلق الله: لم یجز ان ینسخها الا مثلها، ولا مثل لها غیر سنة رسول الله، لان الله لم یجعل لآدمی بعده ما جعل له، بل فرض علی خلقه اتباعه، فألزمهم أمره، فالخلق کلهم له تبع، ولا یکون للتابع أن یخالف ما فرض علیه اتباعه، ومن وجب علیه اتباع سنة رسول الله لم یکن له خلافها، ولم یقم مقام أن ینسخ شیئا منها.**" (الرسالۃ ص۱۰۸، ۱۰۹)

(یعنی میں نے لوگوں پر اللہ کی طرف سے رسول کے حکم کی پیروی کی جو بات ذکر کی اس میں دلیل ہے کہ اللہ کے رسول کی سنت اللہ کی طرف سے قبول کی گئی ہے اور جس نے اس کی پیروی کی اللہ کی کتاب سے پیروی کی اور ہمارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں جس کو صراحت کے ساتھ اللہ نے مخلوق کے لیے لازم کیا ہو سوائے کتاب اور سنت کے اور جب سنت کا یہ مقام ہے تو کسی مخلوق کا قول اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا، اور نہ اس کو اس جیسی سنت کے بغیر منسوخ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد کسی مخلوق کو آپ کا درجہ نہیں دیا بلکہ مخلوق پر آپ کی اتباع فرض کی اور آپ کا حکم ان کے لیے لازم بنایا، اب پوری مخلوق آپ کے تابع ہے اور تابع کے لیے جائز نہیں کہ جس کی اتباع فرض ہے اس کی مخالفت کرے اور جس شخص پر رسول ﷺ کی سنت کی پیروی فرض ہے اسے نہ اس کی مخالفت کا حق ہے نہ اس میں سے کسی چیز کو منسوخ کرنے کا۔)

امام شافعی نے اجماع کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے سائل کی زبانی سابقہ مباحث کا اجمال پیش کیا ہے، اس سے بھی حدیث کی اہمیت اور اطاعت رسول کی فرضیت کا علم ہوتا ہے لکھتے ہیں:

"سائل نے کہا کہ احکام اللہ اور احکام الرسول کے بارے میں آپ کی رائے معلوم ہوگئی اور یہ بھی علم ہوا کہ رسول اللہ کی بات قبول کرنے والا اللہ ہی کی بات قبول کرتا ہے، کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور آپ کی بات پر دلیل بھی قائم ہو چکی ہے بایں طور کہ کتاب و سنت کو جاننے والے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے خلاف منہ کھولے اور مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ مذکورہ بات اللہ کا فریضہ ہے۔ (ایضاً ص ۴۷۱)

تشریع رسول کی اہمیت

انکار حدیث کی لعنت میں گرفتار حضرات رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کو دین اسلام کی تائید تصور کرتے ہیں، امام شافعی نے اسی طرح کے فاسد خیالات کی بیخ کنی کے لیے لکھا ہے کہ: "**وما سن رسول الله فیما لیس لله فیه حکم، فبحکم الله سنه، وکذلك اخبرنا الله فی قوله: (وانك لتهدی الی صراط مستقیم (الشوری : ۵۲) وقد سن رسول الله مع کتاب الله، وسن فیما لیس فیه بعینه نص کتاب. وکل ما سن فقد ألزمنا الله اتباعه، وجعل فی اتباعه طاعته، وفی العنود عن اتباعها معصیته التی لم یعذر بها خلقا، ولم یجعل له من اتباع سنن رسول الله مخرجا، لما وصفت وما قال رسول الله**" (ای ولما قال رسول الله). (الرسالہ: ۸۸)

(یعنی جس معاملہ میں اللہ کا کوئی حکم نہیں اس میں رسول نے جو کچھ مسنون قرار دیا اللہ کے حکم سے قرار دیا، اللہ کا

ارشاد ہے کہ (تم سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہو) رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب کے ساتھ حکم مقرر فرمایا اور جس میں کتاب کی کوئی نص نہیں اس میں مقرر فرمایا اور آپ نے جو کچھ مقرر فرمایا اللہ نے اس کی پیروی ضروری قرار دی اور اسی پیروی میں اپنی اطاعت بتائی اور اس کی مخالفت میں اپنی نافرمانی بتائی جس پر کوئی عذر مقبول نہیں اور اللہ نے رسول کی سنتوں کی پیروی کے بغیر چھٹکارے کی کوئی راہ نہ رکھی)

ثبوت کے بعد حدیث پر عمل ضروری

امام مالکؒ نے ابن عمرؓ کی روایت ذکر کی ہے جس میں بیان ہے کہ اہل قباء شام کی طرف رخ کر کے صبح کی نماز ادا کر رہے تھے، ایک شخص نے نماز کے دوران ہی آکر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے جس میں آپ کو قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے، یہ سن کر لوگ مکہ کی طرف گھوم گئے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

امام شافعی نے اس حدیث سے خبر واحد کی حجیت پر استدلال کیا ہے اور اپنے بلیغ و مؤثر اسلوب کے ذریعہ حدیث نبوی کی اہمیت اور اس پر عمل کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ قباء کے لوگ پہلے سے مسلمان اور سمجھ بوجھ رکھنے والے انصار تھے، انہیں معلوم تھا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے وہ اس لیے نماز پڑھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرض کر دیا ہے اور ایسے فرض کو اسی وقت چھوڑا جا سکتا ہے جب اس کے خلاف حجت قائم ہو جائے، اس موقع پر ان کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے نہ ہوئی تھی، نہ انہوں نے تحویل قبلہ کی بات آپ سے سنی تھی، نہ عام لوگوں نے اس کی خبر دی تھی، صرف ایک شخص کی خبر پر، جو صادق تھا، سابقہ فرض کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔ اگر انہیں خبر کی حجیت میں معمولی شبہ بھی ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔ (ایضاً ص ۴۰۶)

اس کے بعد امام شافعی نے شراب کی حرمت سے متعلق انس بن مالک کی متفق علیہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ایک آدمی کی خبر پر شراب کی حرمت کا یقین کر لیا گیا۔

امام شافعی کی قوت استدلال ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں: شراب کی حرمت کا یقین کر لینے والے صحبت نبوی کے فیض یافتہ اور اہل علم تھے اور شراب پہلے حلال تھی اور وہ لوگ اسے پیا کرتے تھے، پھر بھی منادی کی آواز کے بعد کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم رسول ﷺ سے ملاقات یا عام لوگوں کے ذریعہ خبر ملے بغیر شراب کی حرمت کا یقین نہ کریں گے۔ (الرسالہ ص ۴۰۹)

نبی ﷺ نے اعتراف کے بعد عورت کو رجم کرنے کے لیے حضرت انیس کو بھیجا اور منیٰ میں حضرت علی کے ذریعہ اعلان کرایا کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں، ان میں کوئی روزہ نہ رکھے۔

اگر ایک آدمی کے اعلان یا خبر سے لوگوں پر حجت قائم نہ ہوتی تو آپ کبھی کسی شخص کو اس کے لیے تنہا نہ بھیجتے کیونکہ آپ کے پاس پوری جماعت تھی جسے اس طرح کے کاموں میں آپ بھیج سکتے تھے۔ (ایضاً ص ۴۱۲)

رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں میں دعوت و تعلیم کے لیے صحابہ کو بھیجا، اسلام کی دعوت کے ساتھ اپنے قاصدوں کو بھیجا، حج کے موقع پر حضرت ابو بکر پھر حضرت علی کو بھیجا، امام شافعی ان واقعات کو ذکر کر کے لکھتے ہیں: "ولم یکن رسول الله لیبعث الا واحدا الحجة قائمة بخبره علی من بعثه الیه ان شاء الله" یعنی رسول اللہ ﷺ ایسے ہی شخص کو

بھیج سکتے ہیں جس کے ذریعہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ (ایضاً ص ۴۱۵)

مختلف علاقوں میں گورنروں، مبلغوں اور محصلوں کو بھیجا، لیکن کسی سے لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ "أنت واحد، وليس لك ان تأخذ منا ما لم نسمع رسول الله يذكر أنه علينا" یعنی تم تنہا ہو اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ ہم سے ایسی چیز لو جس کے وجوب کا ذکر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہو۔ (ایضاً ص ۴۱۷)

حدیث کی قبولیت کے لیے شرط

امام شافعی نے آل عمرو بن حزم کے پاس رسول اللہ ﷺ کے مکتوب مبارک کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول خبر کی قبولیت اور دوم یہ کہ ثبوت کے بعد خبر کو قبول کر لیا جائے گا، خواہ اس پر کسی امام کا عمل نہ ہو۔

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی امام کسی بات پر عمل کرے، پھر اس عمل کے خلاف اسے کوئی حدیث مل جائے تو اسے اپنے عمل کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بذات خود ثابت ہوتی ہے، آپ کے بعد کسی دوسرے کے عمل کے ذریعہ نہیں۔ (الرسالہ ص ۴۲۳)

امام شافعی نے فریعہ بنت مالک کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "وعثمان في امامته وعلمه يقضي بخبر امرأة بين المهاجرين والانصار. (ایضاً ص ۴۳۹)

یعنی حضرت عثمان علم اور امامت کے باوجود مہاجرین وانصار کے مابین ایک عورت کی خبر پر فیصلہ کر دیتے ہیں۔

صحیح حدیث قبول نہ کرنے پر نکیر

امام شافعی نے اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور الرسالہ کے کئی مقامات پر دلائل سے اس مسئلہ کو منقح کیا ہے۔

ایک مقام پر بروایت ابن جریج لکھا ہے کہ طاؤس نے انہیں خبر دی کہ انہوں نے ابن عباس سے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں سوال کیا، ابن عباس نے انہیں منع کیا، طاؤس نے کہا کہ میں انہیں نہ چھوڑوں گا، ابن عباس نے "وما كان لمؤمن ولا مؤمنة الخ" (الاحزاب ۳۶) کی تلاوت کی۔ (ایضاً ص ۴۴۳)

شیخ احمد شاکر نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس مقام پر وہ حدیث نبوی مذکورہ نہیں جس سے ابن عباس نے طاؤس پر حجت قائم کی تھی، اسے امام بیہقی نے ہشام بن حجیر سے نقل کیا ہے، اس میں ابن عباس کا یہ قول ہے کہ: انه قد نهى النبي ﷺ عن صلاة بعد العصر (البيهقي ۲/ ۴۵۳) بیہقی کی اس روایت میں بھی مذکور ہے کہ ابن عباس نے سورہ احزاب کی آیت سے حدیث رسول کی مخالفت کو ممنوع قرار دیا۔

امام شافعی لکھتے ہیں کہ: فرأى ابن عباس الحجة قائمة على طاؤس بخبره عن النبي، ودله بتلاوة كتاب الله على ان فرضا عليه ان لا تكون له الخيرة اذا قضى الله ورسوله امرا. (ایضاً ص ۴۴۴) یعنی حدیث نبوی ذکر کر کے ابن عباس نے طاؤس پر حجت قائم کی اور آیت تلاوت کر کے انہیں بتایا کہ اللہ اور رسول کے فیصلہ کے بعد انہیں کوئی اختیار باقی نہیں۔

آگے اصل مسئلہ کو بے غبار کرتے ہوئے فرماتے ہیں : "طاؤس حينئذ انما يعلم قضاء رسول الله بخبر ابن عباس وحده، ولم يدفعه طاؤس بأن يقول : "هذا خبرك وحدك، فلا أثبته عن النبي، لأنه يمكن أن تنسى." (الرسالہ ص ۴۴۴)

یعنی طاؤس کو نبی ﷺ کی حدیث کا علم تنہا ابن عباس کی خبر سے ہوا، لیکن طاؤس نے اسے یہ کہہ کر رد نہ کیا کہ یہ تنہا آپ کی خبر ہے، میں اسے نبی ﷺ سے ثابت نہیں مانتا، کیونکہ ممکن ہے کہ آپ بھول گئے ہوں۔

حضرت ابوالدرداء کا احتجاج

صحابہ کرام کی یہ خصوصیت تھی کہ حدیث نبوی کے سامنے گردن جھکا دیتے تھے، چوں وچرا ان کی عادت نہ تھی، اگر کسی شخص کی طرف سے حدیث قبول کرنے میں کسی نوعیت کے تامل کا اظہار ہوتا ہے تو صحابہ اس پر سخت نکیر کرتے تھے۔ امام شافعی نے اس سلسلہ میں درج ذیل روایت ذکر کی ہے: "أخبرنا مالك عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار أن معاوية بن أبي سفيان باع سقاية من ذهب أو ورق بأكثر من وزنها، فقال له أبو الدرداء : سمعت رسول الله ينهى عن مثل هذا، فقال معاوية : ما أرى بهذا بأسا ! فقال أبو الدرداء : من يعذرني من معاوية ! أخبره عن رسول الله ويخبرني عن رأيه ! لا أساكنك بأرض . (النسائی ۲/ ۲۲۲) قوله من يعذرني : أي من يقوم بعذري ان كافأته على سوء صنيعه فلا يلومني.

ابوالدرداء کے سخت رویہ کی امام شافعی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "فرأى ابو الدرداء الحجة تقوم على معاوية بخبره، ولما لم ير ذلك معاوية فارق ابوالدرداء الارض التي هو بها، اعظا ما لأن ترك خبر ثقة عن النبي" (ایضاً ص ۴۴۷)

ابوالدرداء کو یہ معلوم تھا کہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت معاویہ پر حجت قائم ہو گئی، لیکن حضرت معاویہ کا خیال ایسا نہ تھا، اس لئے ابوالدرداء نے معاویہ کی سرزمین کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ کی حدیث بیان کرنے والے ثقہ شخص کی روایت کو چھوڑنے کی بات کی تھی۔

امام شافعی نے اسی مقام پر ایک روایت نقل کی ہے، لکھتے ہیں : "واخبرنا أن أبا سعيد الخدري لقي رجلا فأخبره عن رسول الله ﷺ شيئا، فذكر الرجل خبرا يخالفه، فقال أبو سعيد: والله لا آواني واياك سقف بيت أبدا"۔ (الرسالة ص ۴۴۷)

(یعنی ہمیں یہ حدیث بھی ملتی ہے کہ ابو سعید خدری نے ایک آدمی سے ملاقات کی اور اسے رسول ﷺ کی کوئی حدیث سنائی، اس شخص نے اس کے خلاف دوسری حدیث ذکر کی اس پر حضرت ابوسعید نے غصہ ہو کر فرمایا : اللہ کی قسم! میں کبھی تمہارے ساتھ ایک جگہ نہیں رہ سکتا)

حدیث پر عمل کی بابت سوال پر برہمی

قال الشافعي : أخبرني أبو حنيفة بن سماك بن الفضل الشهابي قال حدثني ابن أبي ذئب عن المقبري

عن أبی شریح الکعبی أن النبی قال عام الفتح: من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین: ان أحب اخذ العقل، وان أحب فله القود. قال أبو حنیفة: فقلت لا بن أبی ذئب: أتأ خذ بهذا یا أبا الحارث؟ فضرب صدری، وصاح علی صیاحا کثیرا، ونال منی، وقال: أحدثك عن رسول الله وتقول تأخد به! نعم، آخذ به، وذلك الفرض علی وعلی من سمعه، ان الله اختار محمدا من الناس، فهداهم به، وعلی یدیه، واختار لهم ما اختار له، وعلی لسانه، فعلی الخلق أن یتبعوه طائعین أو داخرین، لا مخرج لمسلم من ذلك، قال، وما سکت حتی، تمنیت أن یسکت".
(ایضا ص ۴۵۱)

(یعنی ابو حنیفہ بن سماک، ابن ذئب سے اور وہ ابو شریح کعبی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے سال فرمایا کہ جس کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے تو اسے اختیار ہے خواہ دیت لے خواہ قصاص۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ میں نے ابن ابی ذئب سے پوچھا کہ ابوالحارث! کیا تم اس پر عامل ہو؟ انہوں نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا، اور مجھ پر بہت چیخے اور برا بھلا کہا، اور کہا کہ میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم پوچھ رہے ہو کہ اس پر تم عامل ہو؟ سنو! میں اس پر عامل ہوں، اور یہ مجھ پر اور جو بھی اسے سنے اس پر فرض ہے، اللہ تعالی نے لوگوں میں سے محمد ﷺ کو منتخب کیا، آپ کے ذریعہ سے انہیں ہدایت دی، ان کے لیے وہی پسند کیا جو آپ کے لیے پسند کیا، لہٰذا مخلوق پر طوعاً وکرھاً آپ کی پیروی ضروری ہے، کسی مسلمان کے لیے اس سے چھٹکارا نہیں۔ راوی (ابو حنیفہ بن سماک شہابی) کہتے ہیں کہ ابن ابی ذئب چپ نہ ہوئے جبکہ میری خواہش تھی کہ اب چپ ہو جائیں۔

مسند حدیث کو رد کرنے پر اظہار تعجب

"قال الشافعی: وقلت له: أنت تسأل عن الحجة فی رد المرسل وترده، ثم تجاوز فترد المسند الذی یلزمك عندنا الأخذ به" (الرسالہ ص ۴۷۰)

(امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ مرسل حدیث کو رد کرنے میں مجھ سے دلیل پوچھ رہے ہوں جبکہ تم خود اسے رد کر دیتے ہو بلکہ آگے بڑھ کر اس مسند کو رد کر دیتے ہو جس کی پابندی ہمارے یہاں ضروری ہے۔)

اس عبارت پر شیخ احمد شاکر اپنا تاثر ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا أحسن تقریع لمن رد السنن الصحیحة بالهوی والرأی، أوبالتقلید والعصبیة، رحم الله الشافعی فقد جاهد فی نصر السنة جهادا کبیرا".

(یعنی یہ ان لوگوں کی بہترین سرزنش ہے جو خواہش ورائے یا تقلید وتعصب کی وجہ سے صحیح سنتوں کو رد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالی شافعی پر رحم فرمائے، انہوں نے سنت کی تائید میں بہت بڑا جہاد کیا)۔

انکار حدیث کے مختلف ادوار

انکار حدیث کا سراغ زمانۂ نبوت میں بھی ملتا ہے۔ لیکن اسے کسی منظم جماعتی رجحان کے بجائے انفرادی رنگ حاصل تھا، غنائم کی تقسیم اور آنحضرت کی طرف غلول کی نسبت اسی طرح کے رجحان کی عکاسی ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں اس

ذہن کو کچھ اور موقع ملا۔

دوسری صدی میں معتزلہ کی وجہ سے انکاری ذہن نے ایک باقاعدہ اور اصولی شکل اختیار کرلی۔ خوارج فضائل اہل بیت کے اور معتزلہ احادیث صفات کے منکر تھے، پھر بھی ان کا یہ انکار جزوی تھا۔ معتزلہ کی وجہ سے انکار حدیث کا چور دروازہ تقریبا دوسری صدی میں کھلا۔ اس صدی کے شروع میں اخبار آحاد پر شبہ کا سلسلہ شروع ہوا، امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ پہلی صدی کے بعد معتزلہ پیدا ہوئے، اور خبر واحد کے سلسلہ میں امت کے اجماع کی مخالفت کی، اسے انکار کا پہلا دور کہا جاتا ہے۔

دوسرا دور عیسیٰ بن ابان متوفی ۲۲۱ھ کا ہے، خطیب نے صراحت کی ہے کہ یہ خلق قرآن کے قائل تھے، ان کی وجہ سے فروع میں بھی اخبار آحاد کو اشتباہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا، چنانچہ عادل وضابط راوی اگر فقیہ نہ ہو تو اس کی روایت مقبول نہیں ہوگی، بلکہ قیاس کو اس کی روایت پر ترجیح دی جائے گی۔ اس خود ساختہ ضابطہ کی مثال میں اصول بزدوی میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ کا نام لیا گیا، لیکن امام کرخی اور باقی قدمائے احناف اس کے خلاف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عادل وضاط راوی کی حدیث بہر حال قیاس پر مقدم ہوگی، خود امام ابو حنیفہ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

متاخرین حنفیہ کی طرف سے فقہ راوی کی جو شرط لگائی گئی ہے اس پر اظہار خیال فرماتے ہوئے مولانا محمد اسماعیلؒ فرماتے ہیں :

”ویسے بھی یہ قول غلط ہے، قاضی عیسی بن ابان جیسے بزرگ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس جیسے بزرگوں کو جو برسوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے، جن کی مادری زبان عربی ہے، غیر فقیہ کہہ دیں تو بڑی عجیب بات ہے، حالانکہ وہ خود نہ عرب ہیں نہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، پھر حضرت ابوہریرہ کا تفقہ معلوم ہے، اکابر صحابہ مسائل میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ گورنر تک کے عہدوں پر فائز رہے، خود ائمہ احناف نے ان کی احادیث کو خلاف قیاس قبول فرمایا، کشف الاسرار اور کتاب التحقیق وغیرہ مبسوطات میں اس کی تفصیل مل سکتی ہے، اس کے باوجود متاخرین احناف میں انکار کے لیے جزوی طور پر یہ چور دروازہ کھولا گیا۔

صحیح راہ وہی ہے جسے جمہور ائمہ سنت نے اختیار فرمایا، قاضی عیسی بن ابان کے مسلک سے اعتزال کی بو آتی ہے، اور ائمہ حدیث کا نقطۂ نظر تو قدماء اور اکابر احناف سے بھی مختلف ہے۔

تیسرے دور میں قاضی عیسی بن ابان کے مسلک پر عمل ہونے لگا، فقہ اور اصول فقہ میں اسی کی بنیاد پر فروع اور اصول تخریج کیے گئے، بعض جگہ صریح احادیث کی بھی بعید از کار تاویلات کی گئیں، چنانچہ حدیث ”لعن اللہ المحلل“ میں لعنت سے رحمت مراد لینے کی بات کہی گئی!

چوتھا دور انگریزوں کی آمد سے شروع ہوا، عیسائی مشنری کے شبہات نے لوگوں کو متاثر کیا، سید احمد خاں سے لے کر اسکولوں کے طلبہ اور اساتذہ تک بھی نہ بچ سکے۔ جو حدیث مقاصد کے خلاف نظر آئی اڑا دی گئی، قرآنی آیات پر بھی تاویل و تحریف کا ہتھیار آزمایا گیا۔

اس طریق فکر کے اثرات ملک میں مختلف انداز میں ظاہر ہوئے۔ ارباب قادیان پر تاویل کا فیضان ہوا، مولوی عبداللہ

چکڑالوی کو انکار حدیث کا سبق ملا، مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی رحمہما اللہ ایسے اساطین علم و فضل بھی تھوڑے بہت اس سے متاثر ہوئے، مولانا فراہی کی تفسیر کے جو اجزاء عربی میں شائع ہوئے ہیں ان میں حدیث سے بہت کم استفادہ فرمایا گیا ہے۔ مگر تورات اور انجیل کے رائج الوقت نسخوں سے کافی استفادہ کیا گیا ہے"۔ (حجیت حدیث ص ۱۴۱ ومابعد)

انکار حدیث کا پس منظر

یہ عنوان شیخ الحدیث محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے "حجیت حدیث" میں قائم فرمایا ہے، اور اس ضمن میں جدید دور کے منکرین حدیث کے پس منظر کو قدرے تفصیل سے اور قدیم دور کے منکرین کے پس منظر کو اشارۃ بیان فرمایا ہے۔ انکار حدیث کا پس منظر یقیناً منکرین حدیث کی نوعیت یا مقاصد کے لحاظ سے بدلتا ہے، عصر قدیم میں جن طبقات کا مقصد اسلام دشمنی تھا، وہ اسی جذبہ سے سنت کا انکار کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ سنت احکام شریعت کی تفصیل کرتی ہے، جس سے عمل کی راہ متعین ہوتی ہے۔

ان طبقات کے بیشتر نظریات و مقاصد شریعت کے خلاف تھے، اس لیے بھی یہ لوگ سنت سے چھٹکارا چاہتے تھے تاکہ اپنے نظریات کا تحفظ کر سکیں۔

جدید دور کے منکرین حدیث کے رجحانات مختلف تھے، اور انہیں قدرے مختلف صورت حال کا سامنا تھا، علامہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"انکار حدیث احساس کمتری کی پیداوار ہے، جس نے گریزپائی کی صورت اختیار کر لی ہے، جب یہ حضرات کسی مخالف کا اعتراض سنتے ہیں تو چونکہ یہ قرآن و سنت اور ان کے مستند مآخذ سے واقف نہیں اور اس کی توجیہ سے ان کا ذہن قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں، جس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ نصوص کا انکار کر دیں، اور احادیث کے متعلق تو وہ یہی ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔

لیکن جب یہ مصیبت قرآن عزیز میں آجائے، اور قرآن عزیزان کے "تبحر فی الجهل" کا ساتھ نہ دے سکے تو پھر ایسی تاویلات گھڑتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید ان کے خیال میں رب العزت اتنی عربی بھی نہیں جانتے جس قدر کی یہ تبحر فی الجهل جانتے ہیں۔

"پھر عجیب یہ ہے کہ بعض احادیث کو یہ حضرات قابل اعتراض سمجھتے ہیں، لیکن نظام ان سے استدلال کرتا ہے، حدیث تعریضات ابراہیمی ہر منکر حدیث کے گلے میں اٹک رہی ہے، نہ اگلتے بنتی ہے نہ نگلتے، لیکن نظام کو دیکھئے وہ جھوٹ کے جواز میں اسی سے استدلال کرتا ہے، اور اس حدیث کو اساس قرار دیتا ہے"۔ (حجیت حدیث ص ۱۷۷)

منکرین سنت اور معترض مفکرین سے

حدیث پر یا شریعت کے کسی علم یا حصہ پر اعتراض کو سن کر ہر باغیرت مسلمان جواب کی کوشش کرتا ہے، اور معترضین کو مطمئن کرنے کا خواہاں ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں ہر معترض کا مقام ایسا نہیں کہ اس کے جواب کی جانب توجہ دی جائے اور اس کے اعتراض پر سنجیدگی سے دھیان دیا جائے۔ کسی علم یا فن پر اعتراض کے لیے صلاحیت اور علم کی ضرورت ہے،

منکرین حدیث شریعت کے علوم سے جس طرح بے مایہ اور عربی زبان سے نابلد ہیں اس کی روشنی میں انہیں قابل اعتنا سمجھنا اور ان کے اعتراض کا جواب دینا ایک طرح کی زیادتی ہے جسے دیگر قارئین کو نظر میں رکھ کر گوارا کیا جاتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ بابصیرت اور غیور عالم دین بلکہ ماہر علوم نقلیہ وعقلیہ تھے، اس لیے تمام مخالفین و موافقین کی نفسیات سے واقف تھے، عوام سے قریب رہنے کی وجہ سے طبائع کے رجحانات ان پر عیاں تھے، اسی لیے ان کے تبصرے نپے تلے اور مبنی بر حقیقت ہوتے تھے، منکرین حدیث کی ہفوات کو وہ لائق اعتناء نہ سمجھتے تھے۔ لیکن سادہ لوحوں اور ناواقفوں کو سمجھانے کے لیے علامہ موصوف نے انکار حدیث کی تردید میں اور اسی طرح دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کی تائید میں مضامین اور کتابیں لکھیں، اپنی ان تحریروں میں موصوف نے کہیں کہیں اصل حقیقت کو بے لاگ انداز میں ذکر کر دیا ہے تاکہ اس سوال کا جواب مل جائے کہ حدیث جیسے علم پر اعتراض کا پس منظر کیا ہے، حجیت حدیث میں مذکورہ بالا عنوان کے تحت علم حدیث کی عظمت اور منکرین حدیث کی بے مائگی دونوں کو واضح فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

"منکرین سنت اور حدیث پر اعتراض کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ فن حدیث کی حیثیت اتھاہ سمندر کی ہے، امت نے تقریباً تیرہ سو سال اس کی خدمت کی ہے، اور مختلف راہوں سے کی ہے، ابن صلاح کی علوم الحدیث اور حاکم کی معرفت علوم الحدیث پر نظر ڈالئے، آپ کو اس فن کی خدمت میں تنوع نظر آئے گا، اور حافظ بغدادی کی الکفایۃ میں بھی علوم حدیث کا کافی مواد ہے۔

ان متنوع خدمات کا نتیجہ یہ ہے کہ صدیوں کی عقیدت مندانہ خدمات اس کی پشت پر ہیں، اس بلندی سے اسے نیچے لانے کے لئے فنی قابلیت ضروری ہے، اس کی باریکیوں اور نزاکتوں پر نظر رکھے بغیر تنقید کرنا خفت کا موجب ہو گا۔

آپ حضرات نے یہ شیوہ بنا رکھا ہے کہ ساری عمر انگریزی قانون اور انگریزی زبان پڑھتے ہیں، پھر ملازمت کرتے ہیں، پھر ریٹائر ہوتے ہیں، اور یہ آخری فرصت کی گھڑیاں جو آپ کی عبادت کے لئے قدرت نے عطا کی ہیں، ان کو سنت پر اعتراض اور بحث کرنے میں صرف کرتے ہیں، اور اہل فن کی نظر میں مضحکہ بنتے ہیں، یا پھر اونچی کرسیوں سے اس شریف فن پر حملہ آور ہوتے ہیں، حالانکہ آپ ایک خاص قانون کے ماہر ہیں، علوم الحدیث سے واقف نہیں، کرسی کی آڑ میں یہ شکار مناسب نہیں۔

آپ اپنے مقام سے نیچے آئیے، اور اہل فن کے ساتھ بیٹھ کر اس کی مشکلات اور اس کے آداب ولوازم اور پھر اس کے نتائج پر غور فرمائیے، پھر اگر آپ کا ضمیر مطمئن نہ ہو تو شرح صدر سے تنقید فرمائیے:

بلاتی ہیں موجیں کہ طوفاں میں اترو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

ہمیں یقین ہے کہ اس فن کے آداب ولوازم کو جاننے کے بعد آپ نہ صرف یہ کہ اعتراض کے قابل نہیں رہیں گے، بلکہ ان بوریا نشینوں کی صفوں میں ایک مناسب اضافہ ہو گا، اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو آپ کے اعتراض معقول ہوں گے، ان میں کچھ وزن ہو گا اور سامعین کو کچھ فائدہ بھی پہنچے گا"۔ (حجیت حدیث ص ۸۵-۸۶)

اصول حدیث پر بحث کا امکان

علمائے سنت نے اسلامی شریعت کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے، اور انسانی طبائع کی افتاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے، پوری دیدہ ریزی، اخلاص اور امانت سے کام لیکر حدیث کے اصول وضع کئے ہیں، آج اگر ایک شخص اور بالخصوص فن سے نابلد شخص، اس بنیاد پر کہ یہ علماء معصوم عن الخطاء نہ تھے، ان اصول پر زبان طعن دراز کرے تو اس کی بات کا کوئی وزن نہ ہوگا، کیونکہ یہ معاملہ فن سے آگاہی اور علوم سنت کی مزاج شناسی سے تعلق رکھتا ہے، "نحن رجال وهم رجال" والا قاعدہ اس جگہ منطبق نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ الحدیث علامہ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علماء سنت کا یہ قطعی خیال نہیں کہ اصول حدیث میں اضافہ شرعاً ممنوع ہے، یا ان اصول پر تنقید شرعاً درست نہیں، یا ان کا من وعن قبول کرنا شرعاً ضروری ہے، بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ حدیث کی چھان پھٹک اور اس کے قواعد اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ مزید بحث بے ضرورت ہے۔

"اصول حدیث کے قواعد کا تعلق یا لغت سے ہے، یا واقعات سے، یا پھر ان کا تعلق عقل سے ہے، جو بحث و نظر کے بعد مناسب حد تک پہنچ چکے ہیں، ان حقائق کو محض احتمالات سے نہیں بدلا جاسکتا۔

آگے مزید توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غرض یہ کہ اصول حدیث میں جمود نہیں، بلکہ اس میں ارتقاء کے لئے پوری پوری استعداد موجود ہے، لیکن جب بحث و نظر ایک خاص نقطہ پر پہنچ جائے تو گفتگو کی گنجائش خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔ بحث و نظر کے بعد اہل فن ایک مقام پر پہنچ جانے کے بعد بحث کی گنجائش نہیں سمجھتے، یہ فن میں جمود نہیں بلکہ تکمیل ہے، لیکن ہر فن کی تکمیل کے مراحل کا صحیح فیصلہ ماہر فن ہی کر سکتے ہیں، ہائی کورٹ کے جج قانون کا فیصلہ تو کر سکتے ہیں، لیکن طب اور انجینئرنگ میں ان کے فیصلہ کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی"۔ (حجیت حدیث ص ۷۲)

انکار حدیث کے خلاف ابن قتیبہ کی کوشش

تیسری صدی ہجری میں حدیث کی تدوین اور خدمات کے تین طریقے ذکر کئے گئے ہیں، ان میں سے پہلا طریقہ یہ تھا کہ علمائے حدیث متکلمین کے اعتراضات کو جمع کرتے تھے، ان میں سے بعض اعتراضات کا تعلق محدثین کی شخصیت، اور ضبط وعدالت کے اوصاف سے ہوتا تھا، اور بعض کا حدیث کے معنی و مضمون سے۔

محدثین ان اعتراضات کا جائزہ لیتے تھے اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا جواب دیتے تھے، گویا اس وقت خدمت حدیث کا یہ ایک مستقل شعبہ تھا۔

حدیث کے معترضین کی تردید وجواب کے سلسلہ میں ایک نمایاں نام ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کا ہے۔ موصوف کی کتاب کلدفاع عن الحدیث کے باب میں ایک اہم مقام ہے، اس کتاب کی تالیف کا محرک ذکر کرتے ہوئے مصنف نے اس ماحول کی تصویر کشی کی ہے، جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں حدیث اور اہل حدیث کے تعلق سے قائم تھا۔

حدیث کے خلاف محاذ آرائی میں ابن قتیبہ نے قدریہ، مرجیہ، رافضہ اور معتزلہ وغیرہ کا نام لیا ہے، لیکن زیادہ تفصیلی رد

روافض و معتزلہ کا کیا ہے، معتزلہ نے محدثین کی تنقیص و تحقیر اور حدیث پر عقلی اعتراضات کا جو بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا، اس کا مدلل جواب ابن قتیبہ نے دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف انسانی ذہن کے نشیب و فراز، معترضین کی نفسیات، سماج کے حالات، حدیث نبوی کے مقام، تشریع کی حکمت اور احکام کے اسرار سے پوری طرح واقف تھے، اسی لئے معتزلہ اور دیگر معترضین کے مقابلہ میں انہیں برتری حاصل رہی اور حق کی تائید و دفاع میں ان کی کوشش بار آور ہوئی۔

علمی خیانت کی ایک مثال

تحریک انکار حدیث کی ہو یا دین کے خلاف کسی دوسری کوشش کی، مطلوب صرف یہ ہے کہ اسے دیانت داری کے ساتھ علمی انداز میں پیش کیا جائے۔ انکار حدیث کے قدیم و جدید رجحانات پر نظر ڈال جائیے، کہیں آپ کو اس تحریک کے علمبرداروں کے یہاں علمی مزاج اور دیانتداری کے اوصاف نظر نہ آئیں گے، بلکہ اکثریت غیر مہذب انداز میں اور امانت و دیانت کا لحاظ کئے بغیر بات کرتی ہے، جس سے آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دین اسلام کے خلاف عناد و عداوت کی مہم چلانے والے ان حضرات کا مقصد علمی تحقیق نہیں، کہ جب معقول بات مل جائے تو اپنی ضد سے باز آجائیں، بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ تحقیقی اصولوں اور علمی تشفی کے اسباب سے بچتے ہوئے اپنی مہم جاری رکھیں۔

شیخ ابو زہو نے ابن قتیبہ کی کتاب تاویل مختلف الحدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جمہور مستشرقین، ملحدین اور ہمارے دور کے دین آزاد لوگ تاول مختلف الحدیث سے ابن قتیبہ کے بیان کئے ہوئے اعتراضات کو لے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ان کے نو ادا اعتراضات ہیں۔ پھر خیانت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ابن قتیبہ نے ہر اعتراض کے بعد اس کا معقول و مدلل جواب دیا ہے، لیکن یہ حضرات اس جواب سے بھی چشم پوشی کر جاتے ہیں، تاکہ عوام پر ان کے علمی وزن اور ذہنی تفوق کا سکہ جما رہے۔ (الحدیث والمحدثون ص ۳۶۹)

حدیث پر اعتبار کی اہمیت

علم حدیث کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس کی اہمیت و وسعت سے واقف ہیں، اس علم کی آبیاری کے لئے متعدد نئے علوم کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی، اور انہیں پروان چڑھایا، ان میں بعض علوم ایسے ہیں جنہیں امت مسلمہ کی خصوصیت و امتیاز میں شمار کیا جاتا ہے۔

سنت کی خدمت کے لئے مدون کئے گئے ان علوم کی روشنی میں حدیث کو پرکھنے، یاد کرنے، دوسروں تک پہنچانے اور کتابوں میں منضبط کرنے کے لئے علماء اور ائمہ و محدثین کی ایک بہت بڑی تعداد نے اپنی زندگی وقف کی ہے، اب اگر ان متنوع، مخلصانہ اور مسلسل کوششوں کے بعد علم حدیث کو معتبر نہ تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ دوسرے تمام علوم پر بھی اعتماد نہ کیا جائے، کیونکہ ان کی تدوین و روایت میں کبھی بھی اس اہتمام و توجہ سے کام نہیں لیا گیا جس کا مشاہدہ حدیث نبوی کے سلسلہ میں ہم کر رہے ہیں۔

جو لوگ علم و تحقیق سے ناواقفیت کے باوجود سنت کا انکار کرتے ہیں، ان کا اصل مقصد اسلام پر ضرب لگانا ہے، اسلام کو ختم کرنے کے لئے ان لوگوں نے سنت پر حملہ کی راہ اختیار کی ہے اور اس ناپاک مقصد کے لئے تمام اسلام دشمن عناصر سے

ان کا ساز باز ہے۔ (الحدیث والمحدثون ص ۲۱۰)

امام حاکم کا پرمغز بیان

امام حاکم نے اپنی کتاب المستدرک (۵۰۶/۳) میں ابوہریرہؓ کی عظمت شان پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثوں کا ذکر کیا ہے، پھر اپنے شیخ ابو بکر محمد بن اسحاق کے حوالہ سے بڑے کھلے انداز میں لکھا ہے کہ: ابوہریرہ کی حدیثوں کو رد کرنے کے لئے ان کی شخصیت کے بارے میں گفتگو کرنے والے دل کے اندھے اور احادیث کے مفہوم سے نابلد یا تو جہمی ہوں گے یا خارجی یا قدری معتزلی یا جاہل فقیہ، اور ان کی عداوت کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثوں سے ان کے باطل خیالات اور غلط مذاہب کی تردید ہوتی ہے، لیکن تعجب ہے کہ جب ابوہریرہ کی کوئی روایت ان کے مذہب کے مطابق ہوتی ہے تو اسے قبول بھی کر لیتے ہیں"۔ (الحدیث والمحدثون ۱۷۰)

امام حاکم کے اس بیان کی روشنی میں ہم منکرین حدیث کے فرقوں کا تعین کر سکتے ہیں، اور اسی طرح ان کے رجحانات کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں، جن کی بنیاد پر وہ انکاری لعنت میں مبتلا ہوئے ہیں، یہ ان کی کوئی علمی و تحقیقی مجبوری نہیں ہے جس کے تقاضے میں حدیث رسول ﷺ کا انکار کیا جارہا ہے، بلکہ ہوا پرستی اور تعصب کا داعیہ اس حرکت شنیعہ پر آمادہ کر رہا ہے!

فکری افلاس

انکار حدیث کی تاریخ پر نظر رکھنے والے علماء جانتے ہیں کہ موجودہ دور کے منکرین حدیث عصر قدیم کے اسلام دشمن عناصر کے خوشہ چیں ہیں، ان کے اندر ایسی صلاحیت نہیں کہ علوم حدیث کے عظیم علمی سرمایہ کے خلاف کوئی معقول اعتراض یا دلیل پیش کر سکیں، اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس گروہ کے اعتراضات کمزور اور تقلیدی ہوتے ہیں، معاصر منکرین حدیث کی اس کمزوری کی جانب موجودہ دور کے متعدد علماء نے اشارہ کیا ہے، مصر کے نامور عالم اور اپنے عہد کے مفتی مصر شیخ حسنین محمد مخلوف "الحدیث والمحدثون" نامی کتاب پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

"وقسم لعصرنا من اولئك نفر من الكاتبين، تساقطوا كالفراش على تلك الشبه الواهية والطعون البالية التي افتراها الا قدمون من الملاحدة، فا ثاروها فخورين بأنهم بناتها وحملة لوائها.

انهم لم يأتوا بجديد، وانما سطوا على القديم من الشبه والآراء، وطلوها بطلاء حديث تغرير البسطاء، واستمالة للدهماء، فجمعوا بين جريمتين، جريمة الخيانة، وجريمة الخداع، فوق مااقترفوا من جريمة الطعن في سنة رسول ﷺ الخ" (الحديث والمحدثون ص ۲-۳)

(ہمارے دور کے مصنفین کا ایک گروہ قدیم ملحدین کے کمزور شبہات اور بوسیدہ مطاعن کی جانب پروانہ وار بڑھا، اور ان شبہات کو اپنی طرف منسوب کر کے فخریہ انداز میں لوگوں کو سامنے پیش کیا۔

یہ لوگ کوئی نئی چیز پیش نہ کر سکے، بلکہ قدیم شبہات کو نئی پالش کے ساتھ پیش کیا تاکہ سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ میں رکھ سکیں، اور عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکیں، یہ دوگونہ جرم کے مرتکب ہیں، ایک خیانت اور دوسرے دھوکہ، اور سب سے بڑا جرم سنت رسول ﷺ کے خلاف ان کی طعنہ زنی ہے)

امت مسلمہ کی بدقسمتی

موجودہ دور میں قومی عزت وسر بلندی کا خیال ہر جگہ پایا جاتا ہے، کل تک جو قومیں گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں، آج خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، اگر ان کے پاس علم وفن کا کوئی قابل فخر سرمایہ نہیں ہے تو خود ساختہ اور فرضی محاسن اپنی جانب منسوب کر کے دوسروں کی نظر میں معزز بنتی ہیں۔

لیکن امت مسلمہ کی بد قسمتی وکوتاہ نظری یہ ہے کہ حدیث رسول ﷺ جیسا عظیم تعلیمی، تشریعی، تربیتی، ثقافتی اور تہذیبی سرمایہ اس کے پاس موجودہ ہے، پھر بھی اس قوم کے کچھ بے توفیق وکوتاہ نظر اس عظیم الشان سرمایے سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کی تنقیص پر آمادہ ہیں، علامہ شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

"ومن الغريب أننا نرى أمم العلم والحضارة تعنى بحفظ ما ينقل عن علمائها وادبائها فى التشريع والحقوق والحكم والآداب، ويفاخر بعضهم بعضا بهم وبآثارهم، ونرى هؤلاء المخدوعين من مبتدعة المسلمين، لا يكتفون بهضم حقوق علماء ملتهم، ومؤسسى حضارتها ومجدها بالعلم والعمل والسياسة والآداب، بل ينبذون سنة الرسول ﷺ الذى يدعون اتباع ملته، وما روى سلفهم عنه، من التشريع والحكم والآداب الخ" (تحقيق معنى السنة وبيان الحاجة اليها ص ۲۷-۲۸)

(انوکھی بات یہ ہے کہ علم وتہذیب والی قوموں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قانون ودانش اور ادب کے میدان میں اپنے علماء اور ادباء سے منقول باتوں کو محفوظ کرنے پر متوجہ ہیں، اور ان پر اور ان کے کارناموں پر فخر کرتی ہیں، لیکن مسلمان بدعت پرستوں کے ان فریب خوردہ لوگوں کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ اپنی ملت کے علماء اور علم وعمل نیز سیاست وآداب کے ذریعہ تہذیب وشرف کی بنیاد رکھنے والوں کی صرف حق تلفی پر اکتفا نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اس رسول کی سنت کو پس پشت ڈال رہے ہیں جس کی ملت کی پیروی کا ان کو دعوی ہے، اور ان کے اسلاف نے قانون، آداب اور حکمت کے جس سرمایہ کو نقل کیا ہے اس سے بھی اعراض کر رہے ہیں)۔

مسلك مخالف حديث

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے، رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص کی اطاعت امت پر فرض نہیں، رسول ﷺ کے علاوہ امت کا کوئی اور فرد معصوم بھی نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری زندگی اس اصول پر کاربند رہے، اگر کسی مسئلہ میں انہیں کتاب وسنت کے اندر کوئی حکم نہ ملا، اور اجتہاد وقیاس کے ذریعہ کوئی فیصلہ کیا، پھر کوئی صحیح حدیث اس کے خلاف مل گئی تو انہوں نے اپنی رائے یا سابقہ فیصلہ سے فوراً رجوع کر لیا، کتب حدیث وفقہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجودہ ہیں، غور کیا جائے تو یہی ایمان کا تقاضہ اور مومن کی شان ہے، ہم جس دین کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کے بنیادی ماخذ (کتاب وسنت) کے حوالہ سے جب کوئی چیز سامنے آجائے تو پھر کسی دوسری طرف دیکھے بغیر کتاب وسنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک نے اور اسی طرح دوسرے علماء نے بھی اس قاعدہ کو اچھی طرح واضح فرمادیا ہے، اور اکثر ائمہ نے تو صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ صحیح حدیث ہی میرا مسلک ہے، جب تمہیں صحیح حدیث مل جائے اور میرا یا کسی

اور امتی کا قول اس کے خلاف ہو تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث کو لازم پکڑ لو۔

نظری طور پر یہ اصول تمام مسلمان اور چاروں فقہی مذاہب کے مقلدین تسلیم کرتے ہیں، اور ان کا دعوی ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا بھی ہیں، لیکن امر واقعہ اس کے خلاف ہے، کسی مخصوص فقہی مذہب کی پیروی کرنے والے شخص کے سامنے جب کوئی ایسی حدیث آتی ہے، جو اس کے مسلک کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں اس کا جو رویہ ہوتا ہے اس کی توضیح میں شیخ محمد ابوزہو فرماتے ہیں:

"ہر طرح کی تاکید و تنبیہ کے باوجود ائمہ کی تقلید کرنے والے بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے مذہب کے خلاف کوئی حدیث پاتے ہیں اور اس کا جواب نہیں دے پاتے، تو مذہب ہی کو لازم پکڑ لیتے ہیں، اور حدیث پر عمل کو نظر انداز کر دیتے ہیں، مزید یہ کہ دور کے احتمالات کا دروازہ کھول کر ائمہ کے مذاہب کے لئے وجوہ ترجیح تلاش کرتے ہیں، اور جب ایسا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کسی دلیل کے بغیر نسخ کا یا خصوصیت کا یا معمول بہ نہ ہونے کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں، پھر جب اس سے بھی عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے امام کو تمام مرویات کا علم تھا، اور انہوں نے جب اس حدیث پر عمل نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اعتراض اور طعن ہے۔ کبھی یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حدیث کا معاملہ بہت بڑا ہے۔ ہمارے جیسا انسان اس کو سمجھ نہیں سکتا، پھر عمل کیسے کر سکتا ہے!

ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ حدیث کی اصل تعظیم اس پر عمل میں اور اس کی توہین عمل چھوڑنے میں ہے، اور جہاں تک اسے سمجھنے کی بات ہے تو اس میں کوئی دشواری نہیں، عمل کی حد تک اسے سمجھنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے، ورنہ بندے کو مکلّف بنانا صحیح نہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف سے اتمام حجت نہ ہوگا۔

مقلدین کے اس رویے پر بہت سے علماء نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، عزبن عبدالسلام لکھتے ہیں: انتہائی تعجب کی بات ہے کہ مقلدین فقہاء کو اپنے امام کے ماخذ کی کمزوری کا علم ہوتا ہے، اور اس کی تقویت کے لئے کوئی دلیل بھی نہیں ملتی، پھر بھی یہ لوگ تقلید پر قائم رہتے ہیں، اور ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جن کے مذہب کی صحت کی گواہی کتاب و سنت اور صحیح قیاس سے ملتی ہے، اپنے امام کی تقلید پر جمود کے سبب ایسا ہوتا ہے، بلکہ کتاب و سنت کے ظاہری احکام کو ہٹانے کے لئے حیلے تلاش کئے جاتے ہیں اور اپنے امام کے دفاع میں باطل اور بعید قسم کی تاویلات اختیار کی جاتی ہیں۔

مزید لکھتے ہیں:

"مذاہب کے ظہور سے پہلے لوگ علماء سے مسائل دریافت کرتے تھے کسی مذہب کی پابندی نہ تھی، نہ سائلین میں سے کسی کے خلاف اظہار ناپسندیدگی تھا، پھر تقلید کرنے والوں میں تعصب کا ظہور ہوا تو دلائل سے دوری کے باوجود امام کے مذہب کی پیروی ضروری سمجھی گئی گویا وہ نبی مرسل ہے، یہ حق سے اعراض اور درستگی سے دوری ہے، اسے کوئی عقلمند پسند نہ کرے گا"۔ (حجۃ اللہ ا/ ۱۵۵)

شیخ ابوزہو آگے لکھتے ہیں:

ہم جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی امام کی فقہ کا مطالعہ کرنے اور اس میں بصیرت حاصل کرنے کے بعد

جب کوئی شخص حدیث کا مطالعہ کرے، اور اس سے احکام مستنبط کرنے کے لئے مشقت برداشت کرے، پھر اپنے امام کے مذہب کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے، اور کوئی اس کا ناسخ، مخصص یا معارض نہ ہو تو ایسی صورت میں امام کے مذہب کو چھوڑ کر حدیث پر عمل ضروری ہے۔ صحابہؓ کی زندگی میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب ان کے سامنے حدیث نبوی کے مقابلہ میں کوئی بات پیش کی گئی تو انہوں نے اس پر سخت نکیر کی، اور اس بات کو شریعت میں اہمیت دینے سے انکار کر دیا۔

اس تفصیل کے بعد شیخ موصوف نے امام ابن الصلاح، امام شعرانی اور امام سندی کے اقتباسات پیش کئے ہیں جن کے اندر اس بات کی توضیح ہے کہ صحیح حدیث ملنے کے بعد اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے، اس میں کسی امام یا عالم کی بات کا لحاظ کرنا ایمان کی شان کے خلاف ہے"۔ (الحدیث والمحدثون ص ۳۳-۳۵)

جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل شیخ صلاح الدین مقبول احمد نے اپنی کتاب "زوابع فی وجه السنة "میں تقلید سے عمل بالحدیث میں رکاوٹ کے موضوع پر اپنے تجربات و معلومات کی روشنی میں تفصیل سے بحث کی ہے، اس لئے اس کی اہمیت ہے، کتاب میں یہ بحث ۲۳۱ سے ۲۹۰ تک ساٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

مصنف نے پہلے حدیث نبوی کے خلاف مقلدین کی زیادتیوں کا ذکر کیا ہے، اور اس سلسلہ میں معروف علماء کے حوالوں سے عنوان بالا کی تائید میں ان کے اقوال پیش کئے ہیں، ایک مقام پر مقلدین کا یہ افسوسناک رویہ ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ اپنے امام کے قدیم قول کو چھوڑ کر جدید قول تو اختیار کر لیتے ہیں، لیکن یہ توفیق نہیں ہوتی کہ امام کے قول کو چھوڑ کر نبی ﷺ کی صحیح اور ثابت حدیث کو مان لیں جو کسی وجہ سے ان کے امام تک نہ پہنچ سکی!

اس کے بعد صاحب زوابع نے حدیث کی وضع، انکار، تاویل اور تحریف کے دلائل ذکر کئے ہیں، ان کا یہ بیان اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ موجودہ دور میں سنت پر عمل کی ضرورت کا زبانی اقرار ہر شخص کرتا ہے، لیکن جب اپنے امام اور مسلک کے خلاف کوئی صحیح حدیث ملتی ہے تو اس پر عمل کے بجائے گریز کی راہ تلاش کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں بیحد افسوسناک اور کبھی کبھی مضحکہ خیز رویہ سامنے آتا ہے، جن علماء نے اس موضوع پر لکھا ہے ان کے یہاں اس طرح کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

موصوف نے مسلک کی تائید کے لئے حدیث کے معانی میں تحریف کے ثبوت میں تین مثالیں ذکر کی ہیں۔

اس کے بعد مسلک کی تائید میں حدیث کے الفاظ میں تحریف کی چار مثالیں بتفصیل ذکر کی ہیں۔

ابن القیم کے حوالہ سے یہ تذکرہ بھی کیا ہے کہ مسلک کی تائید میں مقلدین یہ بھی کرتے ہیں کہ حدیث کے اس حصہ کو مان لیتے ہیں جو ان کے مسلک کے موافق ہو، لیکن اسی حدیث کے اس حصہ کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان کے مسلک کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کی سات مثالیں ذکر کی ہیں۔

اس بحث کی آخری سرخی یہ ہے کہ: حدیث کی صحت کا اعتراف کرنے کے بعد مسلک کی تائید کے لئے اس حدیث کا انکار کر دیا جاتا ہے اور اس کی تاویل کر دی جاتی ہے۔

زوابع فی وجہ السنۃ کے مذکورہ مباحث کی طرف ہم نے یہاں اس لئے اشارہ کیا ہے کہ اس ملک میں اب تک مقلدین کو یہ اصرار ہے کہ وہ حدیث پر عامل ہیں، مذکورہ کتاب میں جو مثالیں مذکور ہیں ان کی موجودگی میں ہر مدعی اتباع سنت کو اپنے

رویہ پر نظر ثانی کرنا چاہئے، قیامت کے دن جھوٹا دعوی کام نہ آئے گا، اور حدیث کے انکار کے بعد دنیا کی رسوائی کا بھی ٹھکانہ نہیں!

اسلامی بیداری کی تحریک اور عمل بالحدیث

موجودہ دور میں دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام سے قربت کا نمونہ دیکھنے میں آرہا ہے، پہلے عام طور پر مذہب بیزاری کے مظاہر نظر آتے تھے، لیکن اب تدین کو ترقی اور بہتری کی علامت قرار دیا جاتا ہے، نوجوان طبقہ خصوصیت کے ساتھ اسلام سے قریب ہو رہا ہے، اور کتاب وسنت پر عمل کا جذبہ اس کے دلوں میں ترقی کر رہا ہے، اس کے سامنے مختلف مسلک وجماعت کے اصول ہیں، انہیں دیکھ کر وہ کتاب وسنت سے ان اصولوں کی نسبت معلوم کرنا چاہتا ہے، یہ جذبہ فطری ہے، اور علمی ترقی کا یہی تقاضا بھی ہے، علم سے جو روشن خیالی پیدا ہوتی ہے اس کا ہر پہلو مذموم نہیں، جب تک علم صحیح جستجو اور صحیح طلب پر آمادہ کرتا ہے وہ خیر کا باعث ہے، نوجوانوں کو تعلیم کے سبب اور شرعی علوم کی اشاعت کے سبب یہ معلوم ہے کہ اسلام میں احکام کا اصل سر چشمہ کتاب وسنت ہے، اور ان کی پیروی کے بغیر آخرت کی نجات ممکن نہیں۔ معاشرہ میں ان کے سامنے سنت پر عمل کا نمونہ بھی ہے، اس لئے ان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سنت کی پیروی اور حدیث کے احکام پر عمل مسلمان کے لئے کس حد تک ضروری ہے؟

اس فطری سوال کا جواب دیتے ہوئے ایمان واخلاص سے کام نہیں لیا جاتا، بلکہ مسلکی عصبیت کی بنا پر سنت کے مقام کو سمجھنے سے نوجوانوں کو دور رکھا جاتا ہے، اور ان کے دل میں حدیث پر عمل کرنے والوں کے خلاف نفرت پیدا کی جاتی ہے۔

زوابع فی وجہ السنۃ کے مصنف شیخ صلاح الدین خود اپنا تجربہ لکھتے ہیں: ثقہ نوجوانوں میں سے ایک نے ان سے بتایا کہ ان کا ایک رشتہ دار عام سطح کا آدمی تھا، اسے کچھ مخصوص لوگوں کی معیت میں رہنے کا موقع ملا، تھوڑے دنوں بعد ان سے ملنے آیا تو گفتگو کے دوران کہنے لگا کہ: آپ لوگ اخبار آحاد پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ ان کی حیثیت یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے! اسے دین کی معلومات بہت کم تھی، پھر بھی اس نوعیت کے سوال کا مطلب واضح ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ تیرہ سال کے ایک طالب علم نے خود مجھ سے پوچھا کہ اخبار آحاد پر عمل کا حکم کیا ہے؟ فلاں شخص مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ان پر عمل جائز نہیں۔

اس طرح کے نوخیز طلبہ کو توحید، اس کے منافی عقائد، طریقۂ وضو اور کیفیت نماز سکھانے کی ضرورت ہے، لیکن ان کے دلوں میں سنت کے خلاف شبہات کی پرورش کی جارہی ہے! اس طرح کی تلقین کرنے والے داعیوں اور عالموں کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ سنت کی پابندی کا جو جذبہ نئی نسل میں پیدا ہو رہا ہے اسے روکا جائے، اور تدین پر آمادہ لوگوں کے دلوں میں سنت کے خلاف شبہات پیدا کئے جائیں۔ (زوابع فی وجہ السنۃ ص ۲۰۲-۲۰۳)

نتائج

اسلام پر یا اسلام کے کسی جزئی یا کلی حکم پر کسی طرح کا اعتراض غیرت ایمانی کے لئے چیلنج ہے، جو لوگ اسلام کی حقانیت پر پختہ اور مخلصانہ یقین رکھتے ہیں ان کے لئے یہ تسلیم کرنا کہ اللہ تعالی کے نازل کردہ، مقبول اور پسندیدہ دین میں انسانی

ذہن وفکر کے لئے حرف گیری کی گنجائش ہے، ایک مشکل امر ہے، اسی لئے جب اسلام پر کسی اعتراض کی بات آتی ہے تو ''آزادی فکر'' ''موضوعیت'' اور ''غیر جانبداری'' کی اہمیت سمجھنے کے باوجود مسلمان اسے برداشت نہیں کرپاتے، یہ غیرت اور یہ رویہ یقیناً قابل ستائش ہے، لیکن ممکن ہے ہماری تبلیغ و تفہیم میں ایسی کوئی کمی ہو کہ کچھ لوگ اسلام کے تمام اصولوں سے مطمئن نہ ہوسکے ہوں، بے اطمینانی کی ایک وجہ نیت کا فتور بھی ہوسکتا ہے، لیکن فی الحال ہم اسے نظر انداز کر کے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو پوری کشادہ دلی کے ساتھ لوگوں کے اعتراضات کو سننا اور ان کی الجھن کو دور کرنا چاہئے، باطل کو ہمیشہ جہل سے فروغ ملتا ہے، اسلام کے اصول جب لوگوں کے سامنے علم کی ترقی کے نتیجہ میں واضح ہوجائیں گے، اور ان کی اہمیت و حکمت کا ادراک ہوجائے گا تو حق کے متلاشی ان اصولوں پر ایمان لائیں گے، اور بغض وعناد کے مارے ہوئے لوگ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

سنت نبوی پر آج جو ظاہری اور خفیہ حملے ہو رہے ہیں، ان کو بھی اسی پس منظر میں دیکھنا اور سمجھنا چاہئے، جو ذہن سنت نبوی جیسی نعمت عظمی کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے ہوں وہ اس پر اعتراض کرسکتے ہیں، لیکن اس اعتراض کا مآل یہی ہوگا کہ وہ سنت کی عظمت وضرورت کے قائل ہوجائیں گے، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے صحیح طور پر اس یقین کا اظہار فرمایا ہے کہ: ''ان هذه المعارك المتصلة بين الاسلام وخصومه، ستنتهى معركة اليوم منها كما انتهت معارك الأمس، الى هزيمتهم وكشف مقاصدهم الخبيئة الخبيثة،وبقاء الاسلام كالطود الشامخ ترتد على سفوحه الرمال والأعاصير، لأن المعركة بين الاسلام وخصومه، معركة بين الحق والهوى، وبين العلم والجهل، وبين السماحة والحقد، وبين النور والظلمة، ومن سنة الله فى الحياة ان ينتصر فى هذه المعارك الحق والعلم والسماحة والنور دائما وأبدا : ''بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق. (السنة ومكانتها فى التشريع الاسلامى ص ١٢)

یعنی اسلام اور اسکے مخالفین کے مابین قائم آج کا معرکہ بھی کل کے معرکہ کی طرح ختم ہوجائے گا، مخالفین کو شکست ہوگی، ان کے خفیہ وناپاک مقاصد کھل کر سامنے آجائیں گے، اسلام اونچی اور مضبوط چٹان کی طرح باقی رہے گا، جس سے ٹکرا کر گرد و غبار اور صحراء کی تیز ہوائیں لوٹ جائیں گی، کیونکہ اسلام اور اس کے مخالفین کا باہمی معرکہ حق وباطل، علم وجہالت، رواداری وکینہ توزی اور نور وظلمت کا باہمی معرکہ ہے اور دنیا میں اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ مذکورہ معرکوں میں ہمیشہ حق، علم، رواداری اور نور کو فتح وکامیابی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پس سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہوجاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

برّ صغیر میں فتنۂ انکارِ حدیث
ایک جائزہ

انکارِ حدیث کا فتنہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری ر آٹھویں صدی عیسوی میں خوارج اور معتزلہ نے برپا کیا۔ خوارج جن انتہا پسندانہ نظریات کے حامل تھے، سنت کو تسلیم کرنے کی صورت میں ان کی بلند و بالا عمارت زمیں بوس ہو جاتی۔ وہ صحابہ کرام کی اکثریت کو کافر قرار دیتے اور ان کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ اس لیے بھی ان کے واسطے سے احادیث اخذ کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حدیث و سنت کو واجب الاتباع تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمارے لیے صرف قرآن کافی ہے۔ معتزلہ کو انکارِ حدیث کی ضرورت اس لیے پڑی کیونکہ ان کا سابقہ جب یونانی فلسفہ سے پڑا تو انہوں نے انتہائی مرعوبیت کا مظاہرہ کیا اور اس کا تنقیدی جائزہ لے کر اس کے غیر اسلامی اجزاء کی نشان دہی کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ انہوں نے فلسفہ کے نام سے آنے والی ہر چیز کو عقل کا تقاضا سمجھا اور کوشش کی کہ اسلامی عقائد اور اصول واحکام میں سے جو چیزیں بظاہر اس سے ٹکراتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ان کی ایسی تاویل کر لی جائے کہ وہ ان نام نہاد عقلی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ حدیث کی موجودگی میں ان کا یہ ہدف پورا نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی اسے ناقابلِ اعتبار اور ناقابل حجت قرار دیا۔

اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے محدثینِ کرام اور علمائے امت نے زبردست خدمات انجام دیں۔ انہوں نے احادیث کے جمع و تدوین اور تہذیب و تنقیح کا فریضہ انجام دے کر واضح کر دیا کہ یہ انتہائی قیمتی سرمایہ ہے جو نہایت معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔ رسول کی حیثیت شارحِ قرآن کے ساتھ شارعِ قانون کی بھی ہے۔ قرآن کی رو سے اس کی اطاعت فرض ہے اس لیے اس کے ارشادات پر عمل ناگزیر ہے۔ احادیث کو الگ کر کے دین پر عمل ممکن ہے نہ قرآن کا صحیح فہم حاصل ہو سکتا ہے۔

ان زبردست کوششوں کے نتیجے میں انکارِ حدیث کا یہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا اور صدیوں تک اس کا کہیں نام و نشان باقی نہ رہا یہاں تک کہ تیرہویں صدی ہجری ر انیسویں صدی عیسوی میں یہ دوبارہ جی اٹھا۔ اس کا یہ جنم ہندوستان میں ہوا۔ اور ایسے ہی حالات کے نتیجے میں ہوا جیسے دوسری صدی ہجری ر آٹھویں صدی عیسوی میں اس کے پہلے جنم کے موقع پر تھے۔

برّصغیر میں انکار حدیث کا پس منظر

انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مغربی اقوام مسلمانوں کو اقتدار سے بے دخل کر کے اپنا تسلط جما چکی تھیں۔ مسلمانوں کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ان کی معاشیات کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ ان کا تعلیمی نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ ان کی تہذیبی قدریں پامال ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف فاتح قوم نے اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنی تعلیم اور اپنے قوانین کو پوری طرح مسلط کر دیا تھا۔ ان حالات میں جب فاتح قوم کے فلسفے اور سائنس اور ان کے قوانین اور تہذیبی اصولوں سے سابقہ پیش آیا تو بعض روشن خیال مسلمانوں نے انتہائی ذہنی مرعوبیت کے ساتھ یہ سمجھ لیا کہ وہ سراسر سائنٹفک اور عقلی ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے ان کا جائزہ لینا اور تنقید کرنا تاریک خیالی ہے۔ زمانہ کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہ ہے کہ انہیں من و عن قبول کر کے اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیا جائے۔

اس کام میں ان روشن خیال مسلمانوں کو بھی وہی مشکل پیش آئی جس سے آٹھویں صدی عیسوی میں معتزلہ کو سابقہ پیش آیا تھا۔ احادیثِ رسول ان کے اس ارادہ کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔ اس لیے کہ احادیث ہی نے اسلامی نظام حیات کی جزئیات کو عملی صورت میں قائم کیا ہے اور قرآنی ہدایات کی تبیین و تشریح کر کے مسلمانوں کے تہذیبی تصورات اور قدروں کی تشکیل کی ہے۔ اس لیے انہیں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ حدیث و سنت سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔ اس کے بعد صرف قرآن کے الفاظ رہ جائیں گے جن کی من مانی تاویل کر کے انہیں حسبِ منشا معنی پہنا دینا کچھ مشکل نہ ہو گا۔

چند مشہور منکرینِ حدیث

احادیثِ رسول کو پسِ پشت ڈال کر قرآنی آیات کی من مانی تاویل کرنے کی ابتداء برصغیر میں غالباً سرسید احمد خاں اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے کی۔ اللہ تعالیٰ سرسید کو غریقِ رحمت کرے۔ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ان کا خلوص بجا، انہوں نے جس طرح عشقِ رسول میں ڈوب کر اپنی مشہور کتاب "خطبات احمدیہ" تصنیف کی ہے وہ ہم سب کے لیے قابل صد رشک ہے۔ لیکن احادیثِ رسول کو نظر انداز کر کے قرآن کی من مانی تاویل و تفسیر ان کی علمی شخصیت کا وہ پہلو ہے جسے ہدفِ تنقید بنائے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

منکرین حدیث میں ایک قابلِ ذکر نام مولوی عبداللہ چکڑالوی کا ہے۔ احادیث کو سراسر ناقابلِ اعتبار اور از قبیل "ہزلیات" قرار دینے کے بعد موصوف نے جس مضحکہ خیز طریقہ پر قرآن کی تفسیر و تاویل کی کوشش کی ہے اس کے چند نمونے ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ اس سے واضح ہو گا کہ آدمی احادیث کو ترک کر کے ضلالت کی کیسی کیسی وادیوں میں بھٹکتا اور کیسی کیسی حماقتیں کرتا ہے؟

اسی طائفہ سے مولوی احمد الدین امرتسری بھی تعلق رکھتے ہیں۔ موصوف نے اپنے افکار و خیالات کی اشاعت کے لیے "البیان" نامی ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا۔ اور "امت مسلمہ" کے نام سے اپنے ہم فکر اصحاب کا ایک حلقہ تشکیل دیا۔ انہوں نے احادیث کو ناقابل اعتبار بتایا۔ رسول کی ذاتِ گرامی کے واجب الاتباع ہونے کی مخالفت کی۔ اور اسے عام انسانوں کے مثل ایک انسان قرار دیا جس کی آراء چودہ سو سال پرانی ہو چکی ہیں اس لیے جدید زمانے کی ترقیوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

اس کے بعد انکارِ حدیث کا علم مولانا اسلم جیراج پوری نے بلند کیا۔ انہوں نے اگرچہ اسلامی علوم کے بعض میدانوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور اہم کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لیکن حدیث کے معاملے میں ان کا نقطۂ نظر صحیح نہ تھا۔ انہوں نے احادیث کو ایک ایسا تاریخی سرمایہ قرار دیا ہے جو ہر طرح کی غث وسمین روایات پر مشتمل ہے لہٰذا دین کے معاملے میں اس پر کسی طرح اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ماضی قریب میں فتنۂ انکارِ حدیث کے سرخیل چودھری غلام احمد پرویز رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے چند ہم فکر اصحاب کے ساتھ مل کر ایک جمعیت قائم کی جو ''بزم اہل قرآن'' کے نام سے مشہور ہوئی اور ''طلوع اسلام'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا جو منکرینِ حدیث کا ترجمان بنا۔ انہوں نے قرآنی الفاظ کو خود ساختہ معانی کا جامہ پہنا کر ایک نیا اسلام تصنیف کرنے کی کوشش کی جس میں عقائد، عبادات، اور شرائع کا کم سے کم بار ہو اور جو ایسا لبرل ہو کہ دنیا کے تمام مذاہب اس میں سما سکیں۔

مذکورہ اشخاص کے علاوہ بھی بہت سے ''دانش ور'' ہیں جنہوں نے برصغیر میں گزشتہ ڈیڑھ صدی میں انکارِ حدیث کا فتنہ بھڑکانے میں اپنا اپنا کردار سرانجام دیا ہے۔ ان کا تذکرہ طول کا باعث ہوگا۔ آئندہ سطور میں ان منکرینِ حدیث کے افکار کا مطالعہ پیش کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

انکارِ حدیث کے مختلف انداز

اب اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ منکرین حدیث نے اس فتنہ کو فروغ دینے کے لیے کیا کیا تدابیر اختیار کی ہیں؟ اور حدیث وسنت پر کس کس پہلو سے حملہ کیا ہے؟

۱۔ انہوں نے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی کہ احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔ اس لیے کہ آں حضرت ﷺ سے ان کا استناد ثابت نہیں۔

مثال کے طور پر مولوی چراغ علی فرماتے ہیں:

''اور یہ تو صرف اہل شوق نے دور دور ملکوں میں پھر کے زبانی اور تحریری روایتوں کو کئی واسطوں سے جمع کیا۔ اور جمع کرنے کے بعد پھر اس کی تنقید اور صحیح وضعیف کی تمیز کے قاعدے اٹکل پچو بنائے۔ مگر ان میں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان احادیث کا درجہ ظن اور گمان سے صحت قطعی تک نہیں پہنچتا۔''[۱]

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے لکھا ہے:

''حضرت علی اور حضرت عائشہ کی جنگ میں دونوں طرف صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ ظاہر ہے کہ دونوں راستی پر نہیں ہوسکتے تھے۔ ان حالات میں بالکل ممکن ہے کہ کسی صحابی نے عمداً کسی حدیث کے الفاظ بدل دیے ہوں۔''[۲]

۲۔ انہوں نے احادیث کے ذخیروں سے بعض احادیث نکال کر، ان کا غلط ترجمہ کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ احادیث بڑی مضحکہ خیز اور شرم ناک باتوں پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا اسلام کو رسوائی سے بچانا ہے تو اس ذخیرہ کو دریا برد کردینا چاہیے۔ یا بعض احادیث کا من چاہا مفہوم بتاکر قرآن یا دیگر احادیث سے ان کا تعارض دکھا کر انہیں ناقابل قبول قرار دیا۔

مثلاً ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایک جگہ لکھتے ہیں :

"فقہا کے یہاں دورانِ نماز میں نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے۔ لیکن حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ : کنت انام بین یدی رسول اللہ ﷺ ورجلای فی قبلته، فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتھا، والبیوت لیس فیھا مصابیح (بخاری ج ۱ ص ۵۵) کہ میں نماز میں حضور کے سامنے پاؤں ان کی طرف پھیلا کر لیٹ جاتی تھی۔ جب وہ سجدہ کرنے لگتے تو مجھے آنکھ سے اشارہ کر دیتے چنانچہ میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب وہ اٹھتے تو پھر پھیلا دیتی اور گھر میں چراغ موجود نہیں تھا۔ (یعنی بالکل اندھیرا تھا)

یہ اندھیرے میں رسول اللہ ﷺ کے اشارۂ ابرو کو دیکھ لینا حضرت عائشہ ہی کا کمال ہو سکتا ہے"[3]

مذکورہ بالا روایت میں لفظ 'غمز' آیا ہے۔ اس کے معنی آنکھ سے اشارہ کرنے کے بھی آتے ہیں اور دبانے، ٹٹولنے اور چھونے کے بھی۔ اول الذکر معنی میں قرآن کی یہ آیت ہے:

وَاِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ. (مطففین . ۳۰)

(جب ان کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مار مار کر ان کی طرف اشارہ کرتے تھے۔)

موخر الذکر مفہوم میں یہ لفظ درج ذیل شعر میں آیا ہے :

وکنت اذا غمزت قناۃ قوم کسرت کعوبھا اوتستقیما[4]

شاعر کہتا ہے کہ جب میں کسی قوم کے نیزے کو دباتا اور موڑتا ہوں تو یا تو اس کی کجی درست ہو جاتی ہے اور وہ سیدھا ہو جاتا ہے یا میرے دبانے سے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ شاعر نے اپنی بات بطور تمثیل کہی ہے۔ وہ بتانا چاہتا ہے کہ اگر کوئی میرے ساتھ سختی کا معاملہ کرتا ہے تو میں اس کا منہ توڑ جواب دیتا ہوں جس سے اس کی قوت پارہ پارہ ہو جاتی ہے یا اس کا دماغ درست ہو جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں بھی غمز موخر الذکر معنی میں آیا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ حجرۂ عائشہؓ بہت چھوٹا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ رات میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ لیٹی ہوئی ہوتی تھیں۔ آپ جب سجدہ کرنے لگتے تو ان کے پیر کو ہاتھ لگاتے تھے اور وہ انہیں سمیٹ لیتی تھیں۔ (اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ جان نہ پاتی تھیں کہ آپؐ کب سجدہ کر رہے ہیں؟) ڈاکٹر برق نے روایت کا غلط ترجمہ کر کے اس کا استہزا کر دیا۔

وہ ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

"فقہ کا مسئلہ تو یہی ہے کہ حائضہ روزے رکھے اور نماز نہ پڑھے۔ ان الحائض تقضی الصیام ولا تقضی الصلوٰۃ حائضہ روزے رکھے اور نماز ادا نہ کرے (بخاری ج ۱ ص، : ۲۲۹) لیکن حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور کی ایک زوجہ حضور کے ہمراہ معتکف ہو گئیں، اس دوران انہیں حیض شروع ہو گیا اور حالت یہ ہو گئی کہ جب وہ نماز پڑھتی تھیں تو ہم ان کے نیچے برتن رکھ دیتے تھے۔ (تاکہ خون مسجد میں نہ گرنے پائے) بخاری ج ۱، ص ۲۷۳"[5]

حدیث میں تو فرمایا گیا ہے کہ حائضہ عورت فرض روزوں کی قضا کرے گی، نمازوں کی قضا نہیں کرے گی ان الحائض

تقضی الصیام ولا تقضی الصلوٰۃ۔ مگر ڈاکٹر برق اس کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث کے بموجب حائضہ روزہ رکھے گی، نماز نہیں ادا کرے گی۔ پھر اس کا تعارض ایک دوسری حدیث سے دکھانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں ان کے بموجب حضور کی ایک زوجہ حالتِ حیض میں نماز پڑھتی تھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **ان النبی ﷺ اعتکف معه بعض نسائه وهی مستحاضة**۔ مستحاضہ کا غلط ترجمہ کر کے اسے انہوں نے حائضہ کے معنی میں لے لیا۔

صحیح بخاری کی ابتداء میں ایک مشہور روایت ہے جس میں ام المومنین حضرت عائشہؓ نے آں حضرت ﷺ پر نزول وحی کے آغاز کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کے مطابق اس موقع پر سورۂ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں سید مقبول احمد نے اپنی کتاب "مطالعۂ حدیث" میں اس روایت کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"حدیث اچھی ہے اور ماننے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ مگر قرآن میں سورۂ اقرأ نکال کر پڑھو۔ خصوصاً ان آیتوں پر غور کرو **أریت الذی ینهی عبدا اذا صلی** الآیة کیا یہ آیتیں خود ثابت نہیں کر رہی ہیں کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں میں نماز قائم ہو چکی تھی۔ اسلام کی تبلیغ ہو رہی تھی۔ کفار اس کی مخالفت کر رہے تھے اور ہم کو یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ نے نبوت کا کام شروع نہ کیا تھا۔ نہ کفار میں اسلام پیش کیا تھا"[6]

حقیقت یہ ہے کہ روایتِ بالا میں نزولِ وحی کے آغاز میں سورۂ اقرأ کی صرف پانچ ابتدائی آیات نازل ہونے کی صراحت ہے۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس سورہ کی بقیہ آیات بعد میں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب آپؐ نے حرم میں نماز ادا کرنی شروع کر دی تھی اس لیے حدیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔

۳۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن مکمل ہے۔ اس لیے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اگر قرآن کے علاوہ احادیث کی بھی ضرورت رہتی اور وہ مقصود ہوتیں تو قرآن ہی کی طرح حضور ان کی حفاظت کا بھی انتظام فرماتے۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے لکھا ہے:

"قرآن مجید میں دین اسلام کی ہر ایک چیز من کل الوجوہ مفصل و مشرّح بیان ہو گئی ہے۔ تو اب وحی خفی یا حدیث کی کیا حاجت رہی؟ بلکہ اس کا ماننا اور دین اسلام میں اس پر عمل درآمد کرنا سراسر کفر، شرک، ظلم، فسق ہے۔"[7]

مولوی احمد الدین امرتسری لکھتے ہیں:

"اگر حدیثیں قرآن مجید کی طرح ہمیشہ کے لیے مقصود اور ضروری التبلیغ ہوتیں تو ضرور قرآن مجید کی طرح ہی پہنچائی جاتیں۔"[8]

۴۔ انہوں نے رسول کو عام انسانوں کے مثل ایک انسان کی حیثیت سے پیش کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے محض یہ ذمہ داری تفویض کی تھی کہ وہ دوسرے انسانوں تک اللہ کا کلام قرآن کریم پہنچا دے۔ ورنہ اس کا فہم دوسرے انسانوں سے بڑھ کر نہیں ہے۔ انسانی معلومات میں ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ بعد کی صدیوں کے لوگوں کی معلومات میں اتنا اضافہ ہو گیا ہو کہ وہ رسول کی پیش کردہ معلومات میں اضافہ یا اس کی غلطیوں کی اصلاح کر سکیں۔

مولوی احمد الدین امرتسری نے لکھا ہے:

"قرآن مجید نے انسانوں کے تمام طبقوں اور تمام زمانوں کا لحاظ رکھا ہوا ہے۔ پس ضرور ہے کہ ایسے وسیع قرآن کا تمام وکمال فہم رسولِ خدا کے بشری فہم میں نہ سمایا ہو۔ اس میں بشر رسول کی تو کوئی ہتک نہیں ہاں وحی الٰہی کی وسعت وعظمت بڑھ جاتی ہے...... حاصل یہ ہے کہ اگر رسول خدا کی فطرت انسانی اور عقل بشری تھی تو جو بشریت کے لوازمات ہیں حضور کو بشر ہونے کی حالت میں ان لوازم سے ہرگز ہرگز الگ نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس بات کا ماننا لازم ہے کہ حضور کا فہم بالضرور غلطیاں بھی کرتا۔ اور جن غلطیوں کی بذریعۂ وحی اصلاح کر دینے کا ذمہ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے نہیں لیا ہوا تھا بلکہ ان کی اصلاح کو انسانی عقل کی ترقی پر ہی چھوڑا گیا......[۹]

آگے مزید فرماتے ہیں:

"حاصل یہ ہے کہ رسولوں کا کوئی زائد فہم ایسا نہیں ہو سکتا جو وحی تو ہو مگر امت کو نہ دیا گیا ہو۔ اس سے صاف کھل جاتا ہے کہ وحی والا فہم جو رسولوں کو ملا تھا وہی ہم کو بھی ملا ہے۔ باقی فہم صرف عقل ہی رہ جاتا ہے۔ اس میں معقولیت کے لحاظ سے عقل مندوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ یہ عقلی فہم آئندہ لوگوں کی عقلی کوششوں کے ساتھ مل کر ترقی کر سکتا ہے۔ ترقی کرنے والی عقل کو ہمیشہ کے لیے جامد تقلید سکھلانا کسی عقل مند کا کام کبھی نہیں ہو سکتا...... کسی کی ہمیشہ کے لیے اصولی رنگ میں تقلید کرنا اس کو خدا بنانا ہے۔ لا الہ الا اللہ۔ جو اہل حدیث بشر رسول کی بشری عقل کی تقلید کو ہمیشہ کے لے ضروری قرار دیتے ہیں مجھے آج تک پتہ نہیں لگا کہ وہ کس منہ سے اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ اہل حدیث صاحبان ایسی تقلید کر کے تمام مجتہدوں اور داناؤں کی عقلوں کے فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں۔"[۱۰]

۵۔ انہوں نے رسول کی توہین کی ویسی ہی کوشش کی جیسی یہود ونصاریٰ اپنے رسولوں کے ساتھ کر چکے تھے اور بائبل میں ان کی جانب انتہائی شرمناک اعمال منسوب کر چکے تھے۔ تاکہ اپنے گناہوں کے لیے وجہِ جواز فراہم کر سکیں۔ مثلاً سید مقبول احمد نے اپنی کتاب مظاہرۂ قرآن ص ۳۲۴۔۳۲۵ میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ سے آں حضرت ﷺ کے نکاح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انتہائی دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی سے کام لیا ہے۔ (قلم موصوف کی بدزبانی کو نقل کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا ہے)۔

منکرینِ حدیث کے وضع کردہ اسلامی نظام کے خدّوخال

ذخیرۂ احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے بعد منکرینِ حدیث آزاد تھے کہ جس طرح چاہیں قرآنی آیات کی تاویل وتفسیر کریں اور انہیں من مانے معانی کا جامہ پہنا کر اسلام کا ایک ایسا لبرل تصور پیش کریں جو ہر ایک کے لیے قابلِ قبول ہو۔ جس کے عقائد تمام مذاہب کے ماننے والوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہوں۔ جس کا نظام عبادات اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ ان کی ادائیگی میں کسی کو بار نہ ہو اور جس کی تعلیمات پر جدید سائنس مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہو۔ اسلام کا ایسا ڈھانچہ تشکیل دینے میں انہیں اتنی کھینچ تان کرنی پڑی ہے اور قرآنی آیات کی ایسی دور از کار تاویلوں پر وہ مجبور ہوئے ہیں کہ انہیں پڑھ کر معمولی عربی جاننے والا بھی اپنی ہنسی نہیں روک سکتا۔ سطورِ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(ا) کیا اسلام کسی زبانی اقرار کا نام ہے؟ کیا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے کسی کلمہ کو زبان سے ادا کرنا اور دل سے اس کی

تصدیق کرنا ضروری ہے؟ منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ ایسا کچھ ضروری نہیں۔ اسلام نیکی کا نام ہے۔ جو بھی نیکی کر رہا ہو وہ مسلمان ہے خواہ وہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں :

"اسلام کسی زبانی اقرار کا نام نہیں ہے بلکہ نیکی کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے۔ رسول اور قرآن کا صحیح پیرو وہی ہے جو نیک ہو، نہ وہ جو کلمہ پڑھ کر سارے جہاں کی بدمعاشیاں کرتا پھرے۔ آپ کے یہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔ اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان احکام پر عمل کر رہا ہو۔ خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا، نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو عملاً کافر۔" [۱۱]

بعض لوگوں نے قرآنی آیات کو غلط معانی کا جامہ پہناتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر کسی شخص کا عقیدۂ توحید درست ہے اور اس کے اعمال نیک ہیں تو وہ حقیقۃً اہل اسلام ہی کے طبقہ میں داخل ہے خواہ ظاہری طور پر اس نے اس صف میں شمولیت نہ اختیار کی ہو۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے لکھا ہے :

"موحد افراد دیگر ادیان میں بھی پائے جاتے ہیں جن کا عقیدۂ توحید بھی درست ہے اور ان کے اعمال بھی صالح ہیں۔ بعض ایسے لوگ اپنی سوسائٹی کی روایات کی وجہ سے اس مخصوص جماعت میں داخل نہ ہو سکے جو رسول کریم نے تیار کی تھی۔ اسلام کی فراخ دلی یہ ہے کہ ایسے افراد کے متعلق اس نے نہایت درجہ رواداری برتی ہے۔ ان کے ایمان اور ان کے اخلاق کی تعریف کی ہے۔ ان کو اسلام نے اسی طبقہ میں داخل کیا ہے جس نے خدا کی طرف اپنا رخ کر کے زندگی بسر کی اور وہ محسن تھے" [۱۲]

(۲) عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب بھی ایمانیات کا جزء ہیں۔ منکرینِ حدیث نے ان عقائد و ایمانیات کی ایسی تشریح کی ہے کہ اسلام کی انفرادیت بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ ان کے مطابق دنیا کے ہر مذہب کا ماننے والا ان کا قائل ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر غلام جیلانی ایمان بالرسالۃ کی یوں تشریح کرتے ہیں :

"مسلمانوں کے بغیر (علاوہ) باقی تمام اقوام انبیاء پر جزوی ایمان رکھتی ہیں۔ کوئی دو انبیاء کو مانتی ہیں۔ کوئی دس کو، کوئی دس ہزار کو اور مسلمان سب کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء کے متعلق صرف جزوی ایمان کو کافی سمجھتا ہے" [۱۳]

آگے چل کر وہ تمسخر کے انداز میں فرماتے ہیں:

"ممکن ہے ملا میری اس تحریر پر بھڑک اٹھے اور کہے کہ لو جی یہ زندیق و ملحد نجات کے لیے ایمان بر محمد (علیہ السلام) کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اجی حضرۃ۔ مجھ پر مت برسیے۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ رہا قرآن سنا رہا ہوں" [۱۴]

معلوم نہیں یہ حضرت کون سا قرآن سنا رہے ہیں۔ ورنہ قرآن تو صاف صاف کہتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ. وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً اُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا (النساء : ۱۵۰ . ۱۵۱)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے۔ اور کفر و ایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ سب پکے کافر ہیں۔)

یہ منکرین حدیث ختم نبوت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے جس طرح حضرت محمد ﷺ سے پہلے اللہ کے رسول آئے ہیں اسی طرح ان کے بعد آتے رہیں گے۔ انہیں "نبی" تو نہیں کہا جائے گا لیکن ان پر اور ان کی تعلیمات پر ایمان لانا واجب ہے۔ سید مقبول احمد لکھتے ہیں:

"انہیں (یعنی آں حضرت ﷺ) کی زبانی ہم کو معلوم ہوا کہ انسان پر مرنے کے بعد جزا و سزا ہے اور وہ خدا کا مسئول ہے اور اس کی ہدایت کے لیے تمام دنیا میں انہیں کی طرح رسول آئے ہیں اور آتے رہیں گے۔ جب تک کہ دنیا میں جہل وضلالت کا دور دورہ ہے۔"[۱۵]

خواجہ عباد اللہ اختر نے لکھا ہے:

"نبوت اور نبی اصطلاح اہل کتاب کی ہے اور ...... یہ ایام جاہلیت کے ہی مناسب تھی البتہ اس کو ختم کرنے والا ایک نبی ہونا چاہئے تھا...... نبوت ایک منصب تھا۔ دینی حکومت تھی۔ اس کا خاتمہ آں حضرت نے کر دیا...... اس لیے یہ حقیقت بھی اچھی طرح ذہن نشیں کرنی چاہئے کہ آنحضرت کے بعد اہل علم و حکمت ہی ہوں گے جو آیاتِ قرآنیہ کی تصدیق اسی طرح کریں گے جس طرح قرآن کتب سابقہ کی، آیات محکمات سے فرماتا ہے۔ اس لیے ان پر ایام جاہلیت کا نام "نبی" تو اطلاق نہیں کرے گا لیکن جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں القاء یا الہام یا وحی کی ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور جو نہیں لائے گا وہ یقیناً خسارہ میں رہے گا۔"[۱۶]

منکرین حدیث کے نزدیک عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ نہیں کہ یہ کائنات ایک دن فنا ہو جائے گی اور تمام انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور انہیں اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ بلکہ آخرت کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ یہاں کا ہر اگلا دن گذشتہ دن کا "یوم آخر" ہے۔ خواجہ عباد اللہ اختر لکھتے ہیں:

> "عام عقیدہ کہ قیامت ایسا وقت ہے جب کہ کل کائنات فنا ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور صفتِ کاملہ کے نامناسب ہے۔ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ انسان مسلسل ترقی کرتا ہوا آرہا ہے اور یہ کہ اس کا آخر اول سے بہتر ہے والآخرة خير لك من الاولى...... اس لیے یہ کائنات کچھ بچوں کا کھیل تو نہیں کہ کھلونا دل بہلانے کے لیے بنایا اور توڑ پھوڑ کر رکھ دیا"[۱۷]

غلام جیلانی برق فرماتے ہیں:

> "الیوم الآخر یعنی آنے والا دن۔ آج کے لیے کل اور کل کے لیے پرسوں الیوم الآخر ہے ...... عیاش و بدکردار اقوام کو یہیں تباہ کر دیا جاتا ہے اور بلند اعمال اقوام کو اسی دنیا میں سلطنت کی جزا مل جاتی ہے۔ یہاں کا ہر دن تمہارے

گزشتہ اعمال کے لیے "یوم الحساب" اور "یوم الدین" ہے "[۱۸]

ایمان بالکتاب کا مطلب ان لوگوں کے نزدیک یہ نہیں کہ قرآن پر اللہ کا کلام ہونے کی حیثیت سے ایمان لایا جائے۔ بلکہ الکتاب در حقیقت صحیفہ کائنات ہے اور اس پر تو ہر شخص ایمان رکھتا ہے۔ خواجہ عباداللہ اختر فرماتے ہیں:

"قرآن...... الکتاب کی تفصیل ہے خود الکتاب نہیں...... الکتاب کتابِ کائنات یا صحیفۂ فطرت ہے۔ یہی سر چشمۂ "وحی" بھی ہے۔ اتل ما اوحی الیك من الکتاب۔ جو کچھ تجھے الکتاب سے وحی ہوتا ہے تلاوت کر "[۱۹]

آگے فرماتے ہیں:

"قرآن حکیم الکتاب کی کلید ہے اور یہی کلید سلفِ صالحین کے ہاتھ میں تھی اور وہ دنیا پر چھا گئے۔ جب مسلمانوں پر ذہنی جمود چھا گیا تو اس طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی اور تنزل میں آ رہے۔ آج جو قومیں الکتاب کے مطالعہ میں منہمک ہیں وہی اہلِ فکر کائنات کو مسخر کر رہے ہیں "[۲۰]

اپنی ایک دوسری کتاب "خلافتِ اسلامیہ" میں یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:

"تمام کتب مقدسہ سابقہ اور قرآن میں ریب کی گنجائش ہے...... لیکن کتابِ کائنات کا کوئی دہریہ بھی منکر نہیں "[۲۱]

(۳) عبادات کے معاملے میں بھی منکرینِ حدیث نے اسی طرح گل کھلائے ہیں۔ پہلے انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کوئی مخصوص شکل نہیں متعین کی ہے۔ کوئی شخص جس طرح چاہے عبادت کر لے۔ مثلاً ڈاکٹر غلام جیلانی لکھتے ہیں:

"اللہ نے قرآن میں عبادت کی کوئی خاص صورت معین نہیں کی ہے۔ کہیں فرمایا کہ ہمارا ذکر کرو۔ کہیں صلوٰۃ کی تاکید کی، اور کہیں قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم (اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے) تقدیس کا حکم دیا۔ قرآن نے عبادت کی ان تمام صورتوں کو منظور کیا ہے...... ذکر و عبادت کے یہ مختلف طریقے ازل سے دنیا میں موجود ہیں جن سے کبھی کسی نبی نے تعرض نہیں کیا۔ جس طرح ورزش، تعلیم اور تحریر کے مختلف طریقے قابلِ اعتراض نہیں، بلکہ مستحق ستائش ہیں اسی طرح عبادت کے مختلف طریقے بھی مستحسن و قابلِ تکریم ہیں...... قرآنی سیاست کی بلندی دیکھئے کہ اس نے خود کوئی طریقۂ عبادت معین نہیں کیا، دوسروں کی عبادت کو "سرکاری طور پر" تسلیم کر لیا "[۲۲]

پھر ان لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ روزانہ پانچ وقت کی نمازیں قرآن کی رو سے فرض ہی نہیں ہیں۔ یہ تو زنادقہ کی سازش تھی جنھوں نے مسلمانوں کو کاروباری ترقی سے محروم کرنے کے لیے انہیں پانچ اوقات کی نمازوں میں پھنسا دیا۔ پھر قرآن کی رو سے روزانہ کتنی نمازیں فرض ہیں؟ خواجہ عباداللہ اختر یہ تحقیق پیش کرتے ہیں:

"قرآن میں دو ہی نمازوں کا تذکرہ ہے۔ صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ العشاء "[۲۳]

سید مقبول احمد نے ایک اور وقت کا اضافہ کر دیا ہے۔

"قرآن سے جو اوقاتِ نماز واضح ہیں، وہ صرف فجر، عصر اور عشاء کے ہیں۔ ظہر اور مغرب کی نماز کا کہیں ذکر نہیں "[۲۴]

پھر ظہر اور مغرب کی نمازیں کہاں سے آ گئیں اس کی وہ یہ توجیہ کرتے ہیں:

"درحقیقت ظہر اور مغرب کوئی وقت نہیں بلکہ محض اوقات عصر وعشاء میں تقدیم وتاخیر سے پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی عشاء کی نماز جلدی پڑھ لی اور کبھی دیر کر کے۔ اسی طرح عصر کی نماز کبھی دن ڈھلنے کے اول وقت پڑھ لی اور کبھی دن ڈھلنے کے آخر وقت۔ دیکھنے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے دو علیحدہ اوقات میں نماز ادا کی ہے" [۲۵]

مسلمانوں میں پانچ اوقات کی نمازوں کا رواج کیسے پڑ گیا؟ اس سلسلے میں ان کی تحقیق یہ ہے:

"اوقاتِ صلوٰۃ میں قرآن سے زائد اوقات زنادقہ کی وجہ سے پیدا ہوئے...... وہ مسلمانوں کو معاشرتی وکاروباری ترقی سے محروم کرنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ اسلام کو ایک سخت اور ناقابل عمل مذہب دکھلا کر عوام کو اس سے برگشتہ کرنا چاہتے تھے" [۲٦]

آگے لکھتے ہیں:

"نماز پنج گانہ اسلام میں کیونکر پیدا ہوئی؟ میرا خیال ہے کہ اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب معراج کی حدیث وضع ہوئی یعنی ساتویں صدی ہجری" [۲۷]

طریقۂ نماز کی تفصیلات قرآن کے بجائے تمام تر احادیث میں موجود ہیں۔ منکرینِ حدیث کو احادیث کا انکار کرنے کے بعد انہیں بھی قرآن سے نکالنا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے قرآن سے کتنا کھلواڑ کیا ہے اس کی تفصیل باعث عبرت ہے۔ مثال کے طور پر مولوی عبداللہ چکڑالوی رکعاتِ نماز کی تعداد اور نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا استنباط قرآن سے یوں کرتے ہیں:

سورۂ فاطر کی پہلی آیت: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً اُوْلِي اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ، يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ نقل کرنے کے بعد اس کا تشریحی ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"(پڑھا کرا ے ہر ایک اہلِ زمین وآسمان) **الحمد** (یعنی پانچوں نمازوں میں) واسطے راضی کرنے اللہ کے کیوں کہ وہ فطرتِ پاک پیدا کرنے والا ہے۔ تم تمام آسمان والوں (فرشتوں کی) اور تم تمام روئے زمین والوں (جن وانس) کی (چونکہ تم فطرت اللہ میں تغیر وتبدل کرتے رہتے ہو۔ اس لیے نمازیں پڑھتے رہا کرو تاکہ جبر ونقصان ہوتا رہے اور اللہ وہ ہے جو کرنے والا ہے اپنے فرشتوں کو رسول تمہاری طرف جو لانے والے تمہاری صلوٰتوں یعنی رکعتوں کے ہیں، جن کا حق یہ ہے کہ وہ دو دو بار ادا کی جائیں اور تین تین بار اور چار چار بار مطابق تعلیم کتاب اللہ (یعنی جس وقت کی اللہ نے دو رکعتیں مقرر کر دی ہیں اس کی دو پڑھو۔ جس کی تین فرمائی ہیں اس کی تین ادا کرو۔ جس کی چار معین کی ہیں اس کی چار پڑھو)" [۲۸]

اسی طرح تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کان تک لے جانے اور اسے پکڑنے کا استنباط وہ سورۂ کوثر کی آیت نمبر ۲ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے کرتے ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ انہوں نے یہ کیا ہے:

"تو اپنے رب کی نماز پڑھا کر (اپنے وجود کے) اونٹ (کان) کو ذبح (ذلیل وحقیر یعنی پکڑا) کر ہر تکبیر کے ساتھ"

چونکہ ترجمہ سے واضح نہ ہو پایا تھا کہ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں اس لیے انہیں اس کی من مانی تشریح کرنی پڑی:

"نحر تو اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں اونٹ کی قربانی کا ذکر نہیں بلکہ انسان کے وجود میں جو اونٹ ہے اس کی قربانی مراد ہے۔ اور وہ وجود کا اونٹ کان ہے۔ کیونکہ جس طرح اونٹ سے بہت نفع پہنچتا ہے کان سے بھی بہت نفع

پہنچتا ہے۔ اور اس کو ذبح کرنے سے مراد اس کا ذلیل کرنا ہے اور ذلیل کرنے سے مراد اس کو پکڑنا ہے" ۲۹؎

تکبیر میں کانوں کو پکڑنے کا، قرآن سے ایک دوسرا استدلال ملاحظہ ہو: سورۃ الانعام کی ایک آیت ہے:

قُلْ أَرَاَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ (آیت نمبر ٤٦)

اس آیت کا تشریحی ترجمہ انہوں نے یہ کیا ہے:

"اے پیغمبر (جو لوگ کانوں، آنکھوں اور دل کو نماز میں حقیر وذلیل نہیں کرتے یعنی کانوں کو نہیں پکڑتے، آنکھوں کو ادھر ادھر دیکھنے سے نہیں روکتے اور دل میں خوف ربی نہیں رکھتے ان سے) کہہ دو کہ سوچ سمجھ کر بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے کان پکڑے (بڑے کردے) اور تمہاری آنکھیں (مٹادے) اور تمہارے دلوں پر بندش کردے تو سوائے خدا کے تمہارا کوئی بزرگ ہے جو تم کو یہ چیزیں لادے۔" ۳۰؎

یہ محض چند مثالیں ہیں۔ اسی طرح ان منکرین حدیث نے دیگر عبادات مثلاً زکوۃ، روزہ، حج اور دیگر شرائع واحکام کے سلسلے میں بھی رویہ اپنایا ہے۔ انہوں نے احادیثِ رسول سے بے نیاز ہو کر قرانی الفاظ سے کھلواڑ کرتے ہوئے اور انہیں حسبِ منشا معانی کا جامہ پہناتے ہوئے اسلامی نظام کا ایسا خاکہ پیش کیا ہے جو حقیقی اسلام سے کسی طرح میل نہیں کھاتا۔

علمائے اسلام نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے خود قرآن کریم سے ثابت کیا کہ رسول کی حیثیت صرف اللہ کا کلام اس کے بندوں تک بے کم وکاست پہنچادینے والے کی ہی نہیں ہے بلکہ خود اس کی ذات بھی مطاع ہے اور اس کے ارشادات وفرمودات بھی قرآن ہی کی طرح آئینی اور تشریعی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف فتنۂ وضعِ حدیث کے اسباب، محرکات اور اہداف کو طشت ازبام کرکے اس کے تار وپود بکھیر دیے اور موضوع روایات اور صحیح احادیث کو الگ الگ چھانٹ کر رکھ دیا تو دوسری طرف صحیح احادیث کی حجیت ثابت کرکے فتنۂ انکارِ حدیث کی سرکوبی کی اور منکرینِ حدیث کے بے بنیاد شبہات واعتراضات کا بھرپور رد کیا۔

ایک ضروری تنبیه

آخر میں اس امر کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات منکرینِ حدیث کی فہرست تیار کرنے میں بے جا افراط سے کام لیا جاتا ہے اور بعض ان علمائے اسلام کو بھی اسی زمرہ میں شامل کردیا جاتا ہے جو احادیث کی حجیت کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ انہوں نے اپنی تحریروں میں بعض باعتبار سند صحیح احادیث پر کلام کیا ہے اور درایت کی کسوٹی پر رکھ کر انہیں قبول کرنے میں تامل کا اظہار کیا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ان کا تجزیہ درست نہ ہو اور وہ احادیث باعتبار روایت اور باعتبار درایت دونوں پہلوؤں سے صحیح ہوں۔ ماہرین علوم الحدیث کو ان علماء کی آراء کا محاکمہ کرنے اور ان کی غلطیوں کو واضح کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن محض اس بنیاد پر انہیں منکرین ومتشککینِ حدیث کی فہرست میں شامل کرنا درست رویہ نہیں ہے۔

محدثین کرام کے نزدیک یہ اصول مسلّم ہے کہ "ممکن ہے بعض احادیث باعتبار سند صحیح ہوں لیکن باعتبار درایت صحیح نہ ہوں" اس اصول کی روشنی میں انہوں نے بعض احادیث کو قبول نہیں کیا ہے اور انہیں موضوع تک قرار دیا ہے۔ دیگر محدثین نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے اور ایسی احادیث کی مختلف توجیہیں کی ہیں، لیکن ان پر انکارِ حدیث کا الزام نہیں لگایا ہے۔

یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "لوگ ابوسفیانؓ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے گریز کرتے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی: اے اللہ کے نبی۔ میری تین گزارشات قبول کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ انہوں نے پہلی گزارش یہ کی: "میری بیٹی ام حبیبہ عرب کی حسین و جمیل عورتوں میں سے ہے۔ اس سے نکاح کر لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے...... [۳۱]

اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔ جب کہ اللہ کے رسول ﷺ اس سے قبل ہی ۶ھ یا ۷ھ میں حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے نکاح کر چکے تھے۔ پھر اس درخواست کے کیا معنی؟ محدثین نے اس حدیث کو صحیح مانتے ہوئے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں لیکن علامہ ابن حزمؒ نے اسے موضوع کہا ہے اور اسے ایک راوی عکرمہ بن عمار کی گھڑی ہوئی روایت قرار دیا ہے۔ اس کے جواب میں شیخ ابن الصلاحؒ نے عکرمہ کو ثقہ راوی بتایا ہے اور ان کی تضعیف کرنے اور ان کی طرف وضعِ حدیث کی نسبت کرنے کے سلسلے میں ابن حزم پر سخت تنقید کی ہے۔ [۳۲]
لیکن نہ انہوں نے اور نہ ان کے علاوہ کسی اور محدث نے ابن حزم کا شمار منکرین حدیث میں کیا ہے۔

اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حاصل یہ کہ کسی کو منکر و مشکّکِ حدیث قرار دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور انکار حدیث کی نسبت صرف ان لوگوں کی طرف کرنا چاہئے جنہوں نے احادیث کی حجّیت کو چیلنج کیا ہے اور انہیں من حیث الکل قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔

حواشی

۱- اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام. چراغ علی ۱/۹ (نوٹ)
۲- دو اسلام، غلام جیلانی برق ص: ۴۵
۳- دو اسلام ص ۲۳۹-۲۴۰
۴- لسان العرب، ابن منظور مادۂ غمز
۵- دو اسلام ص ۲۴۲
۶- مطالعۂ حدیث، سید مقبول احمد، ص ۲۵
۷- کتاب مناظرہ، عبداللہ چکڑالوی ص: ۱۹
۸- برہان القرآن، احمد الدین امرتسری ص: ۷
۹- حوالہ سابق ص: ۱۴۹
۱۰- حوالہ سابق ص : ۱۵۱

۱۱- دو اسلام ص: ۱۹۳

۱۲- اسلام کی بنیادی حقیقتیں (مجموعہ مقالات) مقالہ: اساس اسلام از خلیفہ عبدالحکیم ص: ۲۲۴، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور

۱۳- ایک اسلام، غلام جیلانی ص ۴۳

۱۴- حوالہ سابق ص: ۴۳

۱۵- مظاہرۂ قرآن ص: ٦٦

۱٦- اسلام کی بنیادی حقیقتیں- مقالہ اصول اسلام ص ۱٦۸-۱٦۹

۱۷- حوالہ سابق ص: ۱۵۱-۱۵۲

۱۸- ایک اسلام ص: ۲٦۲- ۲٦۳

۱۹- اسلام کی بنیادی حقیقتیں- مقالہ 'اصول اسلام' ۱۵۷-۱۵۸

۲۰- حوالہ سابق ص ۱۵۹

۲۱- خلافت اسلامیہ حصہ اول ص: ۳۰، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور

۲۲- ایک اسلام ص: ۳۹-۴۰

۲۳- ماہنامہ طلوع اسلام مئی ۱۳۵۰ھ

۲۴- مطالعۂ حدیث ص: ۱۴۹

۲۵- حوالہ سابق ص ۱۴۹

۲٦- حوالہ سابق ص: ۱۴۹

۲۷- حوالہ سابق ص: ۱۵۵

۲۸- برہان القرآن ص: ۳۴۱

۲۹- حوالہ سابق ص ۲۹۲

۳۰- حوالہ سابق ص ۲۹۲

۳۱- صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ربی سفیان بن حرب

۳۲- نووی، شرح مسلم، ابن قیم، زاد المعاد، مؤسسة الرساله بیروت ۱۹۸۷ء/۱۰۹-۱۱۲

مولانا احسان اللہ خاں ندوی
شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

حدیث نبوی اور مستشرقین

اس بات پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ حدیث نبوی اسلامی فقہ یا تشریع اسلامی کا اہم ترین رکن ہے، قرآنی آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

(۱) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول. (۱)

(۲) وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا. الآیۃ) (۲)

(۳) ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما. (۳)

ان آیات کریمہ کے علاوہ آنحضرت کی مشہور حدیث ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (۴) سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حدیث نبوی سے اسلام کے عہد اول کی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے اور اسی منبع علم سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے تہذیبی، قانونی اور مذہبی افکار کی تشکیل نو بھی ہو سکتی ہے۔

ان خصوصیات کے باوجود بھی مغربی محققین نے ادب و تاریخ کے بالمقابل حدیث نبوی کا مطالعہ بڑی تاخیر سے کیا، سب سے پہلی اور آخری کاوش اجناس گولڈ زیہر کی ہے جس کی کتاب "Muslim Studies" (اسلامیت کا مطالعہ) ۱۸۹۰ء میں منظر عام پر آئی اور آج تک مغربی مفکرین و محققین اور ان کے حاشیہ برداروں کی نظر میں حرف آخر اور قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے بعد پروفیسر جوزف شاخت کی دو کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں۔

(1) The origins of Mohammadan jurisprudence (2) An introdection of islamic Laws.

نیز A.Gulluam کی کتاب The Tradition of Islam بھی سامنے آئی، پروفیسر روبسن نے مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ کیا اور دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں حدیث پر مقالہ لکھا۔ Wensink (وینسنک) نے المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی کی ۸ ضخیم جلدیں مدون کیں۔ Krehl اور Juynholl نے صحیح بخاری کو ۱۸۶۲ء اور ۱۹۰۸ء میں لیڈن سے شائع کیا۔ صحیح مسلم کو ۹ جلدوں میں، سنن ابی داؤد کو سات جلدوں میں، سنن ترمذی کو ۸ جلدوں میں، سنن نسائی کو ۸ جلدوں میں اور ابن ماجہ کو دو جلدوں میں قاہرہ سے طبع کیا۔ ان کے علاوہ فواد سزکین، نولڈیکی کی مور گولیتھ، نکلسن وغیرہم نے بھی حدیث کے متعلق کچھ مقالات لکھے ہیں۔

ان مشہور مفکرین نے حدیث نبوی اور اس کے متعلقہ علوم کو موضوع مطالعہ بنایا اور غیر اہم مراجع وماخذ مثلاً کتاب الحیوان اور کتاب الاغانی وغیرہ کو بنیاد بنا کر حدیث نبوی سے متعلق ایسی نگارشات پیش کیں جو خود اپنے آپ کا مذاق اڑاتی ہیں اور جدید طریقہ تحقیق (New Reserch Methodology) کے خلاف جاتی ہیں، لیکن اس مقالہ میں ان سبھی نام نہاد محققین کے افکار وخیالات کا مکمل جائزہ نہیں جا سکتا ہے بلکہ صرف ایک ہی محقق کا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی اس طبقہ کے امام المحد ثین گولڈ زیہر اور اس کے نائب جوزف شاخت کے افکار کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ اجناس گولڈ زیہر (۱۸۵۰–۱۹۲۱ء)

ان کا تعلق ایک یہودی خانوادہ سے تھا، ہنگری میں پیدائش ہوئی، تعلیم کی خاطر استشراق کے مشہور مدارس برلن اور بوڈاپسٹ وغیرہ کا رخ کیا، ان کی شہرت جب حکومت تک پہونچی تو اس نے ان کو مزید تعلیم کے لیے ۱۸۷۳ء میں شام بھیجا جہاں طاہر جزائری کے ساتھ ایک مدت تک قیام کیا اور اس کے بعد مصر وفلسطین بھی گئے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کو مصر کے جامع ازہر میں خلاف قاعدہ اسپیشل اجازت دیکر پڑھنے کی اجازت دی گئی، وہاں سے وہ استفادہ کے بعد اسلامی علوم کے مطالعہ میں لگ گئے۔

ان کی تصانیف میں یہودیت، فرقہ ظاہریہ اور ان کی تاریخ، اسلامیات کا مطالعہ، اسلامی قانون اور دینیات اور مذاہب التفسیر الاسلامی مشہور ہیں، ان تصانیف کے علاوہ ادبی تاریخی اور ثقافتی تحقیقات ومقالات بھی ہیں۔(۵)

اس وقت ان کی کتاب مسلم اسٹڈیز کا جائزہ پیش خدمت ہے جس کا شمار مشرق ومغرب کے عصری درس گاہوں میں اسلام اور اس کے متعلق لٹریچر میں ہوتا ہے، یہ کتاب اصلاً جرمن زبان میں ۹۰-۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی۔ مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے اسلام کے جدید مطالعہ کے لیے مغرب کی نظر میں یہ کتاب سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ ۱۹۶۷ء میں ہوا۔ یہی کتاب گولڈ زیہر کے افکار کو سامنے لانے میں میری معاون ثابت ہوئی، کیونکہ اس کی دوسری جلد میں حدیث وسنت، حدیث اور اسلامی گروہوں کے اختلافات سے اس کا تعلق، حدیث کی جعل سازی کے خلاف رد عمل، حدیث روحانی سربلندی اور تفریح کی حیثیت سے، طلب حدیث، حدیث کی کتابت، حدیث کا لٹریچر، حدیث اور عہد نامہ جدید، حدیث کا لٹریچر اور عورت جیسے اہم عناوین شامل ہیں۔

چنانچہ ان کی کتاب کا آغاز ہی عجیب طرح سے ہوتا ہے انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :

> The word Hadith means tale communication, not only are communications among those who have embraced the religious life called Hadith, But also historical information whether secular or religious and whether of times long past or of more recent events.(٦)

”لفظ حدیث کا مطلب کہانی اور مواصلات یا خبر رسانی ہوتا ہے صرف ان لوگوں کے درمیان مواصلات نہیں جنہوں نے مذہبی زندگی کو قبول کیا بلکہ مذہبی یا غیر مذہبی، جدید ترین یا قدیم ترین تاریخی مواصلات کو حدیث

کہتے ہیں۔"

یہاں پر میں صرف ایک لفظ Tale کو لیتا ہوں جس کا ترجمہ عربی میں مشہور و معروف انگلش عربی ڈکشنری المورد کے لحاظ سے اشاعة عن الناسِ الخاصه۔ کذبة، حکایة کیا جاتا ہے (۷) اور اردو میں بابائے اردو مولانا عبدالحق کی مشہور انگلش اردو ڈکشنری Advanced کے لحاظ سے کہانی اور قصہ ہوتا ہے۔ (۸) اسی لفظ سے عصری درس گاہوں کے طلباء کے ذہن میں احادیث کی حیثیت کہانی اور قصہ پارینہ بن جاتی ہے۔ اے کاش کہ گولڈزیہر محدثین کی مشہور تعریف ہی کسی حد تک پیش کر دیتے۔

اسی طرح احادیث کے وضع کرنے کا الزام اولین مسلمانوں کے سر کتنی سحر طراز اور ادیبانہ اسلوب میں لگا جاتے ہیں۔

"When the rapid succession of conguests led them to distant countries, they handed on these hadith of the prophet to those who had not heare them by their own ears and after his death they aded many salutry sayings which were taughat to be in accord with his sentimennts and could therefore, is their view legitimately be ascribed to him or of whose soundness they Were in genral convinced, these hadith dealt with the religious and legal practices which had been deviloped under the prophet and were regarded as setting the norm for the islamic world, They formed the basic material of the hadith. (۸)

"جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ بڑھا اور مسلمان دور دراز ملکوں میں پہونچے تو انہوں نے ان احادیث نبویہ کو ان لوگوں کو سنایا جنہوں نے اپنے کانوں سے نہیں سنا تھا اور آنحضور ﷺ کے انتقال کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی باتوں میں مفید اقوال کا اضافہ کیا۔ ان احادیث کا تعلق مذہبی اور قانونی امور سے ہے اور جن کی مدد سے پوری اسلامی دنیا میں نمونہ قائم کیا گیا۔ انہوں نے حدیث کا اصل مواد وضع کیا جو کہ بعد میں آنے والی نسلوں میں تیزی سے بڑھا" (۹)

ان نفوس قدسیہ پر یہ الزام بے جا لگانے سے پہلے اگر گولڈزیہر آنحضور ﷺ کی حدیث دیکھ لیتے من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار، تو شاید ان کی یہ اسلام دشمنی لفظ تحقیق کا خیال کرتے ہوئے کچھ ماند پڑ جاتی اور دوزی کی طرح احادیث کے ذخائر کو پہلی دو صدیوں کے درمیان اسلام کی سماجی، تاریخی اور مذہبی ترقیوں کا نتیجہ نہ بتاتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

We are unlikely to have even as much confidence as Dozy regarding large part of the hadith. But will probably consider by for the greater part of it, as the results of religius historical and social development of islam during the first centuries. (۱۰)

اسی طرح ان کی نظر میں حدیث اسلامی تاریخ کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"The hadith not serve as a document for the history of the infancy of islam, but rather as reflection of the tendencies which appeared in the community during the maturer stages of its development.(۱۱)

یعنی حدیث کو اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کے لیے سند کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے بجائے ان کی حیثیت ان رجحانات کے عکس کی سی ہے جو کسی قوم کی ارتقاء کے بلند ادوار میں نمایاں ہوئے۔

گولڈ زیہر حدیث اور سنت کو متضاد پیش کرتے ہیں، اکثر جگہوں پر حدیث کے لیے Tradition یعنی روایت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ شریعت اسلامی کے احکام اسلام کے عہد اول میں مسلمانوں کے نزدیک جانے بوجھے نہ تھے، یہی نہیں بلکہ اس قسم کی ناواقفیت اور خاص طور پر حضور ﷺ کی تاریخ سے ناآشنائی بڑے بڑے ائمہ سے وابستہ رہی۔

اس دعوے کی دلیل میں موصوف مستشرق نے بعض جھوٹی سچی روایتیں نقل کی ہیں، مثلاً کتاب الحیوان سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ یہ نہ جانتے تھے کہ غزوۂ بدر احد سے پہلے ہوا تھا یا بعد میں، لیکن غور کریں کہ وہ شخص جسے تھوڑی سی بھی تاریخ سے دلچسپی ہو وہ اس روایت کو کس طرح تسلیم کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے متعلق یہ بات بالکل بے تکی اور مجنونانہ معلوم ہوتی ہے۔(۱۲)

علاوہ ازیں انہوں نے احادیث کو کس طرح توڑ مروڑ کر اپنے غلط مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے، سنن ابو داؤد کی روایت ہے:

عن ابی محیریز ان رجلا من بنی کنانة یدعی المخدجی سمع رجلا بالشام یدعی ابا محمد یقول "ان الوتر واجب" قال فرحت الی عبادة بن الصامت فاخبرته فقال عبادة، کذب ابو محمد سمعت رسول الله ﷺ یقول "خمس صلوات کتبهن الله علی العباد فمن جاء بهن لم یضیع منهن شیئا استخفافا بهن کان له عندالله عهد ان یدخله الجنة ومن لم یات بهن فلیس له عندالله عهد ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة.(۱۳)

اس سے موصوف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسلمان اسلام کی خاطر لڑتے تھے اور شام میں مسجد ہونے کے باوجود انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ پانچ وقت کی نمازیں ضروری ہیں اور اس کے لیے انہوں نے ایک پرانے صحابی سے رجوع کیا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ دوسری حدیث سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں معلوم تھا حدیث کے الفاظ ہیں: **"عن ابی قلابة جاء نا مالك بن الحویرث فی مسجدنا هذا انی لأصلی بکم وارید الصلاة، اصلی کیف رایت النبی ﷺ یصلی.(۱۴)**

اس طرح سے نتائج نکالنے کے سلسلہ میں ان کا حال بس یہی ہے کہ مارے گھٹنا پھوٹے سر۔

اسی طرح انہوں نے جرح و تعدیل کی تمام قابل اعتبار کتابوں سے آنکھیں بند کر کے محمد بن مسلم شہاب زہری (۵۰-۱۲۴ھ) کے صدق و اخلاص پر حملہ کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ امام زہری امویوں کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے اور یہ حدیث **"لا تشدوا الرحال الا الی ثلاثة مساجد"** کو انہوں نے عبدالملک بن مروان کے لیے وضع کی تھی۔ ان کی دلیل یہ

ہے کہ امام موصوف ابن مروان کے معاصر تھے۔ بتایئے کہ کہیں معاصرت سے کسی پر الزام بے جالگایا جاسکتا ہے۔(۱۵)

گولڈزیہر کے ان فاسد و لغو افکار کے بعد آیئے جوزف شاخت کے افکار و خیالات سے کچھ دیر اپنے ذہن و دماغ کو تکلیف دیں۔

جوزف شاخت : ۱۹۰۲ء میں جرمنی میں پیدا ہوئے، ان کا تعلق یہودی مذہب سے تھا، انہوں نے برسلاڈ اور ہیئیبر گ یونیورسٹی میں تعلیم پائی، کچھ دنوں ایک یونیورسٹی میں درس دینے کے بعد ۱۹۳۲ء میں کوٹنٹس برگ یونیورسٹی میں چلے گئے۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ مصریہ میں منتقل ہوئے، ۱۹۴۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ کے ریڈر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں الجزائر یونیورسٹی میں علمی تحریکوں کے پروفیسر ہوئے، کولمبیا یونیورسٹی میں بھی پروفیسر رہے، وہ بہت سی علمی و ادبی تنظیموں کے رکن رہے، ان کو مجمع العلمی العربی االدمشقی کی رکنیت بھی ملی، کچھ عرصہ وہ مجلّہ علوم اسلامیہ کے مدیر بھی رہے۔ اسلامی قانون کی ابتداء، ترقی، اس کی اثر پذیری اور اثر اندازی ان کا خاص موضوع ہے اور یہی ان کی شہرت کا باعث ہے۔

ایک درجن سے زائد ان کی تحقیقات و مقالات کے علاوہ اسلامی قانون پر ان کی دو کتابیں بہت مشہور ہیں :

(1) The origins of Mohammaddan Jurisprudence

(2) An Introduction of islamic law

پہلی کتاب کا تعلق اسلام کے اصول فقہ سے ہے، یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۰ء مین برطانیہ میں طبع ہوئی تھی اس کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، اس کے متعلق پروفیسر گب نے لکھا ہے ”اسلامی تہذیب اور تشریع کے مطالعہ کے لیے یہ کتاب کم از کم مغرب میں ایک بنیادی کتاب ہوگی“ بلکہ پروفیسر کولسن نے اس کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کر دیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ ”شاخت نے شریعت کے اصولوں سے متعلق ایسا نظریہ و تھیوری دی ہے جو اپنے وسیع دائرہ میں کسی غلطی کو قبول نہیں کرتا ہے“ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ لندن اور کیمبرج کی جامعات میں اس کتاب پر تنقید کرنے کی اجازت نہیں۔

اب آیئے شاخت کے احادیث کریمہ کے متعلق کچھ افکار و نظریات کا مطالعہ کریں۔ چنانچہ وہ حدیث کی تدوین کے متعلق لکھتے ہیں ”حدیث“ یا سنت یا اسوۂ متبعہ یا عصری تقاضوں کے تحت کچھ اور نظریات کا وجود دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں ہوا“(۱۶)

یہ پروفیسر صاحب بھی گولڈزیہر اور ڈوزی کے منہ سے بولتے ہیں، اے کاش کہ اب بھی باحیات مستشرقین صحابہ کرام کے صحائف و مذکرات کو دیکھیں اور مطالعہ کریں کہ انہوں نے اسی وقت آنحضور ﷺ کے اقوال زریں کو قلم بند کر لیا تھا، آنحضور ﷺ کا قول استعن بیمینك اور پہلی وحی اقرأ **باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم** کو غور سے پڑھیں تو یہ بے سروپا باتیں شاید نہ کہیں۔

متفق علیہ سے متعلق وہ لکھتے ہیں ”اس سے یہی حقیقت حال مراد ہے جس میں کسی بھی رائے کو بڑی شخصیت کے ساتھ منسوب کر دیا گیا مثلاً کوفہ والوں نے اپنے نظریات کو ابراہیم نخعی سے منسوب کیا اور مدینہ والے بھی بعد میں اسی راہ پر چل نکلے“(۱۷) انہوں نے احادیث اور فقہ میں آویزش کو وضع احادیث کا سبب بتاتے ہوئے لکھا ہے ”دوسری صدی ہجری میں

محدثین کے طبقہ کا وجود فقہ اسلامی کی تاریخ میں ایک بڑا اہم واقعہ تھا جو در حقیقت قدیم فقہی مکاتب کے خلاف ایک رد عمل تھا، محدثین پر دین واخلاق کا زیادہ اثر تھا، اور ان کی فکر و نظر کا بنیادی مرکز یہ تھا کہ نبی کریم سے ماخوذ حدیثوں کا حق یہ ہے کہ وہ فقہی حدیثوں پر غالب رہیں اس مقصد کے تحت محدثین نے تفصیلی روایتوں یا حدیثوں کو وضع کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ روایتیں رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال ہیں یا یہ پھر تقریر رسول ﷺ کی قسم سے ہیں اور یہ ساری روایتیں ان تک غیر منقطع اسانید اور معتبر راویوں کی زبانی پہنچی ہیں، اس وجہ سے ہمارے لیے دشوار ہے کہ فقہی حدیثوں میں سے کسی بھی حدیث کے متعلق فیصلہ کر دیں کہ وہ صحیح اور معتبر ہے"(۱۸)

اسی طرح حدیث کی کتابوں میں موجود متصل السند اسناد کے سلسلے میں شاخت کہتے ہیں :

"یہ اسناد محض دروغ و بے وقعت ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ مکمل احادیث نبویہ کا ذخیرہ دوسری یا تیسری صدی ہجری میں پایا جاتا ہے پھر یہ تصور کیوں کر ممکن ہے کہ اسناد کا وجود متن سے پہلے ہو۔"

مزید بر آں وہ کہتے ہیں :"احادیث کی اسانید کا ایک بڑا حصہ ناقص ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسانید تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں مکمل شکل میں مرتب ہوئیں، ان اسانید سے اعتنا نہیں کیا گیا بلکہ جو طبقہ اپنی رایوں کو متقدمین سے منسوب کرنا چاہتا وہ ان میں سے چند شخصیتوں کا انتخاب کر لیتا اور پھر ان کے اسانید میں شامل کر دیتا۔"(۱۹)

اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی نظر میں ایک بھی فقہی حدیث ایسی نہیں ہے جس کی نسبت آنحضور ﷺ کی جانب کی جاسکے، ان کی رائے میں وضع حدیث کی مدت معلوم کرنے کا آسان ترین اصول یہ ہے :

The best way of proving that a tradition did not exist at a certain time is to show that it was not used as a legal argument in a discussion which would have made referance to it imprative, if it had existed"

یعنی کسی دور میں وضع حدیث کو ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس زمانہ کے فقہاء نے اپنی بحثوں میں اس حدیث کو شامل کیا ہے یا نہیں، اگر حدیث کا وجود ان فقہاء کی بحثوں میں شامل نہیں ہے تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث بعد کے دور میں وضع کی گئی۔(۲۰)

پروفیسر شاخت ایک راوی کی روایت کو دوسرے راوی کے پاس نہ ہونے کی صورت حال کو سکوت استنتاجی کہتے ہیں اور اپنی تائید میں امام شافعی کی کتاب الام سے امام محمد شیبانی کا یہ قول نقل کرتے ہیں"المسئلة كذا، الا ان ياتى اهل المدينة فيما قالوا من هٰذا باثر فننقاد له وليس عندهم فى هذا اثر يفرقون بين هذه الاشياء فلو كان عندهم جاؤا به فيما سمعنا من آثارهم، اس قول پر شاخت کہتے ہیں"ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ہماری زیر بحث فقہی حدیثیں مذہبی بحثوں میں اسی وقت شامل اور استعمال کی گئیں جب مختلف طبقوں نے اپنے اپنے مسلک کی تائید میں ان کو وضع کر کے عوام میں رائج کر دیا تھا۔(۲۱)

ان اقتباسات کی روشنی میں یہ بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ شاخت نے اپنی کتابوں میں حدیث اور علوم حدیث کے متعلق

خوب خوب زہرافشانی کی ہے جن کی قلعی کسی حد تک ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنی کتاب "Studies in Early Hadith litrature" میں کھولی ہے انہوں نے شاخت کے نظریہ اسناد اور اس کے تئیں شبہات کی علمی انداز میں مذمت کی ہے، ان کی علمی خیانتوں اور جھوٹ بیانیوں کو واضح کیا ہے، مثلاً شاخت کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے نظریہ کی تائید کے لیے سینتالیس قانونی احادیث کو درج کیا ہے جن میں چوبیس احادیث کا ڈاکٹر اعظمی نے جائزہ لیا تو پتہ چلا ان میں سے صرف آٹھ احادیث فقہ سے متعلق ہیں، چھ حدیثیں آنحضرت ﷺ سے مروی ہی نہیں ہیں اور باقی تیرہ حدیثیں عبادات سے متعلق ہیں فقہ سے نہیں۔

صرف اس ایک مثال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مغرب میں مشہور محققین کا معیار تحقیق کیا ہے۔

مراجع و مصادر

(۱) النساء الآیة : ۵۹ (۲) الحشر الآیة ۷

(۳) الاحزاب : ۷۱ (۴) موطاامام مالک

(۵) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نجیب عقیقی، المستشرقون، دار المعارف مصر ص ۱۹۶۔ اسلام اور مستشرقین، مرتب صباح الدین عبدالرحمٰن ۱۹۸۶ء ج ۲ ص ۱۴۱۔

(۶) گولڈزیہر Muslim Studies مطبع Allen & unwin LTD Ruskin House London. ج ۲ ص ۱۷

(۷) المورد (A Modern English arbic Dictionry) منیر بعلبکی دار العلم للملائیین بیروت ۱۹۶۷ء ص ۷ ۸۴

(۸) پروفیسر بشراحمد قریشی (Advanced Tewnlieth Centuray Dictionary) انگلش اردو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۸۶ء ص ۶۶۸

(۹) Muslims studies ج ۲ ص ۱۸ (۱۰-۱۱) مصدر سابق ص ۱۹

(۱۲) ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی: اسلام اور مستشرقین ترجمہ سلمان شمسی ندوی، ص ۷۶-۷۷)

(۱۳-۱۴) ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی (Studies in early Hadith litrature) بیروت ۱۹۶۸ء ص ۱۰)

(۱۵) ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی: اسلام اور مستشرقین ص ۷۹

(۱۶-۱۷) جوزف شاخت An introduction to islamic law آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۴ء ص ۳۱

(۱۸-۱۹) مصدر سابق ص ۳۴-۳۵-۳۶

(۲۰-۲۱) جوزف شاخت The origins of Muhammadan Juris prodence آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۵۳ء ص ۱۴۰-۱۴۱

مولانا خورشید احمد سلفی
جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، نیپال

امام بخاریؒ اور ان کی فقاہت

فن حدیث اور روایت ودرایت کو ازاول تا آخر سب سے بڑھ کر جس ہستی پر فخر وناز ہے اور جس کی بے نظیر خدمات، لازوال شاہکار اور انمٹ نقوش پر فرحت وانبساط ہے وہ ذات والا صفات امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ کی ہے۔ جن کی علمی جلالت، امامت، بے نظیر قوت حافظہ، ذکاوت، ذہانت، تقوی وطہارت اور سب سے بڑھ کر احادیث کے متون واسانید اور اسماء الرجال میں مہارت پر سارا زمانہ متفق ہے۔

مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظراءہ

زیر نظر تحریر میں اسی امام ہمام کی مختصر سوانح عمری اور فقاہت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ واللہ الموفق للحق والصواب.

نام ونسب

ابو عبداللہ کنیت، محمد بن اسماعیل نام، شیخ الاسلام، امام الحفاظ، امیر المومنین فی الحدیث وغیرہ القاب سے ملقب ہیں۔ نسب نامہ یوں ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی۔[۱]

خاندان

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فارسی النسل تھے آپ کے پردادا نے حاکم بخارا یمان جعفی کے دست پر اسلام قبول کیا اسی لئے (اس زمانہ کے دستور کے مطابق کہ جس کے ہاتھ پر اسلام لاتے اسی کی طرف منسوب ہوتے) جعفی کہلائے۔[۲]

ولادت

آپ کی پیدائش خراسان کے مشہور شہر بخارا میں ۱۳؍ شوال ۱۹۴ھ بروز جمعتہ المبارک، بعد نماز جمعہ ہوئی۔[۳]

پرورش

امام بخاری کے ایام طفولیت ہی میں باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تھا ماں نے ان کی پرورش کی۔ امام بخاری کی والدہ ماجدہ بڑی خدا رسیدہ، صاحبہ کرامات خاتون تھیں۔ آپ کی بینائی بچپن میں کسی وجہ سے جاتی رہی ایک دن والدہ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں۔

یا ھذہ قد ردّ اللہ علیٰ ابنکِ بصرہ بکثرۃ دعائک۔ [۴]

اے بی بی تمہاری کثرت گریہ ودعاء کی وجہ سے اللہ نے تمہارے لڑکے کی بینائی لوٹا دی ہے۔

حلیہ

امام موصوف ہلکے بدن اوسط قدو قامت، گندمی رنگ کے تھے۔ [۵]

طلب علم کی ابتداء اور رحلات

امام بخاریؒ کو بچپن ہی سے طلب علم کا شوق تھا چنانچہ آپ نے اپنے وطن بخارا ہی میں کسب علم وفیض شروع کر دیا اور دس سال یا اس سے بھی کم عمر میں حفظ حدیث میں لگ گئے۔ چنانچہ آپ کے کاتب کہتے ہیں میں نے امام بخاری کو فرماتے سنا:

الھمت حفظ الحدیث وانا فی الکتاب قلت وکم اتی علیک اذ ذاک فقال عشر سنین اواقل۔ [۶]

یعنی حفظ حدیث کا شوق میرے دل میں اسی وقت پیدا ہو گیا جب میں مکتب میں تھا میں نے کہا اس وقت آپ کی عمر کیا رہی ہو گی تو فرمایا کہ دس سال یا اس سے کم۔

امام موصوف نے اپنے وطن مالوف ہی میں رہ کر محمد بن سلام بیکندی، عبداللہ بن محمد مسندی، ابراہیم بن الاشعث جیسے بڑے محدثین سے کسب فیض کیا۔ ۲۰۵ھ میں سماع حدیث کی ابتداء ہوئی اور بچپن ہی میں محدث عبداللہ بن مبارک کی تصانیف ازبر کر لیں۔ [۷]

مکہ کا سفر

اس کے بعد آپ نے محدثین کے طریقے کے مطابق علمی رحلات کے لیے کمر باندھا کہ جس کے بغیر فن حدیث میں مہارت حاصل نہیں ہو سکتی تھی اور نہ سنت کا خزانہ جمع ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سولہ سال کی عمر میں آپ نے پہلا سفر والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی کی معیت میں مہبط وحی، مرکز اسلام، مکہ معظّمہ کا کیا۔ جب آپ نے سفر کیا اس وقت داڑھی اور مونچھ کے بال بھی نہیں اُگے تھے علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

"شدا وصنف وحدث ومافی وجھہ شعرۃ۔" [۸]

یعنی آپ نے سفر کیا، حدیثیں بیان کیں اور کتابیں لکھیں جب کہ آپ کے چہرے پر بال بھی نہیں اُگے تھے۔

بڑے بھائی اور والدہ تو واپس لوٹ آئے لیکن آپ نے جوار حرم میں رہ کر حدیثیں پڑھنا پسند کیا۔ چنانچہ مکہ معظّمہ میں آپ نے ابوالولید احمد بن الارزقی، عبداللہ بن یزید، اسماعیل بن سالم الصائغ، ابو بکر عبداللہ بن الزبیر، علامہ حمیدی جیسے کبار محدثین سے روایتیں اخذ کیں۔ [۹]

مدینہ کا سفر

عمر عزیز کے اٹھارہویں برس ۲۱۲ھ میں مدینہ پہونچے، مدینہ میں اس وقت جو لوگ درس دیتے تھے ان میں ابراہیم بن المنذر، مطرف بن عبداللہ، ابراہیم بن حمزہ، ابو ثابت، محمد بن عبداللہ، عبدالعزیز بن عبداللہ الاولیس اور ان کے اقران خاص طور

پر قابل ذکر ہیں۔[۱۰]

دیگر بلاد کا سفر

مدینہ منورہ میں دامن مراد کو بھرنے کے بعد اسلامی بلاد وامصار کے تمام بلند پایہ محدثین کی طرف رخت سفر باندھا، خراسان، کوفہ، بصرہ، بغداد، حجاز، شام، مصر تشریف لے گئے بعض شہروں کی طرف تو متعدد بار تشریف لے گئے، چنانچہ بصرہ چار بار اور بغداد کا سفر آٹھ بار کیا ہے۔[۱۱]

آپ کے شیوخ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) اساتذہ سے حدیثیں لکھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے خود امام صاحب کا قول نقل کیا ہے:

كتبت عن ألف و ثمانين نفسا یعنی میں نے ایک ہزار اسی شیوخ سے روایتیں لکھی ہیں اور صرف انھیں شیوخ سے حدیثیں لکھی ہیں جو ایمان کے قول و عمل ہونے کے قائل تھے۔[۱۲]

چنانچہ بلخ میں مکی بن ابراہیم سے، بغداد میں عفان سے، مکہ میں المقری سے، بصرہ میں ابوالعاصم اور محمد بن عبد اللہ انصاری سے، کوفہ میں عبد اللہ بن موسی سے، شام میں ابو المغیرہ اور فریابی سے، عسقلان میں آدم بن نوح سے، حمص میں ابو الیمان سے، دمشق میں ابو مسھر وغیرہ جیسے صاحب امتیازات اساتذہ سے کسب فیض کیا۔[۱۳]

آپ کے مشاہیر اساتذہ و شیوخ میں ابو بکر الحمیدی، علی بن مدینی، یحیٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، ابو نعیم فضل بن دکین کے اسماء سر فہرست ہیں۔[۱۴]

تلامذہ

امام عالی مقام کے تلامذہ کی صحیح تعداد تو صرف اللہ ہی کو معلوم ہے صرف الجامع الصحیح کو ۹۰ ہزار آدمیوں نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مصنفات کے رواۃ الگ ہیں۔ آپ کے تلامذہ بھی علمی جلالت میں اپنا مخصوص مقام رکھتے ہیں اور یہ استاذ کی علو مرتبت پر اہم دلیل ہے۔ مشہور تلامذہ میں امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابو عیسی ترمذی، امام نسائی، امام محمد بن نصر مروزی، امام دارمی، امام ابن خزیمہ، ابراھیم الحزلی، ابو جعفر محمد بن ابی حاتم وراق کاتب بخاری اور فربری کے نام سر فہرست ہیں۔

تصانیف

الامام الہمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ۲۱ تصانیف کا ذکر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کیا ہے جن کا تعارف حضرت مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوری نے سیرۃ البخاری میں کرایا ہے نیز حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ کتابوں کے علاوہ دو تین مزید تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے۔ تصانیف کی اجمالی فہرست یہ ہے:

(۱) الجامع الصحیح (۲) الادب المفرد (۳) جزء رفع الیدین (٤) جزء القرأة خلف الامام (٥) برالوالدین (٦) التاریخ الکبیر (۷) التاریخ الاوسط (۸) التاریخ الصغیر (۹) خلق افعال

العباد (١٠) كتاب الضعفاء (١١) الجامع الكبير (١٢) المسند الكبير (١٣) التفسير الكبير (١٤) كتاب الاشربة (١٥) كتاب الهبة (١٦) اسامی الصحابة (١٧) كتاب الوحدان (١٨) كتاب العلل (١٩) كتاب الكنىٰ (٢٠) كتاب الفوائد (٢١) قضايا الصحابة (٢٢) كتاب الرقاق.

علل حدیث کی شناخت میں غایت درجہ کمال

علت حدیث کی شناخت کو علوم حدیثیہ میں نہایت دقیق اور مشکل سمجھا گیا ہے، اس کی شناخت وہی شخص کرپاتا ہے جو متبحر فی العلم ہو، جسے رواۃ کا پورا پورا علم ہو، رواۃ کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات، ان کے اسماء وکنیتوں سے نیز شیوخ سے لقاء ومقام لقاء سے پوری واقفیت ہو۔

حقیقت امر یہ ہے کہ جو حدیث ظاہر میں موصول معلوم ہوتی ہے اس کے چھپے ہوئے ارسال وانقطاع کو جاننا یا ظاہر میں مرفوع ہے لیکن یہ پتہ لگانا کہ دراصل یہ حدیث موقوف ہے، فلاں راوی نے مرفوع کردیا ہے یا کسی حدیث کا دوسرے میں اختلاط کا پتہ لگانا یا کسی راوی کے وہم کو معلوم کرلینا نہایت مشکل امر ہے۔

امام بخاری نے بڑی دستگاہ جس فن میں حاصل کی وہ علل حدیث کی واقفیت ہے حافظ احمد بن حمدون کہتے ہیں کہ مجھے عثمان ابی سعید بن مروان کے جنازہ میں امام بخاری کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا۔ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کو جو امام فن ہیں دیکھا کہ امام بخاری پر اسماءِ رواۃ اور علل حدیث کے سوالات پیش کرتے ہیں اور امام بخاری اس سرعت اور تیزی سے جواب دیتے ہیں جیسے کوئی قل هو الله احد کی سورہ پڑھتا ہو۔

امام ترمذی فرمایا کرتے تھے لم اریٰ اعلم بالعلل والاسانيد من محمد بن اسماعيل البخاری یعنی میں نے علل اور اسانید میں امام بخاری سے بڑھ کر ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ (۱۵)

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے جب ایک سند کی علت بیان کی تو آپ کے شاگرد امام مسلم اس قدر خوش ہوئے کہ بول اٹھے:

دعنی حتیٰ اُقبل رجليك يا استاذ الاستاذين وسيد المحدثين وطبيب الحديث فی علله. (١٦)

اے استاذ الاساتذہ! اے سید المحدثین! اے علل حدیث کے طبیب! مجھے اجازت دیجئے میں آپ کی قدم وسی کرلوں۔

قوت حافظہ

آپ قوت حافظہ میں بے نظیر تھے آپ کے تمام تذکرہ نویسوں نے آپ کے حفظ وضبط کے عجیب عجیب واقعات بیان کئے ہیں جب آپ بغداد تشریف لے گئے اور آپ کے حفظ وضبط کا غلغلہ ہوا تو وہاں کے علما و مشائخ نے آپ کا امتحان لینا چاہا نانچہ انہوں نے ایک سو حدیثوں کی سند و متن کو الٹ پلٹ کر اس حدیث کی سند کو اُس حدیث سے اُس حدیث کی سند کو اس مدیث سے ملا دیا اور پھر دس دس حدیثیں ایک ایک آدمی کے ذمہ لگا دیا اور انہیں حکم دیا کہ حاضر مجلس ہو کر امام بخاری پر ان

احادیث کو پیش کریں۔ چنانچہ جب مجلس منعقد ہو گئی اور سکون طاری ہو گیا تو ایک ایک آدمی نے باری باری دس دس حدیثوں کو پیش کرنا شروع کیا امام بخاری ہر بار یہی کہتے "لا أعرفه" اس طرح دسوں نے اپنی اپنی باری میں دس دس حدیثوں کو پیش کر دیا۔ آپ بس لا أعرفه فرماتے، امام بخاری کے اس جواب پر علماء باہم کہتے کہ یہ آدمی سمجھ گیا اور ناواقف کار امام بخاری کے عجز اور تقصیر اور قلت حفظ کا گمان کرتے۔

اخیر میں آپ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا آپ نے جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ اس طرح ہیں پھر دوسرے کی طرف پھر تیسرے کی طرف غرضیکہ باری باری دسوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر ایک کی پیش کردہ حدیثوں کی اصلاح کی سند کو اصل متن سے ملا دیا اور اس بات کا لحاظ رکھا کہ ترتیب نہ بدلنے پائے نیز ان لوگوں نے جو غلط اور مقلوب سند و متن پیش کیا تھا اس کو بھی یاد رکھا اور یہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے: **فأقر الناس له بالحفظ واذعنوا له بالفضل** یعنی تب اس وقت لوگوں نے آپ کی قوت حفظ اور فضل کا اعتراف کیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: **فما العجب من رده الخطاء الی الصواب فانه کان حافظا بل العجب من حفظه للخطاء علیٰ ترتیب ما القوه علیه من مرة واحدة.** یعنی خطاء کو صواب کی طرف پھیر دینے میں کوئی تعجب نہیں ہے کیونکہ وہ حافظ حدیث تھے بلکہ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خطاء کو اسی ترتیب سے یاد رکھا جس ترتیب سے ان لوگوں نے پیش کیا تھا۔ (۱۷)

اولاد

امام صاحب کی کسی صلبی اولاد کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی لیکن کسی تذکرہ نویس نے اس پہلو پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔

بخارا تشریف آوری اور امیر سے اختلاف

امام عالی مقام نے اسلامی بلاد و امصار کا سفر کرنے کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا چنانچہ بغداد سے آخری بار جب واپسی کا قصد کیا تو اپنے استاذ امام احمد بن حنبل سے ملنے کے لیے گئے تو انہوں نے بڑی آزردگی کے ساتھ فرمایا:

"**یا ابا عبدالله تترك العلم والناس وتصیر الیٰ خراسان.**" (۱۸)

یعنی اے ابو عبداللہ علم اور اہل علم کو چھوڑ کر خراسان جا رہے ہو۔

جب آپ کی تشریف آوری کی خبر بخارا پہونچی تو استقبال کے لیے سارا شہر امنڈ پڑا۔ شہر سے باہر نکل کر خیمے نصب کئے گئے اور آپ کے اوپر دینار و دراہم نچھاور کئے گئے۔ ایک مدت تک آپ بخارا میں رہے اور اپنے علم و فضل کے جواہر بکھیرتے رہے۔ لیکن جب حاکم شہر خالد بن احمد الذہلی سے اختلاف ہو گیا تو اس نے جلاء وطنی کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ وہاں سے نکل کر بیکند پھر وہاں سے خرتنگ چلے گئے۔

اختلاف کی وجہ اور جلاوطنی

حاکم بخارا نے فرمائش کی کہ آپ اس کے دربار میں کتاب الجامع اور تاریخ لے کر آئیں۔ میں آپ سے ان کا سماع کروں گا امام صاحب نے فرمایا کہ میں علم کو ذلیل نہیں کروں گا اور نہ اس کو لے کر سلاطین کے دربار میں جاؤں گا آپ کو اگر

ضرورت ہو تو خود میری مسجد یا گھر تشریف لائیں۔ اس پر حاکم بخارا ناراض ہو گیا اور حریث بن ورقاء کی مدد سے آپ پر یہ الزام عائد کیا کہ آپ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں اس الزام کی خوب تشہیر کی گئی اور آپ کے خلاف ماحول تیار کیا گیا بالآخر آپ وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر خرتنگ چلے گئے اور وہاں اپنے ایک عزیز کے یہاں قیام کیا۔ (۱۹)

وفات

خرتنگ میں کچھ ایام آپ کا قیام رہا۔ عبدالقدوس روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات امام کو جب کہ وہ صلوٰۃ اللیل سے فارغ ہو چکے تھے دعاء کرتے سنا۔ **اللهم قد ضاقت على الارض بما رحبت فاقبضني اليك.**

اے میرے مولا زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے۔ تو تو مجھے اپنے دربار میں بلا لے۔

آپ مستجاب الدعوات تھے اللہ نے آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو شرف قبولیت بخشا، راوی کا بیان ہے کہ ایک ماہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ آپ مولائے حقیقی سے جاملے۔ غالب بن جبرئیل (جن کے یہاں آپ مقیم تھے) کا بیان ہے کہ آپ بیمار پڑے تو اہل سمرقند نے اپنا قاصد بھیج کر آپ کو طلب کیا آپ نے ان کی درخواست منظور فرمالی، موزہ پہنا، عمامہ باندھا، اور سوار ہونے کی تیاری کی۔ ابھی بیس قدم چلے ہوں گے کہ فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں بہت کمزور ہو چکا ہوں پھر آپ نے چند دعائیں کیں اور لیٹ گئے، روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کے جسم سے بہت زیادہ پسینہ خارج ہوا۔

عیدالفطر شنبہ کی رات عشاء کے وقت ۲۵۶ھ کو علم وفضل زہد وورع کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (۲۰)

عیدالفطر کے دن بعد نماز ظہر روز شنبہ یکم شوال کو مدفون ہوئے دفن کے بعد کئی دنوں تک قبر سے خوشبو پھوٹتی رہی لوگ آتے تھے اور مٹی اٹھا کر لے جاتے۔ مدت عمر ۱۳دن کم ۶۲ سال ہے۔ (۲۱)

عام اخلاق وعادات

امام صاحب شرافت، اسلامی اخلاق و آداب، زہد وورع، تقویٰ وطہارت، تواضع وخاکساری، غیرت وخودداری کے پیکر تھے۔ تیر اندازی کا بڑا شوق تھا اس میں اتنی مہارت تھی کہ کوئی نشانہ خطا نہ کرتا، صفائی ستھرائی کا بیحد خیال رکھتے تھے۔ دوسروں کو تکلیف دینا گوارا نہ کرتے۔ عمر بھر کسی کی غیبت نہ کی اور نہ حرام ومشتبہ مال کھایا، نہ کبھی بیع وشراء کے قریب گئے، تلاوت وقیام اللیل کے بڑے عادی تھے۔ ایثار وہمدردی، خدمت خلق وغیرہ صفات سے متصف تھے۔ آپ کے تذکرہ نویسوں نے آپ کے اخلاق فاضلانہ اور شمائل محمدیہ کے بہت سے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ صفحات کی تنگی کی وجہ سے صرف اشاروں ہی پر اکتفاء کر رہا ہوں۔

فقاہت

امام عالی مقام کے کمالات علمیہ، صفات عالیہ، جودت طبع، سیلان ذہن اور مسائل شرعیہ میں آپ کی شان فقاہت کو بیان کرنے کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے چنانچہ بعض اہل ہمت نے اس کی طرف توجہ کی ہے اور آپ کی بے نظیر فقاہت کو اجاگر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر شراح بخاری نے جامع صحیح کی شرح کرتے وقت حسب موقع آپ کی فقاہت اور اس کی باریکیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت ایک اہم تالیف ہے جو ۵۸۱ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے وہ ہے

"فقه الامام البخاری من جامعه الصحیح الحج والعمرة" اس کے مؤلف ہیں ڈاکٹر فزار بن عبدالکریم بن سلطان الحمدانی۔

یہ کتاب صرف حج وعمرہ کے تعلق سے فقاہت امام بخاری پر بحث کرتی ہے اور قابل دید ہے۔ افسوس کہ اس سے اقتباس نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے میں صرف فقاہت بخاری پر اشاروں ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

تفسیر وحدیث میں تبحر، نکات حدیثیہ، علل حدیث، لطائف اسناد، اسماء الرجال تاریخ، فقہ، ادب، عقائد، کلام، فرق میں سے کون سی ایسی شق اور کون سا ایسا گوشہ وفن ہے جس میں آپ ماہ کامل اور بدر تمام نہ دکھائی پڑتے ہوں۔ جن کے سامنے دیگر اصحاب فن ستاروں کی طرح دھندلے اور گم نہ ہو جاتے ہوں۔ علوم اسلامیہ میں سے کون سا ایسا فن ہے جس میں آپ کو کمال دسترس نہ ہو۔ آپ کے کمال حسن کو دیکھ کر بدنام جاہلی شاعر امرؤالقیس کا وہ شعر یاد آتا ہے جو اس نے اپنے گھوڑے کی تعریف میں کہا ہے ؎

وبتنا یکاد الطرف یقصر دونه　　متیٰ ما ترقی العین فیه تسهل

آپ کے کمالات علمیہ میں سے ایک کمال فقاہت ہے۔ فقہ قرآن وحدیث کا ثمرہ اور نچوڑ ہے۔ فقہ کی تعریف علماء نے یہ کی ہے۔

العلم بالاحکام الشرعیة المکتسب من ادلتها التفصیلیة.(۲۲)

شرعی احکام کا علم جو شریعت کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ اخذ کیا گیا ہو۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کے چند اساتذہ اور فحول محدثین کی رائیں آپ کی فقاہت کے متعلق نقل کر دیں۔ کسی نے آپ کو "افقه الناس" تو کسی نے "فقیه هذه الامة" کسی نے "امام الفقهاء" جیسے شاندار القاب سے نوازا ہے چنانچہ ابومصعب احمد بن ابوبکر المدینی نے کہا:

محمد بن اسماعیل افقه عندنا و ابصر من ابن حنبل. (۲۳)

محمد بن اسماعیل بخاری ہمارے نزدیک امام احمد بن حنبل سے بڑھ کر فقیہ اور صاحب بصیرت ہیں۔

ایک شخص نے ان سے کہا "جاوزت الحد" یعنی آپ ان کی مدح میں حد سے تجاوز کر گئے تو ابومصعب نے کہا کہ اگر تم امام مالک کو پاتے پھر ان کے چہرے اور امام بخاری کے چہرے کو دیکھتے تو کہتے کلاهما واحد فی الفقه والحدیث. یعنی فقہ وحدیث میں دونوں یکساں ہیں یعقوب بن ابراہیم الدورقی کا قول ہے:

محمد بن اسماعیل فقیه هذه الامة یعنی محمد بن اسماعیل اس امت کے فقیہ ہیں۔ (۲۴)

ابوعلی صالح بن محمد الاسدی نے کہا: ؎

ما رایت خراسانیا افهم منه. کسی خراسانی کو بخاری سے بڑھ کر فہم والا نہیں دیکھا۔ (۲۵)

عمرو بن زرارۃ اور محمد بن رافع ایک مرتبہ علل حدیث سے متعلق امام بخاری سے سوالات کر رہے تھے، جب دونوں مجلس سے رخصت ہونے لگے تو حاضرین مجلس سے کہا:

لا تخدعوا عن ابی عبدالله فانه افقه منا واعلم وابصر. (۲۶)
یعنی ابو عبداللہ بخاری کے بارے میں دھوکہ مت کھانا یہ ہم لوگوں سے بڑھ کر فقیہ اور ہم سے بڑھ کر علم وبصیرت والے ہیں۔
حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ امام اسحٰق بن راہویہ تخت پر بیٹھے تھے اور محمد بن اسماعیل ان کے ساتھ تھے تو ان کے کسی قول پر امام بخاری نے نکیر کیا تو انہوں نے امام کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور کہا:
یا معشر اصحاب الحدیث انظروا الیٰ هذا الشاب واکتبوا عنه فانه لو کان فی زمن الحسن بن ابی الحسن لاحتاج الیه الناس لمعرفته بالحدیث وفقهه. (۲۷)
اے اصحاب الحدیث کی جماعت اس نوجوان کو دیکھو اور اس سے کتابت حدیث کرو۔ اگر یہ حسن بصری کے زمانہ میں ہوتا تو حدیث میں اس کی مہارت اور فقہی بصیرت کی وجہ سے لوگ اس کے محتاج ہوتے۔
ایک مرتبہ امام بخاری بصرہ تشریف لے گئے تو محدث محمد بن بشار نے کہا: **قدم الیوم سید الفقهاء.** (۲۸) یعنی آج سید الفقہا کی تشریف آوری ہوئی ہے۔
امام موصوف کے فقیہانہ فضل وکمال سے متعلق خزانہ شہادات میں سے یہ چند شہادتیں ہیں جنہیں نقل کیا گیا۔
لیکن شپرہ چشم کو سورج کی روشنی میں نظر نہیں آتا ہے۔ ہر دور وہر زمانہ میں آپ کے حاسدین کی جماعت موجود رہی ہے۔ جس نے آپ کی تنقیص اور آپ کے مقام کو گھٹانے کی نامسعود کوشش کی ہے اور منجملہ اعتراضات والزامات کے عدم فقاہت کا الزام بھی آپ پر لگایا ہے۔ آپ کی فقاہت اور شرعی مسائل میں بصیرت کو ثابت کرنے کے لیے نہ کسی محنت کی ضرورت ہے نہ دور از کار تحریر کی۔ جس طرح دن میں سورج کے وجود پر کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ سورج کا وجود خود شہادت ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی جامع صحیح اور اس کے تراجم ابواب آپ کی اعلیٰ درجہ کی فقاہت پر شاہد عدل ہیں اور حاسدین ومعاندین کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنی شپرہ چشمی سے باز آؤ اور کور نگاہی کے مرض کو دور کر کے امام بخاری کی فقاہت اور ان کے مرتبہ کو سمجھو اور ان کی امامت فی الفقہ کو شرح صدر سے تسلیم کرلو۔
اللہ اکبر! صحیح بخاری کے تراجم ابواب کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کتنی باریک بینی کے ساتھ فقہی مسائل کو سادہ سادہ عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے اور ایک ہی حدیث سے کس طرح متعدد مسائل کا استخراج واستنباط کیا گیا ہے۔ جس کو کم پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ جائے۔ اختلافی مسائل میں راجح ومرجوح کا بیان اس ڈھنگ سے ہوا ہے کہ محقق کو تسلی ملے۔ امام موصوف نے تراجم ابواب میں ایسی شان فقاہت دکھائی ہے کہ جس سے قیامت تک آنے والے فقہا روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔ فرض ووجوب، تاکید، واستحباب، مندوب وجواز، حلت وحرمت، کراہت وعدم جواز کو کیسی سادہ سادہ عبارتوں میں سمجھا دیا ہے۔ جس کے لیے کتر بیونت اور عبارت آرائی کی ضرورت نہیں۔ ایک ایک حدیث سے متعدد مسائل کا استخراج واستنباط کرنا انہیں کا حصہ ہے۔
آپ کے سامنے آسمان فقاہت کے سورج قرار دیئے جانے والے پھیکے اور گہنائے گہنائے لگتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ

حاسدین جلے جارہے ہیں اور اپنے خیالی فقیہ الامت وافقہ الناس کو آپ سے بڑا بنا کر پیش کرنے میں عزت و شرافت اور علم و تحقیق کے تمام حدود کو بھول جاتے ہیں لیکن ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

امام عالی مقام کے فقہ کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہے جس کی رہنمائی ہادی اعظم ﷺ نے فرمائی ہے جس پر صحابہ کرام کا تعامل تھا۔

ہاں آپ اس فقہ اور استخراج واستنباط سے کوسوں دور ہیں جس کی بناء قیاس ورائے پر ہے جس کے لیے من گھڑت قواعد واصول وضع کئے گئے ہیں۔ آپ اس فقہ کے قریب نہیں جاتے ہیں جس میں اللہ کے حدود کو پامال کیا جاتا ہو۔ جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جاتا ہو بلکہ آپ اس کی تردید فرماتے ہیں۔

صفحات کی تنگدامنی اجازت نہیں دیتی کہ جامع صحیح سے آپ کے استخراج واستنباط کی مثالیں پیش کی جائیں صرف ایک اقتباس سید سلیمان ندوی کی ایک تحریر سے نقل کر رہا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری احادیث سے اس زمانہ کی معاشرت کا پتہ لگاتے ہیں اور معمولی واقعات سے نہایت مفید نتائج نکال کر ہر نتیجہ کو الگ الگ بابوں میں درج کرتے ہیں مثلاً ایک حدیث ہے کہ بریرۃ کو جو حضرت عائشہ کی لونڈی تھی، کسی نے کچھ گوشت صدقہ کے طور پر دیا، حضرت عائشہ نے وہ گوشت آنحضرت ﷺ کو یہ سمجھ کر نہیں دیا کہ یہ گوشت صدقہ کا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے آنحضرت نے فرمایا کہ بریرۃ کے لیے بیشک صدقہ ہے لیکن اگر بریرہ مجھے دے تو میرے لیے ہدیہ ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کو باب الصدقۃ میں درج کیا ہے مگر امام بخاری نے اس ایک حدیث سے متعدد نتائج پیدا کئے ہیں اور مختلف بابوں میں نقل کیا ہے۔ ایک موقع پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے ان کی لونڈیوں کو صدقہ دینا جائز ہے کیونکہ ازواج رسول ﷺ کی لونڈیوں نے صدقہ لیا ہے اور آنحضرت مانع نہیں ہوئے ایک اور موقع پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو صدقہ دیا جائے اور وہ کسی ایسے شخص کو وہ چیز ہدیہ کے طور پر دے جس پر صدقہ حرام ہے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے۔ (۲۹)

صاحب سیرۃ البخاری مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوریؒ رقمطراز ہیں:

"امام بخاری پہلے حدیث کی تنقید کرتے ہیں اور اس کی صحت ہر طرح جانچتے ہیں، صحت کے یقین ہونے پر بھی احتیاطاً اطمینان کے لیے استخارہ کرتے ہیں اطمینان ہونے پر حدیث کو اکثر کسی مسئلہ فقہیہ کے تحت میں ذکر کرتے ہیں جس کا نام ترجمۃ الباب ہے۔ گو اس ترجمۃ الباب میں کبھی عام کی تخصیص کبھی خاص کی تعمیم، کبھی کسی آیت کے دو احتمالوں میں سے ایک کی تعیین، کبھی غیر ثابت احادیث و آثار کی تردید، کبھی اہل زمانہ کے مروجہ رسوم وعادات کو قرآن وحدیث کے معیار سے جانچ کر اس کی صحت و غلطی کا اندازہ کرتے ہیں۔ کبھی صحیح حدیث کی تائید کبھی ضعیف حدیث کی صحت کی شہادت میں دوسری صحیح حدیث پیش کرتے ہیں کبھی ایک حدیث سے دوسری حدیث کے دو احتمالوں میں سے ایک کی تعیین کرتے ہیں، کبھی دو متعارض حدیثوں کے دو محلِ دلیل بتاتے ہیں جس سے ظاہری تعارض رفع ہو جاتا ہے۔ (۳۰)

خاتمہ بحث

یہ ایک سرسری تبصرہ تھا امام بخاریؒ کی فقاہت پر "فقه البخاری فی تراجمه" علماء کے درمیان ایک متداول مقولہ بن چکا ہے اس پر بھی اگر کوئی انکار کرے تو سوائے دشمنی، حسد، کور باطنی اور تعصب کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ پاک امت کے افراد کو توفیق بخشے کہ وہ امام بخاریؒ کی فقاہت اور اصول فقاہت سے استفادہ کریں تاکہ راہ حق وصواب یعنی صحابہ و تابعین کے مسلک ومذہب پر گامزن ہو سکیں۔

وصلی الله علیٰ عبده و رسوله محمد وعلیٰ اله وصحبه أجمعین وسلم تسلیما کثیرا.

حواشی

(۱) مقدمہ فتح الباری ص: ۵۰۱، تذکرہ الحفاظ ۴/ ۵۵۵۔ سیرۃ البخاری ص ۳۹، تذکرۃ المحدثین ص ۲۰۱

(۲) مقدمہ فتح الباری (ص ۵۰۱)

(۳) مقدمہ فتح الباری، تذکرۃ الحفاظ

(۴) مقدمۃ فتح الباری (ص ۵۰۲) سیرۃ البخاری ص ۴۲

(۵) تذکرۃ الحفاظ ۴/ ۵۵۵

(۶) مقدمۃ فتح الباری (ص ۵۰۲)

(۷) تذکرۃ الحفاظ ۴/ ۵۵۵

(۸) حوالہ مذکور ۴/ ۵۵۵

(۹) حوالہ مذکور

(۱۰) سیرۃ البخاری (ص ۵۵)

(۱۱) حوالہ مذکور

(۱۲) مقدمہ فتح الباری (ص ۵۰۳)

(۱۳) تذکرۃ الحفاظ ۴/ ۵۵۵

(۱۴) تاریخ بغداد ۴/ ۵

(۱۵) ملخصا از سیرۃ البخاری

(۱۶) مقدمہ فتح الباری (ص ۵۱۳)

(۱۷) مقدمہ فتح الباری (ص ۵۱۰-۵۱۱)

(۱۸) تاریخ بغداد ۲/ ۲۳

(۱۹) مقدمہ فتح الباری (ص ۵۱۸)

(۲۰) مقدمہ فتح الباری (ص ۵۱۸) تذکرۃ الحفاظ ۴/ ۵۵۶، تاریخ بغداد ۴/ ۶

(۲۱) تاریخ بغداد ۲/ ۶ مقدمہ فتح الباری (ص ۵۱۸)

(۲۲) فقہ الامام البخاری (ص ۷) بحوالہ جمع الجوامع

(۲۳) تاریخ بغداد ۴/ ۱۹، مقدمہ فتح الباری (ص ۵۰۶)

(۲۴) حوالہ مذکور

(۲۵) حوالہ مذکور

(۲۶) حوالہ مذکور

(۲۷) مقدمہ فتح الباری

(۲۸) حوالہ مذکور

(۲۹) تذکرۃ المحدثین (ص ۲۱۷)

(۳۰) سیرۃ البخاری (ص ۳۲۹-۳۳۰)

مولانا عبد العلیم ماہر
جامعہ عربیہ شمس العلوم، سمرا، سدھارتھ نگر

مرعاۃ المفاتیح اور اس کے مؤلف

مرعاۃ المفاتیح شرح ہے مشکوٰۃ المصابیح کی جسے آٹھویں صدی ہجری میں شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی نے تالیف فرمائی ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ مصابیح کا تکملہ ہے جسے پانچویں صدی ہجری کے آخر میں یا چھٹی صدی ہجری کے شروع میں علامہ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی نے ترتیب دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرعاۃ اور اس کے مؤلف پر کچھ معروضات پیش کرنے سے قبل مصابیح اور صاحبِ مصابیح اور اسی طرح سے مشکوٰۃ اور صاحب مشکوٰۃ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے تاکہ ہر ایک کا مختصر تعارف بھی ہو جائے اور مضمون میں ہم آہنگی اور ارتباط بھی پیدا ہو جائے۔

مصابیح

کتاب مصابیح احادیث پاک کا ایک ایسا دلآویز مجموعہ ہے جس میں احکام کی حدیثوں کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے جس سے اس کے الفاظ اور معانی و مفاہیم کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے علماء میں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علماء نے اس کتاب کے ساتھ بہت اعتناء کیا، اسی دور میں اس کی ۱۶ شرحیں تحریر کی گئیں۔ اس کتاب کی تالیف میں علامہ بغوی نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ پہلے مثلاً کتاب الایمان کا عنوان قائم کیا ہے، اس کے تحت چند ابواب رکھے ہیں اور ہر باب کو صحاح اور حسان کے نام سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ صحاح میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کی روایت شیخین یعنی بخاری اور مسلم نے کی ہے اور حسان میں وہ حدیثیں ہیں جو ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، دارمی، دار قطنی، بیہقی اور رزین بن معاویہ عبدری وغیرھم سے مروی ہیں پھر اس کے بعد دوسری کتابوں مثلاً کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصیام، کتاب الحج وغیرہ میں تا آخر کتاب یہی ترتیب باقی رکھی ہے جس سے کتاب ظاہری اور معنوی ہر اعتبار سے جامعیت اور افادیت کا ایک حسین مرقع بن گئی ہے۔

علامہ بغوی

علامہ بغوی ۴۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیلِ علوم سے فارغ ہونے کے بعد تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ میں درجہ کمال تک پہونچے اور ہر فن کی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تفسیر میں معالم التنزیل اور فقہ میں تہذیب لکھی اور حدیث میں پہلے شرح السنہ

لکھی پھر بعد میں مصابیح لکھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے شرح السنہ تالیف فرمائی تو نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے میری سنتوں کو زندہ کیا ہے اللہ تمہیں بھی زندہ رکھے چنانچہ اسی وقت سے محی السنۃ آپ کا لقب ہو گیا۔ آپ علم کے ساتھ عمل کے میدان میں بھی اسوہ اور نمونہ تھے انتہائی عابد و زاہد اور صاحب ورع و تقویٰ تھے۔ طبعیت میں سادگی اور قناعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شوال ۵۱۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

مشکوٰۃ المصابیح

شیخ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کی مشکوٰۃ المصابیح، مصابیح کا تکملہ ہے اور اس تکملہ کی تحریر کا پس منظر یہ ہے کہ مصابیح اگرچہ اپنی جگہ پر بہت جامع اور مفید کتاب تھی لیکن اس میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں تھیں جن کی بنا پر یہ کتاب اعتراضات اور مطاعن کی زد پر تھی لوگ اس پر یہ نکتہ چینی کر رہے تھے کہ اس کتاب میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں اس کے راوی یعنی صحابی اور مخرج یعنی محدث کا ذکر نہیں ہے جس سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ حدیثیں کس معیار کی ہیں صحیح ہیں یا ضعیف، یا منکر ہیں یا موضوع۔ اگر صحابی کا نام ہوتا اور اسی طرح سے محدث کا نام ہوتا تو کم از کم حدیث کی کچھ حیثیت واضح ہو جاتی اور جب یہ سب کچھ نہیں ہے تو پتہ نہیں کہ یہ سب احادیث ہیں بھی یا نہیں۔ غرض کہ علامہ بغوی کی اس کتاب پر اس طرح کے اعتراضات تھے۔ شیخ ولی الدین تبریزی نے اپنے استاذ علامہ طیبی کی ایماء پر علامہ بغوی کے دفاع میں یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح تالیف فرمائی اور مصابیح میں جو خامیاں اور کوتاہیاں تھیں اور جن کی وجہ سے علامہ بغوی کی شخصیت اور کتاب مصابیح قابل اعتراض بنی ہوئی تھی ان کو دور فرمایا یعنی ہر ہر حدیث کے راوی اور صحابی کا نام ذکر فرمایا اور ہر ہر حدیث کے مخرج اور محدث کا تعین کیا کہ یہ حدیث فلاں محدث کی کتاب سے نقل کی گئی ہے اور فلاں صحابی سے مروی ہے جس سے حدیث کی اہمیت اور ثقاہت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ اہل علم محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ عظیم علمی خدمت انجام دینے میں شیخ ولی الدین کو کتنی محنت اور عرق ریزی اور احادیث کے کتنے بڑے بڑے ذخائر کی ورق گردانی کرنی پڑی ہو گی اور اس راہ میں کس قدر موانع و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔

شیخ ولی الدین کا علمی کارنامہ اگر اسی قدر ہوتا تو یہ بھی کچھ کم قابل قدر نہ تھا مگر شیخ نے اسی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی کتاب میں اور ایسے اضافے کیے ہیں جن سے کتاب کی افادیت اور جامعیت میں چار چاند لگ گئے ہیں اور کتاب مصابیح کے تکملہ کے بجائے ایک مستقل تصنیف کی حیثیت پا گئی ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے کتاب میں جو اضافے کئے ہیں اگر ان کی تفصیل بیان کی جائے تو مضمون کی طوالت کا اندیشہ ہے اس لیے میں صرف چند اشاروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ درجہ بالا سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ صاحب مصابیح نے عمومی طور پر ہر باب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے ایک صحاح دوم حسان۔ صاحب مشکوٰۃ نے عموماً ہر باب کو تین فصلوں میں منقسم کر دیا ہے۔ فصل اول میں صحاح کی حدیثیں ہیں اور فصل دوم میں حسان کی حدیثیں ہیں اور فصل سوم میں کچھ ایسی احادیث کا اضافہ کیا ہے جو باب کے مناسب اور موافق تھیں اور مصابیح میں جن کا ذکر نہیں تھا نیز واضح ہو کہ مصابیح میں صرف مرفوع احادیث کا ذکر ہے البتہ مشکوٰۃ میں جو

اضافہ ہوا ہے اس میں مرفوع کے ساتھ ساتھ موقوف اور مقطوع احادیث بھی ہیں۔ ایک قول کے مطابق مصابیح کی کل حدیثوں کی تعداد ۴۷۱۹ تھی اور صاحب مشکوٰۃ نے فصل سوم میں جو اضافہ کیا ہے ان کی تعداد ۱۵۱۱ ہے تو گویا مشکوٰۃ المصابیح کی کل حدیثوں کی تعداد ۶۲۳۰ ہوگئی۔ تعدادِ حدیث کے بارے میں بعض علماء کا قول اس سے کم کا ہے جس کے بارے میں میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ غالباً بعض مکرر احادیث کو ان علمائے کرام نے شمار نہیں کیا ہے۔

۲- مصابیح میں بعض حدیثیں مکرر تھیں صاحب مشکوٰۃ نے تکرار سے بچنے کے لیے ان مکرر احادیث کو حذف کر دیا ہے۔

۳- مصابیح میں بعض حدیثیں مختصر تھیں اسی طرح سے بعض حدیثیں بہت لمبی تھیں صاحب مشکوٰۃ نے چند خاص اسباب کی بنا پر مختصر حدیثوں کو مکمل کر دیا ہے اور مطول حدیثوں کو مختصر کر دیا ہے۔

۴- مصابیح میں بعض حدیثیں صحاح کے تحت درج تھیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیثیں شیخین کی ہیں لیکن تلاش بسیار کے باوجود صاحب مشکوٰۃ کو وہ حدیثیں صحیحین میں نہیں ملیں صاحب مشکوٰۃ نے ان حدیثوں کو فصل اول میں رکھتے ہوئے غیر شیخین کی طرف منسوب کر دیا ہے اسی طرح بعض حدیثیں حسان کے تحت تھیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیثیں غیر شیخین کی ہیں لیکن تلاش و تفحص کے دوران وہ حدیثیں صاحب مشکوٰۃ کو شیخین کی حدیثوں میں مل گئیں تو صاحب مشکوٰۃ نے ان حدیثوں کو فصل ثانی میں رکھتے ہوئے شیخین کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

۵- مصابیح میں کوئی حدیث کسی متن کے ساتھ مذکور ہے لیکن صاحب مشکوٰۃ کو وہ حدیث اس متن کے ساتھ نہیں ملی تو صاحب مشکوٰۃ نے دوسری حدیث دوسرے متن کے ساتھ ذکر کر دی ہے۔

۶- صاحب مصابیح نے بعض حدیثوں کے بارے میں غریب، ضعیف یا منکر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے اس کی غرابت، ضعف اور نکارت کی وجہ ظاہر کر دی ہے اور جہاں خاموش رہے ہیں وہاں صاحب مشکوٰۃ نے بھی ان کے نقش قدم کی پیروی کی ہے البتہ بعض جگہ کسی خاص سبب سے صاحب مشکوٰۃ نے حدیث کی بعض کیفیات واضح کر دی ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح ۲۹ کتب ۳۲۷ ابواب اور ۱۰۳۸ فصلوں پر مشتمل ہے اور حدیثوں کی تعداد ۶۲۳۰ ہے۔

اس طرح کے اضافوں کے بعد کتاب مشکوٰۃ المصابیح ایک مستقل تصنیف کی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے عوام و خواص ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن گئی ہے اور اللہ نے اسے ایسی قبولیت بخشی ہے کہ آج برصغیر میں اہل سنت کا شاید ہی کوئی مدرسہ ہو جہاں اس کی تعلیم و تدریس نہ ہوتی ہو۔

صاحب مشکوٰۃ

نام محمد بن عبد اللہ کنیت ابو عبد اللہ لقب ولی الدین نسبت تبریزی اور عمری ہے یہ بات بہت تعجب خیز بلکہ افسوس ناک ہے کہ صاحب مشکوٰۃ کی تاریخ ولادت و وفات کے سلسلہ میں سوانح نگار حضرات بالکل خاموش ہیں۔ تذکرہ نگار حضرات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ موصوف مشکوٰۃ المصابیح کی تالیف سے ۷۳۷ھ میں فارغ ہوئے ہیں اور اکمال کی تالیف سے ۷۴۰ھ میں فارغ ہوئے ہیں بعض لوگ اندازے سے سال وفات ۷۴۳ھ یا ۷۴۷ھ بتاتے ہیں۔

مرعاة المفاتیح

مشکوٰۃ المصابیح کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں متقدمین نے بھی لکھی ہیں اور متاخرین نے بھی۔ مگر ان تمام شروح میں مرعاۃ المفاتیح کی حیثیت ایسی ہے جیسے ستاروں میں بدر کامل۔ واقعہ یہ ہے کہ مرعاۃ المفاتیح اپنے خصائص اور امتیازات کی وجہ سے باقی تمام شرحوں پر نہ صرف بھاری ہے بلکہ تمام شرحوں سے مستغنی اور بے نیاز کر دیتی ہے اور "**کل الصید فی جوف الفرا**" کا مصداق بن گئی ہے۔ بعض علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ مرعاۃ المفاتیح صرف مشکوٰۃ کی شروح سے نہیں بلکہ فن حدیث کی تمام شرحوں سے مثلاً فتح الباری، نووی، نیل الاوطار، عون المعبود، **بذل المجهود** اور **تحفة الاحوذی** وغیرہ سے بے نیاز کر دینے والی ہے کیونکہ مرعاۃ المفاتیح میں ان تمام شرحوں کا عرق نچوڑ دیا گیا ہے۔

تالیف مرعاۃ کا پس منظر

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد جب دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے ارباب انتظام پاکستان منتقل ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی بند ہو گیا جہاں شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی ۲۰ سال سے تدریس حدیث بالخصوص تدریس صحیحین کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس دوران آپ کے انداز تدریس اور علم حدیث میں آپ کے تبحر علمی کی شہرت دور دور تک پہونچ چکی تھی چنانچہ دارالحدیث رحمانیہ کے بند ہو جانے کے بعد کسی دوسری درسگاہ میں تدریسی ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے آپ نے اپنے وطن مالوف مبارکپور میں قیام پذیر ہونے کو ترجیح دی اور آپ کے اس رجحانِ طبع میں غالباً تقدیر الٰہی اور مشیت ایزدی کا دخل تھا جیسا کہ بعد کے حالات شاہد ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ لاہور پاکستان کے علامہ ابوالطیب عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور ان کے علم دوست رفیق حافظ محمد زکریا صاحب جو علامہ بھوجیانی کے ہم ذوق و ہم فکر سلفی عالم تھے۔ ان دونوں صاحبان کی ایک عرصہ سے یہ خواہش اور تمنا تھی کہ حدیث کی متداول کتابوں کی سلفی منہج فکر کے مطابق تعلیقات و حواشی تیار کی جائیں کیونکہ یہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ اس وقت حدیث کی متداول کتابوں کے جو حواشی و تعلیقات ہیں وہ منہج سلف سے ہٹ کر مقلدانہ ذہنیت کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان حواشی میں احادیث پاک کی حقیقی روح کو فنا کر کے بیجا تاویل کے سہارے احادیث پاک کا مثلہ کیا جاتا ہے اور ان احادیث کو زبردستی ایک خاص مکتب فکر کے مطابق بنانے کی سعی ناکام کی جاتی ہے۔ مثال کے لیے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور مشکوٰۃ المصابیح پر نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ ان کتب حدیث کے حواشی و تعلیقات میں کتنی دیدہ دلیری کے ساتھ تاویلات رکیکہ کے ذریعہ روحِ احادیث کو فنا کرنے کی نامسعود کوشش کی گئی ہے۔

سلفی فکر کے علماء کا ان حواشی و تعلیقات سے پریشانی محسوس کرنا اور ان کی جگہ پر سلفی منہج فکر کے مطابق حواشی و تعلیقات تیار کرانا ایک بالکل طبعی اور فطری امر تھا، چنانچہ ان دونوں صاحبان نے اس کے لیے ایک عملی خاکہ اور جامع پروگرام مرتب فرمایا اور اس کے مطابق آغاز کار کے لے سب سے پہلے مشکوٰۃ المصابیح کا انتخاب فرمایا۔

علامہ عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی کے تبحر علمی اور ان کی مہارت فی الحدیث سے واقف تھے اور کسی معتبر ذریعہ سے یہ بھی معلوم کر چکے تھے کہ موصوف اس وقت اپنے وطن مالوف مبارکپور میں

قیام پذیر ہیں اور ان پر کوئی تدریسی ذمہ داری نہیں ہے چنانچہ علامہ بھوجیانی نے مشکوٰۃ المصابیح پر حاشیہ تحریر کرنے کے لیے اپنے رفیق حافظ محمد زکریا کے سامنے شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ صاحب رحمانی کا نام پیش کیا جسے حافظ صاحب موصوف نے فی الفور منظور فرمالیا پھر مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گجرانوالہ کے مشورہ کے بعد شیخ الحدیث موصوف کو اس عظیم علمی کام کی پیشکش کی گئی جسے شیخ صاحب نے برضا و رغبت قبول فرمالیا۔

گذشتہ سطور میں یہ بات تحریر ہو چکی ہے کہ دار الحدیث رحمانیہ کی تدریسی زندگی ختم ہونے کے بعد شیخ صاحب نے کسی دوسری درسگاہ میں تدریسی ذمہ داری قبول نہیں فرمائی۔ تقدیر الٰہی اب آپ کو مسند تدریس کی زینت بنانے کے بجائے تصنیف و تالیف کے میدان کا ایک عظیم شہسوار بنانا چاہتی تھی اور آپ سے خدمت حدیث کے باب میں ایک ایسا عظیم علمی کام کرانا چاہتی تھی جس کے اثرات اور نقوش تا قیامت باقی رہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ کی تدریسی زندگی بھی بے مثال تھی اور اس کے اثرات و نقوش بھی انشاء اللہ دیر تک باقی رہیں گے۔ لیکن ظاہر ہے تدریس اور تالیف دونوں کی افادیت میں نمایاں فرق ہے تدریس کی افادیت مخصوص اور موجود لوگوں کے لیے ہے جب کہ تالیف کی افادیت مخصوص اور غیر مخصوص، موجود اور غیر موجود سب کے لیے غیر محدود طور پر ہے۔ بہر حال شیخ صاحب نے مشکوٰۃ المصابیح پر تحشیہ کی ذمہ داری قبول فرمائی اور پروگرام کے تحت ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں مشکوٰۃ پر تعلیقات کا کام اللہ کے نام سے شروع کر دیا مگر جب شیخ کے قلم نے علمی سفر کا آغاز کیا تو آپ کی مہارت فی الحدیث، جامعیت اور غزارت علمی نے قلم کو سیال بنادیا آپ کا قلم صفحہ قرطاس پر علوم و معارف کے موتی بکھیرتے ہوئے اور حدیث و متعلقات حدیث کے نوع بنوع مضامین کو سمیٹتے ہوئے بڑی برق رفتاری کے ساتھ چلنے لگا اور تھوڑی دور چلنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مشکوٰۃ المصابیح پر حاشیہ اور تعلیق نہیں ہے بلکہ یہ مشکوٰۃ المصابیح کی غیر مسبوق، بسیط اور مفصل شرح ہے۔ چند سالوں کے بعد جزء اول کا مسودہ مرعاۃ المفاتیح کے نام سے علامہ بھوجیانی کے پاس ارسال فرمایا جسے دیکھ کر علامہ بھوجیانی کو بے پناہ خوشی و مسرت ہوئی آپ کا ایک دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا آپ نے اس کے جزء اول کو جس کی آخری بحث باب الذکر بعد الصلوٰۃ پر ختم ہے۔ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں طبع فرما کر المکتبۃ السلفیہ لاہور سے شائع فرمایا۔

جب سیاسی حالات کی ناسازگاری کے باعث پاکستان سے ہندوستان کا تعلق منقطع ہو گیا تو اس کے جزء ثانی و ثالث کی طباعت اور دیگر اخراجات کے لیے شیخ صاحب کے تلمیذ رشید اور ہمارے استاذ محترم جناب مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی نے اپنی خدمات پیش فرمائیں اور اس سلسلہ میں جناب مولانا زین اللہ صاحب طیب پوری اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب کدر بٹوا برادر خورد جناب مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈانگری نے بھی معاونت و مساعدت فرمائی۔ چنانچہ جزء ثانی جس کی بحث باب مالایجوز من العمل فی الصلوٰۃ وما یباح منه سے شروع ہو کر باب زیارۃ القبور پر ختم ہوئی ہے۔ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں، جزء ثالث جس کی بحث کتاب الزکوٰۃ سے شروع ہو کر ایک ایسے باب پر ختم ہوئی ہے جس کا کوئی عنوان صاحب کتاب نے مقرر نہیں کیا ہے البتہ شیخ صاحب نے بعض نسخوں کے حوالہ سے اس کا نام باب فی سعة رحمة الله رقم فرمایا ہے۔ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں شیخ صاحب نے خود اپنی نگرانی میں نامی پریس لکھنؤ سے طبع کرا کے شائع فرمایا۔

بعدہ اس عظیم تالیف کی طباعت اور نشرو اشاعت کی ذمہ داری جامعہ سلفیہ بنارس نے لے لی اور اسے ایک نئے انداز سے جدید ذوق کے مطابق شائع کرنے کا پروگرام بنایا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ پہلی جلد جو پاکستان میں طبع ہوئی تھی اسے دو جلدوں میں تقسیم کر کے جزء اول و جزء ثانی بنادیا گیا۔ جزء اول ۶۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اسے ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں شائع کیا گیا۔ جزء ثانی ۵۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اسے ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں شائع کیا گیا۔

اور شیخ صاحب کی زیر نگرانی طبع کی ہوئی جلد ثانی و ثالث کو تین حصوں میں تقسیم کر کے جزء ثالث، جزء رابع اور جزء خامس بنادیا گیا۔

جزء سادس کی بحث باب مایقول عندالصباح والمساء سے شروع ہوکر باب الدفع من عرفة والمزدلفة پر ختم ہوئی ہے یہ جزء ۵۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں شائع کیا گیا اور جزء سابع باب رمی الجمار سے شروع ہوکر باب حرم المدینة حرسها الله تعالیٰ پر ختم ہوا ہے، یہ ۳۸۶ صفحات پر مشتمل ہے، اسے ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں شائع کیا گیا۔

جزء ثامن اور جزء تاسع بھی طبع ہو گیا ہے جزء تاسع پر کتاب الحج ختم ہو گیا ہے اور جزء عاشر کا آغاز کتاب البیوع سے ہوا ہے لیکن اس کی طباعت نامکمل ہے۔

مرعاة کا مقام ومرتبه

مشکوٰۃ المصابیح کی یہ عظیم اور بے مثال شرح حدیث اور متعلقات حدیث کے مختلف علوم و فنون کے جواہر پاروں سے اس قدر مزین، دیدہ زیب اور پرکشش ہے کہ اس پر کسی شاعر کا یہ شعر بالکل منطبق ہوتا ہے:

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

یہ واقعہ ہے کہ شارحِ عالی مقام نے اپنی دیدہ وری اور بے پناہ علمی و فنی صلاحیتوں سے کام لے کر اس میں اپنی قلم کاری کا وہ جوہر دکھایا ہے جس سے یہ شرح دیگر تمام شرحوں کے مقابلہ میں ممتاز اور انفرادی شان کی حامل ہو گئی ہے اور مقبولیت اور مرجعیت کی اس منزل تک پہونچ گئی ہے جس کے لیے صرف تصور کیا جاسکتا ہے۔

یہ شعر بڑا حسب حال ہے:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا　　　ہر مدعی کے واسطے دارو رسن کہاں

بلاشبہ یہ علو شان اور یہ فضل و شرف کاتب تقدیر نے محدثِ عصر علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی اور ان کی عظیم تالیف مرعاۃ المفاتیح ہی کے حصہ میں رکھا تھا اور حق یہ ہے کہ وہ واقعتہً اس اعزاز و اکرام کے مستحق تھے۔ نورالله مضجعه وجعل الجنة مثواه۔

امتیازی اور افادی پہلو

اس شرح عظیم کے امتیازی اور افادی پہلو اور وہ اوصاف و محاسن جو بہت واضح اور نمایاں ہیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور دیگر محدثین و مجتہدین جن کا ذکر مشکوٰۃ میں پہلی جگہ آیا ہے۔ شارح نے وہاں ان کا ترجمہ

وتعارف ضرورت کے مطابق پیش کر دیا ہے اسی طرح اگر کسی جگہ کا نام آگیا ہے تو اس کی بھی ضروری وضاحت کر دی ہے اور اس میں خاص طور پر زیر، زبر، پیش ظاہر کر کے ناموں کے صحیح تلفظ کی نشاندہی کر دی ہے۔

۲۔ فقہی وکلامی مسائل پر جو احادیث مشتمل ہیں ان کا وہی معنی ومفہوم متعین کیا ہے جو صحابہ کرام اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔

۳۔ احادیث پاک کی تشریح وضاحت میں پوری فیاضی سے کام لیا ہے اور حدیث کے مالہ وماعلیہ کو مکمل طور پر بیان کیا ہے ضمناً اگر کسی نحوی، صرفی اور لغوی بحث کی ضرورت آپڑی ہے تو اسے بھی تفصیل سے پیش کیا ہے۔

۴۔ مسائل اختلافیہ میں تمام ائمہ کے مسالک ان کے دلائل کے ساتھ ذکر کیے ہیں اور راجح قول کی دلائل کے ساتھ نشاندہی کرتے ہوئے مرجوح قول کے دلائل کا بے وزن ہونا ثابت کیا ہے۔

۵۔ مقلدین ومبتدعین کی دور از کار تاویلات کا بڑی خوبی کے ساتھ رد کیا ہے نیز ان کی طرف سے فقہائے اہل الحدیث پر وارد شدہ اعتراضات ومطاعن کا بھرپور جواب دیا ہے۔

۶۔ حدیث پر جو اشکالات یا معارضات ہیں ان کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔

۷۔ بعض مسائل پر بحث کے دوران طول کلامی سے بچنے کے لیے اپنی بات مختصر کر کے اصحاب ذوق کے لیے ان کتابوں کا بقید جلد وصفحات حوالہ دیا ہے کہ مزید معلومات کے لیے ان حوالوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

۸۔ فصل اول اور فصل ثالث میں صحیحین کی جو حدیثیں ہیں ان کی تخریج کی ہے اسی طرح فصل ثانی اور فصل ثالث میں جو غیر شیخین کی روایتیں ہیں ان کی بھی تخریج کی ہے۔

۹۔ غیر شیخین کی حدیثوں کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے ان کی صحت اور ضعف کو واضح کیا ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ فنِ حدیث کی باتوں پر اعتماد کیا ہے۔

۱۰۔ متعارض احادیث میں توفیق وتطبیق دی ہے۔

۱۱۔ غیر شیخین کی حدیثوں کی صحت وضعف بیان کرتے ہوئے ان کی تائید میں جو احادیث وآثار ہیں ان کو بھی ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ صاحب مشکوٰۃ نے اگر کسی حدیث کو اختصار سے ذکر کیا ہے تو شارح نے اس حدیث کو مکمل بیان کر دیا ہے۔

۱۳۔ الفاظ حدیث نقل کرنے میں یا غیر شیخین کی حدیث فصل اول میں ذکر کرنے میں یا شیخین کی حدیث فصل ثانی میں ذکر کرنے میں مصنف مشکوٰۃ سے اگر کوئی وہم یا سہو ہوا ہے تو شارح نے اس پر تنبیہ کر دی ہے۔

۱۴۔ جہاں جہاں صاحب مشکوٰۃ نے مخرج کے تعین کی جگہ بیاض چھوڑ دیا ہے شارح نے اس کو پُر کر دیا ہے۔

۱۵۔ ہر ہر حدیث کا سیریل نمبر تحریر کیا ہے اسی طرح سے ابواب کی احادیث کا الگ نمبر قوسین میں تحریر کیا ہے۔

۱۶۔ شارح نے قاری کی سہولت کے لیے چار فہرستیں مرتب کی ہیں۔

۱۔ ابواب اور فصول کی فہرست

۲۔ حدیث اور مطالب حدیث کی فہرست

۳- صحابہ، تابعین و محدثین وغیرہم کی فہرست

۴- مقامات اور جگہوں کی فہرست

اِن کے علاوہ بھی بہت سے اختصاصات اور امتیازات ہیں جن کو قاری حضرات بنظر غائر مطالعہ سے بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔

مؤلف کتاب

نام عبیداللہ بن عبدالسلام۔ کنیت ابوالحسن، شیخ الحدیث اور شیخ صاحب لقب، رحمانی اور مبارکپوری نسبت۔

محرم ۱۳۲۷ھ مطابق جولائی ۱۹۰۹ء میں ضلع اعظم گڈھ کے مشہور و معروف صنعتی قصبہ مبارکپور میں آپ کی ولادت ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ عربیہ مئو میں حاصل کی جہاں ان کے والد علامہ عبدالسلام صاحب، مصنف سیرۃ البخاری تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہاں سے اپنے والد محترم کے ساتھ ضلع گونڈہ کے مشہور مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار منتقل ہوگئے۔ چار سال تک یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد صاحب ہی کے ساتھ دارالحدیث رحمانیہ دہلی پہونچ گئے جہاں سے شعبان ۱۳۴۵ھ میں بعمر ۱۸ سال سند فراغ حاصل کی۔ والد صاحب کے علاوہ درج ذیل علماء سے آپ نے استفادہ کیا۔

۱- مولانا احمد اللہ پرتابگڈھی ۲- مولانا غلام یحیٰ کانپوری ۳- مولانا عبدالرحمٰن نگرنھسوی

۴- مولانا ابو طاہر بہاری ۵- مولانا عبدالغفور جے راج پوری ۶- مولانا محمد اسحٰق آروی

۷- مولانا عبدالوہاب آروی ۸- مولانا محمد صاحب گوندلوی ۹- صاحب تحفہ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری

تدریسی دور کا آغاز

مشہور مثل "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" کے مصداق شیخ صاحب کی ابتدائی اور طالب علمانہ زندگی ہی میں اس طرح کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے کہ آپ مستقبل میں ایک غیر معمولی شخصیت کے حامل ہوں گے۔ آپ کی متانت اور حصولِ تعلیم میں جدوجہد اور کامل یکسوئی سے یہ صاف نظر آرہا تھا کہ آپ کسی بلند مقام پر فائز ہونے والے ہیں چنانچہ تعلیم سے فراغت کے ساتھ ہی شیخ عطاء الرحمٰن مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے آپ کو اپنے مدرسہ میں تدریس کے لیے منتخب کرلیا اور شیخ صاحب شوال ۱۳۴۵ھ میں مسند تدریس پر رونق افروز ہوگئے۔ ابھی تدریس کا آغاز ہی ہوا تھا کہ علامہ عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری مصنف تحفۃ الاحوذی کو اپنی اس تالیف کی تکمیل کے لیے کسی ایسے عالم کی ضرورت محسوس ہوئی جو فن حدیث میں مہارت رکھتا ہو اور اس تالیف کی تکمیل میں مدو معاون ثابت ہو کیونکہ کف بصر کی وجہ سے آپ اس تالیف کے عمل کو جاری رکھنے سے قاصر اور معذور ہوگئے تھے۔ اس کام کے لیے آپ کی نگہِ انتخاب شیخ الحدیث ہی پر پڑی اور انہوں نے شیخ صاحب کو اس کام کے لیے مبارکپور طلب کیا اور مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمٰن صاحب نے شیخ صاحب کو بخوشی نہ صرف اجازت دیدی بلکہ تنخواہ بھی جاری رکھی۔ شیخ صاحب دو سال تک مبارکپور میں قیام پذیر رہے اور تحفۃ الاحوذی کی آخری دو جلدوں کی تکمیل کرائی پھر حسبِ سابق رحمانیہ میں واپس تشریف لائے اور تدریسی فریضہ بڑی کامیابی کے ساتھ نہایت اعلیٰ پیمانہ پر انجام دینے لگے۔

تدریس کے لیے جو کتابیں آپ کو تفویض کی جاتیں ان میں خاص طور پر درج ذیل کتابیں ہوتیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، موطا امام مالک وغیرہ۔ آپ کا یہ تدریسی سفر ۲۰ سال تک جاری رہا اس دوران جو علماء آپ کے فیض علم سے مستفیض ہوئے ان میں کچھ نمایاں اور قابل ذکر لوگ یہ ہیں۔

تلامذہ

۱۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی، پاکستان ۲۔ مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی نیپال ۳۔ مولانا عبدالواجد صاحب رحمانی مدراس ۴۔ مولانا محمد زماں صاحب رحمانی ۵۔ مولانا محمد صاحب سمراوی ۶۔ مولانا زین اللہ صاحب طیب پوری ۷۔ مولانا عبدالرحیم رحمانی ۸۔ مولانا عبدالجلیل رحمانی ۹۔ مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی ۱۰۔ مولانا آزاد صاحب رحمانی ۱۱۔ مولانا احمد اللہ رحمانی بنگلہ دیش ۱۲۔ مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی ۱۳۔ مولانا عبدالصبور رحمانی اکرہرا ۱۴۔ مولانا عبدالقیوم رحمانی دودھونیاں ۱۵۔ مولانا محمد خلیل رحمانی ۱۶۔ مولانا عبدالستار رحمانی بنگال ۱۷۔ مولانا محمد مسلم رحمانی بنگال ۱۸۔ مولانا عبدالرحمٰن رحمانی بنگلہ دیش ۱۹۔ مولانا نذرالحسن سہسوانی ۲۰۔ مولانا آفتاب احمد رحمانی راجشاہی بنگلہ دیش ۲۱۔ مولانا عبدالمعید بنارسی ۲۲۔ مولانا حکیم عبیداللہ رائے بریلی ۲۳۔ مولانا حکیم ضیاء الدین مئو آئمہ ۲۴۔ مولانا محمد یوسف بہرائچ ۲۵۔ مولانا عزیز زبیدی پاکستان ۲۶۔ مولانا محمد داؤد راغب رحمانی ۲۷۔ مولانا عبدالرحمٰن رحمانی ابن الشیخ۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ آپ کا یہ تدریسی سلسلہ ۱۹۴۷ء کے حادثہ ہی تک قائم رہ سکا اس کے بعد ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں دارالحدیث رحمانیہ بند ہو گیا۔ شیخ صاحب اپنے وطن مبارکپور واپس آگئے اور پھر مرعاۃ المفاتیح کی تالیف کا کام شروع ہوا جس کا سلسلہ عمر عزیز کے آخری حصہ تک قائم رہا اس سلسلہ کی کچھ تفصیلات گذشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں۔

آپ کا ایک خاندانی علمی تشخص

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ کسی فرد یا خاندان کو کوئی ایسا فضل و شرف اور اختصاص و امتیاز (حکومت و سلطنت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ تو خاندانی اجارہ داری ہی کی بنیاد پر اکثر حاصل ہوتی ہے) جو اس کی چار پشتوں کو مسلسل حاصل ہو، اس کی مثال بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر نبوت ہے۔ انبیاء کرام سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں لیکن کوئی ایسا نبی جس کی چار پشتوں کو نبوت حاصل ہوئی ہو اس کی مثال صرف ایک ہے اور وہ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ جن کی چار پشتوں کو مسلسل نبوت کا شرف حاصل رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود نبی، ان کے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام نبی، ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نبی، ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام نبی۔ دوسری مثال صحابیت ہے صحابہ کرام کی تعداد تو لاکھ سے متجاوز ہے لیکن کوئی ایسا صحابی جس کی چار پشتوں کو یہ شرف و فضل حاصل ہو اس کی بھی مثال صرف ایک ہے اور وہ ہیں حضرت ابو بکرؓ۔ وہ خود صحابی ان کے والد حضرت ابو قحافہ بھی صحابی ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بھی صحابی اور ان کے بیٹے حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بھی صحابی۔ تیسری مثال علم کی ہے ہندوستان کے ماضی بعید میں علماء کی تعداد بے شمار ہے لیکن کوئی ایسا عالم جس کی چار پشت مسلسل ولگاتار عالم ہو۔ اس کی مثال بھی ماضی بعید کے ہندوستان میں صرف ایک ہے اور وہ ہیں حضرت

مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ یہ خود ایک زبردست عالم دین، ان کے والد شاہ عبدالغنی بھی عالم، ان کے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی عالم، ان کے والد شاہ عبدالرحیم بھی عالم۔ چوتھی مثال شعر وشاعری کی ہے ہندوستان میں شعراء کی تعداد شمار سے باہر ہے لیکن کوئی ایسا شاعر جس کی چار پشت مسلسل شاعر ہو، اس کی بھی صرف ایک مثال ہے اور وہ ہیں میر انیس دہلوی یہ خود شاعر، ان کے باپ میر خلیق شاعر، ان کے باپ میر حسن دہلوی شاعر، ان کے باپ میر ضاحک شاعر۔ ماضی قریب کے ہندوستان میں چار پشت تک علم کے شرف وفضل سے ممتاز ہونے والے تین اشخاص کا سراغ ملا ہے، ان میں ایک کا تعلق احناف سے ہے اور دو کا اہل حدیث سے۔ احناف کے جو عالم اس شرف سے مشرف ہیں وہ ہیں مولانا قاسم نانوتوی یہ خود عالم ان کے بیٹے حافظ احمد صاحب عالم، ان کے بیٹے قاری محمد طیب صاحب عالم، ان کے بیٹے مولانا محمد سالم صاحب عالم۔ اور دو جو اہل حدیث عالم ہیں ان میں سے ایک کا تعلق اب پاکستان سے ہے وہ ہیں مولانا عبداللہ غزنوی، ان کے بیٹے مولانا عبدالجبار غزنوی عالم، ان کے بیٹے مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی عالم، ان کے بیٹے مولانا ابو بکر غزنوی عالم اور ہندوستان کے جو عالم اس شرف وفضل سے ممتاز ہیں وہ ہیں ہمارے ممدوح محدث عصر علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی مبارکپوری یہ ایک جلیل القدر عالم دین، ان کے والد علامہ عبدالسلام بھی عالم۔ شیخ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمانی عالم ان کے صاحبزادے مولانا زہیر صاحب بھی عالم۔ اس تفصیل سے ممدوح مکرم علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی کی بے مثل اور منفرد شخصیت کی حیثیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اوصاف وکمالات

شیخ صاحب کے اوصاف وکمالات کا، ان کے فضائل ومناقب کا اور ان کے کردار وعمل کا اگر ان کے اوراق زندگی کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آئے گی کہ شیخ صاحب حدیث اور علوم حدیث کے بحر بیکراں تھے معقولات اور منقولات کے جامع تھے۔ فقہ واجتہاد کے اپنے زمانہ میں امام تھے، میدان تدریس کے عظیم شہسوار تھے۔ تصنیف وتالیف کے باب میں متقدمین کے ہمسر تھے، فتویٰ نویسی میں محقق کامل تھے۔ علم وعمل کا بہترین نمونہ تھے۔ خلوص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔ ورع وزہد اور تقویٰ وخشیت الٰہی کی تصویر مجسم تھے۔ صبر ورضا کے خوگر تھے۔ قناعت وسادگی کا عملی نمونہ تھے۔ ضیافت ومہمان نوازی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ خرد وکلاں ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کرنے والے تھے۔ عجب وخود پسندی اور ریا ونمود سے کوسوں دور تھے۔ غم اور خوشی میں صابر وشاکر تھے۔ خلاصہ یہ کہ وہ سب کچھ تھے جو ایک مومن کامل کو ہونا چاہئے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ صفت تھے تو شاید یہ مبالغہ نہ ہو۔

بہرحال ۸۷ سال کی عمر تک اپنی ضیاء بار کرنوں سے عرب وعجم کو منور کرتا ہوا ۲۲ر رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۵ر جنوری ۱۹۹۴ء بروز چہار شنبہ بعد صبح صادق ۵ بجکر ۵۵ منٹ پر یہ آفتاب علم وعمل طلوع آفتاب سے تقریباً ۵۰ منٹ قبل ہی غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ. آمین. یا رب العالمین.

مولانا ابوالعاص وحیدی
مجمع البحوث العلمیۃ الاسلامیہ، نئی دہلی

جامع الترمذی کی تین شروح

العرف الشذی، تحفة الاحوذی اور معارف السنن

مختصر تقابلی مطالعہ

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين وعلى جميع من اقتدىٰ بهديهم الى يوم الدين.

اما بعد! دین اسلام جو عالم انسانی کا سب سے پہلا اور آخری مذہب ہے وہ قرآن وحدیث کے عقائد واحکام کا مجموعہ ہے، قرآن ایک محکم و مفصل کتاب ہے جس میں بنیادی طور پر اصول وکلیات کا بیان ہے، اس میں کہیں کہیں بعض جزئی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور حدیث نبوی قرآن مجید کی شرح و تفسیر اور بیان ہے۔ قرآن کے فرائض واحکام کی عملی تشریح اور تفصیل اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کے ذمہ کی تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم. (النحل. ۴۴)

ہم نے تم پر (اے نبی) قرآن نازل کیا تاکہ تم لوگوں کے لیے اس کی تشریح کردو جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول جناب محمد ﷺ پر بذریعہ وحی جلی قرآن اتارا ہے اور اس کی شرح و تفصیل کے لیے بذریعہ وحی خفی آپ پر احادیث نازل کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ اس لیے اس نے قرآن وحدیث دونوں کی حفاظت کی ہے، یہ ایک عظیم علمی و تاریخی حقیقت ہے جس پر پوری دنیا کے اصحاب دین ودانش حیران و ششدر ہیں کہ جس طرح قرآن مجید مکمل طور پر محفوظ ہے اسی طرح صحیح احادیث کا ذخیرہ بھی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مخلص علماء اور بے لوث محدثین ہر دور میں پیدا کئے جنہوں نے بڑی محنت وجانفشانی سے احادیث نبوی کی تدوین کی ہے اور انہوں نے اتنی دقیقہ سنجی سے کام لیا ہے کہ صحیح، ضعیف، موضوع اور اسرائیلی روایات کی تعیین درجات میں ایک ایک لفظ کو پرکھ ڈالا ہے۔

محدثین عظامؒ نے مختلف اعتبارات سے احادیث کی تدوین کی ہے اور صحیح وغیر صحیح احادیث وروایات کے درمیان فرق

وامتیاز قائم کرنے کے لیے ایسا دقیق، جامع اور وسیع فن اسماء الرجال ایجاد کیا ہے کہ ہزاروں لاکھوں رواۃ ورجال کے مکمل حالات محفوظ ہو گئے ہیں۔ یقیناً کسی مذہب کے متبعین نے اپنے پیغمبر کے اقوال وارشادات کی حفاظت وتدوین کے لیے ہرگز اتنی محنت نہیں کی جتنی محنت اور عرق ریزی علمائے اسلام نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی تدوین وتالیف میں کی ہے، یقیناً یہ بھی اسلام کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔

اقسام کتب حدیث

مضامین حدیث اور شیوخ وغیرہ کی ترتیب کے اعتبار سے بھی علمائے اسلام نے احادیث کی تالیف وتدوین کی ہے، اس اعتبار سے کتب حدیث کی کئی قسمیں ہیں جو اس طرح ہیں! الجامع، السنن، المسند، المعجم، الجزء، الرسالۃ اور الاربعین وغیرہ، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنے فارسی رسالہ ''عجالۂ نافعہ'' میں اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے۔

الجامع: احادیث کی اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو تمام مضامین احادیث کو جامع ہو۔ باعتبار مضامین وموضوعات بنیادی طور پر احادیث کی آٹھ قسمیں ہیں: (۱) احادیث عقائد (۲) احادیث احکام (۳) احادیث زہد ورقاق (۴) احادیث آداب (۵) احادیث تفسیر (۶) احادیث سیر وتاریخ (۷) احادیث ملاحم وفتن اور (۸) احادیث مناقب- کتب ستہ میں دو کتابیں جامع ہیں۔ صحیح بخاری اور سنن ترمذی، صحیح مسلم جامع نہیں ہے اس لیے کہ اس میں احادیث تفسیر بہت کم ہیں، پھر بھی اس کو جامع کہنے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ علماء ومحدثین نے ''الجامع'' کے لیے جو مذکورہ آٹھوں اقسام احادیث پر مشتمل ہو، احادیث کی کثرت وقلت کی کوئی شرط نہیں لگائی ہے۔

السنن: احادیث کی وہ کتاب جو مذکورہ آٹھوں اقسام کو جامع نہ ہو جیسے اس میں احادیث عقائد وتفسیر وغیرہ نہ ہوں یا مذکورہ آٹھوں اقسام کو جامع تو ہو مگر اس کی ترتیب فقہی طرز پر ہو جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ وغیرہ، جامع الترمذی کو سنن الترمذی بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اگرچہ وہ جامع ہے مگر اس کے مباحث ومضامین کی ترتیب ابواب فقہ کے اعتبار سے ہے۔

المسند: احادیث کی وہ کتاب جس میں احادیث کی تالیف وتدوین صحابہؓ کی ترتیب کے اعتبار سے ہو چاہے حروف تہجی کی رعایت سے یا اسلام میں تقدم وتأخر کی رعایت سے یا شرافت نسب وغیرہ کی رعایت سے جیسے مسند ابن ابی شیبۃ، مسند ابن ابی عاصم، مسند ابن راہویہ اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ۔

لمعجم: احادیث کی وہ کتاب جس میں شیوخ کی ترتیب سے احادیث جمع کی جائیں، چاہے ان کی وفات کے تقدم کا لحاظ ہو یا حروف تہجی کا لحاظ ہو، یا علم وتقویٰ میں فضیلت وتقدم کا لحاظ ہو مگر المعجم میں زیادہ تر حروف تہجی ہی کی رعایت کی جاتی ہے۔ جیسے امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ کی المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر اور ابو بکر محمد بن حسن نقاش موصلی کی المعجم الکبیر، المعجم الصغیر اور المعجم الاوسط وغیرہ۔

لجزء: احادیث کا وہ مجموعہ جو طبقۂ صحابہ یا بعد کے طبقات میں سے کسی ایک شخص کی مرویات پر مشتمل ہو جیسے جزء حدیث ابی بکر اور جزء حدیث مالک وغیرہ۔

الرسالۃ: احادیث کا وہ مجموعہ جس میں مذکورہ آٹھوں مضامین میں سے کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث جمع کی جائیں اس کو بھی "الجزء" کہا جاتا ہے جیسے جزء القراءۃ للامام البخاری اور ابو بکر بن ابی الدنیاؒ کے دو رسالے ایک رسالہ نیت کے بارے میں اور دوسرا رسالہ مذمت دنیا کے بارے میں۔ اس طرح اور بھی رسالے ہیں۔

الاربعین: احادیث کا وہ مختصر مجموعہ جس میں ایک موضوع سے متعلق یا مختلف موضوعات سے متعلق چالیس احادیث اکٹھا کی گئی ہوں جو ایک ہی سند سے ہوں یا متعدد سندوں سے ہوں جیسے علامہ نوویؒ کی متن الاربعین وغیرہ۔(۱)

کتب ستہ

معلوم ہوا کہ اس تقسیم میں "الجامع" سب سے بڑی اور اہم قسم ہے، جامع ہونے کی خصوصیت کتب احادیث میں صرف دو کتابوں کو حاصل ہے۔ اول **الجامع الصحیح للبخاری**، دوم **الجامع للترمذی**، اکثریت واغلبیت کے اعتبار سے اس کو بھی بعض علماء نے **الجامع الصحیح** کہا ہے، مگر اصح الکتب بعد کتاب اللہ **الجامع الصحیح للبخاری** ہے، اس کے بعد **الصحیح لمسلم** کا درجہ ہے۔ اس کے بعد سنن اربعہ کا مقام ہے جن کی ترتیب اس طرح ہے: سنن الترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ، انہیں چھ کتابوں کو "الکتب الستۃ" بھی کہا جاتا ہے جو صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں کتب ستہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان اهل العلم قد دونوا فی الحدیث علی اختلاف اغراضهم ومقاصدهم کتبا کثیرة بحیث لا یحصی عددها لکن الکتب الستة المعروف بالصحاح الستة اعنی صحیح البخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد وجامع الترمذی وسنن النسائی وسنن ابن ماجة، اشتهرت غایة الاشتهار واختیرت للقراء ة والاقراء والسماع والاسماع، وذلك لما فیها من الفوائد ما لیس فی غیرها."(۲)

"اہل علم نے مختلف اغراض ومقاصد کے پیش نظر حدیث کی اتنی زیادہ کتابیں لکھی ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا، لیکن کتب ستہ جو صحاح ستہ کے نام سے معروف ہیں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ، انہیں بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی، امت میں درس وتدریس اور پڑھنے پڑھانے میں انہیں کا انتخاب کیا گیا اس لیے کہ ان چھ کتابوں میں جو علوم وفوائد ہیں وہ دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔"

ملحوظ رہے کہ مذکورہ چھ کتب حدیث جن کی حیثیت امہات کتب حدیث کی ہے ان میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ بقیہ چاروں کتابوں میں ضعیف روایات بھی ہیں بلکہ سنن ابن ماجہ میں بعض موضوع احادیث بھی شامل ہیں مگر اکثریت واغلبیت کے اعتبار سے ان سب کو صحاح ستہ کہہ دیا جاتا ہے، حالانکہ کتب ستہ یا سنن ابن ماجہ کو خارج کر کے صحاح خمسہ کی تعبیر زیادہ بہتر ہے۔

جامع الترمذی کا مقام اور خصوصیات

کتب ستہ میں جامع ترمذی کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں صاحب "کشف الظنون" کی رائے یہ ہے کہ "هو ثالث الکتب الستة فی الحدیث" یعنی کتب ستہ میں وہ تیسرے درجہ پر ہے۔ مگر علامہ سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" میں

علامہ ذہبیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "انحطت رتبة جامع الترمذی عن سنن ابی دائود وسنن النسائی" یعنی جامع ترمذی کا درجہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے بعد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کتب ستہ میں وہ پانچویں درجہ پر ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ مؤلف تحفۃ الاحوذی نے مذکورہ دونوں اقوال کا موازنہ و محاکمہ کیا ہے اور بڑے یقین واعتماد کے ساتھ صاحب "کشف الظنون" کی رائے کو ترجیح دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ جامع ترمذی کا درجہ صحیحین کے بعد تیسرے نمبر پر ہے، اس کے بعد سنن ابی داؤد و سنن نسائی کا مقام ہے۔(۳)

جامع ترمذی کی خصوصیات پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاحب "کشف الظنون" ہی کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں اس کی حسب ذیل خصوصیات شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی "بستان المحدثین" کے حوالہ سے ذکر کی گئی ہیں:

اول : جامع ترمذی میں حسن ترتیب ہے اور تکرار نہیں ہے۔

دوم : جامع ترمذی میں ائمہ وفقہاء کے مذاہب کا ذکر مع بیان وجوہ استدلال کیا گیا ہے۔

سوم : جامع ترمذی میں صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل تمام انواع احادیث کا بیان ہے۔

چہارم: جامع ترمذی میں راویوں کے اسماء والقاب وغیرہ ذکر کر دئے گئے ہیں، اسماء الرجال کے سلسلہ میں اور بھی دوسرے علمی فوائد پر وہ مشتمل ہے۔(۴)

مذکورہ خصوصیات کا تذکرہ حافظ ابن الاثیرؒ نے "جامع الاصول" میں اس طرح کیا ہے اور جامع ترمذی کی فوقیت پر روشنی ڈالی ہے:

"كتابه الصحيح احسن الكتب واكثرها فائدة، واحسنها ترتيبا واقلها تكرارا، وفيه ما ليس في غيره من ذكر المذاهب ووجوه الاستدلال، وتبيين احوال الحديث من الصحيح والسقيم والغريب وفيه جرح وتعديل"(۵)

"امام ترمذی کی جامع صحیح فائدہ کے اعتبار سے تمام کتابوں میں سب سے زیادہ بہتر، ترتیب کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمدہ اور اس میں تکرار بہت کم ہے اور اس میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں جیسے مذاہب ائمہ اور ان کی وجوہ استدل کا بیان اور صحیح، ضعیف اور غریب احادیث کے احوال کی وضاحت، نیز اس میں جرح و تعدیل بھی ہے۔"

مؤلف تحفۃ الاحوذی مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کی خصوصیات و محاسن کے پیش نظر شیخ الاسلام ابواسماعیل ہرویؒ نے اسے جامع صحیح بخاری و صحیح مسلم سے زیادہ مفید بتایا ہے۔ مقدمہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"وقال شيخ الاسلام ابو اسماعيل الهروى ! كتاب ابى عيسى الترمذى عندنا افيد من كتاب البخارى ومسلم، قيل ولم ذلك؟ قال كان كتابهما لا يصل الى الفائدة منهما من لايكون من اهل المعرفة التامة، وهذا كتاب قد شرح احاديثه وبينها، فيصل الى الفائدة كل احد من الناس من الفقهاء والمحدثين وغيرهما انتهى.(۶)

"شیخ الاسلام ہرویؒ نے کہا کہ ابوعیسیٰ ترمذیؒ کی کتاب ہمارے نزدیک بخاری و مسلم سے زیادہ مفید ہے، پوچھا گیا کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بخاری و مسلم سے وہ شخص فائدہ نہیں حاصل کر سکتا جو فن حدیث کی کامل معرفت نہ رکھتا ہو اور جامع

ترمذی میں (مختلف اعتبارات سے) احادیث کی تشریح و توضیح کردی گئی ہے اس لیے اس سے تمام لوگوں کو فائدہ پہونچ سکتا ہے چاہے وہ فقہاء و محدثین ہوں یا ان کے علاوہ لوگ ہوں۔"

معارف السنن شرح سنن الترمذی کے مقدمہ میں جامع ترمذی کی فوقیت کی بات ایک دوسرے انداز سے کہی گئی ہے جو دلچسپ بھی ہے اور علمی بھی ہے، اس کے مقدمہ نگار جناب محمد حبیب اللہ مختار صدر مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی کراچی پاکستان، جامع ترمذی کی خصوصیات کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں:

"فكأنه جمع بذلك غرض البخاري وهو بيان الفقه في المسألة وغرض مسلم وهو جمع احاديث الباب وذكر الطرق في مكان واحد، واضاف الى ذلك ذكر المذاهب المتداولة والغير المتداولة وفوائد اخرىٰ التي تميز بها عن غيره."(۷)

اس طرح امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب سے امام بخاریؒ کا مقصد بھی حاصل کیا اور وہ ہے مسائل میں ان کا انداز تفقہ، امام مسلمؒ کا مقصد بھی پورا کیا اور وہ ہے ایک ہی جگہ حدیث کے تمام طرق واسانید کا ذکر اور ان دونوں پر امام ترمذی نے اضافہ یہ کیا کہ مشہور وغیر مشہور مذاہب فقہ کا بھی ذکر کیا اور بھی دوسرے فوائد شامل کیے جن کی وجہ سے جامع ترمذی دوسری کتابوں سے ممتاز ہو گئی۔"

جامع الترمذی کی قدیم وجدید شرحیں

کتب ستہ میں صحیح بخاری، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد کی شرح و توضیح پر علمائے عرب و عجم نے دوسری کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ توجہ دی ہے، ذیل میں اختصار کے ساتھ جامع ترمذی کی کچھ اہم شروح و تعلیقات کا ذکر کیا جارہا ہے اور ان کے مؤلفین کے اسمائے گرامی بھی درج کئے جارہے ہیں:

۱۔ **عارضة الاحوذی**: سب سے زیادہ مکمل و مفصل شرح ہے، تالیف: قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ متوفی ۵۴۳ھ
۲۔ **المنقح الشذی** (ناقص) ابن سید الناسؒ متوفی ۷۳۴ھ
۳۔ **شرح جامع الترمذی** شرح مذکور کی تکمیل، جس کے مؤلف حافظ زین الدین عراقیؒ ہیں۔ متوفی ۸۰۶ھ
۴۔ **شرح جامع الترمذی**: ابن رجب حنبلیؒ، متوفی ۷۹۵ھ
۵۔ **شرح زوائده على الصحيحين وابی داؤد**: حافظ عمر بن علی ابن الملقنؒ متوفی ۸۰۴ھ
۶۔ **العرف الشذی**: ابن رسلان بلقینیؒ متوفی ۸۰۵ھ
۷۔ **شرح الجامع للترمذی**: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ یہ شرح معدوم ہے۔
۸۔ **قوت المغتذی**: علامہ جلال الدین سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ
۹۔ **شرح جامع الترمذی**: علامہ محمد طاہر پٹنیؒ متوفی ۹۸۶ھ
۱۰۔ **شرح جامع الترمذی**: شیخ ابوالطیب سندیؒ متوفی ۱۱۰۹ھ
۱۱۔ **نفع قوت المغتذی**: سید سلیمان دمنتیؒ متوفی ۱۲۹۸ھ جامع ترمذی مطبوع دیوبند کے حاشیہ پر ہے۔

۱۲۔ شرح جامع الترمذی (فارسی) شیخ سراج احمد سرہندیؒ متوفی ۱۱۳۹ھ
۱۳۔ الکوکب الدری : مولانا رشید احمد گنگوہیؒ متوفی ۱۳۲۳ھ
۱۴۔ جائزۃ السعوذی (اردو) : شیخ بدیع الزماں لکھنویؒ متوفی ۱۳۱۰ھ
۱۵۔ ھدیۃ اللوذی بنکات الترمذی : ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادیؒ متوفی ۱۳۲۹ھ
۱۶۔ الورد الشذی : افادات شیخ محمود حسن دیوبندیؒ متوفی ۱۳۳۹ھ
۱۷۔ الطیب الشذی : شیخ اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، متوفی ۱۳۷۷ھ
۱۸۔ العرف الشذی : افادات علامہ انور شاہ کشمیریؒ م ۱۳۵۲ھ، تالیف: مولانا محمد چراغ گوجرانویؒ م ۱۴۰۹ھ
۱۹۔ تحفۃ الاحوذی : علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ متوفی ۱۳۵۳ھ
۲۰۔ ھدیۃ المجتنی : مولانا حسین احمد مدنیؒ متوفی ۱۳۷۷ھ
۲۱۔ معارف السنن علامہ یوسف نبوریؒ متوفی ۱۳۹۷ھ
۲۲۔ تحقیق و شرح جامع الترمذی : شیخ احمد محمد شاکر مصریؒ متوفی ۱۳۷۷ھ

یہ ہیں علمائے عرب وعجم کی چند شروح ترمذی جن میں سے بعض بہت مطول بعض بہت مختصر اور بعض متوسط ہیں، نیز ان میں سے بعض مکمل ہیں اور بعض ادھوری ہیں اور بعض موجود ہیں اور بعض معدوم۔ (۸) ان کے علاوہ اور بھی عربی، اردو اور فارسی میں جامع ترمذی کی بعض مختصر شروح و تعلیقات ہیں جن کا تذکرہ اختصار کے پیش نظر نہیں کیا گیا ہے۔

موضوع مقالہ اور اس کے مشمولات :

میرے مقالہ کا موضوع ہے "جامع الترمذی کی تین شروح :العرف الشذی، تحفۃ الاحوذی اور معارف السنن۔ مختصر تقابلی مطالعہ" یہ موضوع ایک مفصل تصنیف کا تقاضا کر رہا ہے۔ مگر اس مقالہ میں اپنے موضوع پر بہت اختصار سے بحث کی جائے گی اور کوشش کی جائے گی کہ موضوع تشنہ نہ رہ جائے۔

مقالہ کے مشتملات حسب ذیل ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) صاحب الجامع اور شارحین کے مختصر حالات (امام ترمذی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد چراغ گوجرانویؒ، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ، علامہ محمد یوسف بنوریؒ۔)

(۲) تقابلی مطالعہ: تالیف کا پس منظر، اعتقادی و فقہی منہج، خصوصیات و ملحوظات، وفی الباب عن فلاں وفلاں پر بحث۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دیانتداری اور اعتدال کے ساتھ شخصیات پر بحث کرنے اور عدل وانصاف کے ساتھ تینوں شرحوں کے تقابلی جائزہ کی توفیق بخشے۔ (آمین) واللہ ھو الموفق وھو المعین وھو الموفق للصواب وعلیہ التکلان.

صاحب الجامع اور شارحین

جامع الترمذی کی متعدد شروح و تعلیقات مختلف ادوار میں لکھی گئی ہیں، برصغیر ہندو پاک میں بیسویں صدی کی تین

شرحیں مختلف اعتبارات سے زیادہ مشہور ہیں، زمانی ترتیب کے اعتبار سے جن کے نام اس طرح ہیں۔
اول: العرف الشذی، دوم: تحفۃ الاحوذی، سوم: معارف السنن، ان تینوں کتابوں کی علمی وفنی خصوصیات کے پیش نظر انہیں کو تقابلی مطالعہ کا موضوع بنایا گیا ہے مگر تقابلی جائزہ و مطالعہ سے پہلے ضروری ہے کہ سب سے پہلے صاحب الجامع امام ابوعیسیٰ ترمذی کے حالات زندگی کا تذکرہ کیا جائے اس کے بعد جامع الترمذی کے تینوں شارحین کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے اس لیے کہ ان کے سوانحی تذکروں سے اصل موضوع کو تقویت پہونچے گی اور تقابلی مطالعہ میں بڑی آسانی ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔
مذکورہ شرحوں میں "العرف الشذی" کو تقدم حاصل ہے جس کی نسبت علامہ انور شاہ کی جانب کی جاتی ہے اور یہ نسبت اتنی مشہور ہوئی کہ بہت سے لوگ اس کتاب کے اصل مؤلف ہی سے واقف نہیں ہیں۔ بلکہ اکثر تذکرہ نگار صرف یہ لکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ "العرف الشذی" علامہ انور شاہ کشمیری کے درسی افادات پر مشتمل جامع ترمذی کی مختصر شرح ہے جس کو ان کے کسی شاگرد نے مرتب کیا ہے۔ اگر "العرف الشذی" کے شروع میں اس کے مرتب مولانا محمد چراغ گوجرانوی اپنے نام کی صراحت نہ کردیتے تو شاید لوگ انہیں فراموش ہی کردیتے۔ (۹) اسی حقیقت کے پیش نظر "العرف الشذی" کے تعلق سے دو شخصیتوں پر روشنی ڈالی جائے گی تاکہ کسی طرح کی ناانصافی نہ ہو۔
اس طرح امام ترمذی کے علاوہ مندرجہ ذیل چار شخصیات کے حالات بڑے اختصار سے قلمبند کئے جارہے ہیں تاکہ مقالہ لمبا نہ ہو اور اصل موضوع ادھورا نہ رہ جائے۔

۱۔	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	:	صاحب افادات "العرف الشذی
۲۔	مولانا محمد چراغ گوجرانویؒ	:	مرتب "العرف الشذی"
۳۔	علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ	:	مؤلف "تحفۃ الاحوذی"
۴۔	علامہ محمد یوسف بنوریؒ	:	مؤلف "معارف السنن"

صاحب الجامع : امام ترمذیؒ (۲۰۹ھ – ۲۷۹ھ)

صاحب الجامع امام ترمذی کا نام و نسب اس طرح ہے: ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ بن موسی بن الضحاک السلمی البوغی الترمذی۔ ان کی ولادت ۲۰۹ء میں ہوئی، قبیلہ بنو سلیم سے تعلق رکھتے تھے اس لیے سلمی کہلائے، بوغ جو ترمذ سے چند فرسخ پر واقع ہے اس کی جانب منسوب ہو کر بوغی کہلائے اور اصلاً ترمذ کے باشندہ تھے اس لیے ترمذی سے مشہور ہیں۔
امام ترمذیؒ جس زمانہ میں پیدا ہوئے اس وقت علم حدیث اپنے عروج پر پہونچ چکا تھا، مختلف علاقوں میں بڑے بڑے ائمہ فن پائے جاتے تھے، ان کو شروع ہی سے علم حدیث کا شوق تھا، ان کا حافظہ بہت قوی تھا، علم حدیث کی تحقیق کے لیے انہوں نے بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان، بخارا اور حجاز وغیرہ میں برسوں زندگی گزاری اور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، علی بن حجر مروزیؒ، ہناد بن سریؒ، قتیبہ بن سعیدؒ، محمد بن بشارؒ، بشر بن آدمؒ، جارود بن معاذؒ، رجاء بن محمدؒ، زیاد بن ایوبؒ، سعید بن عبدالرحمٰنؒ، صالح بن عبداللہ بن ذکوانؒ، عباس بن عبدالعظیمؒ، فضل بن سہلؒ، ہارون بن عبداللہؒ، محمد بن ابانؒ اور مفسر بن علیؒ وغیرہ سے استفادہ کیا، جامع ترمذی میں امام ترمذیؒ نے جن لوگوں سے روایت کی ہے اس لحاظ سے ان کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد

دو سو چھ ہوتی ہے۔

امام بخاریؒ کے بعد امام ترمذیؒ مرجع خلائق بن گئے تھے۔ خراسان اور ترکستان کے علاوہ عالم اسلام کے مختلف گوشوں کے باشندوں نے ان سے استفادہ کیا اور شرف تلمذ حاصل کیا، چند ممتاز تلامذہ یہ ہیں : ابو حامد احمد بن عبداللہ مروزیؒ، ہثیم بن کلیب شاشیؒ، ابوالعباس محمد بن احمد مروزیؒ، احمد بن یوسف نسفیؒ، عبداللہ بن محمد نسفیؒ، محمد بن محمودؒ اور داؤد بن نصر وغیرہ۔

امام ترمذیؒ نے مختلف موضوعات پر بہت سی اہم کتابیں تالیف کی ہیں جیسے الجامع للترمذی، الشمائل، کتاب العلل، المفرد، کتاب الزہد، کتاب الاسماء والکنی، اور کتاب التاریخ وغیرہ۔

امام ترمذی فقہی طور پر مجتہد تھے اور اہل الحدیث کی روش پر گامزن تھے۔ انہیں شافعی یا حنبلی کہنا درست نہیں ہے۔ علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے مقدمۃ تحفہ میں ایسے کئی مسائل جامع ترمذی سے نقل کئے ہیں جن میں امام ترمذی نے فقہ شافعی سے اختلاف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہیں تھے بلکہ اہل الحدیث تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب میں جہاں "عند اصحابنا" کہا ہے اس سے مراد اصحاب الحدیث واہل الحدیث ہی ہیں اس سے بھی ان کے فقہی نقطۂ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ کی وفات مقام ترمذ میں مشہور روایت کے مطابق بتاریخ ۱۳ر رجب ۲۷۹ھ ہوئی، آپ نے ستر سال کی عمر پائی، کسی عربی شاعر نے مدت عمر اور سال وفات کو اس طرح منظوم کیا ہے :

الترمذی محمد ذو زین عطر وفاة عمره فی عین (۱۰)
۲۷۹ ۷۰

صاحب افادات "العرف الشذی" : علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۲۹۲ھ — ۱۳۵۲ھ)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ بتاریخ ۲۷ر شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۸۷۵ء اپنے ننھیال موضع دودھ وان علاقہ مولاب کشمیر میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان سادات کا ایک معزز علمی گھرانہ تھا، آپ کے والد بزرگوار لوگوں میں پیر معظم شاہؒ کے نام سے معروف تھے، والدہ کا نام "بی بی مال دیدی" تھا۔ (۱۱)

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے پھر بعض مقامی مدارس کے اساتذہ سے حاصل کی، ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، وہاں مولانا اسحاق امرتسریؒ، مولانا خلیل احمد امیٹھویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ وغیرہ سے تفسیر وحدیث اور دوسرے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۱۴ھ میں ممتاز پوزیشن کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں کچھ دنوں تدریسی فرائض انجام دئے۔ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں کشمیر چلے گئے وہاں اپنے علاقہ میں فیض عام کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء حج کے لیے گئے کچھ مدت تک حجاز میں قیام رہا، وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا اور حجاز ہی میں شیخ حسین بن محمد الجسر طرابلسیؒ سے سند اجازت حدیث لی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں دیوبند آئے ان کے استاذ حضرت شیخ الہند نے انہیں دارالعلوم میں

تدریس کے لیے روک لیا، کئی سال تک بلا مشاہرہ درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اور اس دوران حضرت حافظ محمد احمد صاحب کے مہمان رہے۔ علمی ذوق ایسا غالب تھا کہ عرصہ تک شادی نہیں کی، ۴۳ سال کی عمر میں ۱۳۲۶ھ میں شادی ہوئی، شادی سے پہلے ہی ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء، میں شیخ الہند نے جب سفر حجاز کا قصد کیا تو ان کو اپنا جانشین بنایا، وہ تقریباً ۱۲ سال تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس رہے ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے بعض اختلافات کی وجہ سے صدارت سے الگ ہو کر ڈابھیل گجرات کے مدرسہ میں چلے گئے۔ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء تک درس حدیث دیتے رہے، ڈابھیل چند سال تک رہے اس کے بعد امراض کی شدت سے مجبور ہو کر واپس دیوبند چلے آئے جو ان کا وطن ہو گیا تھا، بالآخر دیوبند ہی میں بتاریخ ۳؍ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹؍ مئی ۱۹۳۳ء علم و فن کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، ان کی قبر دیوبند کی عید گاہ کی جنوبی سمت میں ایک معمولی چہار دیواری سے گھری ہوئی ہے۔ تغمده الله بغفرانه و جعل الجنة مثواه.

علامہ انور شاہ صاحب کی اولاد ذکور واناث کی تعداد پانچ تھی، تین لڑکے اور دو لڑکیاں، بڑی لڑکی عابدہ خاتون اور منجھلے لڑکے محمد اکبر شاہ کی وفات شاہ صاحب کی وفات کے بعد جلد ہی ہو گئی، ان کے دو لڑکے راشدہ خاتون کو زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، راشدہ خاتون کی شادی مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ مؤلف ''انوار الباری'' سے ہوئی۔ جناب ازہر شاہ قیصر صاحب ایک عظیم صحافی تھے اور علامہ انظر شاہ کشمیری تفسیر و حدیث کے اچھے مدرس، شگفتہ نگار مصنف اور باکمال خطیب ہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب کے اخلاق و عادات اور کمالات و اوصاف بہت بلند تھے غضب کے ذہین تھے، حافظہ بہت مضبوط تھا، مطالعہ کے حد درجہ شیدائی تھے، بیماری کے ایام میں بھی مطالعہ کرتے رہتے جو کتاب پڑھتے یاد ہو جاتی، اس طرح یقیناً وہ چلتا پھرتا کتب خانہ تھے، مشہور مصری عالم سید رشید رضاؒ ایک بار دیوبند آئے تو انہوں نے شاہ صاحب کی علمی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا!''مارأيت مثل هذا الاستاذ الجليل.''

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے اختلاف کے باوجود شاہ صاحب ان کی علمی عظمت کے حد درجہ معترف تھے۔ حافظ ابن حجرؒ کے بھی بڑے مداح تھے اور چونکہ شاہ صاحب تصوف کے بھی قائل تھے اس لیے مشہور صوفی محی الدین ابن عربی کے شیدائی تھے، صفات میں وہ تاویل کے قائل تھے اس لیے کہ وہ ماتریدی تھے اور فقہ میں سخت متشدد حنفی تھے، زندگی بھر حنفیت کی خدمت کی، ایک بار انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا کہ اب میں مطمئن ہو گیا ہوں کہ فقہ حنفی احادیث کے خلاف نہیں مگر آخر عمر میں انہوں نے سخت افسوس کرتے ہوئے کہا تھا کہ افسوس میں نے حنفیت کی ترجیح میں زندگی ضائع کر دی کاش ہم اسلام کا دفاع کرتے اور اسلام دشمن تحریکات کارد کرتے تو بہتر ہوتا۔ (۱۲)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی آخری زندگی کے اس ایماندارانہ اعتراف کے تین راوی ہیں جو براہ راست ان کے شاگرد تھے، اول! مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ دوم! مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ۔ سوم! مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، اول الذکر کی روایت جلسہ قادیان کے موقع کی ہے، ثانی الذکر کی روایت شاہ صاحب کے اس درس بخاری کے موقع کی ہے جو دارالعلوم دیوبند میں ان کا آخری درس تھا اور مؤخر الذکر کی روایت مرض وفات کے وقت کی ہے۔ ان تینوں حضرات کا بیان ان کے مقالات میں دیکھا جا سکتا ہے جن کو جناب عبدالرحمٰن کو ندوی نے اپنی تالیف! ''الانور'' میں شامل کیا ہے جس کو مفتی عتیق الرحمٰن

عثمانیؒ نے ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع کیا تھا۔

مرض وفات سے کئی سال پہلے علامہ انور شاہ کشمیری کے اندر وہ درد مندانہ احساس پیدا ہو گیا تھا چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کا رخ بدل کر الحاد ودہریت، قادیانیت اور شرک وبدعت وغیرہ کی تردید میں خود کتابیں لکھیں اور اپنے شاگردوں کو بھی اس جانب متوجہ کیا، اس کے بعد جناب قاری محمد طیب صاحب کی روایت کے مطابق مرض وفات کے موقع پر انہوں نے کہا تھا۔

"ہم نے عمر ضائع کی اور کوئی کام آخرت کے لیے نہ کیا، یہ رسالہ: "خاتم النبیین" اس لعین قادیانی کے رد میں لکھا ہے توقع ہے کہ شاید یہ رسالہ میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔" (۱۳) غفرہ اللہ۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو مختلف علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ شعر وسخن (اردو وعربی) اور تصنیف وتالیف کا اعلیٰ ذوق بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، انہوں نے اردو وعربی میں بہت سے معیاری قصیدے کہے ہیں اور متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، ان کی تصنیفات دو قسم کی ہیں اول! ان کی اپنی مستقل تصنیفات، دوم: وہ تصنیفات جو ان کے افادات پر مشتمل ہیں۔

تصنیفات قسم اول: (۱) عقیدة الاسلام فی حیاة عیسی علیه السلام، (۲) تحیة الاسلام فی حیاة عیسی علیه السلام، (۳) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، (۴) اکفار الملحدین فی ضروریات الدین، (۵) خاتم النبیین، (۶) فصل الخطاب فی مسئلة ام الکتاب (۷) خاتمة الخطاب فی فاتحة الکتاب، (۸) نیل الفرقدین فی مسئلة رفع الیدین (۹) بسط الیدین لنیل الفرقدین، (۱۰) کشف الستر عن صلوة الوتر، (۱۱) ضرب الخاتم علی حدوث العالم (۱۲) مرقاة الطارم لحدوث العالم، (۱۳) ازالة الرین فی الذب عن قرة العینین، (۱۴) سهم الغیب۔

تصنیفات قسم دوم: (۱) مشکلات القرآن، (۲) خزینة الاسرار، (۳) فیض الباری شرح صحیح البخاری، (۴) العرف الشذی شرح جامع الترمذی (۵) شرح املائی صحیح مسلم (۶) حاشیہ سنن ابن ماجہ۔ (۱۴)

مذکورہ تصانیف کے علاوہ حسب ذیل تصنیفات وتالیفات بھی علامہ انور شاہ کشمیری کے علوم ومعارف اور درس وتقریری افادات پر مشتمل ہیں جن کے مؤلفین شاہ صاحب کے بعض تلامذہ ومستفیدین ہیں۔

معارف السنن شرح سنن الترمذی، انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری، الاتحاف لمذهب الاحناف، النور الفائض علی علم الفرائض، خلاصۂ تقاریر (لاہور میں ہوئی شاہ صاحب کی تقاریر کا خلاصہ) دعوت حفظ ایمان۔

مؤلف "العرف الشذی": مولانا محمد چراغ گوجرانوالویؒ (متوفی ۱٤۰۹ء)

مولانا محمد چراغ گوجرانویؒ نے دار العلوم دیوبند میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ کیا ہے۔ اس دوران انہوں نے جامع ترمذی کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے افادات وامالی کو "العرف الشذی" کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ جو پہلے الگ ایک جلد میں شائع ہوئی تھی مگر اب وہ جامع ترمذی مطبوع کتب خانہ رشیدیہ دیوبند کے ساتھ شامل ہو کر شائع ہوئی ہے۔ اس طرح کہ ہر صفحہ میں متن کے انداز پر پہلے جامع ترمذی ہے اور اس کے نیچے "العرف الشذی" مختصر شرح بلکہ حاشیہ کی شکل میں ہے۔

افسوس ہے کہ مولانا محمد چراغ گوجرانویؒ کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہو سکے، تاریخ دار العلوم دیوبند جلد دوم میں

ان کا مختصر تذکرہ شامل ہے جو یہاں درج کیا جارہا ہے۔

مولانا محمد چراغ گوجرانوالوی ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے، زمانہ طالب علمی میں اپنے جلیل القدر استاد حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی ترمذی شریف کی تقریر "العرف الشذی" مرتب کی۔ حدیث کے علاوہ دوسرے علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ فارغ ہونے کے بعد اپنے وطن گئے اور پہلے مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ کے مدرسہ میں صدر مدرس رہے اس کے بعد کچھ حضرات کے تعاون سے اپنے وطن گوجرانوالہ میں اپنا مدرسہ قائم کیا۔

مولانا چراغ محمد صاحب کی اردو تحریریں بہت اچھی اور صاف ہیں، وہ آزادی ہند کی تحریک میں سرگرمی سے شریک رہے اور بار بار قید وبند کے دشوار اور صبر آزما مرحلوں سے گذرے، تقبل الله جهوده آمین۔ (۱۵)

بعض تذکرہ نگاروں نے انہیں گجراتی لکھ دیا ہے جو درست نہیں، ان کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی، ان کی وفات ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔ (۱۶)

مؤلف "تحفة الاحوذی" علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۱۲۸۳ھ – ۱۳۵۳ھ):

مؤلف تحفۃ الاحوذی کا نام ونسب اس طرح ہے: ابوالعلیٰ محمد عبدالرحمٰن بن علامہ عبدالرحیمؒ بن الحاج بہادرؒ مبارکپوری، ان کی ولادت ضلع اعظم گڈھ یوپی کے مشہور قصبہ مبارکپور میں ۱۲۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، جس کی وجہ سے شروع ہی سے ان کا مزاج علمی ودینی رہا۔

ابتدائی اردو وعربی کی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی جو ایک بڑے عالم تھے۔ اس کے بعد مئو وغیرہ میں بڑے بڑے اساتذہ فن سے دینی وعربی علوم حاصل کئے۔ پھر علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور گئے اور وہاں عظیم عالم مولانا عبداللہ غازی پوریؒ سے استفادہ کیا۔ پھر علامہ غازی پوریؒ کے مشورہ سے دہلی گئے اور عظیم محدث سید میاں نذیر حسین دہلویؒ سے علم حدیث میں کمال حاصل کیا۔ ایک موقع پر انہوں نے شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی اور شیخ محمد بن عبدالعزیز ہاشمی جعفریؒ سے علوم حدیث میں استفادہ کر کے ان سے سند اجازت لی۔ علم حدیث میں ان کی تین سندیں ہیں۔ ایک سند سید میاں نذیر حسین دہلوی سے ملی جس کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی تک پہونچتا ہے، دوسری سند شیخ یمانی سے اور تیسری سند شیخ جعفریؒ سے، یہ دونوں سندیں علامہ محمد بن علی شوکانی یمانی تک پہونچتی ہیں، یہ سندیں مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں درج ہیں۔

علامہ مبارکپوریؒ کے اساتذہ میں علامہ حسام الدین مئویؒ، علامہ فیض اللہ مئویؒ اور علامہ سلامت اللہ جیراج پوریؒ وغیرہ بھی ہیں جو چوٹی کے اصحاب علم، ماہرین علوم دینیہ وعربیہ اور یگانۂ روزگار تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد علامہ مبارکپوریؒ اپنے وطن مبارکپور آئے اور وہاں دارالتعلیم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جو اب بھی چل رہا ہے۔ اس کے بعد قصبہ بلرام پور گئے وہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا، یہ اب موجود نہیں ہے۔ پھر ۱۹۰۵ء میں موضع اللہ نگر چھترپارہ گونڈہ میں آکر فیض العلوم نام کا ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں علاقہ کنڈؤ بونڈہار میں آئے

اور جامعہ سراج العلوم نام سے ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جو اب بھی چل رہا ہے اور ترقیات کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ اس علاقہ میں کئی سال تک تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بروایت مولانا عبدالمبین منظرؒ اسی دوران میں بستی و گونڈہ کے کسی اجلاس کے موقع پر جامع ترمذی کی ایک جامع شرح کی تحریک لوگوں نے کی بعد میں اس کے نتیجہ میں عظیم شرح "تحفۃ الاحوذی" تالیف ہوئی۔ (۱۷)

۱۹۰۹ء کے بعد بستی و گونڈہ سے علامہ ابراہیم آرویؒ کی درخواست پر لبیک کہتے ہوئے علامہ مبارکپوریؒ مدرسہ احمدیہ آرہ بہار گئے اور وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اس کے بعد مدرسہ دارالقرآن والسنۃ کلکتہ کے ناظم کی استدعاء پر کلکتہ چلے گئے اور ایک مدت تک طالبان علوم نبوت کو فیض یاب بناتے رہے۔

علامہ مبارکپوری کے تلامذہ میں بڑے بڑے اصحاب علم و فن شامل ہیں جیسے علامہ عبدالسلام مبارکپوریؒ مؤلف "سیرہ البخاری" علامہ عبیداللہ رحمانیؒ، علامہ نذیر احمد رحمانیؒ، ڈاکٹر تقی الدین ہلالیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا عبدالصمد مبارکپوریؒ، شیخ عبداللہ نجدی مصریؒ، مولانا عبدالجبار کھنڈیلویؒ، مولانا محمد اسحاق آرویؒ، ادیب کبیر مولانا عبدالرحمٰن نگرنہسویؒ، عظیم عالم مولانا ابو نعمان عبدالرحمٰن مئویؒ، مولانا عبدالرزاق صادق پوریؒ، مولانا نعمت اللہ بردوائیؒ، مولانا سید محمد جعفر ٹونکیؒ اور مولانا عبدالحکیم فتحپوریؒ وغیرہ۔

علامہ مبارکپوریؒ علوم حدیث، فن اسماء الرجال، فن جرح و تعدیل، تخریج احادیث اور معرفت طبقات محدثین میں فاضلانہ مہارت رکھتے تھے، بنابریں علامہ شمس الحق ڈیانویؒ نے "غاية المقصود اور عون المعبود" کی تالیف میں ان سے بھرپور تعاون لیا، اسی طرح سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کے ساتھ فتاویٰ وغیرہ بھی لکھے اور بعد میں انہوں نے اپنے شیخ میاں صاحب کے فتاویٰ مرتب کئے جو "فتاویٰ نذیریہ" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئے۔

دراصل کلکتہ سے جب علامہ مبارکپوری واپس ہوئے تو تصنیف و تالیف اور بحث و تحقیق میں مصروف ہو گئے پھر آخری عمر تک تصنیفی کاموں میں لگے رہے۔ ان کی اولاد تو نہیں تھی مگر انہوں نے حسب ذیل علمی و دینی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں:

(۱) تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی، (۲) مقدمة تحفة الاحوذی، (۳) ابكار المنن فی تنقيد آثار السنن، (٤) تحقيق الكلام فی وجوب القراءة خلف الامام، (٥) خير الماعون فی منع الفرار من الطاعون، (٦) المقالة الحسنی فی سنية المصافحة باليد اليمنی، (٧) كتاب الجنائز، (٨) نور الابصار، (٩) ضياء الابصار، (١٠) تنوير الابصار بتائيد نور الابصار، (١١) القول السديد فيما يتعلق بتكبيرات العيد.

اسی طرح علامہ مبارکپوریؒ کے حالات و سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مولانا عبداللہ غازی پوری کے فتاویٰ بھی مرتب کئے تھے، خود ان کے فتاویٰ بھی بہت زیادہ تھے، انہوں نے مؤطا امام مالک کی ایک مبسوط شرح بھی لکھی تھی۔ مگر وہ سب معدوم یا غیر مطبوع ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۱۶؍ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲؍ جنوری ۱۹۳۵ء ہے۔ (۱۸)

مؤلف "معارف السنن" علامہ محمد یوسف بنوری (۱۳۲۶ھ-۱۳۹۷ھ)

علامہ یوسف بنوریؒ کا نام و نسب جو حضرت علیؓ تک پہونچتا ہے اس طرح ہے۔ محمد یوسف بن محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ بن میر موسیٰ بن غلام حبیب بن رحمت اللہ بن عبدالاحد بن حضرت محمد اولیاء بن سید آدم بنوری بن اسماعیل بن بھوا بن یوسف بن یعقوب بن حسین بن دولت بن قلیل بن سعدی بن قلندر بن محمد علوی بن علی بن اسماعیل بن ابراہیم بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین علی بن حسین بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔

ان کی ولادت بتاریخ ۶؍ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء موضع مہابت آباد پاکستان میں ہوئی، ان کے جد اعلی سید آدم ہندوستان کے ضلع انبالہ کے ایک گاؤں بنور کے باشندہ تھے اس لیے پورا خاندان اسی گاؤں کی طرف منسوب ہے۔ ان کے والد مولانا محمد زکریا صاحبؒ بلند پایہ عالم تھے اور ان کا خاندان مجدد الف ثانی کے وقت سے صوبہ سرحد کا واجب الاحترام خاندان ہے۔ اس طرح ان کے خاندان میں علم و عمل، زہد و تقویٰ، خیر وصلاح، دنیا سے بے رغبتی اور دین پسندی وغیرہ اوصاف پائے جاتے رہے۔

انہوں نے ابتدائی عربی اور متوسط عربی درجات کی تعلیم والد صاحب اور علاقہ کے دوسرے علمائے افاضل سے حاصل کی، اس کے بعد ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ جہاں انہوں نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ، مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، ۱۳۴۶ھ میں جب مولانا کشمیریؒ، و مولانا عثمانیؒ دار العلوم دیوبند سے الگ ہو کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے تو ان کے ساتھ مولانا بنوریؒ بھی چلے گئے، کئی سال وہاں گزارے اور جامع اسلامیہ ڈابھیل ہی سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ہاتھوں سند فضیلت حاصل کی، اگرچہ وہ دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل نہیں تھے مگر اس سے ہمیشہ ان کے گہرے تعلقات رہے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات سے فارغ ہونے کے بعد وہیں درس حدیث پر مامور ہو گئے۔ پھر پاکستان چلے گئے اور وہاں کے مرکزی مدارس میں درس حدیث دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے علمی میدان میں بڑا اونچا مقام عطا کیا تھا۔ اس لیے وہ پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک اسلامیہ کے علمی حلقوں میں بھی مقبول و متعارف تھے۔ مؤتمر عالم اسلامی قاہرہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے بھی وابستہ رہے اور سندھ کے مشہور مدرسہ ٹنڈو اللہ یار میں عرصہ تک شیخ الحدیث رہے اور طالبان علوم دینیہ کو مستفید بناتے رہے۔

انہوں نے کراچی نیو ٹاؤن کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا اور مسجد ہی سے تعلیم کا آغاز کیا۔ مسجد میں اس مدرسہ نے خوب ترقی کی اور اس وقت وہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے پاکستان کا عظیم اقامتی ادارہ ہے۔ انہیں کی زندگی میں ایک بار اس جامعہ میں شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود مصریؒ تشریف لائے ادارہ سے بہت خوش ہوئے اور علامہ یوسف بنوری کی علمی عظمت کا اعتراف کیا اور مختلف علوم میں ان کی عبقریت سے بہت متاثر ہوئے۔

علامہ یوسف بنوریؒ سے مستفیدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہند وپاک کے علاوہ عالم عرب کے بہت سے لوگوں نے

بھی ان سے استفادہ کیا ہے اور ان سے سند اجازت حدیث لی ہے۔ ان میں چند افاضل کے نام یہ ہیں :
شیخ سلیمان بن عبد الرحمٰنؒ مکہ مکرمہ، شیخ محدث حسن مشاط مالکیؒ مکہ مکرمہ، شیخ ابراہیم ختنی، شیخ عبد العزیز حمصی شامیؒ، شیخ علی محمد حمویؒ اور شیخ فاضل عبد الفتاح ابو غدہؒ وغیرہ، یہ وہ لوگ ہیں جو مختلف علوم میں ماہر تھے۔

انہیں پاکستانی سیاست سے بھی دلچسپی تھی، انہوں نے گمراہ فرقوں، باطل تحریکات اور ملحدانہ نظریات کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ جیسے عنایت اللہ مشرقی، مرزا غلام احمد قادیانی اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے فتنوں کی تردید میں بڑی جدوجہد کی، ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں ان کی کوششوں کا بھی بڑا دخل تھا۔ اسی طرح انہوں نے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کے فکری انحراف پر سخت کتاب لکھی ہے وہ ایک مجلّہ "بینات" شائع کرتے تھے جس میں ممتاز اہل قلم کے مضامین شائع ہوتے تھے اور جو پاکستان کا مشہور و معروف ماہنامہ ہے۔

وہ علم حدیث کے بھی ماہر تھے۔ اس سلسلہ میں اپنے استاذ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم و معارف کے ترجمان تھے وہ اپنی کتابوں میں اپنے استاذ کا تذکرہ "الاستاذ" اور "شیخنا" وغیرہ الفاظ سے کرتے ہیں۔ انہیں اردو و عربی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت تھی اور دونوں زبانوں میں ان کی تصنیفات ہیں۔ عربی زبان میں ان کی تصنیفات زیادہ ہیں۔ ان کی تالیفات و تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) بغية الاريب فی مسائل القبلة والمحاريب، (۲) نفحته العنبر فی حياة امام العصر الشيخ محمد انور، (۳) يتيمة البيان فی شئی من علوم القرآن، (٤) معارف السنن شرح سنن الترمذی، (٥) عوارف المتن مقدمة معارف السنن (غير مطبوع) (٦) الاستاذ المودودی وشئی من حياته وافكاره، (۷) نص الختام فی مسألة الفاتحة خلف الامام، (۸) كتاب الوتر اور مختلف کتابوں پر مقدمے۔

ان کی وفات ۳/ ذوقعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۷/ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو اسلام آباد میں ہوئی۔ (۱۹)

مختصر تقابلی مطالعہ

بحث و تحقیق کی دنیا میں کسی بھی موضوع پر مختلف چیزوں کا معروضی و تقابلی مطالعہ و جائزہ بڑا مشکل کام ہے۔ پھر علم حدیث کے موضوع پر جامع ترمذی کی تینوں شروح کا تقابل جو تین نوابغ روزگار شخصیات کی علمی و فنی تحقیقات پر مشتمل ہیں مزید مشکلات کا سبب ہے۔ اس کے علاوہ العرف الشذی، تحفۃ الاحوذی اور معارف السنن کا تقابلی مطالعہ مجھ جیسے بے مایہ کے لیے تو ایک بہت بڑی آزمائش ہے جس کے حسب ذیل اسباب و وجوہ ہیں :

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تقابل کے لیے ضروری ہے کہ ان تینوں کتابوں کا مکمل تنقیدی مطالعہ کیا جائے اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کے دور طالب علمی میں العرف الشذی اور معارف السنن کا مطالعہ کیا تھا، اس کے بعد زیادہ مواقع ان کے مطالعہ کے نہیں ملے اور تحفۃ الاحوذی کا مطالعہ جامعہ سراج العلوم بونڈہار، گونڈہ کی تدریسی زندگی میں جامع ترمذی پڑھاتے وقت کیا ہے اور وہ بھی تدریسی ضرورت کی حد تک، ایسی صورت میں تھوڑی مدت میں ان

کتابوں کا تقابلی جائزہ بہت دشوار ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ مذکورہ کتابوں میں تحفۃ الاحوذی فقہ اہل الحدیث کی ترجمان کتاب ہے اور العرف الشذی و معارف السنن فقہ اہل الرائے کی نمائندہ کتابیں ہیں۔ تقابل کے لیے ضروری ہے کہ فقہ اہل الحدیث و فقہ اہل الرائے کے بارے میں گہری واقفیت ہو۔ ان دونوں کے پس منظر، تاریخی نشیب و فراز اور تقاضوں پر بصیرت افروز نظر ہو اور مقالہ نگار ان دونوں سے بہت گہری واقفیت نہیں رکھتا اس لیے مزید دشواری ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ مذکورہ تینوں کتابیں جامع ترمذی کی شرحیں ہیں اور جامع ترمذی اس لحاظ سے بڑی کامل و جامع کتاب ہے کہ اس میں علم حدیث، علم فقہ، فن جرح و تعدیل، فن اسماء الرجال اور علم مذاہب و فرق وغیرہ سارے امور آگئے ہیں۔ تقابل کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم پر گہری نظر ہو تاکہ اندازہ ہو سکے کہ کس شرح میں جامع ترمذی کی جامعیت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور کس شرح میں ان علوم کے تقاضوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، مگر مقالہ نگار کی گہری نظر ان امور پر نہیں ہے۔

ان مشکلات کے باوجود ہم جن امور میں تقابلی جائزہ پیش کر رہے ہماری کوشش ہو گی کہ اعتدال و توازن کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے (آمین) اصحاب علم و فن سے گذارش ہے کہ جہاں بھی ہم سے لغزش ہو ضرور متنبہ کریں۔

تالیف کا پس منظر

تمام کاموں میں اسباب و عوامل اور پس منظر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاص علمی و دینی کاموں میں پس منظر پر توجہ بہت ضروری ہے اس لیے اب ہم سب سے پہلے ان تینوں شرحوں کی تالیف کے پس منظر کا سرسری جائزہ لے رہے ہیں اس سے بہت سے حقائق سامنے آئیں گے ان شاء اللہ۔

۱۔ **العرف الشذی** : اس کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا انداز درس عام مدارس کے انداز درس سے مختلف ہوتا تھا۔ وہ عام مدارس کے انداز پر کتاب سامنے رکھ کر عبارت کی تفہیم و تشریح میں وقت نہیں صرف کرتے تھے، بلکہ ائمہ سلف کے طرز کے مطابق وہ مسائل سے متعلق اپنی تحقیقات طلبہ کو املا کرادیتے یا اس طرح مباحث پر روشنی ڈالتے کہ طلبہ نوٹ کر لیتے، اس طرح طلبہ کے پاس حضرت شاہ کے افادات تحریری انداز میں محفوظ ہو جاتے۔

علامہ کشمیریؒ صاحب اس املائی انداز سے جامع صحیح بخاری، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ کا درس دیتے تھے، ''العرف الشذی'' حضرت شاہ صاحب کے درسی املائی افادات ہیں جنہیں ان کے لائق شاگرد مولانا محمد چراغ صاحب نے جامع ترمذی کے درس کے دوران قلم بند کیے تھے۔ پھر ان پر حضرت شاہ صاحبؒ نے نظر ثانی کی ہو گی اور بعد میں اس کی اشاعت ہو گئی، اسی طرح ''فیض الباری علی صحیح البخاری'' اور ''التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد'' وغیرہ شروح احادیث بھی علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے املائی درسی افادات پر مشتمل ہیں۔(۲۰)

اس پس منظر سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ "العرف الشذی" کی حیثیت مستقل شرح کی نہیں ہے لہٰذا اہل علم کو اس کا مطالعہ اسی زاویہ سے کرنا چاہئے۔ اس میں علامہ انور شاہؒ صاحب کے بحرِ علم کے تابدار موتی، ان کی قوت حافظہ کے کرشمے اور ان کی علمی و فنی تحقیقات کے جلوے تو خوب نظر آتے ہیں لیکن ایک مستقل جامع و کامل شرح کے جو تقاضے ہیں ان سے یہ کتاب خالی ہے۔

۲۔ **تحفة الاحوذی** :اس کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ اس کے مؤلف علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ ایک تو علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ پھر انہیں دہلی میں اپنے شیخ حضرت سید میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ سے علم حدیث پڑھنے، ان کے ساتھ رہ کر تحقیق مسائل کرنے اور ان کی تربیت میں فتاویٰ لکھنے کے خوب مواقع ملے۔ اس کے نتیجہ میں ان کے اندر محققانہ و فاضلانہ انداز پر علم حدیث، فقہ اہل الحدیث، فقہ اہل الرائے اور تمام اساسی دینی علوم میں بڑی کامل مہارت پیدا ہو گئی اور وہ اس لائق ہو گئے کہ تصنیفی و تالیفی کام آسانی سے کر سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مہربانی یہ ہوئی کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے جب "عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد" کا اہم کام شروع کیا تو انہوں نے کئی افراد کی ایک ٹیم سے اس سلسلہ میں بھرپور تعاون لیا۔ اس میں سرفہرست علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ تھے۔ عظیم آبادیؒ صاحب جوہر شناس تھے انہوں نے مبارکپوریؒ صاحب کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو اپنے پاس بلایا تاکہ "سنن ابی داوٗد" کی شرح کا کام آسانی سے پورا ہو جائے، چنانچہ ۱۳۲۰ھ میں علامہ مبارکپوریؒ ان کے وطن گئے اور ۱۳۲۳ھ تک اس علمی کام کے سلسلہ میں ان کے یہاں قیام کیا پھر اس کی تکمیل کے بعد ہی لوٹے۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ خود علوم و فنون کے بحر بیکراں تھے مگر علامہ مبارکپوریؒ جو کچھ تحریر کرتے اس پر وہ اعتماد کرتے انہیں "شیخنا" کہہ کر ان کی علمی ہمت افزائی کرتے ہوئے اظہار اطمینان کرتے اور جہاں مشکل مقامات آجاتے اس پر باہم بحث کرتے اور ہر طرح سے انہیں قیمتی مشورے دیتے۔ (۲۱)

اس طرح علامہ مبارکپوریؒ کے اندر علمی طور پر علم حدیث کے موضوع پر لکھنے کی بھرپور صلاحیت پیدا ہو گئی۔ ذکر آچکا ہے کہ جامعہ سراج العلوم بونڈھار ہی کی زندگی میں اس دور کے علماء نے "جامع ترمذی" کی ایک جامع و کامل شرح کا ان سے تقاضا کیا۔ ادھر لوگوں کا تقاضا اور پھر علامہ مبارکپوریؒ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ جامع ترمذی کی کوئی جامع شرح لکھنا چاہئے جو "عارضة الاحوذی" کی طرح بہت مطول نہ ہو اور دوسری شروح و تعلیقات کی طرح بہت مختصر نہ ہو جس سے شرح کی ضرورت ہی پوری نہ ہو بس اسی پس منظر میں انہوں نے "تحفة الاحوذی" تالیف کی جو یقیناً محدثانہ طرز پر انتہائی جامع شرح ہے۔

۳۔ **معارف السنن** :اس کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ علامہ یوسف بنوریؒ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم و فنون کے جانشین تھے۔ انہوں نے علامہ کشمیری ہی سے جامع صحیح بخاری و جامع ترمذی وغیرہ املائی انداز میں پڑھی تھی پھر انہیں فارغ ہونے کے بعد ہی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات میں درس حدیث کا موقع حضرت شاہ صاحب کی تربیت میں ملا اس طرح ان کے اندر علم حدیث کا تصنیفی ملکہ پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد جب وہ پاکستان منتقل ہو گئے اور علمی و تصنیفی کاموں میں لگ گئے تو "المجلس العلمی" کے بانی شیخ محمد بن موسیٰ میاں افریقی جو علامہ انور شاہ کشمیری کے ارشد تلامذہ

میں سے تھے اور ان کے علوم کے شیدائی تھے انہوں نے جامع ترمذی کی ایک ایسی شرح لکھنے کا تقاضا کیا جو علامہ کشمیری کے علوم و معارف کی نمائندگی کرے بس انہیں کے اصرار پر یہ عظیم شرح علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے لکھی ہے۔ خود علامہ بنوریؒ نے معارف السنن جلد ششم کے آخر میں جو ضمیمہ بعنوان "تنبیه فی ادوار تالیف" لکھا ہے اس میں اس کا ذکر کیا ہے۔(۲۲)

دوسری جگہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "العرف الشذی" جو علامہ انور شاہؒ صاحب کے درسی افادات پر مشتمل جامع ترمذی کی شرح ہے اس میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں اور اس طرح ان کے افادات وامالی پر مشتمل جو دوسری شروح ہیں ان میں بھی کچھ خامیاں ہیں میں نے "معارف السنن" اس پس منظر میں لکھی ہے تاکہ استاذ امام عصر کی بحوث و تحقیقات کے امالی وافادات کے ضبط و تحریر میں جو اغلاط ہیں ان کی تصحیح ہو جائے اور یہ کتاب معارف کشمیری کا مرجع بن جائے۔

علامہ یوسف بنوریؒ نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں علامہ کشمیریؒ کی اور بھی دوسری کتابوں جیسے "فصل الخطاب" نیل الفرقدین" "بسط الیدین" اور "کشف الستر" وغیرہ کے مشکل مباحث کا نچوڑ بڑے سہل انداز میں پیش کر دیا ہے، تاکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم عام ہو جائیں۔(۲۳)

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "معارف السنن" علامہ انور شاہ کشمیری کے علوم و معارف کا مستند ماخذ اور دوسری علمی وادبی تحقیقات کا سرچشمہ ہے اس اعتبار سے یقیناً وہ جامع ترمذی کی عظیم شرح ہے مگر افسوس کہ وہ مکمل نہیں ہو سکی اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"افسوس ہے کہ علم و فضل کا یہ خزانہ تشنۂ تکمیل رہ گیا اور کتاب الحج کے بعد اس کی تصنیف آگے نہ بڑھ سکی، احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے نہ جانے کتنی بار مولانا سے اس کی تکمیل کی طرف توجہ دینے کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن مولانا کی مصروفیات اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ وہ اس خواہش کو پورا نہ کر سکے۔ اب اول تو اس کی تکمیل کی ہمت کون کرے اور اگر کوئی کرے بھی تو حضرت شاہ صاحب (انور کشمیریؒ) کا وہ فیضان علمی اور حضرت مولانا بنوریؒ کا وہ اسلوب بیان کہاں سے لائے؟"(۲۴)

یہ ہے جامع ترمذی کی تینوں شرحوں "العرف الشذی" "تحفة الاحوذی" اور "معارف السنن" کی تالیف کا پس منظر، جس سے اصحاب علم و فن ان تینوں کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کر سکتے ہیں، ملحوظ رہے کہ "العرف الشذی" کو زمانی اعتبار سے تقدم حاصل ہے۔ اس کے بعد "تحفة الاحوذی" لکھی گئی جس میں علامہ مبارکپوریؒ نے "العرف الشذی" اور "الطیب الشذی" پر جا بجا رد لکھا ہے اور "معارف السنن" ان تینوں میں آخری کتاب ہے اس لیے علامہ بنوریؒ نے مختلف مباحث میں علامہ مبارکپوریؒ کے علمی و فقہی مواخذہ کی کوشش کی ہے۔

اعتقادی وفقهی منهج

اسلامی تاریخ کی ابتدائی تین صدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون قرار دیا ہے جن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں امت مسلمہ کے اندر اعتقادی و فقہی وحدت تھی، ان قرون مشہود لھا بالخیر کے بعد مسلمانوں کے اندر اعتقادی و فقہی اختلافات رونما ہوئے جو آہستہ آہستہ شدت اختیار کرتے گئے۔ اعتقادی طور پر کچھ فرقے تو گمراہ تھے جیسے معتزلہ،

خوارج، جہمیہ، مرجیہ اور کرامیہ وغیرہ اور کچھ فرقے اہل سنت کے دائرہ میں تھے جیسے اشعریہ اور ماتریدیہ، ان دونوں فرقوں کو گمراہ تو نہیں کہا جاسکتا مگر وہ منہج سلف سے منحرف تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مسئلہ میں اس روش اور نقطۂ نظر سے دور تھے جس کو صحابہ و تابعین اپنائے ہوئے تھے۔(۲۵)

اور فقہی طور پر امت مسلمہ چار خانوں میں بٹ گئی، مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی، ان چاروں مکاتب فکر میں فقہ حنبلی اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے، اس اعتقادی وفقہی اختلاف میں ایک طبقہ ایسا رہا جو کتاب وسنت کی شاہراہ اعتدال پر گامزن رہا اسے اہل الحدیث کہا جاتا ہے۔

جامع ترمذی کے مؤلف امام ابوعیسی ترمذی اہل الحدیث تھے مگر اس کی مذکورہ تینوں شرحوں کے مؤلفین میں علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ تو اہل الحدیث تھے بقیہ مؤلفین وشارحین اعتقادی حیثیت سے ماتریدی اور فقہی اعتبار سے حنفی تھے، یہ بات ظاہر وباہر ہے۔

صاحب افادات "العرف الشذی" علامہ انور شاہ کشمیری ماتریدی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں تاویل کے قائل تھے اسی لیے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے سخت مخالف تھے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کا بیان ہے کہ ایک بار استاذ گرامی علامہ کشمیریؒ نے "استواء علی العرش" پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ کے مسلک اور ان کے دلائل کا ذکر بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا، ان کی علمی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے مسلک کا رد کیا اور کہا کہ ابن تیمیہؒ کا مقام اتنا اونچا ہے کہ اگر میں ان کی طرف نظر ڈالوں تو میری ٹوپی گر جائے پھر بھی "استواء علی العرش" کے مسئلہ میں اگر وہ یہاں ہوتے تو میں انہیں اپنی درسگاہ میں نہ گھسنے دیتا۔(۲۶)

یہی وجہ ہے کہ "العرف الشذی" اور "معارف السنن" میں مسئلہ صفات کے بارے میں منہج سلف سے انحراف پایا جاتا ہے۔ نمونہ کے طور پر اہل علم دو بحثوں پر نظر ڈال سکتے ہیں۔ بحث اول ابواب الصلاۃ کا "**باب ماجاء فی نزول الرب تبارك وتعالیٰ الی سماء الدنیا کل لیلة**، اور بحث دوم ابواب الزکوٰۃ کا "**باب ما جاء فی فضل الصدقة**" جس میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: "**ماتصدق احد بصدقة من طیب ولا یقبل اللہ الا الطیب الا آخذھا الرحمن بیمینه وان کانت تمرة تربو فی کف الرحمن حتی تکون اعظم من الجبل**......"

مذکورہ دونوں ابواب میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر ہے۔ نزول، یمین اور کف، ان تینوں کی تشریح امام ترمذی نے خود منہج سلف کے مطابق کی ہے صاحب تحفۃ الاحوذی نے جس کی پوری موافقت کی ہے اور مختصر بحث کرکے آگے بڑھ گئے ہیں، مگر "**العرف الشذی**" اور "**معارف السنن**" میں ان دونوں حدیثوں پر بڑی طویل منطقی وفلسفیانہ بحث کی گئی ہے اور تاویل کی راہ اپنائی گئی ہے۔

مؤلف "معارف السنن" علامہ یوسف بنوریؒ نے توحد کردی انہوں نے "**باب ماجاء فی فضل الصدقة**" پر بہت ہی طویل بحث کی ہے اور قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ابن تیمیہؒ وغیرہ نے منہج سلف سمجھا ہی نہیں بلکہ امام ترمذی پر بھی ایک بڑا الزام لگادیا کہ وہ فرقہ جہمیہ کے عقائد سے ناواقف تھے اس لیے کہ امام ترمذی نے باب مذکور کے آخر میں لکھ دیا ہے!

"فتاولت الجهمية هذه الآيات وفسروها على غير مافسر اهل العلم وقالوا ان الله لم يخلق آدم بيده وقالوا انما معنى اليد القوة" ظاہر ہے اس جملہ کی زد احناف پر بھی پڑتی ہے جو جہمی انداز میں صفات کی تاویل کرتے ہیں اس لیے علامہ یوسف بنوریؒ حد درجہ چراغ پا نظر آتے ہیں، حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ میں امام ترمذی کی تائید کی ہے۔

علامہ کشمیریؒ اور علامہ بنوریؒ نواب صدیق حسن خاںؒ پر بھی حد درجہ ناراض نظر آتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے کہ احناف مسئلہ صفات میں جہمی روش پر گامزن ہیں۔(۲۷)

بہر حال "تحفة الاحوذی" میں بڑی متانت کے ساتھ مسئلہ صفات وغیرہ پر منہج سلف کے مطابق بحث کی گئی ہے اور اس کے علاوہ دونوں شرحوں میں تجہیم کا راستہ اپنایا گیا ہے۔

جہاں تک فقہی نقطۂ نظر کی بات ہے تو علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے اپنی تالیف "تحفة الاحوذی" میں بغیر کسی جانبداری وذہنی تحفظ کے قرون مشہود لہا بالخیر کی روش اپنائی ہے اور علامہ کشمیریؒ وعلامہ بنوریؒ نے "العرف الشذی" و "معارف السنن" میں مکمل جانبداری کے ساتھ مسلک حنفی کی ترجیح و تائید کا کام کیا ہے۔ بلکہ ان دونوں شرحوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مؤلفین نے بڑی محنت کے ساتھ تحنیف الحدیث کا فریضہ انجام دیا ہے۔ فالی المشتکی.

فقہی نقطۂ نظر سے حنفی شارحین کے ذہن ومزاج کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مقدمہ بذل المجهود في حل ابی داؤد ج۱ میں ایک بڑی دلچسپ بات لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کتب حدیث کی شرحیں عام طور پر پہلے غیر حنفی علماء نے لکھیں جن کی وجہ سے حنفی مذہب کی بڑی کمزوریاں سامنے آئیں۔ اس پس منظر میں بیشتر کتب حدیث کی شرحیں حنفی علماء نے بھی لکھیں تاکہ حنفی مذہب کا دفاع کیا جاسکے۔ جیسے امام ابو جعفر طحاویؒ کی "شرح معانی الآثار" علامہ ابن الترکمانیؒ کی "الجوهر النقی" علامہ زیلعیؒ کی "نصب الراية" اور علامہ عینیؒ کی "عمدة القاری" وغیرہ کتابیں اسی پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔ بلکہ کتب تفسیر بھی اسی پس منظر میں علمائے احناف نے لکھی ہیں جیسے علامہ نسفیؒ کی "مدارك التنزيل وحقائق التاويل" اور علامہ بغویؒ کی "ارشاد العقل السليم الى مزايا القرآن الكريم" وغیرہ۔(۲۸)

خصوصیات وملحوظات:

اس بحث میں ہم تینوں شرحوں کی کچھ خصوصیات کا ذکر کریں گے اور بتائیں گے کہ ان کے مؤلفین نے اپنی تالیفات میں کن امور کا خصوصی طور پر لحاظ رکھا ہے۔ اس بحث سے اہل علم کو تینوں شرحوں کے مقام ومرتبہ کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ ان شاءاللہ۔

العرف الشذی کی خصوصیات کچھ اس طرح ہیں۔ صاحب افادات یا اس کے مؤلف نے ان خصوصیات کا تذکرہ الگ کہیں نہیں کیا ہے مگر اس کے مطالعہ سے یہ خصوصیات سامنے آتی ہیں:

۱۔ وہ ایک املائی درس پر مشتمل شرح ہے جو باقاعدہ شرح نہیں ہے اس لیے اس میں بہت سی غلطیاں بھی ہیں جیسا کہ علامہ بنوریؒ نے اس کی وضاحت کی ہے جس کا ذکر گذر چکا ہے۔

۲۔ درسی انداز میں احادیث کی بڑی عمدہ وفاضلانہ تشریح کی گئی ہے جس میں علامہ کشمیری کا علم، تحقیق اور ذہانت جلوہ گر ہے۔

۳۔ اختلافی مباحث میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور بڑے ہی زور و قوت کے ساتھ مسلک حنفی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ علامہ کشمیریؒ نے اپنے مخصوص علمی انداز میں بڑے بڑے متقدمین ومتاخرین علماء کا رد کیا ہے۔

تحفۃ الاحوذی جو جامع الترمذی کی کامل ومکمل شرح ہے اس کی خصوصیات درج ذیل ہیں، انہیں خصوصیات کی وجہ سے اس سے تمام مکاتب فکر کے علماء بلا تکلف استفادہ کرتے ہیں:

۱۔ اس کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا وقیع مقدمہ ہے جس میں علوم حدیث، کتب حدیث، شروح کتب حدیث، مقام جامع ترمذی، حالات امام ترمذی، رواۃ ورجال جامع ترمذی اور شروح جامع ترمذی وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۔ رواۃ جامع ترمذی میں سے بقدر ضرورت ہر راوی کے حالات کا بیان۔

۳۔ جامع ترمذی کی احادیث کی پوری تخریج اور اس بات کی صراحت کہ احادیث ترمذی حدیث کی دوسری کتابوں میں کہاں کہاں ہیں۔

۴۔ اسانید ومتون کے اشکالات کی وضاحت اور ان کا حل۔

۵۔ احادیث کی توضیح وتشریح اور ان پر فقہی بحث، فقہی مکاتب فکر کا جائزہ اور مسلک سلف کی ترجیح۔

۶۔ امام ترمذی نے باب کے آخر میں جو کہا ہے: "وفی الباب عن فلان وفلان" اس کی پوری تخریج اور جہاں امام ترمذی نے سکوت اختیار کیا ہے وہاں علامہ مبارکپوریؒ نے مزید طرق کا اضافہ کیا ہے۔

۷۔ امام ترمذی نے مذاہب ائمہ کا تفصیلی ذکر نہیں کیا ہے صاحب تحفہ نے ان کا مفصل ذکر کیا ہے اور اختلاف واسباب اختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر راجح مسلک کو مدلل کیا ہے۔

۸۔ احادیث کی تصحیح وتضعیف میں امام ترمذی سے جہاں تساہل ہوا ہے علامہ مبارکپوریؒ نے اس کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور ائمہ فن کے اقوال کی روشنی میں احادیث کا صحیح مقام متعین کیا ہے۔

۹۔ امام ترمذیؒ سے نقل مذاہب میں جہاں تساہل ہوا ہے، علامہ مبارکپوری نے علمی انداز میں اس کی توضیح وتصحیح کی ہے۔(۲۹)

مذکورہ خصوصیات کے علاوہ اور بھی خصوصیات ہیں بغرض اختصار ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

معارف السنن جو چھ جلدوں میں ہے صرف ابواب الزکوٰۃ تک ہے۔ کاش یہ شرح مکمل ہو جاتی۔ اس کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اس کا اسلوب دلچسپ اور ادبی ہے جسے پڑھتے ہوئے بڑی علمی لذت اور ادبی چاشنی ملتی ہے۔

۲۔ علامہ انور شاہ کشمیری کی مختلف عربی، اردو اور فارسی تصنیفات کا مکمل نچوڑ معارف السنن میں آگیا ہے جیسا کہ تالیف کے پس منظر میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۳۔ علامہ کشمیریؒ نے جو مباحث اجمال وابہام کے ساتھ اپنی کتابوں میں ذکر کئے ہیں علامہ نبوریؒ نے ان کی پوری توضیح کردی ہے۔

۴۔ علامہ شوق نیمویؒ کی آثار السنن پر علامہ کشمیریؒ کے جو حواشی مخطوطہ کی شکل میں ہیں ان کے قیمتی مباحث "معارف السنن" میں شامل کردیے گئے ہیں اور ان کی توضیح وتسہیل کردی گئی ہے۔

۵۔ معارف السنن میں بعض مقامات پر بہت مفصل بحث کی گئی ہے پھر آخر میں مؤلف نے اس بحث کی تلخیص پیش کردی ہے۔

۶۔ مباحث میں تعبیر وترتیب کے حسن وجمال کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قارئین دوران مطالعہ کوئی تکان محسوس نہ کریں۔

۷۔ مذاہب ائمہ کا تذکرہ بنیادی مراجع جیسے ''عمدۃ القاری'' ''مجموع النووی'' اور ''مغنی ابن قدامہ'' کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔ان کے علاوہ متقدمین ومتاخرین علماء کی تصنیفات بھی سامنے رکھی گئی ہیں جیسے امام طحاویؒ، امام طبریؒ اور ابن نصر مروزی وغیرہ کی کتابیں۔(۳۰)

وفی الباب عن فلان وفلان پر بحث

امام ترمذیؒ نے تقریباً اکثر ابواب میں یہ علمی اشارہ کیا ہے کہ باب کی جو حدیث ایک صحابیؓ کے حوالہ سے ذکر کی گئی ہے وہ دوسرے اور کن صحابہ سے اور کن طریقوں سے مروی ہے اس کے لیے انہوں نے ''وفی الباب عن فلان وفلان'' کا جملہ استعمال کیا ہے۔امام ترمذی کے ان شارات کے بارے میں تینوں شرحوں کا کیا انداز رہا ہے، ملاحظہ ہو:

''العرف الشذی'' چونکہ درس تقریر ہے اس لیے علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے امام ترمذیؒ کے اس علمی وفنی اشارہ پر بحث نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے صرف رہنمائی کردی ہے کہ اس موضوع پر حافظ ابن حجرؒ کی غیر مطبوعہ کتاب ہے جس کا نام ''اللباب فیما قال الترمذی وفی الباب'' ہے۔اہل علم اس کی تخریج کے لیے امام احمد بن حنبل کی ''المسند'' کا مراجعہ کرسکتے ہیں۔ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''وفی الباب عن فلان وفلان الخ وصنف ابن حجرؒ فی استخراج ما ذکرہ الترمذی فی الباب وسماہ! ''اللباب فیما قال الترمذی وفی الباب ولکنہ غیر مطبوع والا سھل لاستخراج احادیثہ المراجعۃ الی مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ.'' (۳۱)

''معارف السنن'' جو اگرچہ ادھوری شرح ہے مگر جہاں تک وہ شرح پہونچی ہے بہت ہی مفصل ومطول ہے اس کے باوجود علامہ بنوریؒ نے اپنے استاذ علامہ کشمیریؒ کی روش کی پیروی کرتے ہوئے وفی الباب عن فلاں..... پر کوئی خاص بحث نہیں کی ہے۔ بلکہ اس سے صرف نظر کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے معارف السنن ج۶ کے آخر میں تتمہ کے اندر اپنی شرح میں امور ملحوظہ کا جو ذکر کیا ہے اس میں اشارہ کیا ہے کہ میں نے جامع ترمذی کی احادیث کو دوسرے مصادر سے بھی ذکر کیا ہے۔ مگر مجھے تو ''معارف السنن'' میں وہ بات بہت کم نظر آئی ہے۔ حالانکہ وفی الباب عن فلاں وفلاں پر شارح ترمذی کو توجہ دینا چاہئے آخر جامع ترمذی کا مطالعہ کرنے والا کہاں کہاں مسند احمد کی طرف مراجعہ کرے گا۔

اس سلسلہ میں علامہ مبارکپوری نے ''تحفۃ الاحوذی'' کے ذریعہ جامع ترمذیؒ کی شرح کا حق ادا کردیا ہے اور جہاں بھی امام ترمذی نے وفی الباب عن فلاں کہا ہے اس کا مکمل استخراج کردیا ہے۔ بلکہ اس پر اپنی جانب سے مزید اضافہ بھی کیا ہے اور دوسرے طرق واسانید اور رجال ورواۃ کی پوری نشاندہی کی ہے جن کی طرف امام ترمذیؒ نے کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ خصوصیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

خاتمہ: اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق سے مقالہ اختتام کو پہونچا، چونکہ یہ مقالہ بڑی جلدی اور مشاغل کے ہجوم میں لکھا گیا ہے اس

لیے کماحقہ جامع ترمذی کی مذکورہ تینوں شرحوں کا تقابل نہیں ہو سکا ہے۔ ہم نے تقابل میں صرف چند زاویوں کو لیا ہے اور ان پر بڑے اختصار سے بحث کی ہے، جب کہ تقابلی جائزہ کا تقاضا تھا کہ طول و اختصار، جامعیت، استنباط مسائل، تخریج احادیث اور فن اسماء الرجال وغیرہ میں تینوں شرحوں کے مقام و مرتبہ پر بحث کی جاتی، پھر بھی عجلت میں جو کچھ ہوا ہم اس پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں تقابلی مطالعہ کی توفیق بخشی، نیز ہم اس علمی سیمنار کے ذمہ داروں کے بھی شکر گزار ہیں جن کے اس اقدام نے مجھے ہمت عطا کی اور مجھے اس کام پر آمادہ کیا۔ تقبل الله جهودنا نحو القرآن والحديث. آمين.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

تعلیقات وحواشی

(۱) مقدمة تحفة الاحوذی، الباب الاول، الفصل العاشر فی ذکر انواع کتب الحدیث. معارف السنن ج ۱ للعلامه یوسف البنوریؒ بحث اقسام کتب الحدیث.

(۲) مقدمة تحفة الاحوذی الباب الاول، الفصل العشرون فی ذکر الکتب الستة.

(۳) مصدر سابق، الباب الثانی، الفصل الخامس (۴) مصدر سابق، الباب الثانی، الفصل الثانی

(۵) مصدر سابق، الباب الثانی، الفصل الثانی (۶) مصدر سابق، الباب الثانی، الفصل الثانی

(۷) مقدمة معارف السنن ج ۱ ص ۴۰، مکتبه اشرفیه دیوبند

(۸) مقدمة تحفة الاحوذی الباب الثانی، الفصل التاسع مطبوع بیروت، مقدمہ معارف السنن ج ۱ از ص ۴۱ تا ص ۴۳ مطبوع مکتبہ اشرفیہ دیوبند

(۹) آغاز کتاب میں عبارت اس طرح ہے: فيقول العبد المفتقر الى رحمة الله المدعو بمحمد چراغ وقاه الله عما زاغ حاكيا عن لسان الشيخ العلامة استاذنا محمد انور شاه كان الله مولاه. اس کے بعد سلسلہ سند ذکر کیا ہے پھر شرح ہے۔

(۱۰) مقدمة تحفة الاحوذی الباب الثانی، الفصل الاول فی ترجمة الترمذی، مقدمة معارف السنن ج ۱ ص ۳۷، ۳۸، مقدمہ ترجمان السنۃ مولانا بدر عالم میرٹھی مطبوع ندوۃ المصنفین دہلی، ظفر المحصلين، مولانا محمد حنیف گنگوہی، حنیف بکڈپو دیوبند

(۱۱) کشمیری زبان میں "مال" کا معنی ہے پہاڑ کی اونچی چوٹی، پورے نام کا معنی ہوا "بلند رتبہ خاتون" "الانور" ص ۳۰ تالیف عبدالرحمٰن کوندو، ناشر ندوۃ المصنفین دہلی۔

(۱۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم تالیف سید محبوب رضوی، نزہۃ الخواطر جلد ششم، سید عبدالحی حسنیؒ مکتبہ دار عرفات رائے بریلی۔ الانور تالیف عبدالرحمٰن کوندو، ندوۃ المصنفین دہلی، "چند عظیم شخصیات" تالیف

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستان، کتب خانہ نعیمہ دیوبند۔

(۱۳) ملاحظہ ہو مقالہ ”نورالانور“ مشمولہ ”الانور“ ص ۲۷۸

(۱۴) ملاحظہ ہو مقالہ: ”حضرت امام العصر اور ان کی تصنیفات“ بقلم علامہ یوسف بنوری مشمولۃ: ”الانور“

(۱۵) تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم ص ۱۳۶، ۱۳۷، اشاعت بایماء مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

(۱۶) استعراض موجز لمساهمة الهند فی علوم الحدیث النبوی ص ۲۲، ڈاکٹر خالد حامدی، ناشر مکتبہ دعوۃ الاسلام نئی دلی۔۲۵، انڈیا

(۱۷) یادگار مجلّہ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ، بونڈہار بموقع اجلاس عام ۱۹۸۶ء مرتب ابوالعاص وحیدی

(۱۸) ضمیمہ مقدمۃ تحفۃ الاحوذی از عبدالسمیع مبارکپوری، نزہۃ الخواطر ج ۸ مطبوع لکھنو، تراجم علمائے حدیث ہند از مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہرویؒ

(۱۹) تفصیل کے دیکھیں: مقدمۃ معارف السنن، تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم، نقوش رفتگاں، تالیف مولانا محمد تقی عثمانی ناشر زمزم بکڈپو دیوبند۔

(۲۰) ملاحظہ ہو: ”الانور“ تالیف عبدالرحمٰن کوندو ص ۱۸۲-۱۸۳، معارف السنن ج ۶ تتمۃ بعنوان: ”تنبیہ فی ادوار تالیف“ ص ۴۳۵

(۲۱) ملاحظہ ہو: ضمیمہ مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۵۳۸، مطبوع بیروت، ”حیاۃ المحدث شمس الحق واعماله“ تالیف عزیز شمسی، مطبوع جامعہ سلفیہ بنارس۔ مولانا مبارکپوری کے علاوہ اس ٹیم میں محمد اشرف ڈیانویؒ، ابوعبداللہ ادریس بن ابوالطیب ڈیانوی اور عبدالجبار شیخ نور احمد ڈیانوی وغیرہ شامل تھے ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۶۹

(۲۲) تتمہ ”معارف السنن“ ج ۶ بعنوان ”تنبیہ فی ادوار تالیف“ ص ۴۳۰

(۲۳) تتمہ ”معارف السنن“ ج ۶ بعنوان ”تنبیہ فی ادوار تالیف“ ص ۴۳۵

(۲۴) ”نقوش رفتگاں“ تالیف مولانا تقی عثمانیؒ زمزم بکڈپو دیوبند ص ۸۷

(۲۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ المذاهب الاسلامیة تایف ابو زهره باب اعتقادی مذاهب

(۲۶) مقالہ ”نورالانور“ بحوالہ: ”الانور“ ص: ۲۶۴

(۲۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں دونوں مقامات پر ”العرف الشذی“ اور ”معارف السنن“ کے مفصل مباحث۔

(۲۸) ملاحظہ ہو مقدمہ بذل المجہود ج ا ص ۱۰، ۱۱، از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مطبوع مطبع ندوۃ العلماء لکھنو ۱۹۷۲ء

(۲۹) ملاحظہ ہو مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ج ۲، از ص ۵۴۲ تا ص ۵۴۴

(۳۰) ملاحظہ ہو: معارف السنن ج ۶ کا تتمہ: ”تنبیہ فی ادوار تالیف“ ص ۴۳۳، ۴۳۴

مولانا عزیز احمد مدنی
جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی

سنن ابی داؤد کی تین شروح

غایة المقصود، عون المعبود اور بذل المجھود

مختصر تقابلی جائزہ

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدالمرسلين وعلى اله وصحبه أجمعين وعلىٰ جميع من تبعهم باحسان الى يوم الدين.أما بعد!

مذہب اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں آخری، کامل اور مکمل مذہب ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد، آفاقی و عالمگیر دین ہے۔ جس نے سارے اِدیان و مذاہب کو منسوخ کر دیا ہے۔ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں پر لازم ہے کہ مذہب اسلام ہی سے رہنمائی حاصل کریں۔

مذہب اسلام کے بنیادی مصادر قرآن مجید اور احادیث نبوی ہیں۔ قرآن مجید ایک اصولی کتاب ہے اور حدیث نبوی اس کی شرح و تفسیر ہے۔ قرآن وحدیث دونوں مستقل حجت ہیں۔ ان میں کوئی مقدم و مؤخر نہیں اور جس طرح قرآن کا انکار موجب کفر ہے اسی طرح کسی حدیث صحیح کا انکار بھی موجب کفر ہے۔

علماء و محدثین نے ہر زمانہ میں مختلف پہلوؤں سے احادیث کی تدوین و تالیف کی ہے اور فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل وغیرہ کے ذریعہ علم حدیث کو اس طرح منظم و مرتب کر دیا ہے جس پر دنیا کے لوگ حد درجہ حیران ہیں۔ یقیناً یہ بھی اسلام کا ایک عظیم معجزہ ہے۔

احادیث کے مضامین و مشتملات کے اعتبار سے جو کتب حدیث مرتب ہوئی ہیں ان کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ اول : **الجامع**، دوم: **السنن**

۱۔ **الجامع** : حدیث کی وہ کتاب ہے جو سارے مضامینِ احادیث کو جامع ہو، باعتبار مضامین احادیث کی آٹھ قسمیں ہیں: احادیث عقائد، احادیث احکام، احادیث زہد و رقاق، احادیث آداب، احادیث تفسیر، احادیث سیر و تاریخ، احادیث ملاحم و فتن اور احادیث مناقب۔

کتب ستہ میں دو کتابیں جامع ہیں صحیح بخاری اور سنن ترمذی۔ صحیح مسلم کو علماء نے جامع نہیں کہا ہے اس لیے کہ اس میں احادیث تفسیر بہت کم ہیں۔

۲۔ **السنن** : السنن احادیث کی وہ کتاب ہے جو حدیث کی مذکورہ آٹھوں اقسام کو جامع نہ ہو جیسے سنن ابی داؤد، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ وغیرہ یا ان اقسام ثمانیہ کو جامع تو ہو مگر اس کی ترتیب فقہی طرز پر ہو جیسے جامع ترمذی کہ اس کو سنن بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کے مباحث کی ترتیب فقہی انداز کی ہے۔ (۱)

احادیث کی کتابوں میں حسب ذیل کتابوں کو کتب ستہ کہا جاتا ہے:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن الترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔ ان چھ کتابوں میں صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی کی شرح و توضیح پر علمائے امت نے زیادہ توجہ دی ہے۔ جتنی شرحیں ان کتابوں کی لکھی گئی ہیں اتنی کسی اور کتاب کی نہیں لکھی گئیں۔ (۲)

سنن کی کتابوں میں امام ابوداؤد سجستانی کی کتاب السنن سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے کہ اس میں انہوں نے وہ تمام احادیث وروایات ذکر کردی ہیں جن سے ائمہ وفقہا استدلال کرتے ہیں، چونکہ امام ابوداؤد نے تمام روایات کی سندیں بھی ذکر کردی ہیں اور بیشتر مقامات پر احادیث کے ضعف کی بھی صراحت کردی ہے۔ اس لیے احادیث وروایات سے کس کا استدلال صحیح ہے اور کس کا صحیح نہیں اس کا فیصلہ اہل علم بڑی آسانی سے کرسکتے ہیں۔

سنن ابی داؤد کی جو شرحیں لکھی گئی ہیں ان کی اجمالی فہرست آگے آرہی ہے ان تمام شرحوں میں برصغیر ہندوپاک میں تین شروح یعنی غایۃ المقصود، عون المعبود اور بذل المجہود زیادہ مشہور ہیں۔ اسی لیے میرے مقالہ کا موضوع ہے "سنن ابی داؤد کی تین شروح 'غایۃ المقصود'، 'عون المعبود' اور 'بذل المجہود' ایک مختصر جائزہ" میرے اس مقالہ کے مباحث کچھ اس طرح ہیں۔

۱- امام ابوداؤد صاحب "السنن"	۲- سنن ابی داؤد کی تینوں شرحوں کے مؤلفین
۳- تینوں شرحوں کی تالیف کا پس منظر	۴- تینوں شرحوں کی خصوصیات
۵- شرحوں کا اسلوب	۶- اعتقادی منہج
۷- فقہی مسلک	۸- قال ابوداؤد پر بحث ۹- قبول عام

امام ابوداؤد السجستانی صاحب السنن

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی سلیمان بن اشعث بن اسحٰق بن بشیر ہے اور کنیت ابوداؤد اور سجستانی نسبت ہے۔ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

سلیمان بن اشعث بن اسحٰق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی السجستانی (۱) آپ کے جد اعلیٰ عمران کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا اور اسی جنگ میں وہ قتل کیے گئے تھے۔ (۲)

ولادت وخاندان

آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ آپ کا نسبی تعلق مشہور قبیلہ ''ازد'' سے ہے۔اس لیے آپ کو ازدی بھی کہا جاتا ہے اور سیستان (جو سندھ اور ہرات کے درمیان قندھار کے قریب ایک مشہور ملک ہے) کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''سجستانی'' اور ''سجزی'' بھی کہا جاتا ہے۔(۳)

تحصیل علم

سوانح نگار آپ کے بچپن کے حالات سے بالکل خاموش ہیں آپ کی پرورش وپرداخت کس طرح ہوئی اور تعلیم کب اور کہاں شروع ہوئی؟اس کا تذکرہ کسی کے یہاں نہیں ملتا ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو اس وقت علم حدیث کا حلقہ کافی وسیع ہو چکا تھا۔ آپ نے حدیث رسول کے جمع وحصول کے لیے متعدد مقامات کا سفر کیا۔ تذکرہ نگاروں نے بلاد اسلامیہ میں سے مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ وبصرہ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔اس سلسلے میں کئی بار بغداد تشریف لے گئے۔ نیساپور، مرو، اصبہان وغیرہ کے محدثین سے خوب استفادہ کیا اور پھر بصرہ میں سکونت اختیار کی۔(٦)

شیوخ

آپ کے اساتذہ کا استقصاء اور شمار دشوار ہے۔ حافظ ابن حجر نے سنن اور دیگر کتابوں کے پیش نظر ان کی تعداد تین سو سے زائد بتائی ہے۔امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، قعنبی، اسحٰق بن راہویہ اور ابو ثور جیسے بلند پایہ فقہائے محدثین اور ابو بکر بن ابو ثور شیبہ، ابوالولید طیالسی، عثمان بن ابی شیبہ، یحیٰ بن معین، مسدد بن مسرہد، ہشام بن عبدالملک جیسے نامور ناقدین فن اور ائمہ محدثین آپ کے اہم اساتذہ میں سے ہیں۔(۷)

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بھی کافی وسیع ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ان کے لیے سب سے زیادہ قابل فخر بات یہ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین میں سے امام ترمذی اور امام نسائی کو بھی آپ سے تلمذ حاصل ہے۔(۸) امام احمد بن حنبل جو آپ کے استاذ ہیں انہوں نے آپ سے حدیث عتیرہ کی روایت کی ہے۔ جس پر ابوداؤد کو فخر وناز تھا۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں رواۃ سنن ابو عمر واحمد بن علی بن حسن بصری، ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤی، ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی، ابو بکر محمد بن عبدالرزاق بن داسہ کے سوا ابو بکر محمد بن خلال، ابو عوانہ، یعقوب بن اسحاق اسفرائنی اور آپ کے بیٹے ابو بکر بن ابی داؤد کافی معروف ومشہور ہیں۔(۹)

وفات

آپ کی وفات بصرہ میں ۱۶ر شوال ۲۷۵ھ کو ہوئی اور عباس بن عبدالواحد ہاشمی نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔(۱۰)

مذہب ومسلک

مذہب ومسلک کے تعلق سے بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کو حنبلی المسلک اور بعض نے شافعی المسلک لکھا ہے۔ لیکن یہ محض درسی نسبت ہے اور غالباً امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے اکثر وبیشتر مسائل میں موافقت کے سبب تذکرہ نگاروں کو

ایسی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ علامہ طاہر الجزائری نے آپ کے کسی بھی امام کی تقلید کی نفی کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اما البخاری و ابو دائود فاامامان فی الفقه و کان من اهل الاجتهاد"

اسی موقف کی ترجمانی علامہ ذہبی نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں ان الفاظ میں کی ہے:

"و کان علی مذهب السلف فی اتباع السنة والتسلیم لها و ترك الخوض فی مضائق الکلام" (۱۱)

امام کا زهد وورع

دوسرے ائمہ حدیث وفقہ کی طرح ورع وزہد، تقویٰ اور جملہ معاملات ومسائل زندگی میں تمسک بالسنہ کے مقام بلند پر فائز تھے۔

ابن حبان فرماتے ہیں: "ابو داؤد فقہ، علم، حفظ، عبادت، ورع اور ضبط واتقان ہر اعتبار سے دنیا کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔" (۱۲)

ابن کثیر فرماتے ہیں: **"کان ابو داؤد فی اعلیٰ درجة النسك والعفاف والصلاح والورع"** حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "وہ حدیث وفقہ کے سر خیل تھے۔ عظمت واعزاز اور صلاح تقویٰ کے حامل انسان تھے۔ اپنے استاذ احمد بن حنبل سے بڑی مشابہت رکھتے تھے۔" (۱۳)

قناعت پسندی آپ کا شیوہ تھا۔ آپ کا ہی یہ قول بتایا جاتا ہے کہ "جس نے موٹے جھوٹے لباس اور روکھے سوکھے کھانے پر قناعت کیا۔ وہ بہت سی جسمانی تکالیف اور اذیتوں سے آرام پا گیا۔"

امام ابوداؤد کی فقهی بصیرت

امام ابوداؤد جس طرح فن حدیث کے مقتدی اور پیشوا مانے گئے۔ اسی طرح آپ کو فقہ واجتہاد میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ فقہی بصیرت اور عمیق نظر رکھنے کے سبب بعض علماء نے آپ کو فقہ واجتہاد میں امام بخاری کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے۔ جملہ اصحاب تراجم نے آپ کے اس وصف کا تذکرہ کیا ہے۔ صاحب شذرات الذہب نے آپ کو راسأ فی الحدیث وراسأ فی الفقہ کہا ہے۔ امام ابو حاتم آپ کو امام فقہ قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: **"ابو داؤد احد ائمة الدنیا فقها وعلما وحفظا ونسکا وورعا واتقاناً.** (۱۴)

امام ابوداؤد اهل علم کی نگاه میں

ابراہیم حربی فرماتے ہیں: "فن حدیث ان کے لیے اسی طرح نرم کر دیا گیا تھا جس طرح داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا۔"

موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں: "ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا ہوئے۔" "ابوداؤد سے بہتر ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔"

امام حاکم فرماتے ہیں: "ابو داؤد بالاتفاق اپنے زمانہ کے امام اہل حدیث تھے۔"

امام نووی فرماتے ہیں: "ابو داؤد کے فضل وکمال پر تمام علماء متفق ہیں۔ تمام لوگوں نے انہیں حفظ کامل، علم وافر،

اتقان، حفظ اور ورع فی الدین سے متصف گردانا ہے وہ حدیث وغیرہ کے فنون میں ذہن رسا رکھتے تھے۔ (۱۵) حافظ ابو عبد اللہ ابن مندہ کہتے ہیں: ”جن لوگوں نے احادیث کی تخریج کی اور ثابت و معلول اور غلط و صحیح کی تمیز کی وہ چار اشخاص ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم اور ان کے بعد ابو داؤد السجستانی اور نسائی۔ (۱۶)

تالیفات

آپ کی سب سے اہم اور مشہور تصنیف کتاب السنن ہے۔ اس کے علاوہ بھی درج ذیل تصنیفات مشہور و معروف ہیں:

كتاب الزهد، كتاب المراسيل، كتاب الرد على أهل القدر، الناسخ والمنسوخ، مسائل امام احمد، فضائل الانصار، مسند مالك، البعث والنشور، دلائل النبوة، التفرد في السنن، سوالات آجرى عن ابى داؤد، كتاب المصابيح والمصاحف وغيره.

کتب حدیث میں سنن ابی داؤد کا مرتبہ ومقام

کتب احادیث میں آپ کی کتاب ”السنن“ کو کافی بلند رتبہ و مقام حاصل ہے۔ متقدمین و متأخرین تمام علماء نے اسے سراہا ہے اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ خطابی اپنی کتاب ”معالم السنن“ میں فرماتے ہیں: ”امام ابو داؤد کی سنن بلاشبہ ایک ایسی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہاء کے سب طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے حکم مانی جاتی ہے۔“ امام ابو داؤد سے قبل محدثین کی تصانیف جملہ اقسام حدیث کو جامع ہوتی تھیں لیکن صرف سنن واحکام پر حدیثیں کسی نے جمع نہیں کیں اور نہ طویل احادیث سے اس کی تلخیص واختصار کا کام کسی نے کیا اسی لیے یہ کتاب علماء و محدثین کی نگاہ میں اعجاب کا باعث بنی رہی۔ (۱۷) امام ابو داؤد خود فرماتے ہیں کہ: ”اس کتاب میں میں نے صرف احکام کی حدیثیں شامل کی ہیں“۔ (۱۸) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام موصوف کے پیش نظر احکام کی لیی حدیثیں اور ان کے دلائل کا استیعاب رہا ہے جن سے ائمہ نے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے چنانچہ یہ کتاب فقہاء کے مستدلات کی ایک جامع کتاب ہے۔ اسی کے پیش نظر امام غزالی نے یہ صراحت کی ہے کہ: ”علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے۔ (۱۹) ابو جعفر بن زبیر کہتے ہیں کہ: ”احکام کی حدیثوں کے حصر واستیعاب میں ابو داؤد کو خاص امتیاز حاصل ہے جو دوسروں کے حصہ میں نہیں“۔ (۲۰)

سنن ابی داؤد چار ہزار آٹھ سو احادیث کا مجموعہ ہے جسے امام موصوف نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب فرمایا ہے۔ (۲۱) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس کو تمام لوگوں نے متفقہ طور پر ترک کر دیا ہو۔ اس کتاب کی عظمت کے لیے ابن الاعرابی کا قول کافی ہے کہتے ہیں کہ ”اگر کسی کے پاس مصحف ہو اور ابو داؤد کی یہ کتاب تو ان دونوں کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی قطعا ضرورت نہیں“۔ (۲۲) زکریا ساجی نے کتاب سنن کو اسلام کا عمود وستون قرار دیا ہے۔

علامہ ابن القیمؒ رقمطراز ہیں ”ابو داؤد کی ”السنن“ کو اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ تمام اختلافی مسائل میں وہ اہل اسلام کے مابین حکم کی حیثیت رکھتی ہے۔ احکام کی بیشتر روایات بہترین انتخاب کے ساتھ نظم وترتیب سے اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں اور مجروحین وضعفاء کی روایتوں سے اسے پاک رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔“ (۲۳)

کتاب السنن میں امام ابوداؤد کا منہج

امام ابوداؤد نے اپنے مکتوب بنام اہل مکہ میں کتاب السنن کے منہج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ان کی کچھ باتیں نقل کی جاتیں ہیں:

۱۔ میں نے ہر باب میں صرف ایک یا دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ اگر ان سب کو میں ذکر کرتا تو ان کی تعداد کافی بڑھ جاتی۔ اس سلسلہ میں میرے پیش نظر صرف قرب منفعت رہا ہے۔

۲۔ اگر کسی روایت کے دو یا تین طرق سے آنے کی وجہ سے میں نے کسی باب میں اسے مکرر ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ صرف بعض کلمات کا اضافہ ہے۔ بسا اوقات بعض سندوں میں کوئی لفظ زائد ہوتا ہے جو دوسری سند میں نہیں ہوتا اسی اضافہ کو بیان کرنے کے لیے میں نے ایسا کیا ہے۔

۳۔ بعض طویل حدیثیں ایسی ہیں جن کو میں نے مختصر کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر میں انہیں پوری ذکر کرتا تو بعض لوگوں کی نگاہ سے بعض مقاصد او جھل رہتے اور اصل نکتہ وہ نہ سمجھ پاتے۔ بایں وجہ زوائد کو حذف کر کے صرف اس ٹکڑے کے ذکر پر میں نے اکتفاء کیا ہے جو اصل مقصد سے مناسبت و مطابقت رکھتا ہے۔

۴۔ کتاب السنن میں میں نے کسی متروک الحدیث شخص سے کوئی روایت نہیں نقل کی ہے اور اگر صحیح روایت نہ ہونے کی وجہ سے کسی باب میں کوئی روایت آئی بھی ہے تو اس کی نکارت واضح کر دی گئی ہے۔

۵۔ میری اس کتاب میں اگر کوئی روایت ایسی ہے جس میں شدید ضعف پایا جاتا ہے تو اس کا یہ ضعف بھی میں نے واشگاف کر دیا ہے اور اگر کسی روایت کی سند صحیح نہیں اور میں نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے تو وہ میرے نزدیک صالح اور لائق احتجاج ہے اور نسبتاً ان میں سے بعض بعض سے اصح ہیں۔

۶۔ اس کتاب میں بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جو غیر متصل مرسل اور مدلس ہیں۔ صحیح روایت موجود نہ ہونے کی صورت میں بیشتر محدثین ایسی روایتوں کو مستند و معتبر مانتے ہیں اور ان پر متصل ہی کا حکم لگاتے ہیں۔

۷۔ میں نے کتاب السنن میں صرف احکام کی حدیثوں کو شامل کیا ہے۔ اس میں زہد اور فضائل اعمال وغیرہ سے متعلق حدیثیں درج نہیں۔ یہ کتاب کل چار ہزار آٹھ سو حدیثوں پر مشتمل ہے۔ جو سب کے سب احکام کے سلسلہ کی ہیں۔ ان احادیث کے علاوہ زہد و فضائل وغیرہ امور میں بھی بکثرت احادیث مروی ہیں جن کی تخریج میں نے اپنی اس کتاب میں نہیں کی ہے۔ (۲۴)

کتاب السنن کی شروح اور متعلقات

۱۔ معالم السنن، ابو سلیمان أحمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی البستی المتوفی ۳۸۸ھ مطبوع

۲۔ مختصر السنن، ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ

۳۔ العدالمودود فی حواشی سنن أبی داؤد، ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ

۴۔ تہذیب السنن، محمد بن أبی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ

۵۔ شرح السنن، عمر بن رسلان بن نصر البلقینی المتوفی ۸۰۵ھ

۶- شرح السنن، ابوذرعہ ولی الدین أحمد بن عبدالرحیم العراقی المتوفی ۸۲۶ھ

۷- شرح السنن، شہاب الدین أحمد بن حسین بن ارسلان الرعی المتوفی ۸۴۴ھ

۸- مرقات الصعود الی سنن أبی داؤد، امام سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ

۹- فتح الودود علی سنن ابی داؤد، ابوالحسن محمد بن عبدالهادی السندی المتوفی ۱۱۳۸ھ

۱۰- غایة المقصود فی حل أبی داؤد، ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی المتوفی ۱۹۱۸ء

۱۱- عون المعبود شرح أبی داؤد، ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی المتوفی ۱۹۱۸ء

۱۲- المنهل العذب المورود شرح سنن الامام أبی داؤد، محمود محمد خطاب السبکی المتوفی ۱۳۵۲ھ

۱۳- بذل المجهود فی حل أبی داؤد، خلیل أحمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۶ھ

۱۴- تسمیة شیوخ ابی دائود، ابوعلی حسین محمد الجیانوی المتوفی ۴۹۸ھ

۱۵- درجات مرقاة الصعود، علامہ دمنتی

۱۶- المجتبیٰ، زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ المنذری البصری المتوفی ۶۵۶ھ

۱۷- انتحاء السنن واقتفاء السنن، شہاب الدین ابو محمود أحمد بن محمد ابن ابراہیم المقدسی المتوفی ۷۶۹ھ

۱۸- شرح سنن أبی داوٗد، سراج الدین عمر بن علی بن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ یہ شرح کامل نہیں ہے۔

۱۹- شرح سنن أبی داوٗد، علاءالدین مغلطائی، المتوفی ۷۶۲ھ - یہ دونوں شرحیں کامل نہیں ہیں۔ یہ شرح کامل نہیں ہے۔

۲۰- شرح سنن أبی داوٗد، قطب الدین ابو بکر بن أحمد الیمنی الشافعی المتوفی ۶۵۲ھ

۲۱- شرح سنن أبی داوٗد، بدرالدین محمود بن أحمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ

۲۲- شرح سنن أبی داوٗد، شیخ محی الدین ابو زکریا یحیٰ بن شرف نووی المتوفی ۶۷۶ھ، یہ ناتمام ہے

۲۳- الهدی المحمود ترجمہ سنن أبی داؤد، وحیدالزماں بن مسیح الزماں لکھنوی

۲۴- فلاح و بہبود شرح اردو قال ابوداوٗد، مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ

۲۵- رحمت الودود علی رجال سنن ابی داؤد، تالیف مولانا رفیع الدین شکرانوی المتوفی ۱۳۳۷ھ

۲۶- عون الودود فی شرح سنن ابی داؤد، مولانا محمد بن نورالدین ہزاروی

۲۷- سنن أبی داوٗد پر عربی زبان میں حاشیہ، شیخ حسین بن محسن یمانی المتوفی ۱۳۲۷ھ

۲۸- فیض الودود تعلیق سنن أبی دائود، مولانا عطاءاللہ حنیف بھوجیانی المتوفی ۱۹۸۷ء

سنن ابی داؤد کی تینوں شرحوں کے مؤلفین

شیخ شمس الحق محدث ڈیانوی عظیم آبادی

نام ونسب

آپ کا نام محمد شمس الحق کنیت ابوالطیب اور نسبت عظیم آبادی اور ڈیانوی ہے۔ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔
ابوالطیب محمد شمس الحق بن شیخ امیر علی بن شیخ مقصود علی بن غلام حیدر بن ہدایت اللہ بن محمد زاہد بن نور محمد ابن شیخ علاؤالدین۔

آپ کا سلسلہ نسب دادیہال اور نانیہال دونوں طرف سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ مسکن ومولد کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو عظیم آبادی (۲۵) اور ڈیانواں (۲۶) کی طرف نسبت کرتے ہوئے ڈیانوی بھی کہا جاتا ہے۔

ولادت وطفولیت

جولائی ۱۸۵۷ء مطابق ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ میں مقام رمنہ (۲۷) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے نانا شیخ گوہر علی صاحب اس محلہ میں رہتے تھے۔ پانچ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ہمراہ ڈیانواں چلے آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہ آپ کا نانیہال تھا۔ گیارہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی پرورش نانیہال میں بڑے لاڈ پیار سے ہوئی اور باپ کے سایہ شفقت سے محرومی کا احساس تک بھی آپ کو نہ ہوا۔

تعلیم وتربیت

۱۲۸۲ھ میں مولوی محمد ابراہیم نگر نہسوی نے بسم اللہ کرائی، ابتدائی تعلیم ڈیانواں میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ فارسی کی کتابوں کی تکمیل کے بعد عربی شروع کی اور مختلف علوم وفنون کی متداول کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۹۲ھ میں حصول علم کے لیے ڈیانوان سے باہر نکلے۔ لکھنو اور مراد آباد پہونچے ۱۲۹۴ھ میں دوبارہ مراد آباد گئے۔ ۱۲۹۵ھ میں دہلی میں شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک سال تک حضرت مولانا سے استفادہ کر کے سند اجازت حدیث حاصل کی اور وطن واپس آگئے۔ چھ سال بعد ۱۳۰۲ھ میں حضرت میاں صاحب دہلوی کی محبت اور کشش دوبارہ دہلی انہیں کھینچ لائی۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ نے حضرت میاں صاحب سے کتب ستہ کے علاوہ موطا، سنن دارمی، سنن دار قطنی وغیرہ سبقاً سبقاً پڑھیں۔ حضرت شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری متوفی ۱۳۲۷ھ سے دہلی میں شرف ملاقات حاصل کی اور علمی استفادہ کیا۔

علوم دینیہ سے فراغت کے بعد حضرت میاں صاحب کی تلقین پر علم طب کی طرف راغب ہوئے لیکن اپنی علمی مصروفیت کے سبب طب پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

عقیدہ وفکر

آپ اتباع سنت کے بڑے شائق تھے۔ عقاید واعمال میں صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کا مسلک اختیار کرنے کی کوشش کرتے۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید روا نہیں سمجھتے تھے اور ان ائمہ کی کسی قسم کی تنقیص قطعاً پسند نہ کرتے تھے۔

اخلاق وعادات

آپ نہایت شریف، متواضع، ملنسار اور فیاض طبع شخص تھے۔ (۲۸) انکساری و فروتنی کے پیکر تھے۔ تکلیف دہ باتوں سے آپ کو ناگواری نہیں ہوتی تھی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ حدیث "تبسمك في وجه اخيك صدقة" پر پورے طور پر عامل تھے۔ میں نے اس حدیث کے عامل علماء کو بہت کم دیکھا ہے۔ ہر طبقہ ومسلک کے علماء سے اچھے تعلقات ومراسم تھے۔ حق گوئی وحق پسندی آپ کی طبیعت میں تھی۔ دیگر مسالک کے لوگوں کے کمالات کے اعتراف اور اپنے علماء کی غلط آراء کی تردید میں جماعتی عصبیت مانع نہ ہوتی تھی۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے فضل کا اعتراف بڑی فراخ دلی سے کرتے تھے۔

اساتذہ وتلامذہ

آپ کے اساتذہ کی فہرست طویل ہے آپ نے بذات خود اپنے مشائخ کے تراجم پر "نهاية الرسوخ في معجم الشيوخ" نامی کتاب تالیف کی ہے۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں سے حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، شیخ حسین بن محسن انصاری، شیخ لطف العلی بہاری، شیخ فضل اللہ لکھنوی، شیخ محمد ابراہیم نگر نہسوی وغیرہ ہیں۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے بلاد حجاز کا سفر کیا وہاں چھ ماہ کے قیام کے دوران وہاں کے مشہور علماء ابوالبرکات نعمان آلوسی، شیخ احمد المغربی، شیخ عبدالعزیز بن صالح الحنبلی وغیرہم جیسے دسیوں علماء سے سند اجازت حاصل کی۔ (۲۹)

آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ مولانا احمد اللہ پرتاپ گڈھی، ابوسعید شرف الدین دہلوی، ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا عبدالحمید سوہدروی، مولانا فضل اللہ مدراسی، حکیم محمد ادریس ڈیانوی، محمد زبیر ڈیانوی اور شرف الحق ڈیانوی وغیرہ مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ (۳۰)

تعلیمی، تدریسی، ملی اور جماعتی خدمات

۱۲۹۷ھ میں دہلی سے وطن واپسی کے بعد دیگر علمی مشاغل کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ ۱۳۰۳ھ میں دوسری بار واپس آئے تو باقاعدہ مسند درس پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کا حلقہ درس کافی وسیع تھا۔ عرب وایران کے طلبہ نے بھی آپ سے درس لیا۔ طلبہ کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔ آپ کے حلقہ درس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔

افتاء: طالب علمی کے زمانے سے فتویٰ نویسی میں آپ کو مہارت تھی حضرت میاں صاحب کی صحبت میں رہ کر دہلی میں کافی فتوے تحریر کئے۔ فتاویٰ نذیریہ میں کچھ فتاوے پر آپ کے تائیدی دستخط ثبت ہیں، عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں آپ نے فتاوے تحریر کئے۔ "تنقیح المسائل" کے نام سے آپ کے فتووں کا مجموعہ مخطوط کی شکل میں موجود ہے۔

وعظ وارشاد: درس وتدریس کے علاوہ وعظ وارشاد بھی آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ کی تقریر پر مغز اور بڑی پرکشش ہوتی تھی۔ بیشتر لوگوں نے مبتدعانہ خیالات، غلط عقاید اور جاہلانہ رسم ورواج اور فسق وفجور کی عادتیں چھوڑیں۔ آپ کی مجالس وعظ میں عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔

دینی حمیت وغیرت

آپ عقیدہ سلف اور سنت کے حامی اور مؤید تھے۔ اس کی معمولی مخالفت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ کو بدعت وخرافات سے سخت نفرت تھی۔ توحید واتباع سنت کے پرجوش داعی تھے۔ حدیث وائمہ حدیث کے خلاف جب بھی لوگوں کی زبان طعن دراز ہوئی تو آپ نے اپنے احباب وشاگردوں سے ان کے ردوجواب میں کتابیں تالیف کرائیں اور علمی ومالی معاونت بھی کی۔ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب "سیرۃ النعمان" کے جواب میں "سیرۃ البخاری" تالیف مولانا عبدالسلام مبارکپوری اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی کتاب "حسن البیان" اس سلسلے کی اہم شاہکار ہیں۔ مولانا ظہیر احسن شوق نیموی کے فقہی رسائل کے جواب میں خصوصی طور پر مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا ابوالمکارم مئوی کو تیار کیا اور ریاست بھوپال سے ان کے لیے ماہانہ وظیفہ متعین کرایا۔ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی تالیفات اپنے خرچ پر شائع کیں۔ "رفع الالتباس عن بعض الناس" اور "الکلام المبین فی الجھر بالتامین" نامی جیسے تردیدی رسائل محققانہ انداز میں بذات خود تحریر کیے۔

ملی وجماعتی خدمات: آپ جماعت اہل حدیث کے رکن رکین تھے۔ آپ کا ذوق گرچہ خالص علمی تھا تاہم اکثر جماعتی سرگرمیوں میں پیش پیش ہوتے تھے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی بنیاد پڑی تو اس کے ہر پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تاحیات اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ اس کے جلسوں میں شرکت فرماتے اور اس کے انتظام وانصرام سے وابستہ رہے۔

ان سرگرمیوں کے سوا مسلمانوں کی بعض علمی واصلاحی تحریکوں میں بھی شریک رہے۔ تحریک ندوۃ العلماء کے حامی رہے۔ اس کی مالی وعلمی امداد کرتے رہے۔ آپ اصلاح المسلمین پٹنہ کے سکریٹری اور مدرسہ احمدیہ آرہ کے اہم رکن رہے اور اس کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد کے رکن تھے۔ فن رجال کی کتابیں آپ کے مشوروں سے شائع ہوئیں۔ مصر کے بعض مطابع بھی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں آپ سے رائے ومشورہ لیا کرتے تھے۔

فضل وکمال

آپ کی دینی علوم، معقولات اور ادب وغیرہ پر وسیع نظر تھی۔ طالب علمی کے زمانے سے بحث ونظر اور مطالعہ وتحقیق کے عادی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی ذہانت وفطانت ودیعت کر رکھی تھی۔ فقہی مذاہب اور ائمہ کے اختلافات اور دلائل پر مکمل عبور حاصل تھا، فن حدیث میں غیر معمولی اشتغال کی وجہ سے حدیث پر مجتہدانہ بصیرت حاصل ہو گئی تھی۔ صحیح وضعیف، راجح ومرجوح اور حدیث کی تمام انواع واقسام کے درمیان نقد وتمیز کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ کے معاصرین میں کم ہی لوگ کتب رجال، ائمہ جرح وتعدیل اور رواۃ کے طبقات وغیرہ سے واقفیت میں آپ کے ہم پایہ رہے ہوں گے۔ آپ کے فضل کا اعتراف آپ کے معاصرین اور تلامذہ نے کیا ہے۔ مولوی محمد زبیر ڈیانوی "یادگار گوہری" میں تحریر

کرتے ہیں :

"علماء نے آپ کی شان میں عربی و فارسی کے متعدد قصیدے لکھے ہیں جو هداية الطالبين الى مكاتيب الكاملين میں مذکور ہیں" (۳۱)

علمائے اہل حدیث کے علاوہ دوسرے طبقہ و مسلک کے علماء نے بھی آپ کی تحسین و تعریف کی ہے۔(۳۲)

وفات : طاعون کی بیماری میں آپ ۲۱/مارچ ۱۹۱۸ء کو سہ شنبہ کی صبح چھ بجے ۵۶ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا لله و انا اليه راجعون.

تصانیف

آپ کو تصنیف و تالیف کا بڑا عمدہ ذوق تھا۔ کتب حدیث کی شرح و تعلیق کے علاوہ فقہ وافتاء اور تذکرہ و سیر میں آپ نے مفید اور بلند پایہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد پچیس سے زائد بتائی جاتی ہیں۔ ان تصانیف سے آپ کے علمی تبحر، جامعیت اور وسعت فکر و نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں :

۱.	غاية المقصود فی حل سنن ابی داؤد	عربی
۲.	عون المعبود علی سنن ابی داؤد	"
۳.	التعليق المغنی علی سنن الدار قطنی	"
٤.	اعلام اهل العصر باحكام ركعتی الفجر	"
۵.	رفع الالتباس عن بعض الناس (۳۳)	"
٦.	المكتوب اللطيف الی المحدث الشريف	"
۷.	غنية الالمعی	"
۸.	تعليقات علی اسعاف المبطا برجال الموطا	"
۹.	النجم الوهاج فی شرح مقدمة الصحيح لمسلم بن الحجاج	"
۱۰.	تعليقات علی سنن النسائی	"
۱۱.	الوجازه فی الاجازه (۳۴)	"
۱۲.	القول المحقق فی تحقيق اخصاء البهائم	فارسی
۱۳.	عقود الجمان فی جواز تعليم الكتابة للنسوان	"
۱٤.	الاقوال الصحيحه فی احكام النسيكه	"
۱۵.	نخبة التواريخ	"
۱٦.	تذكرة النبلاء فی تراجم العلماء	"
۱۷.	تفريح المتذكرين بذكر كتب المتاخرين	"

۱۸. الكلام المبين فى الجهر بالتامين والرد على القول المتين — اردو
۱۹. التحقيقات العلى باثبات فرضية الجمعة فى القرى — ”
۲۰. هدايه النجدين الى حكم المعانقة والمصافحة بعد العيدين — ”
۲۱. فتوى رد تعزيه دارى — ”

ان کے علاوہ کچھ غیر مطبوع، ناقص و ناممکل اور مفقود کتابوں کے تذکرے بھی ملتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱. تنقيح المسائل
۲. الرساله فى الفقه
۳. هدية اللوذعى بنكات الترمذى
٤. فضل البارى شرح ثلاثيات البخارى
۵. نهاية الرسوخ فى معجم الشيوخ
٦. النور اللامع فى اخبار صلاة الجمعه عن النبى الشافع
۷. تحفة المتهجدين الابرار فى اخبار صلاة الوتر وقيام رمضان عن النبى المختار
۸. غاية البيان فى حكم استعمال العنبر والزعفران
۹۔ سوانح عمری مولانا عبداللہ صاحب جھاؤ میاں الہ آبادی (۳۵)

مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ بہت سی کتابوں پر مولانا کے حواشی اور تعلیقات ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فاضل محقق ڈاکٹر محمد عزیز شمس کی کتاب ”حياة المحدث شمس الحق وأعماله“

مجمع علمی، کراچی پاکستان کے ڈائرکٹر جناب عبدالرقیب بن عبدالباسط صاحب نے افادہ عام کے لیے مولانا کی جملہ تصانیف کی طباعت واشاعت کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان عزائم کی تکمیل فرمائے اور ان کے لیے ہر طرح کے وسائل مہیا فرمائے، آمین۔

۲۔ شیخ خلیل احمد محدث سہارنپوری انبیٹھوی

نام ونسب

آپ کا نام خلیل احمد، کنیت ابوابراہیم، نسبت انبیٹھوی، سہانپوری ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ شیخ ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی بن احمد علی بن قطب علی بن غلام محمد الانصاری الحنفی الانبیٹھوی۔ انبیٹھ صوبہ یوپی کے مشہور شہر سہانپور سے مغرب میں سولہ میل کے فاصلہ پر ایک قدیم بستی ہے یہی آپ کا وطن تھا۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو انبیٹھوی کہا جاتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے اسی طرح آپ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں آپ کے مرشد شیخ رشید

احمد گنگوہیؒ کے نانیہالی نسب سے مل جاتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۹ ق ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں آپ کے نانیہال قصبہ نانوتہ ضلع سہانپور میں ہوئی۔ آپ کی رضاعت اور ابتدائی تربیت زیادہ تر آپ کے ماموں اور نانا کے پاس ہوئی۔ تاہم آپ کی والدہ آپ کو لے کر انبیٹھہ چلی آئیں اور یہیں آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی۔ آپ کے والد ماجد شاہ مجید علی ریاست کے ملازم تھے۔

تعلیم وتربیت: پانچ سال کی عمر میں آپ کو مکتب میں بٹھانے کی تجویز آئی۔ آپ کے نانا مملوک العلی نے بسم اللہ پڑھائی اور قاعدہ شروع کیا۔ ناظرہ قرآن شریف جلد مکمل کیا۔ پھر اردو وفارسی کی تعلیم انبیٹھہ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ عربی کی ابتدائی تعلیم گوالیار میں اپنے چچا جناب مولانا انصار علی صاحب سے حاصل کی۔ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کی خبر پاکر دیوبند تشریف لے گئے اور اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب کی صحبت میں چھ ماہ رہے۔ رجب ۱۲۸۳ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہانپور کا قیام عمل میں آیا۔ آپ کی طبیعت دیوبند میں نہ لگی۔ مظاہر علوم تشریف لائے اور اپنے قریبی رشتہ کے ماموں مولانا محمد مظہر صاحب کی زیر سرپرستی اس مدرسہ کے خوشہ چیں ہوئے۔ کتب حدیث، فقہ واصول اور تفسیر مولانا محمد مظہر صاحب سے پڑھیں اور منطق وفلسفہ وریاضی وغیرہ دیگر اساتذہ سے۔ اس طرح انیس سال کی عمر میں آپ نے درس نظامیہ مکمل کرلیا اور پانچ سال میں سند فراغت حاصل کی اور پھر عربی ادب کی تحصیل کے لیے لاہور پہونچے۔ جہاں مولانا فیض الحسن صاحب سے علوم ادبیہ کی خاطر خواہ تکمیل فرمائی۔ دوران تعلیم قرآن پاک حفظ کیا اور جلسہ تقسیم اسناد میں شرکت کرکے سند لی۔

عقیدہ وفکر: آپ حنفی المسلک اور حضرت شیخ ابومسعود رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ حنفی، چشتی، قادری نقشبندی، سہروردی سے بیعت تھے۔ حضرت شیخ کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ بلکہ ان کے خلیفہ تھے اور ان کی دعوت وطریقت کے علمبردار تھے۔ جب حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو حاجی امداد اللہ صاحب نے انہیں سند طریقت مرحمت کی اور تحریری خلافت دی۔ اسی اجازت نامہ پر حضرت گنگوہی نے بھی اپنے دستخط ثبت کیے۔

اساتذہ وتلامذہ: آپ نے جن اساتذہ اور مشائخ سے استفادہ کیا ان میں سے آپ کے ماموں شیخ یعقوب علی بن مملوک العلی نانوتوی، شیخ محمد مظہر نانوتوی، شیخ فیض الحسن سہارنپوری کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کبار مشائخ شیخ عبدالقیوم بڈھانوی، شیخ احمد دحلان، شیخ عبدالغنی بن ابی سعید المجددی المہاجری، شیخ اسماعیل روحی، سید احمد برزنجی اور شیخ بدرالدین محدث دمشقی سے سند اجازت حاصل کی۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، جماعت تبلیغ کے موسس مولانا محمد الیاس بن محمد اسماعیل کاندھلوی، مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اور مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، شیخ عبداللہ گنگوہی، حاجی فخرالدین نزیل غازی آباد، حافظ فیض الحسن گنگوہی، محمد حسین حبشی آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ جن کی تربیت آپ کے ہاتھوں ہوئی اور آگے چل کر اہل سکینت ویقین کے قائد و امام ہوئے۔

تدریس: تحصیل علم سے فراغت پانے اور فنون کی تکمیل کے بعد آپ مدرسہ مظاہر علوم سہانپور میں معین المدرسین بنادئے گئے۔

اس کے بعد ایک مدت تک بھوپال، بھاول پور، سکندر آباد اور بریلی کی درس گاہوں میں لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے اور پھر ۱۳۰۸ھ میں مظاہر علوم کے لیے بحیثیت استاذ آپ کا تقرر عمل میں آیا اور چھ سال قیام کے بعد ۱۳۱۴ھ میں اس مدرسہ کی انتظامی ذمہ داری سنبھالی اور اسے ایسی ترقی دی کہ اس کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل گئی اور علمی و دینی حیثیت سے اس کو وہی مقام و مرتبہ حاصل ہوا جو دارالعلوم دیوبند کو حاصل ہو چکا تھا۔ پھر ۱۳۴۴ھ، میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے چلے گئے اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی۔

اخلاق وعادات

آپ کی شخصیت ایک باکمال شخصیت تھی۔ علوم وفنون میں آپ کو مہارت حاصل تھی، فن جدل و مناظرہ میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔ فقہ وحدیث میں آپ کو درک حاصل تھا۔ عبادت وریاضت اور سلوک وطریقت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ امت مسلمہ کے مسائل کا اہتمام کرتے۔ سیاست سے دور رہتے۔ اپنے آپ کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جو اپنے لیے اور دین کے لیے مفید ہوں۔ نہایت ہی نرم خو، رقیق القلب، ذکی الحس اور صریح الکلام تھے۔ نظافت واناقت کو پسند فرماتے۔ تکلف واسراف کے بغیر صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرتے۔ جمیل و وسیم اور نحیف الجسم تھے۔ آپ کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی۔ دینی حمیت وغیرت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ آپ نے سات مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ آخری حج ۱۳۴۴ھ میں کیا۔

وفات: آپ فالج کے مرض میں مبتلا ہوئے اور چہار شنبہ ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں دفعتہً آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گئے اور مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

آپ کے احباب اور مریدوں کا ایک جم غفیر آپ کے جنازہ میں شریک ہوا۔ باب جبریل پر مدرسہ شرعیہ دینیہ مدینہ منورہ کے صدر مدرس شیخ محمد طیب نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں آپ کو حضرت عثمان ذوالنورین کے جوار میں سپرد خاک کیا گیا۔

تصانیف: آپ نے درس وتدریس، افتاء، دعوت وتبلیغ اور بحث ومناظرہ، سلوک وطریقت اور مراقبہ میں اپنی مشغلویت کے ساتھ اپنے پیچھے یادگاری تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ ان میں سب سے اہم اور آخری تصنیف "بذل المجهود" ہے جو سنن ابی داؤد کی شرح ہے اور حدیثی خدمت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل تصانیف ورسائل کا ذکر آپ کے تذکروں میں ملتا ہے:

(۱) **المهند علی المفند:** علمائے دیوبند کے بعض مسائل میں متہم ہونے کی تردید میں ۲۰ سوالات کے جوابات عربی میں لکھے گئے۔ (۲) **اتمام النعم علی تبویب الحکم:** تہذیب اخلاق اور تصوف پر مشتمل یہ کتاب حاجی امداد اللہ کے حکم سے لکھی۔ (۳) **مطرقة الکرامه علی مرأة الامامه:** یہ دونوں رسائل ردشیعت میں لکھے گئے۔ (٤) **هدایات الرشید الی افحام العنید** ۵۔ **براهین قاطعه بجواب انوار ساطعة** (٦) **رساله تنشيط الأذان:** خطبہ جمعہ کی اذان مسجد سے باہر دینے کی تردید میں یہ رسالہ مرتب کیا گیا۔ ۷۔ **رساله غنية الناسك** (۳٦) مناسک حج وعمرہ کی ادائیگی

کے آداب پر یہ رسالہ مرتب کیا گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ: تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری کے جن ممتاز ہندوستانی علماء نے اپنی زندگی خدمت حدیث وسنت کے لیے وقف کر دی تھی ان میں علامہ شمس الحق صاحب محدث ڈیانوی کا نام کافی نمایاں ہے سنن اَبی داوٗد کی دو اہم شرحیں آپ کی انمول یادگار ہیں۔ ان میں ایک شرح غایۃ المقصود فی حل اَبی داوٗد کے نام سے موسوم ہے جو ایک نہایت جامع اور مفید شرح ہے۔ البتہ دوسری شرح عون المعبود کے نام سے اہل علم کے درمیان کافی متعارف ہے۔

عون المعبود کی پہلی جلد کے خطبہ وخاتمہ کے مطالعہ سے یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ کتاب محدث عظیم آبادی کی تالیف نہیں، بلکہ ان کے حقیقی بھائی جناب مولانا اشرف الحق محمد اشرف ڈیانوی کی تصنیف ہے جب کہ جلد ثالث کے اختتام اور جلد رابع کے آغاز واختتام سے واضح ہوتا ہے کہ یہ محدث عظیم آبادی ہی کی تصنیف ہے۔

اس تعارض سے اس کتاب کے مبتدی طالب علم کا حیرت واستعجاب میں پڑنا کچھ مستبعد نہیں۔ جلد اول کی ان تصریحات کے بموجب بعض تذکرہ نگاروں (۳۷) نے اس کتاب کی نسبت مولانا محمد اشرف کی طرف کر دی ہے۔ جب کہ دیگر مورخین نے اسے علامہ شمس الحق ڈیانوی کی ہی اہم شاہکار قرار دیا ہے۔ اس موضوع پر فاضل نوجوان محقق ڈاکٹر محمد عزیز شمس نے اپنی کتاب "**حیات المحدث شمس الحق واعماله**" میں محققانہ اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ مسئلے کی تنقیح کے لیے پیش کیا جارہا ہے:

"اس میں شک نہیں کہ عون المعبود اصلاً مولانا عظیم آبادی ہی کی شرح ہے۔ مگر چونکہ ابتداء کی دونوں جلدوں کو غایۃ المقصود سے مختصر کرنے کا کام ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد اشرف اور کچھ دوسرے علماء مثلاً مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری، حکیم محمد ادریس ڈیانوی، مولانا عبد الجبار ڈیانوی، قاضی یوسف حسین خانپوری وغیرہم نے کیا تھا۔ اور اس سلسلے میں ہر طرح مولانا کی مدد کی تھی اس لیے آپ نے تالیف قلب کی غرض سے ابتدائی دو جلدوں کی نسبت اپنے بھائی کی طرف کر دی جیسا کہ حکیم عبد الحیٔ حسنی مولانا محمد اشرف کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

"**قد عزا اليه صنوه شمس الحق المجلد الاول من عون المعبود أخبرني بذلك الشيخ شمس الحق**" (۳۸) مورخہ ۹ر صفر ۱۳۲۸ھ میں مولانا عبد الحیٔ لکھنوی کو لکھے گئے ایک مکتوب میں محدث عظیم آبادی نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ عون المعبود کی چاروں جلدیں میری ہی تالیف کردہ ہیں۔ مگر اس کے کچھ اجزاء برادرم علیہ الرحمہ سے ہم نے لکھوائے ہیں۔

حضرت محدث علیہ الرحمہ کی اس تصریح سے یہ اختلاف بالکل رفع ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔" (۳۹)

تالیف کا پس منظر

کوئی بھی کتاب جب لکھی جاتی ہے تو کوئی نہ کوئی اس کا پس منظر اور کچھ نہ کچھ اس کے اسباب ومحرکات ہوتے ہیں ان سے واقفیت ضروری ہے۔ اس لیے کہ تالیف کے پس منظر سے کتاب کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس لیے اب ہم

تینوں شرحوں کی تالیف کے پس منظر پر مختصر روشنی ڈال رہے ہیں۔

غاية المقصود : صاحب کتاب بیان فرماتے ہیں :

"شیخ الاسلام والمسلمین امام حافظ ابو دائود السجستانی کی کتاب "السنن" ایک دقیق کتاب تھی۔اس کے مغلقات کا حل طلبہ پر دشوار تھا۔ سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کتاب کی مطول، متوسط اور مختصر شرحیں اور حواشی تحریر کیے لیکن اس وقت عام لوگوں کے پاس اس کی شرحوں میں سے کوئی ایسی کتاب نہیں پائی جاتی جس سے وہ اس کے رموز کو حل کر سکیں اور اس کے غموض کو واضح کر سکیں۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ اس کی تمام حدیثوں کی ایسی مکمل شرح لکھوں جو اس کے رموز و غموض کو کھول دے اور راغبین حدیث پر جو باتیں مخفی ہیں وہ منکشف ہو جائیں۔ ہم نے کتاب کی خوب اچھے انداز میں توضیح و تشریح کی ہے۔ یہ امید رکھتے ہوئے کہ ہمارا شمار بھی ان لوگوں کی فہرست میں ہو جائے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے "نضر الله امرأ سمع مقالتي فوعاها فأداها كما سمعها" کے الفاظ فرمائے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں ابو علی محمد بن احمد لؤلؤی کے نسخہ کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں یہی نسخہ مشہور ہے اور ہمارے زمانہ میں رائج ہے اور ہم نے اس کتاب کا نام "غایۃ المقصود فی حل سنن أبي داوٗد" رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے لیے اور ہمارے بھائیوں کے لیے نافع بنائے اور ہمیں خلوص نیت کی توفیق دے۔ (۴۰)

عون المعبود

کتاب **عون المعبود**، **سنن ابی داؤد** کی ایک مختصر شرح ہے اور **غاية المقصود** کا ایک مفید اختصار ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ شمس الحق عظیم آبادی نے اپنے احباب کی مجلس میں بار بار یہ تذکرہ فرمایا کہ میری یہ شرح غایۃ المقصود کافی طویل ہو گئی ہے۔ معلوم نہیں میری زندگی میں پایہ تکمیل کو کب پہونچے؟ اور اب اس کا اختصار کرنا بھی پسندیدہ نہیں لیکن میرے دوست تلطف حسین کا اصرار ہے کہ مختصر شرح تالیف کی جائے اور ان کی بات کاٹنا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ جناب شیخ نے اسی وقت سے ایک مختصر شرح کی تالیف کا ارادہ فرمایا جو طلباء و علماء کے لیے نافع اور مطالب احادیث کے فہم و ادراک میں معین و مددگار ہو۔ (۴۱)

بعض لوگوں نے غایۃ المقصود کے اختصار کا سبب یہ بتایا ہے کہ اس مفصل شرح کا مطالعہ اور اس سے استفادہ عام طلبہ و علماء کے لیے آسان نہ تھا۔

بذل المجهود: صاحب کتاب خود بیان کرتے ہیں کہ سنن ابی داوٗد کی ایک بہترین شرح لکھنے کا خیال میرے دل میں بار بار آیا۔ لیکن میں اس بار گراں کو اٹھانے کی اپنے اندر آمادگی نہیں پا رہا تھا۔ اسی درمیان شیخ ابو الطیب عظیم آبادی کی غایۃ المقصود کا ایک جز نظر آیا جو در حقیقت ایک جامع شرح تھی اور مؤلف نے اس میں کافی تگ و دو اور محنت سے کام لیا تھا لیکن بعض مقامات پر انہوں نے شدت پسندی کا مظاہر کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رحمہ اللہ کے مرتبہ و مقام پر دست درازی کر بیٹھے ہیں۔ پھر شیخ محمد اشرف کی کتاب عون المعبود پر نگاہ پڑی جو غایۃ المقصود کا اختصار ہے۔ یہ حاشیہ ہے۔ اس لائق نہیں کہ اسے شرح کہا جائے۔ انہوں نے اس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مرتبہ و مقام اور حدت و تیزی میں مؤلف غایۃ المقصود کی تقلید کی ہے۔

چنانچہ جب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں درس حدیث کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تو دوبارہ ابوداؤد کی ایک جامع اور مختصر تعلیق لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور اللہ سے توفیق طلب کرتے ہوئے اس کام کو شروع کر دیا۔ (۴۲)

مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی حفظہ اللہ اس کتاب کے مقدمہ میں اسباب تالیف پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ اس شرح کی تالیف کے اسباب میں سے ایک سبب تو یہ ہے کہ مؤلفِ کتاب حدیثِ رسول سے کافی شغف رکھتے تھے اور انہیں اس سے اچھی الفت و محبت تھی۔

دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ سنن ابی داؤد جو احادیث احکام کی ایک خاص کتاب تھی اور ایسی کتاب تھی جس پر کسی بھی مسلک کے اثبات یا رد پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ایسی جامع کتاب کی کوئی شرح کسی حنفی عالم کے قلم سے نہیں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کی شرح لکھی جائے۔ (۴۳)

تجزیہ: اسباب تالیف پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں جہاں علم حدیث کی خدمت کا نیک جذبہ کار فرما رہا ہے وہاں اس کے پہلو بہ پہلو اپنے مذہب و مسلک کا دفاع اور فروغ بھی ایک نمایاں مقصد رہا ہے۔ تاکہ کسی عالم دین کی کسی کتاب کے ذریعے مذہب حنفی کی ساکھ پر جو اثر پڑا ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ یہی وجہ کہ تفسیر و حدیث اور اصول فقہ کے موضوع پر جو بھی کتابیں لکھی گئیں تو اس کے بعد اس کے مقابل علمائے احناف نے بھی قلم اٹھایا اور اس سے قبل انہیں اس کی ضرورت قطعاً نہیں پڑی۔ جس کی تائید حضرت مولانا علی میاں ندوی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ آپ کے بیان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

قدیم زمانے میں علمائے اسلام کتب حدیث کی شرحیں اپنے خاص نظریات کے مطابق لکھتے رہے اور احادیث اور اپنی آراء کے مابین تطبیق دیتے رہے اور معتمد کتب حدیث سے اپنے دلائل پیش کرتے رہے۔

علمائے شافعیہ نے تالیف و تصنیف کے میدان میں کافی سبقت حاصل کی۔ جب ان میں سے کوئی عالم کتب صحاح میں سے کسی کتاب کی شرح لکھتا ہے تو مذہب حنفی کا بڑا عالم اس کتاب کی دوسری شرح لکھنے کے درپے ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی مسلک کا کوئی بڑا عالم تفسیر، حدیث، اصول فقہ میں کوئی کتاب تالیف کرتا ہے اور وہ کتاب علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل کر لیتی ہے تو ایک حنفی عالم اسی موضوع پر کتاب لکھنے کی ٹھان لیتا ہے۔ یہی قصہ ہے علامہ بدرالدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری کا کہ انہوں نے فتح الباری کے مدمقابل یہ کتاب تالیف کی۔ قرآن کریم کی تفسیر میں علمائے احناف کی تالیفات کے اصل محرکات یہی رہے ہیں۔ علمائے شافعیہ کی اس فن میں کثرت سے کتابیں وجود میں آئیں اور علماء و طلبہ میں مقبول عام ہو گئیں۔ تو علمائے احناف نے اس فن میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ علامہ نسفی کی کتاب "مدارك التنزيل وحقائق التاويل" اور علامہ ابوالسعود محمد العمادی کی کتاب "ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم" اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب "تفسیر مظہری" کی تالیف اسی قبیل سے ہے۔ (۴۴)

تینوں شرحوں کی خصوصیات

خصوصیات غاية المقصود:

۱- مؤلف نے جلد اول کے آغاز میں ایک بہترین مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں سنن ابی داؤد سے متعلق مفید معلومات کو جمع کیا ہے۔ ان فوائد کو مختلف لمعات میں تقسیم کردیا ہے۔ ان مختلف لمعات میں سنن ابی داؤد کے مقام و مرتبہ، سوانح امام ابوداؤد، سنن کے نسخوں اور ان کے اختلافات، ابوداؤد کی شرحوں، تعلیقات و تلخیصات اور محدث کبیر سید نذیر حسین محدث دہلوی اور قاضی حسین بن محسن یمانی کا تذکرہ اور مؤلف سنن تک اپنی سند کو بیان کیا ہے۔ درحقیقت یہ ایک معلوماتی اور قیمتی رسالہ ہے جو ہندوستان کے دواہم محدثین کے تذکرے کا سب سے قدیم مصدر ہے۔ اتنی مفید اور قیمتی معلومات کسی ایک جگہ کم ہی ملتی ہیں۔

۲- حدیث کی شرح بسط و تفصیل سے کی ہے۔ فقہی مسائل کا استنباط، مشکل احادیث اور غریب الحدیث کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے کہ مفہوم حدیث بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

۳- اختلافی مسائل میں فقہاء و مجتہدین کے اختلاف و اقوال کو دلائل سے بیان کیا ہے اور راجح قول کی تعیین کے ساتھ ثابت شدہ احادیث کے سلسلہ میں مخالفین کی تاویلات کی تردید تفصیل سے کی ہے۔

۴- ہر راوی کا تذکرہ کتاب میں پہلی جگہ پر کیا ہے۔ راویوں کے اسماء کو حروف کے ذریعہ ضبط کیا ہے۔ اور فن جرح و تعدیل کی معتمد کتابوں سے علماء کے اقوال بیان کیے ہیں۔

۵- اسناد حدیث یا متن حدیث میں اگر اضطراب پایا جاتا ہے تو اس کی ایسی شرح کی ہے کہ امام ابوداؤد کی مراد بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

۶- سنن کی ہر حدیث کی شرح کے بعد اس کی تخریج کی ہے اور صحت و ضعف کے اعتبار سے حدیث کے درجہ کو بھی بیان کیا ہے تاکہ قاری اس سے آگاہ رہے۔

۷- بظاہر متعارض روایات کے مابین وجوہ تطبیق و توفیق بیان کی ہیں۔

۸- بیشتر مقامات پر سنن کے شارحین کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔

۹- مذہبی و مسلکی عصبیت سے پاک ہو کر دلائل کی روشنی میں ان اقوال و آراء کو راجح قرار دیا ہے جو مولف کے نزدیک صواب و درست ہیں۔ اور مخالفین کی تردید میں زبان طعن دراز نہ کر کے نہایت انصاف اور ورع سے کام لیا ہے۔

۱۰- باب کی حدیث کی شرح کے بعد اس سے متعلق جملہ روایات حوالوں کے ساتھ ذکر کر کے ان کی استنادی حیثیت بھی واضح کرتے ہیں۔

خصوصیات عون المعبود:

یہ کتاب گرچہ مختصر ہے لیکن اس شرح میں **غاية المقصود** کی اہم خصوصیات آگئی ہیں، دونوں میں محض اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ بعض مقامات پر اس کتاب میں بھی بعض ضروری مسائل پر ضرورت و مصلحت کے پیش نظر بسط و تفصیل

سے کام لیا گیا ہے۔ اہل فن کا خیال ہے کہ اس میں سنن ابی داؤد کی اسانید و متون کو حل کیا گیا ہے اور یہ بے شمار لطیف و دقیق مسائل و مباحث کا مجموعہ اور نادر علمی تحقیقات اور نکات پر مشتمل ہے اور مختصر ہونے کے باوجود انتہائی مفید ہے علامہ محمد منیر دمشقی فرماتے ہیں: "كل من جاء بعده من شيوخ الهند وغيره استمدوا منه"

اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سنن ابی داؤد کا صحیح ترین متن بھی شامل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محدث عظیم آبادی نے چودہ قدیم قلمی نسخوں کو پیش نظر رکھ کر سنن ابی داؤد کی تصحیح کا بھی اہتمام کیا ہے۔

اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے اس کتاب کی مدح کی ہے۔ شیخ نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ حسین بن محسن یمانی، شیخ محمد بشیر سہسوانی، شیخ عبدالمنان وزیر آبادی وغیرھم کے قصائد اور تقاریظ کے نقول عون المعبود کی آخری جلد کے آخری صفحات میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

خصوصیات بذل المجهود:

۱۔ اس کتاب کے اہم ترین مباحث اکابر قدماء کے کلام پر مشتمل ہیں، حدیث کی تشریح اور مفہوم و مراد کی تعیین میں انہیں کے اقوال کو دلیل راہ بنایا گیا ہے۔ بالخصوص مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے اقوال بیشتر مقامات پر ملیں گے اور کہیں ان کے نام سے صرف نظر بھی کیا گیا ہے۔

۲۔ مولف نے ابوداؤد کے مشکل ترین اقوال کی توضیح و تشریح خود اپنے وسعت مطالعہ اور معلومات کی روشنی میں پیش کی ہے کیونکہ متقدمین کی کتابوں میں ان اقوال کا حل موجود نہیں۔

۳۔ سندوں میں جس راوی کا نام پہلی بار آیا ہے اس جگہ اس کے بارے میں پوری تفصیل پیش کر دی گئی ہے۔

۴۔ کوئی ایسی حدیث جو فقہی مسائل سے متعلق ہو اس میں سادات حنفیہ کے مسلک کو کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ اگر یہ روایت مسلک حنفی کے مطابق ہے تو طویل گفتگو کی ضرورت نہیں، اور اگر بہ ظاہر مسلک احناف کے معارض نظر آئی ہے تو احناف کا مستدل ذکر کرتے ہیں اور پیش نظر اعتراض رفع کر کے حدیث کی ایسی مناسب توجیہ کرتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے قابل قبول ہو جائے۔

۵۔ ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت کی وضاحت کرتے ہیں۔

۶۔ شارحین سنن ابوداؤد کے قلم کی لغزشوں یا چوک کی نشاندہی بھی کی ہے اور صحیح مفہوم بیان کیا ہے۔ تاکہ طلبہ ان پر اعتماد کر کے غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

۷۔ بعض اہم اور دقیق مسائل کا مختصراً اعادہ بھی کیا ہے تاکہ قاری کا ذہن تکرار کلام سے کھل جائے۔

۸۔ الفاظ میں اختلاف روایات اور اسانید میں اختلاف رواۃ کو بھی بیان کیا ہے۔

۹۔ رواۃ حدیث اور رجال اسناد کے احوال تہذیب التہذیب وغیرہ سے ملخص کر کے بیان کیے ہیں۔ تاکہ اسناد کی حالت واضح ہو جائے۔

۱۰۔ اسمائے رواۃ کو حروف سے ضبط بھی کیا ہے۔

۱۱۔ ہر مسلک کے دلائل معتمد مصادر سے بیان کئے گئے ہیں۔ اور صحابہ و تابعین کے اقوال کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۴۵)

شرحوں کا اسلوب

شرح کا اسلوب: عون المعبود کے تذکرے میں یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ یہ کتاب کامل شرح نہیں بلکہ ایک حاشیہ ہے۔ مؤلف کتاب بیان کرتے ہیں:

"اس مبارک حاشیہ کی ترتیب و تحریر کا مقصد صرف یہ ہے کہ ترجیح احادیث کے مباحث اور مذاہب ائمہ کے بالاستیعاب دلائل میں نہ پڑکر مختصر انداز میں اس کتاب کے معانی و مفہوم سے واقف کرادیا جائے۔"

مؤلف کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس شرح میں اختصار کا طریقہ اپنایا ہے اور حدیث کے تمام پہلو سند و متن اور فقہ و استنباط پر تفصیلی بحث نہیں کی۔ تاہم بعض مقامات پر بعض مسائل میں محققانہ انداز میں سیر حاصل بحث ملتی ہے۔

مسئلہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے یا نہیں، گاؤں میں جمعہ کی نماز کا مسئلہ، تکبیرات عیدین، خطبہ جمعہ کے لیے مؤذن کی اذان کہاں سے، وغیرہ جیسے بیشتر مسائل کی تحقیق اس کتاب کے صفحات میں مفصل طور پر ملے گی۔ البتہ غایۃ المقصود اور بذل المجهود دونوں مطول و مفصل شرحیں ہیں۔

عون المعبود کی شرح کا انداز: مولف حدیث کے کلمات کو ذکر کرتے ہیں، پھر اس پر کلام کرتے ہیں، غریب لفظ کا معنی بیان کرتے ہیں، سند میں مذکور راوی کا ترجمہ مختصر انداز میں ذکر کرتے ہیں اس کی توثیق میں علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں، حدیث سے مستنبط مسائل اور اختلافی مسائل میں ہر امام کی دلیل مختصر طور پر پیش کرتے ہیں، کتاب میں موجود احادیث کی تخریج کا اہتمام کرتے ہیں۔ امام منذری و دیگر ائمہ حدیث کے اقوال بیان کرتے ہیں، اسی طرح شرح حدیث پر اکتفاء نہ کر کے بعض قدیم و جدید باطل نظریات کی تردید بھی کرتے ہیں۔ جیسے عیسائیت اور قادیانیت وغیرہ۔

بذل المجهود: رہا معاملہ بذل المجهود کا تو بیشتر امور میں اس کا انداز عون المعبود جیسا ہے البتہ صاحب بذل نے تخریج احادیث کا اہتمام اس طرح نہیں کیا ہے جس طرح عون المعبود میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جن میں بذل المجهود کو امتیاز و اختصاص حاصل ہے:

۱۔ پہلی چیز یہ کہ بذل المجهود میں علمائے جرح و تعدیل کے اقوال کی روشنی میں رواۃ و رجال پر ذرا تفصیلی بحث ہے۔

۲۔ بذل المجهود میں چونکہ محدثانہ منہج سے ہٹ کر ایک مخصوص فقہی انداز اختیار کیا گیا ہے اس لیے فقہی مسائل کے سلسلے میں اس میں تفصیلات زیادہ ہیں اور متقدمین و متاخرین حنفی علماء کی فقہی رائیں اس میں زیادہ ذکر کی گئی ہیں۔

غاية المقصود وبذل المجهود پر ایك نظر

غاية المقصود فی حل سنن أبی داؤد: یہ سنن ابی داؤد کی مبسوط اور جامع شرح ہے، لیکن اس کی صرف ایک

ہی جلد مطبع انصاری دہلی سے غالباً ۱۳۰۵ھ میں مولانا تلطف حسین عظیم آبادی کے اہتمام سے شائع ہوئی۔ عام خیال ہے کہ یہ بتیس جلدوں میں ہے لیکن یہ سب جلدیں لکھی نہ جا سکیں، بلکہ یہ مولانا کا پروگرام تھا۔ وفات تک شرح نامکمل رہی۔

مولانا عبدالسلام مبارکپوری (۱۳۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ غایۃ المقصود غالباً دس پاروں تک پہونچی جو بعد ختم تقریباً امام عینی کی شرح البخاری عمدۃ القاری کے برابر پہنچتی۔ مگر یہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ عون المعبود کے اختتام پر فوائد متفرقہ کے تحت ایک اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شرح سنن ابی داؤد کے بیسویں پارے تک پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ کتاب الجنائز "باب الأمراض المكفرة للذنوب" یہ ابوداؤد کے بیسویں پارے اور عون المعبود کی تیسری جلد میں ہے اور اس تیسری جلد میں جابجا غایۃ المقصود کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ اس جلد میں آخری بار غایۃ المقصود کا حوالہ "باب في الدعاء للميت اذا وضع في قبره" میں ملتا ہے اس کے بعد پھر کہیں اس کا حوالہ نہیں ملتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے یہ کتاب کم از کم سنن ابی داؤد کے اکیس پارے تک مکمل ہو چکی تھی۔ مگر افسوس کہ اس کے اکثر اجزاء ناپید ہیں۔ ان میں سے چند اجزاء لکھے گئے جن میں **كتاب الطهارة** کی شرح مکمل ہو گئی ہے۔ اور کتاب الصلوٰۃ کے بھی چند ابواب کی شرح ملتی ہے۔ باقی کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔

مطبوعہ جلد بڑی تقطیع کے ۱۹۶ صفحے پر مشتمل ہے۔ اس میں ابتداء یعنی کتاب الطہارۃ کے ۱۷۵ ابواب کے تحت درج ۱۸۴ احادیثوں کی شرح و توضیح کی گئی ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے جو امام ابوداؤد کے حالات و کمالات اور سنن کے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کو سنن أبی داؤد کی مفید اور اہم شرحوں میں خیال کیا جاتا ہے بلکہ متعدد حیثیتوں سے یہ سنن کی تمام شرحوں میں سب سے بہتر ہے۔ مشہور حنفی عالم دین اور سنن ابی داؤد کے شارح مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شیخ عبدالحئ لکھنوی اور حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نے بھی اس کی اہمیت اور خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ (۴۶) اس شرح کا جدید ایڈیشن علمی اکیڈمی کراچی اور حدیث اکیڈمی فیصل آباد سے ۱۴۱۴ھ میں جناب محمد الیاس عبدالقادر اور شیخ عبدالحمید حبیب اللہ نشاطی کے زیر اہتمام تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

كتاب بذل المجهود في حل أبي داؤد: کتاب بذل المجہود کی تالیف کا سلسلہ ۲ر ربیع الاول ۱۳۳۵ھ سے شروع ہوا اور نو ماہ کے بعد ۳۰ر ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ میں ابوداؤد کا ایک پارہ تمام ہوا۔ اور پورے دس برس پانچ ماہ دس روز میں یہ شرح ۲۱ر شعبان ۱۳۴۵ھ میں بڑی تقطیع کے دو ہزار صفحات پر مشتمل پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس کے اختتام پر مولف کتاب نے جمعہ ۲۳ر شعبان ۴۵ھ کو ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ جس میں اعیان مدینہ منورہ کو مدعو کیا۔ دعوتی خطوط طبع کرا کے حلقہ احباب کو ارسال کیے۔ اس کتاب کی تالیف میں شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی کا کافی تعاون رہا۔ اس کتاب کی تالیف کا منہج یہ تھا کہ صاحب کتاب مولانا زکریا کو موضوع سے متعلق ان تمام مصادر اور مراجع کی طرف رہنمائی کر دیتے، جو آپ کے کتب خانے میں پائے جاتے۔ مولانا زکریا صاحب علمی مواد، متقدمین شارحین اور مولفین کے اقتباسات و تحریرات کو جمع کرتے اور پھر انہیں شارح (صاحب کتاب) پر پیش کرتے، آپ ان میں سے جسے پسند کرتے اختیار کرتے اور پھر شرح کا املا کراتے۔ اس

طرح شرح کا عمل جاری رہا۔

اثنائے تالیف حضرت کا یہ معمول رہا کہ جب کوئی نئی بحث تحریر فرماتے تو احباب وخدام کو خاص طور پر اس کے دیکھنے کی تاکید فرماتے اور اصلاح واشکال کا تقاضا کرتے، مشائخ میں سے مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد، مولانا انور شاہ، مولانا حسین احمد وغیرہم جیسے اہل علم اور باکمال لوگ جب بھی تشریف لاتے تو ان کے سامنے بذل المجہود کا مسودہ پیش کرتے اور ناقدانہ نگاہ ڈالنے کی فرمائش کرتے۔

بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ اس شرح کی تسوید میں ۵۲ مجموعہائے حدیث اور ان کی شروح مؤلف کے پیش نظر رہیں۔ اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کی ۲۸ کتابیں، فقہ حنفی کی پندرہ بنیادی کتابیں، اصول حدیث اور اصول فقہ کی چھ چھ کتابیں، غریب الحدیث واللغۃ کی چھ کتابیں، سیر وتاریخ کی چھ مشہور ومستند کتابیں اور دیگر علوم کی دوسری اہم کتابیں آپ کے پیش نظر رہیں۔

مؤلف بیان کرتے ہیں "حدیث کی شرح وتوضیح میں ملا علی قاری کی کتاب" "**مرقاۃ المفاتیح**" علامہ بدرالدین عینی کی کتاب "**عمدۃ القاری**" اور حافظ ابن حجر کی کتاب "**فتح الباری**" پر زیادہ اعتماد کیا گیا ہے اور مسائل فقہیہ میں "**البدائع والصنائع**" رواۃ کے سلسلے میں حافظ ابن حجر کی کتاب "**التقریب**" اور "**التہذیب**"، علامہ سمعانیؒ کی کتاب "**الأنساب**" پر اور حل لغات میں "**مجمع البحار**" "**القاموس المحیط**" اور "**لسان العرب**" پر اعتماد کیا گیا ہے۔(۴۷)

مؤلف یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ انہوں نے غایۃ المقصود اور عون المعبود کے شارحین کے کلام کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور محض ان کی تقلید کرتے ہوئے متقدمین میں سے کسی کے کلام کو بلا تحقیق اخذ نہیں کیا ہے۔ (۴۸)

اس کتاب کی حقیقت اس کی خصوصیات سے بالکل ظاہر ہے اس کتاب اور اس کے مؤلف کے سلسلہ میں علمائے احناف کے قصائد اور تقاریظ اس کتاب کی آخری جلد کے آخری صفحات میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔(۴۹)

اعتقادی منہج

صاحب عون المعبود کے عقیدہ ومسلک کی بابت بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ کا عقیدہ سلف کا عقیدہ رہا ہے اور آپ کا مسلک اہل حق اور سلف کا مسلک رہا ہے۔ آپ اسماء وصفات کے باب میں کسی بھی تاویل کے قائل نہ تھے۔ اس بات کی وضاحت جابجا ان کی شرح سے ہوتی ہے۔

جب کہ صاحب بذل المجہود حنفی المسلک تھے۔ عقیدہ کے باب میں ماتریدی تھے۔ آپ نے عقائد سے متعلق احادیث کی تشریح میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ جب کہ فقہی مسائل کو نہایت بسط وتفصیل سے پیش کیا ہے۔ اعتقادی مسائل میں امام خطابی کے اقوال پر اکتفا کر کے اپنے موقف ومسلک کو مخفی رکھا ہے۔ صاحب بذل کی اعتقادی خامیوں کی نشاندہی بعض اہل علم نے "**فتح المعبود فی بیان الھفوات فی کتاب بذل المجھود**" (۵۰) نامی کتاب کے ذریعے کی ہے۔ جس میں تیرہ مسائل میں ان کا تعاقب کیا ہے۔ ذیل میں ہم چند نمونے پیش کرتے ہیں جن سے دونوں شرحوں کے مؤلفین کے اعتقادی منہج

معلوم کیے جاسکتے ہیں:

مثال نمبر ۱ : صاحب بذل المجہود حضرت عباس بن عبدالمطلب کی ایک طویل حدیث (جو حدیث الاوعال سے معروف ہے) میں " **ثم علی ظهورهم العرش بين أسفله وأعلاه مثل ما بين سماء الى سماء ثم الله تعالىٰ فوق ذلك**" کی تشریح میں فرماتے ہیں "**وليس المراد بالفوقية الجهة والكيفية، بل هو منزه عن التشبيه والتكييف، كماقاله السلف**" انتهى. (بذل المجهود ۱۸/۲۵۸)

جب کہ صاحب عون المعبود "**ثم الله تعالى فوق ذلك**" کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ **اى فوق العرش، هذا الحديث يدل على ان الله تعالىٰ فوق العرش، وهذا هو الحق، وعليه يدل الآيات القرآنية والاحاديث النبوية، وهو مذهب السلف الصالحين من الصحابة والتابعين وغيرهم من اهل العلم قالوا: ان الله تعالىٰ استوى على العرش بلاكيف ولا تشبيه ولا تاويل، والاستواء معلوم والكيف مجهول. والجهمية قد انكروا العرش، وان يكون الله فوقه، وقالوا انه فى كل مكان، ولهم مقالات قبيحة باطلة. عون المعبود (۱۳/۹-۱۰)**

صاحب بذل المجہود کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت فوقیت اور صفت علو کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے اپنے قول "**ليس المراد بالفوقية الجهة**" کے ذریعہ صفت فوقیت کی تعطیل کی ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں، بلکہ تمام بنی آدم کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے اور تمام لوگ اس کے لیے صفت علو کے قائل ہیں سلف کا یہی موقف رہا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس سلسلہ میں عقلی و نقلی دلائل بے شمار ہیں البتہ جہمیہ نے اللہ کی صفات میں سے صفت علو کا انکار کیا ہے اور اس مسئلہ میں ماتریدیہ، اشعریہ اور کلابیہ نے ان کی اتباع کی ہے اور نصوص کی تحریف کر کے اس صفت کی تعطیل کر بیٹھے ہیں۔

مثال نمبر ۲ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے۔ **قال ابوهريرة : رأيت رسول الله ﷺ يضع ابهامه على اذنه، والتى تليها على عينه.. قال ابن يونس! قال المقرى : يعنى ان الله سميع بصير" يعنى ان لله سمعا وبصرا" قال ابوداؤد وهذا رد على الجهمية".**

صاحب بذل المجہود "**والتى تليها على عينه**" کی شرح میں فرماتے ہیں:

"**اشارة إلى صفة السمع والبصر فالمراد اثبات الصفتين لا التشبيه والتكيف**" اس حدیث سے سمع و بصر کا اثبات ملتا ہے تو دوسری طرف صفت "عین" اور "اذن" کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ لیکن شارح نے صفت سمع و بصر کو ثابت کیا اور صفت "عین" پر خاموشی اختیار کی جب کہ یہ صفت بھی اللہ کے لیے ثابت ہے۔

صاحب عون المعبود نے اس حدیث کی شرح میں امام خطابی کا مندرجہ ذیل اقتباس ذکر کیا ہے "**معناه اثبات صفة السمع والبصر لله سبحانه، لا اثبات العين والاذن، لانهما جارحتان، والله سبحانه موصوف بصفاته منفيا عنه مالا يليق به من صفات الأدمين ونعوتهم، ليس بذى جوارح ولابذى اجزاء وأبعاض، ليس كمثله شئى وهو السميع البصير" انتهى.**

مصنف نے امام خطابی کے مذکورہ بالا اقتباس اور ان کے موقف کی دیگر علماء کے کلام سے تردید کی ہے اور محققین علماء کے کلام کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ محققین کی بات نہیں ہے بلکہ اہل تحقیق اللہ تعالیٰ کو ان تمام صفات سے متصف مانتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے یا رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو ان سے متصف کیا ہے۔ وہ اللہ کے لیے کسی ایسی صفت کا اختراع وابتداع نہیں کرتے جو کتاب وسنت میں وارد نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ولتصنع علی عینی" "تجری باعیننا"

اسی طرح ان کے قول "لیس بذی جوارح" کو کلام مبتدع قرار دے کر کہا ہے کہ سلف میں سے کسی نے ایسی بات نہیں کہی ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے متصف مانتے ہیں جن سے اللہ نے اپنے کو متصف کیا ہے اور جن سے سکوت اختیار کیا ہے ان سے خاموشی اختیار کی ہے۔ وہ مخلوق سے اللہ کی تشبیہ، تمثیل، تکییف نہیں کرتے جس نے اللہ کی تشبیہ مخلوق سے دی اس نے کفر کیا۔ بحث کے آخر میں صاحب عون المعبود نے اسماء وصفات کے بارے میں اعلام الموقعین، واجتماع الجیوش الاسلامیہ۔ الاسماء والصفات للبیہقی، الصواعق المرسلہ وغیرہ کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دی ہے۔

مثال نمبر ۳ : حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے۔ "**ینزل ربنا عزوجل کل لیلة الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر..** الحدیث، اس کی شرح میں فرماتے ہیں: قال الخطابی رحمہ اللہ: **مذهب علماء السلف وائمة الفقهاء ان یجروا مثل هذه الاحادیث علی ظاهرها وان لایذکرو ا لها المعانی، لایتاؤلوها بعلمهم لقصور علمهم عن درکها". (بذل المجهود ۱۸/۱/۲۷)**

جب کہ صاحب عون المعبود کا موقف اس حدیث کی شرح میں ہے۔ فرماتے ہیں: **تقدم الکلام فی مثل هذه الاحادیث هو امرارها علی ظاهرها من غیر تاویل ولا تشبیه، ولشیخ الاسلام ابن تیمیة ؒ فی شرح الحدیث کتاب سماه بشرح حدیث النزول وهو کتاب مملوء من تحقیقات عجیبة فانه عدیم النظیرفی بابه. (عون المعبود ۱۳/۵۹)**

امام خطابی کے کلام کا مقصد حدیث نزول کے ذریعہ صفت نزول کی تفسیر کے باب میں جہمیہ کے موقف کی تردید کرنا ہے۔ ان کا مقصد تفویض فی المعنی نہیں بلکہ مقصود تفویض فی الکیف ہے۔ لیکن شاید مؤلف بذل المجہود نے "**وان لایذکروا لها المعانی**" کے ذریعہ تفویض مبتدع یعنی **تفویض فی المعنی** مراد لیا ہے جب کہ یہ درست نہیں۔ سلف تفویض بالمعنی کے قائل نہیں کیونکہ وہ نصوص سے ثابت صفات اور ان کے معانی کی اچھی معرفت رکھتے تھے۔

فقهی مسلك

فقہی مسائل میں شیخ عظیم آبادی نے کسی بھی امام کی تقلید نہیں کی ہے بلکہ ائمہ محدثین ومحققین کا منہج وطریقہ اپنایا ہے۔ کسی بھی مسلک کا کوئی بھی مسئلہ جو کتاب وسنت کے مطابق ہے اسے گلے سے لگایا ہے اور ایسے مسائل جو کتاب وسنت کے خلاف نظر آئے بلاشبہ ان کی تردید کی ہے، دلائل کی رو سے جسے راجح پایا ہے اسے قبول کیا ہے اور جسے مرجوح پایا ہے اسے ترک کردیا ہے یہی روش صحابہ وتابعین کی تھی۔ بلکہ جن ادوار کو رسول اللہ ﷺ نے اسلامی تاریخ کے بہتر زمانے قرار دئے ہیں اور

وہ ہیں عہد صحابہ وعہد تابعین، ان زمانوں میں بھی کتاب وسنت پر عمل کرنے کا منہج یہی تھا کہ کسی کی تقلید نہیں کی جاتی تھی۔

شیخ عظیم آبادی کے مقابلہ میں شیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ فقہ اہل الرائے کے پابند تھے جس کی نمائندہ فقہ حنفی ہے۔ انہوں نے اپنی شرح میں پوری کوشش یہی کی ہے کہ احادیث کی ایسی شرح وتوضیح کریں جس سے فقہ حنفی کی تائید ہو۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض مقامات پر صحیح احادیث کی ایسی افسوسناک تاویل کی ہے جسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ذہن ودماغ پر حدیث نبوی کی بجائے فقہ حنفی کو بالادستی حاصل تھی بذل المجہود کی خصوصیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ذیل کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مثال نمبر ۱ : نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کرے۔ یہ حکم عام ہے کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں حتی کہ خطبہ جمعہ کے دوران بھی اگر کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرکے بیٹھنا چاہئے۔ اس مسئلہ سے متعلق امام ابوداؤد نے "**باب اذا دخل الرجل والامام یخطب**" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے ایک دوسری روایت ابوہریرہ اور ابوصالح رضی اللہ عنہما کی ہے کہ "سلیک غطفانی" آئے۔ آپ نے فرمایا۔ دو رکعت نماز پڑھو اور مختصر پڑھو" یہ تمام حدیثیں دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں، فقہاء ومحدثین کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے جب کہ علمائے احناف اس کے قائل نہیں، یہ حدیثیں ان کے موقف کی تردید کرتی ہیں۔ ان علماء نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے مختلف تاویلیں کی ہیں۔

صاحب بذل المجہود نے بھی اس کتاب میں اس مسئلے میں اپنے اسلاف کا طریقہ اپنایا ہے۔ دیکھئے: بذل المجہود ۶/ ۱۲۷۔ ۱۳۷۔

اس کے برعکس صاحب عون المعبود نے نہایت اختصار کے ساتھ محدثانہ انداز میں اس مسئلہ کا حل پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یوں ہے: "یہ حدیث دلیل ہے کہ تحیۃ المسجد خطبہ کی حالت میں پڑھی جائے گی فقہاء ومحدثین کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے عدم مشروعیت کی بات کہی ہے۔ لیکن یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہے۔ اس حدیث کی گیارہ تاویلیں کی گئی ہیں جو مردود ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تمام تاویلات ذکر کرکے ان کی تردید کی ہے۔ "**فاستمعوا له وانصتوا**" سے بھی استدلال کیا گیا ہے حالانکہ اس میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ یہ خاص ہے اور وہ عام، نیز خطبہ قرآن نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول ﷺ نے آدمی کو خطیب کے خطبہ کے دوران خاموش رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ امر معروف ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ شارع کا حکم ہے اور وہ بھی شارع کا حکم ہے، آپ کے دونوں حکموں میں کوئی تعارض نہیں مسجد میں داخل ہونے والا تحیۃ المسجد پڑھے اور بیٹھنے والا خاموش رہے۔ دیکھئے: عون المعبود ۳/ ۴۶۵۔

مثال نمبر ۲۔ اسی طرح ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو اس نماز کے سوا کوئی دوسری نماز نہیں۔ خواہ وہ فجر کی دو سنتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ امام ابوداؤد نے "**باب اذا ادرك الامام ولم یصل ركعتی الفجر**" کے تحت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک صحیح اور مرفوع روایت پیش کی ہے۔ "**اذا اقیمت الصلاة فلاصلاة الا المكتوبة**" اس حدیث کی شرح کے ضمن میں اس مسئلہ کے بارے میں صاحب عون المعبود نے بہت واضح انداز میں علمی وفنی بحث کرکے یہ فیصلہ دیا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو اور کوئی نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔ رہا معاملہ بیہقی کی روایت کا جس میں "الا

رکعتی الفجر" کا اضافہ ہے تو صاحب عون المعبود نے محد ثانہ انداز میں بحث کر کے اس روایت کو ضعیف ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

"یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نماز کی اقامت کے وقت کسی نفلی نماز کا شروع کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ فجر کی دو رکعتیں ہوں یا اور کوئی دوسری نماز، صحابہ و تابعین اور ان کے بعد اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے اس سلسلے میں نو اقوال ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک قول کراہت کا ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی ممانعت کی حدیث صحیح ہے اور اس صحیح و ثابت حدیث کے کوئی معارض بھی نہیں ہے۔ اور نہ اس کے جواز میں کوئی صحیح و مرفوع حدیث موجود ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ بیہقی میں ابو ہرہؓ کی حدیث ہے "اذا اقیمت الصلاة فلا صلاة الاالمکتوبة الا رکعتی الصبح" تو میں کہوں گا کہ امام بیہقی نے اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی کہا ہے: "کہ اس زیادتی کی کوئی اصلیت نہیں اور حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر دونوں ضعیف ہیں" یہ روایت بیہقی کی ایک دوسری روایت کے معارض بھی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ قال رسول اللهﷺ اذااقیمت الصلاة فلاصلاة الا المکتوبة، قیل یا رسول الله ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر" قال الحافظ فی الفتح: واسناده حسن. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتوی ظاہر حدیث پر ہے۔ ابن عمر، سعید بن جبیر، ابن سیرین، ابراہیم نخعی، عطاء، امام شافعی اور امام احمد نے اسے مکروہ کہا ہے۔ ابن مسعود، مسروق، حسن، مجاہد اور مکحول سے رخصت منقول ہے۔ حضرت عمر سے منقول ہے کہ وہ اقامت کے بعد نماز پڑھنے والوں پر ضرب لگایا کرتے تھے۔ ظاہر یہ کا بھی یہی موقف ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اقامت کے بعد آدمی اپنی نماز توڑ دے ان کے علاوہ دیگر اہل علم کا خیال ہے کہ نبی ﷺ سے چونکہ ممانعت ثابت ہے لہٰذا اقامت کے بعد نفل نہ شروع کرے۔" دیکھئے: عون المعبود ۴/ ۱۴۳۔

اس کے مقابلہ میں صاحب بذل المجہود نے جہاں اس روایت پر بحث کی ہے وہاں ان کا انداز بڑا ڈھیلا ڈھالا ہے اور انہوں نے حدیث پر اس انداز سے بحث کی ہے تاکہ اس کے خلاف کی جانے والی تاویلات کے لیے ذہن ہموار ہو جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے امام شوکانی کے حوالہ سے نو اقوال کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے نیز امام طحاوی کی معانی الآثار کا حوالہ دے کر بحث ختم کر دی ہے۔ ملاحظہ کریں : بذل المجہود ۶/ ۳۹۳۔

قال ابوداؤد پر بحث

سنن ابی داؤد کی ایک بہت بڑی خصوصیت "قال ابوداؤد" بھی ہے جس کے تحت حدیث مذکور پر امام ابوداؤد کا تبصرہ ہوتا ہے۔ اس تبصرہ میں مختلف امور پر بحث ہوتی ہے۔ جن میں فقہی مسائل، اسانید، جرح و تعدیل، توجیہ حدیث اور شرح غرائب و مفردات وغیرہ شامل ہیں (۵۱) دونوں شرحوں کے اندر کم و بیش ہر جگہ "قال ابوداؤد" کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر دونوں نے الگ انداز سے اس پر بحث کی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم دونوں شرحوں سے "قال ابوداؤد" کے صرف دو نمونے پیش کر رہے ہیں جن سے اہل علم بہت کچھ اندازہ کر سکتے ہیں :

(۱) فقهی مسئله

"باب المسح علی الخفین" کے تحت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں سفر کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صبح فجر کی نماز عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پڑھائی اور آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلنے کے سبب تاخیر سے آئے آپ کی ایک رکعت چھوٹ گئی۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے سلام پھیرنے کے بعد آپ نے ایک رکعت پوری کی اور کچھ اضافہ نہیں کیا۔ اس حدیث کے بعد امام ابوداوٗد کا قول ذکر کیا گیا ہے۔ قال ابوداوٗد: "ابوسعید الخدری وابن الزبیر وابن عمر یقولون : من ادرك الفرد من الصلاة علیه سجدتا السهو."

اس قول کی تشریح صاحب بذل المجہود یوں کرتے ہیں: ای ادرك مع الامام رکعة واحدة او ثلاث رکعات. قال مولانا محمد یحیٰ رحمه الله : "ولعل وجه قولهم ذلك انهم لما رأو سجدتی السهو سبب لجبرالنقصان الوارد فیها بترك الواجب، والجماعة واجبة، وقد فاتت فیجبر بالسجدة مع ما اعتراها من النقصان.

قلت: والاوجه عندی انهم لما رأو انه جلس للتشهد مع الامام فی غیر موضع الجلوس ویمکن منه النقصان حکموا علیه بالسجود لجبرالنقصان، ولکن لما لم یسجد النبیﷺ فی هذه الحالة ثبت انه لایجب السجود فیها" انتهی.(۵۳)

صاحب عون المعبود تحریر کرتے ہیں :

"ای من ادرك وترا من صلاة امامه فعلیه ان یسجد للسهو، لانه یجلس للتشهد مع الامام فی غیر موضع الجلوس، وبه قال جماعة من اهل العلم،منهم : عطاء وطاؤس ومجاهد واسحاق.

ویجاب عن ذلك بان النبی ﷺ جلس خلف عبدالرحمن بن عوف ولم یسجد ولا أمر به المغیرة، وایضا لیس السجود الا للسهو ولا سهوهنا، وایضا متابعة الامام واجبة، فلا یسجد لفعلها کسائر الواجبات"(۵۳)

(۲) سند حدیث پر کلام : "باب کیف التکشف عندالحاجة" میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "ان النبی ﷺ کان اذا اراد حاجة لایرفع ثوبه حتی یدنو من الارض" کے تحت ابوداوٗد کا قول ہے :

قال ابوداوٗد: "رواه عبدالسلام بن حرب عن الاعمش عن انس بن مالك، وهو ضعیف" اس قول کی تشریح میں صاحب بذل المجہود لکھتے ہیں :

الضمیر یرجع الی الحدیث الذی رواه عبدالسلام بن حرب عن انس، لا الی عبدالسلام بن حرب، قال فی درجات الصعود : لم یرد تضعیف عبدالسلام، لانه حافظ ثقة، من رجال الصحیحین، بل تضعیف طریق من قال عن انس لان الاعمش لم یسمع عن انس، فله قال الترمذی مرسلا" انتهی.(۵۴)

صاحب عون المعبود لکھتے ہیں:

قال السیوطی لیس مراده تضعیف عبدالسلام، لانه ثقة حافظ من رجال الصحیحین بل تضعیف من قال

عن انس، لان الاعمش لم يسمع من أنس. ولذا قال مرسل."(۵۵)

دونوں مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مؤلفین کا ماخذ اور مدلول تقریباً ایک ہے البتہ تعبیر جداگانہ ہے۔

قبول عام

اہل علم کے مابین کسی بھی کتاب کی مقبولیت اور عدم مقبولیت کا اندازہ اس کی اشاعت سے ہو سکتا ہے۔ کتاب غایۃ المقصود کی خصوصیت، افادیت، اہمیت اور اہل علم کی رائیں، اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہیں۔ اس کتاب کی ایک جلد ۱۳۰۵ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی اور بقیہ اجزاء کا سراغ نہ لگ سکا۔

کتاب عون المعبود کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی، اس کتاب کے متعدد ایڈیشن اس کے لیے شاہد عدل ہیں۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چار جلدوں میں ۱۳۱۸ تا ۱۳۲۳ھ تقریباً پانچ سال کی مدت میں پہلی بار شائع ہوا۔ اور اہل علم نے اس کے مولف کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس ایڈیشن کے آخر میں غایۃ المقصود کے مقدمہ کا خلاصہ "فوائد نافعة مهمة" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ اس کتاب کی دوسری اشاعت آفسیٹ کے ذریعہ دارالکتاب العربی بیروت لبنان سے ہوئی، اس کی تیسری بار اشاعت ۱۳۸۸ھ میں متوسط سائز میں شیخ عبدالرحمٰن محمد عثمان کی تحقیق و تصحیح کے ساتھ چودہ جلدوں میں مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ سے ہوئی۔ ۱۳۹۹ھ میں اس کا چوتھا ایڈیشن ادارہ نشر السنۃ ملتان نے شائع کیا۔ جو ہندوستانی نسخہ کا عکس ہے اور ۱۴۱۰ھ میں دارالکتب العلمیہ بیروت نے اپنے مکتبہ سے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

بذل المجهود: برصغیر ہندوپاک میں چونکہ فقہ حنفی کے ماننے والے زیادہ ہیں اس لیے "بذل المجهود" کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر بذل المجہود میں بعض تفصیلات اور توضیحی نکات زیادہ ہیں اس لیے دوسرے حلقوں میں بھی کتاب مقبول ہوئی۔ عالم عربی میں بھی اس کو اہمیت حاصل ہے۔ ادارۃ البحوث العلمیہ ریاض سے اس کی توزیع بھی ہوئی ہے۔ اب تک بذل المجہود کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

تعلیقات وحواشی

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! مقدمۂ تحفة الاحوذی، الباب الاول، الفصل العاشر فی ذکر انواع کتب الحدیث.

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! مقدمۂ تحفة الاحوذی، الباب الاول، الفصل العشرون فی ذکر الکتب الستة.

(۳) تهذیب التهذیب ۴/۱۶۹، بستان المحدثین ص ۲۸۳

(۴) سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۰۳ (۵) بستان المحدثین ص ۲۸۴

(۶) تهذیب الکمال ۱۱/۳۵۶، مقدمه غایة المقصود ۱/۳۵

(۷) الحطه فی ذکر الصحاح السته ص ۲۵۰، بستان المحدثین ص ۲۸۴

(۸) تهذیب الاسماء واللغات ۲/۵۰۹ (۹) بستان المحدثین ص ۲۸۵

(۱۰) تاریخ بغداد ۹/۵۹، تهذیب الاسماء واللغات ۲/۵۱۱

(۱۱) سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۱۵ (۱۲) تہذیب الکمال ۱۱/۳۶۵

(۱۳) سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۱۵ (۱۴) تہذیب الکمال ۱۱/۳۶۵

(۱۵) تہذیب الاسماء واللغات ۲/۵۰۹، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۱۳

(۱۶) تہذیب الکمال ۱۱/۳۶۵ و سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۱۳

(۱۷) تہذیب الاسماء واللغات ۲/۵۱۰-۵۱۱ (۱۸) رسالہ ابوداؤد بنام اہل مکہ

(۱۹) البدایة والنهایة ۱۱/۵۵ (۲۰) امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۲۱

(۲۱) سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۱۰ (۲۲) تہذیب الاسماء واللغات ۲/۵۱۰

(۲۳) تہذیب السنن ۱/۸ بحوالہ ماہنامہ التوعیہ دہلی، جنوری ۱۹۹۰ء

(۲۴) تفصیل کے لیے دیکھیں: "التوعیة" دسمبر ۱۹۸۹ء نیز رسالہ ابوداؤد بنام اہل مکہ کا ملخص عربی متن۔ غایة المقصود ۱/۳۰-۳۲

(۲۵) عظیم آباد: یہ ایک قدیم اور مشہور شہر ہے جو آج پٹنہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۲۶) ڈیانواں: پٹنہ سے کچھ فاصلے پر آباد ایک بستی ہے۔

(۲۷) رمنہ: یہ عظیم آباد کا ایک محلّہ ہے۔ (۲۸) دیکھئے: نزهة الخواطر ج ۸، ص ۱۷۹

(۲۹) تفصیل کے لئے دیکھیں: حیاة المحدث شمس الحق وأعماله ص ۲۷۳-۲۸۲

(۳۰) نفس مصدر ص ۲۸۴-۲۹۶

(۳۱) دیکھئے: یادگاری گوہری ص ۱۱۰، بحوالہ حیات المحدث ص ۶۶-۶۷

(۳۲) دیکھئے: نزهة الخواطر ۸/۱۷۹، الثقافة الاسلامیه فی الهند ص ۱۴۱، تراجم علماء حدیث ہند ۱/۳۷

(۳۳) تراجم علماء حدیث ہند کے مولف ابویحیی امام خان نوشہروی نے اپنی کتاب کے ص ۲۲۷ کے حاشیہ میں اس کتاب کو "مولوی محمد

اسماعیل بن شاہ عبدالجلیل علی گڈھی کی تصنیف قرار دیا ہے اور عظیم آبادی کی طرف اس کی نسبت کو درست نہیں کہا ہے۔
(۳۴) یہ کتاب ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں حدیث اکیڈمی پاکستان سے فاضل محقق ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔
(۳۵) دیکھئے: نزهة الخواطر ۷۹/۸۱، تذکرہ علماء حال ص ۵۷، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۰، مقدمہ ناشر الوجازۃ فی الاجازۃ۔

(۳۶) تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کریں:
نزهة الخواطر ۸/ ۱۳۳۔۱۳۵ شیخ عبدالحیٔ لکھنوی
مقدمه بذل المجهود : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحفظہ اللہ
تذكرة الخليل : شیخ محمد عاشق الٰہی میرٹھی
مآثر شیخ الاسلام : اسیر ادروی
دبستان دیوبند کی علمی خدمات : اسیر ادروی
تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم : سید محبوب رضوی
مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند : مولانا مفتی محمد ظفیر الدین
(۳۷) دیکھئے: بذل المجهود ۳۹/۱، المسلمون فى الهند ص ۴۲
(۳۸) نزهة الخواطر ۴۰۸/۸ (۳۹) حياة المحدث شمس الحق واعماله ص ۱۶۳-۱۷۱
(۴۰) غاية المقصود ۲۴/۱ (۴۱) عون المعبود ۱۲/۱
(۴۲) مقدمه بذل المجهود ۳۹/۱-۴۰ (۴۳) بذل المجهود ۱۰/۱
(۴۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمہ بذل المجہود ۱۰/۱-۱۱
(۴۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں مقدمہ بذل المجہود ۱/ ۴۳۔۴۵
(۴۶) بذل المجہود: ۸/۱-۳۹، (۴۷) دیکھئے مقدمہ بذل المجہود ۱/ ۴۴
(۴۸) نفس مصدر
(۴۹) دیکھیں بذل المجہود ۲۰/ ۲۲۳-۲۵۹
(۵۰) ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن الخمیس کی یہ کتاب دار صمیعی ریاض سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔
(۵۱) قال ابوداؤد کی شرح و توضیح پر مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب نے ''فلاح و بہبود'' نام کی ایک مستقل کتاب دو جلدوں میں تالیف فرمائی ہے۔
(۵۲) بذل المجہود ۱۵/۲ (۵۳) عون المعبود ۲۹۵/۱
(۵۴) بذل المجہود: ۳۶/۱ (۵۵) عون المعبود ۳۱/۱

فہرست مراجع ومصادر

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۱۔	امام ابن ماجہ اور علم حدیث	مولانا عبدالرشید نعمانی	آرام باغ کراچی
۲۔	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	سعید کمپنی ادب منزل پاکستان
۳۔	بذل المجهود فی حل ابی داوٗد	شیخ خلیل احمد سہارنپوری	دار الریان۔ القاہرہ
۴۔	تاریخ بغداد	حافظ ابو بکر بن علی الخطیب البغدادی	مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ
۵۔	تاریخ دار العلوم دیوبند	سید محبوب رضوی	ادارہ اہتمام دار العلوم دیوبند
۶۔	تذکرۃ الخلیل	مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی	مکتبہ اشاعت العلوم سہارنپور
۷۔	تراجم علماء حدیث ہند	ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	
۸۔	تہذیب الاسماء واللغات	حافظ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۱۹۹۶ء دار الفکر بیروت
۹۔	تهذيب التهذيب	حافظ ابن حجر عسقلانی	دائرة المعارف العثمانيه
۱۰۔	تہذیب الکمال فی اسماء الرجال	حافظ جمال الدین یوسف المزی	۱۹۹۴ء مؤسسہ الرسالہ
۱۱۔	پاک وہند میں علماء اہل حدیث کی خدمات حدیث	ارشاد الحق اثری	مکتبہ اہل حدیث مئو
۱۲۔	الحطه فی ذكر الصحاح السته	سید صدیق حسن قنوجی	۱۹۸۰ء دار الكتب العلميه لبنان
۱۳۔	حیاۃ المحدث شمس الحق واعمالہ	ڈاکٹر محمد عزیر شمس	جامعہ سلفیہ بنارس
۱۴۔	دبستان دیوبند کی علمی خدمات	اسیر ادروی	دار المولفین دیوبند
۱۵۔	سير اعلام النبلا	حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	ط ۱۹۹۰ء موسسہ الرسالہ
۱۶۔	عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد	شیخ محمد شمس الحق عظیم آبادی	مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ
۱۷۔	غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داوٗد	" "	حدیث اکادمی پاکستان
۱۸۔	مآثر شیخ الاسلام	اسیر ادروی	دار المؤلفین دیوبند
۱۹۔	مشاہیر علماء دار العلوم دیوبند	مفتی محمد ظفیر الدین	دار العلوم دیوبند
۲۰۔	مقدمه تحفة الاحوذی	شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری	دار الكتب العلمية بيروت
۲۱۔	مولانا شمس الحق عظیم آبادی حیات اور خدمات	ڈاکٹر محمد عزیر شمس	علمی اکیڈمی پاکستان
۲۲۔	نزهة الخواطر	شیخ عبدالحئی حسنی	دائرۃ المعارف العثمانیہ
۲۳۔	فتاوٰی مولانا شمس الحق عظیم آبادی	ڈاکٹر محمد عزیر شمس	علمی اکیڈمی کراچی

۲۴۔ ماہنامہ "التوعیۃ" دہلی، دسمبر ۱۹۸۹ء و جنوری ۱۹۹۰ء

۲۵۔ ماہنامہ "رفیق" پٹنہ - علمائے بہار نمبر

مولانا ابو صادق عاشق علی اثری
ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

بلوغ المرام، آثار السنن اور اعلاء السنن
ایک تقابلی جائزہ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين. وبعد :

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کے دو بنیادی مآخذ ومصادر ہیں۔ جن سے انسانی رہنمائی کے لیے اوامر و نواہی، احکام وفضائل، توحید و عقائد اور حقوق ومعاملات کے شیریں و مصفی چشمے پھوٹتے ہیں۔ ایک کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسرا سنتِ رسول اللہ (حدیث)

قرآن کے الفاظ و معانی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوئے ہیں اور حدیث کے الفاظ اگرچہ نبی کریم ﷺ کے ہیں، مگران کا معنی و مفہوم وحی کا درجہ اور مقام رکھتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وما ينطق عن الهوىo ان هو الا وحي يوحىo (۱)

اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الا انى اوتيت الكتاب ومثله معه، الا انى اوتيت القرآن ومثله معه. (۲)

خبر گردار! بے شک مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز، سنو! مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز۔

درحقیقت حدیث وسنت قرآن مجید کی شرح و تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرونo (۳)

اور یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر

بیان کردیں، شاید کہ وہ لوگ غور وفکر کریں۔

اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:

السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعانى احكام الكتاب، ودل على ذلك قوله "لتبين للناس مانزل اليهم." (۴)

سنت کتاب (قرآن مجید) کے احکام کے معانی کے لیے بمنزلہ تفسیر وشرح ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "**لتبين للناس مانزل اليهم**" دال ہے۔

اور مسلمانوں کے لیے تمسک بالکتاب والسنۃ اور ان سے قلبی وابستگی ضروری ہے۔ ورنہ مختلف قسم کی گمراہیاں پھیل سکتی ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

تركت فيكم امرين، لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله. (۵)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

سنت وحدیث کی اسی اہمیت کے پیش نظر علمائے اسلام نے ہر دور میں سنت سے اپنا شغف رکھا اور اس کی خدمت اور اس میں مشغولیت کو اپنے لیے باعثِ سعادتِ دارین سمجھا۔ کیوں کہ قران کریم کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ صحیح احادیث کی صورت میں وہ در بے بہا ہے جس کو اپنانے میں مسلمان کی دنیوی اور اخروی زندگی کی اصلاح وبقا کامیابی وکامرانی ہے۔

احادیث احکام پر کتابیں

ائمہ دین اور علمائے امت نے سنن نبوی پر مشتمل مختلف قسم کی کتابیں تصنیف کیں اور بہت سے لوگوں نے احادیث احکام سے متعلق چھوٹی بڑی کتابیں مرتب کیں۔ مثلاً حافظ ابو محمد عبدالغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ) کی "**عمدة الأحكام عن سيد الأنام**" ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) کی "**الامام فی أحاديث الأحكام**" اور اس کا اختصار بنام "**الالمام باحاديث الأحكام**" اور ابو البرکات ابن تیمیہ الحرانی (م ۶۵۲ھ) کی "**المنتقى فى الأحكام**" وغیرہ۔

اسی طرز کی کتابوں میں سے **بلوغ المرام من أدلة الأحكام**، آثار السنن اور اعلاء السنن ہیں اور انہیں کتابوں کا تقابلی جائزہ میرا موضوع مقالہ ہے۔

کسی چیز کے حکم اور تقابلی جائزہ کے سلسلہ میں عدل وانصاف بہت ضروری ہے۔ اگر اس میں عصبیت کار فرما ہو جائے تو آدمی ظلم وناانصافی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يايها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ز ولا يجرمنكم شنان قوم على ان لا تعدلواط اعدلوا هو اقرب للتقوى ز واتقوالله ط ان الله خبير بما تعملون." (۶)

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی

عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عدل وانصاف اور اعتدال وتوازن کے ساتھ ان تینوں کتابوں کے تقابلی جائزہ کی توفیق بخشے۔ آمین۔

والله هو الموفق وهو المعين.

مؤلفین اور ان کی تالیفات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں تالیفات بلوغ المرام من أدلة الأحكام، آثار السنن اور اعلاء السنن کے تقابلی جائزہ سے پہلے اختصار کے ساتھ ان کتابوں کے مؤلفین کے حالات زندگی پر بھی روشنی ڈال دی جائے۔

اس طرح مقالہ کے مشمولات حسب ذیل ہوں گے:

باب اول : مؤلفین کے حالات   باب دوم : تقابلی جائزہ

تقابلی جائزہ درج ذیل چیزوں میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ وباللہ التوفیق:

اول : مؤلفین کا علمی مقام ومرتبہ   دوم : مؤلفین کا مسلک اور ان کا عقیدہ وفکر

سوم : تالیفات کا پس منظر   چہارم : ان ہر سہ مؤلفات کی فنی حیثیت

پنجم : مؤلفین کا اعتدال یا عصبیت   ششم : تالیفات کی مقبولیت

باب اول: مؤلفین کے حالات

سنین ولادت میں تقدیم وتاخیر کے پیش نظر پہلے مؤلف بلوغ المرام، پھر مؤلف آثار السنن اس کے بعد مؤلف اعلاء السنن کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

مؤلف بلوغ المرام : (ولادت ۷۷۳ھ وفات ۸۵۲ھ)

نام ونسب اور تاریخ پیدائش

بلوغ المرام کے مؤلف احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر کنانی عسقلانی ہیں۔ شہاب الدین لقب تھا، ابن حجر کے نام سے شہرت پائی۔ والد نے آپ کی کنیت "ابو الفضل" اور آپ کے استاذ حافظ عراقی نے "ابو العباس" اور بعض دوسرے لوگوں نے "ابو جعفر" رکھی۔

آپ ۲۲/ شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نشو ونما یتیمی کی حالت میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں ان کے والد اور والدہ دونوں کا انتقال ہو گیا تھا۔

والد نے اپنی وفات سے پہلے ایک بڑے تاجر ابو بکر محمد بن علی بن احمد الخروبی (۷۸۷ھ۔ ۱۳۸۶ء) کو ان کے بارے

میں وصیت کر دی تھی اور انہوں نے حافظ ابن حجر کے سلسلہ میں ان کی وصیت کا حق ادا کیا۔ اسی طرح شیخ شمس الدین ابن القطان (۸۱۳ھ۔۱۴۱۱ء) کو بھی وصیت کی تھی۔

اس طرح حافظ ابن حجر نے یتیمی کی حالت میں دوسروں کے زیر سایہ پرورش پائی اور زکی خروبی نے ان کی رعایت ونگرانی اور تعلیم وتربیت کی بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ وہ اپنے مکہ کی مجاوری کے زمانہ میں انہیں اپنے ساتھ مکہ لے جاتے تھے اور جب ان کی عمر پانچ سال کی ہوگئی تو انہیں مکتب میں داخل کر دیا۔ جہاں انہوں نے شمس الدین بن العلاف اور شمس الدین الاطروش سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔

اور نو سال کی عمر میں مقری صدر الدین محمد بن عبدالرزاق السفطی (۸۰۸ھ) کے پاس قرآن کریم کا حفظ مکمل کر لیا اور جب بارہ سال کی عمر ہوئی تو ۷۸۵ھ میں مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے اندر لوگوں کو صلاۃ تراویح پڑھائی۔

۷۸۶ھ میں زکی خروبی کے ساتھ مصر واپس ہوئے تو مختصرات علوم کی متعدد کتابیں حفظ کیں۔ مثلاً **عمدة الأحكام للمقدسي، الحاوي الصغير للقزويني، مختصر ابن حاجب في الأصول، ملحة الاعراب للحريري، منهاج الوصول للبيضاوي، الفية الحديث للعراقي، الفية ابن مالك في النحو** اور **التنبيه في فروع الشافعية للشيرازي.**

قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ نصف حزب روزانہ حفظ کر لیا کرتے تھے۔ حتی کہ سورۂ مریم صرف ایک روز میں حفظ کر لیا۔

طلب علم کے لیے سفر

امت اسلامیہ جن چیزوں میں ممتاز ہے ان میں علوم شرعیہ کی طلب و جستجو میں دور دراز ملکوں اور شہروں کا سفر بھی ہے۔ خصوصاً ائمہ دین اور محدثین عظام رحمہم اللہ نے بعض بعض مواقع پر صرف ایک حدیث کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا۔ ائمہ کرام اور اسلاف عظام کے سامنے ان اسفار سے بڑے اہم اور جلیل القدر مقاصد ہوتے تھے۔ مثلاً حدیث نبوی کا حصول، حاصل شدہ حدیثوں سے غلطی اور خلل کا ازالہ، سند عالی کا حصول، راویان حدیث کے احوال کی تحقیق، احادیث کے نقد وجرح اور عللِ اسانید کے سلسلہ میں علماء کے ساتھ مذاکرہ وغیرہ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی یہی اہم مقاصد تھے۔ اسی لیے انہوں نے صرف اپنے وطن مصر و قاہرہ کے علماء، مشائخ اور رجال حدیث سے خوشہ چینی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف ممالک کے پچاس شہروں کا سفر کیا اور وہاں کے مختلف علوم وفنون میں شہرت رکھنے والے اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا۔

حافظ ابن حجر نے طلب علم میں جن مقامات کا سفر کیا اور اس کے لیے صعوبتیں برداشت کیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) مصر (۲) اسکندریہ (۳) یمن (۴) حجاز (۵) شام (۶) حلب وغیرہ

اساتذہ اور شیوخ

اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو ایسے اساتذہ اور شیوخ ملے جو اپنے فن کے ماہر، حل مشکلات میں معتمد اور علم کے بحر بیکراں تھے۔ مثلاً وسعت حفظ اور کثرت معلومات میں بلقینی (۷۲۴۔۸۰۵ھ)، کثرت تصانیف میں

ابن الملقن (۷۲۳-۸۰۴ھ)، علم حدیث اور اس کے متعلقات کی معرفت میں عراقی (۷۲۵-۸۰۶ھ)، حفظ متون اور اس کے استحضار میں ہیثمی (۷۳۵-۸۰۷ھ)، حفظِ لغت اور اس کی واقفیت میں مجد شیرازی (۷۲۹-۸۱۷ھ)، عربی زبان اور اس کے متعلقات کی معرفت میں غُماری (۷۲۰-۸۰۲ھ) عربی زبان کے اندر حسن تصرف میں محبّ ابن ہشام (۷۴۹-۷۹۹ھ) علوم کثیرہ میں تفنن کے اندر عز بن جماعہ (۷۴۹-۸۱۹ھ) اور قراءات کی معرفت اور ان میں علو سند کے اندر تنوخی (۷۰۹-۸۰۰ھ) ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن کا تذکرہ شاگردی کا حق ادا کرنے کے لیے انہوں نے اپنی جلیل القدر کتاب "المجمع المؤسس للمعجم المفهرس" میں خود کیا ہے اور ان کو ان کے درجات کے لحاظ سے پانچ زمروں میں مرتب کیا ہے۔

حافظ کے شاگرد امام سخاوی نے ان کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اول: وہ شیوخ جن سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ خواہ ایک ہی حدیث کیوں نہ ہو۔ ان کی تعداد دو سو تیں (۲۳۰) ہے۔

قسم دوم: وہ شیوخ جنہوں نے ان کو اجازت دی ہے۔ ان کی تعداد دو سو پچیس (۲۲۵) ہے۔

قسم سوم: وہ شیوخ جن سے بطور انشاء یا بطور مذاکرہ علم حاصل کیا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو نواسی (۱۸۹) ہے

اس طرح ان کے اساتذہ کی مجموعی تعداد چھ سو چوالیس (٦۴۴) ہوئی۔ جن میں تقریباً پچپن (۵۵) عورتیں ہیں۔

تالیفات

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے اپنی تالیفات کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ آپ کی تالیفات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اختصار کے پیش نظر ذیل میں ہم ان کی تالیفات کی صرف فن وار تعداد کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

اولاً: عقیدہ: تین کتابیں۔ ثانیاً: علوم قرآن: چھ کتابیں ثالثاً: علوم حدیث روایۃً ودرایۃً مع علم رجال وجرح وتعدیل: ایک سو انیاسی کتابیں رابعاً: تاریخ وتراجم اور سیر: چونتیس کتابیں خامساً: فقہ: انتیس کتابیں سادساً: رقائق اور آداب: آٹھ کتابیں سابعاً: علوم لغت: دس کتابیں ثامناً: علوم متفرقہ: بیس کتابیں

اس طرح حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کی تالیفات کی تعداد دو سو نواسی (۲۸۹) ہوئی۔ جن میں سے بعض مطبوع، بعض مخطوط اور بعض مفقود ہیں۔

بڑی ناانصافی ہوگی اگر حافظ کی تالیفات میں سے چند کتابوں کے نام نہ ذکر کردئے جائیں:

(۱) الآیات النیرات فی معرفة الخوارق والمعجزات (۲) الاحکام لبیان ما وقع فی القرآن من الابهام (۳) الاعجاب ببیان الاسباب (٤) اتحاف المهرة باطراف العشرة (٥) الدرالكامنة فی اعیان المائة الثامنة (٦) فتح الباری شرح صحیح البخاری (٧) لسان المیزان (٨) ذیل الدرالكامنة (٩) الامالی الحدیثیة (١٠) تقریب التهذیب (١١) تهذیب التهذیب (١٢) تعجیل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الأربعة (١٣) طبقات المدلسین (١٤) المجمع المؤسس بالمعجم المفهرس (١٥) نخبة الفكر فی مصطلح اهل الأثر (١٦) نزهة

النظر فی توضیح نخبة الفكر (١٧) القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد (١٨) تبصير المنتبه فی تحرير المشتبه (١٩) رفع الاصر عن قضاة مصر (٢٠) انباء الغمر بابناء العمر (٢١) الاعلام فيمن ولی مصر فی الاسلام (٢٢) الاعلام بمن ذكر فی البخاری من الأعلام (٢٣)نزهة الألباب فی الألقاب (٢٤) تلخيص الحبير فی تخريج احاديث الرافعی الكبير (٢٥) تغليق التعليق (٢٦) هدی الساری مقدمة فتح الباری (٢٧) اللآلی المنثورة فی الاحاديث المشهورة مما الفه الطبع وليس له اصل فی الشرع (٢٨) الكافی الشاف فی تخريج احاديث الكشاف (٢٩) الاصابة فی تمييز الصحابة (٣٠) الأنوار بخائص المختار ﷺ (٣١)بلوغ المرام من ادلة الأحكام.

وفات : شبِ شنبہ ۲۸/ذی الحجہ ۸۵۲ھ (۷)

مؤلف آثار السنن

(۱۲۷۸ھ-۱۳۲۲ھ)

نام ونسب اور پیدائش

آثار السنن کے مؤلف مولانا ظہیر احسن بن سبحان علی حنفی نیموی عظیم آبادی ہیں۔ آپ ضلع عظیم آباد کے ایک گاؤں نیمی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔(۸)

آپ کا اصل نام محمد کنیت ابوالخیر مشہور نام ظہیر احسن اور تخلص شوق ہے۔(۹) چہار شنبہ ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ میں اپنی خالہ کے گھر صالح پور (بہار) میں پیدا ہوئے۔(۱۰)

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد پٹنہ چلے آئے۔ پھر علمی تشنگی اور بڑھی تو ۱۲۹۶ھ میں غازی پور مدرسہ چشمہ رحمت میں داخل ہوئے اور وہاں کے متعدد اساتذہ سے مستفید ہوئے۔ مگر سب سے زیادہ اس وقت کے مشہور عالم دین مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ سے اکتساب علم کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ گئے اور ہندوستان کے مشہور فاضل مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر علوم عربیہ کی تکمیل کی۔ خاص طور پر حدیث وفقہ میں مہارت پیدا کی۔ طبابت کی تعلیم بھی لکھنؤ ہی میں حاصل کی۔(۱۱)

مولانا شوق نیموی اردو کے مستند شاعر تھے اور شعر وادب سے زیادہ اونچا مقام حدیث کے میدان میں حاصل کیا۔ ڈاکٹر عتیق الرحمٰن صاحب اسسٹنٹ لائبریرین خدابخش لائبریری پٹنہ لکھتے ہیں:

"علامہ شوق نیموی، مولانا عبدالحی فرنگی محلی جیسے عظیم عالم اور محدث سے حدیث کا درس حاصل کر رہے تھے، تب ہی انہیں اس فن سے خصوصی شغف پیدا ہو گیا تھا اور برابر کتب حدیث کا مطالعہ کرتے رہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک روز

خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا جنازہ مبارک اپنے سر پر اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔اس کی تعبیر انہوں نے نکالی کہ اللہ تعالیٰ ان سے حدیث شریف کی خدمت لینا چاہتے ہیں اور واقعی اس روز سے حدیث شریف سے انہیں زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی اور اسی کی ترویج واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے" (۱۲)

اساتذہ اور شیوخ

علامہ حافظ محمد عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی، مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی، مولانا شاہ محمد فضل الرحمٰن مراد آبادی وغیرہم رحمہم اللہ۔ (۱۳)

ازواج واولاد

مولانا نیموی کی بیک وقت دو بیویاں تھیں۔ایک ان کی خالہ کی لڑکی مخدومن اور دوسری ان کے چچا کی لڑکی کلثوم۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکے عبدالرشید اور دوسری بیوی سے ایک لڑکے عبدالسلام پیدا ہوئے۔ عبدالسلام کا بلوغت کے قریب انتقال ہوگیا تھا۔ (۱۴)

تالیفات

مولانا کی شعری اور ادبی تخلیقات میں ازاحۃ الاغلاط، اصلاح، سرمۂ تحقیق، ایضاح، دیوانِ شوق، مثنوی سوز و گداز اور مثنوی راز ہیں۔ (۱۵)

حدیث میں ان کی مشہور کتاب "آثار السنن" ہے۔جس پر خود ہی تعلیق لکھی اور اس کا نام "التعلیق الحسن علی آثار السنن" رکھا۔ پھر اس تعلیق کی تعلیق لکھی، جس کا نام "تعلیق التعلیق" ہے۔اس کے علاوہ ان کی اور بھی تالیفات ہیں۔ مثلاً اوشحۃ الجید فی تحقیق الاجتهاد والتقلید اور الحبل المتین۔۔(۱۶)

آثار السنن کے دوسرے جز کی تسوید سے ۱۳۱۴ھ میں فارغ ہوئے۔اس کتاب کی تالیف مکمل نہ ہوسکی۔ صرف کتاب الصلاۃ مکمل کی تھی اور تیسرا جز کتاب الزکاۃ سے شروع کیا تھا مگر وہ قابل اشاعت نہ ہوسکا۔ (۱۷)

ڈاکٹر عتیق الرحمٰن نے مولانا کی تالیفات میں درج ذیل کتابیں بھی لکھی ہیں:

ردالسالکین، جلاء العینین فی رفع الیدین، جامع الآثار فی صلاۃ الجمعۃ فی القری، لامع الانوار، مقالہ کاملہ، تذئیل اور وسیلۃ العقبی. (۱۸)

آثار السنن کی تالیف میں مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے استفادہ

مولانا نیموی رحمہ اللہ نے آثار السنن کی تالیف میں مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور ان کے تعاون سے اس تالیف کی تکمیل کی۔ تھوڑا تھوڑا لکھ کر مولانا کشمیری کو دکھاتے رہتے تھے۔اس طرح مولانا کشمیری رحمہ اللہ اس کی تالیف میں مولانا نیموی کے رفیق عمل تھے۔ (۱۹)

مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا کشمیری کے حالات میں لکھتے ہیں:

حضرت استاد رحمہ اللہ نے ایک دن درس میں اس کتاب (آثار السنن) کے متعلق یہ واقعہ بیان فرمایا کہ

"جس زمانہ میں مولانا ظہیر احسن صاحب نیموی رحمۃ اللہ علیہ "آثار السنن" تالیف فرمارہے تھے، انہوں نے اس کے کچھ اجزاء حضرتِ استاذ (یعنی حضرت شیخ الہندؒ) کی خدمت میں اس غرض سے بھیجے کہ ملاحظہ فرماکر مشورے دیدیں اور جو اضافے فرمائے جاسکیں وہ اضافے فرمادیں۔ حضرتِ استاذ نے ملاحظہ فرماکر وہ اجزاء واپس فرمادئے اور ان کو میرا پتہ لکھ دیا کہ آپ اس مقصد کے لیے اس پتہ پر خط وکتابت فرمائیں۔ میں اس زمانہ میں اپنے وطن (کشمیر) میں رہتا تھا۔

مولانا ظہیر احسن صاحب نے حضرتِ استاذؒ کے حوالہ سے مجھے خط لکھا اور اس طرح میری اور ان کی خط وکتابت شروع ہوگئی اور پھر انہوں نے اپنی کتاب بھیجنی شروع فرمائی۔ جتنی لکھ لیتے تھے وہ مجھے بھیج دیتے تھے اور میں ان کے حکم کی تعمیل میں اضافے کرتا تھا۔ میں نے جو اضافے کئے وہ مقدار میں ان کی اصل کتاب سے زیادہ تھے۔ لیکن میرے یہ اضافے زیادہ تر معنوی بحثوں سے متعلق تھے۔ کیونکہ مولانا موصوف نے علل واسانید کی بحثوں کے اضافہ کی گنجائش کسی کے لیے بہت کم چھوڑی تھی۔ مگر چونکہ وہ میری معنوی بحثیں مولانا کے ذوق کی چیز نہیں تھی اور وہ اپنی کتاب میں خالص محدثین کے طرز پر علل واسانید ہی سے بحث کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے میرے اس باب کے (یعنی علل واسانید کے متعلق) اضافے تو قبول فرمائے اور کتاب میں لے لئے۔ لیکن معنوی مباحث تمام تر حذف کردئے" (۲۰)

وفات

مولانا نیموی رحمہ اللہ کا انتقال ۱۷ر رمضان ۱۳۲۲ھ بروز جمعہ عظیم آباد میں ہوا۔ وہاں سے ان کا جنازہ ان کے وطن نیمی لایا گیا اور بروز ہفتہ وہیں دفن کئے گئے۔ (۲۱)

مؤلف اعلاء السنن

(۱۳۱۰ھ-۱۳۹٤ھ)

نام ونسب اور پیدائش

اعلاء السنن کے مؤلف مولانا ظفر احمد بن لطیف عثمانی تھانوی ہیں۔ آپ ۱۳ر ربیع الأول ۱۳۱۰ھ میں دار العلوم دیوبند کے قریب اپنے آبائی گھر میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور دادی نے پرورش کی۔

آپ کی والدہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی حقیقی بہن تھیں۔

تعلیم وتربیت

پانچ سال کی عمر میں دیوبند کے بڑے بڑے حفاظِ قرآن سے قرآن مجید کی تعلیم شروع کی اور جب سات سال کے ہوئے تو مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کے والد مولانا محمد یاسین سے اردو، فارسی، حساب اور ریاضی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کیا، پھر دیوبند سے تھانہ بھون اپنے ماموں مولانا اشرف علی تھانوی کی مجلس میں منتقل ہوگئے اور مولانا محمد عبداللہ گنگوہی سے نحو، صرف اور ادب سے متعلق عربی کتابیں پڑھنا شروع کیں اور اپنے ماموں سے کچھ علم تجوید، **التلخیصات العشر** اور مثنوی

مولانا روم کے کچھ حصے پڑھے۔

پھر ان کے ماموں نے جب اردو زبان میں "بیان القرآن" کی تالیف شروع کی تو ان کو کانپور لے گئے اور وہاں اپنے قائم کئے ہوئے مدرسہ "جامع العلوم" میں داخل کر دیا۔ جہاں انہوں نے مولانا محمد اسحاق بردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے کتب حدیث، کتب مصطلح اور علوم الحدیث، کتب فقہ اور تفسیر وادب وغیرہ پڑھیں۔ علوم شرعیہ وعقلیہ سے فراغت کے بعد سہارنپور "مدرسہ مظاہر علوم" میں گئے اور مشہور عالم مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی مجلس درس میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور ایک مدت کے بعد انہوں نے حدیث، علوم حدیث اور دیگر علوم نقلیہ وعقلیہ کی اجازت دی۔ اس طرح اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۳۲۸ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ مظاہر علوم کی مدت قیام میں منطق، ہندسہ اور ریاضی وغیرہ کی اونچی کتابیں بھی پڑھیں۔

اپنے تفوق وبرتری اور ذہانت وفطانت کی وجہ سے مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس مقرر کر دئے گئے۔ جہاں تقریباً سات سال تک علم فقہ، اصول، منطق وفلسفہ وغیرہ کا درس دیا۔ پھر وہاں سے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون چلے گئے اور کتب سنت کے ساتھ فقہ وتفسیر کی تدریس میں مشغول ہو گئے۔

پھر مدرسہ محمدیہ رنگون (برما) چلے گئے اور وہاں تقریباً دو سال تک دعوت وتبلیغ اور وعظ وتذکیر کے کام میں مشغول رہ کر پھر تھانہ بھون واپس آ گئے۔

پھر ڈھاکہ مشرقی پاکستان چلے گئے اور وہاں حدیث وفقہ اور اصول کے مدرس مقرر ہوئے۔ پھر مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں صدر المدرسین ہو گئے۔ قیام ڈھاکہ کے زمانہ میں "**الجامعة القرآنية العربية**" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔

پھر مغربی پاکستان منتقل ہو گئے اور دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد تنڈوالہ یار حیدر آباد سندھ کے صدر مدرس بن کر تدریسِ حدیث اور افتاء وغیرہ کے کام میں مشغول ہو گئے۔

تالیفات

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مولانا عثمانی کو تدریس وافتاء کے ساتھ "اعلاء السنن" کی تالیف کی ذمہ داری سپرد کی۔ جس میں موصوف نے تقریباً بیس سال صرف کئے اور اٹھارہ جلدوں میں کتاب مکمل کی اور دو جلدوں میں اس کا مقدمہ لکھا۔

پھر مولانا تھانویؒ نے جصاص کی "احکام القرآن" کے طرز پر "**دلائل القرآن علی مسائل النعمان**" کی تالیف کا حکم دیا۔ اور انہوں نے سورۂ نساء تک دو ضخیم جلدیں لکھیں۔

علم فقہ میں مولانا کے فتاوی کا مجموعہ "امداد الاحکام" ہے۔

علاوہ ازیں اردو میں بھی متعدد کتابیں لکھیں:

(۱) القول المتین فی الاخفاء بآمین (۲) شق العین عن حق رفع الیدین (۳) رحمة القدوس فی ترجمة بهجة النفوس (٤) فاتحة الكلام فی القرأة خلف الامام (٥) كشف الدجى عن وجه الربا (عربی)

اعلاء السنن کی تالیف میں مولانا اشرف علی تھانوی کا تعاون

اعلاء السنن کی تالیف میں مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم کے ساتھ ان کا بھرپور تعاون رہا ہے۔ جس کی تفصیل مولانا محمد تقی عثمانی یوں بیان کرتے ہیں :

”حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک زمانہ سے دیکھ رہے تھے کہ بعض لوگ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اپنی زبان دراز کر رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان کا مذہب حدیث سے میل نہیں کھاتا ہے اور یہ کہ وہ قیاس اور رائے کو صحیح حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی بے بنیاد باتیں لوگ کرتے ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دلائل بہت سی پرانی کتابوں میں بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہونے کے ساتھ مختلف کتابوں اور رسالوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے حکیم الامت نے ان دلائل کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے ”احیاء السنن“ کے نام سے ایک کتاب کی تالیف شروع کی اور اس کے اندر تمام فقہی ابواب میں صحیح احادیث سے امام ابو حنیفہ کے دلائل کو جمع کیا۔ مگر اس کتاب کی طباعت سے پہلے اس کا مسودہ مؤلف سے ضائع ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد مولانا تھانوی نے دوبارہ اس کی تالیف شروع کی اور اس کا منہج بدل دیا۔ اور اس کا نام ”جامع الآثار“ رکھا اور اس میں ان احادیث کو اکٹھا کیا جن سے حنفیہ نے اپنے مذہب کا استنباط کیا تھا۔ ان احادیث کی اسناد کی کیفیت اور ان سے استدلال کے طریقہ پر بھی مختصر کلام کیا۔ پھر اس میں ”تابع الآثار“ کے نام سے ایک تعلیق کا اضافہ کیا اور اس میں ان احادیث کی توجیہہ کی جو بظاہر متعارض تھیں اور یہ دونوں کتابیں ایک جز میں مطبع قاسمی سے ۱۳۱۵ھ کے قریب لیتھو سے طبع ہوئیں۔

مگر چونکہ یہ دونوں کتابیں حد درجہ مختصر تھیں اور ابواب الصلاۃ سے آگے نہیں بڑھ سکیں اور مولانا تھانویؒ کی خواہش تھی کہ ان کی سابقہ تالیف جیسی کتاب لکھی جائے۔ اور اس میں احادیث پر سنداً، متناً اور روایۃً و درایۃً تفصیل سے کلام کیا جائے۔ اس اہم مقصد کے لیے مولانا احمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ تیار ہوئے۔ اور مولانا تھانوی نے اس کتاب کی تالیف کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ چنانچہ انہوں نے متن میں احادیث و آثار کو جمع کر کے اختصار کے ساتھ ان کے اسناد پر کلام کیا اور تعلیق میں متناً و اسناداً بسط و تفصیل سے ان کی شرح کی اور اصل کتاب کا نام اس کے سابق نام پر ”احیاء السنن“ رکھا اور تعلیق کا نام ”التوضیح الحسن“ رکھا۔ مولانا سنبھلی جو کچھ لکھتے تھے اسے مولانا تھانوی حرفاً حرفاً دیکھتے تھے۔ اور بہت سے مقامات کو جہاں ضرورت سمجھتے تھے بدل دیتے تھے۔ اس طرح یہ کتاب ”کتاب الحج“ تک پہونچ گئی۔ پھر مولانا سنبھلی نے مولانا تھانوی کی ”نظر ثانی“ کے بعد کتاب پر ”نظر ثالث“ کرنا شروع کیا اور پہلے سے لکھے ہوئے حصے میں سے اکثر کو بدل ڈالا۔ اور مولانا تھانوی کے اشارات میں سے بھی اکثر کو بغیر ان سے رجوع کیے ہوئے مستقل طور پر تبدیل کر دیا۔ اس طرح کتاب اپنے سابق منہج سے بالکل ہٹ گئی۔ اور مولانا تھانوی کو اس کی بھنک تک نہیں لگی۔ اور جب اس کتاب کی پہلی جلد طبع ہو کر منظر عام پر آئی تو وہ ایک نئی کتاب تھی۔ اور اس طریقہ سے بالکل ہٹی ہوئی تھی جس کی مولانا تھانوی کو خواہش تھی اور اس میں بہت سی لغزشیں بھی تھیں۔ اس لیے مولانا تھانوی نے اپنے بھانجہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو حکم دیا کہ جلد اول میں جو باتیں چھوٹ گئیں ہیں ان کا استدراک کریں اور مولانا سنبھلی کی لغزشات پر بھی تنبیہ کریں۔ چنانچہ مولانا عثمانی نے ایک جز کی تالیف کی جس کا نام ”الاستدراک الحسن علی احیاء السنن“ رکھا اور یہ مستقل طور پر طبع ہوئی۔

پھر حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اس بات کا عزم وارادہ کیا کہ مولانا سنبھلی کی تالیف کا بقیہ حصہ نہ طبع ہو اور مولانا عثمانی رحمہ اللہ کو نئے سرے سے کتاب کی تالیف کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے کتاب کے بقیہ حصہ کی (ابواب الصلاۃ سے ابواب فقیہہ کے اخیر تک) سولہ اجزاء میں تصنیف کی اور مولانا تھانوی نے یہ احتیاط برتی اور مولانا سنبھلی کی یہ رعایت کی کہ مولانا عثمانی کی تالیف کردہ یہ کتاب اپنے سابق نام ''احیاء السنن'' پر باقی نہ رہے۔ اس لیے انہوں نے متن کا نام بدل کر ''اعلاء السنن'' اور شرح کا نام ''اسداء المنن'' رکھا۔ اور کتاب کے باقی سولہ اجزاء اسی نئے نام سے طبع ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اس کتاب کی پہلی جلد ''احیاء السنن'' کے نام سے اور اس کا تتمہ ''الاستدراک الحسن'' کے نام سے اور باقی کتاب ''اعلاء السنن'' کے نام سے طبع ہوئی۔ ناموں کے اس اختلاف کی وجہ سے ذہنوں میں بہت تشویش پیدا ہو رہی تھی۔ اس لیے مولانا عثمانی نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کے وقت ارادہ کیا کہ اس کتاب کا ایک ہی نام رکھیں اور ''الاستدراک الحسن'' کے مباحث کو ''احیاء السنن'' کی عبارتوں کے ساتھ اس طرح ضم کر دیں کہ یہ ایک مستقل کتاب بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا تھانوی کی وفات کے بعد اپنی کبر سنی میں بڑی مشقتیں برداشت کر کے یہ کام انجام دیا۔ اور پہلی جلد بھی مولانا عثمانی کی تصنیف کردہ ایک مستقل کتاب بن گئی۔ اس طرح اس کو مولانا عثمانی کی تالیف میں شمار کرنا اور پہلی جلد کا نام بھی ''اعلاء السنن'' رکھنا صحیح اور درست ہو گیا۔

جہاں تک کتاب کے مقدمہ کا معاملہ ہے تو اس کے تین مقدمے لکھے گئے:

(۱) ''انہاء السکن الی من یطالع اعلاء السنن'' جلد اول، تالیف مولانا ظفر احمد عثمانی۔ یہ کتاب کا حدیثی مقدمہ ہے۔ مولانا نے اس میں اصول حدیث کے بہت سے اہم قواعد کی شرح کی ہے۔ یہ مقدمہ ایک مرتبہ تھانہ بھون سے لیتھو پر طبع ہوا۔ دوبارہ کراچی سے ٹائپ پر شائع ہوا۔ اور سہ بارہ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے ''شام'' سے طبع ہوا۔

(۲) ''انہاء السکن'' جلد دوم، تالیف مولانا حبیب احمد کیرانوی۔ یہ ''اعلاء السنن'' کا فقہی مقدمہ ہے۔ اس میں انہوں نے اصول حدیث وفقہ کے بہت سے نفیس اور عمدہ مباحث کو جمع کیا ہے۔

(۳) ''انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن'' تالیف مولانا ظفر احمد عثمانی۔ اس میں انہوں نے حدیث اور علوم میں امام ابو حنیفہ کا مقام، ان کے بارے میں محدثین کے تعریفی کلمات، امام ابو حنیفہ کے اساتذہ اور ان کے شاگردوں کے حالات، علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کی خدمات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور امام ابو حنیفہ پر جو شبہات اور اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں ان کے جوابات دیئے ہیں۔'' (۲۲)

مولانا تھانوی ''اعلاء السنن'' کے خطبہ میں خود لکھتے ہیں:

''وسرحت النظر فیھا کالاولیٰ حرفا حرفا. فوجدتھا. والحمد للہ. أحسن من الأولیٰ روایة ودرایة وکفایة فی موضوعھا، وباقی التزاماتھا فی تغییر بعض المواضع وھو یسیر، بکثیر.'' (۲۳)

پہلی کتاب (احیاء السنن) کی طرح اس کو بھی میں نے حرفا حرفا دیکھا اور اس کو روایت، درایت اور اپنے موضوع میں کافی ہونے کے اعتبار سے پہلی سے بہت اچھا پایا۔ والحمد للہ۔

سیاسی حالات

مفتی محمد تقی عثمانی مولانا کے سیاسی حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علمی خدمات کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کی سیاسی اور اجتماعی خدمات بھی نا قابل فراموش ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ایماء پر انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ حضرت تھانوی نے قائد اعظم محمد علی جناح کے پاس مختلف علماء کے جو تبلیغی وفود بھیجے ان میں وہ بھی شامل تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے قیام پاکستان کی جدوجہد کے لیے جو جماعت ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے نام سے قائم فرمائی تھی ایک عرصہ تک وہ اس کے نائب صدر رہے۔ سلہٹ کے عوام سے پاکسان میں شمولیت کے لیے جو ریفرنڈم کرایا گیا۔ اس میں پاکستان کی کامیابی بڑی حد تک دو حضرات کے مرہون منت ہے۔ ایک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثانی اور دوسرے حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثانی۔

قیام پاکستان کے بعد انتخابی سیاست سے موصوف کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

وفات : ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ر دسمبر ۱۹۷۴ء (۲۴)

باب دوم : تقابلی جائزہ

۱۔ مؤلفین کا علمی مقام ومرتبہ

مؤلف بلوغ المرام کا علمی مقام

اللہ تعالیٰ نے مؤلف بلوغ المرام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو جو ذہانت و فطانت، قوت حافظہ، وسعتِ معلومات، جمالِ اسلوب، جزالتِ الفاظ، جودتِ فہم اور نشاطِ دائم عطا فرمایا تھا اس کی وجہ سے انہیں بڑا اونچا مقام حاصل ہوا اور انہوں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔

چنانچہ وہ علمِ حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، عربیت وشعر، خطابت وافتاء، املاء واقراء میں یکتائے روزگار و ماہرین میں سے ایک تھے ۔

ولیس علی اللہ بمستنکر   أن یجمع العالم فی واحد

اس طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لغوی، نحوی، شاعر وادیب، مؤرخ، مفسر، فقیہ اور محدث کی حیثیت سے معروف و مشہور ہوئے۔ (۲۵)

اعمال اور عهدے

حافظ ابن حجر نے بہت سے جلیل القدر اعمال اور کارنامے انجام دئے۔ اور بہت سے عہدے اور ذمہ داریاں سنبھالیں۔

جن سے ان کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً

(۱) املاء (۲) تدریس (۳) افتاء (۴) قضاء (۵) خطابت، امامت اور وعظ (۶) مشیخات (۷) مکتبہ محمودیہ کی نگرانی۔(۲۶)

مؤلف بلوغ المرام کے علمی مقام ومرتبہ کے بارے میں ان کے اساتذہ، معاصرین اور تلامذہ کے اقوال زرّیں

اساتذہ

۱۔ حافظ عراقی (۸۰۶ھ)

شہاب الدین احمد ابوالفضل شیخ عالم کامل فاضل، محدث، لوگوں کو فائدہ پہونچانے والے، عمدگی کے پیکر، ماہر و پختہ کار، حافظ، ضابط، ثقہ اور مامون تھے۔

چنانچہ انہوں نے رواۃ اور شیوخ کو جمع کیا، ناسخ و منسوخ کو الگ کیا، موافقات اور ابدال کو اکٹھا کیا، ثقہ اور ضعیف راویوں کے درمیان تمیز کی اور اتنی محنت ومشقت کی جس سے محدثین کے زمرہ میں شامل ہوگئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں بہت زیادہ علم حاصل کرلیا۔(۲۷)

جب حافظ عراقی کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان سے پوچھا گیا۔ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ جواب دیا: ابن حجر، پھر میرا بیٹا ابوزرعہ، پھر ہیثمی۔ حافظ عراقی کا انتقال ۸۰۶ھ میں ہوا۔ اس وقت ابن حجر کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔(۲۸)

۲۔ شیخ ابن جماعہ (۸۱۹ھ)

حافظ ابن حجر شیخ ابن جماعہ کے حالات میں لکھتے ہیں: "وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور میری غیر ی حاضری میں میری علمی برتری کی شہادت دیتے تھے اور میرے ساتھ حد درجہ ادب سے پیش آتے تھے۔ حالانکہ میں ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتا تھا، یہاں تک کہ ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کا نام نہ لے کر صرف "امام الائمہ" سے انہیں یاد کرتا تھا۔(۲۹)

۳۔ شیخ برہان الدین حلبی (۸۴۱ھ)

حافظ ابن حجر راویوں کو مستحضر رکھنے اور ان کے بارے میں کلام کرنے میں انتہا کو پہنچائے تھے۔ راویوں کے حالات کے بارے میں ان کی بہت سی تالیفات ہیں۔ حدیث کے معاملہ میں راویان حدیث میں سے متقدمین اور متاخرین کے حالات کی پوری معرفت رکھتے تھے اور یہ بہت بڑی خوبی ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے راویوں کی معرفت میں ان جیسا شخص ان سے پہلے یا ان کے بعد کسی کو دیکھا ہے۔(۳۰)

معاصرین

۱۔ حافظ ابوزرعہ بن حافظ عراقی (۸۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی بعض تخاریج کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مجھے اس بے نظیر تخریج سے واقفیت ہوئی اور اس کے مجمل اور مفصل محاسن اور خوبیوں سے آگاہی ہوئی۔ اور میں اس بات کا معترف ہوں کہ یہ ایسا مجموعہ ہے جو بہت سے فوائد کا جامع ہے اور ایسا سمندر ہے جو بہت سے قیمتی موتیوں کو سمیٹے ہوئے ہے اور جب میں نے ان کی روایت کو بنظر غائر دیکھا تو اس کے مشتملات سے بڑا متعجب ہوا اور یہ ان درخشاں اوصاف کا حامل کیوں نہ ہو جب کہ یہ ممتاز فضائل والے شیخ امام اور ذی مرتبت سردار، اوصاف حمیدہ اور مناقب عدیدہ کے مالک، جمال المحدثین، مفید الطالبین، شہاب الدین ابوالفضل کی لکھی ہوئی تخریج ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل عام کرے اور ان کے لیے ہر قسم کا خیر اکٹھا کرے۔ (۳۱)

۲۔ مصری مؤرخ تقی الدین مقریزی (۸۴۵ھ)

حافظ ابن حجر کو ان کے معاصرین پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لو أنفق أحدهم ملء الأرض ذهبا، ما بلغ مُده ولا نصيفه، وما أعلم الأن من أستفيد منه في الحديث غيره." (۳۲)

اگر ان علماء میں سے کوئی زمین بھر سونا خرچ کرے تو بھی ان کے درجہ کے چوتھائی اور آٹھویں حصہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اب میں نہیں جانتا کہ علم حدیث میں ان کے علاوہ کس سے استفادہ کروں؟

۳۔ قاضی القضاۃ شمس الدین قایاتی (۸۵۰ھ)

"المحاسن التي تفرقت في الناس، اجتمعت في ابن حجر" (۳۳)

جو خوبیاں تمام لوگوں میں الگ الگ ہیں وہ سب ابن حجر میں اکٹھا ہیں۔

تلامذہ

۱۔ علامہ نسیم الدین عبدالغنی المرشدی

میں نے ابن جزری سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میں عماد بن کثیر اور ان کے علاوہ حافظ عراقی کے شیوخ کے پاس حاضر ہوا۔ مگر ان میں ابن حجر سے بڑھ کر حافظِ حدیث کسی کو نہیں پایا" (۳۴)

۲۔ علامہ برھان الدین بقاعی (۸۸۵ھ)

شیخ الاسلام، ائمہ اعلام کی نشانی، ہر امام کے پیروکاروں میں سے ہدایت یافتہ لوگوں کے ستارہ، حافظِ عصر، استاذِ دہر، سلطانِ علماء، بادشاہِ فقہاء۔ اگر تفسیر کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے تو ترجمان ہوتے تھے اور اس کے قیمتی فوائد میں سے موتیوں کے ہار نکالنے والے ہوتے تھے۔ یا میدان حدیث کا سفر کرتے تو وہ اپنے زمانہ کے احمد معلوم ہوتے تھے اور اس کے مخفی خزانوں میں سے ایسے رازہائے سربستہ ظاہر کرتے کہ ابو حاتم اور ابن حبان بھی اس کی طرف سبقت نہیں کرپاتے اور اگر فقہ واصول فقہ کے بارے میں کلام کرتے تو امام شافعی معلوم ہوتے اور اس کے قابل غور وفکر اور پیچیدہ مسائل کو اس طرح نمایاں کرتے کہ اس پر امام (نووی) اور رافعی بھی جسارت نہ کرتے۔ یا کلامِ عرب کے مختلف اقسام پر کلام کرتے تو سیبویہ اور مبرد معلوم ہوتے اور اگر عروض یا ادب کے مختلف اقسام پیش کرتے تو خلیل بن احمد ہوتے۔ جب اصحاب علم وفن کوئی علمی بحث کرتے تو وہ

اس میدان کے مالک اور اس کے نقادوں کے استاذ ہوتے۔ ان اوصاف کے حامل ابوالفضل شہاب الدین دیار مصریہ اور دول اشرفیہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نعمتیں ہمیشہ بر قرار رکھے اور ان کی سعادتوں کو دوام عطا کرے اور ان کی ہمت کو مضبوط کرے۔(۳۵)

۳۔ علامہ قاضی القضاۃ الحنفیۃ المحب ابوالفضل ابن الشحنۃ (۸۹۰ھ)

ان کا شہرہ پورے عالم میں پھیل گیا اور وہ اپنے فن میں بالاتفاق منفرد تھے، ذہانت، عقل کی تیزی، حسن استنباط، عمدہ اسلوب، لطیف نکتہ، مصنفات کے اچھے نام رکھنا، عبارت کی لطافت اور اس کا باہمی ارتباط، شیریں کلامی، حسن معاشرت، حسن صحبت اور تواضع اس پر مستزاد۔ جو علوم و محاسن ان کو حاصل ہوئے ان کے زمانہ میں کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئے۔ میرے خیال اور اعتقاد کے مطابق وہ اپنی موت کے وقت اپنے دور کے سب سے کامل انسان تھے۔ ان کی خوبیاں بہت زیادہ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے علمی مقام و مرتبہ پر ان کی کتاب "فتح الباری" شاھدِ عدل ہے۔ جو بلانزاع صحیح بخاری کی عظیم ترین شرح اور حافظ کی تصنیفات میں سب سے اہم اور جلیل القدر تصنیف ہے، جس کے بارے میں علماء کی رائے ہے کہ صحیح بخاری کی شرح امت اسلامیہ پر قرض تھا جو حافظ کی "فتح الباری" سے اس کے سر سے اترا۔ اگر ان کی صرف یہی ایک تصنیف ہوتی تو بھی ان کی عظمت شان اور جلالت قدر کے لئے کافی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ منصف علماء خواہ وہ کسی بھی مسلک کے ماننے والے ہوں، ان کی "فتح الباری" کو خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ چنانچہ علامہ شرف الدین یعقوب بن جلال التّبانی الحنفی (۸۲۷ھ) فتح الباری کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

"یہ سب سے اچھی اور سب سے جامع شرحوں میں سے ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا تو اس سے بہت سے اچھے فوائد حاصل ہوئے، میں نے اسے ترتیب کے لحاظ سے بہت اچھا پایا اور حافظ نے بڑی عمدگی سے اس کی تہذیب کی، اور اس کے اندر بڑے لطیف معانی پیدا کئے، اور بہت سے اچھے فوائد نمایاں کئے۔ ایسی شرح لکھی جس سے شعور بیدار ہو جائے۔ ادبی معانی کو بلایا تو انہوں نے بسر و چشم قبول کیا۔ گویا میں خوش منظر باغوں اور پتے دار شاخوں کی سیر کر رہا ہوں"(۳۶)

فقیہ و مؤرخ شام علامہ ابن قاضی شہبہ (۸۵۱ھ) حافظ کی تعریف کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"تصنیف کے درپے ہوئے تو بہت سی کتابیں لکھ ڈالیں، ان کی تصنیفات کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ ان میں سب سے عظیم المرتبت ان کی شرح بخاری ہے اس جیسی یا اس کے طرز پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی"(۳۷)

قاضی القضاۃ الحنفیہ ابو الفضل ابن الشحنہ (۸۹۰ھ) حافظ اور ان کی تصنیفات کے بارے میں رقم طراز ہیں :

"علوم وفنونِ حدیث میں عجیب و غریب کتابیں تصنیف کیں، ان میں سب سے عظیم "صحیح بخاری کی شرح" ہے۔ میرے نزدیک صحیح بخاری کی اس جیسی شرح کسی نے نہیں لکھی، کیونکہ انہوں نے اس میں بہت سے عجائب اور نوادرات کو جمع کر دیا ہے۔ اسے انتہائی واضح طور پر لکھا ہے اور عموماً سارے اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے اور بہت سے امور و مسائل جن کی توجیہہ سے دوسرے لوگ عاجز رہے انہوں نے ان کی مناسب اور اچھی توجیہہ کی ہے"(۳۸)

حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) حافظ اور ان کی تصنیفات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہت ہی نفع بخش تصانیف کی تالیف کی، جیسے صحیح بخاری کی شرح اس جیسی کتاب اولین و آخرین میں سے کسی نے نہیں لکھی"(۳۹)

اور جب علامہ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) سے صحیح بخاری کی شرح لکھنے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے جادۂ انصاف کو اپناتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث "لاھجرة بعد الفتح" پیش کر کے کسی شرح کے لکھنے سے معذرت کر دی۔ یعنی "فتح الباری" کے بعد اب کسی دوسری شرح کی ضرورت نہیں ہے۔(۴۰)

مؤلف آثار السنن کا علمی مقام

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ مولانا شوق نیموی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"حضرتِ استاذ (مولانا محمد انور شاہ کشمیری) فن حدیث میں علامہ ممدوح کا مقام بہت بلند مانتے تھے اور معرفت علل واسانید میں ہندوستان کے کسی دوسرے عالم کو ان کا عدیل و مثیل نہیں قرار دیتے تھے۔ اس عاجز کو خوب یاد ہے، یہاں تک فرماتے تھے کہ مولانا ظہیر احسن صاحب حضرت مولانا عبدالحی صاحب (لکھنوی فرنگی محلی) کے شاگرد ہیں لیکن صناعت حدیث میں ان سے بہت فائق تھے۔"(۴۱)

مؤلف اعلاء السنن کا علمی مقام

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے علمی مقام کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جلیل القدر علامہ، حجت، عالی مرتبت، نمونہ، بہت بڑے محقق، پختہ کار، حجت و برہان، محقق کبیر، فقیہ و محدث، نکتہ رس، وسیع علم والے مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی۔"(۴۲)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لولم یکن بالخانقاه الامدادیة (تھانہ بھون) الا تالیف "اعلاء السنن" لکفی به کرامة وفضلاً، فانه عدیم النظیر فی بابه" (۴۳)

اگر خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) میں صرف "اعلاء السنن" کی تالیف ہی ہوتی تو اس کی کرامت اور فضیلت کے لیے کافی ہوتا۔ کیونکہ یہ اپنے موضوع میں بے نظیر ہے۔

۲۔ مؤلفین کا مسلک اور عقیدہ و فکر

مؤلف بلوغ المرام کا مسلک

سیر و تراجم کے جملہ مصادر اس امر پر تقریباً متفق ہیں کہ حافظ ابن حجر۔ رحمہ اللہ۔ شافعی المسلک تھے۔ البتہ احمد بن قاسم بونی کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ حافظ نے اپنی عمر کے آخری ایام میں مالکی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ جو فی نفسہ کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبدالحی کتانی رقم طراز ہیں:

ومن الغرائب التی تتعلق بترجمته ما فی ثبت الشهاب احمد بن قاسم البونی ان الحافظ انتقل فی آخر

عمره الی مذهب مالك، قال : رايت ذلك بخطه فی مكة المكرمة.

یعنی حافظ کی سوانح حیات کے عجائب میں سے ایک عجوبہ احمد بن قاسم بونی کی یہ بات بھی ہے کہ حافظ اپنی عمر کے آخری ایام میں مذہب مالکی کی طرف منتقل ہوگئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں یہ چیز حافظ ان حجر کی تحریر میں دیکھی ہے۔

لیکن مالکی مسلک اختیار کرنے کی بات زیادہ قرینۂ قیاس نہیں لگتی اور نہ ہی حافظ کی علمی، تحقیقی اور حق پسندی کی راہ سے میل کھاتی ہے۔ حافظ ابن حجر جیسا محقق اور من ذوی الاستقراء التام کی سیماب صفت سے متصف شخص تقلید جامد کی محدود فضا میں حق کی تلاش مسلک ومذہب کی ایک ڈالی سے دوسری ڈالی کی سیر کر کے کرے ایسا کچھ ممکن نہیں۔ اس لیے بلاتأمل یہ کہنا پڑتا ہے کہ شاید یہ بات ایک، دو یا چند مسائل تک محدود ہوگی۔ یعنی ان کی اجتہادی قوت نے ان مسائل میں مالکیہ کی رائے کے حق میں فیصلہ دیا ہوگا۔ چنانچہ عبدالحی کتانی نے احمد بن قاسم کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا ہے :

"**قلت : ولعل رجوعه فی مسئلة او مسئلتين**" یعنی میرا خیال ہے کہ حافظ کا مذہب مالک کی طرف رجوع ایک یا دو مسئلے میں ہوا ہوگا۔ عبدالحی کتانی کی اس توجیہہ پر ڈاکٹر شاکر محمد عبدالمنعم نے "**وهو كما قال**" (یعنی بات کچھ ایسی ہی ہے) کہہ کر مہر تائید ثبت کر دی ہے۔ (۴۴)

اس عنوان کے ضمن میں اپنے قارئین کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر جیسے محقق، مدقق اور اجتہادی صلاحیتوں کے حامل شخص کو تقلید جامد کے حصار میں قید کر کے ان پر شافعیت کا لیبل لگانا یا مذہبِ مالک کی طرف منتقلی کا ٹیکہ ان کے ماتھے پر چپکانا ان کی تبحر علمی اور بے پناہ وہبی قابلیتوں کے ساتھ ناانصافی اور بد دیانتی ہے۔ حافظ ابن حجر وہ زینہ ہیں جس کے بغیر اسماء رجال کی بالائی تک رسائی ممکن نہیں، فن مصطلح الحدیث آپ کے بحر بیکراں ہونے کا معترف اور آپ کی عدیم النظیر شاہکار تصنیف "فتح الباری" جملہ فنون میں آپ کی مہارت تامہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ صرف "فتح الباری" (جس کے بارے میں علماء کا خیال ہے کہ صحیح بخاری کی شرح کا قرض امت اسلامیہ کے سر سے اس کے بعد اترا ہے) ہی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپ میں اجتہادی صلاحیتیں اور اس کی جملہ شروط بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ خواہ جرح وتعدیل کے باب میں راوی کے ثقہ اور ضعیف ہونے کا حکم لگانا ہو یا کسی حدیث کی صحت وضعف پر بے لاگ تبصرہ ہو یا کسی فقہی مسئلہ میں اپنی رائے پیش کرنی ہو۔ ان سب میں حافظ اپنی امتیازی شان اور الگ پہچان رکھتے ہیں۔ اختلافی مسائل میں دلیل کا اتباع آپ کا شیوہ رہا ہے۔ متعارض ادلہ کا باریک بینی اور گہرائی سے دراسہ اور موازنہ کرنے کے بعد کتاب وسنت سے قریب ترین دلیل کی ترجیح آپ کی خصوصیت ہے۔ اگرچہ اس ترجیح سے مسلک شافعی پر ضرب اور بعض دیگر مسالک کی تائید ہی کیوں نہ ہو رہی ہو۔ اس لیے ان پر شافعیت کا لیبل چسپاں کرنے کے بجائے انہیں مجتہدین کے زمرے میں شمار کرنا چاہئے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شاکر محمود رقم طراز ہیں :

"**ان ادوات الاجتهاد قد اجتمعت لديه، وهو يقتدى بالائمة ولا يقلدهم وشتان ما بين الاثنين، فضلا**

عن تحريه للسنة النبوية وعلمه بدقائها، فهو يوازن بين الادلة وياخذ بأرجحها حتى وان لم توافق السادة الشافعية" (۴۵)

یعنی اجتہاد کی تمام صلاحیتیں حافظ میں مجتمع تھیں اور وہ ائمہ کی اقتدا کرتے تھے تقلید نہیں اور دونوں (اقتداءاور تقلید) میں نمایاں فرق ہے۔ مزید برآں وہ سنت نبویہ کے متلاشی اور اس کی باریکیوں سے واقف تھے۔ اس لیے وہ ادلہ کا موازنہ کر کے راجح ترین دلیل اپناتے تھے خواہ وہ شوافع حضرات کے ناموافق ہی کیوں نہ ہو۔

مؤلفین آثار السنن واعلاء السنن کا مسلک

مؤلف آثار السنن اور مؤلف اعلاء السنن کا مسلک حنفی ہے۔ جیسا کہ ان دونوں کتابوں کی تالیف کے پس منظر سے واضح ہوتا ہے۔

مؤلفین کا عقیدہ وفکر

مؤلف بلوغ المرام کا عقیدہ وفکر

حافظ ابن حجر عقیدہ کے باب میں سلفیت کے علمبردار تھے یا اشعریت کے ہم نوا؟ یہ مسئلہ علماء کے مابین ردوقدح اور بحث وتمحیص کا موضوع رہا ہے، علماء کا ایک طبقہ ان کے اشعری ہونے کا قائل ہے تو بعض باحثین نے ان کے سلفی العقیدہ ہونے کو اجاگر کیا ہے۔ لیکن ان کی تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد احقر اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ ان کے عقیدہ کی بابت سلفیت واشعریت کا دعوی افراط وتفریط کا شکار ہے۔ صفات کے باب میں مکمل طریقہ سے ان کے سلفی العقیدہ ہونے کا دعوی ان کی شان میں افراط کا نتیجہ ہے تو ان پر اشعریت کا لیبل لگانا ان کی شان میں تفریط کا غماز ہے۔ حق یہ ہے کہ صفات کے باب میں ان کے یہاں اشعریت کی خو بو پائی جاتی ہے "فتح الباری" میں جا بہ جا انہوں نے صفات فعلیہ کی تاویل کا راستہ اختیار کیا ہے۔ جس پر علامہ شیخ ابن باز حفظہ اللہ وتولاہ نے ان کا تعاقب کر کے صحیح سلفی عقیدہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ لیکن اسی "فتح الباری" میں جا بہ جا صفات ہی کے باب میں انہوں نے سلفی عقیدہ کی تائید کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکمل طریقہ سے اشعری نہیں تھے۔ ان مواضع کو قدرے تفصیل کے ساتھ ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ (۴۶)

اسماء حسنی

اللہ تعالیٰ کے "اسماء حسنی" کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ یہ سب توقیفی ہیں اور جو چیزیں قرآن کریم میں نہیں ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موسوم کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی دعا "اشف انت الشافي، لا شافي الا انت" کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله "انت الشافي" يؤخذ منه جواز تسمية الله تعالىٰ بما ليس في القرآن، بشرطين : احدهما : ان لا يكون في ذلك مايوهم نقصا. والثاني. ان يكون له اصل في القرآن، وهذا من ذلك، فان في القرآن : "و اذا مرضت فهو يشفين.(۴۷)" (۴۸)

آپ کے قول "انت الشافی" سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کرنا جو قرآن میں نہیں

ہیں دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ (۱) اس میں اللہ تعالیٰ کی تنقیص نہ ہو (۲) اس کی اصل قرآن میں موجود ہو اور یہ اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ قرآن میں موجود ہے "واذا مرضت فھو یشفین" اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔

صفاتِ عظمیٰ

اللہ تعالیٰ کے "صفات عظمیٰ" کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام بیہقی اور ائمہ سنت کی ایک جماعت نے قرآن اور احادیث صحیحہ میں مذکور تمام صفات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

اول صفات ذاتیه

جس سے اللہ تعالیٰ ازل سے متصف ہے اور ابد تک متصف رہے گا۔

دوم صفات فعلیه

اس سے مراد وہ صفات ہیں جو گاہے بہ گاہے پائی جاتی ہیں جیسے نزول و مجئی وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کو صرف ان صفات سے متصف کرنا جائز ہے جن پر کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی دلیل ہو۔

پھر ان میں سے بعض وہ صفات ہیں جن کے ساتھ عقل کی دلالت بھی شامل ہے۔ جیسے صفاتِ ذات میں سے حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر اور کلام اور صفاتِ فعل میں سے خلق، رزق، جلانا، مارنا، عفو اور عقوبت۔

اور بعض وہ ہیں جو کتاب و سنت کے نصوص سے ثابت ہیں جیسے صفاتِ ذات میں سے وجہ، ید، عین اور صفاتِ فعل میں سے استواء، نزول اور مجئی۔ حدیث میں ثابت ہونے کی وجہ سے ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے طریقہ پر ثابت ماننا جائز ہے جس سے تشبیہ کی نفی ہو۔ (۴۹)

اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا

اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نزول فرمانے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"نزول" کے معنی کے سلسلہ میں چند اقوال ہیں: بعض لوگوں نے اسے اس کے ظاہر اور حقیقت پر محمول کیا ہے اور وہ "مشبہہ" ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بات سے بلند ہے اور بعض نے صفات کے باب میں وارد شدہ تمام احادیث کی صحت کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور خوارج ہیں اور ان کا یہ انکار محض مکابرہ اور کٹ حجتی ہے۔ تعجب ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ میں وارد شدہ صفات کی تو تاویل کی ہے اور حدیث میں وارد شدہ صفات کا انکار کیا ہے، خواہ جہالت کی بنا پر ہو یا بغض و عناد کے سبب اور بعض لوگ اسے وارد شدہ چیز پر محمول کر کے اس پر بطریق اجمال ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو "کیف" اور "تشبیہ" سے پاک رکھتے ہیں۔ جمہور سلف اسی کے قائل ہیں اور امام بیہقی وغیرہ نے ائمہ اربعہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، اوزاعی اور لیث وغیرہ سے یہی نقل کیا ہے۔

کچھ مزید اقوال نقل کرنے کے بعد امام بیہقی کا درج ذیل قول ذکر کرتے ہیں:

اور محفوظ ترین طریقہ بلا کیفیت کے ایمان لانا اور معنی مراد کے بارے میں سکوت اختیار کرنا ہے۔ الا یہ کہ اس سلسلہ

میں "صادق" (علیہ السلام) کی طرف سے کوئی چیز ثابت ہو تو اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معین تاویل غیر ضروری ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کی کیفیت اللہ کے سپرد کرنا زیادہ محفوظ راستہ ہے۔ (۵۰)

دوسری جگہ مختلف آراء اور حدیث کے مختلف طرق وغیرہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: "**والتسلیم اسلم**" یعنی صفات کا تسلیم کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (۵۱)

استواء علی العرش

اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے بارے میں ائمہ کے درج ذیل اقوال نقل کرتے ہیں:

امام اوزاعی سے (**ثم استوی علی العرش**) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا "**ھو کما وصف نفسه**" وہ ویسے ہی ہے جیسے اس نے اپنے آپ کو بیان کیا ہے۔

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ ہم امام مالک کے پاس موجود تھے۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: ابو عبداللہ! (**الرحمٰن علی العرش استوی**) میں اللہ تعالیٰ کیسے مستوی ہوا؟ اس پر امام مالک نے اپنا سر جھکا لیا اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور کہا: (**الرحمن علی العرش استوی**) **کما وصف به نفسه، ولا یقال کیف؟ وکیف عنه مرفوع، وما اراك الا صاحب بدعة، اخرجوه.** یعنی رحمٰن کا عرش پر مستوی ہونا ویسا ہی ہے جیسا اس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔ اس بارے میں "کیف"، یعنی کیسے ہوا؟ نہیں کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی بابت "کیف"، یعنی ایسا کیسے؟ کا امت کو مکلّف نہیں بنایا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تو بدعتی ہے۔ اسے یہاں سے نکال دو۔

ابوداؤد طیالسی کہتے ہیں: سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، شریک اور ابو عوانہ، نہ اللہ تعالیٰ کو حیز میں مانتے تھے، نہ اسے تشبیہ دیتے تھے اور اس قسم کی احادیث روایت کرتے تھے اور اس سلسلہ میں "کیف" (یعنی کیسے مستوی ہوا؟) کی کوئی بات نہیں چھیڑتے تھے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں: یہی ہمارا قول ہے۔

امام بیہقی کہتے ہیں: "**وعلی ھذا مضی اکابرنا**" ہمارے اکابر اسی طریقہ پر چلے ہیں۔

امام محمد حسن شیبانی کہتے ہیں: مشرق سے مغرب تک تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ رب العالمین کی صفت کے بارے میں جو قرآن اور بطریق ثقات رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ احادیث میں ہے، اس پر بغیر تشبیہ و تاویل کے ایمان لانا ضروری ہے۔ لہٰذا جس شخص نے ان میں سے کسی چیز کی تاویل کی اور جہمیہ جیسی بات کہی وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی جماعت سے خارج ہو گیا اور اہل سنت وجماعت سے نکل گیا اور ولید بن مسلم کے طریق سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ انہیں ان کی اصل پر بلا کیف کے باقی رکھو۔ امام شافعی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے نام اور صفات ہیں جن کو رد کرنے کی کسی کو گنجائش نہیں ہے اور جس نے حجت ثابت ہونے کے بعد اس کی مخالفت کی تو وہ کافر ہو گیا۔ البتہ قیام حجت سے پہلے جہالت کی بنا پر وہ معذور سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس کا علم عقل اور غور و فکر سے نہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم ان صفات کو ثابت مانیں گے اور اللہ تعالیٰ سے تشبیہ کی نفی کریں گے۔ جیسا کہ اس نے خود اپنی ذات سے تشبیہ کی نفی کی ہے۔ چنانچہ فرمایا

(لیس کمثله شئی) یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں جن صفات سے اپنے کو متصف کیا ہے، ان کی تفسیر، ان کی تلاوت کرنا اور ان کے معنی یعنی کیفیت کے بارے میں سکوت اختیار کرنا ہے۔

امام ترمذی نزول کے سلسلہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ عرش پر ویسے ہی ہے جیسا اس نے اپنی کتاب میں اپنے کو اس سے متصف کیا ہے۔ اس حدیث اور اس کے مشابہ دوسری حدیثوں کے بارے میں بہت سے اہل علم نے اسی طرح کی بات کہی ہے اور "باب فضل الصدقة" کے اندر کہتے ہیں: یہ سب روایتیں ثابت ہیں، لہٰذا ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی وہم میں مبتلا نہیں ہوتے ہیں اور "کیف" سے سوال بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

امام مالک، ابن عیینہ اور ابن مبارک سے اسی طرح منقول ہے اور اہل سنت وجماعت کے علماء اسی کے قائل ہیں، لیکن جہمیہ نے ان کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تشبیہ ہے۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اہل سنت وجماعت کتاب وسنت میں وارد صفات باری کے اقرار پر متفق ہیں اور ان میں سے کسی کی کیفیت کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن جہمیہ، معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ جو ان صفات کا اقرار کرتا ہے وہ اللہ کو تشبیہ دینے والا ہے اور جنہوں نے ان صفات کا اقرار کیا ہے انہوں نے خوارج ومعتزلہ اور جہمیہ کو معطلہ سے موسوم کیا ہے۔

امام الحرمین "الرسالة النظامیه" میں لکھتے ہیں کہ ان ظاہری صفات کے بارے میں علماء کے مسالک مختلف ہیں۔ بعض لوگ ان کی تاویل کے قائل ہیں۔ البتہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں تاویل کا التزام کیا ہے اور ائمہ سلف کا مذہب تاویل سے باز رہنا اور ان صفات کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا اور ان کے معانی کو اللہ کے سپرد کرنا ہے اور ہم جو رائے پسند کرتے ہیں اور جو عقیدہ اختیار کرتے ہیں وہ سلف امت کا اتباع ہے۔ کیونکہ اجماع امت کے حجت ہونے پر قطعی دلیل ہے اور اگر ان ظاہری صفات کی تاویل ضروری ہوتی تو وہ شریعت کے فروعی مسائل سے بڑھ کر ان کا اہتمام کرتے۔ پس جب صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور تابعین (رحمہم اللہ) کا دور تاویل سے کنارہ کشی پر ختم ہو گیا تو یہی طریقہ قابل اتباع ٹھہرا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"وقد تقدم النقل عن اهل العصر الثالث وهم فقهاء الامصار كالثوری والاوزاعی ومالك والليث ومن عاصرهم، وكذا من اخذ عنه من الائمة، وكيف لايوثق بما اتفق عليه اهل القرون الثلاثة، وهم خيرالقرون بشهادة صاحب الشريعة" (۵۲) یعنی تیسرے دور والے مثلاً ثوری، اوزاعی، مالک، لیث اور ان کے معاصرین، اسی طرح ان سے علم حاصل کرنے والے ائمہ کے مذاہب پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ پھر اس بات پر اعتماد کیسے نہیں کیا جا سکتا جس پر تینوں دور کے فضلاء متفق ہیں۔ جن کے "خیر القرون" ہونے کی شہادت خود صاحب شریعت (رسول اللہ ﷺ) نے دی ہے۔

مذکورہ بالا امور کے مقابلہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض صفات فعلیہ کی تاویل بھی کی ہے۔ مثلاً الضحک، العجب وغیرہ۔ تاویل کی مثالیں بھی "فتح الباری" میں کچھ کم نہیں ہیں۔ جس کے باعث راقم کو یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ان کے اندر اشعریت کی خوبو پائی جاتی تھی۔ اور شاید یہ ماحول اور زمانہ کا اثر ہو۔ واللہ اعلم۔

مؤلفین آثارالسنن واعلاء السنن کا عقیدہ و فکر

حافظ ابن حجر کا عقیدہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔ رہا معاملہ مؤلف آثار السنن اور مؤلف اعلاء السنن کے عقیدہ و فکر کا تو عقائد میں اکثر حنفی علماء ماتریدی ہوتے ہیں۔ اور صفات باری تعالیٰ میں تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جس سے تعطیل لازم آتی ہے۔ مذکورہ بالا دونوں مؤلفین بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

اسی طرح تصوف کے باب میں بھی احناف کے یہاں چاروں سلسلوں میں سے کسی سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ کوئی حنفی یا تو قادری ہو یا نقشبندی یا چشتی یا سہروردی۔ واللہ اعلم۔

۳۔ تینوں تالیفات کا پس منظر

"بلوغ المرام" کی تالیف کا مقصد احادیث کی روشنی میں فقہی احکام کی تدوین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم نے "ابن حجر العسقلاني ودراسة مصنفاته" میں اور عبدالستار الشیخ نے "الحافظ ابن حجر العسقلاني۔ امير المومنين في الحديث" میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تالیفات میں "بلوغ المرام" کا ذکر "کتب فقہ" کے ضمن میں کیا ہے۔

اس کے برخلاف "آثار السنن" اور "اعلاء السنن" کی تالیف کا مقصد مسلک حنفی کی تائید اور اس کا دفاع ہے۔

ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ تینوں تالیفات کا پس منظر اور ان کا مقصد ذکر کرتے ہیں:

بلوغ المرام کی تالیف کا پس منظر

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام سخاوی رحمہ اللہ نے "بلوغ المرام" کے سببِ تالیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان من الاسباب التي دفعته الى تصنيف هذا الكتاب حرصه على ان يحفظه ولده الوحيد بدرالدين ابو المعالي محمد، الا انه لم يحفظ منه الا اليسير." (۵۳)

جن اسباب نے انہیں اس کتاب کی تالیف پر آمادہ کیا ان میں سے ایک ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ ان کا اکلوتا بیٹا بدرالدین ابوالمعالی محمد اس کتاب کو یاد کرلے۔ مگر ان کے بیٹے نے اس کتاب کا تھوڑا ہی حصہ یاد کیا۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خود کتاب کے مقدمہ میں اس کتاب کا موضوع اور اس کی تالیف کی غرض وغایت واضح طور پر بیان کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

" اما بعد: فهذا مختصر يشتمل على اصول الادلة الحديثية للاحكام الشرعية، حررته تحريرا بالغا، ليصير من يحفظه من بين اقرانه نابغاً" ويستعين به الطالب المبتدى، ولا يستغني عنه الراغب المنتهي، وقد بينت عقب كل حديث من اخرجه من الائمة، لإرادة نصح الأمة." (٥٤)

فن حدیث کی یہ مختصر کتاب شرعی احکام کے حدیثی دلائل پر مشتمل ہے۔ میں نے اس میں بڑی جانفشانی سے کام لیا ہے۔ تاکہ اسے یاد کرنے والا شخص اپنے ہم عصروں پر فوقیت لے جائے اور حدیث کا ابتدائی طالب علم اس سے مدد حاصل

کرے۔ ساتھ ہی ساتھ حدیث کا خواہش مند منتہی طالب علم بھی اس سے بے نیاز نہ رہے۔ میں نے امت کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت ہر حدیث کے آخر میں اس کی تخریج کرنے والے ائمہ کے نام بھی بیان کر دئیے ہیں۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے پیش نظر حدیث کا ایک ایسا مختصر مجموعہ تیار کرنا تھا جو احکامِ شرعیہ کے حدیثی دلائل پر مشتمل اور قابل حفظ ہو۔ ان کے سامنے کسی مسلک کی تائید یا مخالفت نہیں تھی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بلوغ المرام کی تالیف سے ۱۱؍ ربیع الاول ۸۲۸ھ کو فارغ ہوئے۔ (۵۵)

آثار السنن کی تالیف کا پس منظر

ڈاکٹر عتیق الرحمٰن ''آثار السنن'' کی تالیف کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''دوران مطالعہ انہوں نے (مولانا شوق نیموی) محسوس کیا کہ تمام مدارس اسلامیہ میں زیادہ تر حدیث کے وہی مجامع پڑھائے جاتے ہیں جو شافعی یا حنبلی علمائے حدیث کے مرتب کئے ہوئے ہیں اور ان لوگوں نے اپنے اپنے مسلک کو سامنے رکھتے ہوئے صحیح احادیث مرتب کی ہیں۔ اسی وجہ سے عام طور پر طلباء انہیں کے مسلک کو صحیح سمجھتے ہیں اور مسلک احناف کو کمزور سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ اسی جذبے کے تحت علامہ نیموی نے ہندو بیرون ہند کے مختلف شہروں کا سفر کیا اور جس قدر کتب احادیث دستیاب ہو سکیں انہیں یکجا کیا یا ضروری مواد حاصل کئے اور پھر نہایت دیدہ ریزی اور محنت شاقہ کے بعد ایک کتاب مرتب کی جس کا نام انہوں نے آثار السنن رکھا۔ اس کتاب میں انہوں نے ان تمام صحیح احادیث وروایات کو جمع کیا جو مسلک احناف کی مؤید ہیں'' (۵۶)

مولانا شوق نیموی رحمہ اللہ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرشید لکھتے ہیں:

''حضرت والدی علام ادخلہ اللہ دار السلام اپنی بعض مؤلفات میں تحریر فرماتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حدیث میں پہلے بلوغ المرام۔ یا مشکوۃ شریف پڑھائی جاتی ہے۔ اور ان کے مؤلف شافعی المسلک تھے، ان کتابوں میں زیادہ تر وہی حدیثیں ہیں، جو مذہب امام شافعی کے مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معلم در پردہ غیر مقلد ہوتے ہیں۔ بیچارے اکثر طلبہ یہ ابتدائی کتابیں پڑھ کر مذہب حنفی سے بد عقیدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر صحاح ستہ کی نوبت آتی ہے تو ان کے خیالات اور بدل جاتے ہیں۔ علمائے حنفیہ نے کوئی ایسی کتاب قابل درس تالیف ہی نہیں کی کہ جس میں مختلف کتب احادیث کی وہ حدیثیں ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو۔ پھر بیچارے طلبہ ابتدا میں پڑھیں تو کیا اور ان کے عقائد درست رہیں تو کیونکر؟ آخر بیچارے مقلد نہ ہوں تو کیا ہوں۔ فقیر نے انہیں خیالات سے حدیث شریف میں آثار السنن نام ایک کتاب بنائے تالیف ڈالی ہے۔ انتھی کلام والدی'' (۵۷)

اعلاء السنن کی تالیف کا پس منظر

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ ''مقدمہ اعلاء السنن قواعد فی علوم الحدیث'' کے مقدمہ میں ''اعلاء السنن'' کی تالیف کا درج ذیل سبب بیان کرتے ہیں:

"تقریباً اس صدی(۵۸) کے نصف سے ہندوستان میں بعض لوگوں کی طرف سے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں ایک آواز اٹھی ہے۔ ان لوگوں کا دعوی ہے کہ حنفیہ کا مذہب جو اس وسیع و عریض ملک کے جمہور مسلمانوں کا مذہب ہے، بہت سے مسائل میں احادیث نبویہ کے خلاف ہے۔ اسی طرح ان کا یہ بھی دعوی ہے کہ حنفیہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔ نیز یہ لوگ ائمہ متبوعین کی تقلید کے منکر ہیں اور انہوں نے فقہ حنفی خصوصاً امام ابو حنیفہ کے سلسلہ میں زبانِ طعن دراز کی ہے۔

اس لیے اس ملک کے بہت سے بلند پایہ علماء نے ان کے کھوکھلے دعووں کا تعاقب کیا اور بہت سی محقق تالیفات کے ذریعہ اس دعوی کو باطل قرار دیا اور ان میں اس بات کو واضح کیا کہ حنفیہ اپنی فقہ میں احادیث سے استناد کرتے ہیں اور حدیث حتی کہ حدیثِ ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں اور قیاس اپنے شروط کے ساتھ ان شرعی دلائل میں سے ہے جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہ کہ حنفیہ سنت سے استدلال کرنے اور اس سے تمسک کرنے میں اگر دوسرے ائمہ سے آگے نہیں تو ان سے کم بھی نہیں ہیں۔

اس مقصد کے لیے تالیف کردہ بہتر کتابوں میں سے یہ کتاب ہے، جس کی تالیف ہمارے شیخ نے ۱۳۴۴ھ میں کی ہے اور اسے اپنی عجیب و غریب، نفع بخش، بڑی کتاب "اعلاء السنن" کا مقدمہ قرار دیا ہے۔ جو اپنے دونوں مقدموں کے ساتھ بیس اجزاء پر مشتمل ہے۔ اسے فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے اور اس میں باب الطہارۃ سے تمام فقہی ابواب کے خاتمہ تک مذہب احناف کے مطابق سارے ابواب کے پورے دلائل بیان کر دئے ہیں۔(۵۹)

اور اعلاء السنن کی تالیف کے محرک اور اس کے بانی مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الحمد للہ خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) میں ایک عظیم کام کا ظہور ہوا ہے۔ ہندوستان کے بڑے علمی اور دینی مراکز میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور وہ عظیم کام ہر باب کے اختلافی مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ کی مؤید حدیثوں کو اکٹھا کرنا ہے اور اس سلسلہ کا نام "اعلاء السنن" ہے۔"

ان احادیث سے عدم واقفیت کی بنا پر عمل بالحدیث کی دعویدار اور فقہاءِ عالی مقام کی تقلید کی منکر جماعتِ حشویہ کے علاوہ خود بہت سے احناف اس خیال میں مبتلا ہو گئے کہ ان فقہاء کا مذہب خصوصاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بہت سے مسائل میں حدیث کے خلاف ہے۔

اس اہم کتاب کی تالیف سے لوگوں کے لیے عموماً اور علماء کے لیے خصوصاً واضح ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل میں سے کوئی مسئلہ کتاب و سنت کے مخالف نہیں ہے"(۶۰)

٤۔ تینوں مؤلفات کی فنی حیثیت

اس سلسلہ میں اگر عدل و انصاف اور امانت و دیانت کے ساتھ گروہی تعصب سے بالاتر ہو کر ان تینوں کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تالیف "بلوغ المرام" فنی اعتبار سے انتہائی معیاری کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے مختلف ابواب کے تحت صحیح احادیث ذکر کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں بوجہ مجبوری ضعیف حدیث ذکر کی ہے تو محدثین

کے اصول کے مطابق اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے جمع احادیث میں کسی مخصوص فقہ کی پابندی نہیں کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں بلوغ المرام کو مستند اور علمی دنیا میں معتبر بنادیتی ہیں۔

رہا معاملہ آثار السنن اور اعلاء السنن کا تو ان دونوں کتابوں کے مؤلفین کے لیے سب سے بڑی ذہنی مجبوری یہ تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے فقہ حنفی کے پابند تھے، انہیں اپنے فقہی گھروندے سے باہر نکلنا بالکل پسند نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں مؤلفین نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ وہ احادیث اکٹھا کی ہیں، جن سے فقہ حنفی کی تائید ہوتی ہے۔ ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں شیخ صالح الفلانی المدنی کے درج ذیل قول کے مصداق ہیں:

"تری بعض الناس اذا وجد حدیثا یوافق مذھبه فرح به وانقاد له وسلم. وان وجد حدیثا صحیحا سالما من المعارضة والنسخ مؤید المذھب غیر امامه فتح له باب الاحتمالات البعیدة وضرب عنه الصفح والعارض ویلتمس لمذھب امامه اوجھا من الترجیح مع مخالفته للصحابة والتابعین والنص الصریح"(۶۱)

آپ بعض لوگوں کو دیکھیں گے کہ جب وہ کوئی حدیث اپنے مذہب کے موافق پاتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور اس پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اگر اپنے امام کے علاوہ دیگر مذاہب کی مؤید کوئی صحیح اور تعارض و نسخ سے محفوظ حدیث پاتے ہیں تو بعید از کار احتمالات کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور اس سے مکمل طریقہ سے روگردانی کر لیتے ہیں اور اپنے امام کے مذہب کے لیے وجوہ ترجیح کی تلاش میں لگ جاتے ہیں باوجودیکہ ان کے امام کا مذہب صحابۂ کرام، تابعین عظام اور نص صریح کے مخالف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کہیں تو صحیح حدیثوں کی تاویل کی اور کہیں ان کی تضعیف کی۔ اس صورت حال نے دونوں کتابوں کی استنادی حیثیت کو حد درجہ مشکوک بنادیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم صرف ایک مثال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "آمین بالجھر" سے متعلق درج ذیل صحیح حدیث نقل کی ہے اور اس کی شاہد یعنی ہم معنی حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے:

"عن ابی ھریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان رسول الله ﷺ اذا فرغ من قراة ام القران، رفع صوته وقال: آمین" رواہ الدار قطنی وحسنه والحاکم وصححه. ولابی دائود والترمذی من حدیث وائل بن حجر نحوہ. (۶۲)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۂ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا اور حسن کہا اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا ہے اور ابوداؤد اور ترمذی میں وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سے اسی طرح (مروی) ہے۔

اور مولانا شوق نیموی رحمہ اللہ نے "باب الجھر بالتامین" کے تحت درج ذیل چار حدیثیں نقل کی ہیں:

۱- عن علقمة بن وائل عن وائل عن ابیه قال: کان رسول الله ﷺ اذا قرأ ولا الضالین، قال: آمین، رفع بھا صوته. رواہ ابو دائود والترمذی وآخرون، وھو حدیث مضطرب.

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول ﷺ جب "ولا الضالین" پڑھتے تو اونچی

آواز سے آمین کہتے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور دوسرے ائمہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث مضطرب ہے۔

۲-عن ابی هريرة قال : كان رسول اللهﷺ اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته وقال: آمين. رواه الدار قطنى والحاكم وفى اسناده لين.

ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۂ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ اسے دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں "لین" ہے۔

۳-عن ابی عبدالله بن عم ابی هريرة عن ابی هريرة قال : ترك الناس التامين، وكان رسول اللهﷺ اذا قال غير المغضوب عليهم ولاالضالين، قال : آمين، حتى يسمع اهل الصف الاول، فيرتج المسجد، رواه ابن ماجه واسناده ضعيف.

ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے چچازاد بھائی ابو عبداللہ سے مروی ہے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ جب "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" پڑھتے تو آمین کہتے۔ یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے اور مسجد گونج جاتی۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

۴- عن ام الحصين انها صلت خلف رسول اللهﷺ فلما قال : ولاالضالين قال : آمين، فسمعته وهى فى صف النساء، رواه ابن راهويه فى مسنده والطبرانى فى الكبير وفيه اسماعيل بن مسلم المكى، وهو ضعيف.

قال النيموى : "لم يثبت الجهر بالتامين عن النبىﷺ ولا عن الخلفاء الاربعة، وما جاء فى الباب فهو لا يخلو من شئى"(۶۳)

ام الحصین سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صلاۃ ادا کی۔ جب آپ نے "**ولاالضالين**" کہا تو آمین پکارا۔ جسے انہوں نے عورتوں کی صف میں سنا۔ اسے ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے "الکبیر" میں روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم مکی ضعیف راوی ہے۔

نیموی کہتے ہیں "آمین بالجہر نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے نہ خلفاء اربعہ سے۔ اس باب میں جو حدیثیں بھی مروی ہیں وہ عیب سے خالی نہیں ہیں۔"

اسی طرح مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "**باب ماجاء فى سنية التامين والإخفاء بها**" کے تحت درج ذیل چار حدیثیں نقل کی ہیں:

۱- عن ابی هريرة رضى الله عنه ان رسول اللهﷺ قال : اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولاالضالين، فقولوا : آمين، فانه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه. رواه البخارى. (۱-۱۰۸)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" کہے تو تم آمین کہو۔ اس لیے کہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہوگا اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۲-عن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه فی حدیث طویل قال : ان رسول الله ﷺ خطبنا، فبین لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا، فقال : اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم، فاذا کبر فکبروا واذا قال : غیر المغضوب علیهم ولاالضالین فقولوا: آمین، یجبکم الله-رواہ مسلم(۱-۱۷۴)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا تو آپ نے ہمارے لیے سنتیں بیان کیں اور ہمیں صلاۃ کی تعلیم دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب تم صلاۃ ادا کرو تو اپنی صفیں سیدھی کر لو، پھر تم میں سے کوئی تمہاری امامت کرائے اور جب امام اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ "غیر المغضوب علیهم ولاالضالین" کہے تو تم آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مراد پوری کرے گا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۳-عن ابی هریرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : اذا قال الامام غیر المغضوب علیهم ولاالضالین فقولوا :آمین، فان الملائكة تقول : آمین وان الامام یقول : آمین فمن وافق تامینه تامین الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه. رواه احمد والنسائی والدارمی واسناده صحیح. "آثار السنن" (۱-۱۹۱)ورواه ابن حبان فی صحیحه "زیلعی" (۱-۱۹٤)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام "غیر المغضوب علیهم ولاالضالین" کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ اس لیے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے موافق ہوگا۔ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اسے احمد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے "آثار السنن" اور اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ "زیلعی"

۴- عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال : اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامینه تامین الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه. رواه البخاری (۱-۱۰۸) قال ابن شهاب : وكان رسول الله ﷺ یقول: آمین. ۱ ھـ وهذا مرسل.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو۔ اس لیے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے موافق ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ابن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ آمین کہتے تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

اس کے بعد کچھ آثار ذکر کر کے علقمہ بن وائل عن ابیہ والی حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے:

"انه صلی مع رسول الله ﷺ فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال : آمین واخفی بها صوته" رواه احمد وابوداؤد الطیالسی وابویعلی الموصلی فی "مسانیدهم" والدار قطنی فی "سننه" والحاكم فی "المستدرك" واخرجه فی كتاب القراة ولفظهٗ وخفض بها صوته. وقال : حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه. ۱ھـ "زیلعی" (۱-۱۹۴)

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلاۃ ادا کی۔ جب آپ "غیر المغضوب علیهم والضالین" پر پہونچے تو آہستہ سے آمین کہا۔ اسے احمد، ابوداؤد طیالسی اور ابو یعلی موصلی نے اپنے "مسانید" اور دار قطنی نے اپنی "سنن" اور حاکم نے اپنی "مستدرک" میں روایت کیا ہے اور حاکم نے کتاب القراۃ میں اس کی تخریج بایں الفاظ کی ہے۔ "وخفض بها صوته" یعنی آواز پست رکھی اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

پھر ابوسکن حجر بن عنبس الثقفی کے واسطے سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کے بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے۔ مگر اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۶۴)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف آثار السنن اور مؤلف اعلاء السنن نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے کتنا پاپڑ بیلا ہے۔ آمین بالجہر کی تمام روایتوں کو ضعیف، لین، مضطرب وغیرہ کہہ کر رد کیا ہے اور مولانا نیموی نے تو الگ سے "باب ترك الجهر بالتامين" کے تحت آیت کریمہ "ادعوا ربكم تضرعا وخفية" (٦٥) یعنی تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ سے اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث "كان رسول الله ﷺ يعلمنا يقول : لا تبادروا الامام، اذا كبر فكبروا واذا قال ولاالضالين فقولوا: آمين" رواه مسلم یعنی رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ امام سے جلدی نہ کرو۔ جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ "ولا الضالين" کہے تو تم آمین کہو۔ سے آمین بالجہر کے ترک پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"قال النيموى : يستفاد منه ان الامام لا يجهر بآمين."(٦٦)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام زور سے آمین نہ کہے۔

اور مؤلف اعلاالسنن نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کی تخریج امام بخاری نے اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے، سے "اخفاء آمین" پر استدلال کیا ہے۔

جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "اذا امن الامام فامنوا" اور بعض آثار سے امام کے آمین بالجہر کہنے پر استدلال کیا ہے۔(٦٧)

اسی طرح ابوہرہرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "اذا قال الامام (غير المغضوب عليهم والضالين) فقولوا : آمين" سے مقتدی کے آمین بالجہر کہنے پر استدلال کیا ہے۔(٦٨)

آمین بالجہر کی جن حدیثوں کو ان دونوں حضرات نے ضعیف، لین اور مضطرب قرار دیا ہے، ان کی نقاد حفاظ نے تصحیح کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے وائل بن حجر کی حدیث کے بارے میں کہا ہے:

"سندہ صحیح" اور دار قطنی نے بھی صحیح کہا ہے۔(٦٩)

اسی طرح آمین بالجہر کی حدیث کی صحت کے بہت سے ائمہ احناف بھی قائل ہیں: ان میں سے بعض مثلاً علامہ ابن الترکمانی جہری اور سری دونوں حدیثوں کی صحت کے قائل ہیں۔ جب کہ بعض نے (جن میں علامہ سراج احمد سرہندی اور علامہ شیخ عبدالحق دہلوی قابل ذکر ہیں) "حدیث جہر" کو اصح قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں "احاديث الجهر

بالتامین اکثر واصح" زور سے آمین کہنے کی حدیثیں زیادہ اور اصح ہیں۔

اور علامہ شیخ عبدالحق دہلوی مشکوۃ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"آمین بالجہر کی احادیث اکثر اور اصح ہیں۔"

اور علامہ ابن امیر الحاج آمین بالجہر کو راجح قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "سنت میں وارد احادیث سے دونوں مذہبوں کی شہادت ملتی ہے اور ہمارے مشائخ نے جن احادیث سے اپنے مذہب کو راجح قرار دیا ہے وہ غور وفکر کرنے والے کے لیے ضعف سے خالی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شیخ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اگر میرے اختیار میں کوئی چیز ہوتی تو میں یہ تطبیق دیتا کہ "خفض" والی روایت سے مراد ہے بہت سخت اونچی آواز میں نہ کہنا اور جہر کی روایت کا معنی ہے اونچی آواز سے کہنا۔

اور مولانا عبدالحی بھی آمین بالجہر کی ارجیت کے ہم نوا ہیں وہ لکھتے ہیں:

لقد طفنا كما طفتم سنينا بهذا البيت طرا أجمعينا

فوجدنا بعد التأمل والإمعان ان القول بالجهر "آمين" هو الاصح، لكونه مطابقاً لما روى عن سيد بنى عدنان، ورواية الخفض عنه ﷺ ضعيفة لا توازى روايات الجهر، ولو صحت وجب ان تحمل على عدم القرع العنيف، كما اشار اليه ابن الهمام. واى ضرورية داعية الى حمل روايات الجهر على بعض الاحيان، او الجهر للتعليم مع عدم ورود شئى من ذلك فى رواية، والقول بأنه كان فى ابتداء الأمر اضعف، لان الحاكم قد صححه من رواية وائل بن حجر، وهو انما اسلم فى أواخر الامر، كما ذكره ابن حجر فى فتح البارى، واما اثر ابراهيم النخعى ونحوه، فلا توازى الروايات المرفوعة."

جس طرح آپ لوگوں نے اس گھر (آمین کہنے کے باب) کا چکر لگایا اسی طرح ہم نے بھی کئی سالوں تک اس مکمل گھر کا چکر لگایا، غور وفکر کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ آمین زور سے کہنا اصح ہے۔ کیونکہ یہ بنی عدنان کے سردار (رسول اللہ ﷺ) سے مروی حدیث کے موافق ہے اور آپ ﷺ سے پست آواز سے آمین کہنے کی روایت ضعیف ہے، بلند آواز سے آمین کہنے کی روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو اسے آواز کے بہت اونچی نہ ہونے پر محمول کرنا ضروری ہوگا، جیسا کہ اس کی طرف ابن الہمام نے اشارہ کیا ہے اور "جہر" کی روایات کو بعض اوقات پر یا تعلیم کے لیے محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ کسی روایت میں اس قسم کی بات مروی نہیں ہے اور یہ کہنا کہ بلند آواز سے آمین کہنا ابتداء اسلام میں تھا ضعیف تر ہے، اس لیے کہ حاکم نے وائل بن حجر کی روایت سے اسے صحیح کہا ہے اور وہ آپ کے آخری دور میں اسلام لائے ہیں جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ رہا ابراہیم نخعی وغیرہ کا اثر تو وہ مرفوع روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اور "التعليق الممجد" میں فرماتے ہیں:

"الانصاف ان الجهر قوى من حيث الدليل" (۷۰) انصاف کی بات یہ ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

وروى البيهقى من وجه آخر عن عطاء، قال: ادركت مائتين من اصحاب رسول الله ﷺ فى هذا

المسجد، اذا قال الامام : "ولا الضالين" سمعت لهم رجة بآمين.(۷۱)

امام بیہقی نے ایک دوسری سند سے عطاء سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد (نبوی) میں دو سو صحابہ کرام کو پایا کہ جب امام "ولا الضالین" کہتا تو ان کے آمین کی گونج سنائی دیتی۔

مولانا نیموی نے خود اعتراف کیا ہے کہ "رفع بها صوته" والی حدیث متعدد علماء کے نزدیک صحیح ہے۔ چنانچہ "التعلیق الحسن" میں لکھتے ہیں:

"ان هذا الحديث وان كان صحيحا عند غير واحد من اهل العلم لكنه عند التحقيق ضعيف بالاضطراب"(۷۲)

یہ حدیث اگرچہ متعدد علماء کے نزدیک صحیح ہے لیکن تحقیق کے روسے مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۵۔ مولفین کی اعتدال پسندی یا عصبیت

تینوں تالیفات کے پس منظر ہی سے ان کے مزاج اور اعتدال پسندی یا عصبیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بلوغ المرام تصنیفی اعتدال اور توازن سے متصف ہے جبکہ آثار السنن اور اعلاء السنن تعصب و تنگ نظری کی آئینہ دار ہیں۔

اپنے اسلاف کے مانند حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ تمسک بالکتاب والسنۃ اور حدیث رسول کی عدم مخالفت کی صفت سے متصف نظر آتے ہیں۔ بلکہ جو لوگ حدیث کے خلاف حیلہ جوئی یا اس کی مخالفت کرتے ہیں ان پر وہ ماتم کناں نظر آتے ہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری کی "کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة" کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ کے ایک ترجمۃ الباب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قوله (فاذا عزم الرسول ﷺ لم يكن لبشر التقدم على الله ورسوله) سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مشورہ کے بعد مشورہ کیے ہوئے کام کے کرنے کا ارادہ کر لیں اور اس کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیں تو کسی بھی شخص کو اس کے خلاف مشورہ دینے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ آیت حجرات میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی ممانعت وارد ہے اور آیت مشورہ (۷۳) اور آیت حجرات کے درمیان تطبیق سے یہ بات ظاہر ہے کہ مشورہ کے ذریعہ آیت حجرات کو خاص کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا طلب مشورہ کے ذریعہ آپ کی اجازت سے آپ سے آگے بڑھنا جائز ہے مگر طلب مشورہ کے بغیر لوگوں کو آپ سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے طلب مشورہ کے جواب میں بولنا جائز قرار دیا ہے اور ابتداء مشورہ دینے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس میں آپ کی کسی رائے پر اعتراض کرنا بدرجۂ اولیٰ داخل ہوگا۔ بنا بریں آپ کے کسی بھی حکم کی مخالفت کرنے یا اسے نظر انداز کرنے کے لیے کسی بھی طرح کی حیلہ سازی نہ کی جائے۔ بلکہ آپ کے فرمان اور حکم کو اصل مان کر مختلف فیہ امور میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس نہیں ہونا چاہیے "فليحذر الذين يخالفون عن امره"(۷۴) الآیۃ (۷۵)

مؤلف بلوغ المرام کی اعتدال پسندی کا حال یہ ہے کہ اگر جمہور کے ساتھ دلیل پاتے ہیں تو ان کی تائید کرتے ہیں اور

اگر ان کی دلیل ضعیف ہوتی ہے تو ان کی بھی تردید کرتے ہیں۔

مثلاً نکاح کے اندر نسب میں کفاءۃ کے مسئلہ پر "باب الاکفاء فی الدین" میں لکھتے ہیں: "**واعتبار الكفاءة في الدين متفق عليه، فلا تحل المسلمة لكافر اصلا**" یعنی دین میں کفو کا اعتبار کرنا متفق علیہ ہے۔ لہٰذا کوئی مسلمہ عورت کسی کافر شخص کے لیے جائز نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ نے کفو کے اعتبار کو دین کے ساتھ مختص ہونے کا جزم کیا ہے۔ ابن عمر اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) اور تابعین میں سے محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیز (رحمہما اللہ) سے یہی منقول ہے اور جمہور نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔ اس کے بعد امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے اقوال ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"نسب میں کفو کے معتبر ہونے کے سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ رہی معاذ (رضی اللہ عنہ) کی مرفوع حدیث کہ "بعض عرب بعض کے کفو ہیں اور بعض موالی بعض کے کفو ہیں" تو اس کی سند ضعیف ہے اور بیہقی نے واثلہ (رضی اللہ عنہ) کی مرفوع حدیث "اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل سے بنو کنانہ کو منتخب کر لیا ہے" سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث تو صحیح ہے امام مسلم نے اس کی تخریج کی ہے، مگر اس سے اس مسئلہ پر استدلال کرنا محل نظر ہے" (۷۶)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اندر مسلکی تعصب نہیں تھا اور وہ دلائل کی قوت کی بنیاد پر کسی کی تائید یا مخالفت کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے ان پر جو یہ الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے جمع احادیث میں جانب داری برتی ہے۔ صرف انہیں احادیث کا ذکر کیا ہے جن سے شافعی مسلک کی تائید ہوتی ہے اور ان احادیث کو چھوڑ دیا ہے جو احناف کے موافق ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اگر ضعیف حدیث پائی ہے تو اس کی بھی کھل کر تردید کی ہے۔ چنانچہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "**جهر النبي ﷺ في صلاة الخسوف بقرأته**" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اس سے دن میں صلاۃ کسوف میں قرات کے جہر پر استدلال کیا جاتا ہے اور ایک جماعت جو جہر کی قائل نہیں ہے وہ اسے صلاۃ خسوف قمر پر محمول کرتی ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اسماعیلی نے اس حدیث کی روایت ولید سے دوسری سند سے کی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں "**كسفت الشمس في عهد رسول الله ﷺ**" پھر پوری حدیث ذکر کی۔ اسی طرح اس کے بعد اوزاعی کی حدیث سورج گرہن کے سلسلہ میں صریح ہے۔

اس کے بعد حافظ نے اس مسئلہ کی بہت سی حدیثوں کا ذکر کیا ہے مثلاً: مسند احمد کی حدیث "**خسفت الشمس على عهد النبي ﷺ، فاتى النبي ﷺ فكبر ثم كبر الناس، ثم قرأ فجهر بالقرأة**" نبی ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن لگا تو آپ تشریف لائے اور اللہ اکبر کہا، پھر تمام لوگوں نے اللہ اکبر کہا پھر آپ نے بلند آواز سے قرأت کی۔

اور مسند طیالسی کی حدیث "**أن النبي ﷺ جهر بالقرأة في صلاة الكسوف**" یعنی نبی ﷺ نے سوج گرہن کی صلاۃ میں بلند آواز سے قرأت کی۔

اور ترمذی اور طحاوی کی حدیث "**صلى صلاة الكسوف وجهر بالقرأة فيها**" آپ نے صلاۃ کسوف ادا کی اور بلند

آواز سے قرأت کی۔

پھر آگے لکھتے ہیں :

وقد ورد الجهر فيها عن علي مرفوعاً وموقوفا، اخرجه ابن خزيمة وغيره، وقال به صاحبا ابي حنيفة واحمد واسحق وابن خزيمة وابن المنذر وغيرهما من محدثي الشافعية وابن العربي من المالكية، وقال الطبري: يخير بين الجهر والاسرار، وقال الائمة الثلاثة: يسر في الشمس ويجهر في القمر، واحتج الشافعي بقول ابن عباس : "قرا نحواً من سورة البقرة" لانه لو جهر لم يحتج الى تقدير، وتعقب باحتمال ان يكون بعيدا منه، لكن ذكر الشافعي. تعليقا. عن ابن عباس أنه صلى بجنب النبي ﷺ في الكسوف، فلم يسمع منه حرفا، ووصله البيهقي من ثلاثة طرق اسانيدها واهية، وعلى تقدير صحتها فمثبت الجهر معه قدر زائد فالاخذ به اولىٰ، وان ثبت التعدد فيكون فعل ذلك لبيان الجواز، وهكذا الجواب عن حديث سمرة عند ابن خزيمة والترمذي "لم يسمع له صوتا" وانه ان ثبت لا يدل على نفي الجهر. (۷۷)

صلاۃ کسوف میں جہری قرأت کی روایت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً و موقوفاً دونوں طرح مروی ہے۔ اسے ابن خزیمہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے دونوں شاگرد، امام احمد و اسحٰق اور محدثین شافعیہ میں سے ابن خزیمہ اور ابن منذر وغیرہ اور مالکیہ میں سے ابن العربی اسی کے قائل ہیں اور امام طبری کہتے ہیں کہ سری اور جہری قرأت کا اختیار ہے اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ سورج گرہن میں سری اور چاند گرہن میں جہری قرأت ہے اور امام شافعی نے ابن عباس کے قول "قرأ نحوا من سورة البقرة" سے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ نے قرأت بلند آواز سے کی ہوتی تو وہ اندازہ کی بات نہ کرتے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ابن عباس آپ سے دور رہے ہوں۔ لیکن امام شافعی نے ابن عباس سے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے بغل میں کھڑے ہو کر گرہن کی صلاۃ ادا کی، مگر آپ سے کوئی حرف نہیں سنا اور امام بیہقی نے تین طرق سے اسے موصولاً ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو چونکہ جہر کو ثابت کرنے والے کے پاس زائد چیز ہے لہٰذا اسے اختیار کرنا اولیٰ اور افضل ہے اور اگر تعدد واقعہ کا ثبوت ہو تو ایسا کرنا بیان جواز کے لیے ہوگا۔ اسی قسم کا جواب ابن خزیمہ اور ترمذی میں سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "لم يسمع له صوتا" کا ہوگا اور اگر اسے ثابت مان لیا جائے تو بھی نفی جہر کی دلیل نہیں ہوگی۔

دیکھا آپ نے کہ امام شافعی کے ساتھ قوی دلیل نہیں پائی تو اس کی کھل کر تردید کر کے صحیح حدیث کو اختیار کیا اور سنت صحیحہ کے متبع ہونے کا ثبوت دیا۔

البتہ مؤلف آثار السنن اور مؤلف اعلاء السنن نے ضرور جانب داری برتی ہے۔ کہ مسائل کے بیان میں ضعیف احادیث کا سہارا لیا ہے ار صحیح احادیث کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے یا اس کی بے جا تاویل کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤلف آثار السنن نے صرف جمع احادیث پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس پر "التعليق الحسن على آثار السنن" نام کی تعلیق لکھی اور جب اس سے ان کے تعصب اور تنگ نظری کو مکمل تسلی نہیں ہوئی تو مزید "تعليق التعليق" لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور اسے بھی عملی

جامہ پہنا کر "آثار السنن" کے ساتھ شائع کیا۔

ذیل میں ہم ان ہر دو مؤلفین کے تعصب کی ایک مثال ذکر کرتے ہیں:

غلس (رات کے آخری حصہ کی تاریکی) میں صلاۃ فجر پڑھنے کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر نے صحیحین کے حوالہ سے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جس میں ہے "**والصبح كان النبى ﷺ يصليها بغلس**" یعنی نبی ﷺ صبح کی صلاۃ غلس میں پڑھتے تھے۔

اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے "**فاقام الفجر حين انشق الفجر، والناس لايكاد يعرف بعضهم بعضا**" جب فجر پھٹی تو صلاۃ فجر قائم کر لیتے اور اس وقت لوگ ایک دوسرے کو نہیں پہچان پاتے تھے۔

پھر چند حدیثوں کے بعد "اسفار" کی حدیث رافع بن خدیج "**أصبحوا بالصبح**" کے صیغہ سے ذکر کی ہے اور کہا ہے "**رواه الخمسة وصححه الترمذى وابن حبان**"(۷۸)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف بلوغ المرام کے اندر تعصب یا مذہبی گروہ بندی اور کسی مسلک کی جانبداری بالکل نہیں تھی۔ جو صحیح احادیث اس سلسلہ میں انہیں ملیں انہیں نقل کر کے ان کا درجہ بیان کر دیا۔

اس کے بر خلاف مؤلف آثار السنن نے "**باب ماجاء فى التغليس**" میں پہلے "**تغليس فجر**" کی صحیح اور صریح حدیثیں صحیحین کے حوالہ سے ذکر کی ہیں۔ پھر ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے "**وصلى الصبح بغلس مرة ثم صلى مرة اخرى فأسفر لها ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات لم يُعد الى ان يسفر**" رواہ ابوداؤد وابن حبان۔ آگے لکھتے ہیں "**وفى اسناده مقال، والزيادة غير محفوظة**"

اور ابوداؤد کی اس روایت پر "**التعليق الحسن**" میں لکھتے ہیں:

"**قد اغتر بهذا الحديث غير واحد من العلماء وزعموه صحيحا**"(۷۹)

اس حدیث سے بہت سے علماء نے دھوکہ کھا کر اسے صحیح سمجھ لیا ہے۔

حالانکہ بہت سے علماء اور ائمہ نے اس حدیث کی اور اس کی زیادتی کی تصحیح و تحسین کی ہے۔ جن میں سے بعض علماء احناف بھی ہیں۔(۸۰)

پھر "**باب ما جاء فى الاسفار**" کے تحت متعدد احادیث و آثار ذکر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صلاۃ فجر کا اصل وقت اسفار ہے اور آپ کی عادت مبارکہ اسفار ہی میں فجر پڑھنے کی تھی۔

جب کہ ان میں سے اکثر احادیث و آثار مخدوش ہیں یا ان سے استدلال محل نظر ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی صحیح و صریح احادیث سے غلس میں رسول اللہ ﷺ کے فجر پڑھنے کی عادت مبارکہ کا ثبوت ہے۔

اور مؤلف اعلاء السنن کے تعصب کا حال یہ ہے کہ "**تغليس فجر**" کی صحیحین کی صحیح اور صریح حدیثوں کو اصل اعلاء السنن کے متن میں ذکر کرنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ چنانچہ "**باب الأوقات المستحبة وفضيلة الإسفار بالفجر**" کے تحت

صرف ابن مسعود کی حدیث "ما رایت النبی ﷺ صلاۃ بغیر میقاتھا الاصلاتین. جمع بین المغرب والعشاء (بجمع) وصلی الفجر قبل میقاتھا" بحوالہ صحیح بخاری اور "قبل وقتھا بغلس" بحوالہ صحیح مسلم کا ذکر کیا ہے اس کے بعد "اسفار" سے متعلق بہت سی احادیث اور آثار ذکر کر کے صلاۃ فجر کے لیے اسفار ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا ہے اور شرح میں "تغلیس" کی احادیث کا ذکر کر کے ان کی بیجا تاویل کی ہے۔

ان حضرات نے صحیح اور صریح احادیث تک کو اپنے مسلک کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ مولانا نیموی نے "باب ماستدل به علی ان کلام الساھی وکلام من ظن التمام لا یبطل الصلاۃ" کے تحت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث ذکر کی ہے:

"قال صلی بنا رسول الله ﷺ احدی صَلاتی العشی، قال ابن سیرین : سماھا ابوھریرۃ ولکن نسیت أنا، قال : فصلی بنا رکعتین، ثم سلم، فقام الی خشبة معروضة فی المسجد فاتکأ علیھا کأنه غضبان، ووضع یده الیمنی علی الیسری وشبك بین أصابعه ووضع خده الایمن علی ظھر کفه الیُسری، وخرجت السرعانُ من أبواب المسجد، فقالوا: أقصرت الصلاۃ؟ وفی القوم أبوبکر وعمر فھابا أن یکلماه، وفی القوم رجل فی یدیه طول، یقال له: ذوالیدین، قال: یا رسول الله أنسیت أم قصرت الصلاۃ، قال : لم أنس ولم تقصر، فقال : أکما یقول ذوالیدین؟ فقالوا : نعم، فتقدم فصلی ما ترك، ثم سلم، ثم کبر وسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وکبر، فربما سألوه ثم سلم فیقول : نبئت أن عمر ان بن حصین قال : ثم سلم" رواہ الشیخان.

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دوپہر کے بعد کی دو صلاتوں میں سے ایک پڑھائی، ابن سیرین کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے اس صلاۃ کا نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا، وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر مسجد میں ایک لکڑی کے پاس گئے اور اس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ جیسے آپ غصہ میں بھرے ہوئے ہوں اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملایا اور اپنا دایاں رخسار اپنی بائیں ہتھیلی پر رکھا اور جلدی جانے والے لوگ مسجد کے دروازوں سے نکل گئے اور لوگ آپس میں کہنے لگے کہ آیا صلاۃ کم کر دی گئی ہے؟ اور مقتدیوں میں ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی تھے مگر آپ سے بات کرنے سے ڈرے۔ لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے ہاتھ لمبے تھے اور ذوالیدین کے نام سے پکارا جاتا تھا اس نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ بھول گئے ہیں یا صلاۃ کم کر دی گئی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ صلاۃ کم کی گئی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر آپ آگے بڑھے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں پڑھیں۔ پھر سلام پھیر دیا۔ پھر اللہ اکبر کہا اور اپنے سجدہ کے مانند یا اس سے لمبا سجدہ کیا۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا۔ بسا اوقات لوگ ابن سیرین سے پوچھتے پھر سلام پھیرا؟ تو وہ جواب دیتے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ عمران بن حصین (رضی اللہ عنہ) کہتے تھے پھر سلام پھیرا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد نیموی صاحب لکھتے ہیں "قال النیموی ان ھذہ الروایة وان کانت فی الصحیحین لکنھا مضطربة بوجوہ، وفی الباب أحادیث أخری کلھا لا تخلوا عن نظر" (۱)

نیموی کہتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ صحیحین میں ہے مگر متعدد وجوہ کی بنا پر مضطرب ہے اور اس باب سے متعلق اور دوسری حدیثیں بھی ہیں جو غور وفکر سے خالی نہیں ہیں۔

حالانکہ مولانا نیموی نے اس حدیث کے مضطرب ہونے کے لیے متن حدیث کے الفاظ میں جن اختلاف کا ذکر کیا ہے، تطبیق یا ترجیح کے امکان کی وجہ سے ان میں سے کوئی اختلاف بھی موجب اضطراب نہیں ہے۔ جب کہ حدیث کے مضطرب ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے مختلف الفاظ کے درمیان تطبیق یا ترجیح نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیخین (امام بخاری وامام مسلم) رحمہما اللہ پر نقد کرنے والے ائمہ نقاد جیسے دار قطنی وغیرہ نے بھی اس حدیث کے سلسلہ میں ان پر کوئی نقد نہیں کیا ہے۔ مگر افسوس کہ مولانا نیموی رحمہ اللہ کے جارحانہ اور متعصّبانہ قلم سے وہ نہ بچ سکے۔ فالشکوی الی اللہ.

٦۔ ان تالیفات کی مقبولیت

بلوغ المرام کی مقبولیت

"جیسی نیت ویسی برکت" کے اصول کے تحت بلوغ المرام کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت عام عطا فرمائی۔ قبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پوری دنیا کے لوگوں نے اس سے استفادہ کیا اور ان کی زندگی میں اور ان کے مرنے کے بعد بھی اس کے حفظ وقرأت کا اہتمام کیا۔ اگرچہ ان کا اکلوتا بیٹا پوری کتاب نہیں حفظ کر سکا مگر نہ جانے ان کی کتنی روحانی اولاد نے اسے یاد کر کے ان کی خواہش کی تکمیل کی اور بہت سے علماء نے مختلف زبانوں میں اس کے شروح وحواشی اور ترجمے لکھے اور بہت سے مدارس وجامعات حتی کہ حنفی مسلک کے مدارس میں بھی یہ کتاب داخل نصاب ہے اور بعض جامعات عربیہ میں اس کی بعض شرحیں بھی نصاب میں شامل ہیں۔

بلوغ المرام کی شروح

بلوغ المرام کی مقبولیت کی ایک اہم دلیل یہ ہے کہ ہر دور میں علماء نے مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے، حاشیے اور شروح لکھنے یا منظوم کرنے کا اہتمام کیا۔ جیسا کہ درج ذیل شروح وحواشی پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے:

۱- البدر التمام- شیخ الحسین بن محمد المغربی الصنعانی (ت ۱۱۱۹ھ)

۲- سبل السلام- شیخ محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی (ت ۱۱۸۲ھ) یہ البدر التمام کا اختصار ہے۔

۳- فتح العلام- ابوالخیر نور الحسن بن ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی الحسینی البخاری القنوجی۔

۴- إفهام الأفهام - محمد بن یوسف الاہدل

۵- شرح الشیخ احمد الدھلوی

۶- شرح الشیخ محمد عابد الانصاری الحنفی نزیل المدینة المنورة.

۷- شرح الشیخ محمد علی احمدین (ابھی تک مخطوط ہے)

۸- نیل المرام. السید علوی مالکی اور استاذ ابراہیم سلیمان النوری

۹۔ بشير الكرام. حاشیہ سید محمد امین کتبی۔

۱۰۔ منظومة بلوغ المرام. شیخ محمد بن اسماعیل الصنعانی۔

۱۱۔ إلالمام بتخريج احاديث منظومة بلوغ المرام. سید محمد بن یحیٰ زبارۃ الصنعانی۔

۱۲۔ إبانة الأحكام. علوى عباس المالكى. حسن سلیمان النوری

۱۳۔ فقہ الاسلام۔ شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد

۱۴۔ توضيح الاحكام. شیخ عبداللہ عبدالرحمٰن البسام

۱۵۔ اتحاف الكرام. شیخ صفی الرحمٰن المبارکفوری (حاشیہ)

۱۶۔ مسك الختام شرح بلوغ المرام. نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ) (فارسی)

۱۷۔ ترجمہ وشرح احمد داؤد اوغلو (ترکی)

۱۸۔ ترجمہ وحاشیہ مولانا عبدالتواب محدث ملتانی (اردو)

۱۹۔ ترجمہ (انگریزی)

بلوغ المرام کی خصوصیات

۱۔ اختصار کو پیش نظر رکھا ہے تاکہ اس کو حفظ کرنا آسان ہو۔

۲۔ بقدر ضرورت حدیث کے آخر میں اس کا درجہ بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے تاکہ مسائل کے استنباط میں پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۳۔ ہر باب میں صحیح ترین حدیث ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ متکلم فیہ یا ضعیف حدیث اسی وقت ذکر کی ہے جب اس باب میں انہیں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔

۴۔ محدثین کے اصول کے مطابق طویل احادیث کا باب کی مناسبت سے اس طرح اختصار کیا ہے کہ معنی مقصود میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا ہے۔

۵۔ رواۃ کے سلسلہ میں جرح وتعدیل میں بھی ایجاز واختصار کو پیش نظر رکھا ہے اور مختصر الفاظ میں نہایت بلیغ معنی بیان کیا ہے۔

۶۔ حدیثوں کو مشہور دواوین سنت سے منتخب کیا ہے۔ مثلاً مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔

۷۔ کتب سبعہ کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث کی کتابوں سے بھی حسب ضرورت احادیث ذکر کی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان کا درجہ بھی بیان کردیا ہے۔

۸۔ حدیث کے تمام یا اکثر طرق کا تتبع کر کے ان کی صحت یا طرق میں واقع علل کو بیان کیا ہے۔

۹۔ مختلف مذاہب کے ادلۂ حدیثیہ کو بغیر کسی تعصب اور جانبداری کے بیان کیا ہے اور ان حدیثوں کی تصحیح وتحسین کی ہے۔

۱۰- اگر کسی حدیث میں باب کے مناسب کوئی قابل ذکر زیادتی آئی ہے تو اسے بھی واضح کیا ہے۔

۱۱- کتب اور ابواب کو فقہی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ تاکہ حدیث کو تلاش کرنا آسان ہو۔

۱۲- اگر کسی حدیث کے متابعات اور شواہد ہوتے ہیں تو ان کی طرف بھی اچھے انداز میں اشارہ کیا ہے۔

۱۳- کتاب کے آخر میں اخلاق و آداب سے متعلق ایک باب "الجامع فی الأداب" رکھا ہے۔ تاکہ احادیث احکام کا قاری اخلاق و آداب سے بھی متصف ہو۔

الغرض بلوغ المرام ایک مختصر جامع اور نفیس کتاب ہے۔(۸۲)

آثار السنن اور اعلاء السنن کی مقبولیت

آثار السنن اور اعلاء السنن چونکہ مسلک حنفی کی تائید کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اس لیے یہ دونوں کتابیں صرف حلقۂ احناف تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان کتابوں کے حفظ اور ان کے شروح و حواشی کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ آثار السنن صرف کتاب الصلاۃ تک مکمل ہوئی باقی ابواب فقہیہ کی تکمیل نہیں ہو سکی۔ اس کے پہلے ہی مولانا نیموی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور اعلاء السنن اتنی ضخیم ہوئی کہ کوئی اس کے حفظ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان کتابوں کے شروح و حواشی کا حال یہ ہے کہ ان کے مولفین نے خود ہی ان کی شرح یا حاشیہ لکھا۔ چنانچہ مولانا نیموی نے آثار السنن کتاب الصلاۃ تک لکھ کر خود ہی "التعلیق الحسن علی آثار السنن" اور اس تعلیق پر تعلیق "تعلیق التعلیق" کے نام سے لکھی۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے متن اعلاء السنن لکھ کر خود ہی اس کی شرح "اسداء المنن" لکھی۔

خاتمہ

میں نے اپنی علمی کم مائیگی اور ناسازی طبع کے باوجود اس اہم حدیثی سیمنار میں شرکت کو باعث سعادت سمجھ کر بہت عجلت میں یہ مقالہ تیار کر کے آپ جیسے اصحاب علم و فضل کی خدمت میں پیش کیا، شاید کہ اللہ تعالیٰ محبان رسول کے مقدس گروہ میں اس ناچیز کو بھی شامل کرے ؎

أحب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحاً

"کل انسان مرکب من الخطا والنسیان" کے تحت مجھے اپنی کوتاہی اور بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔ اگر اس مقالہ میں کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہے اور کوئی نقص اور خامی ہے تو وہ ناچیز کی طرف سے ہے۔

آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اگر "تقابلی جائزہ" میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو تو آپ غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں۔ تاکہ ان کی اصلاح کی جا سکے۔

آخر میں تمام علمائے اسلام سے یہ بھی گذارش کرتا ہوں کہ احکام و مسائل کی بنیاد صرف احادیث صحیحہ پر رکھیں اور ان میں کسی قسم کی عصبیت کو دخل نہ دیں۔ تمام ائمہ سلف کا یہی مسلک تھا کہ احادیث صحیحہ ملنے کے بعد وہ اپنا مخصوص مذہب و مسلک ترک کر کے متبع سنت بن جاتے تھے۔ اور اپنے ماننے والوں کو بھی اسی کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔ اتحاد ملت وقت کی

عظیم ترین ضرورت ہے جو صرف کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کو اپنانے سے ہو سکتا ہے اور عصبیت اس راہ کی رکاوٹ ہے اس لیے اس کو دور کرنا ہمارا اور آپ کا دینی فریضہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سیمنار کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی بنیاد پر ہم سب کو جوڑ دے۔ آمین۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم.

تعلیقات وحواشی

(۱) النجم ۵۳: ۳-۴۔

(۲) مسند احمد ۴/۱۳۱ واسنادہ صحیح: تعليق على المسند للشيخ حمزه احمد الزين، سنن ابی دائود كتاب السنة باب لزوم السنة ح ۴۶۰۴۔

(۳) النحل ۱۶: ۴۴۔ (۴) الموافقات فی اصول الاحكام ۵/۴۔

(۵) الموطا بتعليق محمد فؤاد: کتاب القدر ۴۶ باب النهي عن القول بالقدر ،۱، ح ۳، المستدرك للحاكم كتاب العلم ۲، ح ۳۱۸/۳۱ بروایت ابن عباس۔ حاکم نے کہا: قد احتج البخاری باحاديث عكرمة، واحتج مسلم بابی أويس، وسائر رواته متفق عليهم . پھر حاکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۶) المائدۃ ۵: ۸۔

(۷) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن حجر العسقلانی مؤرخاً. دكتور محمد كمال الدين عزالدين، ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته ومنهجه و موارده فی كتابه الاصابة. دكتور شاكر محمود عبدالمنعم، الحافظ ابن حجر العسقلانی. امير المومنين فی الحديث. عبدالستار الشيخ.

(۸) الاعلام بمن فی تاريخ الهند من الاعلام يعنی نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر ۸/ ۲۲۲۔

(۹) آثار السنن ۲/ ۱۲۷، ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر۔ جنوری۔ فروری ۱۹۸۴ء، ص ۳۰۔

(۱۰) آثار السنن ۲/ ۱۲۷ (۱۱) ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر ص: ۳۰۔

(۱۲) ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر ص ۳۱، الاعلام بمن فی تاريخ الهند من الاعلام ۸/ ۲۲۲۔

(۱۳) آثار السنن ۲/ ۱۲۸ (۱۴) آثار السنن ۲/ ۱۲۸

(۱۵) ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر ص ۳۱، (۱۶) الاعلام ۸/ ۲۲۳

(۱۷) آثار السنن ۲/ ۱۲۸ (۱۸) ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر ص ۳۴-۳۵

(۱۹) ضمیمہ مقدمہ تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی / ترجمة المولف ص ۵۴۴

(۲۰) الانور۔ شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی سوانح حیات اور کمالات و تجلیات، از عبد الرحمٰن کوندوص: ۳۰۹

(۲۱) آثار السنن ۲/ ۱۲۸، ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر ص ۳۵

(۲۲) اعلاء السنن ۱/ ۷/ مقدمة التحقیق (۲۳) اعلاء السنن ۱/ ۲۶/ مقدمة التحقیق

(۲۴) موصوف کے حالات کے سلسلہ میں درج ذیل کتابیں پیش نظر رہیں: مقدمہ اعلاء السنن، اعلاء السنن، نقوش رفتگاں مفتی محمد تقی عثمانی، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا۔

(۲۵) الحافظ ابن حجر العسقلانی ص ۱۴۹-۱۵۰

(۲۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته جلد ۱ ، ابن حجر العسقلانی مورخا، الحافظ ابن حجر العسقلانی

(۲۷) الحافظ ابن حجر العسقلانی ص ۶۰۴

(۲۸) حوالہ سابقہ ص: ۲۲۵ (۲۹) حوالہ سابقہ ص: ۶۰۴

(۳۰) حوالہ سابقہ ص: ۶۰۵ (۳۱) حوالہ سابقہ ص: ۶۰۷

(۳۲) الحافظ ابن حجر العسقلانی ص: ۶۰۸

(۳۳) " " ص: ۶۰۸ (۳۴) " " ص: ۶۰۶

(۳۵) حوالہ سابقہ ص: ۶۰۹-۶۱۰ (۳۶) الحافظ ابن حجر العسقلانی ص: ۵۸۹

(۳۷) الحافظ ابن حجر العسقلانی ص: ۵۸۹

(۳۸) حوالہ سابقہ ص: ۵۸۹ (۳۹) الحافظ ابن حجر العسقلانی ص: ۵۹۰

(۴۰) حوالہ سابقہ ص: ۵۹۰ (۴۱) الانور ص: ۳۱۰

(۴۲) مقدمہ اعلاء السنن ۱/ ۳ (۴۳) حوالہ سابقہ ۱/ ۱۲

(۴۴) ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته ۱/ ۲۰۰-۲۰۱

(۴۵) ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته ۱/ ۲۰۱

(۴۶) یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ حافظ نے ابتدائی دور میں بعض صفات کی تاویل کی ہے، بعد میں آپ نے یہ روش چھوڑ دی تھی۔ جیسا کہ فتح الباری کی تیرہویں جلد سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حافظ، فتح الباری کی تصنیف کے بعد عرصہ تک بقید حیات رہے اور فتح الباری کا مراجعہ کرتے رہے۔ اگر واقعی تاویل کی راہ سے مکمل طریقہ سے آپ نے کنارہ کشی اختیار کر لی ہوتی تو ضرور بالضرور آپ نے فتح الباری میں موجود تمام تاویلات قلم زد کر کے وہاں سلفی عقائد کو اجاگر کر لیا ہوتا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس لیے یہ

کہنا پڑتا ہے کہ ان کے یہاں اشعریت کی خوبو موجود ہے مگر اس سے ان کی جلالتِ شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۴۷) الشعراء ۲۶: ۸۰ (۴۸) فتح الباری: ۱۰/ ۲۰۷

(۴۹) فتح الباری: ۱۳/ ۳۵۷ (۵۰) فتح الباری: ۳/ ۳۰

(۵۱) فتح الباری: ۱۳/ ۴۶۸ (۵۲) فتح الباری: ۱۳/ ۴۰۷-۴۰۸

(۵۳) ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته ا/ ۴۳۴، الحافظ ابن حجر العسقلانی ص۴۷۱

(۵۴) بلوغ المرام من ادلة الاحکام ص ۲، ناشر کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

(۵۵) ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته ا/ ۴۳۴، توضیح الاحکام ۶/ ۴۵۳، اتحاف الکرام شیخ صفی الرحمن المبارکفوری، ص: ۴۵۹

(۵۶) ماہنامہ رفیق پٹنہ، علمائے بہار نمبر ص: ۳۱-۳۲

(۵۷) آثار السنن ا/ ۱۵۳ (۵۸) چودھویں صدی ہجری

(۵۹) مقدمہ اعلاء السنن ا/ ۵، تقریظ علی اعلاء السنن ا/ ۳

(۶۰) تقریظ مقدمه اعلاء السنن ا/ ۱۱

(۶۱) اطیب المنح فی علم المصطلح. الشیخ عبدالکریم مراد ولشیخ عبدالمحسن العباد ص۸۱، طبع ۱۴۰۸ھ بحواله ایقاظ الهمم.

(۶۲) بلوغ المرام، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ص: ۲۱

(۶۳) آثار السنن ا/ ۹۲-۹۴ (۶۴) اعلاء السنن ۲/ ۲۱۱-۲۱۷

(۶۵) الاعراف ۷: ۵۵ (۶۶) آثار السنن ا/ ۹۵

(۶۷) صحیح بخاری مع فتح الباری ۲/ ۲۶۲، کتاب الأذان : ۱ ، باب جهر الامام بالتامین : ۱۱۱

(۶۸) حوالہ سابقہ ۲/ ۲۶۲ (۶۹) ابکار المنن فی تنقید آثار السنن ص ۵۹۳

(۷۰) ابکار المنن ص: ۶۲۳-۲۵ (۷۱) فتح الباری ۲/ ۲۶۷۔ کتاب الآذان باب جهر المأموم بالتأمین

(۷۲) آثار السنن ا/ ۹۲ (۷۳) آیت مشورہ سے "وشاورهم فی الاصر" مراد ہے۔

(۷۴) النور ۲۴: ۶۳ (۷۵) فتح الباری: ۱۳/ ۳۴۱

(۷۶) فتح الباری: ۹/ ۱۳۲-۱۳۳ باختصار (۷۷) فتح الباری: ۲/ ۵۴۹-۵۵۰ باختصار

(۷۸) بلوغ المرام کتاب الصلاة باب المواقیت ص: ۱۳- طبع کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

(۷۹) آثار السنن ا/ ۴۵ (۸۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابکار المنن فی تنقید آثار السنن

(۸۱) آثار السنن ا/ ۱۴۰-۱۴۱

(۸۲) الحافظ ابن حجر العسقلانی ص۴۷۱-۴۷۲، توضیح الاحکام من بلوغ المرام مقدمہ ا/ ۱۸-۱۹

مولانا محمد مستقیم سلفی
جامعہ سلفیہ بنارس

علمائے اہل حدیث ہند کی خدمات حدیث

ہندوستان میں علم حدیث "بدی الاسلام غریبا" (الحدیث) کے مطابق بالکل اجنبیت کی حالت میں آیا اور صدیوں تک اس کے خواہاں خال خال نظر آتے ہیں، نہ تو اسے دربار شاہی میں جگہ ملی اور نہ رؤساء وامراء کے یہاں کہ اس کے تذکرہ سے مجلسیں گرم ہوتیں، لیکن ذاتی طور پر بعض ارباب ہمت نے صعوبت سفر برداشت کی اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہونے کے ساتھ اس فن میں کمال حاصل کیا اور وطن واپس لوٹے۔

(۱) اس ملک میں اس پاک علم کا عام رواج دوسرے ممالک کی بنسبت صدیوں بعد ہوا سب سے پہلے جس شخص نے حدیث کی تعلیم ہندوستان میں شروع کی وہ دوسری صدی ہجری کے مشہور محدث حضرت **ربیع بن صبیح السعدی البصری** (۱) (م۱۶۰ھ) ہیں اور یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں احادیث کے منتشر اوراق کو سب سے پہلے یکجا کیا۔ صاحب **کشف الظنون** اور صاحب **تهذيب التهذيب**. دونوں لکھتے ہیں "**انه اول من صنف بالبصرة**" (**كشف الظنون ج۱ ص ۴۲۳، تهذيب التهذيب ج ۳ ص ۲۴۸**)

(۲) دوسرے تابعی جن کا ورود ہندوستان میں ہوا، وہ اسرائیل بن موسیٰ ابو موسی البصری (۲) ہیں جو امام حسن بصری کے شاگرد ہیں، ہندوستان تشریف لائے، اس لیے آپ کا لقب "**نزيل الهند**" ہو گیا۔ (**تهذيب التهذيب ج ۱ ص ۲۶۱**)

(۳) اسی دوسری صدی کے ائمہ حدیث وسیر میں **ابو معشر نجيح السندی** (م۱۷۰ھ) ہیں، جو مدینہ منورہ جا کر رہنے لگے، جس کی وجہ سے مدنی کہلائے۔ آپ اپنے وقت میں فن مغازی وسیر کے امام تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ "**كان احمد يرضاه ويقول كان بصيرا بالمغازی**" (**تهذيب التهذيب ج۱۰ ص ۴۲۰**) یعنی آپ کو امام احمد بن حنبل پسند فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ابو معشر کی علوم مغازی پر گہری نظر ہے۔ امام خلیل نے کہا کہ "**له مكان فی العلم والتاريخ**، (**تهذيب التهذيب ج ۱۰ ص ۴۲۲**) یعنی موصوف کا علم و تاریخ میں ایک مقام تھا۔

(۴) تیسری صدی کے بزرگ رجاء السندی (۲۲۱ھ) ہیں جو ایران پہنچ کر اسفرائینی کہلائے۔ انہوں نے فن حدیث میں

۱- آپ کی روایت محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہے لیکن یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ تدوین حدیث کی طرح سب سے پہلے بصرہ میں آپ ہی نے ڈالی۔

۲- آپ ثقہ راوی ہیں، آپ کے شاگرد سفیان ثوری، ابن عیینہ، یحییٰ القطان وغیرہ ہیں۔

اس قدر مہارت حاصل کی کہ مشہور محدث امام حاکم آپ کے بارے میں فرماتے ہیں "هو ركن من اركان الحديث" (تهذيب التهذيب ج ۴ ص ۲۶۸) یعنی یہ ارکان حدیث میں سے ایک رکن ہیں۔ ہندوستان میں جہاں ان بزرگوں کے ذریعہ اشاعت اسلام میں مدد ملی وہیں انہیں حضرات کی بدولت عمل بالحدیث کا چرچا بھی ہوا۔

(۵) اسی تیسری صدی ہجری میں شیخ ابو علی السندی کی مسند درس بچھی ہوئی تھی، جو لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دینے میں مشغول تھے۔ ابو یزید طیفور فرماتے ہیں کہ وہ ہم لوگوں کو توحید وسنت کی تعلیم دیتے تھے۔ (نزهة الخواطر ج ۱ ص ۳۹)

(۶) چوتھی صدی ہجری میں قاضی ابو محمد منصوری علم حدیث کا چراغ روشن کیے ہوئے تھے۔ مشہور عرب سیاح بشاری مقدسی جب ۳۷۵ھ میں ہندوستان آئے، تو ان کی ملاقات قاضی صاحب موصوف سے ہوئی۔ جن کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب "احسن التقاسيم في معرفة الاقاليم" میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "یہاں کے ذمی بت پرست لوگ ہیں اور مسلمانوں میں اکثر اہلحدیث ہیں، یہاں مجھے قاضی ابو محمد منصوری سے ملنے کا اتفاق ہوا، جو مذہب داؤد ظاہری کے پابند تھے"۔ (تاریخ سندھ ج ۲، ص ۱۲۴)

(۷) پانچویں صدی ہجری میں شیخ علی بن عثمان الهجویری غزنوی ثم لاہوری کتاب وسنت کی اشاعت وترویج میں لگے رہے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، ان کی کتابوں میں سے مشہور کتاب "كشف المحجوب" ہے۔ (نزهة الخواطر ج ۱، ص ۶۶)

(۸) چھٹی صدی ہجری کے ائمہ حدیث میں شیخ رضی الدین حسن صغانی ثم لاہوری ہیں۔ آپ کے والد محترم صغان علاقہ ماوراء النہر سے آکر ہندوستان کے شہر لاہور میں آباد ہوئے، جہاں آپ ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ پہلے آپ نے اپنے والد اور دیگر علمائے ہند سے تعلیم حاصل کی پھر عراق اور مکہ مکرمہ جاکر اپنے علم کی تکمیل کی۔ آپ نے مختلف علوم میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، مثلاً حدیث میں "مشارق الانوار" جو ہندوستان میں ایک دور میں متداول تھی، اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے احادیث کو منتخب کیا گیا ہے۔ علمائے اہلحدیث نے اس کی متعدد مختصر ومطول شرحیں لکھی ہیں۔ مثلاً صاحب قاموس نے "شوارق الاسرار العلمية" چار جلدوں میں اور عزالدین ابن الملک نے "مبارك الانوار" دو جلدوں میں لکھی اور مولانا خرم علی بلہوری نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ آپ کا انتقال بغداد میں ۶۵۰ھ میں ہوا۔ (تاریخ اہلحدیث ص ۲۶۸)

(۹) ساتویں صدی ہجری میں ملتان کے مشہور ولی شیخ بہاء الدین زکریا (۵۷۸-۶۶۶ھ) نے ملتان میں علم حدیث کی اشاعت کا مرکز قائم کیا اور ان کے بعد ان کے بیٹے اور پوتوں نے یہ کام جاری رکھا۔

جمال الدین محدث شیخ بہاء الدین زکریا کے فرزند تھے کئی سال تک وہ اپنے وطن اُچھ میں مدرس رہے اور مشارق الانوار و مصابيح السنه کا درس دیتے رہے، سنت رسول سے انہیں اتنی محبت تھی کہ وہ ہمیشہ موٹا کھدر لباس پہنا کرتے تھے۔ شیخ جمال الدین آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول میں بقید حیات تھے۔ (علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ ص ۱۰۱)

(۱۰) آٹھویں صدی ہجری کے امام ومحدث شیخ مجد یعقوب محمد الدین فیروز آبادی (م ۷۲۹ھ) ہیں، جن کی علمی شہرت پورے عالم اسلام میں نمایاں ہے۔ آپ نے بہت سی کتابوں کی تصنیف کی، جن میں سے دو کتابوں نے کافی شہرت حاصل کی۔

ایک "القاموس" لغت میں اور دوسری "سفر السعادة" سیر و حدیث میں۔

اسی آٹھویں صدی ہجری کے دوسرے محدث سید جلال الدین بخاری (۷۰۷۔۷۸۵ھ) ہیں آپ سندھ کے قصبہ اچھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی پھر ملتان کے مکتب حدیث میں داخل ہوگئے۔ یہاں پر آپ نے شیخ ابوالفتح رکن الدین بن صدر الدین (م ۷۳۵ھ) سے "مشارق الانوار" اور "مصابیح السنة" کی تکمیل کی پھر مدینہ منورہ، عراق اور مصر جاکر بہت سے مشائخ سے علم حدیث حاصل کر کے وطن واپس آئے، سلطان محمد بن تغلق نے ان کو سندھ کا شیخ الاسلام بنادیا۔

حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری تھی قرأة خلف الامام اور صلوة الجنازة علی الغائب پر پابندی سے عمل کرتے رہے۔ (نزهة الخواطر ج ۳، تذکرہ علاء الدین بن علی بن سعد الدهلوی)

(۱۱) نویں صدی ہجری کے ائمہ حدیث میں سے شیخ علی متقی جونپوری ہیں۔ آپ ۸۸۵ھ میں شہر برہان پور علاقہ دکن میں پیدا ہوئے اور وفات نوے سال کی عمر میں ۹۷۵ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ اپنے وقت میں علم حدیث و فقہ کے امام تھے۔ آپ کی تصانیف سو سے زائد ہیں اور سب نافع اور مفید ہیں ان میں سے علم حدیث میں قابل قدر خدمت یہ ہے کہ امام سیوطی کی کتاب "جمع الجوامع"، "الجامع الصغیر" اور "الزیادہ" کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا۔

یہ تصانیف اس طرح مرتب کی گئی ہیں کہ علم حدیث کی قاموس کا کام دے سکیں اور ان کے مطالعہ میں مزید سہولت فراہم کرنے کے لیے شیخ علی متقی جونپوری نے مندرجہ ذیل چھ کتابیں لکھی ہیں:

(۱) منهاج العمال فی سنن الاقوال والافعال.

اس کتاب میں ابواب فقہ کے مطابق "الجامع الصغیر" اور "الزیادة" کی احادیث حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہیں۔

(۲) اکمال منهاج العمال : یہ کتاب منہاج العمال کا ایک ضمیمہ ہے۔

(۳) غاية العمال : مذکورہ بالا دونوں کتابوں کی احادیث اس کتاب میں جمع کردی گئی ہیں۔

(٤) المستدرك : اس کتاب میں "جمع الجوامع" کی احادیث فعلیہ کو ابواب فقہ کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔

(٥) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال

اس کتاب میں غاية العمال اور المستدرك کی تمام احادیث کو جمع کردیا گیا ہے۔ یہ احادیث کا ایک قاموسی مجموعہ ہے جسے دائرة المعارف حیدر آباد دکن نے ۱۳۱۲-۱۳ھ میں آٹھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(٦) منتخب کنزالعمال

یہ کنزالعمال کا خلاصہ ہے، اس کتاب کی ایک گمنام مصنف نے بہت ضخیم شرح مسلم الانوار کے نام سے لکھی ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ شرح کتب خانہ بانکی پور (خدا بخش لائبریری پٹنہ) میں موجود ہے۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ شیخ علی متقی نے علم حدیث پر مندرجہ ذیل شرح اور رسائل قلم بند کئے ہیں:

(۱) شرح شمائل النبی

یہ امام ترمذی کی شمائل النبی کی شرح ہے، اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ دارالعلوم پشاور (پاکستان) میں موجود ہے۔

(۲) البرهان فی علامة مهدی آخرالزمان

علامہ سیوطی کی کتاب ''العرف الورد'' میں امام مہدی کے متعلق جو احادیث ہیں وہ اس میں اکٹھا کردی گئی ہیں اور جمع الجوامع سے مزید احادیث بھی شامل کردی گئی ہیں۔

دیباچہ میں مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ محمد جونپوری نے مہدی ہونے کا جو دعوی کیا ہے وہ جھوٹا ہے۔

(۳) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم.

اس رسالہ میں ایسی احادیث جمع کردی گئی ہیں جو پند و نصائح اور دانشمندانہ اقوال پر مشتمل ہیں۔

(٤) المنهج التام فی قریب الحکم : یہ کتاب النووی کی مصباح الظلم کی شرح ہے۔

(۱۲) دسویں صدی ہجری کے ائمہ حدیث میں سے شیخ جمال الدین محمد بن طاہر بن علی پٹنی گجراتی ہیں، شیخ صاحب ممدوح کا تعلق بوہرہ فرقے سے تھا جو باشندگان نہروالا، پٹن گجرات سے تھا، آپ ۹۱۴ھ میں پیدا ہوئے، آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں علوم حدیث پھیلانے اور احیاء سنت مطہرہ ورد بدعات کا بیڑا اٹھایا۔

۹۸۰ھ میں جب مغل بادشاہ اکبر نے گجرات کو فتح کیا تو اس کی حکومت عبدالرحیم خان خاناں کے سپرد کردی۔ اسی زمانے میں فرقہ مہدویہ یعنی سید محمد جونپوری مدعی مہدویت کے پیرو پھر جاگ اٹھے۔ شیخ ممدوح نے دارالخلافہ اکبر آباد یعنی آگرہ کا قصد کیا تاکہ سارا ماجرا بادشاہ تک پہونچادیں۔ مخالفین کی ایک جماعت بھی پیچھے ہولی، چنانچہ انہوں نے راستے میں آپ کو اجین اور سارنگپور کے درمیان قتل کردیا۔ یہ واقعہ ۶/ شوال ۹۸۶ھ کا ہے۔

شیخ موصوف نے علم حدیث کی نہایت اعلی قابل قدر خدمت کی ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل پانچ کتابوں نے کافی شہرت حاصل کی ہیں :

(۱) المغنی فی ضبط الرجال : (مطبوع)

یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے جسے آپ نے ذی قعدہ ۹۵۲ھ میں تصنیف کی تھی، اس میں راویان حدیث اور ان کے آباواجداد کا نام، کنیت اور لقب جن کے غلط پڑھے جانے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ ایسے تمام متشابہ ناموں کو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کردیا گیا ہے۔ ہر ایک حرف کے تحت متشابہ ناموں پر بحث کر کے آخر میں تمام متشابہ نسبتوں کو صحیح طور پر ضبط بھی کردیا گیا ہے، اس کے علاوہ جگہ جگہ راویوں کے مختصر حالات اور ان کے متعلقہ طبقہ کے بارے میں مختصر نوٹ بھی قلم بند کئے گئے ہیں۔ (کتاب کے آخری صفحات میں آنحضرت، خلفائے راشدین، ائمہ اربعہ اور صحاح کے مصنفین کے مختصر حالات بھی درج ہیں۔)

یہ کتاب دہلی میں دو مرتبہ ۱۲۹۰ھ اور ۱۳۰۸ھ میں حافظ ابن حجر کی تقریب التهذیب کے حاشیے پر طبع ہو چکی ہے۔

(تاریخ اہلحدیث ص ۲۷۲، علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ ص ۱۵۴)

(۲) تذکرۃ الموضوعات (مطبوع)

اس کتاب میں موضوع اور ضعیف احادیث کو اکٹھا کر دیا گیا ہے، یہ احادیث موضوع کے اعتبار سے ۲۲۶ ابواب میں مرتب کی گئی ہیں۔ ان کا آغاز کتاب التوحید سے اور اختتام باب فی ساعۃ رحمۃ وشفاعۃ النبی (ص) پر ہوتا ہے۔ ہر ایک حدیث سے قبل اس کا ماخذ بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد مصنف نے خود اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ مثلاً یہ کہ مذکورہ حدیث باطل بے اصل یا موضوع ہے یا یہ کہ ایک یا کئی ایک راوی ضعیف، کذاب یا وضاع ہیں۔ یہ کتاب ماہ ذیقعدہ ۹۵۸ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ (علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ ص ۱۵۶)

(۳) قانون الموضوعات والضعفاء:

یہ کتاب تذکرۃ الموضوعات کا ایک ضمیمہ ہے، اس میں مختصر طور پر تمام ضعیف اور کاذب راویوں کا احاطہ کیا گیا ہے اور ان کے نام حروف تہجی کے لحاظ سے درج کیے گئے ہیں۔ (علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۵۷)

(٤) اسماء الرجال:

اس کتاب میں راویان حدیث کے حالات زندگی قلم بند کئے گئے ہیں، یہ تین فصلوں میں منقسم ہے، پہلی فصل متعدد انواع پر مشتمل ہے اور اس کا اچھا خاصا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر حالات زندگی کے لیے وقف ہے۔ دوسری فصل میں دوسرے نبیوں کے کچھ حالات بیان کیے گئے ہیں۔

تیسری فصل دو نوع میں منقسم ہے، پہلی نوع دس ممتاز صحابہ کرام یعنی عشرۃ مبشرہ کے بارے میں ہے اور دوسری نوع میں دیگر صحابہ وصحابیات نیز تابعین اور دوسرے محدثین کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں، ان سب کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ (علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ ص ۱۵۷)

(۵) مجمع بحار الانوار (مطبوع)

یہ کتاب قرآن مجید اور احادیث شریف کے مشکل الفاظ کی ضخیم لغت ہے، یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے، اس میں مصنف نے قرآن، صحاح ستہ اور مشکوٰۃ المصابیح کے تقریباً تمام نادر الفاظ درج کر دئے ہیں۔ الفاظ حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ہر ایک مصدر کے ذیل میں ان کے تمام مشتقات متعلقہ قرآنی آیات واحادیث اور ان کی تشریحات کے ساتھ قلم بند کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کو بجا طور پر قرآن مجید اور صحاح ستہ کی مختصر شرح اور کلید کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کو مصنف نے ۹۷۵ھ سے قبل لکھنا شروع کیا تھا تقریباً سات سال کی مدت میں مکمل ہوئی۔ یہ نول کشور پریس لکھنؤ میں دوسری بار ۱۳۱۴ھ میں طبع کی گئی تھی۔ (علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ ص ۱۵۷)

(۱۳) گیارہویں صدی ہجری میں قاضی شیخ نصیر الدین (م ۱۰۳۱ھ) علم حدیث کی ترویج واشاعت میں لگے رہے۔ صاحب نزھۃ الخواطر لکھتے ہیں "وكان ممن يرجح الحديث ايا ما كان على قياس المجتهد. (نزھۃ الخواطر ج ۵، ص ۴۳۰)

یعنی آپ ان علماء میں سے تھے جو قیاس مجتہد پر احادیث رسول کو ترجیح دیتے تھے اور حدیث کے مقابلہ میں قیاس کے

سرے سے منکر تھے۔

اور اسی صدی ہجری کے محدث شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۴؍ شوال ۹۷۱ھ کو قصبہ سرہند ضلع انبالہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ پہونچے اور فن حدیث ملا یعقوب کشمیری (م ۱۰۰۳ھ) سے حاصل کی، پھر حرمین شریفین جاکر محدثین کی صحبت سے فیض اٹھایا اور ان سے حدیث کی سند اجازہ حاصل کی، پھر وطن واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ آپ گیارہویں صدی ہجری کے بلا اختلاف مجدد ہیں۔ اکبر کے ایجاد کردہ دین الٰہی کا قلع قمع آپ ہی کی ذات سے ہوا، اس راہ میں آپ نے بہت سی صعوبتیں برداشت کیں۔

آپ حدیث کے ایک متبحر عالم تھے جس کا ثبوت آپ کے مکتوبات جو تین جلدوں پر مشتمل ہیں، کے مطالعہ سے ملتا ہے، لیکن تصنیف و تالیف کی حد تک اس موضوع پر آپ نے صرف ایک رسالہ اربعین لکھا ہے۔ محدث اور مصلح ہونے کی حیثیت سے آپ نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ کتابیں تصنیف کرنے پر بھاری ہے۔

آپ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۰۳۴ھ میں وفات پائی اور اپنے وطن سرہند میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ اہلحدیث، مولانا سیالکوٹی ص ۲۷۴)

(۱۴) بارہویں صدی ہجری میں تو عاملین بالقرآن والحدیث کی تعداد بکثرت نظر آتی ہے۔ ایک طرف تو مولانا محمد فاخر زائر الہ آبادی (۱۱۲۰۔ ۱۱۶۴ھ) شاہ ابو اسحاق بن شاہ ابو الغوث گرم دیوان (م ۱۲۳۴ھ) کی محفل میں **تحدیث و عمل بالکتاب والسنة** کا چرچا تھا تو دوسری طرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) نے اس جامد ماحول میں تحریر کے ذریعے اور ان کے بعد ان کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید (۱۱۹۳۔ ۱۲۴۶ھ) اور ان کے رفقائے کار کے عمل نے لوگوں کے اندر ایک ارتعاش پیدا کردیا جس کی صدائے بازگشت قریہ قریہ، بستی بستی سنائی دینے لگی۔ لوگ توحید اور شرک سنت اور بدعت کا مفہوم سمجھنے لگے اور ایک اچھی خاصی تعداد حق پسند بن گئی۔

شاہ اسماعیل شہید نے اپنی پوری زندگی اعلائے کلمتہ اللہ، احیائے سنت رسول اللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور ہدایت خلق اللہ میں گزاردی۔

آج ہندوستان و پاکستان میں اعلائے کلمتہ اللہ کی جدوجہد تدریس و تصنیف اور نشرواشاعت کے ذریعہ جاری ہے۔ مدرسوں میں جہاں حدیث رسول کی ایک آدھ کتاب بطور تبرک پڑھائی جاتی تھی اب صحاح ستہ شامل نصاب ہے۔ کتب حدیث کے شروح و حواشی نیز ان کے ترجمے اور ان کی نشرواشاعت کا اہتمام زوروں پر ہے۔ جماعت اہلحدیث نے ان تمام ناحیوں سے کیا خدمات سرانجام دی ہے، یہ مقالہ اس کا متحمل نہیں۔ اس لیے اس کے ایک حصہ یعنی حدیث کی شروح و حواشی اور اس کے تراجم پر کس قدر توجہ دی ہے، وہ پیش خدمت ہے۔ زیر نظر مقالہ میں زمانہ شاہ اسماعیل شہید سے تاحال علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس میں کتاب اور مصنف کے نام کے ساتھ کتاب کے صفحات، زبان، مطبع و سنہ طبع اور مصنف کی پیدائش و وفات کو بھی حتی المقدور قلمبند کردیا گیا ہے نیز ہر وہ کتاب جو مجھے دستیاب ہوئی اُسے پڑھ کر مختصر تعارف کرایا ہے تاکہ اس کے مطالعہ کرنے والے کو بآسانی معلوم ہو جائے کہ کتاب کے اندر کس کس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تصانیف اہلحدیث

۱. العروة الوثقیٰ لمنبع سنة سید الوریٰ مصنف : عبداللہ جھاؤ میاں مئو آئمہ الہ آباد (م ۱۳۰۰ھ)
ابواب فقہ کی ترتیب پر احادیث نبویہ کو مرتب کر کے اس کا اردو ترجمہ اور تشریح کی گئی ہے۔

۲. عمدة الصلاة وفائز النجاة، مصنف : عبداللہ جھاؤ میاں مئو آئمہ الہ آباد
اس میں نماز سے متعلق احادیث نبویہ کا اردو ترجمہ مع تشریح ہے۔

۳. ترجمة شرح الصدور مصنف : عبداللہ جھاؤ میاں مئو آئمہ الہ آباد

٤. ترجمه البدور السافرة مصنف : عبداللہ جھاؤ میاں مئو آئمہ الہ آباد

۵. شرح چهل حدیث معروف به راه جنت (اردو) مصنف : اولاد حسن قنوجی (۱۲۱۰۔ ۱۲۵۳ھ)

٦. عون الباری لحل ادلة البخاری (دو جلدیں) (عربی) صفحات۔ ۱۶۵۳
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی (۱۲۴۸۔ ۱۳۰۷ھ) مطبع : صدیقی بھوپال، طبع : ۱۳۰۶ھ
یہ کتاب صحیح بخاری کے اختصار "التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح" مولفہ شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن احمد متوفی ۸۹۳ھ کی شرح ہے، اس شرح میں "فتح الباری" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نواب صاحب نے اکثر مقامات پر "قلت" کہہ کر اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔

۷. السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم ابن الحجاج (دو جلدیں) (عربی) صفحات ۱۴۰۹،
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : صدیقی بھوپال۔ طبع : ۱۳۰۲ھ
یہ کتاب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذری کی "مختصر صحیح مسلم" کی شرح ہے نواب صاحب نے اس شرح میں امام نووی کی شرح سے استفادہ کیا ہے اور بعض مقامات پر قلت کہہ کر اپنی رائے بھی ظاہر کی ہے۔

۸. توفيق الباری لترجمة الادب المفرد للبخاری (اردو) صفحات ۱۳۸
مترجم : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : مفید عام آگرہ طبع اول : ۱۳۰۶ھ
یہ کتاب امام بخاریؒ کی کتاب "الادب المفرد" کا ترجمہ مع شرح ہے جو چھ سو سے کچھ زائد ابواب پر مشتمل ہے، اس میں اکثر احادیث اسلامی آداب واخلاق سے متعلق ہیں۔

۹. مسك الختام شرح بلوغ المرام (دو جلدیں) (فارسی) صفحات ۱۱۶۱
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : نظامی کانپور، طبع اول : ۱۲۸۸ھ
یہ کتاب "بلوغ المرام" لابن حجر عسقلانی کی شرح ہے، اس میں مشکل الفاظ کی تشریح اور راویوں پر جرح وتعدیل

کرتے ہوئے ہر حدیث کی شرح نہایت بسط کے ساتھ کی گئی ہے۔

۱۰. فتح العلام شرح بلوغ المرام اول و دوم (عربی) صفحات مجموعی ۴۶۱

مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی (۱۲۴۸ـ۱۳۰۷ھ)

یہ کتب بھی بلوغ المرام کی مذکورہ شرح "مسك الختام" کے طرز پر ہے اس کے سر ورق پر مصنف کا نام ابوالخیر نور الحسن لکھا ہوا ہے، لیکن دراصل یہ نواب صاحب کی تصنیف ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۷ر شعبان ۱۳۴۸ھ، حالات قاضی محمد مچھلی شہری)

۱۱. موائد العوائد من عیون الاخبار والفوائد (فارسی) صفحات ۲۵۸

مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : صدیقی بھوپال، طبع اول: ۱۲۹۸ھ

اس کتاب میں ایمان، علم، طہارت صلاۃ وغیرہ سے متعلق تین سو احادیث نبویہ اکٹھا کر کے ان کا ترجمہ اور مطلب واضح کیا گیا ہے اور کتاب کے اخیر میں حقیقت روح پر بحث کی گئی ہے۔

۱۲. الحطة فی ذکر الصحاح الستة (عربی) صفحات ۳۱۴

مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : المکتبة العلمیة لاہور، طبع : ۱۳۹۷ھ

اس کتاب میں علم حدیث کے فضائل اور صحاح ستہ کے مؤلفین کے احوال و مناقب بیان کیے گئے ہیں۔

۱۳. الحرز المکنون من لفظ المعصوم المامون (عربی) صفحات ۲۱

مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : سکندری بھوپال طبع : ۱۲۹۰ھ

اس کتاب میں ثلاثیات بخاری کو جمع کر کے ان کی شرح فتح الباری و دیگر شروح بخاری سے کی گئی ہے اور مسائل بھی مستنبط کیے گئے ہیں۔

۱٤. البیان المرصوص من بیان ایجاز الفقه المنصوص (فارسی) صفحات ۲۱۱

مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : صدیقی بھوپال۔ طبع : ۱۲۹۹ھ

یہ کتاب "بلوغ المرام" کی شرح "مسك الختام" کی تلخیص ہے، اس میں تفصیلات کو حذف کر دیا گیا ہے اور تعارض احادیث کو دفع کیا گیا ہے اس کتاب پر مصنف کا نام علی حسن لکھا ہوا ہے لیکن یہ نواب صاحب کی تالیف ہے۔ (دیکھیے : مآثر صدیقی)

۱۵. عین الیقین ترجمه اربعین (اردو) صفحات ۲۷۶

مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی (۱۲۴۸ـ۱۳۰۷ھ)، مطبع : مصطفائی دہلی، طبع : ۱۳۰۷ھ

یہ کتاب امام غزالی کی کتاب "الاربعین فی اصول الدین" کا اردو ترجمہ ہے۔

اس کتاب کے سر ورق پر مؤلف کا نام ابوالنصر علی حسن لکھا ہوا ہے، لیکن یہ نواب صاحب ہی کی تالیف ہے (ملاحظہ ہو کتاب "مآثر صدیقی" لابی النصر علی حسن.)

۱٦. غنية القاری ترجمة ثلاثيات البخاری (اردو) صفحات ۲۱
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : شاہ جہانی بھوپال، طبع :۱۲۹۱ھ
اس کتاب میں ثلاثیات بخاری (جن کی تعداد ۲۲ ہیں) کو اکٹھا کر کے ان کا ترجمہ اور تشریح کی گئی ہے، پھر تینوں راویوں کے حالات زندگی پر بھی مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۷. تميمة الصبی فی ترجمة الاربعين من احاديث النبی(اردو) صفحات ۲۳
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : شاہ جہانی بھوپال، طبع : ۱۲۹۱ھ
اس کتاب میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق چالیس احادیث نبویہ درج ہیں پھر ان کا ترجمہ و تشریح ہے۔

۱۸. الروض البسام من ترجمة بلوغ المرام (عربی)
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ)

۱۹. خير القرين فی ترجمة الاربعين (اردو) ، مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی

۲۰. اربعون حديثاً فی فضائل الحج والعمرة (عربی) صفحات ۸
مصنف نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : شاہجہانی بھوپال۔ طبع اول ۱۲۸۴ھ
اس رسالہ میں حج وعمرہ سے متعلق چالیس احادیث نبویہ کو جمع کر کے ان کا ترجمہ کیا گیا ہے پھر اُن کی تشریح کی گئی ہے اور اس بات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے کہ کون سی دعا کس مقام پر پڑھی جانی چاہیے۔

۲۱. اربعون حديثاً متواترة (عربی) ، مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی

۲۲. الادراك لتخريج احاديث رد الاشراك (عربی) صفحات ۳۵
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : نظامی کانپور، طبع اول: ۱۲۹۰ھ
یہ کتاب شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب "رد الاشراك" کی حدیثوں کی تخریج پر مشتمل ہے، ساتھ ہی مشکل الفاظ کی تشریح کر دی گئی ہے۔

۲۳. تقوية الايمان بشرح حديث حلاوة الايمان (اردو) صفحات ۷٦
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : مفید عام آگرہ، طبع اول : ۱۳۰۲ھ
اس کتاب میں حدیث "ثلاث من كن فيه وجدبهن حلاوة الايمان الخ" کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

۲٤. نيل الامانی بشرح مختصر الشوكانی (عربی)
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی ۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ

۲۵. ضوء الشمس من شرح حديث "بُنی الاسلام علی خمس" (اردو) صفحات ۱۳۲
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : مفید عام آگرہ۔ طبع اول : ۱۳۰۵ھ
یہ کتاب ایک مقدمہ پانچ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے مقدمہ میں علم کی فضیلت اور ابواب میں حدیث "نبی

الاسلام علی خمس" کاترجمہ وتشریح کی گئی ہے اور خاتمہ میں ان ارکان سے متعلق بحث ہے۔

۲۶۔ ازالة الحيرة عن معنى حديث "لاعدوى ولا طيرة" (فارسی) صفحات ۱۰

مصنف: نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع: شاہجہانی بھوپال طبع: ۱۸۹۵ء

اس کتاب میں حدیث "لاعدوى ولاطيرة" کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اچھے الفاظ کے ذریعہ نیک فال لیا جاسکتا ہے۔

۲۷۔ اطلاق المجلوس عن اسرار احاديث النفوس (فارسی) صفحات ۱۰

مصنف: نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع: شاہ جہانی بھوپال طبع: ۱۸۹۵ء

اس رسالہ میں حدیث "ان الله تجاوز لامتي عما حدثت به الخ" کا مطلب مع تشریح واضح کیا گیا ہے۔

۲۸۔ جهر الهمس من معنى حديث نبي الاسلام على خمس (فارسی) صفحات ۳

مصنف: نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع: شاہجانی بھوپال طبع: ۱۸۹۵ء

اس مختصر رسالہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور جب تک انسان ان پانچوں پر عامل نہ ہو کامل مومن نہیں ہو سکتا۔

۲۹۔ صعود الصفاة في بيان معنى بعض احاديث الصفات (فارسی) صفحات ۵

مصنف: نواب سید صدیق حسن قنوجی (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ)، مطبع: شاہجہانی بھوپال، طبع: ۱۸۹۵ء

اس رسالہ میں صفت باری تعالیٰ سے متعلق احادیث کے معنی پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور علمائے سلف کے اقوال نقل کر کے جمہور کی رائے واضح کی گئی ہے۔

۳۰۔ انارة الضمير المستهام ببيان معنى حديث التعمير في الاسلام (فارسی) صفحات ۵

مصنف: نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع: شاہجہانی بھوپال، طبع: ۱۸۹۵ء

اس رسالہ میں حدیث "ان العبد اذا بلغ اربعين سنة وهو العمر امنه الله من الخصال الثلاث من الجنون والجزام والبرص الخ" کو حدیث حسن لغیرہ بتایا گیا ہے۔

۳۱۔ تشكيل الصور ببيان حكم احاديث فضائل السور (فارسی) صفحات ۲

مصنف: نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع: شاہ جہانی بھوپال طبع: ۱۸۹۵ء

فضائل سور و آیات سے متعلق جو احادیث کتب تفسیر میں وارد ہیں ان پر کلام کیا گیا ہے۔

۳۲۔ زيادة الايمان بأعمال الجنان (اردو) صفحات ۱۵۲

مصنف: نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع: مفید عام آگرہ طبع اول: ۱۳۰۲ھ

اس کتاب میں اُن احادیث کا ترجمہ وتشریح کی گئی ہے جن میں فضائل اوقات واماکن اذکار کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۳۔ ثبات القدم على معنى حديث خلق الله آدم (فارسی) صفحات ۲

مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : شاہ جہانی بھوپال۔ طبع ۱۸۹۵ء
اس کتاب میں حدیث "خلق الله آدم على صورته" کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔

۳۴. لب اللباب من طريق الجمع بين حديث تحريم اكل الميتة و حديث الانتفاع بالإهاب (فارسی)
صفحات ۳، مصنف : نواب صدیق حسن خاں ۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ، مطبع : شاہ جہانی بھوپال، طبع : ۱۸۹۵ء
اس رسالہ میں حدیث "لا تنفعوا من الميتة بأهاب وعصب" اور حدیث "انما حرم من الميتة أكلها" کی وضاحت کرتے ہوئے دونوں حدیثوں میں تطبیق دی گئی ہے۔

۳۵. مالا بد من الرجوع اليه في الكلام على حديث: رفع عن امتي الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه (فارسی) صفحات ۲، مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی،
مطبع : شاہ جہانی بھوپال۔ طبع : ۱۸۹۵ء
اس رسالہ میں حدیث "رفع عن امتي الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه" سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے اُسے ضعیف بتایا ہے۔

۳۶. كشف الكربة عن اهل الغربة (فارسی) صفحات ۴۲
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : مفید عام آگرہ۔ طبع اول: ۱۳۰۳ھ۔
یہ کتاب امام ابن رجب کے کلام کا ترجمہ ہے اس میں حدیث رسول ﷺ "بدأ الاسلام غريبا سيعود غريبا كما بدأ فطوبىٰ للغرباء" کی تشریح کی گئی ہے۔

۳۷. ازالة الضمير بتحديد القرون الثلاثة المشهود لها بالخير (فارسی) صفحات ۱۲
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی، مطبع : شاہ جہانی بھوپال طبع : ۱۸۹۵ء
اس رسالہ میں حدیث "خير امتي القرن الذي يلوني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔

۳۸. بسط الغرش لاستقراء الخصال الموجبة لظلال العرش (فارسی) صفحات ۲۳
مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ)، مطبع : شاہ جہانی بھوپال۔ (۱۸۹۵ء)
اس رسالہ میں حدیث "سبعة يظلهم الله في ظله يوم لاظل الاظله" کی تشریح کرتے ہوئے اس موضوع کی دوسری روایتوں کو بھی اکٹھا کیا گیا ہے۔

۳۹. چہل حدیث (اردو)، مصنف : نواب سید صدیق حسن قنوجی
اس میں حج و عمرہ سے متعلق فضائل کی حدیثیں جمع کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے۔

۴۰. الرحمة المهداة الى من يريد بزيادة العلم على احاديث المشكاة (اردو) صفحات ۳۵۲
مصنف : نور الحسن قنوجی (۱۲۷۸۔۱۳۳۶ھ)، مطبع : فاروقی دہلی تصنیف : ۱۳۰۱ھ

اس کتاب میں صرف ان احادیث کا ذکر ہے جو مشکوۃ میں مذکور نہیں ہیں مصنف نے مشکوۃ کے طرز پر ابواب و فصول قائم کر کے زائد احادیث کو ذکر کیا ہے۔

٤١. منتخب عمل اليوم والليلة لابن السنى، مصنف : نورالحسن قنوجی (۱۲۷۸ـ۱۳۳۶ھ)

٤٢. أنوار المشارق، مصنف : نورالحسن قنوجی

٤٣. شرح بلوغ المرام، مصنف : سید احمد حسن عرشی قنوجی (۱۲۴۶ـ۱۲۷۷ھ)

٤٤. شرح تيسر الوصول الىٰ احاديث الرسول، مصنف : سید احمد حسن عرشی قنوجی

٤٥. المواهب اللطيفة على مسند الامام ابى حنيفة، مصنف : سید احمد حسن عرشی قنوجی

٤٦. الدرارى الناشرات فى ترجمة ما فى البخارى من ثلاثيات (عربی)
مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری۔ (۱۲۵۲ـ۱۳۲۰ھ)

٤٧. الكلام المدهش المنيه من سماع علقمة عن ابيه (عربی)، مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری

٤٨. الروايات المصححة لاثبات رفع المسبحة (عربی)، مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری

٤٩. الصراط السوى فى الصلاة على النبى (عربی)، مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری

٥٠. تخريج الاحاديث المروية من العشرة النبوية (عربی)، مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری

٥١. النعمة السابغة فى تخريج حجة الله البالغة (عربی)، مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری

٥٢. كتاب الاحكام من احاديثه عليه الصلاة والسلام (عربی)، مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری

۵۳۔ موطا امام مالک کی ان احادیث کی تخریج جنہیں امام صاحب نے بلغنا کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(عربی) مصنف : مولانا محمد اسماعیل مچھلی شہری

٥٤. رساله فى العمل بالحديث، مصنف : مولانا محمد مچھلی شہری

٥٥. القويم فى احاديث النبى الكريم (اردو) صفحات ۵۲۶
مصنف : مولانا سخاوت علی جونپوری ۱۲۲۵ـ۱۲۷۴ھ، مطبع : صدیقی بنارس طبع اول: ۱۳۰۳ھ
اس کتاب میں صحاح ستہ سے منتخب احادیث صحیحہ کو لے کر فقہی انداز میں جمع کر دیا گیا ہے۔ ہر حدیث کا ماخذ بتاتے ہوئے مطلب خیز ترجمہ بین السطور لکھ دیا گیا ہے اور حاشیہ پر مختصر فوائد ذکر کر دیے گئے ہیں۔

٥٦. نظم الدور فى مسانيد الفريد الاحقر (عربی)، مصنف : فریدالدین خاں کاکوروی (۱۲۵۹ـ۱۳۳۵ھ)

٥٧. الفلاح المبين شرح اربعين للنووى (فارسی)، مصنف : مولانا فریدالدین خاں کاکوری۔

٥٨. تسهيل دراية الموطا (عربی)، مصنف : شیخ عبدالوہاب (آف علی جان دہلی پ ۱۲۱۵)

٥٩. ترجمة صحيح البخارى صرف ۸ پاره (اردو)، مترجم : مولانا عبدالتواب ملتانی (۱۲۸۸ـ۱۳۶۶ھ)

٦٠. حاشيه بلوغ المرام من ادلة الأحكام(اردو)، محشی : مولانا عبدالتواب ملتانی

٦١. تعليق وحاشية صحيح مسلم لابی الحسن السندی، محشی: مولانا عبدالتواب ملتانی
٦٢. حاشيه تحفة الودود بأحكام المولود (عربی)، محشی: مولانا عبدالتواب ملتانی
٦٣. تعليق مشكوة المصابيح، محشی: مولانا عبدالتواب ملتانی
٦٤. تعليق على المصنف لابن أبی شيبة (عربی)، محشی: مولانا عبدالتواب ملتانی
٦٥. تعليق عون المعبود شرح سنن أبی داؤد، محشی: مولانا عبدالتواب ملتانی
٦٦. تخريج آيات الجامع الصحيح للبخاری (عربی) قلمی
تحقیق: مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی (م۱۳۸۱ھ)
٦٧. شرح سنن ابن ماجة قلمی چند ابواب، مصنف: مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی
٦٨. تكملة تنقيح الرواة فی تخريج احاديث المشكوٰة (عربی)
مصنف: مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی
٦٩. نص الراية فی تخريج الهداية (عربی) قلمی، مصنف: مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی
٧٠. صمصام الباری علی عنق جارح البخاری، مصنف: مولانا محمد دبکاوی (۱۲۷۷-۱۳۵۰ھ)
٧١. رحمة الودود على رجال سنن أبی دائود (عربی)
مصنف: مولانا محمد رفیع شکرانوی بہاری (م۱۳۴۷)
٧٢. عون الودود (عربی)، مصنف: مولانا محمد حیدر آبادی
٧٣. تبويب مسند الامام احمد بن حنبل، مصنف: حافظ عبدالحکیم نصیر آبادی (۱۸۵۵ـ ۱۹۱۸ء)
مکمل مسند امام احمد بن حنبل کی تبویب فقہی طور پر مع شرح از مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، من جانب کانفرنس اہلحدیث دہلی، صرف ۵۶ صفحات تک چھپ کر رہ گئی۔ یہ مسودہ حافظ محمد یحییٰ صاحب دہلوی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔
٧٤. بلوغ المرام مع شرحه (عربی)، مصنف: مولانا سید احمد حسن دہلوی (م۱۳۳۸ھ)
یہ کتاب بلوغ المرام لابن حجر کی مکمل شرح ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳/اپریل ۱۹۳۷ء)
٧٥. شرح شفاء قاضی عیاض، مصنف: سید نذیر الدین احمد جعفری (م ۱۳۵۲ھ)
٧٦. شرح صحاح سته (اردو)، مصنف: مولانا عبدالعزیز صمدنی فرخ آبادی (م۱۳۴۱ھ)
٧٧. ترجمه صحیح مسلم (پارۂ اول اردو)، مصنف: مولانا عبدالعزیز صمدنی فرخ آبادی
٧٨. رساله موضوعات احادیث، مصنف: مولانا عبدالعزیز صمدنی فرخ آبادی
(اہلحدیث امرتسر فروری ۱۹۱۹ء)
٧٩. ترجمه اربعین للنووی (پنجابی منظوم)، مصنف: مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوکے (۱۲۵۳-۱۳۱۲ھ)
٨٠. چالیس حدیثیں (اردو)، مصنف: خواجہ عبدالحی فاروقی

۸۱. اربعین رحمانی (اردو)، من جانب دارالحدیث رحمانیہ دہلی

۸۲. الھام الباری جواب تنقید بخاری (اردو)، مصنف: نواب ضمیر الدین لوھارو (ولادت- ۱۲۸۴ھ)

اس کتاب کے سلسلے میں مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ "آپ لوگوں نے سنا ہوگا ایک کتاب صحیح بخاری کی تردید میں شیعہ مصنف نے لکھی ہے جس کا نام تنقید بخاری ہے اس کا جواب کانفرنس ہذا کی طرف سے ہمارے واجب التعظیم صدر یعنی نواب ضمیر الدین خاں لکھ رہے ہیں ایک جلد مکمل ہو چکی ہے، دوسری زیر تالیف ہے۔

۸۳. مجموع (اردو)، مصنف: مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی (۱۳۰۰-۱۳۵۷ھ)

۸۴۔ حدیث کی پہلی کتاب، مصنف: مولانا عبدالمجید سوھدروی

۸۵۔ حدیث کی کتاب (تین حصہ) (اردو)، مصنف: مولانا عبدالمجید سوھدروی

۸۶۔ اربعین نووی (اردو)، مصنف: مولانا عبدالمجید سوھدروی

۸۷۔ انتخاب صحیحین (اردو)، مصنف: مولانا عبدالمجید سوھدروی

۸۸. عون المعبود علی سنن ابی داؤد (چار جلدیں) (عربی) مجموعی صفحات ۱۳۴۱

مصنف: مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۲۷۳ـ۱۳۲۹ھ)، مطبع: انصاری دہلی، طبع: ۱۳۱۸ تا ۱۳۲۲ھ۔

اس شرح میں اسناد و متن سے متعلق اشکالات کے حل وایضاح کی طرف پوری توجہ کی گئی ہے اور الفاظ کی مختصر وضاحت کر کے جابجا ترکیب بھی کر دی گئی ہے۔

۸۹. غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد جلد اول (عربی) صفحات ۱۹۴

مصنف: مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مطبع: انصاری دہلی

یہ کتاب سنن ابی داؤد کی مبسوط شرح ہے اس کی پہلی جلد کتاب الطہارۃ سے باب ترك الوضوء مماست النار تک کی شرح پر مشتمل ہے۔ اس کی جلد ثانی کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے جو "باب ترک الوضوء" سے لے کر مکمل کتاب الصلاۃ کی شرح پر مشتمل ہے۔

۹۰. التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی دو جلدیں (عربی) صفحات مجموعی ۵۵۴

مصنف: مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۲۷۳ـ۱۳۲۹ھ) مطبع انصاری دہلی۔ طبع اول: ۱۳۱۰ھ

سنن میں ضعیف "صحیح، منکر، موضوع، ہر قسم کی روایتیں ہیں شارح نے روایات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے الفاظ کی مختصر وضاحت اور تشریح کر دی ہے۔

۹۱. تعلیقات علی اسعاف المبطأ برجال الموطأ عربی صفحات ۵۰

مصنف: مولانا شمس الحق عظیم آبادی مطبع: انصاری دہلی طبع اول: ۱۳۲۰ھ

اس کتاب میں مولانا نے معلقات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سیوطی کی لغزشوں کی نشاندہی کی ہے۔ (الاسعاف علامہ سیوطی کی تالیف ہے۔)

۹۲. تعلیقات علی سنن النسائی (عربی)

مصنف : مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۲۷۳-۱۳۲۹ھ) یہ کتاب طبع نہ ہوسکی مولانا کے انتقال کے بعد ہی سے یہ نسخہ غائب ہے۔اس کا ذکر سیرۃ البخاری کے صفحہ ۴۳۷ پر ہے۔

۹۳. رفع الالتباس عن بعض الناس (عربی) صفحات ۳۲

مصنف : مولانا شمس الحق عظیم آبادی مطبع :شمسیہ ملتان طبع : ۱۳۵۸ھ

"بعض الناس فی دفع الوسواس" نامی ایک کتاب حنفیوں کی جانب سے شائع ہوئی تھی۔ جس میں امام بخاری کے "قال بعض الناس"کا جواب دیا گیا تھا یہ کتاب اُسی کے جواب میں ہے۔

۹٤. غنیۃ الالمعی (عربی) صفحات ۱۵

مصنف : مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مطبع : انصاری دہلی، طبع : ۱۳۱۱ء

یہ کتاب حدیث اور علوم حدیث سے متعلق چند سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

۹۵. فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری (عربی)

مصنف : مولانا شمس الحق عظیم آبادی۔ اس کتاب کا بھی ذکر "سیرۃ البخاری" میں ہے۔

۹٦. ھدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی (عربی) صفحات ۱۲

مصنف : مولانا شمس الحق عظیم آبادی ۱۲۷۳۔۱۳۲۹ھ ناقص، سائز بڑی، فی صفحہ ۲۱ سطر۔

یہ کتاب چند فصلوں پر مشتمل ہے اس میں امام ترمذی اور جامع ترمذی پر بحث کرتے ہوئے امام ترمذی کے اساتذہ اور شراح و محشین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

۹۷. تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار (للصغانی) (اردو) صفحات ۶۱۱،

مطبع نول کشور لکھنو طبع ۱۲۸۶ھ، مترجم : مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۷۱یا ۱۲۷۶ھ)

کتاب مشارق الانوار شیخ رضی الدین حسن صنعانی ثم لاہوری کی تالیف ہے اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے احادیث کو انوکھی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے یہ کتاب اُسی کا ترجمہ ہے۔

۹۸. شرح مشارق الانوار (للصغانی)، شارح : مولانا خرم علی بلہوری

۹۹. نجاۃ المومنین فی حفظ الاربعین (عربی،اردو) صفحات ۱۶

مصنف : مولانا الٰہی بخش بڑاکری (م ۱۳۳۴ھ)، مطبع :انوار محمدی، طبع اول:۱۳۰۱ھ

اس کتاب میں ایمان و عقائد سے متعلق بخاری و مسلم سے چالیس احادیث رسول کو جمع کر کے ترجمہ کر دیا گیا ہے اور حاشیہ پر مختصر تشریح کر دی گئی ہے۔

۱۰۰. شرح حدیث ام زرع (اردو)، شارح : مولانا الٰہی بخش بڑاکری

۱۰۱. ترجمہ سنن ترمذی (اردو) ناقص، مترجم : نواب بدیع الزمان حیدر آبادی (۱۲۵۰- ۱۳۰۴ھ)

اس کتاب کا ذکر "نزھتہ الخواطر" جلد ۸ میں ہے۔

۱۰۲. ترجمہ سنن ابن ماجۃ (اردو) ناقص، مترجم: نواب بدیع الزمان حیدر آبادی

۱۰۳. شرح سنن ابن ماجۃ ناقص، شارح: مولانا عبدالصمد حسین آبادی اعظمی (۱۳۲۲-۱۳۶۷ھ)

۱۰٤. مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی (عربی) صفحات ۳۴۴

مصنف: مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکفوری (۱۲۸۳-۱۳۵۳ھ)

یہ مقدمہ دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے پہلے باب میں ۴۱ فصلیں ہیں جن میں عام فنون حدیث، کتب حدیث، ائمہ حدیث کے متعلق نہایت کار آمد فوائد جمع کردئے گئے ہیں۔ دوسرا باب سترہ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں خاص جامع ترمذی اور امام ترمذی کے متعلق مفید مباحث مذکور ہیں۔

۱۰۵. تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی (۴ جلدیں) (عربی) صفحات مجموعی ۱۶۲۶

شارح: مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکفوری

اس شرح میں جامع ترمذی کے راویوں کا ترجمہ، احادیث کی تشریح، تصحیح و تحسین میں امام ترمذی کا تساہل، احادیث کی توضیح اور اختلاف مذاہب کی وضاحت مع دلائل درج ہیں۔

۱۰٦. خیار الدعوات (اردو) صفحات ۱۱۹،

مصنف: مولانا عبدالرحمٰن بقا غازیپوری (۱۲۸۱ـ ۱۳۴۴ھ)، مطبع: ستار ہند کلکتہ، طبع اول ۱۳۲۶ھ۔

یہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں کا مجموعہ مع ترجمہ ہے جو ذکر و دعا سے متعلق ہیں اور جو حدیثیں اس میں مذکور ہیں ان کی تخریج بھی کی گئی ہے۔

۱۰۷. البحر المواج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن الحجاج (عربی) صفحات ۴۷

قلمی، سائز فل اسکیپ، شارح: مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری (۱۲۶۱ـ ۱۳۳۷ھ)

یہ کتاب مقدمہ صحیح مسلم کی شرح ہے اس میں مشکل الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے راویوں کے سلسلے میں امام مسلم کے خیالات کی پوری پوری وضاحت کی گئی ہے۔

۱۰۸. احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد (عربی) صفحات ۱۶

نواب وحید الزماں حیدر آبادی (۱۲۶۷ـ ۱۳۳۸ھ) مطبع: علوی لکھنو طبع اول: ۱۲۸۴ھ

اس رسالہ میں شرح عقائد نسفی کی تمام احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔

۱۰۹. تیسیر الباری مطلب خیز ترجمہ صحیح البخاری مکمل (اردو) صفحات مجموعی ۳۳۹۶

مترجم: نواب وحید الزمان حیدر آبادی، مطبع: احمدی لاہور طبع اول: ۱۹۱۲ء

یہ بخاری شریف کا مکمل ترجمہ ہے، اس ترجمہ میں برخلاف دوسرے تراجم کے حدیث مع اسناد لکھی گئی ہے، حاشیہ پر فوائد ضرور یہ مختصراً درج ہیں۔

۱۱۰. تسہیل القاری ترجمہ اردو **صحیح البخاری مع الشرحین فتح الباری وارشاد الساری مع نیل الاوطار.** (پانچ جلدیں) (اردو) صفحات مجموعی ۳۸۶۲۔ مترجم: نواب وحید الزمان حیدر آبادی (۱۲۶۷۔۱۳۳۸ھ)، طبع: ۱۳۱۴ھ

یہ کتاب صرف کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلاۃ کی شرح پر مشتمل ہے سلیس زبان میں ترجمہ کر کے حدیث و باب میں مطابقت پیدا کی گئی ہے اور شارحین کے اقوال نقل کر کے ان پر محاکمہ بھی کیا گیا ہے۔

نوٹ :- پارہ چہارم پر مصنف کا نام مذکور نہیں ہے صرف ناشر کا نام عبدالرحمٰن صاحب مالک مطبع کا ذکر ہے، لیکن پانچویں پارہ میں تالیف کی نسبت عبدالرحمٰن مالک مطبع کی جانب کی گئی ہے اور اس پارہ کا سنہ تصنیف ۱۳۱۱ھ ہے اور نواب صاحب کی وفات ۱۳۳۸ھ ہے اور کتاب کا انداز بالکل نواب صاحب کا ہے۔

۱۱۱. المعلم لترجمة صحيح مسلم (۶ جلدیں) (اردو) صفحات مجموعی ۲۶۴۴

مترجم: نواب وحید الزمان حیدر آبادی، مطبع: صدیقی لاہور طبع: ۱۳۰۴ تا ۱۳۰۶ھ

یہ کتاب مکمل مسلم شریف مع مختصر شرح نووی کا اردو ترجمہ ہے جو نہایت عام فہم اور سلیس ہے کہیں کہیں ضروری توضیحات بھی ہیں۔

۱۱۲. الهدی المحمود لترجمة سنن ابی داؤد مکمل (اردو) صفحات ۱۲۶۴

مترجم: نواب وحید الزمان حیدر آبادی (۱۲۶۷۔۱۳۳۸)، مطبع: صدیقی لاہور۔

سنن کا یہ ترجمہ متعدد شروح و حواشی کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور بعض الفاظ کی تشریح بعنوان "ف" بڑھا کر کی گئی ہے لیکن اختلاف اسانید کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔

۱۱۳. روض الربی من ترجمة المجتبیٰ اعنی سنن النسائی اردو صفحات ۱۲۸۸

مترجم: نواب وحید الزمان حیدر آبادی، مطبع: صدیقی لاہور، طبع: ۱۳۰۲ تا ۱۳۰۳ھ

یہ کتاب سنن نسائی کا ترجمہ ہے اس میں اکثر مقامات پر احادیث کی تشریح کی گئی ہے اور حدیث کا مطلب بیان کرنے میں کسی مسلک کی بیجا طرفداری نہیں کی گئی ہے۔

۱۱٤. كشف المغطا فی ترجمة موطا امام مالك (اردو) صفحات ۷۹۰

مترجم: نواب وحید الزماں حیدر آبادی (۱۲۶۷-۱۳۳۸)، مطبع: اصح المطابع کراچی تصنیف: ۱۲۹۶ھ۔ یہ کتاب موطا امام مالک کا مکمل ترجمہ ہے، سندیں حذف کر دی گئی ہیں ترجمہ عام فہم زبان میں ہے۔

۱۱۵. جائزة الشعوذی ترجمة جامع الترمذی (اردو)، مترجم: نواب وحید الزماں حیدر آبادی

یہ جامع ترمذی کا مکمل عام فہم ترجمہ ہے، احادیث کا مطلب بلا رعایت مسلک لکھا گیا ہے۔

۱۱٦. رفع العجاجة شرح ابن ماجة (اردو)، مصنف: نواب وحید الزمان حیدر آبادی

۱۱۷. اصلاح الهداية و تصحيح الرواية (۶ جلدیں) (اردو) صفحات مجموعی ۱۶۰۰

مصنف : نواب وحیدالزماں حیدر آبادی مطبع : شوکتہ الاسلام بنگلور تصنیف : ۱۳۳۳ھ
اس کتاب میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایۃ" کی تمام حدیثوں کی صحت اور عدم صحت پر مکمل بحث کی گئی ہے۔

۱۱۸. اشراق الابصار تخریج احادیث نور الانوار، مصنف : نواب وحیدالزماں حیدر آبادی
اس کتاب میں اصول فقہ حنفی کی مشہور کتاب نورالانوار کی تمام حدیثوں کی تخریج کر دی گئی ہے۔

۱۱۹. الفلاح المبین شرح اربعین للنووی (فارسی)
شارح : مولانا فریدالدین خاں کاکوروی (۱۲۵۹ھ۔ ۱۳۳۴)

۱۲۰. سواء الطریق (چار جلدیں) (اردو) صفحات ۵۶۰
مصنف : مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (۱۲۷۰-۱۳۳۶ھ)، مطبع : فاروقی دہلی۔ طبع اول: ۱۳۳۹ھ
اس کتاب میں مشکوۃ سے بخاری و مسلم کی روایتوں کو الگ کر کے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اور جس حدیث کی تشریح ضروری سمجھی گئی ہے حاشیہ پر کر دی گئی ہے۔

۱۲۱. اقامۃ الدلائل علی سماع علقمۃ عن ابیہ وائل (اردو) صفحات ۶
مصنف : مولاناابوالمکارم محمد علی مئوی (۱۲۷۵ھ۔ ۱۳۵۲ھ)، مطبع : شمس المطابع لکھنو طبع اول: ۱۹۲۹ء
اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علقمہ کا سماع اپنے باپ سے ثابت ہے۔

۱۲۲. طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکوٰۃ (چار جلدیں) (اردو)
صفحات مجموعی ۵۸۶ مترجم : مولانا ابو محمد ابراہیم آروی (۱۲۶۴ھ۔ ۱۳۱۹ھ)، مطبع : ستارۂ ہند کلکتہ۔ طبع : ۱۳۴۶ھ۔ یہ کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" کی ان حدیثوں کا ترجمہ ہے جن کی تخریج امام بخاری و امام مسلم نے کی ہے۔

۱۲۳. فقہ محمدی شرح الدرر البھیۃ للشوکانی، مصنف : مولاناابو محمد ابراہیم آروی

۱۲٤. ترجمہ کتاب الادب المفرد للبخاری، مترجم : مولاناابو محمد ابراہیم آروی

۱۲۵. اربعین محمدی اردو صفحات ۲۰
مصنف : مولانا محمد جوناگڈھی (۱۸۹۰ھ۔ ۱۹۴۱ء)، مطبع : جید برقی دہلی۔ طبع دوم: ۱۳۵۷ھ
اس کتاب میں اللہ کے رسول کی ایسی پچاس حدیثوں کو جمع کر کے ترجمہ کر دیا گیا ہے جن میں تقلید کی تردید اور اہل الرای سے بچنے کی تاکید اور اہلحدیث ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

۱۲۶. سیف محمدی اردو صفحات ۱۴۰، مصنف : مولانا محمد جوناگڈھی، مطبع : آزاد برقی دہلی۔ طبع : ۱۳۴۸ھ
اس کتاب میں چھ سو مسائل فقہ کو نقل کر کے احادیث رسول کے ذریعہ ان کا مقابلہ کیا گیا ہے پھر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حنفیہ کے یہ تمام مسائل احادیث رسول کے خلاف ہیں۔

۱۲۷. برھان محمدی (اردو) صفحات ۱۶
مصنف : مولانا محمد جوناگڈھی، مطبع پرینٹنگ ورکس دہلی طبع اول : ۱۳۴۴ھ

یہ رسالہ علامہ تقی الدین سبکی کی کتاب جز رفع الیدین" کا ترجمہ ہے اس میں رفع الیدین کی احادیث جمع کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے وفات تک رفع الیدین کیا ہے، نیز خلفائے راشدین و عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کے رفع الیدین کرنے کا ثبوت درج ہے۔

۱۲۸. شمع محمدی (اردو) صفحات ۱۲۴

مصنف : مولانا محمد جوناگڑھی، مطبع : جید پریس دہلی طبع : ۱۳۵۳ھ

اس کتاب میں ڈیڑھ سو سے زائد وہ حدیثیں مع ترجمہ جمع کر دی گئیں ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی حنفی مذہب نہیں مانتا۔

۱۲۹. حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی) قلمی

محشی : مولانا عبداللہ روپڑی (۱۳۰۳-۱۳۸۴ھ) یہ حاشیہ صرف کتاب القدر تک ہے۔

۱۳۰. ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح (اردو) قلمی

مترجم : مولانا عبداللہ روپڑی۔ یہ ترجمہ بھی چند کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۳۱. نخبة الأحادیث (عربی) صفحات ۷۹

مصنف : مولانا سید داؤد غزنوی (م ۱۹۶۳ء) مطبع : آکسفورڈ اینڈ کیمبرج لاہور، طبع سوم: ۱۹۶۳ء

اس کتاب میں نیت، شرک کی مذمت، نماز کی فضیلت، سورہ فاتحہ کی فرضیت، گناہ، غیبت، چغلی وغیرہ سے پرہیز کرنے کی احادیث جمع کر کے ان پر اعراب لگایا گیا ہے، پھر ہر ایک کی مختصر تشریح کی گئی ہے۔

۱۳۲. مائة ثنائية یعنی صد احادیث نبویة (اردو) صفحات ۴۸

مصنف : مولانا ثناءاللہ امرتسری (۱۲۸۷-۱۳۶۷ھ) مطبع : ثنائی امرتسر طبع اول : ۱۳۵۷ھ

اس کتاب میں فضائل ایمان، اتباع سنت، نماز، فضائل جماعت، زکوٰۃ روزہ، حج وجہاد، فضائل قرآن، حسن اخلاق اور فضائل ذکر اللہ میں سے ہر ایک سے متعلق دس دس احادیث مع ترجمہ و تشریح مذکور ہیں۔

۱۳۳. اربعین ثنائية (اردو) صفحات ۱۰، مصنف : مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ، مطبع : لیتھو آرٹ دہلی۔

اس رسالہ میں چالیس احادیث رسول ﷺ عقائد و حسن خلق سے متعلق درج کر کے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اور ہر حدیث کی مختصر تشریح بھی کی گئی ہے۔

۱۳٤. خصائل النبی ﷺ (اردو) صفحات ۲۴

مصنف : مولانا ثناءاللہ امرتسری، طبع ہفتم : ۱۹۲۲ء

یہ کتاب شمائل ترمذی از امام ابو عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) کا مختصر ترجمہ ہے اس میں مسلمانوں کے ننھے منے بچوں کے لیے آنحضرت ﷺ کے روزانہ کے معمولات بتائے گئے ہیں۔ ساتھ ہی آپ کی صورت مبارکہ، قد مبارک، مہر نبوت وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۵۔ فرقہ ناجیہ اردو صفحات ۱۲، مصنف: مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (۹۵ یا ۱۲۹۶ـ۱۳۷۵ھ)،
مطبع: ثنائی برقی پریس، امرتسر طبع اول: ۱۹۳۲ء

اس رسالہ میں مولانا نے حدیث ''تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ'' کی تشریح کرتے ہوئے فرقہ ناجیہ پر بحث کی ہے اور احادیث رسول ﷺ واقوال ائمہ وغیرہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ فرقہ ناجیہ جماعت اہلحدیث ہے۔

۱۳۶۔ مسائل رمضان، اردو، صفحات ۱۴
مصنف: مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مطبع: ثنائی برقی امرتسر۔

یہ رسالہ نبی ﷺ کی اس حدیث کے ترجمہ وتشریح پر مشتمل ہے جسے آپ نے شعبان کی آخری تاریخوں میں فضائل رمضان واحکام رمضان کے موضوع پر بیان فرمایا تھا۔

۱۳۷۔ قضیہ الدحیث فی حجیۃ الحدیث اردو صفحات ۲۳
مصنف: مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (۱۳۰۷ـ۱۳۶۹ھ)، مطبع: انتظامی پریس کانپور

اس کتاب میں احادیث کا مقام قرآن مجید اور تاریخ کی روشنی میں دکھایا گیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، بالکل اُسی طرح احادیث کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے اور قرآن مجید کی طرح احادیث صحیحہ بھی واجب العمل ہیں۔

۱۳۸۔ لؤلؤ الشرع فی حدیث ام زرع اردو صفحات ۸
مصنف: مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، طبع دوم: ۱۳۲۹ھ

اس رسالہ میں ''ام زرع'' کے واقعہ سے متعلق مشہور حدیث کا ترجمہ ہے اور اس کی شرح ہے حدیث ایک کالم میں اور اس کا ترجمہ دوسرے کالم میں ہے یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔

۱۳۹۔ حصول المرام (عربی، اردو) قلمی صفحات ۴۴، مصنف: مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی

حافظ ابن حجر کی ''بلوغ المرام'' کے طرز پر کتاب حصول المرام ان احادیث نبویہ کا ''مختصر مجموعہ مع اعراب وترجمہ ہے جن میں طریقہ اذان، وضو، مسح، تعمیر مسجد اور طریقہ نماز، فرض، وتر، تراویح، جمعہ، عیدین، خسوف اور نماز سفر وحضر وجنازہ وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔

۱۴۰۔ اربعین محمدی اردو، مصنف: مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی

۱۴۱۔ ترجمہ کتاب الرد علی ابی حنیفہ (اردو) صفحات ۳۸
مترجم: مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مطبع: فاروقی دہلی طبع: ۱۳۳۳ھ

مصنف ابن ابی شیبۃ لابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (م ۲۲۵ھ) کا ایک اہم حصہ ''کتاب الرد علی ابی حنیفہ'' ہے جس میں امام موصوف نے ایک سو پچیس احادیث رسول ﷺ ایسی ذکر کی ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے فتاوے اور مسائل ان کے خلاف ہیں یہ کتاب اُسی کا ترجمہ ہے۔

۱۴۲. شرح حدیث غربت (اردو) مصنف: مولانا ابوالکلام آزاد (۱۳۰۵-۷۷ ۱۳ھ)

مولانا آزاد اپنی اس حدیث کی شرح کے متعلق فرماتے ہیں: "یہ کتاب ایک سو صفحہ سے زائد میں ختم ہوئی ہے، شرح حال غربت ثانیہ، و تفصیل اسباب غربت و بحث و تحقیق احادیث فتن کے باب میں ان شاء اللہ جامع و مانع ہو گی۔ اگر اشاعت سے پہلے نظر ثانی کا موقع ملا تو بعض مطالب بڑھا دئے جائیں گے جو بسبب عدم موجودگی کتب بالفعل سر انجام نہ پا سکے۔" تذکرہ صفحہ ۲۵۴

۱۴۳. انوار المصابیح ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح (تیرہ جلدیں) اردو

صفحات مجموعی: ۴۹۳۳، مترجم: مولانا عبدالسلام بستوی (۲۷یا۱۳۲۶ھ۔ ۱۳۹۴ھ)، مطبع: جمال پرینٹنگ دہلی۔

یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا مکمل ترجمہ ہے پہلے عربی عبارت نقل کر کے اس پر اعراب لگا دیا گیا ہے پھر اس کے نیچے با محاورہ ترجمہ ہے اور لغوی تشریح بھی کر دی گئی ہے پھر ائمہ کے اختلاف کو واضح کر دیا گیا ہے۔

۱۴۴ ایمان مفصل اردو صفحات ۶۴، مصنف: مولانا عبدالسلام بستوی، مطبع: انڈیا لیتھو دہلی طبع:

اس کتاب میں حدیث "الایمان بضع وسبعون شعبة" کا ترجمہ کرتے ہوئے تمام شعبوں کو فردا فردا شمار کرایا گیا ہے اور ہر ایک کی تشریح بھی کی گئی ہے۔

۱۴۵. کشف الملھم عما فی مقدمة مسلم اردو صفحات: ۵۴

مترجم: مولانا عبدالسلام بستوی، مطبع: محبوب المطابع دہلی طبع اول: ۱۳۵۶ھ

یہ کتاب صحیح مسلم کے مقدمہ کا ترجمہ ہے، سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے پھر مشکل الفاظ کی لغوی تشریح کی گئی ہے۔

۱۴۶. رفع العجاجة ترجمة سنن ابن ماجة (اردو)، مترجم: مولانا عبدالسلام بستوی

۱۴۷. ضوء المصابیح (عربی) قلمی، سائز فل اسکیپ صفحات: ۹۹۴

محشی: مولانا عبدالجلیل سامرودی (م ۱۳۹۲ھ)

یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا نہایت جامع اور مدلل حاشیہ ہے اور صرف کتاب الجنائز تک ہے۔

۱۴۸. غاية المرام فی ترجمة کتاب القرأة للبیهقی (اردو) قلمی سائز فل اسکیپ صفحات ۱۶۵

مترجم: مولانا عبدالجلیل سامرودی۔ یہ کتاب امام بیہقی کی جزء القرأۃ کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔

۱۴۹. التعلیق علی الصحیح لمسلم (عربی) قلمی سائز فل اسکیپ صفحات: ۱۰۰

محشی: مولانا عبدالجلیل سامرودی۔ یہ کتاب صحیح مسلم کی دونوں جلدوں کا مکمل حاشیہ ہے۔

۱۵۰. التعلیق علی سنن ابی داؤد (عربی) قلمی سائز فل اسکیپ صفحات ۳۵

محشی: مولانا عبدالجلیل سامرودی۔ یہ کتاب سنن ابی داؤد کا مکمل حاشیہ ہے۔

۱۵۱. التعلیق علی سنن النسائی (عربی) قلمی، سائز فل اسکیپ صفحات: ۳۰

محشی: مولانا عبدالجلیل سامرودی۔ یہ کتاب صرف سنن نسائی کی جلد ثانی کا حاشیہ ہے۔

۱۵۲. التعليق على سنن الامام ابى محمد الدارمى (عربی) قلمی سائز فل اسکیپ صفحات : ۲۰
محشی : مولانا عبدالجلیل سامرودی۔ یہ کتاب سنن دارمی کا مکمل حاشیہ ہے۔

۱۵۳ . نسيم الرياحين من رياض الصالحين (عربی) قلمی، مصنف : مولانا عبدالجلیل سامرودی

۱۵۴ . اعلام منن الغنی فی تلخیص الضعفاء والمتروکین من کتاب الدار قطنی۔
(عربی) قلمی، تلخیص : مولانا عبدالجلیل سامرودی

۱۵۵ . صحیح بخاری مترجم مکمل (اردو) صفحات مجموعی ۶۴۳۶
مترجم : مولانا محمد داؤد راز (م ۱۴۰۲ھ)، طبع : ۸۹ تا ۱۳۹۸ھ
یہ کتاب بخاری شریف کے سلیس بامحاورہ ترجمہ پر مشتمل ہے، مختلف پارے ہندو ملک کے مختلف مطابع میں چھپے ہیں اس کتاب میں ترجمہ کے ساتھ باب وحدیث میں مطابقت اور مسلک محدثین سے اختلاف کرنے والوں کے خیالات پر تبصرہ وغیرہ بھی کر دیا گیا ہے اور بعض صحابہ کرام کے حالات بھی قلمبند کر دیئے گئے ہیں۔

۱۵۶ . امام بخاری کا مسلک (اردو) صفحات : ۴۴
مصنف : مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ (۱۳۱۹۔۱۳۸۷ھ) مطبع : یونین پرنٹنگ ملتان
اس کتاب کے شروع میں مسلک اہلحدیث پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر ایمان اور اس کے متعلق چاروں اماموں کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحمل حدیث نماز میں ائمہ کے اختلافی مسائل اور اس کے جزئیات پر روشنی ڈالتے ہوئے امام بخاری کے مسلک کی ترجمانی کی گئی ہے اور اس کے بعد علمائے دیوبند کا اضطراب فقه الحديث فقه الراى، الرد على الجهمية اور خبر واحد کی وضاحت و تشریح کرتے ہوئے ہر ایک پر محاکمہ کیا گیا ہے۔

۱۵۷۔ مشکوٰۃ المصابیح مترجم جلد اول، اردو صفحات : ۴۷۹
مترجم : مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ، مطبع : اشرف پریس گجرانوالہ، طبع اول: ۱۹۷۵ء
یہ جلد کتاب الایمان کتاب العلم کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلاۃ پر مشتمل ہے اس ترجمہ میں ایک جانب عربی عبارت اور دوسری جانب ترجمہ اور نیچے حدیث کی توضیح اور مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

۱۵۸۔ واقعہ افک (اردو) صفحات: ۴۸
مصنف : مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ، مطبع : طبع اول : ۱۹۸۲ء
یہ کتاب مولوی تمنا عمادی کے ایک مضمون کے جواب میں ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ واقعہ افک عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی حدیث موضوع ہے یہ عجمی سازش کی پیداوار ہے مولانا گجرانوالہ نے اس کتاب میں عمادی صاحب کے شبہات و نکات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

۱۵۹۔ ہندوستان میں علم حدیث (اردو)، مصنف : مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی (م ۱۹۶۶ء)

۱۶۰۔ صد احادیث (اردو) صفحات: ۱۶۰، مصنف مولانا محمد صادق سیالکوٹی

اس کتاب میں ایسی صد احادیث نبویہ اکٹھا کی گئی ہیں جن کا تعلق ایمان اعتقاد اور اصلاح معاشرہ سے ہے پھر ہر ایک کا اردو میں سلیس ترجمہ کر دیا گیا ہے اور مختصر تشریح بھی۔

۱۶۱۔ بیاض الاربعین (اردو) صفحات ۴۸، مصنف: مولانا محمد صادق سیالکوٹی

اس کتاب میں چالیس ایسی حدیثیں جمع کر کے ان کا ترجمہ و تشریح کی گئی ہے جو مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی زندگی کے لیے مشعل راہ ہیں۔

۱۶۲۔ التعلیقات السلفیة (حاشیہ بر سنن نسائی) (عربی)

محشی: مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (۱۹۰۹ـ۱۹۸۷ء)، ناشر: مکتبہ سلفیہ لاہور، طبع: ۱۳۲۵ تا ۱۴۰۳ھ)

یہ حاشیہ سنن نسائی کے دونوں حصوں پر ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے اور تعارض کی صورت میں تطبیق دی گئی ہے اور ضعیف یا مدلس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۱۶۳۔ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث الشکاۃ عربی صفحات: ۸۲۴

محشی: مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، ناشر: مکتبہ سلفیہ لاہور، طبع: ۱۳۲۵ھ

ڈپٹی سید احمد حسن (مولف احسن التفاسیر) نے اس کتاب کے جزء اول اور ثانی کو مکمل کیا اور جب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے تو اپنے شاگرد مولانا ابو سعید شرف الدین کے حوالہ کر دیا جنہوں نے بقیہ دو جلدوں کو آپ کے اشراف میں مکمل کیا۔ اس میں مشکوٰۃ المصابیح کے احادیث کی تخریج اور سند کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس کی دو جلدیں نصف تک ۱۹۱۵ء تک مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہو گئی تھیں اور نصف آخر کا مسودہ غائب ہو گیا تھا لیکن اتفاق سے یہ مسودہ کراچی کے ایک کتب خانہ میں مل گیا جو انتہائی کرم خوردہ تھا۔ اس کی تیسری جلد کی مولانا بھوجیانوی نے نئے سرے سے تنقیح و تحقیق کی اور مفید چیزوں کا اضافہ کیا جب مولانا پر فالج کا حملہ ہوا تو اپنے شاگرد حافظ صلاح الدین یوسف کے حوالہ کیا جنہوں نے اس کی آخری جلد کی تنقیح و تحقیق کی۔

۱۶۴۔ فیض الودود تعلیق سنن ابی داؤد (عربی) قلمی ناقص

محشی: مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔ اس کا تذکرہ مقدمہ مرعاۃ المفاتیح کے صفحہ ۷ پر ہے۔

۱۶۵۔ فیض الباری ترجمة وشرح صحیح البخاری (مکمل تیس پارے) (اردو)

مترجم: مولانا حافظ ابوالحسن سیالکوٹی (۱۳۲۵ھ)

۱۶۶۔ فیض الستار فی ترجمة کتاب الاثار (اردو)، مترجم: مولانا حافظ ابوالحسن سیالکوٹی۔

یہ کتاب الأثار لامام محمد کا ترجمہ ہے۔

۱۶۷۔ اکمال ترجمہ اسماء الرجال (اردو)، مترجم: مولانا حافظ ابوالحسن سیالکوٹی۔

۱۶۸۔ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح مکمل (اردو)، مترجم: مولانا حافظ ابوالحسن سیالکوٹی

۱۶۹۔ تلخیص الصحاح ترجمہ تیسیر الوصول حصہ پنجم و ششم (اردو)

مترجم: مولانا حافظ ابوالحسن سیالکوٹی۔

۱۷۰۔ نصرة الباری فی ترجمة صحیح البخاری چھ جلدیں (اردو)

مترجم : مولانا عبدالاول غزنوی (م ۱۳۱۳ھ)، مطبع :القرآن والسنة امرتسر

۱۷۱۔ انعام المنعم بترجمة الصحیح لمسلم (اردو)

مترجم : مولانا عبدالاول غزنوی، مطبع :القرآن والسنة، امرتسر طبع : ۱۳۲۵ھ

۱۷۲۔ الرحمة المهداة الی من یرید ترجمة المشکوٰة (چار جلدیں) (اردو)

مترجم : مولانا عبدالاول غزنوی، مطبع : انوار الاسلام امرتسر

یہ کتاب مشکوٰة المصابیح کے ترجمہ کے ساتھ مختصر شرح پر مشتمل ہے۔

۱۷۳۔ ترجمة ریاض الصالحین (للنووی) (اردو)، مترجم : مولانا عبدالاول غزنوی

۱۷۴۔ فضل الباری ترجمه صحیح البخاری (اردو)، مترجم : مولانا فضل حق دلاوری

۱۷۵۔ ترجمه جامع الترمذی (اردو)، مترجم مولانا فضل حق دلاوری

۱۷۶۔ ترجمه احادیث الموضوعة للشوکانی (اردو)، مترجم : مولانا فضل حق دلاوری

۱۷۷۔ ترجمة الموضوعات از ملا علی قاری (اردو)، مترجم : مولانا فضل حق دلاوری

۱۷۸۔ حاشیه مشکوٰة المصابیح (عربی)

محشی : مولانا حافظ عبدالوہاب صدری محدث دہلوی۔ (۱۲۸۱۔۱۳۵۱ھ)

۱۷۹۔ نصرة الباری شرح صحیح البخاری (اردو)، شارح : مولانا عبدالستار صدری (۱۳۲۳۔۱۳۸۶ھ)

۱۸۰۔ البیان المکمل فی تحقیق الشاذ والمعلل (عربی) صفحات ۵۸، محشی : شیخ حسین بن محسن یمانی

(۱۲۴۵۔۱۳۲۷)، ناشر : جامعہ سلفیہ بنارس طبع ثالث : ۱۴۱۰ھ

اس کتاب میں شاذ اور معلل کی تعریف میں جو علماء مصطلحین کے اختلافات ہیں ان کو نقل کر کے محاکمہ کیا گیا ہے، نیز ایسی احادیث کے حجت و عدم حجت ہونے پر بحث ہے۔

۱۸۱۔ التحفة المرضیة فی حل بعض المشکلات الحدیثیة، مصنف : شیخ حسین بن محسن یمانی

۱۸۲۔ تعلیقات سنن ابی داؤد، محشی : شیخ حسین بن محسن یمانی

۱۸۳۔ البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیین (دو جلدیں) (اردو) صفحات مجموعی ۲۴۰

مصنف : مولانا محی الدین نو مسلم

اس کتاب میں مشکوٰة المصابیح کے کتاب الطهارة اور کتاب الصلاة وغیرہ کی تمام احادیث نقل کر کے ان کا ترجمہ کیا گیا ہے اور ہر حدیث کی مختصر تشریح بھی کر دی گئی ہے۔

۱۸۴۔ ترجمة القرآة خلف الامام (اردو) صفحات ۴۰

مترجم : مولانا ابو محمد زین الدین معروف بہ حافظ نظیر حسن آروی، مطبع : فارقی دہلی، طبع اول : ۱۲۹۹ھ

یہ کتاب امام بخاری رحمہ اللہ کے رسالہ "جزء القرأة خلف الامام" کا ترجمہ ہے۔

۱۸۵۔ اربعین اصلاحی اردو صفحات ۱۶، مصنف : مولانا محمد مہدی رضا بہاری، طبع : ۱۳۶۸ھ

اس رسالہ میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق چالیس آیات قرآنی اور چالیس احادیث (رسول ﷺ) مع ترجمہ و تشریح درج ہیں۔

۱۸۶۔ انتخاب الحدیث (دو جلدیں) (اردو) صفحات ۲۴۴

مؤلف : مولانا ابوالقاسم خالد الخیری اڑیسہ، مطبع : نیشنل آرٹ الہ آباد طبع : ۱۹۸۲ء

اس کتاب میں صحاح ستہ سے مختلف موضوع کی اہم احادیث اکٹھا کر دی گئی ہیں۔ پھر ان کا عام فہم ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۸۷۔ بلوغ المرام مع تعلیقه اتحاف الکرام (عربی) صفحات ۴۶۳

مصنف : مولانا صفی الرحمٰن مبارکفوری (ولادت : ۱۹۴۲ء)، مطبع : سلفیہ پریس بنارس، طبع اول : ۱۹۷۴ء

یہ کتاب حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "بلوغ المرام" کا مفصل اور جامع حاشیہ ہے یہ حاشیہ دوسرے حواشی سے کئی وجوہ سے ممتاز ہے۔ (۱) اس میں راویوں کے مختصر حالات ذکر کر دیئے گئے ہیں (۲) تاریخی مقامات پر اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (۳) فقہی مسائل کی تشریح کرتے ہوئے راجح مسلک کو بدلائل واضح کیا گیا ہے۔

۱۸۸۔ تعلیقات سنن نسائی (چند اجزاء) (عربی)، محشی : مولانا ابو یحییٰ محمد شاہجہاں پوری (م ۱۳۳۸ھ)

۱۸۹۔ فہرست احادیث، مصنف : مولانا ابو محمد عبداللہ چھپراوی (م ۱۳۴۸ھ)

۱۹۰۔ تخریج احادیث شرح العقائد، مصنف : مولانا بشیر الدین قنوجی (۱۲۳۴۔۱۲۹۶ھ)

۱۹۱۔ شرح موطا لامام مالك، شارح: مولانا بشیر الدین قنوجی

۱۹۲۔ احسن المقال فی شرح حدیث "لا تشد الرحال"، مصنف : مولانا بشیر الدین قنوجی

۱۹۳۔ الدراری المضیئة، مصنف : سید اعجاز احمد سہوانی (۱۲۹۴۔۱۳۳۲ھ)

۱۹۴۔ شرح صحیح البخاری (اردو)، شارح : مولانا امیر علی لکھنوی (۱۲۷۴۔۱۳۳۷ھ)

۱۹۵۔ حاشیه تقریب التهذیب لابن حجرؒ، محشی : مولانا امیر علی لکھنوی

۱۹۶۔ التعقیب تکملة التقریب، مصنف : مولانا امیر علی لکھنوی

۱۹۷۔ المستدرك فی الرجال، مصنف : مولانا امیر علی لکھنوی

۱۹۸۔ الاقوال الایمانیة فی شرح اربعین السلیمانیة (اردو) منظوم

مصنف : مولانا محمد ہاشم سورتی (۱۲۵۶۔۱۳۱۵ھ)

۱۹۹۔ الاقوال الایمانیة فی شرح اربعین السلیمانیه (اردو) نثر، مصنف : مولانا محمد ہاشم سورتی

۲۰۰۔ ترجمہ صحیح البخاری (صرف سات پارے) (اردو)، مترجم : مولانا محمد ہاشم سورتی

۲۰۱۔ منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری، مصنف : مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶۔۱۳۳۸ھ)

۲۰۲۔ اربعین سلیمانیہ مترجم (اردو)، مترجم : مولانا عبدالحمید اٹاوی حیدر آباد، دکن
اس کتاب کا ذکر اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۲/ نومبر ۱۹۲۰ء میں ہے۔

۲۰۳۔ چہل حدیث در فضائل قرآن شریف (اردو)، مصنف : مولانا عبدالحمید اٹاوی حیدر آباد دکن
اس کتاب میں فضائل قرآن کے سلسلہ میں چالیس احادیث صحیحہ کو اکٹھا کر کے ترجمہ و تشریح کی گئی ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲/ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

۲۰۴۔ اربعین حمیدیہ یعنی چہل حدیث مترجم (اردو)، مصنف : مولانا عبدالحمید اٹاوی حیدر آباد دکن
اس کتاب کا ذکر اہلحدیث امرتسر ۲۹/ نومبر ۱۹۲۹ء میں ہے۔

۲۰۵۔ تمیمة الصبی من احادیث النبی ﷺ، مصنف : مولانا عبدالحمید اٹاوی حیدر آباد دکن
اس کتاب کے سلسلے میں مولانا خود لکھتے ہیں کہ میں نے اکثر دو دو اور تین تین لفظی حدیثیں جمع کر دی ہیں تاکہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیوں کو آسانی سے یاد ہو جائیں زیر و زبر وغیرہ بھی لگا دیئے ہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۷ جنوری ۱۹۳۰ء)

۲۰۶۔ المصطفی بترجمة المنتقی (اردو) صفحات ۴۵۹
مترجم : مولانا عبدالحمید اٹاوی حیدر آباد دکن، مطبع : حمایت دکن

۲۰۷۔ تخریج عسقلانی (اردو)، معلن : مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڈھی (م ۱۳٦۳ھ)
اس کتاب میں ہدایہ کی احادیث کا پتہ اور اس کی صحت و ضعف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۹/ جنوری ۱۹۳۲ء)

۲۰۸۔ تخریج زیلعی (اردو)، معلن: مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڈھی
یہ کتاب بھی ہدایہ کی احادیث کے صحت و ضعف پر لکھی گئی ہے۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۹/ جنوری ۱۹۳۲ء)

۲۰۹۔ مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح (دس جلدیں) (عربی) صفحات مجموعی ۴۸۷۸،
شارح : مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔ ولادت : (۱۳۲۷)، مطبع : جامعہ سلفیہ بنارس طبع ثانی : ۱۹۸۵ء
یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح جلد اول کی مبسوط شرح ہے اس کی دسویں جلد ابھی زیر طبع ہے صرف نو جلدوں کے صفحات درج کئے گئے ہیں اس شرح میں جن علمی امور پر بحث ہے وہ یہ ہیں (۱) مشکوٰۃ کے ہر راوی کا ترجمہ (۲) تمام احادیث کی تخریج (۳) اسنادی و متنی اشکالات کا حل (۴) احادیث کی توضیح (۵) اختلاف مذاہب اور ان کے دلائل اور راجح مسلک کی وضاحت۔

۲۱۰۔ مشکوٰة الانوار لتسهیل مشارق الانوار، مصنف: مولانا عبدالغفور غزنوی (اہلحدیث امرتسر ۲٦/ اپریل ۱۹۲۹ء)

۲۱۱۔ نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل
مصنف : شمس العلماء امیر احمد سہسوانی (۱۲٦۰۔۱۳۰٦ھ) اس کا ذکر نزهة الخواطر جلد ۸ میں ہے۔

۲۱۲۔ ریاض الصالحین مترجم ومحشی (اردو مع متن عربی)
مولانا عبدالغفور غزنوی، (اہلحدیث امرتسر ۲٦/ اپریل ۱۹۲۹ء

۲۱۳۔ بلوغ المرام مترجم محشی (اردو مع متن عربی)

مولانا عبدالغفور غزنوی، (اہلحدیث امرتسر ۲۶/اپریل ۱۹۲۹ء)

۲۱۴۔ شرح سنن ابن ماجة

شارح: مولانا محمد بن یوسف سورتی (۱۳۰۷۔۱۳۶۱ھ) اس کا ذکر نزهة الخواطر جلد ۸ میں ہے۔

۲۱۵۔ صراط مستقیم، مصنف: مولانا محمد بن یوسف سورتی

اس کا بھی ذکر نزهة الخواطر جلد ۸ میں ہے۔

۲۱۶۔ شرح مشکوٰۃ المصابیح (اردو) قلمی صفحات ۸۰۰، شارح: مولانا محمد گوندلوی (م ۱۹۸۵ء)

یہ شرح صرف کتاب الطہارہ تک ہو سکی، اس کا ذکر (الاعتصام لاہور ۲/ شوال ۱۴۰۵ھ) میں ہے۔

۲۱۷۔ امالی علی صحیح البخاری، شارح: مولانا محمد گوندلوی

اس کا ذکر بھی (الاعتصام لاہور ۲/ شوال ۱۴۰۵ھ) میں ہے

۲۱۸۔ حل مشکلات الحدیث (دو جلدیں)

مصنف: مولانا سید ابوالخیر حسنی بریلوی (م ۱۳۹۰ھ) یہ کتاب ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مکتبہ میں ہے۔

۲۱۹۔ عون الباری فی تخریج آیات البخاری (عربی) صفحات ۳۲

محشی: مولانا تمیز الدین مالدھی، مطبع: جے، اینڈ سنز پریس دہلی

یہ کتاب بخاری شریف کے کتاب التفسیر کی تخریج پر مشتمل ہے

۲۲۰۔ عون الودود فی شرح سنن ابی داؤد

شارح: مولانا محمد بن نور الدین ہزاروی (م ۱۳۶۶ھ)، مطبع: اصح المطابع لکھنؤ طبع: ۱۳۱۸ھ

۲۲۱۔ ترجمہ بلوغ المرام (اردو) مطبوع، مترجم: مولانا محی الدین لاہوری

۲۲۲۔ الملتقطات علی ترجمة المشكوة، مترجم: احمد بن محی الدین لاہوری، تصنیف: ۱۳۲۰ھ

یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا اردو ترجمہ مع حاشیہ ہے (مجلّہ جامعہ سلفیہ ۱۳۹۸ھ)

۲۲۳۔ انتخاب حدیث (اردو)، مصنف: مولانا عبدالغفار حسن رحمانی

مختلف موضوعات کے تحت احادیث کو اکٹھا کر کے ان کا ترجمہ مع حاشیہ درج کیا گیا ہے۔

۲۲۴۔ ترجمہ نیل الاوطار للشوکانی (اردو)، مترجم: مولانا محمد داؤد صاحب راغب رحمانی

۲۲۵۔ ترجمہ کتاب الروح (لابن قیم) اردو، مترجم: مولانا محمد داؤد راغب رحمانی

۲۲۶۔ ترجمہ اقتضاء الصراط المستقیم (لابن تیمیة) (اردو)، مترجم: مولانا محمد داؤد راغب رحمانی

۲۲۷۔ زبدة البخاری مترجم (اردو مع متن عربی) صفحات ۶۰۸، مترجم: مولانا عزیز الحسن مینیجر صحیفہ بک بجنور

یہ کتاب بخاری شریف کی تلخیص ہے جسے شیخ عمر ضیاء الدین مصری نے کیا ہے اس میں تقریباً سولہ سو احادیث ہیں یہ مجموعہ صحیح معنوں میں رسول ﷺ کے اقوال مبارکہ کا پاکیزہ مجموعہ ہے جو نہایت مستند اور قابل قدر ہے شروع کتاب میں امام

بخاری کی مختصر سوانح عمری بھی درج ہے۔ (اہل حدیث امرتسر ۸/اگست ۱۹۳۰ء)

۲۲۸۔ حاشیہ صحیح البخاری (عربی)، محشی: مولانا عزیز زبیدی

یہ حاشیہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے زیر نگرانی تیار کیا گیا ہے۔

۲۲۹۔ حجیة السنة والرد علی شبه المنکرین (عربی) صفحات ۵۸۴، مصنف: ڈاکٹر محمد لقمان سلفی

اس کتاب میں راویان احادیث، اتصال سند، شذوذ، متن حدیث موضوع حدیث، مستشرقین اور ان کے متبعین کے نقد و جرح کے طریقے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۳۰۔ اهتمام المحدثین بنقد الحدیث سندا ومتنا و دحض مزاعم المستشرقین واتباعهم (عربی)،

مصنف: مولانا ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، مطبع: طبع اول: ۱۴۰۸ھ

۲۳۱۔ سبحة الباری من درر صحیح البخاری مخطوطه، مصنف: مولانا اقبال احمد عمری

اس کا ذکر (مجلة الجامعة السلفية بنارس صفر ۱۳۹۸ھ) میں ہے۔

۲۳۲۔ تحقیق کتاب المدخل الی السنن الکبری للبیهقی (عربی) صفحات ۵۳۲

تحقیق: مولانا ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی (نو مسلم)

ناشر: دار الخلفاء لکتاب الاسلامی، لکویت، طبع اول ١٤٠٤ھ

یہ کتاب امام ابو بکر البیہقی کی کتاب المدخل کی تحقیق پر مشتمل ہے۔

۲۳۳۔ تحقیق السنن الصغری للبیهقی (عربی)، تحقیق: مولانا ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی

۲۳۴۔ تخریج احادیث بهجة المجالس لابن عبدالبر (الجزء الثانی)

(عربی) صفحات ۷۰۰ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (ولادت: ۱۹۳۹ء) مخطوطہ ٹائپ

یہ کتاب تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہے یہ کام مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبہ عربی سے پی، ایچ، ڈی۔ کی ڈگری کے حصول کے لیے کیا گیا ہے اس کے پہلے حصہ کی تحقیق ڈاکٹر ظہور الحق ٹانڈوی نے کی ہے اس دوسرے حصے میں کل ۱۵۷ ابواب ہیں۔

۲۳۵۔ تحقیق کتاب الزهد لابن ابی عاصم (عربی)، ڈاکٹر عبدالعلی ازہری

۲۳۶۔ تحقیق کتاب الامثال لابی الشیخ الاصفهانی (عربی) صفحات ۵۳۲

ڈاکٹر عبدالعلی ازہری ناشر: الدار السلفیہ بمبئی طبع ثانی: ۱۴۰۸ھ

یہ کتاب امام حافظ ابو شیخ اصبہانی کی کتاب "کتاب الامثال" کی احادیث کی تخریج ہے۔

۲۳۷۔ تحقیق کتاب الامثال للرامهرمزی (عربی)، ڈاکٹر عبدالعلی ازہری

۲۳۸۔ تحقیق کتاب شعب الایمان للبیهقی (۱-۷) (عربی) صفحات مجموعی ۱۱۶۸

ڈاکٹر عبدالعلی ازہری، ناشر: الدار السلفیہ بمبئی طبع اول: ۱۴۰۶ھ

یہ کتاب امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی کی کتاب الجامع لشعب الایمان کی تحقیق و تخریج پر مشتمل ہے۔

۲۳۹۔ **تحقیق تحفة الاشراف للمزی (عربی)**، تحقیق: مولانا عبدالصمد شرف الدین

۲۴۰۔ **الکشاف علی تحفة الاشراف (عربی)**، مصنف: مولانا عبدالصمد شرف الدین

۲۴۱۔ **تحقیق السنن الکبری للنسائی (عربی)**، تحقیق: مولانا عبدالصمد شرف الدین

۲۴۲۔ **تحقیق الاسئلة الفائقة بالاجوبة اللائقة لابن حجر (عربی) صفحات ۹۳**

تحقیق: مولانا محمد ابراہیم حفیظ الرحمٰن ناشر: الدار السّلفیہ بمبئی، طبع اول: ۱۴۱۰ھ

اس کتاب میں احادیث جساسہ پر بحث کی گئی ہے، امام کسائی اور شیخ توربشتی شارح مصابیح کی سوانح بھی درج ہے، محقق نے ابن حجر کے احوال بھی دیئے ہیں۔

۲۴۳۔ **ترجمة الادب المفرد للبخاری (اردو)**

مترجم: مولانا ابو النصر عبدالغفار نشتر تلمیذ میاں نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۱۵ھ)

اس کتاب کا ذکر "**الحیاة بعد المماة**" میں ہے۔

۲۴۴۔ **زبدة المرام شرح عمدة الاحکام (اردو)**

شارح: مولانا عبدالحمید بن غلام نبی سوہدروی (۱۳۰۰ھ۔۱۳۳۰ھ)

اس کتاب کا ذکر اہل حدیث امر تسر ۱۱/اپریل ۱۹۱۹ء میں ہے۔

۲۴۵۔ **حاشیہ مشکوٰة المصابیح جلد ۲** (عربی) صفحات ۸۴ قلمی، محشی: عبدالسلام مدنی (ولادت ۱۹۴۴ء)

یہ کتاب مشکوٰة المصابیح کا مکمل حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ مختلف شروح احادیث سے تیار کیا گیا ہے اور راجح مسلک کی نشاندہی مع دلائل کی گئی ہے۔

۲۴۶۔ **حاشیہ سنن نسائی جلد ۲** (عربی) صفحات ۱۳۴ قلمی، محشی: مولانا عبدالسلام مدنی

یہ کتاب سنن نسائی جلد ۲ کا مکمل حاشیہ ہے اس کی تیاری میں مستند ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲۴۷۔ **حاشیہ صحیح مسلم جلد اول** (عربی) صفحات ۲۸۴ قلمی، محشی: مولانا عبدالسلام مدنی

یہ کتاب صحیح مسلم جلد ا کے کتاب الصیام تک کے حاشیہ پر مشتمل ہے، موصوف کام جاری رکھے ہوئے ہیں امید کہ جلد ہی یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ یہ حاشیہ مختلف شروح احادیث سے تیار کیا گیا ہے۔

۲۴۸۔ **الوضع والوضاعون فی الحدیث** (عربی) صفحات سو قلمی

مصنف: ڈاکٹر محمد ابراہیم محمد ہارون بنارسی (ولادت ۱۹۵۴ء)

۲۴۹۔ **اصول السنة لابی عبدالله محمد بن عبدالله الاندلسی** (م ۲۹۹ھ) دو جلدیں (عربی)

صفحات مجموعی ۱۵۰۰ قلمی، تحقیق: ڈاکٹر محمد ابراہیم محمد ہارون بنارسی

۲۵۰۔ **کتاب الاربعین لابی الفتح المقدسی (م ۴۹۰ھ) (عربی)**، تحقیق: ڈاکٹر محمد ابراہیم محمد ہارون بنارسی

۲۵۱۔احادیث مختارۃ من موضوعات الجورقانی (م۵۴۳ھ) وابن الجوزی للامام الذھبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ) (عربی) صفحات ۱۶۷، تحقیق : ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی (ولادت ۱۹۵۱ء)
ناشر: مکتبۃ الدار بالمدینۃ المنورۃ، طبع اول ۱۴۰۴ھ

۲۵۲- جزء الحسن بن عرفۃ العبدی (۱۵۰۔۲۵۷ھ) (عربی) صفحات ۱۰۱
تحقیق :ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر : مکتبہ دار الاقصیٰ الکویت ، طبع اول ۱۴۰۶ھ

۲۵۳۔تخریج اضواء علی طریق الدعوۃ الی الاسلام للجامی (عربی) صفحات ۳۰۴
تحقیق :ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی
ناشر :ادارت البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد الریاض. طبع اول: ۱۴۰۴ھ

۲۵۴۔ الاحادیث العوالی من جزء ابن عرفۃ العبدی للامام الذھبی (عربی) صفحات ۴۹
تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر :دار الکتب السلفیۃ القاھرۃ، طبع اول: ۱۴۰۷ھ

۲۵۵۔ کتاب الزھد لھناد بن السری (۱۵۲- ۲۴۳ھ) دو جلدیں (عربی) صفحات ۷۳۱
تحقیق :ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی
ناشر : دار الخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت طبع اول :۱۴۰۶ھ

۲۵۶۔ کتاب الزھد للامام وکیع بن الجراح (م۱۹۷ھ) تین جلدیں (عربی) صفحات ۹۴۳
تحقیق :ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر : الدار بالمدینۃ المنورۃ، طبع اول: ۱۴۰۴ھ

۲۵۷۔کتاب الزھد لأبی داؤد (۲۰۲۔۲۷۵ھ) (عربی) مخطوط، تحقیق : ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۵۸۔ کتاب الزھد لابی حاتم (م۲۷۷ھ) عربی مخطوطہ، تحقیق :ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۵۹۔ زھد الثمانیۃ من التابعین لعلقمۃ بن المرشد (م ۱۲۰ ھ) عربی صفحات ۹۱
تحقیق : ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر : جامعہ سلفیہ بنارس، طبع ثانی : ۱۴۰۸ھ

۲۶۰۔الباعث الحثیث فی فضل علم الحدیث واھلہ الدحیث للشیخ عبدالجلیل السامرودی (م۱۳۹۲ھ) عربی، صفحات ۱۵۶، تحقیق :ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی، ناشر : جامعہ سلفیہ بنارس، طبع اول : ۱۴۱۰ھ

۲۶۱۔ التذکرہ والاعتبار والانتصار للابرار، للامام عماد الدین الواسطی (۶۵۷۔۷۱۱ھ) عربی صفحات ۶۹
تحقیق : ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر : جامعہ سلفیہ بنارس، طبع اول: ۱۴۰۸ھ

۲۶۲۔ جزء بیبی بنت عبدالصمد الھرویہ الھرثمیۃ (۳۸۰۔۴۷۷ھ) عربی صفحات ۹۹
تحقیق : ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر : دار الخلفاء للکتاب الاسلامی ، طبع اول: ۱۴۰۶ھ

۲۶۳۔ تلخیص الموضوعات للذھبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ) (عربی) صفحات تقریباً ۶۰۰ قلمی
تحقیق :ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۶۴۔ کتاب البر والصلة لعبد اللہ بن مبارك (م۱۸۱ھ) (عربی) صفحات ۶۰۰ تقریباً قلمی
تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی (ولادت ۱۹۵۱ء)

۲۶۵۔ الذخیرة فی الترتیب احادیث الکامل فی الضعفاء لابن عدی (م۳۶۵ھ) (عربی)
صفحات تقریباً ۲۴۰۰ قلمی، تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۶۶۔ کتاب الموضوعات لابن الجوزی (م۵۹۷ھ) (عربی) تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۶۷۔ نسخة وکیع عن الاعمش للامام وکیع بن جراح (م۱۹۷ھ) (عربی) صفحات ۱۱۳
تحقیق: عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر: الدار السلفیة کویت طبع اول: ۱۴۰۶ھ

۲۶۸۔ کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر للجورقانی. (م۵۴۳) ۲ جلدیں (عربی)
صفحات ۸۵۰، تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس، طبع اول: ۱۹۸۳ھ

۲۶۹۔ تحفة الراکع والساجد فی شرح حدیث لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد (عربی)
صفحات تقریباً ۱۰۰ قلمی، مصنف: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۷۰۔ تذکرة الموضوعات لابن طاهر المقدسی (م۵۰۷ھ) (عربی)
تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۷۱۔ الذخیرة فی احادیث الکامل لابن طاهر المقدسی (عربی) تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۷۲۔ الأسماء والصفات للبیهقی (م ۴۵۸ھ) (عربی)
تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی (ولادت ۱۹۵۱ء)

۲۷۳۔ کتاب الادب لابن ابی شیبة (م۲۳۵ھ) (عربی) تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی

۲۷۴۔ الضعفاء والمتروکون ومروياتهم فی کتاب الحدود من سنن النسائی عربی صفحات ۶۰ قلمی،
تحقیق: ڈاکٹر عبدالعزیز مبارکفوری

۲۷۵۔ مرویات سمرة بن جندب فی مسند الامام احمد (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ) (عربی) صفحات ۵۰۰ قلمی،
تحقیق: ڈاکٹر عبدالعزیز مبارکپوری (ولادت: ۱۹۵۱ء)

۲۷۶۔ الوضع والوضاعون (عربی)، تحقیق: ڈاکٹر عبدالوہاب خلیل الرحمٰن صدیقی

۲۷۷۔ مسائل الامام احمد بروایة ابنه ابی الفضل صالح (۲۰۳۔۲۶۵ھ) (عربی) ۳ جلدیں
صفحات مجموعی ۱۴۹۵، تحقیق: ڈاکٹر فضل الرحمٰن دین محمد، ناشر: الدار العلمیة دہلی۔ طبع اول: ۱۴۰۸ھ

۲۷۸۔ کتاب الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان لابن بلبان (م ۷۳۹ھ) الجزء الثانی فقط (عربی)
صفحات ۱۴۳۶ قلمی، تحقیق: ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم بنارسی

۲۷۹۔ التوضیح الابهر فی شرح التذکره فی الاثر لابن الملقن للسخاوی (م ۹۰۲ھ) (عربی)

صفحات ۳۰۰ قلمی، تحقیق : ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم بنارسی

۲۸۰۔ مشکل الآثار للطحاوی (م ۳۲۱ھ) (عربی) قلمی، تحقیق : مولانا عبیداللہ ابوالقاسم بنارسی

۲۸۱۔ مرویات ام سلمۃ من مسند الامام احمد (۱۶۴-۲۴۱ھ) (عربی) قلمی

تحقیق : مولانا عبیداللہ ابوالقاسم بنارسی

۲۸۲۔ کتاب العظمۃ لابی الشیخ الاصفہانی (م ۳۶۹ھ) (عربی)

تحقیق : ڈاکٹر رضاءاللہ محمد ادریس مبارکفوری (ولادت : ۱۹۵۴ء)

۲۸۳۔ کتاب الفتن لأبی عمرو الدانی المقری (۳۷۱- ۴۴۴ھ) (عربی)

تحقیق : ڈاکٹر رضاءاللہ محمد ادریس مبارکپوری

۲۸۴۔ کتاب فضائل الصحابۃ للامام احمد (۱۶۴-۲۴۱ھ) (عربی) صفحات ۱۱۰۳

تحقیق :ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس

ناشر: مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی مکۃ مکرمۃ ، طبع اول : ۱۴۰۳ھ

۲۸۵۔ الاحادیث الواردۃ فی المھدی فی میزان الجرح والتعدیل (عربی)

صفحات ۶۰۰ مخطوطہ، تحقیق :ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم

۲۸۶۔ عصمۃ الانبیاء للجورقانی (م۵۴۳ھ) (عربی) مخطوطہ، تحقیق : ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم

۲۸۷۔ احادیث الجمعۃ (عربی)، تحقیق : ڈاکٹر عبدالقدوس محمد نذیر

۲۸۸۔ کتاب الأداب للبیہقی (م ۴۵۸ھ) (عربی)، تحقیق : ڈاکٹر عبدالقدوس محمد نذیر

۲۸۹۔ مجمع البحرین فی زوائد المعجمین للہیثمی (۷۳۵-۸۰۷ھ) (عربی)

تحقیق : ڈاکٹر عبدالقدوس محمد نذیر

۲۹۰۔ غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد للمحدث شمس الحق العظیم آبادی (م۱۳۲۹ھ)(عربی)

تحقیق :ڈاکٹر عبدالقدوس محمد نذیر

۲۹۱۔ فہرس الاحادیث الواردۃ فی "المجروحین" لابن حبان (۲۷۰-۳۵۴ھ)

تحقیق:ڈاکٹر عبدالقدوس محمد نذیر

۲۹۲۔ تلخیص العلل المتناھیۃ لابن الجوزی (م ۵۹۷ھ للذھبی (۶۷۳-۷۴۸ھ)

(عربی)، تحقیق : ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی

۲۹۳۔ العلل للدار قطنی (م۳۸۵ھ) ۶ جلدیں (عربی) صفحات ۲۶۳۰

تحقیق : ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی، ناشر: الدار الطیبۃ الریاض، طبع اول : ۱۴۰۵ تا ۱۴۰۹ھ

۲۹۴۔ البحر الزخار المعروف مسند البزار للبزار (م ۲۹۲ھ) تین جلدیں (عربی) صفحات مجموعی ۱۲۲۷

تحقیق: ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی، ناشر: موسسۃ علوم القرآن بیروت طبع اول: ۱۴۰۹

۲۹۵۔ کتاب الرؤیۃ لابی سعید ابن العربی (۲۴۶۔۳۴۰ھ) (عربی)، تحقیق: ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی

۲۹۶۔ مسند الهیثم بن کلیب (م ۳۳۵ھ) (عربی)، تحقیق: ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی

۲۹۷۔ المرسل وحجیتہ (عربی)، تحقیق: محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی

۲۹۸۔ کتاب مناسبات تراجم ابواب البخاری (عربی) صفحات ۱۶۱

تحقیق: ڈاکٹر محمد اسحاق محمد ابراہیم، ناشر: الدار السلفیہ بمبئی، طبع اول: ۱۴۰۴ھ

۲۹۹۔ کتاب حدیث ابن عرفۃ (۱۵۰-۲۵۷ھ) (عربی)، تحقیق ڈاکٹر محمد اسحاق محمد ابراہیم

۳۰۰۔ الکتب الستۃ واسانیدھا الی مولفیھا (عربی)، تحقیق: ڈاکٹر محمد اسحاق محمد ابراہیم

۳۰۱۔ رفع الالتباس عن بعض الناس للشیخ شمس الحق العظیم آبادی (۱۲۷۳ - ۱۳۲۹ھ)
(عربی)، تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۰۲۔ غنیۃ الالمعی للشیخ شمس الحق العظیم آبادی، تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۰۳۔ غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی دائود جلد ۱ (للشیخ شمس الحق العظیم آبادی) (عربی)،
تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۰۴۔ ردالاشراك للشاہ اسماعیل الدھلوی (عربی) صفحات ۱۷۱

تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق، ناشر: المکتبۃ السلفیۃ لاہور پاکستان، طبع اول: ۱۴۰۴ھ

اس کتاب میں شرک کو کئی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ایک کی تردید قرآن وحدیث سے کی گئی ہے اس کے بعد اتباع سنت، حقیقت ایمان، ایمان بالقدر، رد بدعات قبور وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۳۰۵۔ الغوامض والمبهمات لعبد الغنی الازدی (۳۳۲۔۴۰۹ھ) (عربی)
تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۰۶۔ الاوائل لابن ابی عاصم (م ۲۸۷ھ) (عربی)، تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۰۷۔ اللآلی المنثورۃ فی الاحادیث المشهورۃ للزرکشی (م ۷۹۴ھ) (عربی)
تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۰۸۔ الرباعی فی الحدیث لعبد الغنی الازدی (۳۳۲۔۴۰۹ھ) (عربی) مطبوع
تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۰۹۔ کتاب حدیث قس بن ساعدۃ الایادی لابن درستویہ (۳۴۷ھ) (عربی)
تحقیق: مولانا محمد عزیز شمس الحق

۳۱۰۔ کتاب مسئلۃ العلو والنزول فی الحدیث. لابن طاهر المقدسی (م ۵۰۷)

(عربی) تحقیق : مولانا صلاح الدین مقبول احمد

۳۱۱۔ تحفة الانام فی حدیث خیر الانام للشیخ محمد حیات السندی (م ۱۱۶۳ھ)(عربی)
تحقیق مولانا صلاح الدین مقبول احمد گونڈوی

۳۱۲۔ زوابع حول السنة قدیما وحدیثاً (عربی)، تالیف : مولانا صلاح الدین مقبول احمد

۳۱۳۔ ارشاد طلاب الحقائق الی معرفة سنن خیر الخلائق للنووی (م ۶۷۶ھ)(عربی)
۲ جلدیں، صفحات مجموعی ۱۰۰۵، تحقیق : مولانا عبدالباری فتح اللہ سلفی
ناشر : مکتبة الایمان بالمدینة المنورة ، طبع اول : ۱۴۰۸ھ

۳۱۴۔ الفتح السماوی فی تخریج احادیث تفسیر البیضاوی لعبد الرؤف المناوی
(م ۱۰۳۱ھ) (عربی)، تحقیق : مولانا احمد مجتبی محمد نذیر السلفی (ولادت : ۱۹۴۹ء)

۳۱۵۔ الذخیرة فی الاحادیث الضعیفة والموضوعة لابن طاهر المقدسی (م ۵۰۷ھ) عربی
تحقیق : مولانا احمد مجتبی محمد نذیر السلفی

۳۱۶۔ البدر المنیر لابن الملقن (م ۸۰۶ھ)(عربی)
تحقیق : مولانا محمد اقبال محمد اسحاق

۳۱۷۔ شرح حدیث ما ذئبان جائعان لابن رجب (م ۷۹۵ھ)
تحقیق : مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مئوی

۳۱۸۔ جزء فیه ثلاثة وثلاثون حدیثا للبغوی (عربی) صفحات ۱۱۶
تحقیق : محمد یٰسین محمد ادریس، ناشر : مکتبۃ ابن الجوزی الدمام، طبع اول : ۱۴۰۷ھ

۳۱۹۔ نبراس الساری علی اطراف البخاری (اردو) صفحات ۴۲۸
تالیف : مولانا عبدالعزیز خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ پنجاب

اس کتاب میں ہر حدیث بخاری کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حدیث کس کس باب کے تحت صحیح بخاری میں موجود ہے اور اس کے راوی کون کون ہیں اور کتنے اسناد کے ساتھ مروی ہے اور بخاری شریف کی شروح عینی اور فتح الباری میں کہاں کہاں مذکور ہے اور اس کے تائیدی اقوال صحابہ اور مؤید احادیث کس کس باب میں ہیں۔ (اہل حدیث امرتسر ۶ جنوری ۱۹۲۸ء)

مولانا اقبال احمد محمدی فیضی
مئوناتھ بھنجن، یوپی

فیضی علمائے مئو کی خدمات حدیث

جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کا اجمالی تعارف

جامعہ فیض عام یوپی کے مشہور علمی و صنعتی اور مسلم اکثریتی شہر مئوناتھ بھنجن میں واقع ہندوستان کی ایک مشہور و معروف قدیم دینی درس گاہ ہے، جس کا قیام آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مئو کے چند ارباب صدق و صفا کے بدست عمل میں آیا، جس کا نام مدرسہ اسلامیہ رکھا گیا اور اس کا افتتاح حضرت علامہ عبداللہ مئوی غازی پوری علیہ الرحمۃ کے مبارک ہاتھوں ہوا اور اوّل اوّل مدرس شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے فیض یافتہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) مقرر ہوئے جن کی شان میں یہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ''آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند''۔

اس لیے جامعہ اسلامیہ فیض عام ہمارے بزرگوں کی مقدس اور بیش قیمت یادگار اور ان کی کاوش و جانفشانی کا ایک بار آور شجر ہے اور ان کے خلوص نیت کی بناء پر روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ چنانچہ جامعہ فیض عام جو ابتداءً جامع مسجد فیض عام کے چند حجروں سے عبارت تھا، آج اپنے مختلف شعبوں و اداروں (جامعہ فیض عام، مدرسہ فیض عام نسواں، کلیۃ امہات المومنین) کو سمیٹے ہوئے پنچانوے کمروں پر مشتمل کئی ایک بلڈنگ کی شکل میں ہندستان کے مشہور و معروف مرکزی اداروں کی صف اول میں کھڑا ہے۔ مزید برآں عصری علوم وفنون کی تعلیم کے لیے ایک مسلم انٹر کالج اور لڑکیوں کے لیے فیض عام گرلس اسکول بھی اسی کے زیر انتظام ہے۔

جامعہ اپنے بلند معیار تعلیم اور حسن انتظام کے لیے مشہور و معروف رہا ہے۔ اب تک اس قدیم مرکزی درسگاہ سے ہزاروں کی تعداد میں علماء و فضلاء اور حفاظ و قراء فیضیاب ہو کر ملک و بیرون ملک مختلف میدانوں میں نمایاں دینی و علمی اور سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ جماعت کا کوئی قابل ذکر مدرسہ ایسا نہیں ہے جہاں فیض عام کے فیض یافتہ اور فیضی علماء و مدرسین نہ ہوں۔ اتنی بڑی تعداد میں علوم دینیہ کے اساتذہ و مدرسین اور دعاۃ پیدا کرنا جامعہ فیض عام کا امتیازی وصف ہے۔ اب تک اس سر چشمہ سے اتنی بڑی تعداد میں لوگ سیر اب اور فیض یاب ہوئے کہ اب ان سب کا احصاء اور شمار کرنا ممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔

ان میں بڑی تعداد نے مسند درس و تدریس کو زینت دے رکھی ہے اور یہ عموماً اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس کے فارغین میں کتنے ایسے ہیں جن کے زور بیان اور خطابت کا سکہ ہر طرف جما ہوا ہے، کتنے ایسے ہیں جو صاحب قلم اور اچھے انشاء پرداز ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو بحر شعر و سخن کے شناور ہیں، کتنے صاحب منبر و محراب اور کتنے صاحب تصنیف و تالیف ہیں۔

اس قدیم دینی، مرکزی درس گاہ اور عظیم الشان ادارے سے کثیر تعداد میں حفاظ، علماء، خطباء اور اساتذہ فیضیاب ہو کر

ملک کے گوشے گوشے میں دینی اور دنیاوی خدمات میں مصروف ہیں، خصوصاً ہمارے شہر مئوناتھ بھنجن میں غالباً کوئی خاندان اور کوئی محلہ اس کے فیض سے محروم نہیں ہے۔ شہر کے اکثر علمائے اہل حدیث جن کی تعداد بلاشبہ سینکڑوں سے متجاوز ہے، اسی فیض عام کے فیض یافتہ ہیں۔ لیکن بطور "مشتے نمونہ از خروارے" چند منتخب اہل علم کے نام نامی اور اسماء گرامی یہ ہیں :-

● علامہ شیخ محمد احمد صاحب سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ● حضرت علامہ محمد عبداللہ صاحب شائق فیضی بانی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ● علامہ حکیم محمد سلیمان صاحب رحمانی فیضی ● مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ صاحب فیضی بانی مدرسہ دارالحدیث سرسی (کرناٹک) ● مولانا محمد عمر فیضی نورانی موجد نورانی تیل ● مولانا قاری عبدالحنان صاحب فیضی ● مولانا محمد جمیل احمد صاحب فیضی ● مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب فیضی سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ● مولانا مفتی فیض الرحمٰن صاحب فیض فیضی سابق صدر مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ● مولانا عبدالحکیم صاحب فیضی مدرس جامعہ عالیہ عربیہ مئو و امیر جمعیت اہل حدیث مئو ● مولانا محمد الاعظمی صاحب فیضی سابق صدر مدرس جامعہ عالیہ عربیہ مئو ● مولانا مختار احمد ندوی فیضی سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● مولانا محمد مصطفیٰ اسد فیضی ● عالمی شہرت یافتہ شاعر مولانا فیض الحسن فضا ابن فیضی ● مولانا مشتاق احمد شوق فیضی مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث ● ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری فیضی ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس ● مولانا محمد صالح فیضی ناظم اعلیٰ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ● مولانا مظہر احسن ازہری فیضی ناظم اعلیٰ جامعہ عالیہ عربیہ ● ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری فیضی پروفیسر مسلم کالج لندن ● مولانا صفی الرحمٰن فیضی مبارکپوری امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فیضی صدر مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو و نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی اترپردیش ● مولانا حافظ نثار احمد صاحب فیضی استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ● مولانا فضل الرحمٰن صاحب۔

کتب خانہ جامعہ فیض عام مئو

کتب خانہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں اسلامی علوم وفنون پر مشتمل 16000 کتابیں موجود ہیں۔

نظمائے جامعہ فیض عام مئو

۱-	مولانا محمد احمد صاحب ناظمؒ	۲-	مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب فیضیؒ
۳-	مولانا شفیع احمد صاحب فیضی رئیس مئو	۴-	الحاج نثار احمد صاحب (کوٹھا) رئیس مئو

حضرت علامہ محمد عبداللہ صاحب شائق فیضیؒ

نام : محمد عبداللہ بن محمد اسماعیل بن حاجی عبدالقادرؒ

تاریخ پیدائش : ۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۵ر جولائی ۱۸۹۲ء بروز سہ شنبہ

تاریخ وفات : ۲۸ر ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۴ء بروز جمعہ

اسانید و تخرج : جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۳۴۳ھ

سند اجازہ روایت حدیث از : استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ صاحب محدث مئوی غازی پوریؒ۔

● شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب مئوی (بڑے مولوی صاحب) ● حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب بقاء غازی پوریؒ ● حضرت مولانا عبدالنور صاحب محدث مظفر پوریؒ ● حضرت مولانا شاہ عین الحق صاحب پھلواریؒ

علمی تجربات اور خدمات

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس پچپن سال ● بخاری و مسلم کا درس پینتیس سال ● مؤسس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ۱۹۵۴ء

مولانا شائقؒ اساطین علمائے مئو میں سے تھے۔ آپ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور تفسیر حدیث میں محدثانہ و محققانہ بصیرت رکھتے تھے۔ قوت حافظہ، ذکاوت و فطانت اور فراست بلا کی پائی تھی۔ اردو، فارسی اور عربی ادب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ قادر الکلام اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ اردو اور عربی دونوں زبان میں شعر کہتے تھے۔ شائق تخلص تھا۔ تدریسی مشغولیات کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا موقع نہ مل سکا۔ آپ کے اندر بہت اچھی تصنیفی صلاحیت موجود تھی۔ اس عدیم الفرصتی کے باوجود دو تین کتابیں لکھیں۔

تالیفات

۱- "الآثار المتبوعة لرد الاعلام المرفوعة" (اردو) صفحات ۱۵۴، مطبوع : ثنائی پریس ۱۹۳۵ء

اس کتاب میں احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاق کا ایک طلاق رجعی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی حنفی کے رسالہ "الاعلام المرفوعة" کے جواب میں ہے۔ مولانا اعظمی نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

۲- کتاب الصلاۃ : غیر مطبوع

۳- خطبہ استقبالیہ: جسے آپ نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ۱۹۲۷ء بمقام مئوناتھ بھنجن پڑھا تھا۔

۴- نبی کی نماز : (اردو) مطبوع اس رسالہ میں نماز کے فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے سنت صحیحہ کے مطابق نماز پڑھنے کی ترکیب بتائی گئی ہے۔

مراجع :- (۱) ماخوذ از خود نوشت سوانح (۲) تراجم علماء اہل حدیث ہند

حضرت مولانا ابوالوفا محمد عظیم اللہ فیضی مئویؒ

نام : محمد عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ عبدالرحمٰن

تاریخ پیدائش : ماہ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ، بروز دوشنبہ تاریخ وفات : ۶/ اکتوبر ۱۹۹۳ء

اسانید و تخرج : جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو، ۱۹۳۸ء

سند اجازہ روایت حدیث از :

- حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بڑے مولوی صاحب)
- حضرت علامہ عبداللہ شائق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص کام

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۳۱ سال ● آخری مرحلہ میں تقریباً بیس سال مسلسل صحیحین کی تدریس
- یکم فروری ۱۹۴۳ء کو مدرسہ دارالحدیث سرسی کا قیام آپ کے ہاتھوں ہوا۔

تالیفات

۱- **کشف الظلام عن روایة الأعلام** (اردو) "صفحات ۲۰۰"

یہ کتاب بھی مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی حنفی کے رسالہ **"الاعلام المرفوعة فی الطلقات المجموعة"** کے رد میں ہے۔ اس کتاب میں مولانا اعظمی کے دعویٰ کے بطلان پر دلائل فراہم کر کے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق رجعی ثابت کیا گیا ہے۔

مولانا کی دیگر تالیفات

- **العروة الوثقیٰ** : شرک اور قدیم و جدید بدعات کی تردید میں / قلمی
- **نهج الصحابه** : صحابہ کرام کے تمسک بالسنۃ اور طریقہ استدلال میں / قلمی، صفحات ۱۲۰
- **برهان عظیم** : بوقت دعا کندھے تک ہاتھ اٹھانے کی ہیئت شرعی میں / مطبوع، صفحات ۳۴

(ماخوذ از خود نوشت سوانح)

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن فیضی مئوی رحمہ اللہ

نام : حبیب الرحمٰن بن احسان اللہ بن مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدین رحمہ اللہ

تاریخ پیدائش : ۱۹۲۰ء تاریخ وفات : ۳۰ / نومبر ۱۹۹۶ء

اسانید و تخرج : جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، ۱۹۳۸ء

سند اجازۃ روایت حدیث از :

- شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص کام

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۵۳ سال مادر علمی جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں۔
- بخاری و مسلم کا درس ۲۹ سال تک مسلسل ● بخاری و مسلم پڑھنے والے شاگردوں کی تعداد سات سو
- جامعہ فیض عام کی نظامت ۱۴ سال و منیجر مسلم انٹر کالج مئو ● کلیہ امہات المومنین کا قیام ۱۹۹۱ء میں

تالیفات

۱- حدیث افک : بجواب مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی

مولانا میرٹھی نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام "مفتاح القرآن" لکھی جس میں سورۂ نور کی تفسیر کے ضمن میں حدیث افک کو بھی انھوں نے موضوع سخن بنایا اور اسے ایک اختراعی داستان قرار دیا، نیز تاریخی واقعات، قرآنی آیات اور احادیث کی تعبیر و تشریح سے ایسا ہیولیٰ قائم کیا کہ حقائق کا صحیح علم نہ رکھنے والوں کے لئے حدیث افک اساطیر الاولین کا مصداق بن جاتی ہے۔ موصوف کے اعتراضات کا جواب اور ان کے دلائل کا معقول تجزیہ کر کے بڑے اچھے انداز میں اس کا رد کیا ہے، جو ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی میں قسط وار فروری ۱۹۹۳ء تا جولائی ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔

۲- رکعات تراویح کا جواب (اردو) / قلمی

یہ کتاب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی حنفی کی کتاب "رکعات تراویح" کے جواب میں ہے۔ اس میں بیس رکعات تراویح کے تمام دلائل کو باطل قرار دیتے ہوئے آٹھ رکعات تراویح کو سنت ثابت کیا گیا ہے۔

۳- نماز کی پہلی و دوسری کتاب (اردو) ۴- فتاوے

مولانا موصوف نظامت کے ساتھ ساتھ شعبہ افتاء کی بھی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ آپ کے فتاوے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ جس موضوع پر لکھتے اس کا حق ادا کر دیتے۔ یہ فتاوے اس وقت زیر ترتیب ہیں۔

حضرت مولانا مفتی فیض الرحمٰن صاحب فیض فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام : فیض الرحمٰن بن احسان اللہ بن مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدینؒ

تاریخ پیدائش : ۱۵/ شعبان ۱۳۲۷ھ

اسانید و تخرج : جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء

سند اجازۃ روایت حدیث از : ● شیخ الکل مولانا محمد احمد صاحبؒ (بڑے مولوی صاحب) ● مولانا عبداللہ شائق ● مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ ● شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس انتالیس (۳۹) سال ● بخاری شریف کا درس بیس سال

تالیفات

۱- چالیس حدیثیں (اردو) صفحات ۲۳/ مطبوع : رحمانی پریس الہ آباد ۱۹۷۵ء

خرید و فروخت سے متعلق چالیس احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب

۲- قرۃ العین باحادیث رفع الیدین (اردو) صفحات ۸۵، مطبوع سٹی پریس دہلی ۱۹۸۷ء

یہ کتاب علمائے احناف کے اس فتویٰ کا جواب ہے جس میں ان لوگوں نے احادیث رفع الیدین کا منسوخ ہونا ثابت کیا ہے۔

دیگر تالیفات

- الجواب السداد (اردو) صفحات، مطبوع کوہ نور پریس دہلی

تفسیر ثنائی پر مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی کے اعتراضات کا مدلل جواب

- قربانی: (اردو) صفحات ۸۸ مطبوع: تاج آفسٹ پریس الٰہ آباد

اس کتاب میں ذی الحجہ اور قربانی کے منتخب مسائل پر عالمانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔

- حیات وممات: حصہ اول (اردو) صفحات ۸۰ مطبوع افضل نعیمی پریس مئو ۱۴۰۶ھ

اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں زندگی اور موت کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

- آئینہ تحقیق: (اردو) صفحات ۴۰ مطبوع افضل نعیمی پریس مئو ۱۴۰۳ھ

جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بھینس قربانی کا جانور نہیں ہے، اس کو گائے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

- انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا: (اردو) حالت روزہ میں انجکشن کے جواز سے متعلق
- فتاوے:

مولانا ایک زمانے تک جامعہ اثریہ دارالحدیث کے شعبہ افتاء میں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے اور مختلف موضوعات پر کتاب وسنت کی روشنی میں فتاوے لکھتے رہے۔ جواب زیر طبع ہے۔

(ماخوذ از خود نوشت سوانح)

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: عبدالحکیم بن مولانا عبدالعلی بن شیخ عبداللہ　　　تاریخ پیدائش: ۱۹۱۹ء

اسانید و تخریج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۳۵۹

سند اجازۃ روایت حدیث از:

- شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) رحمۃ اللہ علیہ
- علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۴۴ سال سے جاری ہے۔

اس مدت میں آپ نے حدیث کی ہر چھوٹی بڑی کتاب کا درس دیا ہے۔

تالیف

ا۔ نقوش صحابہ :اردو) صفحات :۳۶ مطبوع افضل نعیمی پریس مئو ۱۹۹۱ء

اس رسالہ میں کچھ ایسے پاکباز صحابہ رضی اللہ عنہم کے نصیحت آموز اور سبق آموز واقعات قلمبند کیے گئے ہیں، جو سرور کائنات ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا بے حد شوق اور جذبہ رکھتے تھے اور آپ کے فرمودات کی تعمیل علت اور سبب معلوم کیے بغیر بجالاتے تھے۔

حضرت مولانا شیخ محمد الاعظمی فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام : محمد بن مولانا عبدالعلی بن شیخ عبداللہ

تاریخ پیدائش : ۲۴/اکتوبر ۱۹۳۳ء

اسانید و تخریج : جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۵۰ء

سند اجازہ روایت حدیث از :

- شیخ الکل مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب)
- علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمتہ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۴۱ سال
- ۲۳ سال تک مسلسل صحیحین کا درس دیا
- ۱۴ سال تک جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے نائب ناظم رہے۔

تالیفات

ا۔ آداب زواج : (اردو) صفحات ۱۵۰ مطبوع ۱۹۸۴ء

یہ کتاب تحفۃ العروس اور آداب زفاف کے طرز پر لکھی گئی ہے جس میں مولانا نے قرآن وحدیث کی روشنی میں زندگی کے صحیح رہنما اصول بیان کیے ہیں۔

۲۔ کائنات کا آغاز و انجام۔ اسلامی نقطۂ نظر سے، صفحات ۱۶۳/ مطبوع سلفیہ پریس بنارس ۷۹ء

اس کتاب میں کائنات کے آغاز و انجام سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑی مدلل بحث کی گئی ہے اور خاص طور پر علامات قیامت سے متعلق احادیث صحیحہ کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے۔

دیگر تالیف

- نماز ماثور : (اردو) صفحات ۶۴ مطبوع سر فراز آفسٹ پریس مئو ۱۹۹۶ء اس رسالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا صحیح ترین اور مستند بیان قلم بند کیا گیا ہے۔

- مستند دعائیں : (اردو) صفحات ۳۲ مطبوع سرفراز آفسٹ پریس مئو ۱۹۹۷ء

اس مختصر رسالہ میں ان دعاؤں کا انتخاب ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور دن رات کی دعا و اذکار میں اعلیٰ و آسان تر ہیں۔

- دین کیا ہے : (اردو) صفحات ۱۶۔ مطبوع اسرار کریمی پریس الہ آباد ۱۹۶۳ء

یہ رسالہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے رسالہ "الدین و شروط الصلاۃ" کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔

- شریعت اور عادت کی قابل توجہ باتیں (اردو) صفحات ۸۔ ناشر جامعہ عربیہ مئو
- نقوش شیخ رحمانی : (اردو) صفحات ۲۷ مطبوع سرفراز پریس مئو ۱۹۹۴ء

مولانا موصوف کے نام حضرت علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ کے خطوط کا مجموعہ۔

حضرت مولانا مختار احمد صاحب فیضی ندوی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام : مختار احمد بن حاجی محمد ضمیر

اسانید و تخرج : جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۵۰ء

سند اجازہ روایت حدیث از :

- شیخ الکل علامہ محمد احمد صاحبؒ (بڑے مولوی صاحب)
- علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمتہ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام / خدمات

- مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی امارت ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۸ء • مدیر : الدار السّلفیہ بمبئی • صدر : ادارہ اصلاح المساجد بمبئی • صدر : محمدیہ ایجوکیشنل سوسائٹی بمبئی • صدر : محمدیہ ویلفیر سوسائٹی بمبئی • جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کا قیام • عالیہ جنرل ہاسپٹل کا قیام • کلیۃ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ مئو کا قیام • نائب صدر : مسلم پرسنل لاء بورڈ • ملک بھر میں بے شمار مساجد کی تعمیر • رکنیت : مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کورٹ کی رکنیت • نگران اعلیٰ : ماہنامہ مجلّہ البلاغ بمبئی • محمدیہ طبیہ کالج منصورہ مالیگاؤں کا قیام

تالیفات

۱۔ **شعب الایمان للبیہقی** : جلد ۸ تا ۱۷، تحقیق اور تخریج (عربی)

مولانا موصوف کی علمی و تصنیفی خدمات میں سب سے اہم حدیث کی مشہور و معروف کتاب "شعب الایمان للبیہقی کی تحقیق و تخریج ہے، ندوی صاحب نے اس کتاب کو شائع کر کے خدمات حدیث میں ایک نمایاں کام انجام دیا ہے۔ جس کے لیے مولانا کو جتنی مبارکباد دی جائے کم ہے۔

۲۔ نصیحة المسلمین باحادیث خاتم المرسلین :(اردو) صفحات :۲۱۶ مطبوع :الدار السّلفیہ بمبئی ۸۰ء

یہ کتاب مجموعہ نصیحت المسلمین باحادیث خاتم المرسلین تالیف شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ جس میں مکارم اخلاق و فضائل اعمال صالحہ کے متعلق رسول ﷺ کی سات سو چودہ صحیح احادیث کا پاکیزہ انتخاب ہے۔ یہ کتاب شیخ موصوف کی ان لاجواب اور عمدہ ترین کتابوں میں شامل ہے جس سے ملت اسلامیہ کو بڑا فیض پہونچا، شیخ نے اس کتاب کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ مکارم اخلاق و فضائل اعمال صالحہ سے متعلق صحاح ستہ کی اکثر متداول و معروف حدیثیں اس مجموعہ میں آگئی ہیں اور مسلمانوں کی زندگی کے وہ تمام گوشے سماگئے ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

۳۔ اوضح المسالك الی احکام المناسك: (اردو) صفحات ۲۶۴

یہ کتاب شیخ عبدالعزیز المحمد السلمان کی کتاب "اوضح المسالك فی احکام المناسك" کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اس میں انتہائی تحقیق اور جامعیت کے ساتھ حج کے تمام ارکان و مسائل اور آداب کو سمیٹ کر عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۴۔ اسلام اور مسائل جاہلیت :(اردو) صفحات ۱۸۴

یہ کتاب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی کتاب "مسائل الجاهلية التی خالف فیها رسول الله ﷺ اهل الجاهلية" کا اردو ترجمہ ہے۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے ان جاہلی مسائل کو قرآن کے صفحات سے نقل کر کے نہایت مناسب ترتیب کے ساتھ جمع فرمادیا تھا، جسے علامہ شیخ محمود شقری آلوسی نے اپنی جامع تشریح کے ذریعہ ایک مفصل کتاب کی شکل دے دی۔ یہ کتاب تصحیح عقائد میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

۵۔ ذکر الٰہی : (اردو) صفحات ۲۳۷

یہ کتاب علامہ ابن القیمؒ کی کتاب "الوابل الصیب من کلم الطیب" کا آسان اردو ترجمہ ہے۔ اس میں تزکیہ نفس اور تصوف کے سلسلے میں محدثین اور سلف صالحین کے حقیقی نقطۂ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف کی تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر ایک کا بیان کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں :

● رسائل الشیخ عبداللہ بن زید المحمود :(اردو) صفحات مجموعی : ۲۷۹ ● التوحید : (اردو) صفحات : ۱۲۲ ● النبی الامی :(اردو) ص ۲۲۴ ● محمد بن عبدالوہابؒ (اردو) ص ۱۹۲ ● محاسن اسلام : (اردو ترجمہ) صفحات : ۸۸ ● اسلام کے صحیح عقائد اور اس کے نواقض : (اردو ترجمہ) صفحات : ۶۴ ● قربانی کے فضائل و مسائل : تالیف : اردو صفحات : ۳۰ ● مشروع اور ممنوع وسیلہ کی حقیقت : (اردو ترجمہ) صفحات : ۳۳۶ ● خطبات محمدی کامل پانچ حصے : تصحیح و تقدیم۔ اردو ● الدار السّلفیہ ممبئی۔ اسلامی علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں اس ادارے نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اس ادارے سے سیکڑوں کتابیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں تفسیر احسن البیان، شعب الایمان للبیہقی ۷ اجلدیں، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵ جلدیں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا مختار احمد صاحب اختر فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: مختار احمد بن حافظ عبدالعزیز بن عبدالرشید

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۴ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۳۶۳ھ

سند اجازہ روایت حدیث از:

- شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (بڑے مولوی صاحب)
- علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۳۹ سال۔ سلسلہ جاری ہے۔
- فن خطاطی میں مہارت۔

تالیفات

۱۔ مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح: (اردو) صفحات ۳۲، مطبوع افضل نعیمی پریس مئو

دیگر تالیف

۲۔ تعلیم الفرائض: (اردو) صفحات ۸۸، مطبوع افضل نعیمی پریس مئو

اس رسالہ میں علم فرائض کے عام مسائل ذکر کرنے کے بعد ترکہ تقسیم کرنے کے طریقے مع مثال درج کیے گئے ہیں۔

۳۔ المتن الکافی فی شرح البیضاوی: حصہ اول: اردو صفحات ۱۴۴ مطبوع سرفراز آفسٹ پریس مئو

تفسیر بیضاوی کا ترجمہ و تشریح بامحاورہ اردو زبان میں حصہ اول میں صرف سورہ فاتحہ کا بیان ہے۔

۴۔ المتن الکافی شرح التفسیر البیضاوی: حصہ دوم (اردو) صفحات ۲۲۴

صرف سورہ بقرہ کے پہلے رکوع پر مشتمل ہے۔

۵۔ تعلیم العقائد: (اردو) غیر مطبوع

۶۔ شرح عقائد نسفی کی تشریح

۷۔ تعلیم المسائل: (اردو) غیر مطبوع۔

اس رسالہ میں قطبی اور شرح تہذیب کے مشکل مسائل آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر حافظ مقتدیٰ حسن ازہری فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: مقتدیٰ حسن بن حاجی محمد یٰسین بن محمد سعید

تاریخ پیدائش: ۸/ اگست ۱۹۳۹ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۶۰ء — ڈاکٹریٹ: مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

سند اجازۂ روایت حدیث از:

- مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ
- مولانا حبیب الرحمٰن صاحب فیضی مفتی جامعہ فیض عام مئو
- مولانا محمد عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خدمات

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۳۲ سال، دو سال جامعہ فیض عام اور ۳۰ سال جامعہ سلفیہ بنارس میں۔ سلسلہ جاری ہے۔ ● وکیل الجامعہ السلفیہ بنارس ● ایڈیٹر عربی ماہنامہ "صوت الامۃ" بنارس ● رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● رکنیت مسلم پرسنل لاء بورڈ ● رکنیت کورٹ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ● رکنیت رابطہ ادب اسلامی ہند۔

تالیفات

۱۔ **تخریج احادیث بهجة المجالس لابن عبدالبر قرطبی : الجزء الثانی** (عربی)
مع فہرست صفحات ۷۰۰ غیر مطبوع

ستاون ابواب پر مشتمل یہ کتاب علم المحاضرہ جس میں رزق، اخلاق، آداب مجلس، جوانی، بڑھاپا، موت اور زندگی، دعا اور مختلف ابواب کے تحت زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ علامہ قرطبی ہر باب کے تعلق سے پہلے آیت کا پھر حدیث اور اس کے بعد اقوال اور اشعار کا ذکر فرماتے ہیں احادیث کی تحقیق میں ڈاکٹر صاحب نے کافی عرق ریزی کی ہے۔ اس کے پہلے حصے کی تحقیق ڈاکٹر ظہور الحق ٹانڈوی نے کی ہے۔ لیکن پوری کتاب کی فہرست ڈاکٹر ازہری صاحب نے مرتب کی ہے۔

دیگر تصنیفات

- **فتح المنان بتسهيل الاتقان** : (عربی) صفحات ۲۵۳ : مطبع سلفیہ پریس بنارس

یہ کتاب علامہ سیوطی کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کی تلخیص ہے اس میں مناہل العرفان وغیرہ سے بعض مفید مباحث کا اضافہ اور ضمیمہ میں کتب تفسیر کا تعارف ہے۔

- **مسئلة حياة النبی ﷺ** : (عربی) صفحات ۵۸ جامعہ سلفیہ بنارس

یہ کتاب مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ کے رسالہ کا عربی ترجمہ ہے اس میں بعد الموت انبیاء کی حیات کی نوعیت پر مدلل روشنی ڈالی گئی ہے۔

- **النظام الالهی للرقی والانحطاط** : (عربی) صفحات ۱۶۲ دار الصحوۃ للنشر والتوزیع القاهرة ۱۴۰۹ھ

یہ کتاب مولانا تقی امینی کی کتاب "عروج وزوال کا الٰہی نظام" کا عربی ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تالیفات و تحقیقات کی فہرست درج ذیل ہے۔

(الف) تالیفات و تصنیفات

- **تاريخ الأدب العربی** (۵ أجزاء) (اردو)
- **نظرة الی مواقف المسلمین من أحداث الخلیج** . (عربی)

- موقف الاسلام من المرأة. (اردو) ● منصور الفقيه : حياته وشعره. (عربی)
- مشكلة المسجد البابری فی ضوء التاریخ والكتابات المعاصرة. (عربی)
- حقيقة الأدب و وظيفته. (عربی) ● الثقافة الاسلامية والمسلمون.
- مسئولية الشباب المسلم فی العصر الحاظر.

(ب) تحقیق، تعلیق اور تہذیب

- تحقيق الجزء الثانی من كتاب بهجة المجالس للحافظ ابن عبدالبر القرطبی رحمه الله مع الفهارس الكاملة للكتاب بجزئيه.
- تعليق وتقديم لكتاب حصول المأمول للنواب صديق حسن خان رحمه الله.
- فتح المنان بتسهيل الاتقان للسيوطی رحمه الله.
- أزمة الخليج فی ميزان الشرع والعقل.

(ج) اردو اور فارسی سے عربی تراجم

- قضايا كتابة التاريخ الاسلامی وحلولها للدكتور محمد ياسين مظهر صديقی.
- رحمة للعالمين للعلامة القاضی محمد سليمان المنصور فوری رحمه الله (۳ أجزاء)
- قرة العينين فی تفضيل الشيخين للشاه ولی الله الدهلوی رحمه الله.
- الاسلام تشكيل جديد للحضارة للشيخ محمد تقی الأمينی رحمه الله.
- بين الانسان الطبيعی والانسان الصناعی للشيخ محمد تقی الامينی رحمه الله.
- عصر الالحاد : خلفية التاريخية وبداية نهايته للشيخ محمد تقی الامينی رحمه الله.
- النظام الالهی للرقی والانحطاط للشيخ محمد تقی الامينی رحمه الله.
- مسئلة حياة النبی ﷺ فی ضوء الأدلة الشرعية.
- زيارة القبور وحكمها.
- النصرانية الحاضرة فی ضوء التاريخ والبحث العلمی للدكتور مصلح الدين الأعظمی.
- الشيوعية والاسلام فی ميزان العقل
- حركة الانطلاق الفكری وجهود الشاه ولی الله للشيخ محمد اسماعيل السلفی رحمه الله.
- حجية الحديث الشريف للشيخ محمد اسماعيل السلفی رحمه الله.

(د) عربی سے اردو تراجم

- اقتضاء الصراط المستقيم لشيخ الاسلام ابن تيميه رحمه الله.
- مختصر زاد المعاد لشيخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب رحمه الله.

- اصلاح المساجد للشيخ محمد جمال الدين القاسمی رحمه الله.
- أنا للاستاذ عباس محمود العقاد.
- فی ظلال الرسول ﷺ للدكتور عبدالحليم عويس.
- سقوط ثلاثين دولة للدكتور عبدالحليم عويس.

(ھ) عربی زبان میں مقالات

١.	بداية	مجلة صوت الجامعة ببنارس	١٩٦٩م
٢.	نظرة الى الاشتراكية	مجلة صوت الجامعة ببنارس	١٩٧٠م
٣.	مكائد اليهود	"	"
٤.	الأدب الفارسی فی عهد أورنكزيب	"	"
٥.	الاقتصاد فی الاسلام	"	"
٦.	لماذا لا نحكم الكتاب	"	"
٧.	لن يستقر السلام الا بالاسلام	"	"
٨.	فی الطريق	"	"
٩.	شهر محرم والمسلمون	"	١٩٧١م
١٠.	فی التربية الخلقية	"	"
١١.	الواجب المقدس	"	"
١٢.	الحضارة الغربية : بدايتها ونهايتها	"	١٩٧٢م
١٣.	صراع بين الحق والباطل	"	"
١٤.	مكانة الانسان ومسئوليتهٗ	"	"
١٥.	كيف نؤدی المسئولية	"	"

ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام : عبدالعلی بن حاجی عبدالحمید بن مولانا حامد بن عبدالرحمٰن شہیدؒ

تاریخ پیدائش : ۸ جون ۱۹۴۳ء

ڈاکٹریٹ : احمد بیلو یونیورسٹی نائجیریا ۱۹۷۲ء موضوع : تفسیر

سند اجازہ روایت حدیث از:

- مولانا محمد احمد صاحب (بڑے [illegible] صاحب)
- مولانا شمس الحق صاحب سلفیؒ

- مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب فیضی رحمہ اللہ

علمی تجربات اور خدمات

- عربی واسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس چھبیس سال سلسلہ تاحال جاری ہے۔
- چیف ایڈیٹر: اسٹریتھ پاتھ (صراط مستقیم کا انگلش ایڈیشن) برمنگھم ۱۸ ماہ • پروفیسر مسلم کالج لندن

تحقیقات وتالیف

۱۔ تحقیق شعب الایمان للبیہقی: (۱-۷) جلد کی تحقیق، صفحات مجموعی: ۱۱۶۸

ڈاکٹر موصوف کی علمی و تحقیقی خدمات میں اہم کام حدیث کی مشہور ومعروف کتاب "شعب الایمان للبیہقی کی تحقیق و تخریج ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے محنت شاقہ اور دیدہ ریزی کے ساتھ اولاً پوری کتاب کی تحقیق فرمائی اور اس کے متعدد نسخے جو دستیاب ہوئے ان کے درمیان مقابلہ اور مقارنہ کا محنت طلب مرحلہ بخوبی طے کیا ہے اور اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا جیسا کہ بعض مشہور "محققین" نے کتب احادیث کی تحقیق میں کیا ہے بلکہ ڈاکٹر صاحب نے احادیث کی علمی وفنی تخریج اور تحقیق فرمائی ہے۔ اسانید پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ احادیث پر حکم بھی لگایا ہے نیز غریب الحدیث کی بھی حسب ضرورت تشریح و توضیح فرمائی ہے۔ اس طرح یہ کتاب علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ماخذ و مرجع کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

۲۔ تحقیق كتب الأمثال لأبي الشيخ الأصبهاني. (عربی) صفحات ۵۳۲

یہ کتاب امام حافظ ابو شیخ اصبہانی کی کتاب "كتاب الأمثال" کی احادیث کی تخریج ہے۔

۳۔ تحقيق كتاب أمثال الحديث للرامهرمزي (عربی)

یہ کتاب علامہ رامہرمزی جو کہ بلند پایہ ادیب تھے کہ کتاب "كتاب أمثال الحديث" کی تحقیق و تخریج ہے۔

۴۔ تحقيق كتاب الزهد لابن ابی عاصم (عربی)

یہ کتاب علامہ ابن ابی عاصم کی کتاب "كتاب فيه شئي من ذكر الدنيا وفيه حفظ اللسان والصحة" کی تحقیق ہے جس کا نام ٹائٹل پر "کتاب الزہد" چھپا ہوا ہے۔

۵۔ تحقیق تفسیر سورۃ الاخلاص (عربی) صفحات ۲۵۸

یہ کتاب علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورۃ الاخلاص کی تصحیح اور تخریج و تعلیق پر مشتمل ہے۔

۶۔ تحقیق تفسیر سورۃ النور (عربی) صفحات ۲۴۴

اس کتاب میں علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورۃ النور کی تصحیح و تخریج کی گئی ہے۔

۷۔ تحقيق تفسير الآية الكريمة (عربی) صفحات ۳۵

علامہ ابن تیمیہ نے مشہور آیت "لا اله الا أنت" الخ کی دلنشیں ومفید تفسیر کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس رسالہ کی تصحیح و تحقیق فرمائی ہے۔ یہ تمام کتابیں الدار السلفیہ بمبئی سے چھپی ہیں۔

حضرت علامہ مولانا صفی الرحمٰن صاحب فیضی مبارکپوری حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: صفی الرحمٰن بن عبداللہ بن محمد اکبرؒ تاریخ پیدائش: ۶/جون ۱۹۴۳ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۶۱ء

دکتورہ اعزازی: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۸۱ء

- سند اجازۃ روایت حدیث از علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ الرحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ۔
- سند اجازۃ روایت حدیث از مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ۔
- سند اجازہ روایت حدیث از مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب فیضی رحمہ اللہ۔

علمی تجربات اور خدمات

- عربی اور اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تدریس ۲۴ سال
- دس سال ہندستان کے مختلف عربی جامعات میں اور چودہ سال جامعہ سلفیہ بنارس میں جس میں سات سال صحیح بخاری کی تدریس بھی شامل ہے۔
- ماہنامہ "محدث" اردو بنارس کی ایڈیٹر شپ از ابتداء ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۸ء
- مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية . جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے تحت سیرت انسائیکلو پیڈیا کی تیاری میں اشتراک از ۱۴۰۹ھ تا ۱۴۱۸ھ
- امیر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند۔ • مناظرہ بجرڈیہہ بنارس ۱۹۷۸ء • پہلی بین الاقوامی سیرت کانفرنس امریکہ میں رابطہ عالم اسلامی کی نمائندگی۔ • رکنیت دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ۔

تالیفات : (عربی)

۱- انحاف الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی (عربی) صفحات ۴۸۰

یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے اور ملک و بیرون ملک کافی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مولانا موصوف نے اس کتاب کی تعلیق پر فن حدیث کے جوہر دکھاتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر کافی عمدہ بحث کی ہے۔

• الفاظ حدیث کی تعبیر و تشریح • حدیث کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اس میں جو تاویل یا تحریف کی گئی ہے اس کی نشاندہی کیے بغیر ایسی تشریح کی ہے کہ تاویل و تحریف کی تردید ہو جائے • اسانید پر بقدر ضرورت سیر حاصل بحث کی گئی ہے • عقائد اور فقہی مسائل میں منہج سلف کو ترجیح دی گئی ہے • اور متعدد جگہ ایسی تشریح کی گئی ہے جو کسی اور جگہ ملنا مشکل ہے۔

۲- الرحیق المختوم : اس کتاب نے عالمی مقابلہ سیرت نویسی میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے پہلا انعام حاصل کیا، میری معلومات کی حد تک حسب ذیل زبانوں میں اس کے ترجمہ ہو چکے ہیں۔ (۱) اردو (۲) انگریزی (۳) فارسی (۴) ہندی

(۵) بنگالی (۶) بوسنوی (۷) ترکستانی (۸) جنوب افریقی (۹) صومالی (۱۰) فرانسیسی (۱۱) گجراتی (۱۲) ملیالم (۱۳) البانی

۳- "الابتهاج فی شرح مسلم بن الحجاج" (عربی) چار جلد: زیر طبع

یہ کتاب صحیح مسلم کی شرح ہے جس کے اندر مولانا نے بڑی معلومات اکٹھا کردی ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

● غریب الحدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ● قبائل واماکن کی تشریح جدید معلومات کی روشنی میں کی گئی ہے ● حدیث کے مطالب کی وضاحت کرتے ہوئے اس میں جو تاویلات اور تحریفیں کی گئی ہیں اس کی نشاندہی کئے بغیر ایسی تشریح کی گئی ہے کہ تاویل و تحریف کی تردید ہو جائے ● رجال حدیث پر بقدر ضرورت اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ● عقائد اور فقہی مسائل میں منہج سلف کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی بنیاد بھی فراہم کردی گئی ہے۔

۴- روضة الانوار فی سیرة النبی المختار : (عربی) مطبوع
سعودی عرب کے کئی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔

۵- بهجة النظر فی مصطلح اهل الاثر.

۶- ابراز الحق والصواب فی مسئلة السفور والحجاب. پردہ کے متعلق ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی رائے پر نقد ہے اور مجلہ جامعہ سلفیہ میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

۷- الحکم الاسلامی وتعددالاحزاب السیاسیة. (عربی) مطبوع ۱۹۸۶ء

۸- تطور الشعوب والدیانات فی الهند ومجال الدعوة الاسلامیة فیها. مطبوع ۱۹۷۹ء

۹- "الفرق الناجیة خصائصها ومیزاتها فی ضوء الکتاب والسنة ومقارنتها مع الفرق الاخری"

۱۰- البشارات بمحمد ﷺ فی کتب الهندوس والبوذیین والفرس

۱۱- مراجعة اختصار تفسیر ابن کثیر

تالیفات : (بزبان اردو)

۱۔ الرحیق المختوم (ترجمہ) ۲۔ تجلیات نبوت (ترجمہ) ۳۔ تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ (ترجمہ)
۴۔ قادیانیت -- اپنے آئینے میں ۵۔ فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری ۶۔ انکار حدیث حق یا باطل
۷۔ اسلام اور عدم تشدد (اس کا ہندی اور انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے) ۸۔ رزم حق و باطل (اردو مناظرہ)
۹۔ اہل تصوف کی کارستانیاں ۱۰۔ مختصر اظہار الحق (ترجمہ) ۱۱۔ پیغمبر اسلام ہندو کتابوں میں

بحمد اللہ تالیفی سلسلہ جاری ہے۔

حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام : محفوظ الرحمٰن بن منظور الحسن بن حافظ ثناء اللہ

تاریخ پیدائش : ۱۹۴۶ء

اسانید و تخرج: ۱۹۶۶ء جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو

سند اجازہ روایت حدیث از:

- مولانا شمس الحق سلفی احمد اللہ ● مولانا ابوالوفا عظیم اللہ فیضی رحمتہ اللہ علیہ
- مولانا مفتی حبیب الرحمٰن فیضی رحمتہ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خدمات

- عربی اور اسلامی علوم وفنون کی تعلیم و تدریس ۱۹۶۷ء سے مادر علمی جامعہ اسلامیہ فیض عام میں جاری ہے، فی الحال شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہیں۔
- رکنیت مجلس شوریٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
- نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی اتر پردیش

تصنیفات

۱- مہدی موعود (اردو) صفحات: ۳۰۰

اس موضوع سے متعلق احادیث کا استقصاء کیا گیا ہے اور ان کی روشنی میں مہدی موعود کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ نیز متعدد محققین کی تصریحات سے ان احادیث کے معناً متواتر ہونے کو ثابت کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عقیدۂ مہدی موعود اسلامی عقائد میں سے ہے۔ اس بارے میں کچھ مشککین کے شکوک و شبہات کا رد کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی پانچ فصلیں ہیں آخری فصل میں آج تک مدعیان مہدیت کا ذکر اور ان کا رد کیا گیا ہے۔

۲- مبادیٔ اصول حدیث: (اردو) مطبوع، صفحات ۱۶ تاج پریس الہ آباد

اس رسالہ میں حدیث کی تمام قسموں کا مختصر مگر جامع بیان موجود ہے۔

۳- ثنائیات مؤطا امام مالک

اس کتاب میں مؤطا امام مالک کی ایک سو سے زائد ثنائیات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور ان احادیث کا ترجمہ اور ان کی تخریج و تشریح کی گئی ہے۔

دیگر تالیفات

۴- شیخ الاسلام عبدالوہابؒ کے بارے میں دو متضاد نظریے۔ ۵- تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحبؒ ۶- دین و مذہب اور کمیونزم ۷- نماز نبوی ۸- مبادی عروض و قوافی ۹- مشروع و ممنوع حلالہ حنفی نقطۂ نظر سے ۱۰- اصول دین (ترجمہ) ۱۱- قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام (ترجمہ) ۱۲- اتباع سنت اور تقلید: ائمہ اربعہ کی نظر میں۔ (ترجمہ)

مولانا شریف اللہ سلفی
جامعہ عالیہ عربیہ مئو

ابنائے جامعہ عالیہ عربیہ کی حدیثی خدمات
۱۲۸۵ھ تا ۱۳۳۵ھ

تیرہویں صدی ہجری میں ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی زوال کی تکمیل ہوتی ہے لیکن یہیں سے ان کے اندر معاشرتی اصلاح، مذہبی احیاء اور علمی و دینی تحریکوں کے وجود کا دور بھی شروع ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور ان کی اولاد و احفاد نیز شاگردان و مستفیدین حضرات: شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) شاہ عبدالقادر (م ۱۲۴۶ھ) شاہ رفیع الدین (م ۱۲۴۹ھ) شاہ عبدالغنی (م ۱۲۲۷ھ) شاہ محمد اسماعیل شہید (شہید ۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالحی (م ۱۲۴۳ھ) شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (م ۱۲۶۲ھ) وغیرہ نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کی اور پورا ہندوستان ان کے علم و فکر سے فیضیاب ہوا۔

مولانا سخاوت علی جونپوری

دیار مشرق جونپور و اعظم گڑھ وغیرہ میں علوم کتاب و سنت کی روشنی نامور عالم اور مشہور بزرگ مولانا سخاوت علی جونپوری (۱۲۲۶ھ ــ ۱۲۷۴ھ) کی روشن تعلیم سے آئی۔ آپ قصبہ منڈیاہو ضلع جونپور میں ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا رعایت علی اور دادا مولانا درویش علی سب کے سب معدن علم تھے آپ نے مولانا قدرت علی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، مولوی احمد اللہ سے علوم عقلی و نقلی کی تکمیل فرمائی، مولانا عبدالحی دہلوی اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی سے سند حدیث حاصل کی اور سید احمد شہید سے بیعت ہوئے۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد تمام عمر درس و تدریس میں لگے رہے۔ اخیر عمر میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں ان کے چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد مکی پیدا ہوئے۔ مولانا کو کثرت درس کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا بہت کم موقع ملتا تھا پھر بھی تقریباً ۸ تصانیف کا پتہ لگتا ہے، جو آپ کے تبحر علمی کا پتہ دینے کے لیے کافی ہیں۔ البتہ شاگردوں کی تعداد اچھی خاصی ہے اور بڑے بڑے نامور علماء آپ کے تلامذہ میں ہیں۔

مولانا فیض اللہ مئوی: (وفات ۱۳۰۶ھ)

مولانا سخاوت علی جونپوری کے مشہور و ممتاز تلامذہ میں مولانا فیض اللہ بن یار محمد کا نام سر فہرست ہے آپ ۱۲۳۰ھ موافق ۱۸۱۴ء میں پیدا ہوئے۔

اپنے والد سے ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر مولانا سخاوت علی جونپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہیں سے جملہ علوم

وفنون کی تکمیل کی اور مئو واپس آکر علوم کتاب وسنت کی ترویج واشاعت میں لگ گئے اور مئو میں توحید کا ڈنکا بجایا۔ آج کل مئو اور اطراف میں جتنی بھی علمی روشنی دکھائی پڑتی ہے وہ آپ کے جلائے ہوئے چراغ کی لو ہے۔ دو سال بعد آپ "مدرسہ اسلامیہ" اعظم گڈھ گئے اور پھر وہاں سے مئو واپس آئے کچھ دنوں مئو رہ کر علی گنج سیوان، داناپور، پٹنہ وغیرہ درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کے لیے تشریف لے گئے۔ چونکہ مجاہدین سے آپ کے گہرے روابط تھے اس لیے ان مقامات کا سفر ناگزیر تھا۔ داناپور میں بروز دوشنبہ بوقت عصر بتاریخ ۱۳ر ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں وفات پائی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ حیات شبلی ص ۴۲، ۴۳ میں لکھتے ہیں: اعظم گڈھ کے ضلع پر خصوصیت کے ساتھ مولانا فیض اللہ مئوی شاگرد مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری (م ۱۳۲۳ھ) کا زیادہ اثر ہوا۔"

یہ حقیقت ہے کہ مولانا فیض اللہ صاحب سے پہلے مئو میں کسی خاص تحریک، دینی و تعلیمی سرگرمی، اور اصلاحی تنظیم کا ذکر نہیں ملتا ہے، تراجم علماء حدیث ہند میں امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:

"مولانا فیض اللہ" تکمیل کے بعد مئو واپس تشریف لائے جو اس وقت ایک سرے سے شرک کی سرزمین بنی ہوئی تھی، گھر گھر غازی میاں کا جھنڈا اور حسین کا تعزیہ رکھا جاتا۔ آپ نے وعظ کہنا شروع کیا سامعین نہایت خاموشی سے سنتے اور اثر قبول کرتے۔ قصبہ سے شرک کا استیصال ہونے لگا۔"

جامعہ عالیہ عربیہ کا قیام

مولانا فیض اللہ صاحب نے ایک طرف تو وعظ وتذکیر سے توحید کا ڈنکا بجایا اور دوسری جانب ۱۲۸۵ھ موافق ۱۸۶۸ء میں حاجی عبدالرحمٰن اور دوسرے بزرگوں کے مشورہ وتعاون سے "مدرسہ اسلامیہ" موجودہ "جامعہ عالیہ عربیہ" کی بنیاد رکھی جس میں علوم کتاب وسنت کے درس کا باقاعدہ اہتمام ہونے لگا۔

جامعہ عالیہ عربیہ سے پہلے مئو میں کوئی مستقل دینی درس گاہ نہیں تھی۔ یہ جامعہ مولانا فیض اللہ کے زندہ وجاوید کارناموں میں سے ہے جس کا ثواب آپ کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

رسالہ سوط الرحمٰن کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفی خدمات کا پتہ نہیں چل رہا ہے، البتہ کیمیائے سعادت کی اردو اشاعت میں آپ کا تعاون مسلم ہے لیکن پچاس سال تک مسلسل درس وتدریس کی وجہ سے آپ کے شاگردان ومستفیدین کی ایسی جماعت ملتی ہے جو کہ علوم وفنون کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے اور اپنی تصنیفی وتدریسی خدمات کی وجہ سے تاقیامت زندہ رہیں گے اور آپ کو ثواب پہنچاتے رہیں گے۔

مولانا حسام الدین (وفات ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳م)

مولانا ملا حسام الدین، مولانا فیض اللہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ کا اسم گرامی حسام الدین بن جمال الدین عرف جمن ہے۔ قاضی دامو نپورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علوم وفنون کا اکثر حصہ مولانا فیض اللہ مئوی سے حاصل کیا اور کچھ مولانا علی عباس چریاکوٹی (م ۱۳۰۲ھ) سے۔

مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: مولانا حسام الدین کو مولانا فیض اللہ نے سند فراغ قلمی دیا تھا اور غالبًا میاں صاحب دہلوی رحمہ اللہ سے تعلیم اور سند حاصل کی تھی، یاد آتا ہے کہ مفتی مولانا حبیب الرحمٰن ناظم مدرسہ فیض عام مئو رحمہ اللہ نے ان دونوں سندوں کی اصل مجھے دکھائی تھی جو انہوں نے بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھا تھا، اور میرے کہنے پر ان کی فوٹو کاپی بھی کرائی تھی۔ (افادات موٗلانا محمد اعظمی) حصول علم کے بعد آپ نے مولانا فیض اللہ کے حکم سے جامعہ عالیہ عربیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اسی جامعہ میں عمر گرانمایہ ختم کر دی۔

امام خان نوشہروی آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں "جناب مستطاب مولانا (ملائے) حسام الدین علیہ الرحمہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جن کے بعد ان کے تینوں عمل باقی رہے یعنی صدقہ جاریہ، **علم ینتفع به، ولد صالح یدعو له**۔" ص ۴۱۵

آپ کے علم کا وقار مئو میں اس قدر تھا کہ کوئی بھی فتوی بغیر آپ کے دستخط کے جاری نہ ہوتا۔ آپ کی دو تصانیف کے علاوہ مزید کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ (۱) فرحۃ الاخیار بتفصیل جواب الاشتہار مع جواب صوت الازھار مسمی باعاذۃ الابرار من وسواس الازدجار۔ اردو / ۴۰ صفحات۔ (۲) راحۃ الاخبار۔ دونوں کتابیں ایک ساتھ چھپی ہیں۔

مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی فرماتے ہیں: آپ کو شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے استاذ مولانا فیض اللہ صاحب کی شان میں جو نظم کہی ہے اس کا ایک شعر یہ ہے:

اضافت فیض کی اللہ کی جانب ہے نام ان کا   کفایت ہے ہمیں یہ نام در دوں کی دوائی میں

آپ کے بیشمار عبقری تلامذہ آپ کی پروقار علمی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے جب جامعہ عالیہ عربیہ میں باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کی مساعی جمیلہ اور خداداد علمی صلاحیت ولیاقت سے یہ مدرسہ منبع علوم وفنون بن گیا اور یہیں سے مئو میں نشاۃ علمی کا ظہور ہوتا ہے۔ مئو واطراف مئو کے بلا تفریق ہر مسلک کے بے شمار طلبہ نے آپ کے درس سے فراغت حاصل کی، یہ وہ زمانہ تھا کہ مئو اور اس کے اطراف میں اس سرچشمہ رشد وہدایت کے علاوہ کوئی اور مدرسہ نہ تھا۔ اور اس درس گاہ میں ابتداء تا انتہا جملہ علوم وفنون کا درس ہو رہا تھا۔ اس علمی و عملی درس گاہ سے ایسی ایسی ہستیاں زیور علم سے آراستہ ہو کر آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں کہ قیامت تک تاریخ کے اوراق انہیں فراموش نہیں کر سکتے۔

جامعہ عالیہ منزل بہ منزل

جامعہ عالیہ عربیہ کی تعلیمی ترقی اور اس کے فضلاء و مستفیدین کی جانکاری کے لیے ہم اسے تین دور میں تقسیم کر سکتے ہیں:

مدرسہ کا قیام، دور اول (۱۲۸۵ھ تا ۱۳۳۵ھ)

اس دور میں یہ مدرسہ مختلف حجروں میں گمنام خاموش خدمت کرتا رہا، لیکن تعلیم و تعلم کے اعلی معیار کا حامل رہا۔ بڑے بڑے جید علماء فارغ و مستفید ہو کر نکلے اس دور میں بلا اختلاف و امتیاز مسلک اہل حدیث و حنفی طلبہ نے تعلیم حاصل کی ہے کیوں کہ اس دور میں اس جیسا مدرسہ کسی مسلک کا نہیں تھا، اس دور میں مولانا حسام الدین صاحب کے تلامذہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کا احصاء دشوار ہے۔

مدرسہ کی تعمیر، دور دوم (۱۳۳۶ھ تا ۱۳۸۰ھ)

اس دور کا آغاز مدرسہ کی اپنی ذاتی عمارت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۳۳۵ھ میں کچھ ارباب ہمت نے ایک وسیع مکان خرید کر مدرسہ کو وقف کیا۔ طلبہ اور اساتذہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ دور مدرسہ کے لیے حسب حالات نیا اور ترقی یافتہ دور تھا۔ اس دور میں بھی دور اول کی طرح بہت سے مشاہیر علماء و فضلاء فارغ و مستفید ہو کر نکلے۔ لیکن ان کا شمار بہت مشکل رہے، صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ الرحمانی رحمہ اللہ کا اسم گرامی پیش کر کے اس دور کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

مدرسہ کی تعمیرجدید دور سوم (۱۳۸۱ھ تا ۱۴۱۹ھ)

اس دور میں مدرسہ کی جدید تعمیر ہوتی ہے۔ کیونکہ مدرسہ کی قدیم عمارت طلبہ اور اساتذہ کی کثرت سے از حد تنگ ہو گئی تھی نیز مدرسہ نسواں کی ضرورت بھی کافی بڑھ گئی تھی۔ اس وجہ سے قدیم عمارت مدرسہ نسواں کے حصہ میں آئی اور تعمیر جدید سے جامعہ عالیہ کا کام ہو رہا ہے۔ تادم تحریر موجودہ عمارت دور دوم سے کئی گنا وسیع ہونے کے باوجود جامعہ کے مختلف شعبوں کے لیے بہت تنگ ہو چکی ہے۔ موجودہ ذمہ داران حضرات اس کوشش میں ہیں کہ جامعہ کے لیے خرید کردہ وسیع زمین جو عالیہ نگر میں ہے اس پر ایک تعمیری سلسلہ شروع ہو جو تمام ضرورتوں کو پوری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کار آمد بنائے اور ان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

گزشتہ ادوار کی مانند اس دور میں بھی علماء، فضلاء اور مستفیدین کی ایک لمبی قطار دکھائی پڑتی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے اس جگہ میں صرف دور اول کے چند اکابر کا مختصراً تذکرہ کروں گا کوشش ہو گی ان حضرات کو زیر تذکرہ لاؤں جنہوں نے حدیث کی مختلف انداز سے خدمت کی ہے: (۱) تصنیف سے (۲) درس و تدریس سے (۳) وعظ و تبلیغ سے (۴) نشر و اشاعت سے۔

۱۔ مولانا حکیم خلیل الرحمٰن بن حافظ عبد اللہ بن حاجی عبد الوہاب (وفات ۱۳۱۴ھ)

آپ مولانا ابو المعالی محمد علی مئوی کے برادر عم زاد تھے۔ تعلیم و تعلم کے لیے دونوں ایک ساتھ رہتے۔ مولانا حسام الدین مولانا فیض اللہ اور شیخ الکل دہلوی سے استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد چنار گڈھ ضلع مرزا پور اور مدھوپور میں مدرس رہے۔ اسی دوران حصول طب کا شوق ہوا اور لکھنو گئے۔ وہاں کی آب و ہوا اس نہ آئی بیمار پڑے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ رد تقلید میں آپ کا ایک رسالہ بہت مشہور ہے۔

۲۔ مولانا عبد الرحمٰن مئوی (وفات ۱۴ر محرم ۱۳۱۵ھ)

محلّہ اورنگ آباد مئو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ غفاریہ اسڑا گئے اور فنون کی تکمیل کی پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی تحصیل و تکمیل کی درس و تدریس کے لیے بنارس تشریف لے گئے اور مسجد گیان واپی میں طویل عرصہ تک مصروف درس وافادہ رہے۔ ساتھ ہی بی بی رضیہ کی مسجد واقع چوک

میں خطابت وامامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔اس کے ساتھ آپ کپڑے کی تجارت بھی کرتے تھے۔جس سے آپ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ آپ کی ملی یادگار میں فاطمان کی مشرقی عیدگاہ ہے جو بادشاہ باغ میں واقع ہے اور آج بھی موجود ہے۔اپنی تعمیر کردہ عیدگاہ میں مدفون ہیں۔ (تذکرہ علماء اعظم گڈھ ص ۱۵۳)

۳۔ مولانا حافظ حکیم عبدالرحیم بن شیخ حاجی بہادر عرف بڑے حافظ صاحب وفات رمضان ۱۳۳۰/ستمبر ۱۹۱۲ء

آپ مبارک پور میں پیدا ہوئے مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین اور مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے جملہ علوم و فنون حاصل کیا۔ حفظ قرآن و قرأت کی تعلیم قاضی امام الدین جونپوری سے حاصل کی۔ آپ ایک کامیاب حکیم تھے درس و تدریس کا سلسلہ طبابت کے ساتھ چلتا رہتا اور قاضی مبارک اور حمد اللہ جیسی ادق کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے۔ حفظ و تجوید میں یکتائے روزگار تھے اور مرجع خلائق تھے۔ قصبہ اور اطراف کے سیکڑوں حفاظ نے آپ کی ذات سے حفظ قرآن کی نعمت پائی اور کوئی بھی حافظ اس وقت تک مستند نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ آپ کو سنا کر سند حاصل نہ کرلے۔امام خان نوشہروی لکھتے ہیں "مگر آخر مبارک پور میں عمل بالسنۃ کی رسم (حسنہ) آپ کی وجہ سے جاری ہوئی۔"

۴۔ مولانا محمد سعد اللہ واعظ بن حکیم رکن الدین بن یاری وفات ۲۶/ شعبان ۱۳۲۱ھ / ۱۷/ نومبر ۱۹۰۳م

مئو میں پیدا ہوئے۔اپنے والد محترم، میاں ولی اللہ، ملا حسام الدین، مولانا فیض اللہ اور میاں صاحب دہلوی سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ تکمیل کے بعد کچھ دن بھوپال رہے۔وہاں "میر واعظ" آپ کا لقب پڑا اس لیے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسا پر تاثیر اور رقت آمیز وعظ فرماتے تھے کہ سامعین پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ جہیر الصوت تھے آواز میں سوز وگداز اور بیان میں تسلسل اور غضب کا جادو تھا، جو سنتا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کی تصانیف میں صحیح بخاری کی حدیث ام زرع کا اردو ترجمہ قلمی صورت میں دیکھا گیا ہے۔(از افادات : شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم۔)

۵۔ مولانا عبداللہ واعظ۔(۱۲۵۸ھ۔۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء)

محلّہ کھیری باغ مئو میں پیدا ہوئے۔ مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین، مولانا علیم الدین حسین نگر نھسوی (بہاری) سے جملہ معقول و منقول پڑھا عمل بالکتاب والسنۃ کے شیدائی تھے۔ کچھ دن نگر نہسہ بہار میں رہے، باقی تمام عمر مئو میں ختم کی۔ ایک مرتبہ آمین بالجہر پر جب کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو وہاں سے الگ ہوگئے اور ایک مسجد بنوا ڈالی جہاں تبلیغ و تدریس کا اچھا انتظام کیا۔

آپ کی کوئی تصنیف تو نہیں دکھائی پڑتی ہے مگر جتنی اولاد ہیں سب اہل علم، دیندار ہیں۔(نوشہروی)

۶۔ مولانا سلیم اللہ بن میاں محمد صادق وفات : ۱۳۳۴ھ/۱۹۰۶ء

محلّہ الہ داد پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ مولانا حسام الدین، مولانا فیض اللہ، حافظ غازیپوری اور میاں صاحب دہلوی سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی، تکمیل کے بعد ایک عرصہ تک مطبع نول کشور لکھنؤ کے مصحح اعلی رہے اور کافی دنوں تک مدرسہ

صدیقیہ مئو میں مدرس رہے۔ فرار من الطاعون کے موضوع پر آپ کا ایک مطبوعہ رسالہ موجود ہے۔ شیخین (مولانا فیض اللہ اور مولانا حسام الدین) کے بعد مئو میں احیائے سنت کو اصل فروغ آپ کی ذات سے حاصل ہوا۔

۷۔ ابو الفیاض عبد القادر بن شیخ عبد اللہ۔ (ولادت ۱۲۷۹ھ / وفات ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء)

ڈومن پورہ پچھم میں پیدا ہوئے' مولانا حسام الدین' مولانا ابوالمکارم محمد علی اور مولانا فیض اللہ صاحب سے تکمیل فنون کے بعد حضرت سید نذیر حسین محدث دہلوی' مولانا محمد طاہر سلہٹی' اور ملا عبدالحکیم پنجابی سے صحاح ستہ پڑھیں۔

اس کے بعد وقتی دستور کے مطابق مولانا شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی سے بیعت ہوئے اور سلوک کے مراحل طے کئے۔ اس کے بعد درس و تدریس سے تصنیف و تالیف میں لگے۔ چار سال مدرسہ عالیہ مئو میں' تین سال مدرستہ المسلمین شہر کاٹھ چھاؤنی ناگپور اور تین سال مدرسہ احمدیہ آرہ میں پڑھایا یہیں قاضی مچھلی شہری سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ آسنسول میں ۱۳۳۱ھ میں انتقال کیا۔

آپ کے ۳ صدقہ جاریہ ہیں: بے شمار تلامذہ، صالح اولاد، تصنیفات۔

١. حل المغلقات في بحث الطلقات
٢. تفريح الجنان بأحكام قيام رمضان
٣. عمدة الكلام في رد عمل درة النظام
٤. الروضة الناظره في علم المناظره
٥. سوانح عمر بن عبدالعزيز

۸۔ مولانا ابو الانوار عبد الغفار بن شیخ عبد اللہ بن شیخ تراب علی بن شیخ یمانی بن شیخ ہمت علی عراقی ولادت : ۲ صفر ۱۲۸۳ھ، وفات ۱۳۴۱ھ۔ "جزاه مغفرة" مادہ تاریخ ہے۔

محلہ اورنگ آباد مئو میں پیدا ہوئے۔ والد محترم نے "ظہور المنان" تاریخی نام رکھا پہلے اپنے والد شیخ عبد اللہ، جمال الدین، مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین مولانا امام الدین خان پنجابی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ نور نگر بلہا میں حکیم عبد اللہ مجددی اور اس کے بعد غازی پور میں ملا عارف ولایتی اور اس کے بعد مولانا عبدالاحد الہ آبادی سے تکمیل کی۔ اس کے بعد فن طب اور عربی ادب بالخصوص حاصل کیا۔ پھر مولانا رشید احمد گنگوہی سے صحاح ستہ پڑھا۔ مولانا عبدالآخر کی صحبت میں رہ کر شعر و شاعری سے کافی دلچسپی لی اور ایک اچھے شاعر بن کر ابھرے۔

تحصیل و تکمیل کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوئے، شاہی مسجد مئو میں دو سال درس دیا۔ پھر مہراج گنج ضلع بلیا گئے پھر مدرسہ انوار العلوم نوانگر ضلع بلیا گئے اور اٹھارہ سال رہے۔ اسی دوران حج کیا اور وہاں مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے اجازت و سند حدیث حاصل کی۔ پھر آپ دوبارہ مہراج گنج گئے مگر دو سال بعد واپس آگئے اور انجمن اسلامیہ گورکھپور میں صدر ہو کر گئے وہاں ۳ سال رہے پھر مظہر العلوم بنارس گئے۔ مگر وہاں سے پھر انجمن اسلامیہ گورکھپور آئے اور تاحیات درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ کم و بیش ۳۵ برس مروجہ علوم و فنون کا درس دیا اور سیکڑوں تشنگان علوم کو سیراب کیا۔

تصانیف یہ ہیں :

۱۔ غرائب البیان فی مناقب النعمان. امام ابو حنفیہ کی مناقب میں
۲۔ منسك البراة في منسك الحج والعمرة. حج و عمرہ کے مناسک واحکام میں
۳۔ مقوی الذری لمن تمسك باوثق العری.
۴۔ طيب الاقاصى في مسائل الأضاحي. اضاحی کے مسائل واحکام میں ہے۔
۵۔ كشف الحقيقة في مسائل العقيقة. عقیقہ کے مسائل کے بیان میں ہے۔
۶۔ تحقيق قول الطرفين في الكلام بين الخطبتين.
۷۔ كشف المكنون في الخروج من الطاعون. طاعون سے متعلق احادیث و آثار کی جامع اور مدلل کتاب ہے۔
۸۔ راحة المحزون في شرح الطاعون. یہ رسالہ بھی طاعون سے متعلق ہے۔
۹۔ مذہبی مکالمہ آریہ دھرم کی تردید میں بڑا جامع رسالہ ہے۔
۱۰۔ هداية المهتدى في حكم اهاب الأضاحي. چرم قربانی کے احکام و مسائل سے اس رسالہ میں بحث کی گئی ہے۔
۱۱۔ رد عقائد نیچریہ غیر مطبوع
۱۲۔ الستر عن جلستي الوتر غیر مطبوع
۱۳۔ ترغيب المتلاقين في المصافحة باليدين غیر مطبوع
۱۴۔ كحل العينين لمن لم يتبصر بقول الطرفين غیر مطبوع
۱۵۔ الجام المتعنتين غیر مطبوع
۱۶۔ دیوان تحفۂ ضیائی، (مولانا اپنا تخلص ضیاء کرتے تھے) غیر مطبوع

۹۔ حکیم ابو الہدیٰ عبدالسلام بن شیخ خاں محمد بن شیخ امان اللہ بن شیخ حسام الدین مبارکپوری۔ ولادت بحسب تصریح تذکرہ علماء حال ۱۲۸۱ھ۔ وفات: ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء

آپ مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ خاندانی موحد عامل بالحدیث تھے۔ حافظ عبدالرحیم، مولانا حسام الدین، مولانا عبدالرحمٰن صاحب تحفۃ الاحوذی، حافظ عبداللہ غازی پوری سے اکتساب فیض کے بعد دہلی گئے۔ وہاں مولانا عبدالحق ولایتی سے پڑھا پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے صحاح ستہ پڑھیں اور مولانا شیخ حسین عرب سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ قاضی محمد مچھلی شہری سے اجازت حدیث و مسلسل بالاولیہ حاصل کی اور طب و حکمت کی تعلیم حکیم عبدالولی بن حکیم عبدالعلی لکھنوی اور دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔

فراغت کے بعد تاحیات درس و تدریس میں لگے رہے ۱۵ سال صادق پور پٹنہ میں، ۳۰ سال مئو جامعہ عالیہ عربیہ میں، چار سال سراج العلوم بونڈیہار گونڈہ میں، آخر میں دارالحدیث رحمانیہ آئے۔ اور دہلی ہی میں گھنٹہ گھر کے سامنے ایک بدلگام گھوڑے کے نیچے دب کر شہید ہو گئے۔

آپ بے مثال عالم اور بے نظیر مدرس تھے، اچھے ادیب، مصنف، مورخ اور نقاد تھے، تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا بہت ہی صاف ستھرا اور نرالا انداز رکھتے تھے۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں ”آہ! مولانا عبدالسلام مرحوم! مولانا موصوف صحیح معنوں میں ایک عالم اور علوم کے مدرس تھے، مدرسین کی تلاش میں جب نظر پڑتی تو آپ پر ہی پہلے پڑتی۔“ (تراجم علماء حدیث ھند/۴۰۰)

اخبار اہل حدیث امرتسر میں جب سلسلہ تراجم علماء اہل حدیث شروع ہوا (یعنی ۳۰ اگست ۱۹۱۸ء لغایت ۷ار اگست ۱۹۲۲ء) اس میں تقریباً ۸۲/ علماء کے سوانح شائع ہوئے جن میں سے ثلث کے قریب آپ کے مساعی کا نتیجہ ہیں۔

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اثبات الاجازۃ لتکرار صلوٰۃ الجنازۃ، اردو/ ۲۸۔ اس میں تکرار صلوۃ جنازہ کا ثبوت احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے دیا گیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی ہے۔ (۲) اسلامی تمدن، اردو (۳) تصوف، اردو قلمی

(۴) سیرۃ البخاری اردو زبان میں اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ہے۔ اب اس کا عربی ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

(۵) تاریخ منوال اردو

۱۰۔ مولانا عبدالغنی بن ملا حسام الدین۔ (ولادت: تقریباً ۱۲۹۲ھ وفات ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء)

آپ نے علمی ماحول میں آنکھ کھولی۔ والد محترم مولانا حسام الدین صاحب سے ان کی زندگی میں تعلیم حاصل کیا۔ ان کے ارتحال پر بڑے بھائی احد صاحب اور مولوی سلطان احمد سے پڑھا اور حافظ صاحب غازی پوری و عبدالمنان بقا غازی پوری سے کتب علوم حدیث و تفسیر پڑھی اور تکمیل کیا۔ بعد تکمیل مدرسہ فیض عام مئو میں ۱۰/ ۱۲ سال پڑھایا اور جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب رہے۔ منکسر مزاج اور کم سخن تھے۔ تلامذہ کے علاوہ کوئی تصنیف نہیں مل رہی ہے۔

۱۱۔ مولانا شاہ عبدالمجید بن شاہ مولوی کریم بخش بن مولوی محمد قاسم بن مولوی شاہ کمال مئوی۔ (ولادت تقریباً ۱۲۷۴ھ وفات ۱۳۵۱ھ۔)

آپ ایک علمی وروحانی خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ مئو ہی میں حاصل کی اس کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں مولانا عبدالعلیم رسول پوری مولانا محمد فاروق چریاکوٹی اور دیگر اساتذہ سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی پھر مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے علم حدیث پڑھ کر سند لیا۔ اس کے بعد فن طبابت کی جانب متوجہ ہوئے اور ایک کامیاب طبیب بن کر نکلے۔

تکمیل کے بعد جامعہ مظہر العلوم بنارس میں اٹھائیس سال تک صدر مدرس رہے۔ وہاں سے الگ ہونے کے بعد دارالعلوم مئو کے ناظم ہوئے ایک اچھے منتظم بھی تھے۔ آپ کے دور نظامت کو زریں دور کہا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حاذق طبیب بھی تھے ان کے باوصف حکومت انگلشیہ کی جانب سے اعزازی مجسٹریٹ بھی تھے روز آنہ متعدد مقدمات کا بہت بہترین فیصلہ کرتے تھے کہ دونوں فریق برضا واپس جاتے۔ اخیر عمر تک شاہی مسجد کٹرہ کے امام رہے۔

۱۲۔ مولانا حکیم ابوالمکارم محمد علی بن مولانا فیض اللہ مئوی۔ (وفات: ۷/ رجب ۱۳۵۲ھ/ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

محلہ ڈومن پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ مولانا ملا حسام الدین سے کسب فیض کے بعد حافظ عبداللہ غازی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں سے سند واجازت لینے کے بعد سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیل کی۔ اس کے بعد سید عبدالحفیظ دہلوی سے طب و حکمت کی تکمیل کی اس طرح آپ ایک حاذق طبیب کے ساتھ ماہر علوم کتاب و سنت تھے۔

تکمیل کے بعد آپ وطن واپس آگئے۔ صاحب ثروت تھے اس لیے قلم کی آبیاری کے ساتھ آپ نے مال و زر سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا۔ اہل حدیث کی مساجد کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ حیاۃ ابوالمکارم (غیر مطبوع) کے مولف مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی لکھتے ہیں: آپ کی زندہ جاوید یادگار میں تین چیزیں ہیں:

(۱) تصانیف: جنہیں آپ نے مناظرانہ طرز پر علمائے احناف یا علمائے اہل حدیث کے مقابل میں بعد تحقیق مسائل تالیف فرمایا۔ (۲) فتاوی: جن کے ذریعہ آپ نے خلق خدا کو راستہ دکھایا۔ (۳) مونا تھ بھنجن کی جماعت اہل حدیث: یعنی وہ توحید خالص اور سنت نبوی ﷺ کا پودا جسے آپ کے والد مولانا فیض اللہؒ (۱۳۰۶ھ) نے لگایا تھا اپنے خون جگر سے سینچا۔ جس شجرہ طیبہ کی روح پرور بہار میں ہم سانس لے رہے ہیں اور حسب بیان مولانا احمد صاحبؒ ناظم مدرسہ فیض عام مئو "اگر مولانا ابوالمکارم نہ ہوتے تو مئو سے جماعت اہل حدیث کا جنازہ نکل گیا ہوتا۔" (حیاۃ ابوالمکارم (غیر مطبوع)

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) اقامة الدلائل علی سماع علقمة عن أبيه وائل. اردو صفحات ۶ (۲) فراسة المومنين فی رد هداية المنكرين. اردو صفحات ۶۰ (۳) الكوكب الدری فی رد الصلوٰة المشهوره بالقضاء العمری. اردو صفحات ۳۲ (۴) اظهار ابو ذر الذی صدر عن مؤلف كشف الستر. اردو صفحات ۲۴ (۵) القول الماثور فی اثبات احاديث الصدور. اردو صفحات ۱۰ (۶) حدائق الازهار فی جواب الاشتهار. اردو (۷) المشرب المختار بجواب لامع الانوار. اردو (۸) المذهب المختار فی الرد علی جامع الآثار. اردو صفحات ۴۰ (۹) هداية الوریٰ الیٰ اقامة الجمعة فی القری. اردو صفحات ۲۰ (۱۰) الجواب الاصوب عن مسئلة الخطبة بغير لسان العرب. اردو صفحات ۸ (۱۱) بياض بتائيد الجواب الأصوب. اردو قلمی بوسیدہ (۱۲) بشارة الوری الی اقامة الجمعه فی القری. اردو قلمی ناقص صفحات ۷۴ (۱۳) التحقيق الحسن فی اثبات القميص فی الكفن. اردو صفحات ۱۶ (۱۴) القول المحلی بكل زين فی تائيد مسألة رفع اليدين. اردو صفحات ۵۰ (۱۵) مطلع القمرين فی تائيد مسألة رفع اليدين. اردو صفحات ۲۶ (۱۶) الرد المحبر علی المولوی عبدالبر. عربی صفحات ۶ قلمی (۱۷) تدقيق الأصفياء فی جواب تحقيق الأذكياء. اردو صفحات ۲۲ (۱۸) عمدة الحقيق فی اثبات الضحايا إلی آخر ايام التشريق. اردو صفحات ۱۶ (۱۹) الابحاث السنية عن المقالة المرضية. اردو صفحات ۳۲ (۲۰) المباحث العلية المتعلقة بالابحاث السنية. اردو صفحات ۶ (۲۱) الخير الكثير فی انكاح الصغيرة والصغير. اردو صفحات ۱۶ (۲۲) طلاق ثلاثة فی مجلس واحد. اردو صفحات ۵۵ (۲۳) كشف الخطاء عن مسئلة البناء. اردو صفحات ۱۶ (۲۴) سفينۂ ابوالمكارم. اردو

ناقص قلمی (۲۵) الرد المجتبی علی من احل فی الھند مسألة الربوٰ. اردو قلمی، ناقص (۲۶) القول الماثور فی اثبات آحادیث الصدور. اردو صفحات ۱۰ (۲۷) لوامع الأنوار فی تائید دقائق الأسرار. اردو صفحات ۳۸ (۲۹) الجواب الأحسن عن الکلام المستحسن. اردو/۱۸ (۳۰) افادات الحنفاء فی الکذابین والضعفاء. اردو (۳۱) کشف الغطاء. اردو (۳۲) مجن المحمدیه لردفئوس الحنفیة. اردو/۱۲ (۳۳)عمدۃ القانون فی الرد علی خیر الماعون. اردو/۱۶ (۳۴) التحقیق المختار. اردو (۳۵) بیاض بتائید التحقیق المختار. (ناقص الطرفین)اردو/۱۴ (۳۶) الجواب السدید عما أورد فی أوشحه الجید. (ناقص) اردو/۵۶ (۳۷) الاجوبة الفاخرۃ الفاضلة فی رد الرسائل العشرۃ الکاملة. اردو/۸۸ شیخ فضل رحمان گنج مراد آبادی کے ایک مرید نے دس چھوٹے چھوٹے رسالے (۱) شہر آفاق (۲) میخانۂ تصوف (۳) گنجینۂ فقر (۴) فیض رحمانی (۵) نشۂ عرفاں (۶) نسخہ حکمت (۷) حسن معاملہ (۸) نور احمدی (۹) اسرار محبت (۱۰) نظر مرشد، لکھ کر استعانت لغیر اللہ، علم باطن، استعانت بالرسل، فاتحہ خوانی وغیرہ کو جائز قرار دیا تھا، یہ کتاب انہیں دس کتابوں کے جواب میں ہے۔

(۳۸) الرسالة العادلة فی رد المقالة الکاملة. (ناقص)اردو صفحات ۳۲ قلمی (۳۹) أیسن المرام فی رد فوز الکرام. اردو قلمی (۴۰) شاہ امانت اللہ فصیحی غازیپوری کے خط غیر مطبوع پر بحث اردو صفحات ۸ (۴۱) الجواب السدید عن مقالات اھل التقلید اردو صفحات ۲۰ (۴۲) تقریرات محققانه بجواب سوالات ده گانه اردو صفحات ۸ (۴۳) الجواب الأسنیٰ عن مسألة المصافحة بالیدالیمنیٰ اردو صفحات ۱۶ (۴۴) الروض الأزھر فی منافع الدھن الاحمر اردو صفحات ۱۶ (۴۵) زینة الجیش بخلافة القریش اردو صفحات ۸ (۴۶) نظم اللآلی فی إحیاء اللیالی اردو صفحات ۸ (۴۷) البحث القوی عن سیرۃ النبی ﷺ اردو صفحات ۸ (۴۸) سیرۃ النعمان کا جواب اردو قلمی (۴۹) گوہر منظوم

۱۴۔ ابوالعلی عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن شیخ حاجی بہادر رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۸۳ھ وفات: ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء)

آپ محلّہ پورہ صوفی مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف اور ابتدائی عربی اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ ملا حسام الدین، مولانا فیض اللہ اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری سے استفادہ کے بعد چشمہ رحمت غازی پور گئے وہاں پانچ سال رہ کر حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا محمد فاروق چریاکوٹی سے جملہ مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کی، شیخ حسین عرب یمنی اور شیخ محمد مچھلی شہری سے سند "مسلسل بالاولیہ" حاصل کیا۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند حاصل کیا۔ اس طرح ۱۳۱۳ھ میں فراغت حاصل کی اور اسی سال مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور کی بنیاد رکھی۔

فراغت کے بعد تعلیمی و تدریسی مشغلہ شروع کیا۔ ابتداء آپ نے دارالتعلیم مبارکپور سے کی۔ پھر بلرام پور (گونڈہ) جواب خود ضلع ہے، گئے وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور کچھ دن رہے۔ پھر وہاں سے اللہ نگر ضلع بلرام پور میں ایک مدرسہ بنام فیض العلوم قائم کیا اور کچھ دن وہاں رہے۔ پھر کنڈؤ بونڈیہار میں سراج العلوم نام کا ایک ادارہ قائم کیا جہاں آپ کافی دنوں تک رہے۔ پھر وہاں سے مدرسہ احمدیہ آرہ گئے۔ پھر وہاں سے مدرسہ دارالقرآن والسنہ کلکتہ گئے۔ وہاں چند سال رہے۔ مولانا کے

مدریسی سفر کی یہ آخری منزل ہے اس کے بعد آپ کسی مدرسہ میں نہیں گئے، بلکہ تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

آخری زمانہ میں موتیابند کی شکایت ہوئی۔ اور دونوں آنکھوں سے معذور ہوگئے۔ ۱۳۵۳ھ، میں دہلی میں ایک آنکھ کا آپریشن کرایا جو کامیاب رہا۔ وطن واپسی کے بعد اختلاج قلب کی شکایت ہوئی اور بالآخر ۱۶؍ شوال ۱۳۵۳ھ کو اس دار فانی سے کوچ کرگئے۔

آپ کی یادگار آپ کی تصنیف کردہ کتابیں، فتاوی، قائم کردہ عربی مدارس اور وہ تلامذہ میں جو علوم و فنون میں یکتائے روزگار بنے اور اپنے فیوض و برکات سے تاقیامت روئے زمین کو منور کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) **مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی**. عربی صفحات ۳۴۴ (۲) **تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی** ۴ جلدیں۔ عربی مجموعی صفحات ۱۶۲۶ (۳) **نور الابصار فی ثبوت اقامۃ الجمعۃ فی القریٰ**. اردو صفحات ۸۰ (۴) **تنویر الابصار فی تائید نور الابصار**. اردو (۵) **کتاب الجنائز**. اردو صفحات ۱۱۲ (۶) **القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید**. اردو صفحات ۴۰ (۷) **تحقیق الکلام فی وجوب القرآۃ خلف الامام** ۲ جلدیں اردو صفحات ۳۳۸ (۸) **رسالۂ عشر**. اردو (۹) **رسالہ در حکم دعا بعد صلوۃ مکتوبہ**. اردو (۱۰) **اعلام اھل الزمن من تبصرۃ آثار السنن**. اردو صفحات ۱۳ (۱۱) **ابکار المنن فی تنقید آثار السنن**. اردو صفحات ۸ (۱۲) **ضیاء الابصار فی رد تبرۃ الانظار**. اردو صفحات ۸ (۱۳) **خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون** ۲ جلدیں۔ اردو صفحات ۸۶ (۱۴) **الدرر المکنون فی تائید خیر الماعون**. اردو صفحات ۴۰ (۱۵) **المقالۃ الحسنیٰ فی سنیۃ المصافحۃ بالیدالیمنی**. اردو صفحات ۳۲ (۱۶) **ارشاد الھائم إلی إخصاء البھائم**. اردو (۱۷) **الوشاح الابریزی فی حکم دواء الانکلیزی**. اردو (۱۸) **شفاء الغلل فی شرح کتاب العلل**. عربی (۱۹) **الکلمۃ الحسنیٰ فی تائید المقالۃ الحسنیٰ**

ان کے علاوہ سنن أبی داؤد کی شرح عون المعبود۔ (شارح مولانا شمس الحق ڈیانوی) کی آخری دو جلدوں کی تکمیل میں آپ ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۳ھ تک چار سال شریک رہے۔ آپ کے ساتھ قاضی یوسف حسین خان پوری ہزاروی اور مولوی محمد شاہ جہاں پوری بھی تھے۔ مگر مولانا شمس الحق کو سب سے زیادہ اعتماد آپ پر تھا۔ ان دونوں اصحاب سے اگر سہو ہو جاتا تو اس کی اصلاح آپ سے کراتے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے فتاوی نذیریہ کے منتشر اوراق آپ کے حوالہ کردیے تھے، آپ نے بڑی دقت نظر سے اس کی ترتیب دی تھی۔ (جو شیخ الکل میاں صاحب دہلوی کے نام سے ۲ جلدوں میں شائع ہوا ہے) اسی طرح آپ اپنے عالی مرتبت استاد مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ کے فتاوی ترتیب دے رہے تھے۔ مگر وقت موعود آپہنچا اور یہ کام ادھورا چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

۱۳۔ ابو الفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا۔ (ولادت تقریباً ۱۲۷۳ھ وفات: ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء)

آپ محلہ قاسم پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم میاں ولی اللہ اور میاں رمضان مئوی سے حاصل کی اور درسیات

مولانا ملا حسام الدین صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد غازی پور گئے۔ وہاں حافظ غازی پوری اور مولانا عبدالعلیم رسول پوری وغیرہ سے فنون کی تکمیل کی اس کے بعد دہلی مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث پڑھی یہ ۱۲۹۶ھ کا دور ہے اسی سال قاضی محمد شہری سے مسلسل بالاولیہ کی سندلی۔ تکمیل کے بعد موضع کونٹر (موجودہ گیان پور) ضلع مرزاپور میں ۱۵ سال پڑھایا اس کے بعد حافظ غازی پوری کے مشورہ سے ڈیانواں، بہار گئے۔ وہاں صاحب عون المعبود کے صاحبزادے کو ایک سال تک پڑھایا۔ ان کے علاوہ مدرسہ فیض عام مئو میں بھی ایک سال رہے۔ اور بے شمار حضرات نے آپ سے استفادہ کیا۔

آپ نے "فریاد مظلوم" نام کی ایک مثنوی لکھی ہے جس میں مئو کے تاریخی ہنگامہ گئو کچھنی کا دلخراش تذکرہ کیا ہے۔ یہ واقعہ ۲۵ جون ۱۸۹۳ء - ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کو عین بقر عید کے دن پیش آیا تھا۔ اس میں مولانا نے اس ہنگامہ کا پورا نقشہ اور تاریخ بیان کردی ہے۔

۱۵۔ حسان الہند مولانا ابوالنعمان عبدالرحمٰن آزاد بن عبدالرزاق مئوی۔ (ولادت: ۱۲۹۵ھ وفات: ۱۳۵۷ھ)

محلہ ڈومن پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ ملا حسام الدین سے کسب فیض کیا۔ ان کے ارتحال کے بعد حافظ غازی پوری، مولانا عبدالرحمٰن بقا غازی پوری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد حسن (مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور) سے استفادہ کیا اور پھر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند و اجازت حدیث سے مشرف ہو کر واپس آئے۔ تکمیل کے بعد ۱۳۱۴ھ میں دربھنگہ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد علامہ شمس الحق ڈیانوی کے ایماء سے آسن سول بنگال گئے پھر یہاں سے دارالہدیٰ کلکتہ گئے۔ اسی درمیان مئو میں پلیگ پھیلا اور آپ واپس آگئے۔ اس میں آپ کے بھائی اور دو بیٹے شہید ہوئے تھے۔

آپ ایک لائق مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر و مصنف بھی تھے۔ بعض کتابیں لکھیں مگر ناتمام رہ گئیں:

(۱) **تفسیر القرآن** ناتمام اردو (ابتدائی چار پارے تقریباً) (۲) **ترجمہ طبقات ابن سعد.** ناتمام اردو (حصہ سیرۃ النبی فقط) (۳) **بحرالفرائض** فارسی (۴) **شرح قصیدہ بانت سعاد** اردو مطبوع (۵) **التحریر** اردو ۸/ (یہ کتاب ضاد اور ظ کی بحث میں ہے)

ان کے باوصف شعر و شاعری میں درک حاصل تھا۔ بالخصوص استخراج مادہ ہائے تاریخ میں کمال حاصل تھا۔ "تراجم علماء اہل حدیث ہند" آپ نے مادہ نکالا تھا۔

۱۶۔ مولانا احمد بن ملا حسام الدین بن جمال الدین (عرف جمن) ولادت: تقریباً ۱۲۹۰ھ - وفات ۱۳۶۷ھ - ۱۹۴۸ء

محلہ دامونپورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مولانا حسام الدین سے استفادہ کے بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور گئے وہاں تین سال رہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی مولانا محمد اسحٰق بردوانی، ملا مولانا محمد حسن سے استفادہ کیا۔ طالب علمی ہی کے دوران کافیہ اور شرح تہذیب وغیرہ پڑھاتے بھی تھے۔ پھر یہاں سے مدرسہ احمدیہ آرہ گئے اور حافظ عبداللہ غازی پوری سے استفادہ کیا۔ پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے سند فراغ لیا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے اور ۱۳۱۹ھ میں مکمل فراغت حاصل کی۔

تکمیل کے بعد حافظ غازی پوری کے ایماء سے مدرسہ محمدیہ کلیانی مظفر پور بہار میں تدریس شروع کی۔ دو سال بعد اہل مئو کے اصرار پر محلہ قاسم پورہ میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا۔ اور پوری زندگی یہیں ختم کردی صرف بیچ میں دو سال کے لیے دارالحدیث رحمانیہ دہلی گئے تھے۔ بے شمار تلامذہ دکھائی پڑتے ہیں بالخصوص شیخ عبیداللہ رحمانی، مولانا عبداللہ شائق بانی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو مولانا نذیر احمد راملوی مولانا محمد احمد مرحوم ناظم مدرسہ فیض عام مئو وغیرہ۔

آپ اپنے والد محترم کی طرح تمام مروجہ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بالخصوص حدیث اور فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

۱۶۔ مولانا ابوالحسن محمد صابر بن حافظ محمد اسماعیل بن شیخ بدھو مئوی۔ (ولادت تقریباً ۱۸۶۶ھ۔ وفات: ۱۹۴۹ھ)

مئو میں پیدا ہوئے دارالعلوم مئو اور مدرسہ عالیہ سے استفادہ کے بعد کانپور گئے اور وہیں تکمیل کی۔ تدریس کا سلسلہ دارالعلوم سے شروع کیا اور ایک عرصہ تک دارالعلوم میں رہے پھر یہاں سے مدرسہ مظہر العلوم بنارس گئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن مئوی۔ مولانا عبدللطیف نعمانی آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ تعلیم و تدریس آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی پسند نہیں کرتے تھے۔

درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی گہری دلچسپی تھی:

۱۔ نظام الفوائد، فارسی قواعد، دو جلد۔ فارسی قواعد کو بہت سہل انداز میں سمجھایا ہے

۲۔ شرح مقامات، مقامات حریری کی عبارتوں کی تشریح و توضیح میں ہے۔

۱۷۔ حکیم سلیمان بن داؤد بن ببوا، (ولادت: ۱۲۹۴ھ)

محلہ مرزاہادی پورہ مئو میں پیدا ہوئے، جامعہ عالیہ عربیہ سے کسبِ فیض کیا، مولانا ابوالنعمان عبدالرحمٰن آزاد کے ساتھیوں میں سے ہیں اساتذہ میں ملا حسام الدین مئوی، حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالرحمٰن بقا غازی پوری، مولانا احمد حسن مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور اور حضرت میاں صاحب علیہم الرحمۃ ہیں۔ تکمیل کے بعد دارالتکمیل مظفر پور بہار میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار گئے اور پھر واپس آکر عالیہ عربیہ میں اخیر عمر تک پڑھاتے رہے۔

۱۸۔ ابوالمعالی محمد علی بن میاں حسام الدین، (مشہور عالم ملا حسام الدین کے ہم نام) ولادت: ۱۲۸۵ھ وفات ۱۳۵۳ھ - ۱۹۳۴م

مئو میں پیدا ہوئے اپنے والد سے استفادہ کیا، مولانا محمد فیض اللہ مئوی اور دیگر اساتذہ سے مدرسہ عالیہ میں پڑھا۔ پھر میاں صاحب کے یہاں جاکر تکمیل کی۔ داناپور بہار سے تدریسی سلسلہ شروع کیا۔ کچھ دنوں تک بنگال کی ایک جمعیت کے لیے چندہ کی فراہمی کا کام کیا، اور بڑی امانت و دیانت سے کیا، تصنیف و تالیف کا جو بھی موقع ملا، اسے غنیمت سمجھا اور کئی کتابیں یادگار چھوڑیں:

(۱) نظم اللآلی بلطائف القرآن. اردو صفحات ۲۳۴ (۲) رسالہ مسواك. اردو صفحات ۵۶ (۳) الرافۃ المهداۃ فی تنقید ما فی سبیل النجاۃ. ۴۸ صفحات اردو (۴) اظهار الهفوات التی صدرت عن مؤلف ازالۃ الشبهات.

اردو صفحات ۹۶ (۵) القول المحکم. اردو (۶) مصابیح ترجمہ رسالہ تراویح. اردو صفحات ۲۵ قلمی (۷) الاقوال المحققة فی رد جواز النکاح غیر المطلقة. اردو صفحات ۲۰ر قلمی (۸) صید البحر الملقب به "طیبات فیضی" اردو صفحات ۸۸ (۹) جامع المسائل. اردو صفحات ۲۱۸ قلمی (۱۰) ابراز الغمة من ترجمة کتاب السنة. اردو صفحات ۴۸ قلمی (۱۱) البیان فی تحقیق الجلالة و دعوة الختان. اردو صفحات ۳۰ قلمی (۱۲) تحریم الربو. اردو صفحات ۳۱ (۱۳) زلة فضل الرحمن فی تائید مذهب النعمان. اردو صفحات ۴۸ (۱۴) الانتباه فی تردید من جوز السجدة لغیر الله. اردو صفحات ۱۶ (۱۵) سفرنامہ حج فیضی الملقب به تواریخ حسنی. اردو صفحات ۸۸ (۱۶) تحفة حبیب ترجمة نالۂ حبیب. اردو صفحات ۲۶ (۱۷) تفریح المومنین فی مناقب الامام زین العابدین. اردو صفحات ۶۴ (۱۸) روداد جلسہ اسلامیہ سال چهارم مدرسہ شمس الهدی دلال پور دمکا، اردو صفحات ۱۲۸ (۱۹) شرح طبقات ابن سعد ناقص.

۱۹۔ مولانا عبدالصمد بن شیخ محمد اکبر بن شیخ محمد علی بن شیخ مومن علی بن شیخ فقیر اللہ، (ولادت: رمضان ۱۳۲۲ھ وفات: ۱۴ر ربیع الاول ۱۳۶۷ھ، ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء)

حسین آباد مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا سے دارالتعلیم مبارکپور میں حاصل کی۔ مولانا عبدالرحمٰن محدث مباکپوری سے فیض یاب ہوئے پھر مدرسہ عالیہ مئو آئے یہاں مولانا عبدالسلام مبارکپوری اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ پھر دہلی مدرسہ حضرت میاں صاحب، پھاٹک حبش خاں گئے اس درمیان مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے یہاں گئے مگر دو تین ماہ رہ کر واپس آگئے اور تکمیل دہلی میں کیا۔

تدریسی سلسلہ مدرسہ اسلامیہ برڈو یہار سے کیا۔ پھر دارالتعلیم مبارکپور، مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ اور مدرسہ محمدیہ دیوریا میں مدتوں تعلیم و تعلم سے تشنگان علوم کتاب و سنت کو سیراب کرتے رہے۔

مولانا عبدالرحمٰن محدث مباکپوری جب موتیابند کی وجہ سے مکفوف البصر ہوگئے تو تحفۃ الاحوذی کی آخری دونوں جلدوں کی تبییض وغیرہ کے لیے آپ بھی تھے۔ اسی طرح مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے بیاض کو بھی آپ نے نہایت سلیقہ مندی اور علمی تحقیق و کاوش سے مرتب کیا۔ اس کی وجہ سے آپ میں مزید علمی پختگی آگئی تھی۔ آپ ایک کامیاب مصنف، مولف، اچھے مضمون نگار اور انشاء پرداز تھے۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) شرح سنن ابن ماجه (ناقص) (۲) ذم غناء ورقص و سرود (اردو قلمی) (۳) تذکرة الاخوان بمنع شرب الدخان (اردو قلمی) (۴) فقه حنفی پر ایك نظر (اردو قلمی) (۵) تائید حدیث بجواب تنقید حدیث (اردو مخطوطہ) (۶) شرف حدیث (اردو مخطوطہ) (۷) شان حدیث (اردو مخطوطہ) (۸) حق پرستی بجواب شخصیت پرستی (اردو قلمی) (۹) الفتوحات الربانیة (اردو قلمی) (۱۰) احوال الصحابة (اردو قلمی) (۱۱) التبیان لما یجب معرفته علی اهل الایمان (عربی) (۱۲) خطبات السنة (۱۳) رساله مختصر بابت رفع یدین (۱۴) ترجمه رساله عبودیت (از امام ابن تیمیہ) (۱۵) ترجمه رساله ابن تیمیه (اس کا کوئی نام نہیں)

(۱۶) چهل حدیث (مع ترجمہ) (۱۷) ترجمہ حصن حصین (ناقص) (۱۸)رسالہ مختصر بابت تحقیق مسنہ

۲۰۔ مولانا حکیم محمد بشیر بن عبدالمجید بن حافظ عبدالرحمٰن بن عبدالوہاب (ولادت: ۱۹/اکتوبر ۱۹۰۴ھ، وفات: ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء یکم جنوری ۱۳۸۸ھ)

مبارکپور میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم دارالتعلیم مبارکپور میں حاصل کی، پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی گئے وہیں سے فراغت ہوئی فراغت کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنو آئے۔ طب، سرجری کے علاوہ سائنس کی تعلیم بھی حاصل کی۔ پھر واپس آکر مبارکپور میں ہی مطب کیا جو کامیاب رہا کچھ دنوں مدرسہ عالیہ مئو میں پڑھایا۔ پھر دہلی سید نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ میں پڑھایا۔ اس کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں پڑھایا، اس کے بعد وطن آئے اور مطب کرتے رہے۔ اخیر میں سیونی گئے، کئی سال تک پڑھاتے رہے۔ واپس مبارکپور آئے وہیں انتقال ہوا۔ (خودنوشت سوانح حیات نیز ملاحظہ ہو: تراجم علماء حدیث ھند/۴۱۰)

یہ جامعہ عالیہ عربیہ کے ثمرات اور فیض وبرکات کے چند نمونے ہیں اس جامعہ کے مئوی فضلاء اور فیض یافتگان کو یہ شرف حاصل رہا کہ مشرقی یوپی بالخصوص مئو میں ان کے جہود مخلصہ سے احیائے سنت اور عمل بالحدیث کا چراغ روشن ہوا اور قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور بدعات ورسومات پر کاری ضرب لگی۔

مراجع ومصادر

(۱) روئیداد مدرسہ عالیہ عربیہ مئو — طبع ۱۹۹۹ء

(۲) روئیداد مدرسہ عالیہ عربیہ مئو — طبع ۱۳۸۰ھ

(۳) تذکرۃ علماء حدیث ہند — ابو یحی امام خاں نوشہروی

(٤) تذکرۃعلماء اعظم گڈھ — مولوی حبیب الرحمن اعظمی

(۵) تذکرۃعلماء مبارکپورہ — قاضی اطہر مبارکپوری

(٦) حیات شبلی — سید سلیمان ندوی

(۷) جماعتِ اہل حدیث کی تصنیفی خدمات — مولانا محمد مستقیم سلفی

(۸) تذکرۃ مولانا محمد احمد ناظم صاحب — مولانا محفوظ الرحمن فیضی

(۹) نزھۃ الخواطر — مولانا سید عبدالحی لکھنوی

(۱۰) افادات — مولانا محمد اعظمی

(۱۱) افادات — مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی

(۱۲) افادات — مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی

(۱۳) افادات — مولانا مفتی عبدالعزیز اعظمی

اختتامی اجلاس

﴿ تاثرات و تجاویز ﴾

مولانا سلطان احمد اصلاحی

صدر مجلس اور حاضرین کرام!

سب سے پہلے تو اپنی مسرت و خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ علمی مقالات سننے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ غالباً ں سمینار کی تیاری کے لیے بہت زیادہ وقت نہیں ملا تھا، اتنے کم عرصے میں اتنے اچھے مقالات کا تیار ہو جانا بحمد اللہ اس بات کی لامت ہے کہ اس وقت ہماری جو علمی نہضت ہے، وہ قابل اطمینان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

مجھے سب سے زیادہ خوشی اپنے نوجوان علماء و فضلا سے ہے، جن کے فن حدیث پر فنی اور تکنیکی پہلو سے بہت اچھے قالے سننے کو ملے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کے حالات زیادہ سے زیادہ سازگار بنائے اور منتظمین مدرسہ یا جن داروں سے وہ وابستہ ہیں، ان کے ذمہ داروں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ان کی سرپرستی کر سکیں اور یہ قافلہ مزید آگے بڑھے۔

علوم حدیث پر کسی جہت سے بھی خدمت ہو، مبارک اور قابل قدر ہے البتہ یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہندوستان میں کم از کم اس کے شیوخ حدیث سے تعاون اور رابطہ ہونا چاہیے اور ان سے بھی مقالے لکھوائے جائیں۔ ہندوستان کے نمائندہ اور بڑے مدارس کے اساتذہ حدیث کو دعوت ضرور دی جائے یہ اور بات ہے کہ ان کو اس دعوت کے قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے یا نہیں ملتی، یہ بات اس وجہ سے عرض کر رہا ہوں کہ اس طرح کے سمینار جن میں غیر معمولی صرفہ ہوتا ہے، وہ زیادہ سے زیادہ نمائندہ ہوں تاکہ وہ زیادہ مفید اور بار آور ہو سکیں۔

الحمد للہ موضوعات متنوع رہے ہیں لیکن ان موضوعات میں مزید تنوع ہو سکتا ہے فن حدیث بھی بحمد اللہ کتاب اللہ کی طرح بحر ناپیدا کنار ہے۔ اس پر اس طرح کے سیکڑوں اور ہزاروں سمینار کیے جاسکتے ہیں اور ذخیرۂ حدیث پر گفتگو ختم نہیں ہو سکتی ہے۔ خالص فنی پہلو سے بھی حدیث پر دسیوں اور بیسیوں سمینار کرائے جاسکتے ہیں۔ جن موضوعات کا انتخاب کیا گیا بڑے مفید رہے اور مجھ جیسے طالب علم کو تو بڑا فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ لیکن خواہش ہوتی ہے کہ کچھ مضامین ایسے بھی ہونے چاہییں، فن حدیث کے حوالے سے، جو کتابوں پر محول نہ ہو کر کے خالص اپنی اپج اور اپنی تحقیق کے آئینہ دار ہوں۔ مثال کے طور پر اگر کسی مقالہ کا موضوع یہ ہوتا تو میرے لیے دلچسپی کا باعث ہوتا کہ "**دراسة مقارنة بين تراجم ابواب البخاری و مسلم**" جن میں دوسروں کی تحقیقات پر اعتماد کرنے کی بجائے حدیث کے مدرس یا شیخ اپنے اجتہاد سے اور اپنے فہم سے مسائل ستنبط کرتے اور وہ چیزیں پیش کرتے جو امکانی طور پر اب تک کے ذخیرۂ حدیث میں موجود نہ ہوں۔ بہر حال عرض یہ ہے کہ موضوعات کے انتخاب میں اگر مزید محنت ہو جائے اور ہوم ورک اور مزید مشورہ ہو جائے تو ایسے موضوعات بھی سامنے آسکتے

ہیں جو بڑی دلچسپی کے ہوں اور یجنل (ORIGINAL) تحقیق کی جو کمی ہمارے یہاں محسوس ہوتی ہے اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بڑا اچھا تقابلی مطالعہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری اور امام نسائی کے تراجم ابواب میں کیا مشابہت اور کیا مقابلہ ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے موضوعات ہیں جن کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ الحمد للہ کچھ مضامین ایسے آگئے جو باہر کے حلقے کی خدمات حدیث پر مشتمل ہیں۔ لیکن اس سلسلے کو مزید بڑھانا چاہیے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شرح مؤطا پر کوئی مضمون آیا ہوتا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی یا غریب الحدیث کا موضوع یہاں نہیں چھیڑا جا سکا، اس سے متعلق جو کتابیں ہیں ان کا بھی تقابلی مطالعہ ہو سکتا تھا۔ بہر حال موضوعات کا تنوع بھی ضروری ہے اور اس کا بھی لحاظ کیا جانا چاہیے۔

ایک چیز جو سامنے آئی ہے یہ میں اپنے مطالعہ کے لیے عرض کر رہا ہوں، اس کو اسی پس منظر میں لیا جائے حدیث کے سلسلے میں جن علماء کے رویے سے یہاں عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے ان میں دیگر علماء کے علاوہ مولانا شبلیؒ، مولانا فراہیؒ اور مولانا مودودیؒ کا نام بھی شامل ہے۔ میں پوری طرح سے گرفت نہیں کر سکا اور بات میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ کس جہت سے یہ نقد و نظر سامنے آیا ہے۔ میری منتظمین سمینار سے درخواست ہے کہ ان تینوں حضرات کے بارے میں یہاں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا کوئی ملخص ہمارے ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کو فراہم کیا جائے۔ ہمارے ادارہ کے بعض نوجوان اسکالر بھی یہاں موجود ہیں، میری ان سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں اور منتظمین سمینار سے برابر رابطہ رکھیں۔ اس سے جو تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کا ہمیں بھی شغف ہے، اس کی تسکین کا سامان ہو سکے گا اور اس نقد و نظر کو جانچنے اور پرکھنے کا موقع مل سکے گا۔

ایک مسئلہ جو انتظامی نوعیت کا ہے، میرے خیال میں اس وقت اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ سمیناروں کو اپنی علمی، اور ثقافتی زندگی کا ایک حصہ بنایا جائے یہ کام آسان نہیں ہے۔ اس کے جو تقاضے ہیں اس سے وہ حضرات زیادہ واقف ہوں گے جو اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ میرا اشارہ اس کے مصارف وغیرہ کی طرف ہے۔ اتفاقی طور پر اگر اس کا نظم ہوتا ہے تو بعد میں یہ چیز دشواریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ مجھے اپنے مادر علمی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے حوالے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ان حضرات نے ایک دو سمینار کئے اور کچھ مخصوص افراد پر فراہمی فنڈ کی ذمہ داری آگئی تو ان کی کمر ٹوٹ گئی اور آئندہ کے لیے انہوں نے ہمتیں چھوڑ دیں ادھر قریب میں مولانا امین احسن اصلاحی کے انتقال کے بعد ایک تحریک پیدا ہوئی ہے، پھر ایک سمینار کے لیے لوگوں نے کمر کسی ہے لیکن اگر یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو وہ شاید جلدی ابھی اس کی ہمت نہ کرپاتے۔ اس کو حل کرنے کا ایک ذریعہ نظر آتا ہے اور میں منتظمین سمینار کو بطور ایک تجویز کے نوٹ کرانا پسند کرتا ہوں کہ الحمد للہ مراکز اہل حدیث اب ہندوستان میں کم نہیں رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مالی وسائل اور فراوانیاں بھی دی ہیں۔ اس طرح کے سمیناروں کو ایک روایت بنانے کے لیے ایک مفید بات ہوگی کہ ہمارے مختلف مراکز کا حصہ طے ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر پچاس پچاس ہزار روپے کی گرانٹ تین مراکز سے مل جائے تو فرض کیجئے اگر کسی سمینار میں ڈیڑھ لاکھ روپے کا صرفہ ہے تو منتظمین سمینار بغیر کسی ذہنی دباؤ کے اس کام کو انجام دے سکیں گے اور اس کو منظم کرنے میں آسانی ہوگی۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ جو ہمارے مراکز اہل حدیث ہیں، شاید ان کی دینی و اخلاقی ذمہ داری بھی ہوتی ہے کہ یہ کام جو جمعیۃ اہل حدیث کا نمائندہ ہے، پوری تحریک کا نمائندہ ہے، تحریک اہل حدیث کا نمائندہ ہے، اس میں ان کا اشتراک ہونا چاہیے اور اس میں ان کا رویہ عدم تعاون کا نہیں بلکہ تعاون کا ہونا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ جو بالکل انتظامی نوعیت کا ہے اگر اس کو حل کر لیا جائے تو بڑی اچھی بات ہو گی۔

اسی سلسلے میں ایک عرض یہ بھی ہے کہ اپنے ان نوجوان فضلاء کو دیکھ کر خواہش ہوتی ہے اور اس سمینار کو جیسا کہ میں نے عرض کیا، ایک مستقل روایت بنانے کا بھی تقاضہ ہے کہ ایک تحقیقی مرکز کا قیام عمل میں آئے۔ بلاشبہ درس و تدریس سے جو فیض پہنچ رہا ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن اس طرح کی تحقیقات کو آگے بڑھانے کے لیے، جب تک مستقل ادارہ اور انسٹی ٹیوٹ قائم نہ ہو، اس وقت تک اس کا حق ادا نہیں ہوتا ہے۔ الحمد للہ وسائل پیدا ہو رہے ہیں بلکہ اس کی فراوانی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ میں اس دکھ کو محسوس کرتا ہوں اور اس موقع پر اظہار بھی کرنا چاہتا ہوں کہ بہت سے ایسے نوجوان فضلاء ہیں جو تحریک اہل حدیث کے لیے غیر معمولی طور پر مخلص ہیں لیکن پوری تحریک مل کر بھی میری نظر کی حد تک ایسا مناسب انتظام نہیں کر پا رہی ہے جس سے ان کی صلاحیتوں سے کما حقہ فائدہ اٹھایا جا سکے، اس سمینار کے حوالے سے اگر یہ تجویز بھی سامنے آ سکے یا آپ حضرات کے زیر غور آ سکے تو بڑی اچھی بات ہو گی کہ ایک تحقیقی ادارے کا قیام عمل میں آنا چاہیے اور میں نہیں سمجھتا کہ علی گڑھ سے اچھی کوئی اور جگہ اس کام کے لیے ہو سکتی ہے۔ اگر اس طرح کے کسی ادارہ کا قیام عمل میں آ جائے تو یہ سمینار جسے ایک مستقل روایت بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس کی پیش رفت میں ایک موثر قدم ہو گا۔

آخری بات جسے میں عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ بات بڑی دردمندی سے کہتا ہوں امید کہ آپ اسے صحیح پس منظر میں لیں گے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے اجتماعات ہندوستان میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم نمائندہ ہوں۔ اس خواہش کو ترک کر دینا چاہئے کہ مکاتب فقہیہ ختم ہو جائیں گے امام اعظم رحمہ اللہ کے انتقال کو تیرہ سو سال ہونے کو آ رہے ہیں ۱۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے اب تک تو یہ ہوا نہیں، یہ توقع کہ آئندہ ایسا ہو جائے گا، میں سمجھتا ہوں کہ عملی طور پر اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس بنا پر اس بات کو مان لینا چاہئے کہ کچھ حقیقتیں ہیں، ان کو تسلیم کرنا چاہیے اور ان حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے عمل اور تعاون کی راہ نکالنی چاہیے۔ زاویۂ نظر کا فرق ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے لیکن جس ذات گرامی کی ہم امت ہیں اور بحمد اللہ جن کا یہاں مستقل چرچا رہا ہے ان کی ایک سنت اور روایت یہ بھی ہے کہ دلوں میں کشادگی پیدا ہو، ہم جس کے پاس بیٹھیں، اس کو ہم سے ٹھنڈک ملے، گرمی کا احساس نہ ہو اس سے ہماری قربت میں اضافہ ہو، دوری کا احساس نہ پیدا ہو۔ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے: **فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك.** (آل عمران: ۱۵۹) اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی جو تصویر پیش کی گئی ہے اس کا عکس ہماری زندگی میں ہونا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے دوسرے موقع پر فرمایا: ”مجھے لعان بنا کر نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے بارے میں آپ کا ارشاد گرامی ہے: ”مسلمان طعان اور لعان نہیں ہوتا ہے۔ میرا منشا یہ ہے کہ تنقیدوں کو بالکل علمی اور اکیڈمک دائرہ میں رکھنا چاہیے۔ اور علمی مسائل اور ذاتیات کے مابین واضح طور پر فرق باقی رکھنا چاہیے۔ یہ کیا بات ہے کہ ہم مولانا آزاد

رحمہ اللہ کو خراج عقیدت پیش کرنے میں کوئی تکلف نہیں محسوس کرتے لیکن وہ آزاد جو خود شبلی کے قائل ہیں۔ سورہ توبہ کی تفسیر میں جزیہ کے مسئلہ میں انہوں نے شبلی کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ ان کی تفسیر میں موجود ہے شبلی کی تحقیقات سے بھی ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہاں ایک بات امام رازیؒ کے تعلق سے زیر بحث آئی کہ ان کی تفسیر میں سوائے تفسیر کے سب کچھ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ بات براہ راست مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ ثانوی ماخذ پر اعتماد کر کے اس طرح کا اظہار خیال مناسب نہیں ہے۔ رازیؒ کے جس معاصر نے ان کی تفسیر کے بارے میں یہ بات کہی ہے : **فیه کل شیء الاالتفسیر**" بڑی زیادتی کی بات ہے۔ بحمد اللہ مجھے رازی کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جہاں وہ مسائل تفسیر چھیڑتے ہیں وہاں رازی کو دیکھے بغیر تفسیر نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآنی تحقیقات میں مولانا فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تحقیقات سے بالکل فائدہ نہ اٹھانا اور اس سے اپنے کو بالکل دور رکھنا غالباً بہت نفع کا سودا نہیں ہوگا۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اس کا بھی تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا عمل و تعاون بھی بڑھے گا جب ہم دوسروں کو اپنے سے قریب کر سکیں گے نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اس سلسلے میں ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ فراہم کرتی ہے۔

میری دعا اور میری خواہش ہے کہ یہ سمینار آئندہ مزید نمائندہ ہو اور اپنے مقصد میں مزید کامیاب ہو اور ایسا نظام وضع ہو جائے کہ سمینار منعقد ہونے کے بعد اس میں پیش کردہ مقالات کا مجموعہ جلد از جلد شائع ہو۔ ابھی تک غالباً بریلی سمینار کے مقالات کا مجموعہ منظر عام پر نہیں آسکا ہے۔ میری خواہش اور میری آخری تجویز یہی ہے کہ مجموعہ کی اشاعت اس پروگرام کا ایک لازمی حصہ ہونا چاہیے تاکہ جلد از جلد اس کی اشاعت ہو سکے۔ اسی سلسلے کی آخری تجویز یہ ہے کہ مقالات بغیر کتر بیونت کے شائع کیے جائیں۔ سمیناری آداب کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان کے مقالات بغیر کسی ترمیم اور رد و بدل کے شائع کیے جائیں۔

اس طویل سمع خراشی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے کہ اس گفتگو میں کچھ باتیں ہمارے لیے مفید ہوں گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

مولانا عبدالوہاب حجازی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد.

حضرات گرامی!

سمینار کا دوسرا دن ہے اور اس کی بالکل اختتامی مجلس چل رہی ہے میں اپنا تاثر، جتنے بھی سمیناروں میں مجھے شرکت کرنے کا موقع ملا، اس سمینار کے بارے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ شاید یہ پہلا سمینار ہے جس کے تمام مقالوں کو میں نے بہت ہی توجہ کے ساتھ اور مسلسل سنا ہے۔ سننے میں اتنی محنت شاید میں نے کبھی نہیں کی یہ میرا اپنا ذاتی تاثر ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اتنا لگاؤ کیوں ہے؟ میرا خیال ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کی حدیث اور اس سے متعلق علوم کا جب

تذکرہ ہوتا ہے تو زبان کو بھی مٹھاس ملتی ہے، کان کو بھی مٹھاس ملتی ہے، سارے حواس کو مٹھاس ملتی ہے اور آدمی اپنے تصور کے ساتھ دورِ نبوت کی مٹھاس محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کی خوشبوئیں پانے لگتا ہے۔ لگاؤ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس ذات سے متعلق، اس کے کلام سے متعلق اور اس کی نبوت سے متعلق علوم کا تذکرہ ہوتا ہے۔

علی گڑھ جیسے علمی شہر کے اندر علوم الحدیث کے تعارف کے سلسلے میں یہ سمینار جو ہوا، حقیقت میں بہت مثالی چیز ہے۔ اپنی جماعت کی اور کانفرنسیں ہوئی ہیں، یہاں آل انڈیا پیانے کی کانفرنسیں بھی ہوئی ہیں، علم حدیث کے بڑے بڑے علماء اور حفاظ حدیث بھی گزرے ہیں لیکن علم حدیث کا تعارف تحریری شکل میں میرے خیال سے شاید اس شہر کی پہلی مثال ہے اور اس موضوع پر علم حدیث کے تعارف کے لیے اتنی اچھی مجلس کم سے کم جہاں تک میرے شعور کی عمر کا تعلق ہے، میں نے آج تک نہیں دیکھی۔

الحمدللہ علمائے حدیث کی نوجوان نسل نے جن کو اللہ نے عرب و عجم کے ماہر اساتذہ سے کسب فیض کا موقع فراہم کیا اور حدیث کے بارے میں اسرار اور اس کی تفصیلات جاننے کا موقع ان کو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا، یہاں ان کے جذبات کا اظہار ہوا اور مختصر سے وقت میں انہوں نے بے حد قیمتی مقالات تحریر کر کے یہاں پیش کئے اور بظاہر اس مجلس کا کوئی کروفر نظر نہیں آیا، نہ سامعین بہت زیادہ نظر آئے اور نہ انتظام میں کوئی بہت زیادہ دھوم دھڑاکا دیکھنے میں آیا، لیکن اتنی سادگی اور مختصر مجلس میں اتنے عظیم الشان مقالات پیش ہو گئے اور سن لیے گئے، ایسا بڑے بڑے سمیناروں میں بھی دیکھنے کو نہیں ملتا جن میں لاکھوں لاکھ خرچ ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید ان سمیناروں کی قسمت میں بھی اتنے اچھے مقالے میسر نہیں آئے۔ اس سمینار کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس نے بہت اچھے مقالے پائے، بڑے اچھے مقالہ نگار دیکھے اور ہر مقالہ بحمد اللہ آفتاب وماہتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

مقالات کے تعلق سے ایک بات ضرور عرض کروں گا کہ کسی بھی بحث کے متعلق صرف علمی مواد اکٹھا کر دینا خاص طور سے مسلک اہل حدیث کے علماء کے لیے، چنداں موزوں نہیں ہے۔ علم اکٹھا کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ دعوتی پہلو اس میں ضرور ہونا چاہئے۔ ہم نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریروں میں دیکھا ہے کہ وہ منطق و فلسفہ کا بھی ذکر کرتے ہیں تو وہاں روح اسلام اتنی غالب ہوتی ہے، ان کا عاطفہ اور جذبہ اتنا غالب ہوتا ہے کہ آدمی کی روح منطق و فلسفہ جیسے خشک اور غیر اسلامی علوم سے گزرتے ہوئے بھی مردہ نہیں ہونے پائی ہے بلکہ اس میں زندگی برابر باقی رہی ہے۔ ٹھیک اسی طریقے سے علوم حدیث جیسے زندہ علوم کا جب ذکر آئے تو مجرد علم کا انبار لگانے کے ساتھ ساتھ اس میں بھی دعوتی پہلو ضرور نکال لینا چاہئے، اس کا اثر سامعین پر بہت اچھا پڑتا ہے اور اس میں حرکت اور برکت بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ میں جان بوجھ کر اپنی کسی بھی تحریر میں دعوتی پہلو کو ضرور نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہوں چاہے ایک آدھ پیراگراف کی شکل میں مقالہ تھوڑا کچھ طول ہی اختیار کرلے لیکن بہر حال میری یہ اپنی کوشش ہوتی ہے۔

علمی مقالات سے علماء کا لگاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ اس سمینار کے ساتھ دعوتی پروگرام طے تھا لیکن بارش کی وجہ سے غالبا نہیں ہو پایا پھر بھی یہ انتظام ہونا چاہئے کہ جس محلّہ میں کلام رسول کے تعارف کے لیے یہ علمی مجلس منعقد ہوئی ہے اس کے آس پاس کے گھروں ہی میں عورتوں اور بچوں کو دعوت دی جاتی کہ وہ اکٹھا ہوں اور ان کے سامنے کچھ دعوتی تقریریں عوامی معیار کی

بھی ہو جاتیں جن سے ان کو کچھ فیض پہنچتا تو میرے خیال سے یہ بہتر ہوتا اور سمینار کا یہ سلسلہ کئی حیثیتوں سے مفید ہو جاتا۔

میں نے یہاں پہنچنے کے ساتھ ہی اس سمینار کے تعلق سے کل ہی یہ بات کہی تھی کہ یہ علمی جگہ ہے یہاں دنیا بھر کے علوم کی پرورش ہوتی ہے۔ دنیا بھر کی نسلیں یہاں پروان چڑھتی ہیں علم حدیث کے سلسلے میں بھی دار المصنفین وغیرہ کی طرح یہاں کوئی ایسا باضابطہ ادارہ ہونا چاہئے جہاں حدیث پر اس کے ماہرین، نوجوان نسل، اچھے جذبات اور عاطفہ رکھنے والے اور اچھی صلاحیت رکھنے والے علمی و تحقیقی کام کریں اور اس سلسلے کو آگے بڑھائیں۔ صرف سمینار پر انحصار نہ کر کے اس اعتبار سے بھی اس کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحی حفظہ اللہ نے بھی یہ تجویز پیش فرمائی ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بہتر ہے، ایسا ضرور ہونا چاہئے۔

یہ چند باتیں ہیں جو اس سلسلے میں میں نے عرض کی ہیں مزید کچھ ضروری باتیں ہو سکتی ہیں جن کو میں فی الحال ترک کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ یہ سمینار بہت اچھے ثمرات اور بڑے اچھے نتیجے پیش کرے، انشاء اللہ توقع ہے کہ یہ مقالات ایسا ہی نتیجہ لائیں گے اور آگے کے لیے بھی میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کے مواقع یہاں کی جمعیت کو یہاں کے نوجوانوں کو دیتا رہے تاکہ وہ اس سلسلہ کو مزید آگے بڑھائیں۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم.

مولانا خورشید احمد سلفی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد :

صدر محترم اور علمائے کرام! اس اہم اور عظیم سمینار میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور اکثر و بیشتر مقالات کے سننے کا موقع ملا۔ جو مقالات پیش ہوئے وہ بڑے ہی قیمتی اور اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے ذریعہ بہت سی اہم، محقق اور مدلل باتیں سامنے آئیں۔ میں نے بذات خود ان سے استفادہ کیا ہے اور امید ہے کہ دوسرے اہل علم نے بھی ان سے استفادہ کیا ہوگا۔

اس سمینار کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اس طرح کے پروگرام کی اہمیت ہمیشہ رہے گی۔ حدیث اور علوم حدیث کے تعلق سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیلائی گئی ہیں، ان کے ازالہ کے لیے اور علوم حدیث کے تعارف کے لیے اور جو علوم حدیث کے دشمن ہیں ان پر دباؤ بنانے کے لیے اس قسم کے سمینار کا انعقاد بہت ضروری ہے۔

میں ایک مرتبہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کی ضرورت کے تحت خطیب الاسلام حضرت مولانا عبد الرؤف رحمانی حفظہ اللہ کی نمائندگی میں حیدر آباد گیا وہاں ایک ڈاکٹر ہیں، ڈاکٹر حیدر حسن خاں صاحب، ان سے ملاقات ہوئی اور کچھ ضروری تبادلہ خیال ہوا۔ انہوں نے گفتگو کے دوران ایک بات کہی کہ آپ حضرات جو حدیث کی نمائندگی کر رہے ہیں اور حدیث کے تعلق سے باتیں کہہ رہے ہیں، ان میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ

حضرات یہ بیان کرتے اور لکھتے ہیں کہ فلاں امام نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے یہ مجموعہ تیار کیا ہے اس کی تعداد کبھی پانچ ہزار ہوتی ہے اور کبھی سات ہزار ہوتی ہے اس کا مطلب کیا ہوا، کیا جن احادیث کو ترک کر دیا گیا وہ ضعیف، نا قابل عمل اور نا قابل اعتبار تھیں؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ میں نے بر وقت ان کو جواب دیا اور سمجھایا کہ محدثین کے یہاں حدیثوں کی جو اتنی بڑی تعداد اور کثرت ہے اس کا مفہوم کچھ اور ہے جسے آپ نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ایک ہی حدیث متعدد طرق سے آتی ہے تو وہ حدیث جتنی سندوں سے آتی ہے محدثین کے نزدیک اس سے تعداد حدیث میں اضافہ ہو جاتا ہے مثال کے طور پر اگر ایک حدیث دس سندوں سے مروی ہے تو محدثین کے نزدیک وہ صرف ایک نہیں بلکہ دس حدیث شمار ہوتی ہے۔ پانچ لاکھ، سات لاکھ اور دس لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے اپنی کتابوں میں تین ہزار اور پانچ ہزار احادیث لکھنے کا مفہوم یہی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب بڑے ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں لیکن اس کے باوجود وہ حدیث کے سلسلے میں اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار نظر آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں دانستہ یا نادانستہ طور پر حدیث اور علوم حدیث کے سلسلے میں اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہے۔ اس پس منظر میں اس طرح کے سمینار کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اہل علم تک اور عصری تعلیم یافتہ حضرات تک علوم حدیث کو متعارف کرایا جائے اور اس طرح کے سمینار بار بار منعقد کئے جائیں اور اگر وسائل مہیا ہوں تو کوئی علمی و تحقیقی رسالہ نکالا جائے جس میں حدیث اور علوم حدیث سے متعلق مقالات اور مضامین شامل ہوں اور اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔

مجھے اس سمینار کے انعقاد پر بڑی خوشی ہے۔ مزید مسرت اس بات کی ہے کہ الحمد للہ یہ سمینار اپنے مقصد میں بہت زیادہ کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کے منتظمین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس سمینار کے جو مقاصد تھے، ان میں پوری طرح سے کامیابی عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی

الحمدلله رب العلمین والصلاة والسلام علی سید المرسلین، امابعد:

صدر محترم، علمائے کرام اور معزز سامعین!

اللہ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ اس نے اس اہم سمینار میں شرکت کرنے اور ایک اہم موضوع پر غور و فکر کرنے کی توفیق بخشی۔ لوگ اس سمینار کے لیے آمادہ ہوئے اس کا انتظام فرمایا۔ اس لیے اللہ رب العزت کے شکریے کے بعد وہ بھی شکریے کے مستحق ہیں۔ ان حضرات نے بڑی ہمت سے کام لے کر اتنا اہم کام انجام دیا۔ اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کوئی سمینار کیا جائے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے وہ سمینار اہم ہو چاہے وہ علوم حدیث سے متعلق ہو،

علوم قرآن سے متعلق ہو یا کسی بھی علم و فن سے متعلق ہو تو اس کے لیے وقت زیادہ درکار ہوتا ہے منتظمین کے لیے اپنے حساب سے اور مقالہ نگاروں کے لیے اپنے حساب سے۔ آئندہ کسی بھی علمی پروگرام کے لیے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مقالات کے لیے جو موضوعات اس سیمینار کے لیے متعین کیے گئے ماشاء اللہ کافی اہمیت کے حامل تھے اور اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوع لیے ہوئے تھے۔ یہ خطہ جو مرتب کیا گیا واقعی یہ ایک صلاحیت تھی اس سے دل میں موجود لگن کا اظہار ہو رہا تھا۔ مزید ایسا جب بھی کوئی پروگرام کیا جائے ابھی بہت سے موضوعات رہ جاتے ہیں ان کی طرف خصوصی توجہ دی جائے اور اس سے متعلق جو لوگ خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں انہیں کو اس کا مکلّف کیا جائے تاکہ اس کی افادیت اور زیادہ بڑھے۔ نوجوانوں کے علاوہ تجربہ کار اور آزمودہ کار علماء کی کمی نہیں ہے، ان سے بھی سفارش کی جائے، ان سے بھی درخواست کی جائے چاہے وہ جس مکتبہ فکر کے لوگ ہوں تنوع کے لیے، ہر ایک کی فکر اور ان کے رخ کو جاننے کے لیے اور نتیجہ پر پہنچنے کے لیے ان کو دعوت دی جائے۔ نوجوانوں کے جو اپنے خیالات ہوتے ہیں اپنی جگہ پر لیکن آزمودہ کار اور پرانے علماء کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

سیمینار کے تعلق سے ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ میں اس بات کو ضروری نہیں سمجھتا کہ جتنے لوگوں کو مقالات لکھنے کے لیے مکلّف کیا گیا ہو وہ اسٹیج پر آئیں اور اپنا مقالہ پڑھیں۔ کیونکہ مختلف سیمیناروں میں شرکت کرنے کے بعد صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ کہا جاتا ہے آپ اپنا مقالہ صرف پانچ منٹ میں صرف دس منٹ میں مکمل کردیں۔ اس طرح وقت کی قلت کا احساس کیا جاتا ہے۔ اس سے بہت سی باتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ سامعین اگر کوئی مناقشہ کرنا چاہیں تو ان کو وقت نہیں ملتا ہے اگر مناقشہ شروع بھی ہو تو مقالہ نگار کہہ سکتا ہے کہ میرے مقالہ میں تمام باتیں موجود تھیں لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے ان کو حذف کردینا پڑا۔ اس لیے خواہ چند ہی مقالے پڑھے جائیں لیکن کامل طریقے سے پڑھے جائیں۔ سیمینار میں پیش کرنے کے لیے نمائندہ مقالات کا انتخاب کرلیا جائے میرے خیال سے یہ طریقہ زیادہ مفید ہے۔

اسی طرح سے نوجوانوں کو کتاب و سنت سے وابستہ رکھنے کے لیے اس قسم کے سیمیناروں اور اس قسم کی مجالس کا انعقاد ضروری ہے۔ خواہ اتنے وسیع پیمانے پر اس کا انتظام نہ ہو۔ تاکہ نوجوان اپنے دینی و شرعی مآخذ و مصادر سے متعارف ہوسکیں۔ اس کے لیے جلسے بھی مفید ہوسکتے ہیں، کوئی رسالہ بھی نکالا جاسکتا ہے اور پمفلٹ بھی شائع کیے جاسکتے ہیں۔ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو کتاب و سنت سے وابستہ کرنا اور ان تک اسلامی تعلیمات کو پہنچانا ہے۔

عام طور پر ایک شکایت یہ کی جاتی ہے کہ پہلے کوئی تنظیم اور ادارہ قائم ہو پھر اس کے ذریعہ کوئی کام سامنے آئے۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ میں اس مشورے کی قدر کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ جب ہم ماضی کا جائزہ لیتے ہیں تو تاریخ کے جتنے بھی بڑے بڑے کام ہیں وہ زیادہ تر آدمی کی اپنی انفرادی کوشش اور لگن کا نتیجہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں جماعتوں نے، اداروں نے اور لوگوں نے ان کو اپنی جانب منسوب کرلیا اور جس ڈھنگ سے چاہا ان سے فائدہ اٹھایا۔ اس لیے کسی ادارے کے قیام اور جماعت کی تنظیم کے بغیر ہم اپنا کام کرتے رہیں۔ انفرادی طور پر کوشش کرتے ہوئے بہت زیادہ تعاون کی امید بھی نہ رکھیں۔ اگر اس درمیان تعاون مل جائے تو اسے اللہ کا فضل سمجھیں۔

اسی طرح سے سمینار میں پیش کیئے گئے مقالات کی اشاعت میں تاخیر نہ کی جائے۔لوگ اعلان تو کر دیتے ہیں لیکن دس دس سال گزر جانے کے باوجود ان کی اشاعت نہیں ہوپاتی اس کے لیے میری درخواست ہے کہ جب بھی ایسا کوئی پروگرام ترتیب دیا جائے تو اس میں اشاعت کا انتظام بھی شامل ہو۔ متوقع مقالات کی اشاعت کا حصہ محفوظ کر لیا جائے۔ مقالہ اگر مکمل ہو تو سمینار کے فوراً بعد اس کی کتابت شروع کرادی جائے۔اگر بعض مقالہ نگار مزید دیکھنے کے لیے اپنا مقالہ اپنے ساتھ لے جائیں تو وہ جلد از جلد واپس کر دیں۔ تاکہ اشاعت کے کام میں تاخیر نہ ہو۔

آخر میں اللہ سے دعا کرتا ہو کہ وہ ہمیں ایسے پرگراموں کی توفیق بخشے۔ مختلف مقامات پر مختلف اداروں کے تحت ایسے پروگرام جلد از جلد ہوا کریں۔

أقول قولي هذا وأستغفر الله لي ولكم أجمعين

مولانا عاشق علی اثری

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام علی رسوله محمد وعلی آله واصحابه اجمعين اما بعد :

صدر محترم، معزز علمائے کرام اور دیگر سامعین حضرات!

علوم حدیث پر اس دوروزہ سمینار کا اہتمام کرنے والے اور اس کا انتظام وانصرام کرنے والے یقیناً قابل مبارکباد ہیں۔
یہ میری بدقسمتی رہی کہ اس اہم دوروزہ علمی پروگرام میں نہ شریک ہوسکا اور اس کے اکثر مقالات سننے کا شرف نہ حاصل کر سکا۔ لیکن جو مقالات سننے کا موقع ملا ان سے اندازہ ہوا کہ الحمد للہ مقالات بڑے اہم، مفید اور لوگوں کے لیے بھی نہایت نتیجہ خیز ہیں اور انشاء اللہ العزیز مستقبل میں بھی ان سے بہتر نتائج کی امید کی جاسکتی ہے۔اس لیے میں اس کے منتظمین کو مبارکباد دیتا ہوں اور اسی کے ساتھ یہ گزارش کرتا ہوں کہ بہرحال یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے اور اس سے وسیع پیمانے پر ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب العالمین اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہم سب کو کتاب وسنت کا شیدائی اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ **وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.**

مشاھدات

تحریر: مولانا عبدالمنان سلفی
مدیر ماہنامہ "السراج" جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر

علوم حدیث: مطالعہ و تعارف
کے موضوع پر
علی گڑھ میں دوروزہ سمینار

حدیثِ رسول ﷺ اسلامی شریعت کا وہ اہم ماخذ اور بنیادی سرچشمہ ہے جس کے بغیر اللہ کی آخری کتاب ہدایت قرآن کریم کا سمجھنا اور شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں، اسی لیے عہد صحابہ سے لے کر آج تک امت نے اس کی صیانت و حفاظت، جمع و ترتیب، توضیح و تشریح، تحقیق و تنقید، اور نشرواشاعت میں اپنی امکانی کوشش صرف کی ہے اور اس علم کی خدمت کار ثواب سمجھ کر انجام دیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث رسول اللہ ﷺ کے خلاف دریدہ دہنی کی گئی، اس کے مقام کو گھٹایا گیا، اس کی حیثیت کم کی گئی اور اس کی حجیت کے بارے میں کسی شبہ کا اظہار کیا گیا تو جناب صادق و مصدوق ﷺ کے اقوال و افعال و تقاریر کے دفاع کے لیے عاملین حدیث کے مقدس گروہ نے بالخصوص اپنی تمام تر توانیاں صرف کیں اور امت کو خبردار کیا کہ اگر حدیثوں سے مسلمانوں کا رشتہ ٹوٹ گیا اور یا کمزور پڑ گیا تو پھر اسلام کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

انہیں نفوس قدسیہ کی مخلصانہ کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی احادیث رسول کا ثابت شدہ ذخیرہ امت کے درمیان چراغ راہ بن کر موجود ہے جس سے مسلمان قدم قدم پر رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان اسلاف کرام اور محدثین عظام کو جزائے خیر دے۔ (آمین)

سید البشر افضل الانبیاء الرسل جناب محمد ﷺ کی جانب انتساب کی وجہ سے چونکہ علم حدیث کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اور یہ علم دوسرے علوم سے اشرف و افضل ہے اس لیے اس علم شریف سے اشتغال رکھنے والوں کا مقام بھی بڑا بلند ہے، خود اللہ کے رسول نے ایسے لوگوں کے لیے جو علم حدیث کی نشرواشاعت میں مصروف ہوں یہ دعا فرمائی ہے کہ:

"نضر الله امرا سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى له من سامع. (ترمذی)

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تروتازہ اور سرسبز و شاداب رکھے جس نے مجھ سے کچھ سن کر اسے دوسروں تک من وعن پہنچایا، اس لیے کہ جن تک یہ حدیثیں پہنچائی گئی ہیں ان میں بہتیرے لوگ ایسے ہیں جو سننے والوں سے انہیں زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں۔

نیز طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے حدیث سیکھنے سکھانے والوں کو اپنا جانشین قرار دے کران کے لیے دعائے رحمت فرمائی ہے، حدیث کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"اللهم ارحم خلفائي قلنا يا رسول الله من خلفاء ك؟ قال الذين يرون احاديثي ويعلمونها الناس."

یعنی اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما ہم نے کہا یارسول اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا میرے خلفاء وہ لوگ ہیں جو میری حدیثوں کی روایت کریں گے اور انہیں لوگوں کو سکھائیں گے۔

اس لیے مسلمانوں نے بالعموم اور اصحاب الحدیث نے بالخصوص اس علم شریف کی خدمت کو اپنے لیے ہمیشہ باعثِ سعادت تصور کیا اور اس کی جمع و تدوین، حفاظت و صیانت، تحقیق و تنقید، اور نشر و اشاعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دے کر اس علم کو فروغ دیا۔ اصحاب الحدیث کا یہ کارنامہ تاریخ اسلام میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ اور امت کا کوئی بھی فرد ان کے اس عظیم احسان سے قیامت تک عہدہ برآنہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا اصحاب الحدیث یا اہل الحدیث کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی حدیثِ رسول پر کسی جانب سے کوئی حملہ ہوا یا اس کی حیثیت کم کرنے کی ناروا کوشش کی گئی یا اس کے خلاف داخلی یا خارجی ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں۔ تو اصحابِ الحدیث یا اہل الحدیث نے میدان میں اتر کر حدیث کے خلاف چلنے والی آندھیوں کا مقابلہ کیا اور ہر قسم کی مصلحتوں کو نظر انداز کر کے احادیث کی حیثیت و اہمیت کو اجاگر کیا اور اس کے دفاع کا بھرپور حق ادا کیا۔

آج جب کہ حدیث رسول داخلی اور خارجی ریشہ دوانیوں کا شکار ہے اور اغیار کی بات تو جانے دیجیے اپنوں نے اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا ہے اور اس کی حیثیت کو کم سے کم تر کرنے کی جسارت کر ڈالی ہے، اور مختلف حیلوں اور بہانوں کا سہارا لے کر ایک طرف بعض منحرف فرقوں نے اس کی حجیت کا انکار کر دیا ہے اور دوسری جانب کچھ لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ ان میں تشکیک کی راہ پیدا کر دی ہے، اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ امت کو حدیث کے صحیح مقام سے باخبر کیا جاتا ان کے دل میں اس کی قیمت جاگزیں کی جاتی، حدیث کے سلسلہ میں پھیلائے گئے شکوک و شبہات اور عقلی توہمات کا علمی جائزہ لے کر ان کا ازالہ کیا جاتا اور امت کو جادۂ سنت پر گامزن ہونے کی دعوت دی جاتی۔

اللہ جزائے خیر دے برادران فاضل مولانا صلاح الدین مقبول احمد سلفی، مولانا عبدالمعید صاحب سلفی، مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، مولانا عبدالواحد مدنی سلفی کو جنہوں نے وقت کی اس ضرورت کو محسوس کیا اور اپنے اسلاف کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے علی گڑھ جیسی علمی سرزمین پر مقامی جمعیت اہل حدیث علی گڑھ کے زیر اہتمام "علوم حدیث۔ مطالعہ و تعارف" کے موضوع پر بتاریخ ۱۸، ۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ایک دو روزہ سمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا تاکہ مختلف طریقوں سے حدیث کی اہمیت اجاگر کی جاسکے۔

الحمدللہ یہ سمینار اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب رہا اور ہندونیپال کے چیدہ بابصیرت اہل علم نے منتخب موضوعات پر بڑے اہم اور گراں قدر مقالے پیش کئے، اور علوم حدیث کے ایسے گوشوں کو اجاگر کیا جن سے عوام تو عوام اکثر خواص بھی ناآشنا تھے۔ ذیل میں اس سمینار کی مختصر رپورٹ پیش خدمت ہے جس سے سمینار کی اہمیت وافادیت اور کامیابی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

افتتاحی اجلاس ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز یکشنبہ ۱۱ تا ۲ بجے دوپہر

اس نشست کی صدارت علم حدیث پر گہری نظر رکھنے والے نوجوان فاضل محقق اور متعدد عربی کتابوں کے مصنف مولانا صلاح الدین مقبول احمد صاحب سلفی مدنی حفظہ اللہ نے فرمائی جو کویت سے پروگرام میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے اور نظامت کا فریضہ برادر فاضل مولانا عبدالواحد صاحب سلفی مدنی نے انجام دیا۔ پروگرام کا آغاز سٹی ہائی اسکول علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے استاذ مولانا محمد رفیق قاسمی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا آیات کا اردو ترجمہ مولانا رفیق احمد رئیس سلفی نے کیا، اس کے بعد مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی نے ایک نعت پیش کی، کلیدی خطبہ مولانا عبدالمعید صاحب سلفی نے پڑھا جس میں سمینار کے مقاصد بیان کرتے ہوئے حدیث کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ پھر مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مولانا سلطان احمد صاحب اصلاحی رکن ادارہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر دہلی نے بالترتیب افتتاحی خطاب کیا۔ مولانا رحمانی کا خطاب بڑا ہی علمی اور پر مغز تھا، موصوف نے بڑی وضاحت کے ساتھ علم حدیث کی اہمیت اجاگر کی اور محدثین کے منہج پر بھرپور روشنی ڈالی، آخر میں صدر اجلاس مولانا صلاح الدین صاحب نے مختصر صدارتی تقریر کی اور ''روایت ودرایت ایک جائزہ صحیح نقطہ نظر'' کے موضوع پر اپنا پُر مغز مقالہ پیش کیا۔ اس طرح افتتاحی نشست اختتام پذیر ہوئی۔

دوسری نشست ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء بعد نماز عصر تا مغرب

صدارت: مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی : نظامت: عبدالمنان سلفی

پہلا مقالہ: ''فیضی علمائے مئو کی خدمات حدیث'' : مولانا اقبال احمد محمدی فیضی مدنی

دوسرا مقالہ: ''طبقات رجال: حدیث کے استناد میں ان کی اہمیت'' : مولانا ارشد فہیم الدین سلفی مدنی

تیسری نشست بعد نماز مغرب

صدارت: مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی : نظامت: مولانا رفیق احمد رئیس سلفی علی گڑھ

پہلا مقالہ: ''حدیث کی تشریعی اہمیت'' : عبدالمنان سلفی

دوسرا مقالہ: ''مرعاۃ المفاتیح اور اس کے مؤلف'' : مولانا عبدالعلیم ماہر سمراوی

تیسرا مقالہ: ''ظن: اصول حدیث کی اہم تعبیر'' : مولانا رفیق احمد سلفی، دہلی

چوتھا مقالہ: ''نصوص کتاب وسنت اور فقہی تصلبات'' : مولانا سلطان احمد اصلاحی

خطبہ صدارت: : صدر اجلاس

چوتھی نشست: ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء صبح ۹؍ بجے تا ۱؍ بجے دوپہر

صدارت: مولانا ابوالعرفان محمد عمر صاحب سلفی گونڈوی : نظامت: مولانا ارشد فہیم الدین صاحب سلفی مدنی

پہلا مقالہ: ''حدیث مرسل ایک تحقیقی جائزہ'' : مولانا کفایت اللہ صاحب سلفی مدنی جامعہ ابن تیمیہؒ چندن بارہ

دوسرا مقالہ: "احادیث ضعیفہ: صحیح نقطہ نظر" : مولانا اسعد اعظمی، مئو

تیسرا مقالہ: "جماعت اہلحدیث ہند کی خدمات حدیث" : مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی بنارس

چوتھا مقالہ: "خبر آحاد: مفہوم اور ان کی شرعی حیثیت" : مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم عالیاوی سلفی مدنی، مئو

پانچواں مقالہ: "تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائی۔ایک جائزہ" : مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی بنارس

پانچویں نشست: بعد نماز عصر تا مغرب

صدارت: مولانا عبدالعلیم ماہر سمراوی نظامت: مولانا عبدالمنان صاحب اثری و مولانا رفیق احمد سلفی علی گڑھ

پہلا مقالہ: "ابنائے جامعہ عالیہ مئو کی خدمات حدیث" : مولانا شریف اللہ صاحب سلفی مئو

دوسرا مقالہ: "ائمہ ستہ کے شروط، ایک تفصیلی مطالعہ" : مولانا عبدالہادی مدنی، ممبئی

تیسرا مقالہ: "تخریج احادیث-اہمیت اور طریقۂ کار" : مولانا اقبال احمد سلفی مدنی مالیگاؤں

چوتھا مقالہ: "برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث-اسباب و اثرات" : ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی علی گڑھ

آخری نشست: بعد نماز مغرب تا ۱۰ بجے شب

صدارت: قاری نجم الحسن صاحب فیضی نظامت: مولانا رفیق احمد سلفی، علی گڑھ

پہلا مقالہ: "حدیث اور مستشرقین" : مولانا احسان اللہ خاں ندوی، علی گڑھ

دوسرا مقالہ: "تدوین حدیث تاریخ، مراحل، امتیازات" : مولانا احمد مجتبیٰ صاحب مدنی بنارس،

تیسرا مقالہ: "بلوغ المرام، آثار السنن، اعلاء السنن-تقابلی جائزہ" : مولانا عاشق علی اثری

چوتھا مقالہ: "جامع ترمذی کی تین شروح العرف الشذی،
تحفۃ الاحوذی اور معارف السنن ایک جائزہ" : مولانا ابوالعاص وحیدی، دہلی

پانچواں مقالہ: سنن ابی داؤد کی شروح بذل المجہود،

غایۃ المقصود اور عون المعبود ایک تقابلی جائزہ : مولانا عزیز احمد صاحب سلفی مدنی، دہلی

اختتامی نشست تجاویز و سفارشات کے لیے خاص تھی مگر چوں کہ بعض اہم مقالے پڑھے نہ جاسکے تھے اس لیے اختتامی نشست میں پہلے مقالے پیش کئے گئے۔ پھر مولانا سلطان احمد صاحب اصلاحی، مولانا خورشید احمد صاحب سلفی شیخ الجامعہ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی (مئو) مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی (بنارس) اور مولانا عاشق علی صاحب اثری (دہلی) نے اپنے اپنے تاثرات بیان کئے اور تجاویز پیش کیں۔ اور سبھی حضرات نے اس سمینار کو کامیاب اور مفید ترین پروگرام قرار دیا۔ مولانا اصلاحی نے تجاویز پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے علمی پروگراموں کی سرپرستی اہلحدیث مراکز کی جانب سے کی جانی چاہیے، نیز ایسے ٹھوس اور علمی کارناموں کو منظم طور پر انجام دینے کے لیے جماعت کو ایک تحقیقی مرکز کے قیام پر توجہ دینی چاہیے۔ موصوف نے باہمی تعاون اور فقہی تعصبات سے دور رہنے کی بھی تلقین کی اور سمینار میں پڑھے گئے

مقالوں کی اشاعت کا بھی مشورہ دیا۔

مولانا خورشید احمد سلفی نے پروگرام کی کامیابی پر مسرت ظاہر کرتے ہوئے علوم حدیث پر ایک تحقیقی مجلّہ کی اشاعت کی تجویز پیش کی اور فرمایا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات تک ذخیرہ احادیث پہنچانے کا انتظام بھی ہونا چاہیے، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی نے مشورہ دیا کہ حدیث کے موضوع پر پروگرام میں تجربہ کار اساتذۂ حدیث سے بھی استفادہ مناسب ہوگا۔ مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا کہ علم حدیث کے تعارف کے سلسلہ میں اتنی اچھی مجلس میں نے اب تک نہ دیکھی، آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ ایسے علمی پروگراموں میں دعوتی پہلو پر بھی نظر ہونی چاہیے تاکہ اہل علم کے ساتھ عوام بھی مستفید ہوسکیں۔ مولانا عاشق علی صاحب اثری نے اس پروگرام کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے جملہ تجاویز کی توثیق و تائید فرمائی۔ اس کے بعد بمبئی سے تشریف لائے خصوصی مہمان مولانا قاری نجم الحسن صاحب فیضی نے صدارتی خطبہ میں علم حدیث کی اہمیت و ضرورت کو بڑے دلنشیں انداز میں بیان کیا۔ اور سب سے اخیر میں مولانا عبدالمعید سلفی نے تمام مقالہ نگاران، اعیان جماعت، معاونین، منتظمین سیمینار اور تمام شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ جو تجاویز پیش کی گئی ہیں وہ سب الحمد للہ ہمارے پروگرام میں شامل ہیں اور انشاء اللہ امکانیات ووسائل کے مطابق ہم انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے۔ بشرطیکہ بزرگوں کی دعائیں اور مشورے اور احباب کا مخلصانہ تعاون ہمارے شامل حال رہے۔ مولانا کے خطاب کے ساتھ ہی یہ پروگرام بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ والحمد للہ۔ واضح رہے کہ مقالات کی نشست میں ہر مقالے کے بعد متعلقہ موضوع پر مقالہ نگار سے سوال وجواب اور مناقشہ کا سلسلہ برابر جاری رہا جس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

پروگرام میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بعض اساتذہ وطلبہ، دیگر اہل علم اور علی گڑھ اور قرب وجوار کے افراد جماعت کے علاوہ دور دراز کے محبان حدیث نبوی بھی شریک ہوئے، چنانچہ نیپال سے خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری حفظہ اللہ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرحمٰن صاحب ندوی نے بطور خاص اس پروگرام میں شرکت کے لیے علی گڑھ کا سفر کیا اور موصوف اپنی کمزوری اور بیماری کے باوجود پابندی کے ساتھ ہر نشست میں موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء اور منتظمین کو جزائے خیر دے۔

اس کامیاب پروگرام کے انعقاد پر ادارہ ماہنامہ "السراج" داعیان سیمینار کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے امید کرتا ہے کہ ایسے مفید اور علمی پروگرام بار بار منعقد ہوتے رہیں گے۔ واللہ الموفق۔

نسیم الاسلام صہبا
ناظم مقامی جمعیت اہلِ حدیث، سول لائنس، علی گڑھ

تنویرِ حدیث

ظلمتوں پر بڑھ کے چھا جاتی ہے تنویرِ حدیث
جب کسی کے دل میں در آتی ہے تنویرِ حدیث
اُس سے کتراکر گزر جاتی ہے ہر ایک تیرگی
جس کے بھی دل میں اتر جاتی ہے تنویر حدیث
شرک کی بدعت کی لعنت سے بچاتی ہے یہی
رحمتیں انساں پہ برساتی ہے تنویرِ حدیث
جب کسی بھی مسئلہ پر اپنا مرجھاتا ہے دل
تازگی ایمان میں لاتی ہے تنویرِ حدیث
اس کے منکر راہ حق پر آ نہیں سکتے کبھی
مومنوں کو راہ دکھلاتی ہے تنویرِ حدیث
اس کے لب پر ہر گھڑی رہتے ہیں اقوالِ رسول
روح میں جس کے سما جاتی ہے تنویرِ حدیث
استفادہ تم کو کرنا ہے اگر قرآن سے
اس کی بھی تفسیر سمجھاتی ہے تنویرِ حدیث
جاگزیں ہوجاتا ہے جس دل میں سودائے رسول
زندگی کا سوز بن جاتی ہے تنویرِ حدیث
حکم ربی ہی حقیقت میں ہے فرمانِ رسول
نور قرآں ہی کا برساتی ہے تنویرِ حدیث
راز صہبا جانتا ہے ہر شناسائے رسول
زیست کا منشور سمجھاتی ہے تنویرِ حدیث

ULOOMUL-HADITH

(MUTALA'A WA TA'ARUF)

Supervised by:
Maulana Abdul Moid Madani

Edited by :
Rafeeque Ahmad Raees Salafi

Published by :
Muqami Jamiat Ahl-e-Hadith
Civil Lines, Aligarh-202002,(U.P.) INDIA